سیرتِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

تاریخ کے آئینے میں

پروفیسر حافظ اظہر محمود

نشریات

Marfat.com

سیرت امیر معاویہؓ

تاریخ کے آئینے میں

155
191
1

پروفیسر حافظ اظہر محمود

اس کتاب میں حضرت معاویہ کی شان کم
اور حضرت علی کی بعزمتی زیادہ کی گئی ہے

نشریات
۴۰ اُردو بازار، لاہور۔ فون: ۴۵۸۹۴۱۹۔۰۳۲۱

Marfat.com

۹۲۲ء۹۷ اظہر محمود، حافظ، پروفیسر
اظ ہ،س سیرت امیر معاویہؓ۔تاریخ کے آئینے میں
لاہور : نشریات
۲۰۰۹ء ص: ۷۰۲
سوانح۔سیرت۔تاریخ
ISBN 978-969-8983-50-5

297.9122
A66
94977

جملہ حقوق محفوظ
۲۰۰۹ء

نام کتاب : سیرت امیر معاویہؓ.....تاریخ کے آئینے میں
مصنف : پروفیسر حافظ اظہر محمود
اہتمام : نشریات، لاہور
مطبع : میٹرو پرنٹرز، لاہور

ڈسٹری بیوٹرز

فضلی بک سپر مارکیٹ
اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون: 2212991-2629724

کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اُردو بازار، لاہور فون: 7320318 فیکس: 7239884
ای میل: hikmat100@hotmail.com

Marfat.com

ترتیب

- حرفِ اوّا ..... پروفیسر عبدالجبار شاکر ---------- ۱۷
- تقدیم ---------- ۲۵
- تاریخ اور اس کی حیثیت ---------- ۳۷
- اسلامی تاریخ کے مآخذ ---------- ۴۰
  - ۱۔قرآنِ حکیم ---------- ۴۰
  - ۲۔احادیث ---------- ۴۲
  - ۳۔تاریخ ---------- ۵۰
- حدیث وتاریخ کا تقابل ---------- ۶۱
- تاریخی روایات کو پرکھنے کے اصول ---------- ۶۵
- تاریخ کی چند مشہور کتابوں پر ایک نظر ---------- ۶۷
  - (۱) تاریخ طبری ---------- ۶۷
  - (۲) طبقات ابن سعد ---------- ۷۱
  - (۳) ابن اثیر ---------- ۷۴
  - (۴) ابن کثیر ---------- ۷۴
- الامامۃ والسیاسۃ ---------- ۷۵
- کیا کتب تاریخ ناقابل اعتماد ہیں؟ ---------- ۷۹
- خاندانِ قریش ---------- ۸۲
- خاندانِ قریش کی شاخیں ---------- ۸۳
- بنواُمیہ ---------- ۸۴
- بنواُمیہ اور تجارت ---------- ۸۴
- بنواُمیہ مخالفت اور موافقت کے روپ میں ---------- ۸۵
- بنواُمیہ نگاہِ نبوت میں ---------- ۸۷

Marfat.com

- بنو ہاشم کا قبولِ اسلام ---------- ۹۲
- بنوامیہ کا قبولِ اسلام ---------- ۹۵
- دونوں خاندانوں کا تقابلی جائزہ ---------- ۱۰۱
- عہد رسالت میں بنوامیہ کا سیاسی مقام ---------- ۱۰۲
- عہد صدیقی اور بنواُمیہ ---------- ۱۰۵
- عہد فاروقی اور بنواُمیہ ---------- ۱۰۷
- سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ---------- ۱۰۹
- نام ونسب ---------- ۱۰۹
- سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ ---------- ۱۱۰
- ہند بنت عتبہ بن ربیعہ والدہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہما ---------- ۱۲۲
- سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولادت ---------- ۱۳۱
- صورت وسیرت ---------- ۱۳۲
- علم میں گہرائی اور گیرائی ---------- ۱۳۳
- اسلام ---------- ۱۳۸
- بارگاہِ رسالت میں مقام ---------- ۱۴۶
- ایک شبہ اور اس کا ازالہ ---------- ۱۴۸
- سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رسالت اور خلافت راشدہ کے عہد میں ---------- ۱۵۲
- عہد رسالت اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ---------- ۱۵۲
- کتابت وحی اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ---------- ۱۶۱
- عہد صدیقی اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ---------- ۱۶۸
- ارتداد و بغاوت کی لہر ---------- ۱۷۰
- ختم نبوت کی حفاظت ---------- ۱۷۰
- فتوحات عراق وشام ---------- ۱۷۳
- شام اور عراق کی فتح ---------- ۱۷۵
- عہد فاروقی اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ---------- ۱۸۲

Marfat.com

- عہد عثمانی اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ---------- ۲۰۱
- آرمینیہ کی فتح ---------- ۲۰۲
- بحری بیڑا اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ---------- ۲۰۴
- قبرص کی فتح ---------- ۲۰۷
- شمشاط اور ملطیہ کی فتح ---------- ۲۱۲
- قسطنطین سے پہلی جنگ ---------- ۲۱۳
- مملکت اسلامی میں فتنہ کی لہریں ---------- ۲۱۹
- مخالفت کا پس منظر ---------- ۲۲۲
- سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے اسباب ---------- ۲۲۳
- سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتنہ کے اثرات ---------- ۲۲۹
- خلافت عثمانی میں فتنہ کے برگ و بار ---------- ۲۳۰
- عبداللہ بن سباء.....قائد تحریک ---------- ۲۳۱
- عبداللہ بن سباء کا حدودِ اربعہ ---------- ۲۳۱
- بصرہ میں فتنہ کی ابتداء ---------- ۲۳۵
- ابن سباء کا کوفہ میں داخلہ ---------- ۲۳۷
- سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سبائیوں کو فہمائش ---------- ۲۳۹
- عبداللہ بن سباء کی حکمت عملی ---------- ۲۴۵
- ابتدائی کارروائیاں ---------- ۲۴۶
- سیّدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ---------- ۲۴۹
- گورنروں کی مجلس شوریٰ کا انعقاد ---------- ۲۵۷
- کوفہ میں انقلاب کی لہریں ---------- ۲۶۰
- تحقیقاتی کمیشن ---------- ۲۶۳
- ایک گشتی مراسلہ ---------- ۲۶۵
- سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا امیر المؤمنین کو مشورہ ---------- ۲۶۵
- مدینہ منورہ پر باغیوں کی پہلی یورش ---------- ۲۶۷

Marfat.com

- مدینہ طیبہ پر دوسری یورش ---------- ۲۶۸
- مدینہ طیبہ پر تیسری یورش ---------- ۲۶۹
- شہادت کے بعد ---------- ۲۷۳
- قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا مقام ---------- ۲۷۵
- عہد علوی اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ---------- ۲۷۶
- سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت ---------- ۲۷۶
- خلافت علی رضی اللہ عنہ اور مدینہ کی حالت ---------- ۲۸۲
- جنگ جمل اور اس کے اسباب ونتائج ---------- ۲۸۴
- جنگِ صفین ---------- ۲۸۶
- پس منظر ---------- ۲۸۶
- سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور مطالبہ قصاص ---------- ۲۸۸
- ملکی انتظامیہ میں تبدیلی ---------- ۲۹۰
- سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی معزولی ---------- ۲۹۵
- سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت ---------- ۲۹۷
- سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جوابی کارروائی ---------- ۲۹۸
- اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف ---------- ۳۰۰
- مصالحت کی ایک اور کوشش ---------- ۳۰۳
- گشتی مراسلہ ---------- ۳۰۵
- ایک اعتراض اور اس کا جواب ---------- ۳۰۶
- سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی شام روانگی ---------- ۳۰۷
- ایک من گھڑت روایت ---------- ۳۰۸
- میدانِ جنگ میں مصالحت کی کوشش ---------- ۳۱۰
- جنگ کی ابتداء ---------- ۳۱۴
- جنگ کا دوبارہ آغاز ---------- ۳۱۵
- تاریخ اسلام میں غلط روایات ---------- ۳۱۷

Marfat.com

- سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں انتشار ---------- ۳۲۰
- تحکیم ---------- ۳۲۳
- سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا نافرمان لشکر ---------- ۳۲۴
- جنگ صفین کے بارے میں سیّدنا علی b کا فیصلہ ---------- ۳۲۶
- ثالثوں کا اجمالی تعارف ---------- ۳۲۹

  ۱۔ سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ---------- ۳۲۹

  ۲۔ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ---------- ۳۳۲
- معاہدۂ تحکیم ---------- ۳۳۵
- فیصلہ سنانے کا مقام ---------- ۳۳۹
- فیصلہ سے متعلق مشہور روایات ---------- ۳۴۰
- روایات پر اجمالی بحث ---------- ۳۴۷
- ثالثوں کا اصل فیصلہ ---------- ۳۵۱
- اہل السنّت والجماعت کا مسلک ---------- ۳۵۶
- عدالتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بحث ---------- ۳۵۷
- عدالت صحابہ رضی اللہ عنہم کا مطلب ---------- ۳۶۰
- مشاجرات صحابہ میں اہل السنّت کا مذہب ---------- ۳۶۳
- فتنہ کے اصل بانی ---------- ۳۶۶
- اہلِ عراق اور سب وشتم ---------- ۳۶۹
- مشاجرات صحابہ کے بارہ میں ابن خلدون کا نظریہ ---------- ۳۷۱
- سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن وتشنیع کی ابتداء ---------- ۳۷۵
- سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا مصر پر قبضہ ---------- ۳۸۵
- محمد بن ابی حذیفہ کا انجام ---------- ۳۹۰
- نقد ونظر ---------- ۳۹۲
- خوارج کی سرکشی ---------- ۳۹۴
- مختلف علاقوں میں سبائیوں کی شورش پسندی ---------- ۴۰۱

Marfat.com

- سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا بعض علاقوں پر قبضہ ---------- ۴۰۱
- فریقین میں مصالحت ---------- ۴۰۴
- سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا گورنری سے استعفا ---------- ۴۰۴
- تاریخ کا نیا دھارا ---------- ۴۰۶
- سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ---------- ۴۰۶
- نصیحتیں ---------- ۴۰۸
- وفات ---------- ۴۱۰
- نیا دھارا ---------- ۴۱۳
- خلافتِ حسنی اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ---------- ۴۱۳
- سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی مخالفت ---------- ۴۱۷
- سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی منافقت ---------- ۴۱۹
- سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح پر آمادگی ---------- ۴۲۰
- احباب سے مشورہ ---------- ۴۲۳
- سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ سے مشورہ ---------- ۴۲۴
- سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے صلح کی پیش کش ---------- ۴۲۶
- شرائط صلح ---------- ۴۳۰
- دست برداری کا اعلان ---------- ۴۳۶
- مدینہ منورہ واپسی ---------- ۴۴۰
- مخالفت کا طوفان ---------- ۴۴۰
- اعتراضات کے جوابات ---------- ۴۴۴
- سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کا مخالفت کرنا ---------- ۴۴۵
- سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایک خلیفہ کی حیثیت سے ---------- ۴۴۸
- اجتماعِ امت ---------- ۴۴۹
- شورشیں اور بغاوتیں ---------- ۴۵۳
- خوارج کی شورش کا قلع قمع ---------- ۴۵۵

Marfat.com

- خارجیوں کی سرکوبی ---------- ۴۵۵
- بصرہ کی شورش ---------- ۴۵۸
- بغاوتیں ---------- ۴۶۰
- فتوحات ---------- ۴۶۱
- بخارا اور سمرقند وغیرہ کی فتح ---------- ۴۶۴
- فتح سندھ ---------- ۴۶۶
- افریقہ کی فتوحات ---------- ۴۶۸
- عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ ایک بہترین جرنیل ---------- ۴۶۸
- بلادِ روم کی فتوحات ---------- ۴۷۱
- قسطنطنیہ پر لشکر کشی ---------- ۴۷۳
- بحری غزوات ---------- ۴۸۳
- روڈس کی فتح ---------- ۴۸۳
- ارواڈ کی فتح ---------- ۴۸۵
- مختلف قلعوں کی فتوحات ---------- ۴۸۵
- مالیات ---------- ۴۸۶
- بیت المال ---------- ۴۸۷
- بیت المال کی آمدنی کے ذرائع ---------- ۴۸۷

۱۔ زکوٰۃ ---------- ۴۸۷

۲۔ عشر ---------- ۴۸۸

۳۔ خراج ---------- ۴۸۹

۴۔ جزیہ ---------- ۴۹۱

۵۔ غنیمت اور فئے ---------- ۴۹۳

۶۔ جاگیریں ---------- ۴۹۴

۷۔ دفینے ---------- ۴۹۵

۸۔ عطایا اور اوقاف ---------- ۴۹۶

Marfat.com

۹۔عشور ---------- ۴۹۶

۱۰۔لقطہ ---------- ۴۹۹

۱۱۔لاوارث ترکے ---------- ۴۹۹

● صوبوں کی آمدنی ---------- ۵۰۲

● نظام اخراجات ---------- ۵۰۴

(۱)عسکری اخراجات ---------- ۵۰۴

★ افوج کی تنخواہیں ---------- ۵۰۴

● مصر کے علاقہ میں ---------- ۵۰۷

● شام کے علاقے میں ---------- ۵۰۷

● عراق میں ---------- ۵۰۷

● سامان حرب کے اخراجات ---------- ۵۰۸

● انتظامی اخراجات ---------- ۵۰۸

● سوشل سیکورٹی کے اخراجات ---------- ۵۱۱

● اصلاحات ---------- ۵۱۲

● رفاہِ عامہ کے کام ---------- ۵۱۳

● مساجد کی تعمیر ---------- ۵۱۳

● غلاف کعبہ ---------- ۵۱۴

● غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ ---------- ۵۱۴

● احتساب ---------- ۵۱۵

● زراعت اور اس کے وسائل میں ترقی ---------- ۵۱۹

● زراعت کے لیے پانی کی فراہمی ---------- ۵۲۰

● حکومت کی طرف سے زراعت کا اہتمام ---------- ۵۲۱

● نئے شہروں کی تعمیر ---------- ۵۲۳

● نقل وحمل کا انتظام ---------- ۵۲۵

● رعایا سے سلوک ---------- ۵۲۵

Marfat.com

- عدالت وقضاء ---------- ۵۲۷
- نظام قضاء کی ضرورت ---------- ۵۲۹
- نظامِ قضاء کی حکمتیں ---------- ۵۳۰
- قاضیوں کا تقرر ---------- ۵۳۰
- عسکری نظام ---------- ۵۳۹
- بری فوج ---------- ۵۳۹
- اسلامی بحریہ ---------- ۵۴۲
- جہاز سازی کے کارخانے ---------- ۵۴۳
- قلعوں کی تعمیر ---------- ۵۴۴
- کمانڈر انچیف کا عہدہ ---------- ۵۴۵
- تجارت کی ترقی کا اہتمام ---------- ۵۴۵
- صنعت وحرفت ---------- ۵۵۵
- نظم مملکت ---------- ۵۵۸
- محکمہ جات ---------- ۵۶۱
- قاضی کے فیصلوں کو رجسٹرڈ کرنا ---------- ۵۶۲
- صیغۂ پولیس ---------- ۵۶۲
- حاجب ---------- ۵۶۷
- امرائے حج ---------- ۵۶۸
- ڈیفنس رولز ---------- ۵۶۸
- صیغۂ عدالت ---------- ۵۶۸
- ٹکسال ---------- ۵۶۹
- تقریر وتحریر کی آزادی ---------- ۵۶۹
- آثارِ حرم اور آثارِ نبوی کا تحفظ ---------- ۵۷۱
- بنو ہاشم سے تعلقات اور سلوک ---------- ۵۷۴
- خاندانِ عثمانی سے بنو ہاشم کی رشتہ داریاں ---------- ۵۸۱

Marfat.com

- خاندانِ معاویہ رضی اللہ عنہ سے بنو ہاشم کی رشتہ داریاں ---------- ۵۸۳
- سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گورنر ---------- ۵۹۳
- سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ---------- ۵۹۶
- سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ---------- ۵۹۹
- سیّدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ---------- ۶۰۱
- عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ ---------- ۶۰۲
- سیّدنا مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ ---------- ۶۰۳
- سیّدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ ---------- ۶۰۴
- سیّدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہما ---------- ۶۰۶
- زیاد بن ابی سفیان ---------- ۶۰۷
- یزید کی ولی عہدی ---------- ۶۱۱
- خلیفہ کی اہلیت ---------- ۶۲۲
- بیٹے کی نامزدگی ---------- ۶۳۰
- یزید پر فسق و فجور کے اتہامات ---------- ۶۳۴
- وفات ---------- ۶۳۷
- ازواج و اولاد ---------- ۶۴۳
- صفات خاصہ ---------- ۶۴۶
- اعلم و فقہ ---------- ۶۴۶
- حلم و عفو ---------- ۶۵۰
- تدبیر و سیاست ---------- ۶۶۱
- شجاعت و بسالت ---------- ۶۶۳
- سپہ گری ---------- ۶۶۴
- خطابت ---------- ۶۶۴
- عوام کی حاجتوں سے باخبر ہونا ---------- ۶۶۵
- عہد و پیمان کی پابندی ---------- ۶۶۶

Marfat.com

- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ---------- ۶۶۸
- خشیت الٰہی ---------- ۶۷۰
- فضل وکمال ---------- ۶۷۱
- شعر وادب ---------- ۶۷۵
- رسول اللہ ﷺ کے بال کاٹنے کی فضیلت ---------- ۶۷۶
- ظرافت ---------- ۶۷۷
- جود وسخا ---------- ۶۷۸
- سادگی ---------- ۶۷۸
- قیام عدل ---------- ۶۷۹
- اتباع سنت ---------- ۶۸۲
- کرامات ---------- ۶۸۴
- سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ---------- ۶۸۶
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابرِ اُمت کی نظر میں ---------- ۶۸۶

۱۔۔سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے تاثرات ---------- ۶۸۶

۲۔۔سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے تاثرات ---------- ۶۸۶

۳۔۔سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے تاثرات ---------- ۶۸۷

۴۔۔سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے تاثرات ---------- ۶۸۷

۵۔۔سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کے تاثرات ---------- ۶۸۷

۶۔سیّدنا عمیر بن سعد رضی اللہ عنہما کے تاثرات ---------- ۶۸۸

۷۔سیّدنا قبیصہ بن جابر رضی اللہ عنہ کے تاثرات ---------- ۶۸۸

۸۔سیّدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے تاثرات ---------- ۶۸۸

۹۔سیّدنا عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کے تاثرات ---------- ۶۸۹

۱۰۔ابوتوبہ حلبی رحمہ اللہ کے تاثرات ---------- ۶۸۹

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مستشرقین کی نظر میں ---------- ۶۹۰

۱۔انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ---------- ۶۹۰

Marfat.com

۲۔انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ---------- ۶۹۰
۳۔کولمبیا انسائیکلو پیڈیا ---------- ۶۹۱
۴۔انسائیکلو پیڈیا آف سوشل سائنسز ---------- ۶۹۱
۵۔بروکلمن ---------- ۶۹۲
۶۔سائیکس ---------- ۶۹۲
۷۔نکلسن ---------- ۶۹۲
۸۔سر ولیم میور ---------- ۶۹۲
۹۔پروفیسر ہٹی ---------- ۶۹۳

Marfat.com

حرفِ اوّل

تاریخِ اسلام میں عہدِ رسالت، فکر و عمل کی دنیا میں سب سے ممتاز زمانہ ہے۔اس دور میں کاروانِ نبوت اپنی انتہائی منزل تک پہنچ گیا۔ دین وشریعت کے احکام اوران کی تنفیذ اپنی کامل شکل و صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔ عقیدہ، ثقافت، تہذیب، معاشرہ اورریاست اس آہنگ میں ڈھلے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جس کا مطالبہ اور معیار وحی کے آخری نوشتے، قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔اس دورِسعادت میں جن افراد کو قبولیتِ حق کے مواقع نصیب ہوئے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا، وہ صحابہ کے لقب سے پہچانے گئے۔ قرآن مجید کی بیسیوں آیات میں ان کی صفات، خدمات، سیرت، کردار، اعمال، خصائل، ایثار، جان فروشی اور مقام ومرتبہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ انہیں راشدون، صادقون، صالحون، مفلحون اور فائزون کے زمرے میں شمار کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے ان کی حیاتِ دنیوی میں راضی ہونے کا اعلان فرمایا اور جنت النعیم میں داخلے کا حق دار قرار دیا۔ان السابقون الاولون من المهاجرين والانصار ،کو نبیٔ رحمت ﷺ کی صحبت اور تربیت نصیب ہوئی اور یہ سب آسمانِ ہدایت پر نجوم وکواکب کی طرح چمکے اور اپنی ضوفشانی اور درخشانی کے ابدی نشانات چھوڑ گئے۔ ان کے تذکارِ حیات کا ایسا روشن تذکرہ مرتب ہوا کہ تاریخِ انسانی میں اس سے قبل اس نوع کی مثال دکھائی نہیں دیتی۔علم الانساب اور اسماء الرجال کی کتب سے شناسائی رکھنے والے اصحابِ دانش جانتے ہیں کہ ان حضرات کی سیرت وسوانح پر کس قدر جامع تفصیلات فراہم کی گئی ہیں۔ اپنی سیرت وکردار کے انہی اوصاف وکمالات کے باعث انہیں الصحابہ کلهم عدول ،کا سرٹیفکیٹ عطا کیا گیا۔ان کے روشن کارناموں کی تازگی اور تابندگی سے دوسرے مذاہب کے مؤرخین اور محققین بھی متاثر ہوئے۔ انہوں نے مختلف صدیوں میں مسلمان مؤرخین کے قلم سے لکھے گئے سوانحی تذکروں کو تاریخ کے گرد وغبار سے نکالا اور جدید تحقیقی اسلوب کے مطابق منصۂ شہود پر لائے۔ الاصابه فی تمییز الصحابه ،طبقات ابن سعد اور تاریخ الامم والملوک جیسی تاریخی کاوشیں جنہیں مسلمان اہل قلم نے لکھا، انہی مستشرقین کی علمی کاوشوں اور تحقیقی جاں فشانیوں کے باعث آج دنیا کے کتب خانوں کی زینت ہیں۔ یہ علمی سرمایہ اسلام کے

Marfat.com

علاوہ دوسرے مذاہب کے اہل علم کے لیے ہمیشہ سے رشک ورقابت کا باعث رہا ہے۔

صحابی کسے کہتے ہیں، اس بارے میں یہ جامع اور مانع تعریف کی جاتی ہے کہ یہ وہ اصحابِ شرف ہیں جنہوں نے ایمان کی حالت میں حضور ﷺ کی زیارت کی اور پھر اسی حالتِ ایمانی پر ان کی زندگی کا خاتمہ ہوا۔ اس قدسی صفات قافلۂ سخت جان کا آخری مسافر ۱۱۰ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوا۔ یہی وہ خوش نصیب تھے جنہوں نے سیرتِ نبوی اور تعلیماتِ نبوت کو اپنے عمل سے محفوظ کیا۔ محدثین اور مؤرخین نے ان کی روایات اور کارناموں کو کمال حزم واحتیاط کے ساتھ ضبط کیا ہے اور اگر کسی نے ان کی سیرتوں اور کارناموں کو بگاڑنے کی ذرا سی بھی کوشش کی تو روایت ودرایت کے اصولوں نے ان کے مذموم ارادوں کو ناکام بنادیا۔ علوم الحدیث کی تحفیظ وتدوین نے مسلمانوں کے ہاں تاریخ نویسی کے اسلوب کو بھی متاثر کیا۔ مسلمانوں کے علاوہ جب دوسری اقوام کو اپنے مذہبی اکابر کے تذکارِ حیات کو مرتب کرنے کا مرحلہ درپیش ہوا تو انہوں نے مسلمانوں کے طرزِ عمل کے برعکس ہر نوع کی روایات اور افواہوں کو جمع کرلیا مگر ان کے راویوں کے بارے میں ان کے پاس کوئی تاریخی ثبوت نہیں تھا۔ انہوں نے ان خانہ ساز روایات اور خلافِ فطرت افواہوں کے ذخیرے سے ان روایات وواقعات کو الگ کرلیا جو ان کے مزعومہ قرائن وقیاسات سے موافقت رکھتے تھے اور پھر مزعومات، توہمات اور خرافات کا یہی ذخیرہ ایک تاریخی دستاویز کا روپ دھار گیا۔ مغرب میں تاریخ کا اکثر وبیشتر لوازمہ اسی نوع کے رطب ویابس کا مجموعہ ہے۔ مگر مسلمانوں کے ہاں تاریخ نویسی کے فن اور اصول کے مستقل ضوابط موجود ہیں۔ اس فن کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ ان واقعات کو اس شخص کی زبانی بیان کیا جائے جو بذات خود اس میں شریک رہا۔ اور اگر ان وقائع کے راوی خود ان میں شریک نہ تھے تو شریکِ واقعہ تک مرحلہ وار تمام راویوں کے نام زمانی ترتیب کے ساتھ بیان کیے جائیں۔ ان مرحلہ وار راویوں کے سوانح اور سیرت کے جملہ پہلوؤں کو بھی محفوظ کیا جاتا تھا۔ مسلمان مؤرخین کے محدثانہ اسلوب نے ان راویوں کے طرزِ عمل، چال چلن، قوتِ حافظہ اور فہم وفراست کا جائزہ لیتے ہوئے اس امر کا تعین کیا کہ آیا وہ راوی سطحی الذہن ہے یا دقیقہ سنج، صاحب علم ہے یا جاہل مطلق، عوام الناس میں اس کی شہرت مثبت ہے یا منفی نیز اس کی بصیرت اور ثقاہت کا معیار کیا ہے؟ ہر چند ایسی معلومات اور جزئیات کی تلاش وجستجو بظاہر ایک امر محال اور خام خیالی دکھائی دیتی ہے مگر مسلمانوں میں سیکڑوں ایسے عالی دماغ اور باہمت محدثین اور مؤرخین پیدا ہوئے جن کی عمر عزیز کا غالب حصہ اسی مقصدِ وحید کے لیے اسفار اور رحلاتِ علمی میں صرف ہوا۔ وہ ہر وادی اور قبیلے تک پہنچے اور امکانی حد تک ان راویوں یا

Marfat.com

ان کی خبر رکھنے والوں سے ملے۔ ان کے بارے میں ایسی ثقہ روایات کے انبار لگا دیے جو آج اسماء الرجال (Biography) کی بیسیوں کتابوں میں درج ہیں اور بقول ڈاکٹر اسپرنگر، ان کے حوالے سے پانچ لاکھ راویوں کے حالات و واقعات معلوم کیے جاسکتے ہیں۔ علوم الحدیث، اسماء الرجال اور تاریخ نویسی کا یہ محیر العقول ذخیرہ علومِ انسانی کا مستقل افتخار ہے جو اسلامی تہذیب کا ایک طرۂ امتیاز ہے۔

عہد رسالت مآب ﷺ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تزکیۂ نفوس نے ان میں ایمان و عمل کی حرارت پیدا کی تو ایک ایسا صالح معاشرہ وجود میں آیا جس سے اسلامی ریاست کے تمام ادارے آخرت کی باز پرس، خود احتسابی، مسئولیت اور خدمتِ خلق کے جذبے سے سرشار دکھائی دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اس تاریخی ریاست کے مثالی حکمران تھے۔ اس اندازِ حکمرانی نے خلافتِ راشدہ میں اور وسعت اختیار کی۔ آپؐ کے عہدِ مبارک میں جس ریاست کی حدود بارہ لاکھ مربع میل تک پھیلی ہوئی تھیں، خلافتِ راشدہ میں وہ دنیا کے تین براعظموں کے معتدبہ حصے تک وسعت اختیار کر چکی تھی۔ خلافتِ فاروقی میں اسلامی ریاست اپنی اصلاحی، فلاحی اور رفاہی خدمات کی بنا پر ریاستِ نبوی کے مزاج میں ڈھلی ہوئی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو خلافت کی ذمہ داریوں کے لیے منتخب کیا گیا۔ اس دور میں اسلام اور مسلمانوں کے معاندین نے سر نکالنا شروع کیا۔ یمن کے یہودی عبداللہ بن سباء نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اپنے اردگرد ایک ایسی جماعت کو اکٹھا کرلیا جو مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ پیدا کرنے اور اسلامی ریاست کو منہدم کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتی تھی۔ اسی سازشی ٹولے نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا اور پھر مسلمانوں کی صف میں اس طرح سے گھس گئے کہ خلافت کے ادارے کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی سازش میں مصروف ہوگئے۔ شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ میں کوئی ایک صحابی بھی شریک نہیں تھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے نتیجے میں خلافت کی مرکزیت متاثر ہوئی اور سبائیوں کے گروہ نے فتنہ سامانی کے نئے سے نئے حربے اختیار کیے۔ جنگ جمل اور جنگ صفین جیسے معرکے درپیش ہوئے۔ قاتلانِ عثمان کے قصاص کے مطالبے نے ایک ایسی شکل اختیار کی کہ جس کے نتیجے میں خلیفہ راشد سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بھی شہید کر دیے گئے۔ ان کے قاتل بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو قتلِ عثمان میں ملوث تھے۔ آپ کے صالح فرزند حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی مگر اسلامی ریاست میں سبائیوں اور خوارج کی سازشوں کو شکست دینے کے لیے انہوں نے

Marfat.com

ایک تاریخ ساز قدم اٹھایا اور ایک معاہدے کے نتیجے میں خلافت کے منصب سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست بردار ہوگئے اور یوں خلافت کے ادارے نے ایک مرتبہ پھر اپنی مرکزیت کو بحال کرلیا۔

پیشِ نظر کاوش ''سیرت امیر معاویہؓ.....تاریخ کے آئینے میں'' ایک ایسی تحقیق کا ثمرہ ہے جس میں ایک طرف ان کی سیرت وسوانح کا واضح نقشہ دکھایا گیا ہے تو دوسری طرف اس عہد کی ان تاریخی سفاکیوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے جن کے باعث ملّتِ اسلامیہ کو ٹکڑوں اور گروہوں میں تقسیم کرنے کی ناپاک سازش کی گئی۔ یمن کے یہودی عبداللہ بن سباء نے اپنی سازشی فکر کو کیسے پروان چڑھایا اور ردائے خلافت کو تار تار کرنے کے لیے کیسی مذموم سرگرمیوں کو رواج دیا، اس کی مکمل اور جامع تفصیلات کو اس تصنیف میں مؤرخانہ اسلوب کے ساتھ پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ خلافتِ اسلامیہ کے اس دور کے واقعات پر سیکڑوں چھوٹی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں بہت کم تحریریں ایسی ہیں جن میں مؤرخانہ بصیرت اور دیانت کے ساتھ تحقیقی لوازمہ پیش کیا گیا ہو۔ خلافتِ معاویہؓ کے عہد کو بعض حضرات نے اپنے مخصوص مقاصد کے تحت یوں تاریک بنا کر پیش کیا ہے کہ جن کا حقائق و واقعات کی اصلیّت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ سات سو صفحات پر مشتمل اس کتاب میں ایک ایسا تحقیقی اسلوب اور علمی انداز اختیار کیا گیا ہے کہ جو شخصیات کے دفاع کے لیے وضعی روایات اور متعصّبانہ لب ولہجہ اختیار کرنے کے بجائے آئینۂ صداقت میں واقعات کی حقیقی تصویر دکھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسلامی تاریخ کا یہ وہ دور ہے جس پر بہت گرد وغبار چھایا ہوا ہے۔ اسلامی فکر کی طہارت اور وحدتِ امت کی تمنا سے غافل مصنفین نے اپنے قلم کو افراط وتفریط کے حوالے سے جادۂ عدل اور صراطِ مستقیم پر قائم نہیں رکھا۔ وقائع کی حقیقی جزئیات تک رسائی، ان پر نقد وجرح اور تاریخی تناظر میں ان کی صحیح پیش کش، مؤرخانہ دیانت اور بصیرت کا ناگزیر تقاضا ہے۔ ایسے اسلوبِ تاریخ کا ایک معیاری نمونہ حافظ عماد الدین ابن کثیر کی "البدایہ و النہایہ" ہے۔ ہمیں خلافتِ عباسیہ کے مؤرخین سے شکایت ہے کہ انہوں نے چند سیاسی اور نفسیاتی وجوہ کے پیش نظر تاریخ کے چہرے کو بگاڑنے اور مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔ خلیفہ مامون الرشید کی تہدید کے حوالے سے مصنفین نے اموی خلفاء کی تنقیص کا دروازہ کھولا اور مطاعن کو رواج دیا۔ ان کی نسبت تو وہ شیعہ مؤرخین ہی بہتر ہیں کہ جنہوں نے اپنے مذہبی اور مسلکی تعصب کے باوجود انساب کے حقیقی رشتوں اور تعلقات کی صحیح تصویر کشی کی اور یوں قریش میں عبد مناف کے اخلاف کا درست شجرہ پیش کیا، جس کے باعث ہمیں

Marfat.com

بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان تعلقات اور باہمی رشتہ داریوں کی بیسیوں شہادتیں فراہم ہوئیں، جن کا آغاز ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب سے شروع ہوا اور پہلی صدی ہجری کے اختتام تک جاری اور مستحکم دکھائی دیتا ہے۔ علم الانساب کے اہل سنت اور شیعہ ماہرین اور متخصصین نے ان رشتوں کی جو تفصیلات فراہم کی ہیں ان کے مطالعے سے تو ہاشمی اموی اختلافات کی ساری عمارت ہی پیوندِ خاک ہو جاتی ہے۔ پیش نظر کتاب کا مطالعہ اس اعتبار سے بہت چونکا دینے والے مگر درست حقائق کو پیش کرتا ہے۔ مستشرقین کے ہاں ایسے مؤرخین کو بہت پذیرائی حاصل ہے کہ جنہوں نے سیاسی حالات کے دباؤ میں تاریخ کا چہرہ مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایسے تاریخی تعصب کی حقیقت جاننے کے لیے قاضی ابوبکر ابن عربی کی "العواصم من القواصم" اور شاہ عبدالعزیز دہلوی کی "تحفہ اثنا عشریہ" کا مطالعہ بہت سودمند ہوگا۔

بنو ہاشم اور بنو امیہ کے تعلقات یوں تو ہمیشہ بہت اچھے رہے مگر عہد رسالت مآب ﷺ میں یہ مثالی حیثیت رکھتے تھے۔ آپؐ کی ازواج مطہرات میں بنو ہاشم کی کوئی خاتون شامل نہیں۔ اس کا ایک موقع پیدا ہوا، جب آپؐ نے اپنے چچا ابو طالب سے ان کی بیٹی ہند جو اپنی کنیت اُم ہانی کی نسبت زیادہ معروف ہیں، کا رشتہ طلب کیا، مگر آپؐ کے بجائے اس کا نکاح ہبیرہ بن ابو وہب سے ہوا۔ آپؐ کی تینوں بڑی صاحبزادیوں کے نکاح اموی افراد سے ہوئے۔ سب سے بڑی بیٹی زینبؓ کا نکاح حضرت ابوالعاص امویؓ سے ہوا۔ سیدہ رقیہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ کے نکاح یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ سے ہوئے، جن کا تعلق بنو اُمیہ سے ہے۔ آپؐ نے بنو اُمیہ کے سردار ابوسفیان بن حرب بن اُمیہ کی بیٹی سیّدہ اُم حبیبہؓ سے نکاح کیا جو حضرت امیر معاویہؓ کی حقیقی ہمشیرہ ہیں۔ آپؐ کی پھوپھی اُم حکیم البیضاء کا نکاح کریز بن ربیعہ اُموی سے ہوا جو حضرت عثمان بن عفانؓ کی سگی نانی تھیں۔ حضرت علیؓ نے بھی اپنی دو بیٹیوں کے نکاح حضرت مروانؓ کے دو بیٹوں معاویہ اور عبدالملک سے کیے۔ سیّدنا حسین بن علیؓ کی بیٹی سیّدہ فاطمہ کا نکاح حضرت عثمانؓ کے پوتے عبداللہ بن عمرو سے ہوا۔ سیّدنا حسینؓ کی ایک اور بیٹی سیّدہ سکینہؓ کا نکاح دو مرتبہ بیوہ ہونے کے بعد حضرت عثمان کے ایک دوسرے پوتے زید بن عمرو سے ہوا۔ سیّدنا حسنؓ کی بھی ایک پوتی کا نکاح حضرت عثمانؓ کے پوتے مروان بن ابان کے ساتھ ہوا۔ حضرت عثمانؓ کی ایک بیٹی سیّدہ عائشہؓ کا نکاح پہلے حضرت حسن بن علیؓ سے ہوا، ان کی وفات کے بعد اسی خاتون کی شادی سیّدنا حسین بن علیؓ سے ہوئی۔ حضرت عثمانؓ کی ایک پڑپوتی کا نکاح حضرت حسینؓ کے پڑپوتے اسحاق بن عبداللہ بن علی بن حسینؓ سے ہوا۔

Marfat.com

تاریخ انساب کا مطالعہ شاہد ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ حضور ﷺ کے بردارِ نسبتی اور ہم زلف بھی ہیں۔ان کی ہمشیرہ اُمِ حبیبہؓ آپؐ کی اہلیہ اور ان کی بیوی قریبۃ الصغریٰ حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ ام سلمیٰؓ کی بہن تھیں۔ان کی ایک ہمشیرہ ہند بنت ابوسفیانؓ کی شادی حضرت عبدالمطلب کے پڑپوتے حارث بن نوفل سے ہوئی۔امیر معاویہؓ کی حقیقی بھانجی لیلیٰ بنت مرہؓ کا نکاح سیّدنا حسین بن علیؓ سے ہوا جن کے بطن سے ان کے صاحبزادے علی اکبر پیدا ہوئے۔بنو ہاشم اور بنوامیہ کے خاندانوں کے درمیان صرف چند رشتوں کا ذکر کیا گیا ہے مگر ماہرینِ انساب جانتے ہیں کہ ان کے درمیان اور بہت سے مراسم اور تعلقات بھی تھے جن میں سے کچھ کا تذکرہ پیشِ نظر کتاب میں کیا گیا ہے۔

فاضل مصنف کی اس کتاب کا مرکزی موضوع اگرچہ سیّدنا امیر معاویہؓ کی سیرت، سوانح اور کارناموں کی تاریخی اور تحقیقی تفصیل ہے مگر ضمناً اس میں تاریخِ اسلام کی ابتدائی پون صدی کے متعدد واقعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ہاشمی اور اموی تعلقات اور مراسم کے حوالے سے جو تحقیقی لوازمہ پیش کیا گیا ہے، وہ اتحادِ اُمت کی راہ دکھاتا ہے۔اس موضوع پر اختلاف اور تنازع کی جو شکلیں پیش کی جاتی ہیں، آئینہ حقیقت میں اس کی صورت بالکل مختلف نظر آتی ہے۔مختلف وقائع کی پیش کش میں حوالوں کا استناد اس کتاب کی قدر و قیمت میں اضافے کا موجب ہے۔تاریخ اپنی صداقت کے لیے ایک معروضی استدلال کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ امر لائق اطمینان ہے کہ اس تصنیف میں مخاصمانہ یا مناظرانہ اسلوب اپنانے کے بجائے ایک مصلحانہ اور مفاہمانہ پیرایۂ بیان اختیار کیا گیا ہے۔اس نوع کی علمی اور تحقیقی کاوشوں کی بہت ضرورت ہے کیونکہ اسی طرح سے ہم وحدتِ امت کا سامان پیدا کر سکتے ہیں جو ایک ایمانی تقاضا اور عصری ضرورت ہے۔فاضل مصنف کی یہ کاوش لائقِ تحسین ہے کہ وہ اس مقصود میں بہت حد تک کامیاب رہے ہیں۔

''سیرت امیر معاویہؓ..... تاریخ کے آئینے میں'' ایک فاضلانہ تحقیقی کاوش ہے جس میں معتبر مصادرِ علمی اور مستند مراجع کے حوالے سے سیّدنا امیر معاویہؓ کی زندگی، قبولِ اسلام، دینی خدمات، ریاستی امور، عسکری فتوحات، نظامِ مالیات، خارجہ حکمتِ عملی، داخلی استحکام، خدمتِ خلق، رفاہی امور، طرزِ حکمرانی، علمی و ادبی شغف، اہلِ بیت سے حسنِ سلوک اور ان کے شخصی اور خاندانی وقائع کو تاریخی اور تجزیاتی اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔ان تفصیلات سے ان کی شخصیت کا ایک جامع مرقع ترتیب پاتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ذات اور پیغام سے ان کی عقیدت کا علم ہوتا ہے۔وہ کاتبانِ وحی میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔آپؓ ان سے سرکاری مراسلات اور خطوط بھی لکھواتے تھے۔عہد رسالت مآبؐ

94977

Marfat.com

اور خلافتِ راشدہ کے تمام ادوار میں بہت سی ذمہ داریاں اور مناصب انہیں تفویض کیے گئے جنہیں انہوں نے بہت کامیابی سے پورا کیا۔ مسلمانوں میں بحری جنگوں کا انہوں نے آغاز کیا اور بحری بیڑے کو مضبوط بنایا۔ سبائی فتنے اور خوارج کی شورشوں کا انہوں نے کامیابی سے دفاع کیا۔ ان کی شخصیت میں علم، حلم اور برداشت کے امتزاج نے انہیں ایک کامیاب اور مدبّر حکمران کے روپ میں پیش کیا۔ انہوں نے صیغہ فوج اور سامانِ حرب کی تیاری پر خصوصی توجہ دی۔ تجارتی، زرعی اور مالیاتی امور میں ان کی پالیسیاں کامیاب رہیں۔ نئے شہروں اور مساجد کی تعمیر میں حصہ لیا۔ صنعت و حرفت کو فروغ دیا۔ نظمِ مملکت میں استحکام پیدا کیا۔ جہاز سازی کی صنعت سے دور دراز کے علاقوں اور ملکوں کی تسخیر ممکن ہوئی نیز اس سے مواصلاتی اور تجارتی منافع حاصل ہوئے۔ آثارِ نبوی کی حفاظت اور حرمین کے نظام کو درست کیا۔ شہریوں کو تقریر و تحریر کی آزادی دی اور عدل و انصاف کے حصول کو آسان بنایا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داریوں کو پورا کیا۔ یوں ان کا عہدِ حکومت نظم و نسق اور تدبیر و سیاست میں کامیاب دکھائی دیتا ہے۔ ان کی شخصیت میں وجاہت، شجاعت، علمیت، خشیت، خدمت، فقاہت اور عظمت کے بہت سے پہلو دکھائی دیتے ہیں۔

تاریخ اسلام کے قرونِ اولیٰ میں مختلف پہلوؤں سے جہاں عظمت اور افتخار کے پہلو دکھائی دیتے ہیں، وہیں بعض مؤرخین نے صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلافِ فکر و نظر کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ جس دین میں مشاورت کو اساس بنایا گیا ہو، وہاں فکر و نظر کے اختلاف کا پیدا ہونا ایک فطری عمل ہے، مگر صحابہ کرامؓ کے سلسلے میں بعض حضرات نے منفی پروپیگنڈے کا بھی آغاز کیا اور ایسے لوگوں میں پیش پیش وہ شکست خوردہ یہود تھے جنہیں ہر طرح سے رسوائی اور پسپائی کا سامنا کرنا پڑا۔ لہٰذا انہوں نے ایک متعصبانہ اور انتقامی ذہن سے صحابہ کرامؓ کے کردار اور سیرتوں کو داغ دار کرنے کی کوشش کی۔ ملّتِ کفر کے سب نمائندوں نے جہاں عسکری محاذ پر ہزیمت اٹھائی وہیں اکابر اہلِ علم نے انہیں علمی اور اخلاقی سطح پر بھی شکست سے دوچار کیا۔ ان کے تعصبات کے سازِ کہن سے ابھی تک نفرت اور فساد کی کوئی نہ کوئی لے نکلتی رہتی ہے۔ مگر جملہ اہلِ اسلام کو صحابہ کے باہمی اختلاف کے بارے میں اپنی زبانوں اور رویوں کو محتاط رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ امیر المومنین فی الحدیث امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ایک حدیث بیان کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ آپؐ کے نواسے سیدنا حسنؓ تشریف لائے، آپؐ نے انہیں دیکھ کر فرمایا:

ابنی هذا سید و لعل الله ان یصلح به بین فیئتین من المسلمین (رقم ۷۱۰۹)

Marfat.com

''میرا یہ بیٹا سردار ہے اور اللہ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کروائے گا۔''

شارحین نے ان دونوں گروہوں کا تعیّن کرتے ہوئے' انہیں اہلِ عراق اور اہلِ شام کے مسلمان گروہ قرار دیا ہے جنہیں خوارج کافر قرار دیتے تھے مگر حضور ﷺ نے ان دونوں گروہوں کو مسلمان قرار دیا ہے۔ اس حدیث سے فتنے کے اصل محرک خوارج کا رد بھی ہو جاتا ہے کہ وہ کس ڈھٹائی سے ان دونوں مسلمان گروہوں کو کافر قرار دیتے تھے۔ مسلمانوں میں فلسفۂ تاریخ کے بانی ابن خلدون نے بھی اپنے مقدمہ میں ان دونوں گروہوں کے اختلاف کو اجتہادی قرار دیا ہے۔ اور آخر میں اس سارے فتنہ وفساد کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک آزمائش قرار دیا جس سے اس امت کو جانچا اور پرکھا گیا۔ کتاب وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں تعظیم صحابہ کا درس ملتا ہے اور ان میں سے کسی ایک پر سب وشتم سراسر گمراہی اور صریح جہالت ہے جو درجۂ کفر تک پہنچا دیتی ہے۔

پیش نظر کتاب کے فاضل مصنف پروفیسر حافظ اظہر محمود صاحب تبریک کے لائق ہیں کہ انہوں نے کمال محنت' مطالعے، تجزیے اور تحقیق سے اپنے موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس جامع اور ضخیم کتاب میں ہر بات مستند حوالوں سے کی گئی ہے جس کے مطالعے سے دل و دماغ مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اس موضوع پر اس نوع کی علمی اور تحقیقی کاوشیں جاری رکھی جائیں تو ان شاء اللہ تعصب اور نفرت کی برف پگھل جائے گی اور اتحاد بین المسلمین کی فضا کو تقویت ملے گی جس کی ان دنوں پورے عالم اسلام میں بالعموم اور ارضِ پاکستان میں بالخصوص بہت ضرورت ہے۔ کتاب کا منہج تحقیقی ہے۔ اسلوبِ نگارش کی جدّت اور علمی انداز نے اس میں انشا پردازی کی خوبیوں کو پیدا کیا ہے۔ یہی باعث ہے کہ مطالعہ کرتے ہوئے جہاں ایک قاری استدلال اور تحقیق سے متاثر ہوتا ہے وہیں اس کی ادبی دل آویزی سے بھی مسحور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فاضل مصنف کی اس کاوش کو ان کی حسنات میں شمار کرے اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر
ڈائریکٹر' دعوۃ اکیڈمی'
انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد

Marfat.com

تقدیم

الحمد لاهله والصلوٰة علیٰ اهلها.

ویسے تو رسول اللہ ﷺ کا ہر صحابی اللہ کی رضا کا سرٹیفکیٹ لیے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوا اور یقیناً جنت کا مستحق ہے کیوں کہ:

((من رضی الله عنه لم یسخط علیه ابداً ان شاء الله تعالٰی .))

''جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگیا اس سے پھر کبھی ناراض نہیں ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اسی خصوصیت کے باعث امت کا یہ فیصلہ ہے کہ بڑے سے بڑا ولی ایک چھوٹے سے چھوٹے صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ چھوٹے صحابی سے مراد یہ ہے کہ جس نے پانچ منٹ بھی ایمان کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور پھر ایمان پر ہی اس کا خاتمہ ہوا۔ چنانچہ سیّدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے جب یہ دریافت کیا گیا کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے کیوں کہ اول الذکر صحابی رسول اور ثانی الذکر جلیل القدر تابعی ہیں، تو انھوں نے یہ جواب دیا:

((لا نعدل باصحاب محمد ﷺ ابداً .))❶

''ہم اصحاب محمد ﷺ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔''

یہی سوال جب سیّدنا عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے کیا گیا کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ میں سے کون افضل ہے؟ تو انھوں نے جواب میں فرمایا:

''خدا کی قسم! وہ غبار اور مٹی جو رسول اللہ ﷺ کی معیت میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے نتھنوں میں آ کر جم گئی وہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے ہزار درجہ افضل ہے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ جب آپ کہتے "سمع الله لمن حمده" تو معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے "ربنا لك الحمد۔"

---

❶ الروضة الندیه شرح العقیدة الواسطیه لابن تیمیه ص ٤٥ .

Marfat.com

اس شرف کے بعد اور بڑا شرف کیا ہو سکتا ہے۔"❶

اسی طرح کا ایک اور واقعہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا کیا مقام ہے؟ یہ سوال سن کر وہ سخت غصہ میں آ گئے اور فرمایا:

((لا یقاس باصحاب النبی ﷺ احد، معاویة صاحبه وصهره وکاتبه وامینه علی وحی الله.))❷

"اصحاب رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں کسی اور کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی، ان کے برادر نسبتی، اللہ تعالیٰ کی وحی کے کاتب اور امین ہیں۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا؟ وہ اس وجہ سے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور آپ ؐ کی نگاہِ کیمیا اثر سے اسلام کا اصل مقصد پالیا۔ اسلام آدمی کو مادیت کی سطح سے اٹھا کر روحانیت کی سطح پر پہنچاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں آدمی زندگی کی اس سطح پر پہنچ جائے جہاں اس کی اپنی فکری سطح اور عام حقیقت کی سطح دونوں ایک ہو جائیں۔ جب آدمی اس مقام پر پہنچتا ہے تو ایک طرف وہ فیضان الٰہی کا مہبط بن جاتا ہے اور دوسری طرف ظواہر کا پردہ اس سے اُٹھ جاتا ہے۔ اس سطح پر پہنچنے کی واحد شرط یہ ہے کہ آدمی اپنی ذات کے خول سے باہر آئے۔ وہ اپنے آپ سے الگ ہو کر اپنے آپ کو دیکھنے لگے۔ جب آدمی اپنے خول سے باہر نکل آتا ہے تو وہ اس فیضان الٰہی کی فضا میں براہِ راست آ جاتا ہے اور پھر اس کے لیے اس دنیا کے اور اس کے حقائق اس طرح منکشف ہوتے ہیں کہ وہ اس کے لیے جانی پہچانی چیز بن جاتے ہیں جس طرح کہ ماں کے لیے اولاد۔ لیکن اس مقام پر پہنچنے کے لیے "نگاہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز" ہونا ضروری ہے۔ اس مقام پر پہنچنے کے لیے جس طرح اپنے آپ کو دبانا پڑتا ہے اس کی ہمت صرف اور صرف بلند فطرت لوگ ہی کر سکتے ہیں اور وہ لوگ اس مقام پر پہنچ سکتے ہیں جو تمام مصالح اور مفادات سے اوپر اٹھ کر سوچنے اور غور و فکر کرنے کی صلاحیت اپنے اندر رکھتے ہوں۔ پست فطرت پوری زندگی اپنی ذات کے خول سے ہی نہیں نکل پاتے، اس لیے وہ اسلام کے اس اصل مقصد کا تجربہ نہیں کر سکتے۔

---

❶ تطهیر الجنان ص ۱۰ ـ ۱۱.

❷ تطهیر الجنان ص ۱۰.

Marfat.com

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے نفس کے خول سے نکل کر اسلام کے اس مقصد کو پالیا۔ چنانچہ انھوں نے اپنی زندگی میں اسلام کے اخروی پہلو کو سامنے رکھا اور دنیوی پہلو کو کبھی بھی اخروی پہلو پر ترجیح نہ دی۔ اس کی ایک مثال تاریخ میں یہ ملتی ہے کہ سیّدنا خالد رضی اللہ عنہ کو جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جرنیلی سے معزول کیا تو اگر کوئی شخص انھیں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف ابھارنے کی کوشش کرتا تو وہ یہ کہہ کر اس کی بات کو ٹھکرا دیتے کہ جب تک عمر رضی اللہ عنہ زندہ ہیں خالد رضی اللہ عنہ ان کی مخالفت نہیں کرسکتا۔ اور خالد رضی اللہ عنہ ناراض ہوکر بغاوت کر بھی کیسے سکتے تھے کیوں کہ وہ ایک سپاہی تھے جو نظم وضبط پر ایمان رکھتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سیّدنا خالد رضی اللہ عنہ کو جب معزول کیا گیا تو کئی لوگوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچی اور ان کے اندر سخت بے چینی پیدا ہوئی۔ بہت سے لوگ ان کے گرد جمع ہوگئے اور انھیں برانگیختہ کیا کہ وہ خلیفہ کا حکم ماننے سے انکار کردیں اور وعدہ کیا کہ ہم سب آپ کا ساتھ دیں گے لیکن سیّدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اس قسم کے مشورہ کو ماننے سے صاف انکار کردیا۔ اس وقت انھوں نے جو جملہ ارشاد فرمایا، تاریخ نے وہ اپنے سینہ میں محفوظ رکھا ہوا ہے اور اس سے ان کا اخلاص اور دین سے ان کی محبت ٹپکتی ہے۔ آپ نے فرمایا:

((انی لا اقاتل فی سبیل عمرؓ ولکن اقاتل فی سبیل رَبِّ عمرؓ .))

''میں عمر رضی اللہ عنہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتا بلکہ عمر رضی اللہ عنہ کے رب کی راہ میں جنگ کرتا ہوں۔''

اسی وجہ سے قرآن حکیم نے ان کو رضائے ربانی کی سند امتیاز عطا فرمائی اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی ان کے قلوب کا امتحان کرلیا تھا۔

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴾ (الحجرات : ۳)

''تقویٰ کے معیار پر ان کے قلوب کو پرکھ لیا تھا اور وہ اس امتحان میں کامیاب وکامران ثابت ہوئے۔''

پھر ان سب کے بارے میں فرمایا کہ:

﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ ﴾ (الحجرات : ۷)

Marfat.com

''یعنی وہ سارے کے سارے رشد و ہدایت کے پیلر تھے۔''

امام حسن بصری رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا:

((اختارهم الله لصحبة نبيه ونقل دينه فتشبهوا باخلاقهم وطرائقهم، فهم كانوا على الهدى المستقيم.))❶

''اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے نبی کی صحبت کے لیے چن لیا اور اپنے دین کو اگلی نسلوں تک پہنچانے کے لیے انھیں منتخب کیا، سو ان کے اخلاق اور طریقوں کو اپناؤ وہ سب (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) راہ مستقیم پر تھے۔''

جو ان کے نقش قدم پر چلتا ہے وہی راہ مستقیم پر ہے وگرنہ پھر بدعت کی راہیں چار سو ان کے لیے کھلی ہیں۔ چنانچہ سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا تھا:

((اتبعوا آثارنا ولا تبتدعوا فقد كفيتم.))❷

''ہمارے (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے نقش پا پر چلتے رہو، دین میں نئی نئی باتیں نہ نکالو، ہماری پیروی تمھارے لیے کافی ہے۔''

امام نووی رحمہ اللہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

((انهم ائمة الاعلام، وقادة الاسلام، يقتدىٰ بهم فى عصرهم وبعدهم.))❸

''بے شک یہ حضرات بہت بڑے پیشوا تھے، اور یہی لوگ قافلۂ اسلام کے قائد اور سالار تھے، ان کے اپنے وقتوں میں بھی ان کی اقتداء ہوتی تھی اور ان کے بعد بھی ہوگی۔''

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس حیثیت کا بہت احساس تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ انھوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

''بے شک تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہو۔ جب تم اختلاف میں پڑو گے تو تمھارے بعد میں آنے والے اور زیادہ اختلاف کرنے لگیں گے۔ لوگ جاہلیت کے دام فریب

---

❶ شرح السنه بغوى ١/٢١٤.
❷ الاعتصام للشاطبى ١/٥٤.
❸ نووى شرح مسلم ١/٣٨٢.

Marfat.com

سے تازہ تازہ نکلے ہیں۔ تم ایک بات پر اکٹھے رہو، بعد میں آنے والے بھی اس پر اکٹھے رہیں گے۔" ❶

ایک اور موقع پر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیّدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

((انکم ایها الرهط ائمة یقتدی بکم الناس .)) ❷

"اے اس گروہ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے لوگو! تمام امام ہو، لوگ تمھاری اقتداء اور پیروی کریں گے۔"

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خود بھی اپنی اس حیثیت سے بخوبی آشنائی تھی۔ چنانچہ سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب گھر میں نماز پڑھتے تو طویل نماز پڑھتے، رکوع و سجود بھی طویل کرتے اور جب مسجد میں نماز پڑھتے تو خفیف اور ہلکی پڑھتے، آپؓ کے صاحبزادے مصعب نے آپؓ سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا:

((یا بنی! انا ائمة یقتدیٰ بنا .)) ❸

"اے میرے بیٹے! بے شک ہم لوگ امام ہیں، ہماری اقتداء امت میں کی جاتی رہے گی۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو وہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں لوگوں کو ان کے ایمان کی دعوت دیتے ہوئے ان کے ایمانوں کو لوگوں کے لیے معیار بنایا اور فرمایا:

﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ﴾ (البقرہ: ۱۳۷)

"اگر وہ ایمان اس طرح لائیں جس طرح (اے صحابہ!) تم ایمان لائے ہو تو بے شک وہ ہدایت یافتہ ہوئے، اور اگر وہ منہ موڑیں تو وہ اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں۔"

معلوم ہوا کہ صحابہ رسول ﷺ ہمیشہ کے لیے حق کا نمونہ بھی ہیں اور قیامت تک کے لوگوں کے لیے معیار حق و ایمان بھی۔ یعنی ایمان وہی معتبر ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسا ہو اور دین و ایمان کی

---

❶ فتح القدیر لابن همام ۲/۱۲۳.
❷ موطا امام مالك.
❸ مصنف عبد الرزاق ۲/۳۷۶، مجمع الزوائد ۱/۱۸۲.

Marfat.com

کوئی قسم ایسی نہیں ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان سے مختلف ہو کر اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کوئی فوق البشر مخلوق نہ تھے۔ وہ انسان تھے اور ایک ایسے معاشرہ میں پیدا ہوئے جہاں ہر طرف کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے تھے۔ بداخلاقی کا بھوت ہر طرف ننگا ناچ رہا تھا اور زنا اور دوسری اخلاقی بیماریوں کے جراثیم پوری سوسائٹی کو اس طرح کھا رہے تھے جس طرح تپ دق کے جراثیم انسانی پھیپھڑوں کو کھا جاتے ہیں۔ ان حالات میں انھوں نے داعی اسلام کی دعوت پر لبیک کہا۔ بس لبیک کہنا تھا کہ مصائب کے پہاڑ حق کے ان علم برداروں پر ٹوٹنے شروع ہوئے لیکن وہ صبر اور اولو العزمی کے ساتھ ان کو برداشت کرتے رہے۔ حوادث کے طوفان میں بھی توحید کی شمع کو ہر قیمت پر روشن رکھا۔ ان کے اخلاص و عمل کا یہ حال تھا کہ بقول مولانا ابوالکلام آزاد:

> ''ہر شخص جو ان کی زندگی کا مطالعہ کرے گا بے اختیار تصدیق کرے گا کہ انھوں نے راہ حق کی مصیبتیں صرف جھیلی ہی نہیں بلکہ دل کی پوری خوش حالی اور روح کے کامل سرور کے ساتھ اپنی زندگیاں ان میں بسر کر ڈالیں۔ ان میں جو لوگ اول دعوت میں ایمان لائے تھے ان پر شب و روز کی جان کاہیوں اور قربانیوں کے پورے تیئس (۲۳) برس گزر گئے لیکن اس تمام مدت میں کہیں سے بھی یہ بات دکھائی نہیں دیتی کہ مصیبتوں کی کڑواہٹ ان کے چہروں پر کبھی کھلی ہو۔ انھوں نے مال و علائق کی ہر قربانی اس جوش و مسرت کے ساتھ دی گویا دنیا و جہان کی خوشیاں اور راحتیں ان کے لیے فراہم ہوگئی ہیں..... اور جان کی قربانیوں کا وقت آیا تو اس طرح خوشی خوشی گردنیں کٹوا دیں گویا زندگی کی سب سے بڑی خوشی زندگی میں نہیں موت میں ہے۔''[1]

اپنی اسی تفسیر میں ایک اور مقام پر مولانا آزاد فرماتے ہیں:

> ''محبتِ ایمان کی اس آزمائش میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس طرح پورے اترے، اس کی شہادت تاریخ نے محفوظ کر لی ہے اور وہ محتاجِ بیان نہیں۔ بلاشائبہ و مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی

---

[1] ترجمان القرآن ۲/۱۴۳۔

Marfat.com

ساری روح سے ایسا عشق نہیں کیا ہوگا جیسا کہ صحابہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے راہِ حق میں کیا۔ انھوں نے اس محبت کی راہ میں وہ سب کچھ قربان کر دیا جو انسان کر سکتا ہے اور پھر اس کی راہ سے سب کچھ پایا جو انسانوں کی کوئی جماعت پا سکتی ہے۔''[1]

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسولِ کریم ﷺ کی نبوت کو تاریخی واقعہ بننے سے پہلے اس کی عظمت اور نبوت کو مانا اور ہم آج ان کی نبوت کے تاریخی واقعہ بننے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی عظمت کو مان رہے ہیں۔ دونوں کے ماننے میں اتنا زیادہ فرق ہے جتنا زمین و آسمان میں۔ آج آپ کی نبوت کو ماننا اتنا مشکل نہیں جتنا آپ کی زندگی میں آپ کی عظمت و نبوت کو پہچاننا مشکل تھا کہ صرف وہی لوگ اس کو پہچان سکتے تھے جنھیں خدا کی طرف سے خصوصی توفیق ملی ہو اور جن کے دلوں کے دروازے اللہ نے نبوت کی دعوت کو خوش آمدید کہنے کے لیے کھول دیے تھے۔ ایسی حالت میں رسول کی رسالت کو ماننا مستقبل میں ظاہر ہونے والے واقعہ کو حال میں دیکھنا تھا۔ ایک چھپی ہوئی حقیقت کو اس کے ثابت شدہ بننے سے پہلے پالینا تھا، اور نبوت کے لیے اپنی عظمت کو کھو کر دوسرے کی عظمت میں گم ہونا پڑتا تھا۔ یہ اپنے مقابلہ میں دوسری شخصیت کا اعتراف کرنا تھا اور وہ بھی ایسی شخصیت کا جس کی حقیقت ابھی مسلّم نہ ہوئی ہو۔ اگر آج کوئی رسول اللہ ﷺ کی نبوت کو قبول کرتا ہے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں کیوں کہ آج رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت تاریخ کی ایک مسلمہ حقیقت بن چکی ہے۔ اس شخص کے ایمان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان سے کوئی نسبت ہی نہیں کیوں کہ آج کا مومن تاریخ کے اختتام پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کو تسلیم کر رہا ہے جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تاریخ کے آغاز پر رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کو مانا تھا۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کو قرآن حکیم نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

﴿لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا﴾ (الحدید: ۱۰)

''تم میں سے جو لوگ فتح (مکہ) کے بعد (اللہ کے راستہ میں) مال خرچ کریں اور جہاد کریں، وہ ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنھوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (اپنے مال

---

[1] ترجمان القرآن ۲/۱۲۶.

Marfat.com

اللہ کے راستہ میں) خرچ کیے اور (اس کے راستہ میں) جہاد کیا، ان کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔"

وجہ ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غیر ثابت شدہ صداقت وحقیقت کے لیے مال خرچ کیا لیکن آج اگر کوئی شخص دین کے نام پر مال خرچ کرے تو یہ عین ممکن ہے کہ لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے درمیان مقبولیت کی صورت میں اس کو بہت جلد اپنے انفاق سے زیادہ بڑی شے مل جائے، لیکن اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صورت حال مختلف تھی۔ اس وقت مال خرچ کرنا دیوانگی کا خطاب پانا تھا۔ اس وقت ایسا اقدام ایسی تحریک کے خانہ میں لکھا جانے والا تھا جس کی صداقت ابھی لوگوں کے نزدیک مشتبہ تھی۔ جس کی پشت پر تاریخ کی تصدیقات ابھی اکٹھی نہیں ہوئی تھیں۔ گویا یہ ایک غیر مسلمہ مد میں اپنا مال پیش کرنا تھا جب کہ آج کا مسلمان ایک مسلمہ مد میں اپنا اثاثہ پیش کرتا ہے۔

ابونعیم نے امام حسن بصری رحمہ اللہ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے اپنے زمانہ کے لوگوں سے فرمایا:

"میں نے ستر (۷۰) بدری صحابہ کو دیکھا ہے۔ ان کا لباس زیادہ تر صوف کا ہوتا تھا۔ اگر تم ان کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ پاگل ہیں، اور اگر وہ تمھارے اچھے لوگوں کو دیکھتے تو کہتے کہ ان کا دین میں کوئی حصہ نہیں، اور اگر وہ تمھارے برے لوگوں کو دیکھتے تو کہتے یہ لوگ قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔"[1]

حافظ ابونعیم نے سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل فرمایا ہے۔ انھوں نے ایک مرتبہ اپنے زمانہ کے لوگوں کو فرمایا: "تم لوگ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نماز روزہ رکھنے والے ہو اور ان سے زیادہ مجاہدہ کرتے ہو، مگر وہ تم سے بہتر تھے۔" لوگوں نے پوچھا: "کس وجہ سے؟" فرمایا:

((هم كانوا ازهد فى الدنيا وارغب فى الآخرة .))[2]

"ان کا دنیا کی زندگی میں رویہ حد درجہ زاہدانہ تھا اور وہ آخرت کی طرف حد درجہ راغب تھے۔"

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "بخدا! میں نے اپنی آنکھوں

---

[1] حلية الاولياء ٦/١٣٦.

[2] حلية الاولياء ٦/١٣٦.

Marfat.com

سے اصحاب رسول ﷺ کو دیکھا ہے۔ آج کوئی شی ان کے مشابہ نہیں۔"

"وہ خالی ہاتھ، پراگندہ مُو اور غبار آلود ہو کر صبح کرتے تھے۔ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے ذریعے اتنا پانی ٹپکتا کہ ان کے کپڑے بھیگ جاتے۔ خدا کی قسم! تم لوگوں کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے غفلت میں رات گزاری۔"[1]

ایسا کیوں تھا؟ اس لیے کہ وہ اللہ کی طرف سے چنے گئے تھے اور دین اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی انھوں نے اس طرح مدد کی کہ چشم آفتاب نے آج تک ایسے لوگ نہیں دیکھے۔ چنانچہ سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں کو دیکھا۔ پس محمد ﷺ کو چن لیا۔ رسالت کے لیے آپؐ کی بعثت فرمائی۔ آپ کو آپ کے علم کی وجہ سے منتخب فرمالیا۔

"پھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں کو دیکھا اور آپ کے لیے آپ کے اصحاب کو چن لیا اور ان کو اپنے دین کا مددگار اور اپنے نبی کا وزیر بنایا۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اِنھی خصوصیات کی وجہ سے اہل السنّت والجماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ "الصحابة كلّهم عدول" (صحابہ سب کے سب عادل ہیں) چنانچہ علامہ شہاب الدین خفاجی شرح شفا میں فرماتے ہیں:

"صحابہ سب کے سب عادل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام الحرمین (استاذ امام غزالی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، سبھی کے عادل ہونے پر علماء امت کا اتفاق ہے۔ اس لیے اپنے اپنے اجتہاد کی بنا پر بعض حضرات سے جو کام سرزد ہوئے، ان کی وجہ سے ان پر تنقید کرنا جائز نہیں۔"[2]

عدول کا مطلب یہ ہے کہ سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متقی، پاک باز اور مقدس ہیں۔ امت میں کوئی غیر صحابی بزرگ صحابیت کی گردِ راہ کو نہیں پہنچ سکتا، اس لیے کہ صحابی وہ ہے جس نے اپنی آنکھوں سے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے، اپنے کانوں سے بلاواسطہ آپ کا مقدس کلام سنا ہے۔ یہ شرف کسی بھی غیر صحابی بزرگ کو نصیب نہیں ہوسکتا، تو بلاواسطہ آفتاب نبوت کا نور جس طبقہ نے لیا جو تیزی اس میں ہوگی، بالواسطہ نور میں وہ تیزی اور شدت نہیں ہوسکتی۔ وسائط کی وجہ سے کچھ نہ کچھ

---

[1] البدایہ والنہایہ ۶/۸۔

[2] نسیم الریاض ۴۲۶/۳۔

Marfat.com

پھیکا پن ضرور آئے گا۔ سب سے پہلے ایمان کا اثر اور نقش جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب پر پڑا اور جو بلا واسطہ کسب فیض انھوں نے کیا وہ کسی اور نے نہیں کیا۔ ان کی نگاہیں بھی مقدس تھیں، ان کے کان اور سماعتیں اور ان کی زبانیں بھی مقدس ہوگئیں اور ان کی طمانیت قلوب ہوگئی۔ ان کی کیفیت یہ ہوگئی کہ انھوں نے اپنی ہر قوت کا مصرف یہ سمجھا کہ اس کے ذریعے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رضامندی کا اظہار کرتے جائیں۔ یہی ان کا دین و ایمان تھا۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سارے کے سارے عادل ہیں تو پھر وہ ہماری ہر قسم کی تنقید سے بھی بالاتر ہیں۔ ہماری ہر حالت سے اونچے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ان کی ذوات کو سامنے رکھ کر اپنے ایمانوں کو جانچیں اور پرکھیں۔ اگر ہمارا ایمان ان کے ایمان کے مطابق ہو جائے تو ہمارا ایمان درست ہے۔ ﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ ورنہ غلط ہے۔ اگر ہمارے اعمال ان کے اعمال پر منطبق ہو جائیں تو درست ورنہ ہمارے اعمال میں کھوٹ ہے۔ گویا وہ ہمارے ایمان اور اعمال کے پرکھنے کی ایک کسوٹی ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ دین اسلام (قرآن و حدیث) کے اوّلین راوی ہیں۔ اگر معاذ اللہ ان میں کوئی خرابی ہے تو پھر ہمارے دین کی سلامتی کی کوئی صورت نہیں۔ اگر بنیاد میں خرابی پڑ جائے تو ہم پھر صحیح ایمان نہیں لا سکتے۔ ہمارا دین تو انھی کے قدموں کے صدقے میں ہے۔ درحقیقت وہ ہمارے ایمان کے پہچاننے کے لیے ایک کسوٹی ہیں۔ ہمارے علم و عمل کے صحیح اور درست ہونے کے لیے ایک معیار اس لیے کہ علم کی روایت انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے اور عمل کی روایت بھی انھوں نے آپ ہی سے کی ہے۔

خلاصہ یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نجومِ ہدایت تھے۔ ان کے علم و عمل کی روشنی کے بغیر ہدایت کی منازل حاصل نہیں ہو سکتیں، اور اللہ کے ہاں وہ ایمان ہی قبول نہیں جس پر ان کی چھاپ نہ ہو۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ایک صحابی تھے اور صحابی بھی معمولی نہیں بلکہ نہایت جلیل القدر صحابی تھے۔ کاتب وحی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی اور مسلمانوں کے ماموں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں تو مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ:

((علیٰ انهم كانوا يعتقدون ان شان الصحابة لا يعدله شئى .)) [1]

Marfat.com

''یعنی صحابہ کی شان یہ ہے کہ ان کے برابر کوئی چیز نہیں۔''

اور یہ صحبتِ پیغمبرؐ جس کو صحابیت کہتے ہیں یہ علم و عمل دونوں سے بڑھ کر ہے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میں جو صحابیت کا کمال تھا اس کا دارومدار علم و عمل پر نہیں بلکہ اس روشنی پر ہے جو آفتاب نبوت سے بلاواسطہ ان پر پڑی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ﴿ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴾ وہ آگ (جہنم) سے دُور رکھے گئے۔

ارشادِ نبوی ہے:

((خَيْرَ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ .))

''زمانوں میں سب سے بہتر میرا زمانہ، پھر اس سے ملا ہوا، پھر اس سے ملا ہوا۔''

ان زمانوں کے اعتبار سے اعلیٰ ترین فضیلت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نصیب ہوئی، اور قرآنِ حکیم نے من حیث الطبقہ جس کو محترم اور مقدس قرار دیا، وہ یہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طبقہ ہے جس میں کوئی تخصیص نہیں کی گئی۔ مطلق اس طبقہ ہی کو خیر فرمایا گیا۔ قرآنِ حکیم میں مختلف عنوانات سے اس طبقہ کی خیریت اور تقدس کو بیان فرمایا گیا۔ ارشاد ہوا:

﴿ اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ، وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ﴾

''جنھوں نے انسان کاملؐ کی پہلی پکار پر لبیک کہا، وہ مہاجر ہوں یا انصار، یا ان کی سچے دل سے پیروی کرنے والے، اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔''

اس میں جانبین کی باہمی رضا اور خوشی بتائی گئی۔ تو یہ طبقہ مطلقاً خیر مطلق قرار پایا۔ یہ اللہ سے راضی، اللہ ان سے خوش، اور رضا اور خوشی کا یہ اعلان چونکہ قرآن حکیم کے ذریعے فرمایا گیا جو دوامی کتاب ہے، جس کا وجود قیامت تک باقی رہے گا، بلکہ آگے جنت میں بھی جاری و ساری رہے گا، اور ایک لحاظ سے یہ ابدی کتاب ہے، لہٰذا اعلان رضا بھی ابدی ہے۔ اس کا اطلاق ہر دور اور ہر زمانہ میں ہوتا رہے گا، اور کوئی زمانہ ایسا نہیں آئے گا، جس میں صحابہ کرامؓ کی خیر میں فرق پڑے۔ ورنہ ان سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا اعلانِ عام نہیں رہے گا۔ اعلان کی عمومیت ہی اس کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہے اور رہے گا۔ اس کی رضا میں [illegible]

Marfat.com

ہمیشہ اللہ سے راضی رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی رہے گا۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی خوبیاں رکھی تھیں۔ انھی خوبیوں کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ''کاتب وحی'' کا منصب عطا فرمایا اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو شام کا والی مقرر کیا۔ سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بڑے بیٹے یزید رضی اللہ عنہ شام کے والی تھے۔ ان کا انتقال ہوگیا۔ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ ان کے والد ابوسفیانؓ کے پاس تعزیت کے لیے تشریف لائے۔ جب تعزیت کر چکے تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''اب میرے بیٹے یزید رضی اللہ عنہ کی جگہ پر کون والی ہوگا؟'' سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''آپ کے دوسرے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ کو وہاں کا والی مقرر کیا گیا ہے۔'' سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس پر تعجب کا اظہار کیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس بارے میں مَیں بہتر سمجھتا ہوں۔'' سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ان کو بھائی کی جگہ گورنر مقرر کرنا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خوبیوں سے بخوبی واقف تھے۔ پھر وہ شام پر ایسے گورنر مقرر ہوئے کہ بیس سال گورنر اور بیس سال وہاں خلیفۃ المسلمین رہے، اور سلطنت اسلامیہ کو وہ استحکام بخشا کہ سلطنت کی پنہائیوں میں اضافہ اور نظم وضبط میں بھی مضبوطی ہوئی۔

یہ کتاب انھی صحابی رسول سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات ہے اور اس میں قریباً ہر اس غلط فہمی کا اجمالی جواب دیا گیا ہے جس نے کئی اچھے اچھے لوگوں کے ذہنوں کو خراب کیا ہوا ہے۔ بعض لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے اور بعض فکری تعصب کی وجہ سے ان کے بارے میں مختلف قسم کے اعتراضات بھی کرتے ہیں جن کا تفصیلی جواب ان شاء اللہ اس کتاب کی دوسری جلد میں دیا جائے گا۔

آخر میں اُمید ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے قارئین کرام کی کئی غلط فہمیوں کا خود بخود ہی ازالہ ہو جائے گا۔

والسلام

طالب دُعا

پروفیسر حافظ اظہر محمود ایم۔اے

الریاض (سعودی عرب)

Marfat.com

تاریخ اور اس کی حیثیت

علم التاریخ

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایک ایسے خاندان کے چشم و چراغ تھے جو اپنی سیادت و قیادت کے لحاظ سے تمام عرب میں مشہور تھا، بلکہ بیرونِ عرب میں لوگ آپ کے خاندان کی خوبیوں سے بخوبی آشنا تھے، کیوں کہ آپ کے والد ان تجارتی قافلوں کی قیادت و سیادت کیا کرتے تھے جو مکہ سے شام اور دوسرے علاقوں میں جاتے تھے۔ ہر موقع پر اس خاندان نے سیاسی اور اقتصادی مسائل میں قریش کی قیادت کے فرائض انجام دیے۔ دورِ جاہلیت میں اس خاندان کے لوگوں نے اسلام کے حلقہ بگوش ہو کر نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لبیک کہا تو وہی لوگ ﴿وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ﴾ کے مصداق بن گئے اور ان کی شدتِ نفرت شدتِ محبت میں تبدیل ہوگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہی لوگ جس طرح دورِ جاہلیت میں اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کے قائد و سردار تھے، اسی طرح اسلام قبول کرتے ہی مخالفین اسلام کا سر کچلنے والوں کی قیادت کے فرائض سرانجام دینے لگے اور ان کے حسنِ اسلام کی وجہ سے ان کی سیادت میں اور بھی حسن پیدا ہوگیا۔

ان کی سیادت کا سب سے بڑا اظہار سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ہوا جب تمام مملکت اسلامیہ ایک ایسے خلیفہ اور چند ایسے گورنروں کے تحت آ گئی جن کا تعلق خاندانِ بنو اُمیہ سے تھا۔ وہ گورنر اگرچہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ نہ تھے بلکہ ان کے تقرر کا اکثر و بیشتر تعلق سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے تھا، لیکن بعض بنو ہاشم کو جو شروع ہی سے اپنے آپ کو خلافت کا سب سے بڑا مستحق سمجھتے تھے، بنو اُمیہ کی یہ شان و شوکت اور یہ عروج بالکل نہ بھاتا تھا۔ اس کے ساتھ اہلِ ایران اور یہودیوں نے اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے خلافتِ عثمانی کے خلاف ایک فتنہ برپا کر دیا جو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر منتج ہوا۔ پھر بعد میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی انھی شورش پسندوں کی وجہ سے ہنگامہ میں اور زیادہ اضافہ ہوا اور جنگ جمل اور جنگ صفین میں کئی ہزار جانوں کو خاک و خون میں لیٹنا پڑا، جن میں کئی جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے جس

Marfat.com

کی تفصیل آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔

(ب) ان ہنگاموں میں جو کچھ بھی ہوا وہ کسی خاندانی رقابت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ بعض سیاسی حالات ان واقعات کا پیش خیمہ تھے، مگر بعد کے تاریخ نگاروں نے ان واقعات کو ایک تو باہمی خاندانی رقابت کا رنگ دے دیا اور دوسرے ان میں اس قدر مبالغہ اور غلو سے کام لیا کہ حقیقت غلط روایات کی نذر ہو گئی۔

تاریخ کو اس طرح مسخ کرنے میں سب سے زیادہ دخل بنو عباس کو ہے کیوں کہ ایک تو وہ خود خاندان بنو ہاشم سے تعلق رکھتے تھے، دوسرے خاندان بنو اُمیہ سے، اُنھوں نے زمامِ خلافت چھینی تھی اور وہ اپنے اس پراپیگنڈہ سے بنو اُمیہ کو خلافت کا واقعی غیر مستحق اور اپنے کو اِس کا سب سے بڑا مستحق ثابت کرنا چاہتے تھے۔ پھر تاریخ نویسی کا آغاز بھی چونکہ اِنھی کے زمانہ میں ہوا، اس لیے انھوں نے ایک خاص سیاسی مصلحت کے پیشِ نظر تاریخ میں ایسی غلط روایات داخل کروادیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ چنانچہ مولانا شاہ معین الدین ندوی اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''بنو عباس کی حکومت قائم ہوئی۔ یہ سب بنو اُمیہ کے سخت دشمن تھے۔ اسی زمانہ میں تاریخ نویسی کا آغاز ہوا۔ اس لیے ایسی بہت سی غلط روایتیں جو عرصہ سے زبانوں پر چڑھی چلی آ رہی تھیں، تاریخوں میں داخل ہو گئیں، کیوں کہ ایسے ابتدائی دور میں جب کہ تاریخ نویسی کا آغاز ہوا تھا، روایات کی اتنی تحقیق و تنقید جس سے افسانہ و حقیقت میں پورا پورا امتیاز ہو سکے، مشکل تھی۔ گو بہت سی بے سروپا روایتیں جن کا لغو ہونا بالکل عیاں تھا، تنقید سے مستند ہو گئیں، لیکن پھر بھی غلط واقعات تاریخ کا جزو بن گئے، حتیٰ کہ مؤرخ ابن جریر اپنی محدثانہ تنقید کے باوجود اپنی کتاب کو غلط روایات سے محفوظ نہ رکھ سکا اور آغاز تاریخ اسلام میں جو واقعات پولیٹیکل مقاصد کے لیے تراشے گئے تھے، ان میں داخل ہو گئے۔ تاہم زمانہ مابعد میں جب تنقید کا معیار بلند ہوا تو بڑی حد تک اس قسم کی روایتیں ناقابلِ اعتبار قرار پائیں۔ چنانچہ ابن خلدون میں اس قسم کے افسانے نہیں ملتے۔'' [1]

---

[1] سیر الصحابہ: ٦/ ٩٣.

Marfat.com

مصر کے فاضل مصنف علامہ محبّ الدین الخطیب نے اس حقیقت کے بارے میں یوں لکھا ہے:

"تاریخ اسلام کی تدوین بنواُمیہ کے زوال اور اس سلطنت کے قیام کے وقت شروع ہوئی جس کے لوگوں کو بنواُمیہ کے مفاخر اور محاسن کا تذکرہ یک قلم نہیں بھاتا تھا۔ چنانچہ تاریخِ اسلام کی تدوین تین قسم کے گروہوں نے کی۔ پہلا گروہ وہ تھا جس کی زندگی کا مقصدِ وحید بنواُمیہ کی مخالفت میں کتابیں تالیف کرنا اور ان کے کاموں میں کیڑے ڈال کر ان کے دشمنوں (بنوعباس) کی نگاہ میں تقرب حاصل کرنا تھا۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو یہ سمجھتا تھا کہ آدمی کا تدیّن اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا اور اس کو قربِ خداوندی اس وقت تک نصیب نہیں ہوسکتا جب تک ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم اور تمام بنوعبدشمس (بنواُمیہ) کے دامنِ شہرت کو داغ دار نہ کیا جائے، اور تیسرا گروہ اہلِ انصاف اور اہل دین کا تھا۔" ❶

گیارہویں صدی ہجری کے مشہور محدث ملاعلی قاریؒ ایک سلسلۂ گفتگو میں تاریخِ اسلام کے پس منظر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((ومن ذالك الاحاديث فى ذم معاوية وذم عمرو بن العاص وذم بنى امية ومدح منصور والسفاح وكذا ذم يزيد والوليد ومروان بن الحكم .)) ❷

"اِنھی موضوعات میں سے وہ احادیث بھی موضوع ہیں جو سیّدنا معاویہ، سیّدنا عمرو بن العاص اور بنوامیہ کی مذمت میں ہیں، اور (اس کے مقابلہ میں) منصور عباسی اور سفاح عباسی کی مدح اور تعریف میں ہیں، اور اسی طرح یزید بن معاویہ اور ولید اور مروان بن الحکم کی مذمت میں جو احادیث ہیں وہ بھی موضوع ہیں، (کیون کہ وہ بنوعباس کے زمانے میں محض ان لوگوں کو بدنام کرنے کے لیے وضع کی گئی تھیں۔)"

ان ہر سہ اقتباسات سے پتہ چلتا ہے کہ بنواُمیہ ایسے نہیں تھے، جیسے تاریخی روایات بتاتی ہیں، بلکہ وہ اسلام کے نہایت مخلص خدمت گذار تھے اور اسلام کی خدمت میں وہ کسی دوسرے قبیلے سے

---

❶ العواصم من القواصم، ص: ١١٧ تعليقه.

❷ الموضوعات الكبير، ص: ١٦٩ـ ١٧٠، كراچى۔

Marfat.com

پیچھے نہیں تھے، بلکہ سب سے پیش پیش تھے۔ اور یہ روایات جن سے ابن جریر طبری، ابن اثیر اور ابن عساکر کی تواریخ اٹی پڑی ہیں، سیاسی اغراض کی تکمیل اور خاص سیاسی جذبات کی تسکین کے لیے، اپنے سیاسی حریفوں کے لیے خاص کر کرائے کے لوگوں سے وضع کرائی گئیں، اور بعد میں ان روایات کو کچھ اس طرح سے ہوا دی گئی کہ بے خبر لوگوں نے ان غلط روایات کو حدیث کے ہم پلہ اور افسانوں کو تاریخ کی مستحکم اور ثقہ روایات سمجھ لیا۔

اسلامی تاریخ کے مآخذ

اسلامی تاریخ کے مآخذ صرف کتب تاریخ ہی نہیں جن میں ہر قسم کی روایات جمع کر دی گئی ہیں، بلکہ اسلامی تاریخ کے ماخذ تین ہیں:

ا۔ قرآنِ حکیم:

(اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا ماٴخذ قرآنِ حکیم ہے) جس نے اپنے خاص مشن کے تحت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت تیار کی، پھر اس جماعت کی صفات، ذہنی رجحانات اور قلبی کوائف کو بیان کیا اور ان کی خصوصیات کو اُمتِ مسلمہ کے سامنے بطور اتباع اور حجت پیش کیا۔ (چناں چہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذہنی رجحانات، قلبی کوائف اور فکری ارتقاء کا تذکرہ کئی سو آیات میں بیان کیا گیا ہے، جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کے متعلق بہت سی چیزوں کا پتہ چلتا ہے)

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ انسانی کمالات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کمالات وہ ہیں جو نیچے سے اوپر آئیں۔ ان کمالات کو ''ارتقاء'' کہتے ہیں۔ اور دوسرے کمالات وہ ہوتے ہیں جو اوپر سے نیچے آئیں۔ ان کو ''عطاء'' کہتے ہیں۔ اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ کچھ کمالات ''کسبی'' ہیں جو محنت اور جدوجہد سے حاصل کیے جاتے ہیں اور کچھ کمالات وہ ہوتے ہیں جو ''وہبی'' ہوتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی عطا سے ملتے ہیں۔ اس میں اپنی محنت کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ جیسے نبوت اور رسالت۔ نبی اور رسول محنت سے نہیں بنتے بلکہ نبوت اور رسالت موہبت الٰہی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، نبوت اور رسالت عطاء فرماتا ہے:

داد اُو را قابلیت شرط نیست
بلکہ شرطِ قابلیت داد اُوست

Marfat.com

یہ ضرور ہے کہ نگاہِ خداوندی نبی اور رسول اس کو منتخب فرماتی ہے جو نبوت کے قابل ہوتے ہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں صرف وہی اس منصب کے اہل ہوتے ہیں، جس منصب کے لیے انھیں منتخب کیا جاتا ہے۔

اسی طرح صحابیت بھی ارتقاء نہیں بلکہ عطا ہے، کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے۔ کوئی شخص محنت سے اس مقام کو حاصل نہیں کر سکتا۔ نہ علم پر صحابیت ملتی ہے اور نہ عمل پر بلکہ یہ ایک عطاءِ الٰہی ہے، اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات پہلے سے طے شدہ تھی کہ فلاں فلاں صحابی ہوگا کیوں کہ:

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ۝﴾ (الحجرات : ۳)

''یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ تقویٰ کے لیے پہلے ہی آزما چکا ہے۔''

اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت رکھنے والے ایمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک نمونہ کے طور پر پیش کیا ہے:

﴿ فَاِنْ آمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ﴾ [البقرة : ۱۳۸]

''سو اگر وہ اس کی مثل ایمان لے آئیں جن پر تم ایمان لائے تو بے شک وہ ہدایت پائیں گے۔''

اسی وجہ سے ان سے محبت بھی ان کے علم اور عمل کی وجہ سے نہیں کی جاتی بلکہ رسول اللہ کی محبت کی وجہ سے کی جاتی ہے ((من احبهم فبحبی احبّهم.))

سیّدنا حسن بصریؒ سے کسی شخص نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام اُمت سے افضل ہیں؟ کیا انھوں نے ہم سے زیادہ نمازیں پڑھیں؟ کیا اُنھوں نے ہم سے زیادہ روزے رکھے تھے؟ کیا انھوں نے ہم سے زیادہ حج کیے تھے؟ اُنھوں نے فرمایا: ''ہوسکتا ہے کہ تم لوگوں نے ان سے زیادہ نمازیں پڑھی ہوں۔ تم نے ان سے زیادہ روزے رکھے ہوں اور تم نے ان سے زیادہ حج کیے ہوں، لیکن ان کی آنکھوں کے ذریعے نگاہِ نبوت کی جو بجلی ان کے قلوب میں گئی وہ دنیا کے کسی شخص کو میسر نہیں ہوسکتی۔

مختصر یہ کہ ہماری تاریخ کا سب سے پہلا مأخذ قرآنِ حکیم ہے، کیوں کہ قرآن نے انھیں ((رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ.)) کا سرٹیفکیٹ دیا ہے۔

Marfat.com

قرآنِ حکیم کے بعد احادیث رسولؐ کا درجہ ہے جو نہ صرف قرآن کی تشریح وتفسیر ہیں، بلکہ صاحبِ قرآن اور حاملانِ قرآن کی سیرت اور واقعات زندگی پر بھی کافی حد تک روشنی ڈالتی ہیں۔ حدیث کی متعدد کتابوں میں ارشاداتِ نبویہ کے ماسوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے اقوال واعمال کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ اوران سے تبع تابعین تک کے احوال ووقائع پر روشنی پڑتی ہے۔

صحت ۔ کے لحاظ سے کتبِ احادیث کو چار طبقوں میں تقسیم کرتے ہیں:

پہلا طبقہ: ...(کتب احادیث کا پہلا طبقہ تین کتابوں پر مشتمل ہے۔ مؤطا امام مالک، صحیح بخاری اور صحیح مسلم۔ مؤطا کے رجال کی عدالت اور ضبط پر اہلِ علم کا اتفاق ہے۔ فقہائے امصار کی بنیاد بھی اسی پر ہے۔ متعدد اہلِ علم نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ صحیحین (بخاری اور مسلم) اگرچہ احادیث کی کثرت اور پھیلاؤ میں مؤطا سے دس گنا ہوں گی، لیکن یہ حقیقت ہے کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے احادیث کی روایت کرنے کا طریقہ، راویوں کی تمیز کا سلیقہ، تتبع، طرق حدیث اور استنباط مسائل کا ڈھنگ مؤطا ہی سے معلوم کیا ہے۔ صحیحین کے جامعین نے بڑی محنت اور رجال روایت پر کڑی شرطیں لگا کر احادیث کا استخراج کیا ہے، لیکن پھر بھی یہ ضروری نہیں کہ صحیحین کے علاوہ کسی دوسری کتاب میں صحیح حدیث نہ ہو۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ہمارا یہ کہنا کہ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے، ہمارے نزدیک اس حدیث کی صحت کی علامت ہوتی ہے، لیکن محض اس لیے نہیں کہ اس کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے، بلکہ ان کی احادیث کے علاوہ ان حدیثوں کو علماء اور محدثین کی ایک بڑی تعداد نے روایت کیا ہے۔ ان احادیث میں ایک بھی ایسی نہیں جس کو کافی لوگوں نے ان کے زمانے سے قبل اور خود ان کے زمانے میں اور ان کے زمانے کے بعد روایت نہ کیا ہو۔ اگر بخاری اور مسلم پیدا نہ ہوتے تو پھر بھی دین میں کوئی کمی واقع نہ ہوتی اور یہ احادیث اپنی اسناد کے ساتھ اسی طرح موجود ہوتیں اور ان سے یہی مقصود حاصل ہوتا بلکہ مقصود سے بھی کچھ زیادہ حاصل ہوتا۔'')

شیخ الاسلام رحمہ اللہ اس بارے میں مزید لکھتے ہیں کہ:

Marfat.com

''ہمارا یہ کہنا کہ اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے، یہ بالکل ایسا ہے جیسے ہم قرآنِ حکیم کی بابت کہتے ہیں کہ اسے قراء سبعہ نے روایت کیا ہے، حالانکہ قرآن تواتر سے منقول ہے اور اس کی کسی شئے کے بارے میں قراء سبعہ کی کچھ خصوصیت نہیں۔ اسی طرح حدیثوں کی تصحیح کا معاملہ ہے۔ اس میں بھی محدثین؛ بخاری اور مسلم کی تقلید نہیں کرتے بلکہ جن احادیث کو انھوں نے صحیح کہا ہے، محدثین کے نزدیک وہ ان سے پہلے زمانے میں بھی صحیح اور تلقی بالقبول ہی تھیں۔ اسی طرح ان کے زمانے میں بھی اور ان کے بعد بھی۔ اس فن کے ائمہ (محدثین کرام) نے ان دونوں کتابوں کا بغور مطالعہ کیا اور ان روایات کی صحت پر ان کے ساتھ اتفاق کیا، جن کو ان دونوں (امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ) نے صحیح کہا ہے، سوائے بیس (۲۰) احادیث کے قریب جن میں اکثر مسلم میں ہیں۔ اور بعض حفاظ حدیث نے ان دونوں کتابوں کی ان احادیث پر تنقید کی ہے۔'' ❶

(دوسرا طبقہ: ..... کتب حدیث کا دوسرا طبقہ وہ ہے جس میں وہ کتابیں جو ان دونوں کتابوں کے درجہ تک تو نہیں پہنچی ہیں، لیکن ان کے قریب قریب ہیں۔ جیسے جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، جن کے مؤلفین وثوق، عدالت، حفظ اور ضبط میں مشہور تھے اور فن حدیث میں متبحر۔ ان حضرات نے اپنی کتابوں میں ان شروط میں کوتاہی اور چشم پوشی کرنے کو پسند نہیں کیا ہے، جن کو انھوں نے اپنے اوپر لازم کرلیا تھا، اور احادیث کے احوال وعلل کے بیان کرنے میں کم کوشش نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کتابیں لوگوں میں مشہور ہوگئیں اور ائمہ حدیث نے ان چھ کتابوں کو ''صحاح ستہ'' کے نام سے موسوم کیا ہے، لیکن سنن اربعہ (سنن ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ) کی سب روایات صحیح نہیں ہیں بلکہ صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع سبھی قسم کی روایات شامل ہیں۔ چنانچہ علامہ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں:

''ان کتابوں اور ان جیسی دوسری کتابوں میں صرف صحیح اور حسن روایات ہی نہیں بلکہ ان میں صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع ہر قسم کی روایات ہیں۔'' ❷

ایسا ہی علامہ نووی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے:

---

❶ منہاج السنہ: ٤/ ٥٨ـ ٥٩.

❷ الاجوبة الفاضله، ص: ٦٦.

Marfat.com

((ان فی السنن الصحیح، والحسن، والضعیف، والمنکر.)) ❶

''بے شک سنن اربعہ میں صحیح، حسن، ضعیف اور منکر ہر قسم کی روایات ہیں۔''

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے نزدیک مسند احمد بھی اسی طبقہ ثانیہ میں سے ہے۔ وہ اصل ہے جس سے صحیح اور سقیم کا علم ہوتا ہے اور اِس سے اس حدیث کو جس کی کوئی اصل ہے اور اس حدیث کو جس کی کوئی اصل نہیں ہے، تمیز کیا جاتا ہے۔

بایں ہمہ اس مسند میں بہت سی ضعیف احادیث بھی ہیں، جن کا احوال بیان نہیں کیا گیا۔ البتہ یہ بات ضرور ذہن میں رکھنی چاہیے کہ مسند احمد کی ضعیف احادیث بھی ان ضعیف احادیث سے کہیں بہتر ہیں، جن کی متاخرین تصحیح کرتے ہیں، کیوں کہ مسند احمد کی ضعیف حدیث بھی حسن کا درجہ رکھتی ہے۔ بہرحال مسند امام احمد سے بڑا صحیح احادیث کا اور کوئی مجموعہ نہیں بلکہ علامہ حافظ نورالدین ہیثمی نے "عالیة المقصد فی زوائد المسند" میں تصریح کی ہے کہ:

((مسند أحمد اصح صحیحًا من غیره.)) ❷

''یعنی صحیح ہونے کے لحاظ سے مسند احمد اوروں کی نسبت زیادہ صحیح ہے۔''

لیکن محدثین کی یہ تصحیح اسناد کے لحاظ سے ہے۔ درایت کے اصولوں پر اگر ان احادیث کو پرکھا جائے تو کئی احادیث ایسی ملیں گی جو کہ حد درجہ کی ضعیف ہیں اور ان کے راویوں نے اپنی مرویات میں نادانستہ یا دانستہ دروغ گوئی اور کذب بیانی سے کام لیا ہے۔

علمائے حدیث وفقہ نے مسند احمد کو اپنا راہ نما بنایا ہے، اور سچی بات یہ ہے کہ فنِ حدیث میں اس کی حیثیت رکن اعظم کی ہے۔ اسی طرح سنن ابن ماجه بھی طبقہ ثانیہ میں شمار کی جاتی ہے، اگرچہ اس کی بعض احادیث انتہا درجہ کی ضعیف ہیں۔

حدیث کی کوئی کتاب بھی ہو خواہ وہ بخاری اور مسلم ہی کیوں نہ ہوں، تنقید اور چھان پھٹک سے بالاتر نہیں، اور محدثین نے اپنی کتابوں میں ان سب کتابوں کی روایات پر بحث اور تنقید کی ہے، اور ان احادیث کے بارے میں استدراکات لکھے جیسا کہ امام دارقطنی نے بخاری کی دوسو احادیث پر "الاستدراکات" نامی کتاب لکھی۔ ❸ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ان کا جواب

---

❶ التقریب، ص: ۹۵. ❷ تدریب الراوی، ص: ۵۷. ❸ عمدة القاري: ۸/ ۲۲۶.

Marfat.com

دینے کی بھی سعی کی ہے، لیکن جواب دیتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مضمحل نظر آتے ہیں۔ ❶

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ایک تقسیم کے لحاظ سے احادیث کی تین قسمیں ہیں:

۱: وہ احادیث جو احکام سے تعلق رکھتی ہیں۔

۲: وہ احادیث جو فضائل سے تعلق رکھتی ہیں۔

۳: وہ احادیث جن میں واقعات، تنازعات، مشاجرات اور سیر و مغازی کا ذکر ہے۔

ان میں سے پہلی قسم کی احادیث پر ائمہ اربعہ اور ان کے متعلقین فقہاء نے اسناد و درایت کے لحاظ سے سیر حاصل بحثیں کر کے ان کی چھان پھٹک کر دی ہے اور اب ان پر زیادہ تنقید اور تحقیق کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری قسم کی احادیث پر علمائے کرام نے کچھ بحث کی ہے، لیکن اس قسم کی احادیث پر ان کا معیار تنقید احکامی احادیث سے مختلف ہے۔ ان احادیث کے بارے میں علماء نے نہایت تساہل سے کام لیا ہے۔ اگر کسی ضعیف حدیث سے بھی کسی عمل کی فضیلت ثابت ہوتی ہے تو اس ضعیف حدیث پر عمل کر لیا گیا ہے۔ (شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کی فضائل اعمال میں اس قسم کی بے شمار ضعیف احادیث بیان کی گئی ہیں۔) چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے ائمہ حدیث فرماتے ہیں:

((اذا روینا فی الحلال والحرام شددنا ، واذا روینا فی الفضائل ونحوها تساهلنا .))

''یعنی جب ہم حلال و حرام (یعنی احکام) کے بارے میں احادیث روایت کرتے ہیں تو سختی سے کام لیتے ہیں، لیکن جب فضائل کی احادیث روایت کرتے ہیں تو (ان پر جرح و تنقید کے بارے میں) تساہل سے کام لیتے ہیں۔'' ❷

اس مضمون کو ان کتابوں میں بھی مختلف الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

(۱) عیون الاثر فی فنون المغازی والسیر لابن سیّد الناس: ۱/۱۵۔

(۲) الحظ الاوفر فی الحج الاکبر، ص: ۶۴۔

(۳) الموضوعات الکبیر، علامہ ملا علی القاری، ص: ۷۳۔

---

❶ هدی الساری مقدمه فتح الباری: ۳٤۸ تا ۳۸۲.

❷ کفایه، ص: ۱۳٤.

Marfat.com

(۴) شرح الفیة الحدیث:۲/۲۹۱۔

(۵) الفتح المبین شرح اربعین نووی لابن حجر مکی، ص:۳۲۔

تیسری قسم کی احادیث جن کا تعلق مغازی وسیر اور مشاجرات و واقعات صحابہ سے ہے، ان کی تنقیح وتنقید کی طرف بہت ہی کم لوگوں نے توجہ کی ہے، اور جن لوگوں نے ان احادیث کے بارے میں کچھ لکھا ہے، انھوں نے بھی صرف اسنادی لحاظ سے ان پر جرح ونقد کی ہے۔ اصول درایت کے لحاظ سے ان کے بارے میں کوئی بحث نہیں کی۔ لہٰذا سیر ومغازی اور مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں ہر قسم کی احادیث کو بڑے بڑے محدثین نے بڑے اہتمام کے ساتھ اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، اور عام لوگ بلکہ کئی بڑے لوگ بھی صرف اس وجہ سے کہ فلاں عالم نے اس کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، اپنے معتقدات کی بنیاد اس پر رکھنے لگے۔

علاوہ ازیں سیر ومغازی اور مشاجرات کا بہت بڑا تعلق تاریخ سے بھی ہے، اور تاریخ کی اکثر روایات محمد بن اسحاق، واقدی، ابومخنف لوط بن یحییٰ اور دوسرے ان راویوں سے مروی ہیں جن کے کذب پر ائمہ حدیث کا اتفاق اور اجماع ہے۔ چنانچہ محمد بن اسحٰق کے بارے میں امام نسائی، امام ابو حاتم، امام دارقطنی، امام سلیمان تیمی، یحییٰ بن سعید القطان، وہیب بن خالد، امام احمد بن حنبل، امام مالک، علی بن المدینی، حافظ ابن القیم، قاضی شوکانی، نواب صدیق حسن خان اور دیگر ائمہ حدیث نے کذاب، ضعیف، لیس بحجة کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ❶

بلکہ امام مالکؒ نے تو یہاں تک فرمایا کہ:

''محمد بن اسحاق دجالوں میں سے ایک دجال تھا۔'' ❷

اسی طرح واقدی کے بارے میں بھی ائمہ حدیث نے کذاب ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ❸

---

❶ ملاحظہ ہو: ضعفاء صغیر، ص: ۵۲۔ کتاب العلل: ۱/۴۳۳۔ میزان الاعتدال: ۳/۲۱۔ تهذیب التهذیب: ۹/۴۳۔ توجیه النظر، ص: ۲۸۔ زاد المعاد: ۱/۱۴۳۔ نیل الاوطار: ۱/۲۳۴۔ دلیل الطالب، ص: ۲۳۹، وغیره۔

❷ تهذیب التهذیب: ۹/۴۱۔ میزان الاعتدال: ۳/۳۱.

❸ تهذیب التهذیب: ۹/۳۶۴، ۳۶۶۔ لسان المیزان: ۶/۸۲۵۔ [illegible] المغنی: ۲/۶۱۹.

Marfat.com

اسی طرح ابومخنف لوط بن یحییٰ بھی اہلِ علم اور محدثین کے نزدیک کذاب، اخباری، غیر ثقہ اور جلا بھنا شیعہ ہے۔ ❶

یہی حال ہشام بن محمد بن سائب الکلبی کا ہے۔ علمائے جرح و تعدیل نے اس کا چہرہ بھی نہایت گھناؤنا پیش کیا ہے۔ تفصیل کتاب میں آ رہی ہے۔

ان کذاب راویوں کی روایات کے بارہ میں آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کیسی ہوں گی۔ کذب اور دروغ بافی کا مرقع، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر افتراء پردازی اور بہتان تراشی کا مجموعہ، دین اسلام کے خلاف ایک سازش جس کی فصل آج تک کاٹی جا رہی ہے۔

ہمارے محدثین نے تاریخ اور حدیث کی بعض روایات میں جب ہم آہنگی دیکھی تو بعض ضعیف بلکہ موضوع احادیث کو بھی جن کا تعلق سیر و مغازی اور مشاجرات سے تھا، بغیر اسناد پر بحث کیے اور درایت کے اصولوں کو نگاہ میں رکھے بیک جنبش قلم ان کو صحیح لکھ دیا، اور متاخرین نے متقدمین پر اعتماد کی بنیاد استوار کرتے ہوئے بغیر جرح و تنقید کے ان کو اپنی کتابوں میں جگہ دے دی، اور آنے والے لوگوں کے راستہ میں مشکلات کی ایک دیوار کھڑی کر دی۔ مثال کے طور پر حدیث ((مَنْ كُنْتَ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ .)) اس حدیث کو اگرچہ طبقہ اعلیٰ کی کتابوں مؤطا امام مالکؒ، بخاریؒ، مسلمؒ، ابو داؤدؒ وغیرہ میں روایت نہیں کیا گیا، لیکن یہ درست ہے کہ یہ حدیث کثرت روات اور تعدد طرق سے مروی ہے، مگر اس کے باوجود غیر صحیح اور ضعیف ہے۔ چنانچہ جمال الدین زیلعی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

((كم من حديث كثرت رواته وتعددت طرقه وهو حديث ضعيف .))

''یعنی کئی احادیث کثرتِ روات اور تعدد طرق کے باوجود ضعیف ہیں۔''

انہی احادیث میں حافظ زیلعی رحمہ اللہ نے حدیث ((مَنْ كُنْتَ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ .)) کو بھی ذکر کیا ہے۔ ❷

اسی وجہ سے حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے علامہ ابن حزم ظاہری کا قول نقل کیا ہے:

---

❶ میزان الاعتدال: ٢/ ٣٦۔ لسان المیزان: ٤/ ٤٩٢.

❷ ملاحظہ ہو: نصب الرایہ: ١/ ٣٥٥۔ ٣٦٠.

Marfat.com

((وامّا مَـنْ كُـنْتَ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ، فلا يصح من طرق الثقات اصلًا .))

اور حدیث ((مَنْ كُنْتَ مَوْلَاهُ .)) ثقہ اور معتبر طریقوں سے ہرگز ثابت نہیں۔"●

خلاصہ یہ کہ یہ حدیث ثقات کے نزدیک بالکل ضعیف ہے، لیکن کثرتِ روات اور تعدد طرق کی بنا پر بعض محدثین نے اسے صحیح لکھ دیا ہے جو کہ روایت اور درایت کے اصولوں کے خلاف ہے۔

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ سیر و مغازی اور مشاجرات و واقعات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں احادیث پر علمائے متقدمین اور متاخرین نے اصول روایت و درایت کے لحاظ سے وہ جرح ونقد اور بحث و تحقیق نہیں کی جو احکامی احادیث پر کی ہے، اور اگر کچھ جرح ونقد کی بھی ہے تو نہایت تساہل سے کام لیا ہے۔

دوسری چیز یہ کہ حدیث صحیح اور غیر صحیح وہی ہے جو اصول روایت و درایت پر پوری اترتی ہو۔ محض یہ کہہ دینا کہ یہ حدیث فلاں کتاب میں ہے اور یہ خبر فلاں مؤرخ نے نقل کی ہے، ایک بے وزن بات ہے۔

ایسی احادیث اور اخبار سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شخصیات کو مجروح نہیں کیا جاسکتا، جن کی وکالت قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے کی ہو اور جن کی پاک دامنی، طہارتِ قلبی، تقویٰ اور رضائے خداوندی کی سند خبر متواتر یعنی قرآنِ حکیم سے دی جاچکی ہے۔

تیسرا طبقہ: ..... کتب احادیث کا تیسرا طبقہ وہ ہے جس میں وہ مسانید، جوامع اور مصنفات شامل ہیں جو بخاری اور مسلم کے زمانہ سے قبل، یا ان کے زمانہ میں یا ان کے بعد تالیف ہوئیں۔ اور وہ صحیح، حسن، ضعیف، معروف، غریب، شاذ، منکر، خطاء وصواب اور ثابت و مقلوب ہر نوع کی احادیث پر مشتمل ہیں۔ اگرچہ ان سے اجنبیتِ مطلقہ زائل ہوگئی ہے، تاہم علماء میں ان کی شہرت و مقبولیت ویسی نہ ہوسکی جیسی طبقہ اولیٰ اور ثانیہ کی کتابوں کی ہے۔

ان میں مختلف معیار کی کتابیں ہیں۔ بعض کتابیں بعض سے زیادہ قوی ہیں۔ ان کتابوں کے کچھ نام حسب ذیل ہیں:

● منهاج السنه: ٤/ ٨٦.

Marfat.com

مسند امام شافعی (م۲۰۴ھ)، سنن ابن ماجہ (م۲۷۳ھ)، مسند دارمی (م۲۵۵ھ)، مسند ابویعلیٰ موصلی (م۳۰۷ھ)، مصنف عبدالرزاق (م۲۱۱ھ)، مصنف ابن ابی شیبہ (م۲۳۵ھ)، مسند عبد بن حمید (م۲۴۹ھ)، مسند ابی داؤد طیالسی (م۲۰۳ھ)، سنن دار قطنی (م۳۸۵ھ)، صحیح ابن حبان (م ۳۵۴ھ)، مستدرک حاکم، (م ۴۰۵ھ)، کتب بیہقی (م ۴۵۸ھ)، کتب طحاوی (م ۳۲۱ھ) اور مصنفات طبرانی (م۳۶۰ھ)۔

چوتھا طبقہ: .....کتب حدیث کے چوتھے طبقہ میں دو کتابیں شامل ہیں، جن کے مصنّفین نے زمانہ دراز کے بعد ان احادیث کو جمع کرنے کا قصد کیا جو گزشتہ زمانہ (طبقہ اولیٰ اور طبقہ ثانیہ کی کتابوں) میں نہیں تھیں۔ لہٰذا ان کی احادیث دو شقوں سے خالی نہ ہوں گی۔ ایک شق یہ ہے کہ سلف نے ان سے کافی بحث کی لیکن انھیں ان کی اصل نہ ملی کہ ان کی روایت میں مصروف ہوتے۔ دوسری شق یہ ہے کہ انھیں اصل تو ملی لیکن ان میں قدح وعلت تھی جس کی وجہ سے وہ ان کی روایت ترک کرنے پر مجبور ہوئے۔ غرض ان دونوں شقوں کی بنا پر ان کی کتابوں پر کوئی ایسا اعتماد نہیں کیا جاسکتا کہ ان کتابوں سے کوئی عقیدہ یا نظریہ ثابت کیا جاسکے، یا ان سے کسی عمل کے ارتکاب پر کوئی دلیل قائم کی جاسکے۔

اس قسم کی کتابیں بکثرت موجود ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

کتاب الضعفاء لابن حبان (م۳۵۴ھ)	مسند الفردوس الدیلمی (م۵۰۹ھ)
مصنفات حاکم (م۴۰۵ھ)	مصنفات ابی نعیم (م۴۳۰ھ)
کتاب الضعفاء عقیلی (م۳۲۳ھ)	مصنفات جوزقانی (م۵۴۳ھ)
کتاب الکامل ابن عدی (م۳۶۵ھ)	مصنفات ابن عساکر (م۵۷۱ھ)
مصنفات ابن مردویہ (م۴۱۶ھ)	مصنفات ابی الشیخ (م۳۶۹ھ)
تصانیف ابن شاہین (م۳۵۸ھ)	مصنفات ابن النجار (م۴۶۳ھ)
تفسیر ابن جریر طبری	

علامہ ابن جوزی (م۵۹۶ھ) نے اپنی کتاب ''موضوعات'' میں ان کتابوں کی اکثر موضوع روایات کی خوب خبر لی ہے۔ چنانچہ ان کو مجروح اور مطعون ثابت کیا ہے اور ان کے دلائلِ وضع وکذب

Marfat.com

کوخوب واضح کیا ہے۔ نیز کتاب تنزیہہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الشنیعۃ الموضوعۃ، للشیخ ابی الحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی (م ۹۶۳ھ) اس قسم کی فریب دہ چیزوں کو دور کرنے کے لیے اس قدر کافی ہے کہ دوسری کتابوں کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اکثر عجیب وغریب مسائل مثلاً سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مسح رجلین (پاؤں کا مسح کرنا) کی روایات اور اس طرح کے بہت سے عجیب وغریب مسائل اسی طبقہ کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں، اور شیخ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) کی تصانیف کا سارا سرمایہ اکثر و بیشتر یہی کتابیں ہیں، کیوں کہ وہ زیادہ اِنھی کتابوں میں مشغول رہتے اور ان سے ایسے ایسے احکام استنباط کرتے کہ جن کی کوئی حد نہیں۔

اگر کسی کو ان کتابوں سے کوئی دل چسپی ہو تو وہ علامہ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ کی کتاب میزان الضعفاء اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی لسان المیزان کو اپنے زیر مطالعہ رکھے، کیوں کہ یہ دونوں کتابیں ان روایات کی تحقیق کے بارے میں از حد مفید ہیں۔ ❶

۳۔ تاریخ:

(تاریخ اسلامی کا تیسرا ماخذ کتب تواریخ ہیں، لیکن یہ ماخذ اتنا معتبر نہیں ہے کہ اس پر کلی اعتماد کر کے پہلے دو ماخذوں کی روایات و وقائع کو نظر انداز کر دیا جائے یا ان کو غلط قرار دے دیا جائے، کیوں کہ پہلے دونوں ماخذوں (قرآن و حدیث) کی اکثر روایات یقینی اور کچھ قریب بہ یقین ہیں، لیکن اس کے مقابلہ میں تاریخی روایات بالکل ظنی بلکہ اکثر غلط اور محرف ہیں، جس کے اسباب حسب ذیل ہیں:

۱: اکثر کتب تاریخ بنی عباس کے زمانہ میں مدوّن ہوئیں اور ایک خاص پولیٹیکل سازش کے تحت ان میں جان بوجھ کر ایسا مواد اور ایسی روایات جمع کر دی گئیں کہ جن سے بنو اُمیہ کی تنقیص مقصود تھی اور ان کے محاسن و مناقب کو بھی معائب اور مثالب کے رنگ میں پیش کیا گیا تھا اور اس مقصد کے لیے کرائے کے منشی بھی خریدے گئے، جس طرح اس زمانہ میں حکومتیں خریدتی ہیں۔

۲: بعد کے زمانہ میں شیعہ راویوں اور شیعہ مؤرخین نے اپنے کو سنی ظاہر کر کے تاریخ کی ایسی

---

❶ ماخوذ از: عجالہ نافعہ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ، الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ، ص: ٦٦، ١٣٧۔

Marfat.com

کتابیں تالیف کیں جن میں بنو اُمیہ کے خلاف اپنے دلی بُغض کا کھل کر اظہار کیا گیا اور سنی کتبِ تواریخ میں تحریف کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے گئے، جن کا تفصیلی ذکر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنی مشہور کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں کیا ہے۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

ا: شیعہ علماء اکثر یہ کہا کرتے ہیں کہ تفسیر و سیر کی ان کتابوں میں جن کا استعمال سنی علماء و طلبا کے ہاں کم رہتا ہے یا حدیث کی ان کتابوں میں جو زیادہ مشہور نہیں ہوتیں، اپنی طرف سے موضوع اور جھوٹی باتیں جو کہ مذہب شیعہ کی مؤید ہوتی ہیں، ملحق کر دیتے ہیں، اور پھر ان سے سنی ناواقف علماء کو بھی بعد میں دھوکا لگ جاتا ہے۔

پھر اس کی مثال نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''محمد شاہ کے زمانے میں دہلی میں دو شیعہ بھائی طبقۂ امراء میں سے ایسے تھے جو کہ صحاح ستہ، مشکوٰۃ اور اہل سنت کی دوسری کئی ایک تفاسیر کو بہترین کاغذ پر خوش خط کاتبوں سے لکھواتے اور جگہ جگہ اپنے مذہب کی تائید کی حدیثیں ملا دیتے۔ پھر ان نسخوں کی جلدیں مطلا اور مذہب کر کے بہت معمولی قیمت پر فروخت کرنے کے لیے بازار میں پیش کرتے۔ معمولی قیمت پر بہترین خط اور کاغذ کی اعلیٰ کتابوں کو دیکھ کر ناواقف لوگ شوق سے خرید لیتے اور اس طرح ان کتابوں کی اشاعت ہو جاتی۔'' [1]

اسی طرح اصفہان میں خاندان صفویہ کے امراء میں سے ابراہیم بن علی شاہ شیعہ وہاں پر اسی طرح کا کام کرتے رہے، لیکن ان مکاریوں اور دھوکہ بازیوں سے بھی ان کا مقصد حاصل نہ ہو سکا، کیوں کہ اہلِ سنت کی مشہور کتابیں کمال شہرت کی وجہ سے ناقابل تحریف تھیں اور کتب غیر مشہورہ کا کوئی اعتبار نہیں۔'' [2]

ب: کبھی شیعہ علماء فضائلِ خلفاءِ اربعہ میں کوئی کتاب تصنیف کر دیتے، اور اس میں اہل سنت کی صحیح کتابوں سے صحیح حدیثیں نقل کر دیتے، لیکن جب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ذکر کرنے کی نوبت آتی تو اس ضمن میں بعض ایسی چیزیں جو کہ خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ، ص: ۹۵.

Marfat.com

میں موجب قدح ہوتیں، وضع کر جاتے یا حضراتِ شیعہ کی کتابوں سے نقل کر دیتے، اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حقیقت کے بارے میں چند نصوصِ صریحہ اور یہ کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا خلیفہ بن جاوے تو وہ ''یہ اور وہ'' ہے، درج کر دیتے تاکہ دیکھ سن کر پڑھنے اور سننے والے شبہ میں پڑ جاویں اور خلفائے راشدین کے بارے میں ان کے دل میں بدظنی پیدا ہو جاوے۔ ❶

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کی مثالیں نقل فرمائی ہیں۔

ج: کبھی یہ لوگ اہل سنت کے مؤرخوں کے ساتھ یوں بھی کرتے ہیں کہ تاریخ کی کتاب لکھ لیتے ہیں اور اس میں کوئی ایسی بات جس سے یہ وہم پیدا ہو سکے کہ مؤلف اہل سنت سے خارج ہے، درج نہیں کرتے، لیکن سیر خلفاء، احوال صحابہ اور ان کے باہمی محاربات کے بیان میں کچھ حصہ تھوڑا سا اپنے مذہب کا ملا لیتے ہیں۔ بعض اہلِ سنت مؤرخین اس خیال سے کہ مؤرخ سنی اور محقق ہے، اس سے نقل کرتے اور غلطی میں پڑ جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ وہی بے تحقیق عبارت قارئین کی گمراہی کا سبب بن جاتی ہے۔ پھر ایک مثال دے کر فرماتے ہیں کہ محققین اہل سنت ایسی تاریخوں کے مطالعہ سے احتراز ضروری قرار دیتے ہیں۔ ❷

د: کبھی وہ اس طرح کرتے ہیں کہ اہل سنت کے معتبر اور مستند علماء کے اسماء و القاب اور ان کی کنیتوں پر غور کر کے دیکھ لیتے ہیں اور اگر ان میں سے کوئی بڑا شخص اپنے کسی عالم کا ہم نام یا ہم لقب پا لیتے ہیں تو اپنے اس شیعہ عالم کی حدیث اور روایت اس سنی عالم کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ نام و لقب کے اتحاد کی وجہ سے دونوں میں امتیاز بہت مشکل ہوتا ہے، لہٰذا ناواقف سنی اس کو اپنے ائمہ میں سے ایک امام سمجھ کر اس کی روایت کو قابل اعتبار سمجھ لیتے ہیں، جیسے ''سدی'' نام کے دو شخص ہوئے ہیں۔ ایک سدی کبیر اور دوسرا سدی صغیر۔ سدی کبیر اہل سنت کے معتبر علماء میں سے ہیں اور سدی صغیر وضاعین و کذابین میں سے ہے اور غالی و متشدد رافضی ہے۔ اور اسی طرح ابن قتیبہ نام کے بھی دو شخص ہیں۔ ایک ابراہیم بن قتیبہ غالی رافضی ہے، اور دوسرا عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ اہل سنت میں سے ہے۔ ''کتاب المعارف'' کا مؤلف

---

❶ تحفه اثنا عشريه، ص: ٩٦.

❷ تحفه اثنا عشريه، ص: ١١٨.

Marfat.com

اصل میں سنی ابن قتیبہ ہے، لیکن شیعہ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب کا نام معارف رکھا، تاکہ لوگوں کو نام سے اشتباہ ہو جائے۔ ❶

۳: (کتب تاریخ کے غیر معتبر ہونے کا تیسرا سبب اکثر تاریخی روایات کا بے سند ہونا ہے۔ مسلمانوں نے جب اقوال رسول ﷺ کے لیے سند کا ہونا ضروری قرار دیا ہے تو تاریخ کے لیے تو اور بھی زیادہ ضروری ہے، کیوں کہ بغیر سند کے ہر کوئی جو کچھ چاہے کسی کے متعلق کہہ سکتا ہے، اسی لیے امام مسلم رحمہ اللہ اپنی صحیح کے مقدمہ میں سیّدنا عبداللہ بن مبارک کا ایک قول نقل فرماتے ہیں کہ؛

((لو لا الاسناد لقال من شاء ما شاء .)) ❷

''اگر اسناد نہ ہوتیں تو ہر کوئی جو کچھ چاہتا کہہ دیتا۔'')

چنانچہ کتب تاریخ میں اکثر روایات بے سند ہیں۔ کسی روایت کو ''ذکروا'' اور کسی کو ''قیل'' یا ''یقال'' یا ''روی عن اصحابنا'' یا پھر اسی طرح کے اور مبہم سے الفاظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اب ایسی روایات کی حقیقت قرآن اور حدیث کی صحیح روایات کے مقابلہ میں کچھ نہیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''یہ مؤرخین کی روایتیں تو عموماً بے سروپا ہوتی ہیں، نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے نہ ان کی توثیق و تخریج کی خبر ہوتی ہے، نہ انفصال و انقطاع سے بحث ہوتی ہے، اور اگر بعض متقدمین نے سند کا التزام بھی کیا ہے تو عموماً ان میں غث و ثمین سے ارسال و انقطاع سے کام لیا گیا ہے، خواہ ابن اثیر ہوں یا ابن قتیبہ، ابن ابی الحدید ہوں یا ابن سعد۔'' ❸

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بعض مؤلفین کی تالیفات پر بحث فرماتے ہوئے لکھا ہے:

''ان حضرات کی نقل کردہ روایات تاریخ و سیر کی روایات کی قبیل سے ہیں جن میں مرسل، مقطوع، صحیح اور ضعیف و سقیم ہر قسم کی روایات ہیں۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب جو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ سے نقل

---

❶ تحفه اثنا عشريه، ص: ٦٧.

❷ مقدمه صحيح مسلم: ١/ ١٢.

❸ مکتوبات شیخ الاسلام: ۱/۲۶۶۔

Marfat.com

متواتر سے ثابت ہیں، ان کا ردّ ایسی روایات سے کسی صورت نہیں ہوسکتا جن میں بعض منقطع، بعض تحریف شدہ اور بعض ایسی ہیں جن سے یقینی اور قطعی چیزوں پر جرح وقدح نہیں ہوسکتی، اس لیے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوسکتا، اور ہمارا یقین ان چیزوں پر ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اور اجماع اُمت سے ثابت ہیں۔ علاوہ ازیں منقولات متواترہ کی تائید دلائل عقلیہ سے اس طرح بھی ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیاء علیہم السلام کے بعد ساری مخلوق سے افضل ہیں، لہٰذا مشکوک روایات سے ان کی ذواتِ مقدسہ کو مجروح نہیں کیا جاسکتا، چہ جائیکہ ان روایات سے ان کی ذات پر جرح وقدح کی جائے، جن کا باطل ہونا صریح اور واضح ہے۔'' ❶

(تاریخی روایات کی حیثیت کے بارے میں سیّد مودودی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے:

''تاریخ کے معاملہ میں اگر کوئی شخص روایات کے ثبوت کے لیے وہ شرائط لگائے جو احکام شرعی کے معاملہ میں محدثین نے لگائے ہیں تو اسلامی تاریخ کا ۹۰ فیصد بلکہ اس سے بھی زیادہ حصہ دریا برد کردینا ہوگا۔'' ❷)

تاریخ کی روایات صحیح بھی ہیں اور غلط بھی، لہٰذا ایک غلاظت پسند مکھی کی طرح صرف اِنھی روایات کو قبول کرنا جو کسی غلیظ اور مفتری وکذاب نے ہمارے پاکیزہ خصائل اسلاف کے خلاف وضع کی ہوں کسی طور ایک مسلمان کا شیوہ نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ سیّدنا مودودی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''جب تاریخ میں دونوں طرح کی روایات موجود ہیں اور سند کے ساتھ بیان ہوئی ہیں تو آخر ہم ان روایات کو کیوں نہ ترجیح دیں جو ان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے مجموعی طرزِ عمل سے مناسبت رکھتی ہیں، اور خواہ مخواہ وہی روایات کیوں قبول کریں جو ان کی ضد نظر آتی ہیں۔'' ❸

۴: (تاریخ کے غیر معتبر ہونے کا چوتھا سبب یہ ہے کہ تاریخی کتابیں پریس نہ ہونے کے سبب سے کافی عرصہ سے بالکل ناپید ہوچکی تھیں۔ اس زمانہ میں یورپ کے مستشرقین نے ان کو چھاپا

---

❶ منهاج السنه: ۳/ ۳۰۷.

❷ خلافت وملوکیت، ص: ۱۰۷ حاشیہ۔

❸ خلافت وملوکیت، ص: ۳۴۷۔۳۴۸

Marfat.com

ہے۔ اب معلوم نہیں انھوں نے ان میں کیا کیا تحریفات کی ہیں، کیوں کہ یہ لوگ اسلام کے خلاف ایک گہری سازش کیے ہوئے ہیں، اور اسلامی کتابوں کے انگریزی ترجمے اور اسلامی نایاب کتابوں کی طباعت ان کی بری نیت کی غمازی کرتی ہے۔ مثال کے طور پر تاریخ کی دو عظیم الشان کتابیں ''طبری'' اور ''طبقات ابن سعد'' ہیں۔ طبقات ابن سعد کے مصنف ایک بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ واقدی کے شاگرد اور فتوح البلدان کے مصنف بلاذری کے استاذ تھے۔ طبقات ابن سعد ۱۲ جلدوں میں مرتب کی۔ دس حصے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے حالاتِ زندگی پر مشتمل ہیں، لیکن یہ کتاب قریباً ناپید ہو چکی تھی، یعنی دنیا کے کسی کتب خانے میں اس کا مکمل نسخہ موجود نہ تھا۔ جرمن کے شہنشاہ کو اس کی طباعت و اشاعت کا خیال ہوا۔ چنانچہ اس نے کئی لاکھ روپے اپنی جیب خاص سے دیے اور پروفیسر سخاؤ کو اس کام پر مامور کیا کہ ہر جگہ سے اس کے اجزاء فراہم کر کے لائیں۔ پروفیسر موصوف نے قسطنطنیہ، مصر اور یورپ کے مختلف کتب خانوں سے اس کے اجزاء فراہم کیے اور یورپ کے بارہ (۱۲) پروفیسروں نے جن میں اکثر پادری تھے، الگ الگ جلدوں کی تصحیح اپنے ذمہ لی۔ چنانچہ ۱۹۰۰ء میں لیڈن (ہالینڈ) سے اس کو طبع کر کے شائع کیا گیا۔[1]

آج یہی کتاب تمام دنیا میں ملتی ہے۔ اگرچہ بعد میں یہ کتاب مصر میں بھی شائع ہوئی، لیکن انھوں نے اسی لیڈن کے نسخہ کی نقل کر کے شائع کی ہے۔ اب ایک ایسی کتاب جو ایک عرصہ تک ناپید رہی ہے اور اہل علم میں اس کے علمی تعارف کا واسطہ قطعی منقطع ہو کر رہ گیا ہو اور اس کو دوبارہ مرتب کرنے والے غیر عرب، غیر مسلم اور متعصب عیسائی پادری ہوں جو تیرہ سو سال سے مسلمانوں کے خلاف ایک محاذ قائم کیے ہوئے ہوں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کی اُمت کے ساتھ ان کا تعصب اظہر من الشمس ہو، اس کی اعتمادی حیثیت کس پایہ کی رہ جاتی ہے اور اس کی روایات کو بلا تنقیح و تنقید کس طرح قبول کیا جا سکتا ہے؟

یہی حال طبری کی ''تاریخ الامم والملوک'' کا ہے۔ یہ بھی یورپ ہی کی طفیل زیور طباعت سے آراستہ ہوئی ہے، اور اسی طرح غیروں بلکہ دشمنوں کے توسط سے ہم تک پہنچی ہے۔ اسی طرح اور کئی

---

[1] سیرت النبی، علامہ شبلی نعمانی: ۱/۲۶۔

Marfat.com

کتابیں ہیں۔

یہ درست ہے کہ ان کتابوں کی طباعت سے علمی دنیا کو بہت فائدہ پہنچا لیکن اسلامی دنیا کو اس سے اتنا ہی نقصان بھی ہوا اور ان لوگوں نے یقینی طور پر ان میں بہت سی تحریفات کر دیں۔

۵: (تاریخ کے غیر معتبر ہونے کا پانچواں سبب یہ ہے کہ دور بنی عباس میں جب تاریخ کی تدوین ہوئی تو اس وقت جو کتابیں مدون ہوئیں وہ تاریخ نہیں تھیں بلکہ مواد تاریخ پر مشتمل تھیں۔ ان کتابوں میں مؤرخین نے صحیح اور غلط، مستند اور غیر مستند، قوی اور ضعیف ہر قسم کی روایات جمع کر دیں، اور جمع کرنی چاہیے بھی تھیں تا کہ بعد کے مؤرخین ان روایات کی چھان پھٹک کر کے صحیح تاریخ مرتب کر لیں۔ لیکن بعد کے مؤرخین نے بجائے اس بات کے کہ ان روایات کو تنقید کی کسوٹی اور روایت و درایت کے اصولوں پر پرکھ کر اپنی کتابوں میں جگہ دیتے، اسی طرح اپنی کتابوں میں لکھ دیا، اور وہ ضعیف وقوی اور صحیح وغلط روایات متعدی امراض کی طرح ایک کتاب سے دوسری کتاب میں منتقل ہوتی چلی گئیں) اور اگر کسی مؤرخ نے ان روایات پر تنقید کی بھی اور ان کو اصول روایت و درایت کے لحاظ سے غلط بھی پایا، پھر بھی محض تقلیدی ذہنیت کے تحت ان کو اپنی کتابوں میں لکھ دیا، چنانچہ بعض معتمد مؤرخین نے ایسا کیا اور کچھ تنبیہ بھی کر دی (علامہ ابن کثیر جیسے حافظ حدیث طبری کی بعض روایات پر تنقید کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

((وفی بعض ما اوردناه نظر، ولولا ان ابن جریر وغیره من الحفاظ والائمة ذکروه ماسقته.)) ❶

''اور جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس میں سے بعض حصہ محلِ نظر ہے، اور اگر ابن جریر طبری اور دوسرے ائمہ حفاظ نے ان روایات کو نقل نہ کیا ہوتا تو ہم بھی ترک کر دیتے۔'')

مؤرخین کی یہ روش ان کتابوں کی اعتمادی حیثیت کو مجروح کر دیتی ہے۔ تاریخ کی اسی غیر اعتمادی حیثیت کا تذکرہ کرتے ہوئے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مؤرخین اپنی روایات میں اکثر کذب بیانی سے کام لیتے ہیں اور یہ بہت کم ہوتا ہے کہ ان کی روایات زیادتی ونقصان اور افراط وتفریط سے محفوظ رہیں۔'' ❷

---

❶ البدایه والنهایه: ۸/ ۲۰۲.

❷ منهاج السنه: ۳/ ۱۹۶.

Marfat.com

ایک دوسرے مقام پر ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

((وانما هو من جنس نقلة التواريخ التي لا يعتمد عليها اولوا الابصار .)) ❶

"اور یہ تاریخی منقولات کی نوع میں سے ہے جن پر اہل بصیرت بالکل اعتماد نہیں کرتے۔"

۶: (تاریخ کے غیر معتبر ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ تاریخ چونکہ بنو عباس کے دور میں مرتب ہوئی، اس وجہ سے تاریخ ایسے لوگوں نے مرتب کی جو درباری اور سرکاری لوگ تھے۔ ان لوگوں نے حکومت وقت سے انعام و اکرام حاصل کرنے کے لیے عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خصوصی طور پر بنو اُمیہ کے خلاف غلط روایات وضع کر کے تاریخ میں گھسیڑ دیں) بنو عباس نے حکومت چونکہ بنو امیہ سے چھینی تھی، اس وجہ سے اُنھوں نے ہر اس مؤرخ اور راوی کو انعام و اکرام سے نوازا، جس نے بنو امیہ کے خلاف روایات وضع کر کے تاریخ کو مہیا کیں (چنانچہ کچھ لوگ جو اندر سے شیعہ تھے، انھوں نے سنیت کا لبادہ اوڑھ کر تاریخ کو ان گنت ایسی روایات مہیا کیں جو نہ صرف خلاف عقل و دانش تھیں بلکہ روایت کے اصولوں کے بھی سراسر خلاف تھیں۔ چنانچہ الواقدی، ابومخنف لوط بن یحییٰ اور ہشام بن محمد بن سائب کلبی جیسے حضرات نے ہماری تاریخ کو اتنا غلط اور خلاف واقعہ مواد فراہم کیا، جس کو پڑھ کر حیا اور ذہانت بھی منہ چھپا لیتی ہے) الواقدی نے ایک روایت کی جس کو طبری نے نقل کیا کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ سے اُٹھا کر شام یعنی دمشق لے جایا جائے۔ لیکن منبر نبوی کو اپنی جگہ سے ہلایا گیا تو فوری طور پر آفتاب بے نور ہو گیا، حتیٰ کہ آسمان پر ستارے نظر آنے لگے۔ چنانچہ یہ حالت دیکھ کر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا ارادہ تبدیل کر لیا اور رائے عامہ کو اپنے خلاف دیکھ کر بہانہ یہ تراشا کہ میں منبرِ نبوی کو اُٹھا کر لے جانا نہیں چاہتا تھا بلکہ میں نے اس کو اپنی جگہ سے صرف اس لیے اُٹھایا، تاکہ دیکھوں کہ کہیں اس کے نیچے دیمک تو نہیں لگ گئی۔ چنانچہ آپ نے منبر وہیں رکھ دیا بلکہ اس پر غلاف چڑھا دیا۔

---

❶ منهاج السنه: ۳/ ۲٤۲.

Marfat.com

الواقدی کی یہ روایت بالکل غلط ہے۔ نہ آفتاب بے نور ہوا، نہ دن کو ستارے نظر آئے اور نہ ہی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے منبر کو اُٹھا کر شام لے جانے کی کوشش کی، لیکن ''باؤلے نے کہی ابلہے نے مانی'' کے مصداق الواقدی نے روایت گھڑی اور طبری نے اس کو اپنی تاریخ میں جگہ دی۔ الواقدی بھی شیعہ اور طبری بھی شیعہ۔ سنیوں نے ان دونوں کی روایت پر یقین کرتے ہوئے کاتب وحی، خال المومنین سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف واہی تباہی کہنی شروع کر دی۔ اسی طرح ابن شہاب الزہری اندر سے شیعہ تھا، لیکن بخاری اور صحاحِ ستہ کی دوسری کتابوں کا بڑا معتبر راوی۔ اس نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف یہ روایت نقل کی کہ ''معاویہ رضی اللہ عنہ امت میں سب سے پہلے آدمی ہیں، جنھوں نے مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا۔ حالاں کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس بات میں اکیلے نہیں ہیں، بلکہ سیّدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا مسلک بھی یہی ہے اور انھوں نے یمن میں خود بھی ایک ایسا فیصلہ کیا۔ ❶ لیکن نام انھوں نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا لیا، تاکہ بنو عباس خوش ہو کر انھیں انعام و اکرام سے نوازیں۔ اسی طرح یمین مع الشاہد کے مسئلہ میں بھی اُنھوں نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام لیا، حالانکہ اس بارے میں رسول اللہ کی ایک مرفوع حدیث بھی ہے اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ ❷

(بعض روایات میں ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رات کے وقت دفن کر دیا اور سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع نہ دی اور خود سیّدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی نمازِ جنازہ پڑھائی، حالانکہ یہ بات حقیقت کے خلاف ہے۔ نمازِ جنازہ کے بارے اسلامی اصول یہ ہے کہ خلیفۂ وقت نمازِ جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔ ❸ اور کتابوں میں یہ بھی لکھا کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ خلیفہ وقت سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی۔ ❹)

(اس مضمون کی جس قدر بھی روایات ہیں، جن میں لکھا ہے کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کی سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع نہیں دی گئی تھی، ان سب کی سند میں ابن شہاب زہری ہیں، لہٰذا ان سب روایات

---

❶ ملاحظہ ہو: مسند امام احمد: ٥/ ٢٣٠، ٢٣٦۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ١١/ ٣٧٤۔ البدایہ والنہایہ: ٥/ ١٠٣.

❷ السنن الکبریٰ بیہقی: ١٥/ ١٧٢۔ المبسوط: ١٧/ ٣٤.

❸ فروع کافی: ١/ ٩٣.

❹ ملاحظہ ہو: کنز العمال: ٧/ ١١٤۔ طبقات ابن سعد: ٨/ ٢٩۔ السنن الکبری بیہقی، کتاب الجنائز۔ حلیۃ الاولیاء: ٤/ ٩٦ وغیرہ۔

Marfat.com

جن میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ میں شامل نہ ہونا یا نمازِ جنازہ نہ پڑھانا، ابن شہاب زہری کا تفرد اور ادراج ہے، جو کہ قابل قبول نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابن شہاب زہری نے اس بات سے اندازہ لگا کر کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رات کو دفن کیا گیا تھا، اس وجہ سے شاید ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع نہ دی گئی ہو۔ یہ ان کا اپنا قیاس معلوم ہوتا ہے جو کہ واقعات کے خلاف ہے۔ اس وجہ سے بھی کہ جب سے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں، سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ سیّدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ان کی تیمارداری میں مصروف تھیں۔ وہ سیّدہ کی بیماری کی پل پل کی خبر سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیتی ہوں گی۔ انھوں نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کی خبر سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کیوں نہ دی ہوگی؟ لہٰذا یہ کہنا کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کی خبر سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نہ دی گئی، خلافِ عقل بھی ہے اور خلافِ نقل بھی، اور وہ روایات جن میں سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع نہ دینے کا ذکر ہے، ابن شہاب زہری کا ادراج ہے جو کہ ان کی عام عادت ہے کہ وہ روایات میں ادراج کر دیتے ہیں، جیسے معاملہ فدک میں سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کلام نہ کرنا وغیرہ بھی ابن شہاب زہری کا ادراج اور تفرد ہے۔ وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی نے پڑھائی تھی اور خود سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کو نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے آگے کیا۔ ❶

اور جہاں تک ابن شہاب زہری کا تعلق ہے، اس بارے میں کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اندر سے شیعہ تھا اور تقیہ کر کے اہل سنت کے محدثین میں شمار ہوتا تھا۔ حدیث اور تاریخ کی ہر وہ روایت جس کا تعلق بنو اُمیہ اور بنو ہاشم سے ہے، اس میں ان حضرت نے اپنے رفض کے جوہر دکھائے ہیں۔ چنانچہ وہ روایت جس میں مرقوم ہے کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ خلیفۂ رسول سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور دونوں نے فدک کی زمین میں اپنے حصے کا مطالبہ کیا۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے فرمایا کہ جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہماری وراثت نہیں ہوتی۔ ہم انبیاء جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس مال سے کھا سکتی ہے، (حصہ نہیں لے سکتی)، سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا کہ جو کچھ اس مال کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے، میں بھی وہی کروں گا۔ ابن شہاب زہری نے کہا: ''پس سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

---

❶ کنز العمال: ۷/ ۱۱٤.

Marfat.com

ناراض ہوگئیں اور اُنھوں نے اپنے انتقال تک ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کوئی کلام نہ کیا۔'' ❶

اس سلسلہ میں جس قدر روایات حدیث و تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں اور جن میں یہ الفاظ ہیں کہ: ''سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوگئیں اور پھر انتقال تک انھوں نے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کلام نہیں کیا، یہ سب الفاظ ابن شہاب زہری کا ادراج ہے۔''

ایسے ہی حدیث و تاریخ کی جن روایات میں یہ منقول ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت چھ ماہ کے بعد کی، ان روایات میں بھی ابن شہاب زہری موجود ہیں۔ ان روایات میں بھی ان کا یہ ادراج ہے، جیسا کہ محدثین نے لکھا ہے۔ ❷ حالانکہ روایات میں صاف طور پر موجود ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی اسی روز ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی، جس دن دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی بیعت کی۔ ❸

اسی طرح یہ روایت کہ سیّدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے عبداللہ بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ چھ سال کی عمر میں مرغ کی ٹھونگ لگنے سے انتقال فرما گئے، اس کے راوی بھی ابن شہاب زہری ہیں۔ ❹

اب یہ روایت کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رات کے وقت دفن کیا اور سیّدنا ابوبکرؓ کو اس کی اطلاع نہ دی اور خود سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ یہ روایت بھی ابن شہاب زہری کی ہے جو کہ ان کا تفرد اور ادراج ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی روایات ہیں، جن سے ان کا شیعہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے مولانا پیر قمر الدین سیالویؒ ابن شہاب زہری کے بارے میں اپنی کتاب میں فرماتے ہیں ..... ابن شہاب زہری پر یہ بحث اُنھوں نے فدک والی روایت میں کی ہے، لکھتے ہیں:

''اب فدک والی روایت میں ایک شخص محمد بن مسلم ہے جس کو ابن شہاب زہری بھی کہتے

---

❶ بخاری: ۲/ ۹۹۶۔ مصنف عبدالرزاق: ۵/ ۴۷۲۔ سنن کبریٰ بیهقی: ۶/ ۳۰۰.

❷ ملاحظہ ہو: الاعتقاد علی مذهب السلف، ص: ۱۸۰ وغیره۔

❸ ملاحظہ ہو: البدایه والنهایه: ۵/ ۲۴۹، ۶/ ۳۰۲۔ انساب الاشراف۔ بلاذری: ۱/ ۵۸۵۔ مستدرك حاکم: ۳/ ۶۶۔ سنن کبریٰ بیهقی: ۸/ ۱۴۳، ۱۵۲، ۱۵۳۔ ابن ابی الحدید: ۱/ ۱۵۴.

❹ ملاحظہ ہو: تاریخ صغیر۔ بخاری، ص: ۳۲.

Marfat.com

ہیں۔صرف یہی راوی روایت کرتا ہے۔اس کے ساتھ کوئی شاہد نہیں۔اور یہ ابن شہاب زہری اہل تشیع کی اصول کافی میں بیسیوں جگہ پر روایتیں کرتا نظر آتا ہے، اور اہل تشیع کی فروع کافی نے تو اس کی روایتوں کے بل بوتے پر کتاب کی شکل اختیار کی ہے۔تو بھائیو! اہل تشیع کے اس قدر مشہور اور معروف، کثیر الروایت آدمی کی روایت سے اہل السنّت پر الزام قائم کرنا، ائمہ صادقین کو جھٹلانا عجیب نظر وفکر ہے۔اگر اہل تشیع کے راویوں کی روایات اہل السنّت کے لیے قابل توجہ ہوتیں تو پھر بخاری ہو یا کافی کلینی، اس میں کیا فرق تھا۔'' ❶

اسی طرح لوط بن یحییٰ بھی اسی قسم کا راوی تھا۔کٹر شیعہ لیکن تاریخ اسلام کا راوی، اور اس نے اپنی روایات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے اپنے خبثِ باطن کا پورا پورا مظاہرہ کیا ہے۔

حدیث وتاریخ کا تقابل:

مذکورہ بالا وضاحت سے یہ واضح ہوگیا کہ تاریخ کی اکثر وبیشتر روایات غیر مستند ہیں، لہٰذا جب تاریخ کا تقابل حدیث کی روایات صحیحہ سے ہوگا تو تاریخ کی غیر مستند روایات کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے گا یا پھر ان کی مناسب تاویل کی جائے گی۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کی عظمت شان اور جلالت قدر قرآن وحدیث، اجماع اُمت اور منقولاتِ متواترہ حقہ سے ثابت ہے، ان کے مقابلے میں طبری، ابن اثیر، ابن سعد اور ابن کثیر وغیرہ کی مقطوع اور بے سند روایات کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں جو آیات وارد ہیں، وہ قطعی ہیں۔جو احادیثِ صحیحہ ان کے متعلق وارد ہیں، وہ اگرچہ ظنی ہیں مگر ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تواریخ کی روایات ان کے سامنے ہیچ ہیں، اس لیے اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات و احادیث صحیحہ میں تعارض واقع ہوگا تو تواریخ کو غلط کہنا ضروری ہے۔'' ❷

یہی بات حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے جو گزشتہ صفحات میں بیان کی گئی ہے۔ ❸ علامہ

---

❶ مذہب شیعہ، مولانا قمر الدین سیالوی، ص:۹۳، لاہور۔

❷ مکتوبات شیخ الاسلام: ۱/۲۴۲۔

❸ منہاج السنہ: ۳/ ۳۰۷۔

Marfat.com

سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں ایک اصول بیان فرمایا ہے کہ؛

''جو روایات درایت اور عقل کے خلاف ہوں اور اصول شرعی کے معارض ہوں، ان کے متعلق یقین کرلیں کہ وہ بے اصل ہیں اور ان کے راویوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ دوسری بات یہ کہ جو روایت حس اور مشاہدات کے خلاف پائی جائے اور قرآن وسنت کی نصوص متواترہ کے متبائین اور اجماع قطعی کے خلاف ہو، وہ روایت بھی قابل قبول نہیں ہوتی۔'' ❶

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بھی اس سلسلہ میں یوں فرمایا ہے:

((فترد كل من روايات التاريخ ما يعود منها علىٰ شين وعيب فى بعض اصحاب الرسول ﷺ .)) ❷

''وہ تمام تاریخی روایات جن سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن اور عیب پیدا کیا جاتا ہے، وہ قابل ردّ ہیں۔''

اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

((ومن ذالك الاحاديث فى ذم معاوية رضی اللہ عنہ ..... وكل حديث فى ذمه كذب .))

''ان موضوع اور جھوٹی احادیث میں وہ احادیث بھی شامل ہیں جو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت میں بنائی گئی ہیں، کیوں کہ ان کی مذمت کی ہر حدیث کذب محض ہے۔'' ❸

ایسا ہی ملا علی القاری رحمہ اللہ نے موضوعات کبیر میں لکھا ہے۔ ❹

قاضی ابوبکر ابن عربی رحمہ اللہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''العواصم من القواصم'' میں احادیث وتواریخ کے اس تقابل کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''قاضی ابوبکر کہتے ہیں کہ لوگ جب کسی میں کوئی عیب نہیں دیکھتے اور اس کا حسد اور عداوت ان پر غالب ہوتی ہے تو وہ اس کے لیے کئی عیوب تراش لیتے ہیں۔ میری یہ بات ذہن نشین کرلو کہ سوائے صحیح روایات کے اور کسی طرف التفات بھی نہ کرو، اور جیسا

---

❶ فتح المغيث: ١/ ٢٤٩.
❷ احكام القرآن: ٤/ ٢٧٤.
❸ المنار المنيف، ص: ١١٧.
❹ ملاحظہ ہو: الموضوعات الكبير، ص: ١٦٩ـ ١٧٠.

Marfat.com

کہ میں نے ذکر کیا ہے خصوصی طور پر مؤرخین سے بچو۔ یہ سلف سے تھوڑی سی صحیح خبریں ذکر کرتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے بہت سی باطل روایات نقل کر سکیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف لوگوں کے دلوں میں باتیں ڈالتے ہیں تاکہ سلف کی تحقیر اور دین کی توہین و تذلیل کر سکیں، حالانکہ دین اس سے عزیز اور سلف ہم سے زیادہ محترم ہیں۔ اللہ ان سب سے راضی ہوا۔ اور جو شخص صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات و اعمال پر نظر کرے گا، اس پر وہ توہین آمیز الزامات واضح ہو جائیں گے جنھیں مؤرخین نے کمزور لوگوں کے قلوب کو گمراہ اور بے راہ بنانے کے لیے تراشا ہے۔'' ❶

ہر دو صفحات کے بعد غیر معتبر مفسرین کے بارے میں بھی لکھتے ہیں:

''یہ باتیں میں نے تم سے اس لیے ذکر کیں، تاکہ تم ان لوگوں سے بچو، خصوصاً مفسرین، مؤرخین اور اہل ادب سے، کیوں کہ یہ لوگ دین کے احترام سے جاہل اور بدعت پر اصرار کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان کی روایات کی بھی مطلق پروا نہ کرو، اور محدثین اور ائمہ حدیث کے سوا کسی کی روایت قبول نہ کرو، اور سوائے طبری کے اور کسی مؤرخ کی بھی بات نہ سنو۔ کیوں کہ وہ دین کے لیے موت کا پیغام ہیں اور بہت بڑا مرض۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ ایسی ایسی باتیں تراشتے ہیں جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف کی تحقیر اور ان کا استخفاف پایا جاتا ہے۔''

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن جریر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے مدینہ سے تمام شہروں میں خطوط لکھے، جن میں لوگوں کو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف قتال کرنے پر اکسایا گیا تھا۔ ❷

ابن جریر کے یہ الفاظ نقل کرنے کے بعد علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

((هذا كذب على الصحابة .))

''یہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر ایک افترا ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ افترا پردازی معلوم نہیں ابن حجر رحمہ اللہ اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ کے نزدیک کس

---

❶ العواصم من القواصم، ص: ٢٤٢ـ ٢٤٥.

❷ البدايه والنهايه: ٧/ ١٧٥.

Marfat.com

طرح غیر مضر ہے؟

تاریخ تو پھر بھی تاریخ ہے، محدثین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ جن احادیث سے بظاہر کسی صحابی پر اعتراض وارد ہوتا ہو، اس کی تاویل کرنا واجب ہے، اور اگر کوئی تاویل نہ ہو سکے تو وہ روایت قابل قبول نہ ہوگی، کیوں کہ کسی حدیث سے کسی صحابی کی تنقیص نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((قال العلماء الاحاديث الواردة التي ظاهرها دخل على صحابي يجب تأويلها، قالوا ولا يقع في روايات الثقات الا ما يمكن تاويله .)) ❶

''علماء فرماتے ہیں کہ وہ احادیث جن میں بظاہر کسی صحابی پر اعتراض وارد ہوتا ہو، اس کی تاویل واجب ہے۔ اور علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ صحیح روایات میں ایسی کوئی بات نہیں جس کی تاویل ممکن نہ ہو۔''

علامہ ابن حجر ہیثمی اس بارے میں فرماتے ہیں:

''جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کوئی بات سنے اس کے لیے اشد ضروری ہے کہ پہلے وہ اس کی پوری تحقیق کرے اور صرف کسی کتاب میں پڑھ لینے سے اور کسی شخص سے سن لینے کی وجہ سے اس بات کی نسبت ان کی طرف نہ کر دے۔ (اگر وہ بات ان کے خلاف پڑتی ہے) تو پھر اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کی کوئی اچھی سی تاویل کرے اور اس کا کوئی بہتر محمل تلاش کرے، کیوں کہ وہ اپنے مناقب و مآثر کی بنا پر اس کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق ہیں۔'' ❷

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مقام پر بڑی پتے کی بات لکھی ہے، چاہتا ہوں کہ اس کو بھی قارئین کے گوش گزار کر دیا جائے، تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں روایات پر تنقید کا ایک معیار ذہن میں آ جائے۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب کسی شخص کے لیے کسی فروعی مسئلہ میں بھی کسی حدیث سے استدلال اس وقت تک جائز نہیں، جب تک کہ وہ اپنے (درایت و روایت کے اصول سے) صحیح ثابت نہ

---

❶ مسلم: ۲/ ۲۷۸.

❷ الصواعق المحرقه، ص: ۱۲۹.

Marfat.com

کردے۔ پھر یہ اس کے لیے کس طرح جائز ہوسکتا ہے کہ ان روایات سے جن کے صحیح ہونے کے بارے میں اسے کوئی علم نہیں، اسلام کے اصولی مسائل کے بارے میں جن سے خیر القرون، جمہور مسلمان اور مقرب اولیاء اللہ کے سرداروں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے بارے میں استدلال کرے۔'' ❶

جب تاریخ کی حیثیت یہ ہے تو اس پر اعتماد کر کے قرآن وسنت کی متواتر اور صحیح روایات کو غلط قرار دینا اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر زبانِ طعن دراز کرنا، جہلا کا شیوہ تو ہوسکتا ہے، علماء کی شان کے یہ چیز سراسر خلاف ہے۔ اب اس زمانہ میں بعض متنورین اور اپنے کو مفکر اسلام کہنے والے کس فکر کو پڑھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف کتابیں اور مضامین لکھتے ہیں۔

تاریخی روایات کو پرکھنے کے اصول:

گزشتہ صفحات کی بحث سے جب یہ معلوم ہوگیا کہ تاریخی روایات اکثر و بیشتر غلط ہیں اور کذاب راویوں سے مروی ہیں۔ کچھ ضعیف ہیں اور کچھ منقطع ہیں، لہٰذا ان روایات کو پرکھنے اور غث وثمین میں فرق کرنے کے لیے محدثین نے مندرجہ ذیل مشہور اصول لکھے ہیں، جن کی روشنی میں تاریخ کی ہر روایت کو جرح وتعدیل کی کسوٹی پر پرکھا جاسکتا ہے۔ وہ اصول یہ ہیں:

① روایت نص قرآنی کے خلاف نہ ہو۔

② روایت سند متواترہ کے خلاف نہ ہو۔

③ روایت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع قطعی کے خلاف نہ ہو۔

④ روایت میں کوئی ایسا محسوس ومشہور واقعہ بیان ہو کہ اگر وقوع میں آتا تو اس کو روایت کرنے والے متعدد ہوتے، لیکن اس کے برعکس ایک یا دو راوی ہوں، تو وہ روایت بھی قابل قبول نہ ہوگی۔

⑤ روایت مسلم اصول کے خلاف نہ ہو۔

⑥ روایت صحیح اور مقبول حدیث کے خلاف نہ ہو۔

⑦ روایت قواعد عربیہ کے خلاف نہ ہو۔

⑧ روایت ایسی نہ ہو جس میں راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرتا ہو جو کسی اور نے نہ کی ہو، اور یہ

---

❶ منهاج السنه: ٤/ ١٨.

Marfat.com

راوی اس شخص سے نہ ملا ہو۔

- روایت ایسی نہ ہو کہ اس کے معنی رقیق یا شان نبوت یا شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے منافی ہوں۔
- روایت کے اس دسویں اصول کو محدثین کی اصطلاح میں ''اصول درایت'' کے نام سے تعبیر کرتے ہیں، جن کے بارے میں محدثین اور ائمہ حدیث نے بہت بحث کی ہے۔ جس کی تفصیل کا یہ مقام نہیں۔

یہ دس اصول تو متن روایت کو پرکھنے کے لیے ہیں، باقی سند روایت کے پرکھنے کے لیے حسب ذیل اصول ہیں:

1. راوی عادل، تام الضبط اور ثقہ ہو۔
2. روایت کتنے طریق سے مروی ہے اور راویوں کی تعداد کیا ہے۔
3. روایت اصل آدمی تک پہنچتی ہے یا راستہ ہی میں رُک جاتی ہے۔ اگر روایت اصل آدمی تک پہنچتی ہوگی تو وہ ''مرفوع'' کہلائے گی، اور اگر راستہ میں رک جاتی ہے تو اسے ''منقطع'' کہتے ہیں۔

یہ وہ اصول ہیں جن پر تاریخ کی ہر روایت کے متن اور سند کو پرکھ کر دیکھا جاسکتا ہے کہ اس روایت کی اعتمادی حیثیت کیسی ہے، اور میرے خیال میں اگر ان اصولوں کو تاریخی روایات میں اپنایا جائے تو معلوم ہوگا کہ غلط روایات کا کس قدر ذخیرہ تاریخ کے صفحات میں سمو دیا گیا ہے (چنانچہ اس سلسلہ میں سیّد مودودی رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ:

''تاریخ کے معاملہ میں اگر کوئی شخص روایات کے ثبوت کے لیے وہ شرائط لگائے جو احکام شرعی کے معاملہ میں محدثین نے لگائے ہیں تو اسلامی تاریخ کا ۹۰ فیصد بلکہ اس سے زیادہ حصہ دریا برد کر دینا ہوگا۔''[1])

مودودی صاحب کے اس اقتباس کے جواب میں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم نوے (۹۰) فیصد یا اس سے زیادہ غلط روایات کی موٹی موٹی تاریخی کتابوں کو اپنے سینے سے کیوں چمٹائے رکھتے ہیں اور دشمنانِ اسلام ان کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاکیزہ دامنوں کو داغ دار بناتے ہیں۔ پھر یہ

[1] خلافت وملوکیت، ص: ۱۰۷، حاشیہ۔

Marfat.com

بھی کتنی عجیب بات ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جن کی صداقت پر قرآن وسنت شاہد ناطق ہیں، ان کی روایات کو تو اصول روایت و درایت پر پرکھ کر قبول کریں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں جن کے دلوں کے تقدس کی قرآن نے گواہی دی ہے اور سندِ رضا بھی اللہ تعالیٰ نے خود عطا فرمائی ہے، تاریخ کے کذاب اور دشمن اسلام رپورٹرز اور راویوں کی باتوں کو بغیر کسی تحقیق ہی کے مان لیں، صرف اس وجہ سے کہ اس روایت کو فلاں مؤرخ نے لکھا ہے۔

تاریخ کی چند مشہور کتابوں پر ایک نظر:

فن تاریخ اور کتب تاریخ کی اعتمادی حیثیت پر ایک اجمالی تبصرہ کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان مشہور کتب تاریخ پر انفرادی طور پر بھی کچھ لکھ دیا جائے جن کو مستشرقین اور اس زمانہ کے نام نہاد مفکرین اسلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خصوصی طور پر بنوامیہ کو طعن و تشنیع کا ہدف بنانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس سے ایک تو ان کتابوں اور ان کے مصنفین کی حیثیت اور دوسرے ان لوگوں کی دیانت کا پتہ چل جائے گا، جو قرآن وحدیث کی روایات معتبرہ متواترہ، صحیحہ کے مقابلہ میں ان کتابوں کے بے سند اور غیر معتبر راویوں کی روایات کو اپنی مطلب برآری کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

(۱) تاریخ طبری:

اس کتاب کا اصلی نام ''تاریخ الامم والملوک'' ہے اور اس کے مصنف محمد بن جریر الطبری ہیں۔ طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ قریباً تمام محدثین ان کی وسعت علم اور فضل وکمال کے معترف ہیں۔ یہ نہ صرف مؤرخ ہیں، بلکہ مفسر بھی ہیں، اور ان کی تفسیر قریباً ''اُمّ التفاسیر'' کہلاتی ہے۔ یہ سنہ ۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۳۱۰ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

ان کی تاریخ ہر قسم کے رطب ویابس سے بھری پڑی ہے اور زیادہ روایات ابومخنف لوط بن یحییٰ اور الواقدی کی نقل کی گئی ہیں۔ بقول علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ:

> ''تمام مستند اور مفصل تاریخیں مثلاً کامل ابن اثیر، ابن خلدون، ابوالفداء وغیرہ ان ہی کی کتاب سے ماخوذ اور اسی کتاب کے مختصرات ہیں۔ یہ کتاب بھی عرصہ سے ناپید تھی اور یورپ کی بدولت شائع ہوئی۔'' ❶

---

❶ سیرۃ النبی: ۱/ ۲۷.

Marfat.com

بعض مؤرخین ان کے بہت مداح ہیں، حتیٰ کہ محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ؛

((ما اعلم علیٰ ادیم الارض اعلم من ابن جریر .)) ❶

''میں روئے زمین پر کسی کو ابن جریر سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا۔''

اور قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ؛

((لا تسمعوا المؤرخ کلامًا الاَّ الطبری .)) ❷

''طبری کے سوا اور کسی مؤرخ کی کوئی بات نہ سنو۔''

لیکن اکثر ائمہ حدیث کے نزدیک طبری شیعہ تھا اور خود اس کی روایات اور مسائل بھی اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ وہ شیعہ تھا۔ چنانچہ محدث احمد بن علی سلیمانی فرماتے ہیں:

((کان یضع للروافض .)) ❸

''وہ شیعوں کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔''

اگرچہ حافظ ابن حجر اور امام ذہبی رحمہما اللہ نے سلیمانی کے اس قول کو بدگمانی پر محمول کیا ہے اور ان کو اسلام کے معتمد اماموں میں سے ایک امام شمار کیا ہے، لیکن ان کو ان کے شیعہ ہونے کا اقرار کرنا ہی پڑا۔ چنانچہ ابن حجر اور امام ذہبی رحمہما اللہ دونوں متفقہ طور پر لکھتے ہیں کہ؛

''ان میں فی الجملہ تشیع تھا، لیکن مضر نہیں تھا۔'' ❹

ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک بزرگ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

((ابو جعفر الطبری وھو امام من الائمة الامامیة .)) ❺

''ابوجعفر محمد بن جریر طبری امامیہ (شیعہ) ائمہ میں سے ایک امام تھے۔''

انھوں نے خم غدیر جیسے خالص شیعی قصہ پر دو ضخیم جلدیں مرتب کیں۔ وضو میں مسح رجلین (پاؤں پر مسح کرنے) کے جواز کے قائل ہیں اور ان کا دھونا واجب نہ جانتے تھے۔ اپنی کتاب ''تاریخ الامم والملوك'' جلد:۱۳ کے صفحہ:۲۴ کی سطر:۲۵ پر ((فی وسط خلافة معاویة لعنه اللّٰه .))

---

❶ لسان المیزان: ۵/ ۱۰۲.

❷ العواصم من القواصم، ص: ۲۴۸.

❸ لسان المیزان، ترجمہ طبری: ۱/ ۱۰۰.

❹ لسان المیزان: ۱/ ۱۰۰.

❺ لسان المیزان: ۱/ ۱۰۰.

Marfat.com

اور صفحہ:۲۹، سطر:۱، پر ((فی خلافة یزید بن معاویه لعنهما الله .)) لکھا ہے، جو خالص شیعی فکر کی غمازی کرتا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ ابن جریر کی زندگی ہی میں اکثر لوگ ان کے شیعی فکر کی وجہ سے ان کے مخالف ہو گئے تھے، اور ان کی وفات کے وقت ان کی لاش کو ان کے رفض کی وجہ سے اہل اسلام کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا، چنانچہ ان کو اپنے ہی گھر کی چار دیواری میں دفن کیا گیا۔ ❶

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن میں رہے کہ ابن جریر طبری نے جس قدر روایتیں اپنی تاریخ میں نقل کی ہیں، ان میں اکثر شیعہ راویوں کی ہیں، جن میں ابو مخنف لوط بن یحییٰ کی قریباً نوے (۹۰) فی صد روایات ہیں، جس کے بارے میں محدثین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ کذاب اور کٹر شیعہ تھا۔ اس کی روایات قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔ ❷

دوسرے راوی محمد بن سائب الکلبی اور اس کا بیٹا ہشام بن محمد بن سائب الکلبی ہیں۔ یہ دونوں راوی بھی سبائی تھے اور ان کا تعلق بھی کذابین سے تھا۔ ❸

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ انھی راویوں کے بارے میں اہل علم کا فیصلہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((ابو مخنف وهشام بن محمد بن السائب وامثا لهما من المعروفين بالكذب عند اهل العلم .)) ❹

''ابو مخنف اور ہشام بن محمد بن سائب اور ان جیسے اور راویوں کا اہل علم کے نزدیک دروغ گو اور کاذب ہونا مشہور و معروف ہے۔''

ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے حافظ ابن حجر اور حافظ ذہبی رحمہما اللہ کا یہ قول کہ ان میں فی الجملہ تشیع تھا لیکن مضر نہیں تھا، کیا معنی رکھتا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر لعنت کرنا، خم غدیر جیسے قصہ پر دو

---

❶ البدايه والنهايه: ١١/ ١٤٦.

❷ ميزان الاعتدال: ٢/ ٣٦٠۔ تذكرة الموضوعات، ص: ٢٨٦۔ لسان الميزان: ٤/ ٤٩٢۔ تاريخ العروس شرح قاموس: ٦/ ١٠٥.

❸ ملاحظہ ہو: ميزان الاعتدال: ٣/ ٦٢، ٢٥٦۔ لسان الميزان: ٦/ ١٩٦، ١٩٧.

❹ منهاج السنه: ١/ ١٤.

Marfat.com

حیم جلدیں مرتب کرنا اور وضو میں پاؤں کے نہ دھونے کا قائل ہونا اور سب سے بڑی چیز یہ کہ شیعہ راویوں کی روایات اپنی کتابوں میں لا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اُمت کے جذبات کو اُکسانا، اگر یہ چیزیں مضر نہیں ہیں تو پھر معلوم نہیں کہ ان دونوں حضرات کے نزدیک ''مضرت'' کی تعریف کیا ہے؟

پھر شیعہ ہونا اور غیر مضر ہونا یہ ایک ایسا دعویٰ ہے کہ جس کی کوئی دلیل نہیں۔ شیعہ حضرات کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف لوگوں کے جذبات کو اُبھارنا اور اس کے لیے مختلف طریقے اختیار کرنا'' تحفہ اثنا عشریہ'' کے حوالے سے ہم گزشتہ صفحات میں نقل کر آئے ہیں۔

جب واضح دلائل سے یہ معلوم ہو گیا کہ طبری شیعہ تھا اور اس نے اپنی تاریخ میں شیعہ راویوں کی روایات کثیر تعداد میں نقل کی ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف ایسی ایسی باتیں کہی گئی ہیں جو کہ قرآن و حدیث کی صحیح روایات کے سراسر خلاف ہیں۔ اب ایک شیعہ مؤرخ کی روایات کو قرآن و حدیث کی صحیح روایات کے مقابلے میں کس طرح قبول کیا جا سکتا ہے؟

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ طبری شیعہ نہیں تھا پھر بھی اس میں کسی کو انکار نہیں کہ تاریخ طبری میں ہر قسم کا رطب و یابس بھرا ہوا ہے، اور وہ تاریخ نہیں بلکہ مواد تاریخ ہے۔ اس صورت میں اس کی روایات کو ان اصولوں پر پرکھا جائے گا، جو محدثین اور ابن خلدون جیسے مؤرخین نے قائم کیے ہیں۔ جو روایات ان کے روایت اور درایت کے اصولوں پر پوری اتریں گی وہ قبول کی جائیں گی اور دوسری کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اس روایت کو طبری نے نقل کیا ہے اس لیے قابل قبول ہے، کوئی وزن نہیں رکھتا۔ چنانچہ طبری کے اُردو ترجمہ پر ''ترجمان القرآن، لاہور'' کے تبصرہ نگار نے اپریل ۱۹۶۷ء کے شمارہ میں لکھا تھا:

> ''ابو جعفر محمد بن جریر طبری کی معروف کتاب ''تاریخ الامم والملوک'' تاریخ کے پہلے حصے یعنی واقعات کے جمع کرنے میں اُمہات الکتب کا درجہ رکھتی ہے..... اُنھوں نے روایات کا ایک ذخیرہ جمع کر دیا ہے اور اس پر جرح و تعدیل کا کام دوسرے اصحابِ علم کے لیے چھوڑ دیا ہے کہ وہ خود قوی اور ضعیف یا غلط اور صحیح کے درمیان امتیاز کریں۔ چونکہ یہ تاریخ کی کتاب ہے، احادیث کی کتاب نہیں، اس لیے واقعات کی چھان بین

Marfat.com

اور جن حضرات سے واقعات منقول ہیں، ان کے علمی اور اخلاقی مقام کو سخص کرنے میں وہ احتیاط نہیں برتی گئی جو تدوین حدیث کے معاملے میں پیش نظر رکھی گئی ہے، اس لیے اس کتاب میں بہت سی غیر مستند چیزیں بھی جمع ہوگئی ہیں۔'' ❶

علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ نے بھی نہایت محتاط انداز میں طبری اور ابن سعد کی کتابوں کے بارے میں اظہارِ خیال فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

''ابن سعد اور طبری میں کسی کو کلام نہیں لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں کا مستند ہونا ان کی تصنیفات پر چنداں اثر نہیں ڈالتا۔ یہ لوگ خود شریک واقعہ نہیں، اس لیے جو کچھ بیان کرتے ہیں، راویوں کے ذریعہ سے بیان کرتے ہیں، لیکن ان کے بہت سے رواۃ ضعیف الروایۃ اور غیر مستند ہیں۔'' ❷

(۲) طبقات ابن سعد:

اس کے مصنف محمد بن سعد ہیں جو واقدی کے شاگرد اور بلاذری کے استاذ ہیں۔ اگرچہ خطیب بغدادی، ابن خلکان اور دوسرے کئی ائمہ نے ان کو صدوق، ثقہ، اہل العلم والفضل میں شمار کیا ہے، لیکن یحییٰ بن معین جیسے جلیل القدر امام الجرح والتعدیل نے ان کی توثیق نہیں کی۔

ان کی کتاب طبقات بارہ جلدوں میں ہے۔ یہ بالکل ناپید ہوگئی تھی۔ اب اہل یورپ کی بدولت چھپ کر شائع ہوئی ہے۔

ان کے استاذ واقدی، ہشام بن محمد بن السائب اور ابومخشر تھے۔ واقدی کے بارے میں تو تمام محدثین متفق ہیں کہ وہ ایک افسانہ گو تھا۔ چنانچہ امام نسائی کا قول ہے:

''وہ کذاب جو روایات تراشنے میں شہرۂ آفاق ہیں، چار ہیں۔ (۱) مدینہ میں ابن ابی یحییٰ، (۲) بغداد میں واقدی، (۳) خراسان میں مقاتل بن سلیمان اور (۴) شام میں محمد بن سعید جنھیں سولی دی گئی۔'' ❸

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسے ''متروک الحدیث'' کہتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل ''کذاب'' کا خطاب

---

❶ ترجمان القرآن، ص: ۱۲۶، ۱۲۷، اپریل سنہ ۶۷ء۔ ❷ سیرت النبی: ۱/۴۵۔

❸ تهذيب التهذيب: ۹/ ۳۶۶۔ اللآلی المصنوعه فی الاحادیث الموضوعه، ص: ۱۰۰.

Marfat.com

دیتے ہیں۔یقلب الاحادیث جو احادیث میں ہیر پھیر کرتا ہے۔محدث مرہ فرماتے ہیں:((لیس بشیء)) ..... ''بالکل کچھ نہیں یعنی نا قابل اعتبار ہے۔'' یحییٰ بن معین ضعیف کہتے ہیں۔ ❶ محدث ابن المدینی فرماتے ہیں:

((عنده عشرون الف حديث يعني ماله من اصل .)) ❷

''اس کے پاس ۲۰ ہزار ایسی حدیثیں تھیں، جن کی کوئی اصل نہیں تھی۔''

ایک اور مقام پر یہی ابن المدینی فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن یحییٰ کذاب ہے، لیکن واقدی سے بہتر ہے، یعنی واقدی اس سے زیادہ کذاب ہے۔

اور امام ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں:

((الستقر الاجماع علىٰ وهن الواقدى .)) ❸

''واقدی کے ضُعف پر اجماع ہو چکا ہے۔''

امام ذہبی نے مغنی میں لکھا ہے:

((مجمع علىٰ تركه وقال النسائى كان يضع الحديث .))

''یعنی اس کے متروک ہونے پر اجماع ہے اور امام نسائی نے فرمایا کہ وہ حدیث وضع کیا کرتا تھا۔'' ❹

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تہذیب التہذیب: ۹/۳۶۴، ۳۶۶۔ لسان المیزان: ۶/۸۵۲۔ کتاب المجروحین لابن حبان: ۲/۲۸۴۔ میزان الاعتدال: ۳/۱۱)

ایک ظریف محدث نے خوب کہا کہ: ''اگر واقدی سچا ہے تو دنیا میں کوئی اس کا ثانی نہیں اور اگر جھوٹا ہے تب بھی دنیا میں اس کا جواب نہیں۔'' ❺

امام شافعی فرماتے ہیں کہ: ''واقدی کی تمام تصانیف جھوٹ کا پلندا ہیں۔ کتب سیرت کی اکثر بیہودہ روایتوں کا سرچشمہ اِنھی کی تصانیف ہیں۔''

---

❶ تهذيب التهذيب: ٩/ ٣٦٧.
❷ تهذيب التهذيب: ٩/ ٣٦٦.
❸ تهذيب التهذيب: ٩/ ٢٦٨۔ ميزان الاعتدال: ٣/ ١١.
❹ المغنى: ٢/ ٦١٩.
❺ تهذيب التهذيب: ٩/ ٣٦٨.

Marfat.com

یہی حال ہشام بن محمد بن السائب الکلبی اور ابو معشر کا ہے۔ ہشام کو حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر نے کذاب کہا ہے۔ ❶

اسی طرح حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا کہ ہشام بن محمد بن السائب اہل علم کے نزدیک دروغ گو اور کاذب مشہور و معروف ہے۔ ❷

جب محمد ابن سعد کے اساتذہ اس طرح کے غیر ثقہ اور کذاب ہیں تو ان کا اثر ان کی کتاب پر نہ پڑا ہوگا؟ یقیناً پڑا ہے، اس لیے کہ ان کی کتاب میں اکثر روایات واقدی وغیرہ کی ہیں۔ چنانچہ علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس کتاب کا بڑا حصہ واقدی سے ماخوذ ہے۔'' ❸

اس سے معلوم ہوا کہ باوجود محمد بن سعد کے ثقہ ہونے کے ان کی کتاب ''طبقات'' اتنی ثقہ نہیں ہے بلکہ واقدی، ہشام بن محمد بن السائب وغیرہ کذاب راویوں کی وجہ سے ان کی کتاب کی اعتمادی حیثیت پر بہت برا اثر پڑا ہے، اور اب اس کی روایات اس قابل نہیں ہیں کہ ان کو نقد و جرح کے بغیر قبول کیا جا سکے۔ چنانچہ محدثین کرام نے ان کی کتاب ''طبقات'' کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

''ابن سعد بذاتِ خود تو ثقہ ہیں لیکن انھوں نے اپنی کتاب ''طبقات'' میں بہت سی روایات کمزور اور ضعیف لوگوں سے روایت کی ہیں، جن میں ایک تو ان کے شیخ واقدی ہیں جو روایت میں اقتصار سے کام لیتا ہے یعنی سلسلۂ سند پورا ذکر نہیں کرتا، بلکہ صرف اپنا نام اور اپنے باپ کا نام ذکر کرتا ہے، اور اسناد کی نسبت اور ان کے درمیان تمیز کا بھی علم اسے نہیں ہوتا۔ ان کمزور اور ضعیف راویوں میں سے دوسرا ہشام بن محمد بن السائب ہے۔ ابن سعد نے اپنی کتاب میں ان دونوں (واقدی اور ہشام بن محمد) سے بہت زیادہ روایات لی ہیں اور ان میں ایک اور راوی نصر بن ابی سہل الخراسانی ہے۔'' ❹

---

❶ میزان الاعتدال: ۳/ ۶۲، ۲۵۶۔ لسان المیزان: ۶/ ۱۹۶، ۱۹۷.

❷ منهاج السنه: ۱/ ۱۳.

❸ سيرة النبي: ۱/ ۲۶.

❹ تدريب الراوي شرح تقريب النواوي، ص: ۵۲۹.

Marfat.com

(۳) ابن اثیر:

تاریخ پر آپ کی دو مشہور تصانیف ''الکامل'' اور ''اسد الغابہ'' بہترین کتابیں ہیں۔ آپ قدیم و جدید تاریخ کے حافظ اور حدیث اور اس کے متعلقات کے امام تھے، لیکن تاریخ میں ان کا ماٴخذ طبری کی تاریخ تھی، جس کی اکثر روایات ابومخنف لوط بن یحییٰ اور محمد بن سائب کلبی وغیرہ غیر ثقہ اور غیر معتبر حضرات کی ہیں، اور باوجود امام حدیث ہونے کے تاریخ میں وہی رطب و یابس سے کام لیا ہے، جو اکثر مؤرخین کا شیوہ ہے۔ چنانچہ مصر کے مشہور فاضل علامہ محبّ الدین الخطیب مؤرخین کے تین گروہوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''اور تیسرا گروہ اہل انصاف اور اہل دین کا ہے جیسے طبری، ابن عساکر، ابن اثیر اور ابن کثیر۔ ان کی فکر میں انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مذہب و مشرب کے اہل اخبار مثلاً لوط بن یحییٰ کٹر شیعہ اور اہل اعتدال میں سے سیف بن عمر عراقی کی خبریں جمع کر دی جائیں۔'' ❶

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن اثیر اگرچہ خود ثقہ اور حافظ تاریخ ہیں، لیکن ان کی تاریخ اس قابل نہیں کہ بغیر کسی جرح و نقد کے اس کی ہر روایت کو صرف اس اعتماد پر کہ اسے ابن اثیر نے نقل کیا ہے، قبول کر لیا جائے۔

(۴) ابن کثیر:

تفسیر، حدیث اور تاریخ کے حافظ اور امام ہیں۔ ان کی تفسیر کتب تفاسیر میں ایک خاص مقام کی حامل ہے۔ آپ کی تاریخ ''البدایہ والنہایہ'' چودہ جلدوں پر مشتمل ہے، جس میں ابتدائے آفرینش سے لے کر وفات امام تک کے واقعات درج ہیں۔ حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ وہ صحیح و ناقص روایات میں تمیز کرتے ہیں۔ کتاب میں کئی غلط روایات کی تردید کی گئی ہے، ان سب باتوں کے باوجود وہ بھی اپنی تاریخ میں بعض ایسی باتیں درج کر گئے ہیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ صرف طبری کے اعتماد پر ابومخنف لوط بن یحییٰ وغیرہ کی روایات سے اپنی کتاب کو نہ بچا سکے، بلکہ بلکہ ایک جگہ صاف کھل کر لکھ گئے ہیں کہ:

---

❶ العواصم من القواصم، ص: ۱۷۷، تعلیقہ۔

Marfat.com

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں شیعہ اور اور راستبازوں میں بہت کچھ جھوٹی اور باطل خبریں ہیں، ہم نے جن کا تذکرہ کیا ہے، وہ کافی ہیں اور ان میں سے بعض حصہ محلِ نظر ہے۔ اگر ابن جریر طبری اور دوسرے ائمہ وحفاظ ان کو نقل نہ کرتے تو ہم بھی ان کو ترک کر دیتے۔ ان میں اکثر روایات تو ابو مخنف لوط بن یحییٰ سے مروی ہیں، اور ائمہ فن کے نزدیک وہ ضعیف ہے۔"❶

الامامۃ والسیاسۃ:

یہ کتاب سنہ ۱۳۲۲ھ میں مصر میں چھپی اور اس کے سرورق پر اس کے مصنف کا نام عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ (المتوفی ۲۷۶ھ) لکھا ہے۔ جہاں تک ابن قتیبہ کا تعلق ہے وہ واقعی بعض علماء کے نزدیک صاحب فضل وشرف آدمی تھے، لیکن قاضی ابوبکر بن عربی نے کتاب "الامامۃ والسیاسۃ" کی وجہ سے اسے جاہل کا خطاب دیا ہے۔❷ امام حاکم نے کذاب کہا ہے۔❸ سیّد محمود آلوسی، ابن قتیبہ، اعثم کوفی اور سمساطی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((کانوا مشھورین بالکذب والافتراء.))❹

"یہ سب دروغ گوئی اور افتراء پردازی میں مشہور تھے۔"

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ میں جگہ جگہ ابن قتیبہ کا نام شیعہ مؤرخ کی حیثیت سے ذکر کیا ہے، لیکن آپ کی دوسری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اہل تشیع سے کوئی تعلق نہیں تھا، اور کتاب "الامامۃ والسیاسۃ" آپ کی طرف غلط منسوب کی گئی ہے، جس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱: علامہ ابن قتیبہ کی تصانیف کی فہرست میں اس کتاب کا کہیں نام نہیں ملتا۔ (ابن قتیبہ کی تصانیف کے لیے ملاحظہ فرمائیں: ابن خلکان، لسان المیزان، تاریخ خطیب بغدادی، شذرات الذہب اور بغیۃ الوعاۃ وغیرہ۔) اور یہ ہو نہیں سکتا کہ ابن قتیبہ جیسا مشہور ومعروف آدمی ایک ایسی کتاب لکھے جس میں صریحاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملے کیے گئے ہوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۲۰۲۔
❷ لسان المیزان: ۳/ ۳۵۷۔
❸ العواصم من القواصم، ص: ۲۴۸۔
❹ روح المعانی: ۷/ ۴۲، الاحزاب۔

Marfat.com

عدالت وثقاہت کو مجروح کرنے کی کوشش کی گئی ہو اور ہمارے محدثین اور مؤرخین اپنی کتابوں میں اس کا ذکر نہ کریں۔

۲: ابن قتیبہ ایک ادیب اور فاضل شخص تھے اور فنونِ ادب میں ایک ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ ادب میں ''ادب الکاتب'' آپ کی ایک ایسی کتاب ہے جو علامہ ابن خلدون کے شیوخ کی بنا پر علم وادب کے اصول وارکان میں سے ایک ہے۔ ❶

اسی وجہ سے آپ کی ہر کتاب میں ادبی چاشنی، عبارت کی حلاوت ودل کشی اور وہ تمام خوبیاں بدرجۂ اتم موجود ہیں جو ایک ادیب اور ماہر علم کی کتاب میں ہونی چاہئیں، چناں چہ غریب القرآن، غریب الحدیث، تاویل مختلف الحدیث وغیرہ کی عبارتیں آپ کے ادبی ذوق کی بین مثال ہیں، اور ''ادب الکاتب'' کی عبارت آپ کی ادبی ذہنیت کی غمازی کرتی ہے۔ کتاب ''الامامۃ السیاسۃ'' کے مطالعہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس کا مصنف علم وادب میں کوئی ممتاز درجہ نہیں رکھتا، اگر ہم اس کے غلط واقعات اور فضول روایات سے قطع نظر کر کے صرف اس کے ادبی معیار ہی کو دیکھیں تو ذوقِ سلیم صاف فیصلہ کرے گا کہ یہ کتاب ابن قتیبہ جیسے قادر الکلام شخص کی نہیں ہو سکتی۔

۳: تیسری دلیل اس بارے میں یہ ہے کہ یہی واقعات جو کتاب ''الامامۃ والسیاسۃ'' میں تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، ان کا اجمالی تذکرہ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب ''المعارف'' میں کیا ہے اور ظاہر ہے کہ ایک مصنف کے تفصیل واجمال میں نفس اور روح واقعہ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہوتا، اور مفصل تذکرہ میں جو جو چیزیں اہم اور واقعہ کی جان ہوتی ہیں، خلاصہ بیان کرتے وقت یہ ضروری ہوتا ہے کہ ان کا کوئی جزو رہ نہ جائے، تاکہ حقیقت حال سمجھنے میں کوئی اشتباہ واقع نہ ہو، مگر ان دونوں کتابوں کے مطالعہ سے ایک معمولی قاری بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ کتاب ''الامامۃ والسیاسۃ'' میں جن مباحث مثلاً مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور بنواُمیہ کے مظالم ومثالب کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔ ''معارف'' میں اس کے متعلق کچھ ذکر ہی نہیں۔ مثال کے طور پر کتاب ''الامامۃ والسیاسۃ'' میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت جبری اور ظالمانہ رنگ میں پیش کی گئی ہے اور کتاب کی جلد:۱ کے صفحہ:۱۱ سے لے کر ۱۶ تک میں

---

❶ مقدمه ابن خلدون، ص: ٤٨٦.

Marfat.com

اس بیعت کو جبری ثابت کرنے کے لیے عجیب عجیب قسم کی روایات نقل کی ہیں، اور کچھ روایات ایسی بھی نقل کی ہیں، جن کو تسلیم کر لینے کے بعد کسی شخص کا ایمان محفوظ نہیں رہ سکتا اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں بدظنی پیدا ہو جاتی ہے لیکن اِسی بیعت کا تذکرہ جب وہ کتاب ''المعارف'' میں کرتے ہیں تو اس انداز میں کرتے ہیں کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں کوئی اختلاف ہوا ہی نہیں تھا۔ ❶

اسی طرح کتاب ''الامامۃ والسیاسۃ'' جلد:۱،ص:۳۰ تا ۴۳ میں واقعات کو جس طرز و انداز میں بیان کیا گیا ہے، اس طرز و انداز کے بالکل متغائر ''معارف'' صفحہ:۵۶، میں پیش کیا گیا ہے، ایسے ہی اور بہت سے مقامات ہیں، جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

۴: چوتھی دلیل یہ ہے کہ کتاب ''الامامۃ والسیاسۃ'' میں اکثر روایات شیعہ مذہب کی تائید میں ہیں، اور ایک عام آدمی بھی اس کتاب کے سرسری مطالعہ سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ کتاب کسی ایسے مصنف کی ہے، جو شیعہ فکر کا حامل ہے، حالانکہ ابنِ قتیبہ اہل تشیع کے سخت مخالف ہیں اور ان کو باطل فرقوں میں شمار کرتے ہیں۔ ❷

بلکہ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ جیسا شخص جس کی پوری زندگی ردّ روافض میں گزری اور جنھوں نے ''منہاج السنہ'' جیسی لاجواب کتاب روافض کے ردّ میں لکھی، ابن قتیبہ کو اہل السنّت میں شمار کرتا ہے اور ان کی فضیلتِ علم کو بیان کرتے ہوئے اہلِ مغرب کا ایک عام مقولہ ذکر کرتا ہے کہ؛

((کل بیت لیس فیه شیٔ من تصنیفه لا خیر .)) ❸

''جس گھر میں ابن قتیبہ کی کوئی تصنیف موجود نہیں وہ گھر خیر و برکت سے خالی ہے۔''

پھر اپنی طرف سے لکھتے ہیں:

''ابن قتیبہ اہل سنت کے لیے ایسے ہیں جس طرح معتزلہ کے لیے جاحظ، کیوں کہ وہ خطیب اہل السنۃ ہیں، جس طرح جاحظ خطیب المعتزلہ تھا۔'' ❹

۵: دلیل یہ ہے کہ اس کتاب میں علمائے مصر کی بہت سی روایات نقل کی گئی ہیں، حالاں کہ ابن قتیبہ

---

❶ المعارف، ص: ۵۵.
❷ ملاحظہ ہو: تاویل مختلف الاحادیث، ص: ۸۶، ۸۷، ۹۷.
❸ تفسیر سورۃ الاخلاص، ص:۸۶۔
❹ تفسیر سورۃ اخلاص، ص:۸۶۔

Marfat.com

مصر میں نہ تو گئے ہی ہیں اور نہ ہی اُنھوں نے ان علماء سے کوئی روایت کی ہے۔

ان دلائل سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ "الامامۃ والسیاسۃ" ابن قتیبہ کی کتاب نہیں ہے، بلکہ یہ غلط طور پر ان کی طرف منسوب کی گئی ہے، اسی لیے محدثین اور مؤرخین نے اپنی اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ نہیں کیا، اور جن چند لوگوں نے کیا بھی ہے، اُنھوں نے بھی یقین کے ساتھ اس کی نسبت ابن قتیبہ کی طرف نہیں کی۔ چنانچہ علامہ ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ اس کتاب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((ان صح عنه جميع مافيه .)) ●

"اگر جو کچھ کتاب (الامامۃ والسیاسۃ) میں ہے، اس کی نسبت ابن قتیبہ کی طرف صحیح ہے۔"

اسی طرح حضرت علامہ سیّد سلیمان ندوی رحمہ اللہ "حیات مالک" میں فرماتے ہیں:

"بقول ابن قتیبہ (المتوفی ۲۷۶ھ) اگر وہ کتاب الامامۃ والسیاسۃ کا مصنف ہے۔"

بلکہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ حیدر آباد دکن کے مقالہ نویس نے تو صاف لفظوں میں لکھ دیا:

((وكتاب الامامة والسياسة (طبع قاهرة ١٣٢٢ـ ٣٢٧ھ) وهذا ينسب الىٰ ابن قتيبة بيدان ده غرمى فى ..... جلد:١ ص: ٤١٥، ٤٢٢ يرجح ان هذا المصنف كتبه فى حياة ابن قتيبة رجل مصرى أو مغربى .)) ●

"کتاب الامامۃ والسیاسۃ جو ۱۳۲۲ھ و ۱۳۲۷ھ میں قاہرہ میں طبع ہوئی، ابن قتیبہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے، لیکن دہ غرمی ـــــ جلد:۱، ص: ۴۱۵، ۴۲۲ میں اس بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ کتاب کسی مصری یا مغربی نے ان کی زندگی میں لکھی اور بعد میں ان کی طرف منسوب کردی گئی۔"

اور کسی آدمی نے اگر اس کو ابن قتیبہ کی کتاب مانا بھی ہے تو اس نے بھی اس بات کو ضرور تسلیم کیا ہے کہ اس میں اکثر روایات الحاقی ہیں اور ان لوگوں نے صاف لکھا ہے کہ: "اس میں بعض روایات

● العواصم من القواصم، ص: ٢٤٨۔ ● دائرہ المعارف الاسلامیہ، جلد:۱، حصہ:۴، ص:۲۶۲۔

Marfat.com

ایسی ہیں جو ابن قتیبہ کے علم اور اس کی دوسری تصنیفات کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔''

کیا کتب تاریخ نا قابل اعتماد ہیں؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کتب تاریخ کی یہ حالت ہے تو پھر ان کی اعتمادی حیثیت کیا رہی؟ پھر تو ان کی کوئی بات بھی قابل اعتبار نہیں؟ یہ چیز غلط ہے اور نہ ہی کتب تاریخ پر اس تنقیدی نظر سے ہمارا یہ مقصد ہے۔ بتایا صرف یہ گیا ہے کہ کتب تاریخ نہ تو اس قدر قابل اعتماد ہیں کہ ان کی ہر روایت اور ہر واقعہ کو بغیر کسی جرح وقدح کے من وعن تسلیم کرلیا جائے، اور نہ ہی ان کی ہر روایت ایسی ہے کہ اس کو ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے، بلکہ جس طرح حدیث کی روایات کو جرح وتعدیل کے اصول پر پرکھا جاتا ہے، اسی طرح تاریخ کی روایات کو بھی نقد وجرح کے اصولوں کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا اور صحیح وسقیم کے درمیان امتیاز پیدا کر کے صحیح کو لے لیا جائے اور سقیم کو ردّ کر دیا جائے گا۔ ان اصولوں کو کام میں لا کر اُمت کی صحیح تاریخ معلوم کی جاسکتی ہے، لیکن اگر ان اصولوں کی پیروی کے بغیر صرف مؤرخین کے نام کی شہرت کی وجہ سے ان کی کتابوں کو ایک اعتمادی حیثیت دے دی جائے تو یہ چیز صرف حق و باطل اور غلط وصحیح کے درمیان کوئی امتیاز پیدا نہ کر سکے گی، بلکہ اُمت کے لیے انتہائی نقصان کا باعث ہوگی۔ چنانچہ قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ تاریخ پر ایک تنقیدی بحث کرنے کے بعد اپنی کتاب کے آخر میں فرماتے ہیں:

> ''میں تم سے صاف صاف کہتا ہوں کہ جب تم اپنے خلاف ایک دینار تو کیا ایک درہم کا دعویٰ بھی اس وقت تک تسلیم نہیں کرتے، جب تک کہ مدعی عادل اور تہمتوں سے بری اور خواہشات نفسانی سے پاک نہ ہو۔ پس تم احوال سلف اور مشاجراتِ صحابہ کے بارے میں ایسے لوگوں کی بات کو کس طرح تسلیم کر لیتے ہو جن کا عادل ہونا تو کجا خود دین ہی میں کوئی مقام نہیں۔'' ❶

بتایا یہ جارہا ہے کہ سلف کے احوال اور مشاجرات کے بارے میں بات چیت کرنا اور ان کو بحث لانا نہایت نازک مسئلہ ہے کیوں کہ وہ لوگ قرآن وحدیث بلکہ پورے دین کے اوّلین راوی ہیں۔ ان کے بارے میں اگر ذرہ برابر غلط روایت قبول کرلی جائے جس سے ان کی تنقیص ہوتی ہے

---

❶ العواصم من القواصم، ص: ۲۵۲.

Marfat.com

نہ صرف ان کی ذات مجروح ہوگی بلکہ پورے دین کے مجروح ہونے کا خطرہ ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں تنقیص سے کام لیتا ہے، وہ زندیق اور بے دین ہے۔ ❶

دوسرے اگر ان کتابوں کی روایات قرآن و احادیث صحیحہ کے خلاف ہوں گی تو وہ نقل کرنے والوں کے منہ پر ماردی جائیں گی کیوں کہ دین کی روح ایک لمحہ کے لیے بھی یہ برداشت نہیں کرسکتی کہ قرآن و حدیث کے ثابت شدہ حقائق کے خلاف کوئی روایت قبول کی جائے، چنانچہ علامہ ابن کثیر اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> ''بہت سے مؤرخین جیسے ابن جریر طبری وغیرہ نے مجہول راویوں سے صحاح سے ثابت شدہ روایات کے خلاف جو روایات نقل کی ہیں، وہ ناقلین کے منہ پر ماری جائیں گی۔''
>
> ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حسن ظن اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان روافض اور غبی الذہن قصہ خوانوں کی مخالفت کی جائے جن کے نزدیک صحیح اور ضعیف، مستقیم اور سقیم اور کمزور اور مضبوط کے درمیان کوئی امتیاز نہیں۔'' ❷

ویسے بھی یہ کس قدر شرم کی بات ہے کہ غیر قومیں تو اپنے بزرگوں کے غیر اہم کاموں کو کارہائے نمایاں ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں اور ہم اپنے اکابر کے محاسن و مفاخر کو قبیح اور بدشکل صورت میں پیش کریں، اور ان راویوں کی روایات کو اپنی کتابوں میں نمایاں جگہ دیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حسن و جمال کو قبیح اور داغ دار بنائیں۔ اسی بات کا رونا موجودہ زمانے کے بہترین فاضل علامہ محبّ الدین الخطیب ان الفاظ میں روتے ہیں:

> ''اور ہمارے اسلاف کی عظمت! سو شیطان نے ایسے لوگ مسلط کردیے جن کے قلوب بدترین تھے اور ان سے برائی ہی ٹپکتی تھی۔ انھوں نے ان کے خلاف خوب پراپیگنڈہ کیا، یہاں تک کہ اکثر لوگوں نے ان کے اس جھوٹے پراپیگنڈہ کو صحیح اور درست سمجھ لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم ایک ایسی اُمت ہو کر رہ گئے جن کی کوئی عظمت اور بزرگی نہ ہو، اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ جب مجد و عظمت بٹ رہی تھی اس وقت یہ اُمت سوئی ہوئی تھی۔ سچی

---

❶ الکفایہ: ٤٦.

❷ البدایہ والنہایہ: ٧/ ١٤٧.

Marfat.com

بات تو یہ ہے کہ انسانیت ایسی گہری نیند کبھی نہیں سوئی۔'' ❶

ایک اور مقام پر اس امر پر ان الفاظ میں اظہارِ افسوس کرتے ہیں:

''تعجب ہے اس اُمت پر کہ یہ اپنے ابطالِ جلیلہ کی برائی بیان کرتی ہے اور اپنی تاریخ کے خوب صورت ترین دور کو بدترین انداز میں پیش کرتی ہے اور اپنی بزرگیوں اور کارہائے نمایاں کو مٹاتی ہے، جیسا کہ ہم میں سے اشرار اور سازشی ذہن رکھنے والے لوگ کرتے ہیں۔ پھر ان اشرار کا پروپیگنڈہ اس قدر وسیع ہوتا ہے کہ نیک لوگوں کو بھی گمان ہو جاتا ہے کہ شاید یہ باتیں سچی اور درست ہوں۔'' ❷

یہ تھا تاریخ اسلام کا مختصر تذکرہ جس کو مختصر الفاظ میں آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مؤرخین پر اس معمولی سی تنقید پر کچھ حضرات غم وغصہ کا اظہار کریں، لیکن کیا کیا جائے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام بزرگوں سے بڑے بزرگ تھے اور ہر بزرگ پر تنقید برداشت کی جاسکتی ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کسی قلم سے تنقید کا ایک حرف بھی برداشت نہیں کیا جاسکتا، اور ہر کتاب کی اس روایت کو ردّ کرنا واجب ہے، جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ذرا سا بھی ذم یا تنقید کا پہلو نکلتا ہو۔

❀❀❀❀

---

❶ العواصم من القواصم، ص: ۸۵ تعلیقه.

❷ العواصم من القواصم، ص: ۹۹ تعلیقه.

Marfat.com

خاندانِ قریش

خاندان قریش عرب کا ایک ممتاز خاندان تھا۔ اس علاقہ میں اپنی طاقت اور قوت میں اپنی مثال نہ رکھتا تھا۔ اس خاندان کا نام بھی اس کی شجاعت، بہادری، جواں مردی اور عزت واحترام کی خاطر ہی ''قریش'' رکھا گیا تھا، کیوں کہ قریش ایک سمندری جانور کو کہتے ہیں جو اپنی قوت و طاقت کی وجہ سے سمندر کے دوسرے سب جانوروں پر غالب رہتا ہے، اور ہر جانور پر اس کو مکمل اختیار حاصل ہوتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے فنا کے گھاٹ اُتار دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہڑپ کر جاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنا دل بہلانے کے لیے رکھ چھوڑتا ہے۔ سب پر غالب و حاکم ہوتا ہے، لیکن اس پر نہ تو کوئی حاکم ہوسکتا ہے اور نہ ہی کوئی غالب آ سکتا ہے۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اپنے علم وفضل اور کمالات ومحاسن کی وجہ سے ایک خاص مقام کے حامل تھے۔ باتوں باتوں میں اُنھوں نے سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ قریش کا گمان یہ ہے کہ قریش میں تم سے بڑا کوئی عالم نہیں، بھلا قریش کی وجہ تسمیہ تو بیان کرو؟ اس پر سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے قریش کی وجہ تسمیہ یہی بیان فرمائی جو سطور بالا میں بیان کی گئی ہے۔ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بطورِ دلیل مندرجہ ذیل شعر بھی پڑھے کہ شمرخ بن عمرو حمیری کہتا ہے:

وقریش هی التی تسکن البحر
بها سمیت قریش قریشًا
تاکل الغث والسمین ولا
تترکن لذی الجناحین ریشًا
هکذا فی البلاد حیّ قریش
یأکلون البلاد اکلاً کمیشًا [1]

---

[1] فتح الباري: ٦/ ٤١٦.

Marfat.com

"قریش دراصل ایک سمندری جانور ہے (اور بعض کے نزدیک بڑی سمندری مچھلی ہے) جو سمندر میں رہتا ہے۔ اسی کے نام پر قریش کا نام قریش رکھا گیا ہے۔ وہ جانور دبلے پتلے، طاقت ور اور موٹے جانوروں کو چٹ کر جاتا ہے اور ان کے پر تک نہیں چھوڑتا۔ اسی طرح یہ قبیلہ قریش مختلف شہروں کو نہایت تیزی سے کھا جاتا ہے۔"

قریش کی وجہ اشتقاق بعض کتابوں میں چھ بیان کی گئی ہیں، لیکن ان میں بھی سب سے معتبر وجہ یہی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ ❶

شیخ محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ قریش ایک بحری جانور ہے، میں نے اس کو خود دیکھا ہے۔ اس کا بدن باہم ایک دوسرے کے ساتھ گتھا ہوا ہوتا ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ اہلِ مکہ نے اپنی اجتماعی زندگی کی جو تنظیم کی تھی وہ سمٹ کر ایک نکتہ اور اکائی پر مرکوز تھی، اس وجہ سے اس اجتماعی تنظیم کا نام "قریش" رکھا گیا۔ ❷

خاندانِ قریش کی شاخیں:

اس خاندان کی چھوٹی بڑی دس شاخیں تھیں، لیکن بنو ہاشم اور بنو اُمیہ ان سب میں سے دنیوی عظمت و وجاہت کے لحاظ سے بہت ممتاز تھے۔ ہاشم بہت سخی اور بامروت انسان تھے۔ سارے عرب میں ان کی سخاوت اور داد و دہش زبان زد عام تھی۔ ان کا اصلی نام تو عمرو تھا، لیکن ایک مرتبہ مکہ میں سخت قحط پڑا۔ اس قحط کے دوران انھوں نے شوربہ میں روٹیاں چورہ کر کے قحط زدہ لوگوں کو کھلائیں، جس کی وجہ سے ان کا نام ہاشم پڑ گیا، کیوں کہ ہاشم ہشم سے اسم فاعل ہے جس کے معنی ہیں چورہ کرنے والا۔

ہاشم ہی وہ بزرگ تھے، جنھوں نے سب سے پہلے قریش میں سال میں دو مرتبہ تجارت کے لیے قافلہ روانہ کرنے کا سلسلہ جاری کیا۔ موسم سرما میں یمن کی طرف اور موسم گرما میں شام کی طرف۔ نجاشی، شاہ حبشہ اور قیصر روم ہاشم کی بہت عزت و احترام کرتے تھے۔ عرب کے دوسرے قبائل کی نگاہ میں بھی ہاشم کی خاص توقیر تھی، اس وجہ سے ان دونوں سفروں کے راستوں پر جو جو قبائل آباد تھے، ہاشم

---

❶ ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ: ۲/ ۲۰۰۔ روض الانف: ۱/ ۷۰۔ سیرۃ ابن ھشام: ۱/ ۵۔ البدایہ والنہایہ لابن کثیر: ۱/ ۲۰۱۔ یہ روایت سنن کبریٰ بیہقی میں بھی ہے۔

❷ فتوحات مکیہ: ۳/ ۱۰۶.

Marfat.com

نے ان قبائل سے معاہدہ کیا کہ ہم تمھاری تمام ضروریاتِ زندگی پوری کریں گے اور تم ہمارے قافلے کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچانا۔ ❶ ہاشم کی اس تدبیر سے قریش کے قافلوں کے تمام راستے مامون اور مصئون ہو گئے۔

اس کے علاوہ ہاشم نے اپنے لیے یہ دستور وضع کر رکھا تھا کہ حج کے ایام میں تمام حجاج کی گوشت، روٹی، ستو، کھجوروں اور دیگر اشیائے خورد و نوش سے تواضع کرتے اور ان کے لیے ہر قسم کی سہولتوں کا انتظام فرماتے، جس سے ان کی چار دانگ عالم میں شہرت پھیل گئی۔

بنو اُمیہ:

قریش کے دوسرے ممتاز بزرگ اُمیہ بن عبد شمس تھے، جن سے خاندان بنو اُمیہ کی شاخ چلی۔ ان کے سپرد قریش کی سپہ سالاری کا عہدہ تھا۔ اگرچہ ابتداء میں قریش کی سپہ سالاری کا عہدہ بنو مخزوم میں تھا، لیکن عبد شمس کے زمانہ میں یہ عہدہ اور منصب بنو اُمیہ میں منتقل ہو گیا۔ چنانچہ عکاظ، فجار اوّل اور فجار دوم وغیرہ سب لڑائیوں میں جو زمانہ جاہلیت میں قریش اور دوسرے خاندانوں کے مابین ہوئیں، سپہ سالاری کے فرائض عبد شمس کے پوتے ابوسفیان کے والد حرب بن اُمیہ نے سرانجام دیے۔ ❷

حرب بن اُمیہ کی موت کے بعد سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس منصب پر فائز ہوئے اور اپنے مسلمان ہونے تک قریش کی سپہ سالاری اِنھی کے ہاتھوں میں رہی۔ جنگ بدر میں جو کہ اہل اسلام اور اہلِ کفر کے درمیان سب سے پہلا معرکہ تھا، ابوسفیان قریش کے قافلے کے ساتھ شام گئے ہوئے تھے، اس وجہ سے ان کے سسر عتبہ بن ربیعہ نے سپہ سالاری کے فرائض انجام دیے۔ اس کے بعد ان کے اسلام لانے تک جتنے بھی معرکے کفر اور اسلام کے درمیان ہوئے، ان سب میں قریش کی فوجی قیادت ابوسفیان کے ہاتھ میں رہی۔ ❸

بنو اُمیہ اور تجارت:

بنو اُمیہ نہ صرف قریش کے قائد اور سپہ سالار تھے بلکہ یہ قریش کے دوسرے خانوادوں کی طرح

---

❶ طبقات ابن سعد: ١/ ٤٥.

❷ العقد الفرید: ٢/ ٣١.

❸ تاریخ الاسلام السیاسی: ١/ ٣٩٥.

Marfat.com

صاحب مال اور تجارت پیشہ بھی تھے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ خاندان تجارت میں بھی سارے قریش کا لیڈر اور قائد تھا۔ جنگ بدر کے موقع پر قریش کا جو قافلہ شام گیا ہوا تھا اس کی قیادت بھی ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی۔ اور ہرقل قیصر روم کے نام جب سیّد دو عالم ﷺ نے دعوت اسلام کا خط بھیجا، اس زمانے میں بھی ابوسفیان اپنے تجارتی قافلے کو وہاں لے کر گئے ہوئے تھے۔ آپ اس سارے قافلہ کے قائد اور سربراہ تھے۔ چنانچہ ہرقل نے حضور نبی کریم ﷺ کی تحقیق حال کے لیے اِنھی کو بلایا اور مختلف سوالات کے ذریعے سرکارِ دو عالم ﷺ کے حالات سے آشنائی حاصل کی۔ (یہ واقعہ صحیح بخاری کے مختلف ابواب میں تفصیلاً مذکور ہے۔) تجارت کی وجہ سے بنواُمیہ کی مالی پوزیشن بھی بہت مضبوط تھی اور مکہ مکرمہ کے مال داروں میں اکثریت اِنھی کی تھی۔ سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جن کی ساری دولت اسلام کے دورِ عسرت میں اس کی خدمت کے لیے وقف تھی، اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔

بنواُمیہ مخالفت اور موافقت کے روپ میں:

سرکارِ دو عالم ﷺ کے اعلانِ نبوت کے بعد بنوہاشم کی طرح بنواُمیہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہوئے، لیکن بنوہاشم نے قومی اور قبائلی عصبیت کی بنا پر آپ کی زیادہ حمایت کی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ کے قتل کی سازش میں بنوہاشم میں سے کوئی بھی شریک محفل نہ تھا۔ [1]

بنواُمیہ چونکہ قریش کی قیادتِ عظمیٰ کے عہدہ پر فائز تھے، لہٰذا انھوں نے اس عہدے کے عظیم فرائض کا احساس کرتے ہوئے اہلِ اسلام کا آخری دم تک مقابلہ کیا اور ان کا یہ مقابلہ اہل اسلام سے کسی خاندانی چشمک کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ مسلمانوں کے علاوہ کسی اور جماعت سے اگر ان کا مقابلہ ہوتا تو اس کے ساتھ بھی بنواُمیہ یہی سرگرمی دکھاتے۔ اس دشمنی کو خاندانی چشمک کا نتیجہ بتانا تاریخ سے جہالت اور بنواُمیہ کے اصلی حالات سے ناآشنائی کی دلیل ہے۔ تاہم تاریخ اسلام کے اوراق میں آپ کو بنواُمیہ کے ایسے افراد بکثرت ملیں گے، جنھوں نے اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا، یہاں تک کہ حبشہ کی ہجرت اولیٰ میں زیادہ بنوامیہ ہی کے لوگ تھے۔ بنوہاشم میں سے صرف سیّدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ بن ابی طالب تھے۔ [2] چنانچہ علامہ بلاذری رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ بنوہاشم میں سے صرف

---

[1] محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ: ٤/ ٤٧٠.

[2] ابن هشام: ١/ ٢٤٩.

Marfat.com

سیّدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ ❶ اور بنواُمیہ اور ان کے حلفاء میں سے جن حضرات نے ہجرت کی تھی، ان کے نام حسب ذیل ہیں:

۱: سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ محترمہ سیّدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲: سیّدنا خالد بن سعید بن ابی العاص بن اُمیہ رضی اللہ عنہ۔

۳: سیّدنا عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ۔

۴: سیّدنا ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ اور ان کی اہلیہ محترمہ سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہما۔

۵: سیّدنا عبداللہ کنیت ابومحمد — حلیف بنواُمیہ

۶: سیّدنا عبداللہ کنیت ابواحمد — حلیف بنواُمیہ

۷: سیّدنا عبیداللہ کنیت ابوجحش — حلیف بنواُمیہ

۸: سیّدنا شجاع بن وہب بن ربیعہ — حلیف بنواُمیہ

۹: سیّدنا قیس بن عبداللہ — حلیف بنواُمیہ

۱۰: سیّدنا معیقیب بن ابی فاطمہ الدوسی — حلیف آل سعید بن العاص

۱۱: سیّدنا ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس بن سلیم بن خضار — حلیف آل عتبہ بن ربیعہ ❷

ہجرت اولیٰ بجانب حبشہ کے مہاجرین کی فہرست کے لیے ملاحظہ ہو: عیون الاثر لابن سیّد الناس: ۱/۱۵۵۔ فتح الباری: ۷/۱۴۸۔ سیرۃ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم مؤلفہ حکیم محمود احمد ظفر، ص: ۲۸۱۔

اس کے علاوہ سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کے میٹھے پانی کے اس رومہ کنویں کو جو ایک یہودی کی ملکیت تھا، اور اس نے اس کو اپنا ذریعہ معاش بنا رکھا تھا، غریب مسلمانوں کی تکلیف کی خاطر آٹھ ہزار میں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ ❸

پھر اِنھی سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک میں تین سو اُونٹ مع ساز و سامان اور نقد ایک ہزار دینار لا کر بارگاہِ نبوت میں پیش کیے۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر خوش ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان اشرفیوں کو بار بار ہاتھوں میں اچھالتے اور فرماتے جاتے کہ آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی عمل نقصان

---

❶ انساب الاشراف: ۱/ ۱۹۸.
❷ انساب الاشراف: ۱/ ۱۹۹۔ ۲۰۰.
❸ الاستیعاب: ۲/ ۴۸۸۔ فتح الباری: ۷/ ۴۳، باب مناقب عثمان بن عفان رضی اللّٰہ عنہ.

Marfat.com

نہیں پہنچا سکے گا، اور فرماتے: ''اے اللہ! میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔'' ❶

بنواُمیہ کی اسلام دشمنی جو کچھ بھی تھی اس کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے۔ یہ درست ہے کہ حالتِ کفر میں ان لوگوں نے اسلام اور اہلِ اسلام کی سر توڑ مخالفت کی، لیکن جب یہ لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو اسلام کی محبت اور دوستی میں بھی اُنھوں نے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے کہ اسلام کی تاریخ میں وہ واقعات سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ خود ابوسفیان جنھوں نے اسلام کے خلاف ہر معرکہ میں قریش کی قیادت کی، اسلام قبول کرنے کے بعد اسلامی لڑائیوں میں دوسرے مسلمانوں کے دوش بدوش اس قدر گرم جوشی سے حصہ لیتے رہے کہ خود ان کی جاہلیت کی تاریخ اس کے سامنے گرد تھی۔ غزوۂ حنین میں شرکت فرمائی، پھر محاصرۂ طائف میں کارہائے نمایاں انجام دیے، یہاں تک کہ اس غزوہ میں ان کی ایک آنکھ جاتی رہی۔ ❷

اور جنگ یرموک میں دوسری آنکھ بھی اللہ کی راہ میں قربان کر دی۔ تفصیل آگے آ رہی ہے۔ ❸

اسی طرح سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((الناس معادن كمعادن الذهب والفِضّة ، خيارهم فى الجاهلية خيارهم فى الاسلام اذا فقهوا .)) ❹

''لوگوں کی مثال سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح ہے، جو لوگ زمانۂ جاہلیت میں بہتر تھے، اسلام لانے کے بعد بھی وہی بہتر ہیں، اگر انھیں دین کی سمجھ حاصل ہو جائے۔''

بنواُمیہ نگاہِ نبوت میں:

بنواُمیہ کا نگاہِ نبوت میں کیا مقام تھا، اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ بنواُمیہ جوں جوں اسلام لاتے رہے، رسول اللہ ﷺ انھیں اپنی خاص نوازشات سے نوازتے رہے، کیوں کہ آپ ان کے اندرونی مخفی گوہر سے بخوبی آشنا تھے، اور سمجھتے تھے کہ جس طرح ان لوگوں نے حالت کفر میں کفر کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی، اسی طرح اب یہ اسلام کے لیے بھی اپنا سب سرمایۂ حیات قربان

---

❶ فتح الباری: ۷/ ٤٤۔ مستدرك حاكم: ۳/ ۱۰۳۔ زرقانی: ۳/ ٦٤۔ ترمذی: ۲/ ۲۱۱.

❷ الاستيعاب: ۲/ ۷۱۰. ❸ اسد الغابه: ۲۱٦/٥۔ الصديق، هيكل، ص: ۲۰٦۔

❹ بخاری: ۲/ ۹٤٦۔ مسلم: ۲/ ۳۳۱۔ مستدرك حاكم: ۳/ ۲٤۳.

Marfat.com

کرنے سے دریغ نہیں کریں گے، جیسا کہ بنواُمیہ کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے۔ چنانچہ آپؐ نے اپنی چار میں سے تین صاحبزادیاں (سیّدہ زینب، سیّدہ رقیہ اور سیّدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہم) کا نکاح بنواُمیہ میں کیا، جن میں اپنی سب سے بڑی صاحبزادی سیّدہ زینب سلام اللہ علیہا کا نکاح ابوالعاص بن ربیع الاموی سے کیا اور بقیہ دو سیّدنا عثمان بن عفان الاموی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیں۔ ❶

حضرتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیاں سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیّدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں دیں۔ ❷

اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ اگر میری دس لڑکیاں بھی ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے عثمان کی زوجیت میں دے دیتا۔ ❸

ایک اور روایت میں چالیس کا عدد آیا ہے، اور ایک میں سو کا عدد آیا ہے۔ ❹

دوسری طرف بنواُمیہ کے قائد اور رئیس سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیّدہ اُمّ حبیبہ سلام اللہ علیہا سے نکاح کر کے بنواُمیہ سے اپنی قریبی رشتہ داری اور دامادی کے تعلقات قائم فرمائے۔ ❺

پھر فتح مکہ کے روز آپ نے سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر کو ایک عظیم درجہ دے دیا اور فرمایا:

((من دخل دار ابی سفیان فھو آمن .)) ❻

ابوسفیان کا یہ گھر بیت اللہ سے بالکل ملحق تھا اور جب مسجد حرام کی توسیع کی گئی تو اس وقت اس گھر کو حرم میں داخل کر دیا گیا۔ فضیلۃ الشیخ علامہ محبّ الدین الخطیب صاحب ''تعلیقات العواصم من القواصم'' فرماتے ہیں:

''میں نے حرم شریف کے اس حصہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جو پہلے دار ابی سفیان

---

❶ سیرة ابن هشام: ٢/ ٢٧٦.

❷ حیات القلوب: ٢/ ٣٣٠۔ نهج البلاغة: ٢/ ٣٢٢۔ تحفة العوام، ص: ١١٣۔ اصول کافی، ص: ٢٧٨۔ الاستبصار: ١/ ٢٤٥۔ تهذیب الاحکام: ١/ ١٥٤۔ حیات القلوب: ٣/ ٧١٨، ٧١٩، ٧٢٨۔ تفسیر مجمع البیان طبرسی: ٣/ ٢٣٣۔ مجالس المؤمنین: ٣/ ٨٧.

❸ مجمع الزوائد: ٩/ ٢١٧.

❹ تاریخ الخلفاء سیوطی: ١٥٢.

❺ زرقانی ٣/ ٣٤٢۔ الاصابه: ٤/ ٣٠٥، صفة الصفوة: ٢/ ٢٢۔ طبقات ابن سعد: ٨/ ٩٧۔ مستدرك حاکم: ٤/ ٢٠، ٢٢۔ سیر اعلام النبلاء: ٢/ ٢٢١۔ صحیح ابن حبان، رقم: ١٢٨٣.

❻ مسلم: ٢/ ١٠٤۔ مسند احمد، رقم: ٧٩٠٩۔ تهذیب التهذیب: ٤/ ٤١١۔ ابن خلدون: ٣/ ٥.

Marfat.com

تھا۔ وہاں ایک پتھر نصب تھا، جس پر نہایت خوبصورت خط میں لکھا ہوا تھا: ((مـــن دخـــل دار ابـــی ســـفیـــان فهـو آمـن .)) ..... ''یعنی جو ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے گا، وہ بھی امان میں ہے۔''❶

جمادی الاولیٰ ۴ھ میں غزوہ ذات الرقاع پیش آیا۔ اس مہم میں جب آپؐ تشریف لے گئے تو آپ نے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا قائم مقام بنایا۔❷

پھر ۴ھ میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت الرضوان منعقد ہوئی۔ ایسی بیعت اور کسی صحابی کے لیے منعقد نہیں ہوئی، اس میں قریباً پندرہ سو صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ نے سیّدنا عثمان کی وجہ سے اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ دیا تھا۔ جب سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیعت کر چکے تو آخر میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا: یہ بیعت عثمان کی جانب سے ہے۔❸

سیّدنا عثمانؓ اس واقعہ کا ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے کہ میری جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں بہتر تھا۔❹

اس بیعت میں اللہ تعالیٰ نے سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طفیل چودہ سو سے پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا، جس کا ذکر سورۃ فتح میں فرمایا گیا ہے:

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ط فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّأْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ ﴾ (فتح: ۱۹)

''بے شک اللہ ایمان لانے والوں سے اس وقت راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔ اللہ جانتا تھا جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔ پس اللہ نے ان کے دلوں میں طمانینت نازل فرما دی اور ان کو عنقریب آنے والی فتح کا انعام دیا، اور ان کو بہت سی غنیمتیں عطا فرمائیں، جن کو وہ حاصل کریں گے، اور اللہ بہت غلبہ والا اور بہت عظمت والا ہے۔''

---

❶ المنتقیٰ للذهبی تعلیقه، ص: ۲۵۳.
❷ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۹.
❸ بخاری.
❹ زرقانی: ۲/ ۲۰۶۔ ۲۰۸.

Marfat.com

اِنھی سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو آپ نے کتابت وحی کے ذمہ دارانہ منصب پر مامور فرمایا۔ چنانچہ سیّدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ رات کے وقت وحی نازل ہوئی۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت موجود تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں لکھنے کا حکم فرمایا تو اُنھوں نے اسی وقت تعمیل ارشاد کی۔ ❶

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی میں کسی ہاشمی عورت سے شادی نہیں کی۔ ایک مرتبہ آپ نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ اور ابوطالب کی بیٹی اُمّ ہانی سے نکاح کے بارے میں اپنے چچا ابوطالب سے خواہش کا اظہار فرمایا، لیکن ابوطالب نے چچا ہونے اور خود کو آپ کا کفیل ظاہر کرنے کی صورت میں جو جواب دیا معلوم ہوتا ہے کہ اس جواب نے آپ کے دل سے کسی ہاشمی عورت سے نکاح کرنے کا داعیہ ہی ختم کر دیا۔

ہمارے سیرت نگاروں نے ابوطالب کو جو آپ کا کفیل اور بہت محبت کرنے والا بتایا ہے، ابوطالب کے اس جواب نے اس بات کی قلعی کھول دی ہے، اور بتایا ہے کہ وہ محبت محض ایک افسانہ تھی۔ نزولِ وحی سے قبل (یعنی ابھی آپؐ نے اعلانِ نبوت نہیں فرمایا تھا اور مکہ میں کوئی آپ کا دشمن نہیں تھا بلکہ وہاں کا ہر باشندہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کا گرویدہ تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کو ان کی بیٹی اُمّ ہانی سے نکاح کا پیغام دیا۔ آپ کے پیغام کے ساتھ ہی ہبیرہ بن ابووہب المخزومی نے بھی ابوطالب کو پیغام نکاح دیا۔ ابوطالب نے اپنے اس یتیم بھتیجے کی پیش کش کو ٹھکراتے ہوئے بنومخزوم کے ہبیرہ بن ابووہب کو اپنی یہ بیٹی بیاہ دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کا اپنے بارے میں یہ رویہ دیکھ کر فرمایا: ''چچا جان! آپ نے ہبیرہ کو تو اپنی بیٹی بیاہ دی اور مجھے یوں ہی چھوڑ دیا، یعنی میرے پیغام کو ردّ کر دیا۔ یہ سن کر ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو جواب دیا اس سے ان کی محبت کا پتہ چلتا ہے۔ ابوطالب نے کہا:

((یا ابن اخی! انا قد صاھرنا الیھم والکریم یکا فئ الکریم .))

''بھتیجے! ان لوگوں کے تو ہم سے رشتے ناطے ہوتے چلے آئے ہیں، معزز لوگوں کے ہم کفو معزز اور ذی حیثیت لوگ ہی ہوتے ہیں۔'' ❷

---

❶ کنز العمال: ٦/ ٣٧٧.

❷ الاصابة: ٣/ ٥٠٣۔ کتاب المحبر، ص: ٩٨۔ طبقات ابن سعد: ٣/ ٥٢.

Marfat.com

اس بات کو قریباً ہر مؤرخ نے بیان کیا ہے کہ ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ کے پیام شادی کو ردّ کرتے ہوئے بنومخزوم کے ہبیرہ بن ابووہب کے ساتھ اپنی بیٹی اُمّ ہانی کا نکاح کر دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب روایات حقیقت پر مبنی نہیں، جن سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ابوطالب کو یتیم عبداللہ سے بے پناہ محبت تھی۔ جو چچا اپنی بیٹی ایک یتیم بھتیجے کے نکاح میں نہیں دے سکتا، بلکہ الثایہ جواب دیتا ہے کہ؛

''معزز لوگوں کے میل کے معزز لوگ ہی ہوتے ہیں۔''

روایات میں ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ کو اپنے چچا کے اس جواب سے اتنا رنج اور صدمہ ہوا کہ آپ نے اس پر خفگی کا اظہار فرمایا۔ ❶

ابوطالب نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی بجائے ہبیرہ بن ابی وہب کے ساتھ اپنی بیٹی کا کیوں نکاح کر دیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ بنومخزوم کا قبیلہ اس وقت قریش میں دولت وثروت، اثر ورسوخ اور عددی قوت کے لحاظ سے ایک ممتاز اور مقتدر گھرانا سمجھا جاتا تھا۔ اس گھرانے کے پاس منصب العدل بھی تھا۔ تمول اور دریا دلی، لیاقت اور صلاحیت وغیرہ میں یکتا سمجھا جاتا تھا۔ (وھو الوحید) ۔ ❷ اسی خاندان کا ایک فرد ولید بن مغیرہ المخزومی (والد حضرت خالد بن ولید سیف اللہ) اپنی سخاوت اور مہمان نوازی میں اس زمانہ میں نہایت شہرت رکھتا تھا۔ اسی ولید کا ایک بھائی ہشام بن المغیرہ بھی اپنی سخاوت اور مہمان نوازی میں نہایت شہرت کا حامل تھا۔ اس کا مہمان خانہ ہر وقت کھلا رہتا تھا اور ہر آنے جانے والے کو کھانے پینے کا اذنِ عام تھا۔ جس سال اس کی وفات ہوئی، اسی سال سے قریش واقعات کا تعین کرتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے:

''بے شک قریش ہشام کی موت سے تاریخ شروع کرتے اور کہتے کہ یہ واقعہ اس سال ہوا، جب ہشام فوت ہوا۔'' ❸

اسی ہشام کا بیٹا ابوجہل تھا جو رسول اللہ ﷺ کا سخت ترین دشمن تھا۔ اس خاندان کے اس دنیوی اقتدار اور اعزاز کی وجہ سے ابوطالب نے اپنی لڑکی اُمّ ہانی کا نکاح سرکارِ دو عالم ﷺ کے

---

❶ فحاتبه النبی ﷺ۔ الاصابه: ۳/ ۵۰۳.
❷ کتاب نسب قریش، ص: ۳۰.
❸ کتاب نسب قریش، ص: ۳۰۱، کتاب المحبر، ص: ۱۳۹.

Marfat.com

بجائے اس خاندان کے شخص ہبیرہ سے کر دیا۔

ابوطالب کا یہ داماد ان بدبخت اور بدطینت لوگوں میں سے تھا، جنھوں نے اپنی پوری زندگی رسول اللہ ﷺ کو ایذا دی۔ یہ شاعر بھی تھا۔ اس وجہ سے اپنے اشعار کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی ہجو بھی کرتا۔ اشعار اس زمانہ میں میڈیا کا کام دیتے تھے۔ ❶

جنگ بدر میں یہ بدبخت ہبیرہ شوہر اُمّ ہانی کفار کے میمنہ کی اور اس کا بہنوئی زمعہ بن الاسود میسرہ کی کمان کر رہا تھا۔ ❷ زمعہ کو سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا، لیکن بدبخت ہبیرہ بچ نکلا۔

معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے باپ کی اس حرکت کا احساس تھا۔ چنانچہ فتح مکہ کے روز اُمّ ہانی کا شوہر تو بھاگ گیا اور اپنی بیوی اور بچوں کو بے سہارا چھوڑ گیا۔ اس پر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: ''یا رسول اللہ! اُمّ ہانی اب چونکہ اسلام لا چکی ہے، لہٰذا اگر قرابت کے ساتھ رشتہ مناکحت بھی ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی یہ تجویز منظور فرما کر پیامِ نکاح بھیجا، لیکن اس پیام کے جواب میں اُمّ ہانی نے کہا:

> ''میں زمانۂ جاہلیت میں آپ کی ذات سے انس و محبت کرتی تھی تو زمانۂ اسلام میں اس کا کیا ہی کہنا، مگر میں اب بال بچوں والی ہوں اور اسے برا جانتی ہوں کہ آپ کی زحمت کا باعث بنوں۔'' ❸

رسول اللہ ﷺ نے اس کا یہ عذر قبول فرماتے ہوئے اس کی تعریف فرمائی۔ سیّدہ اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا نے اپنے کافر شوہر سے علیحدگی کے بعد قریباً چالیس برس بیوگی میں بسر کیے۔ ان کے بڑے بیٹے جعدہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے داماد تھے اور آپ کے عہد خلافت میں خراسان کے گورنر ہوئے۔

بنو ہاشم کا قبولِ اسلام:

عام تاثر یہ دیا جاتا ہے کہ بنو اُمیہ اور بنو ہاشم کی شروع ہی سے چونکہ باہمی دشمنی اور رنجش چلی آ رہی تھی اور یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے کے رقیب اور حریف تھے۔ اس وجہ سے بنو اُمیہ نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی ازحد مخالفت کی، لیکن یہ بات بالکل غلط ہے اور اس پر تعمیر کردہ نتائج کی دنیا محض ایک

---

❶ ملاحظہ ہو: انساب الاشراف: ۱/ ۱۵۶۔ ❷ کتاب المغازی: ۱/ ۵۸۔

❸ کتاب المحبر، ص: ۹۸۔ الاصابہ: ۳/ ۵۰۳۔ طبقات ابن سعد: ۸/ ۱۵۲۔

Marfat.com

باطل مفروضہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے کی سعادت آپ کی زوجہ محترمہ سیّدہ خدیجہ بنت خویلد سلام اللہ علیہا کے حصہ میں آئی تھی جو اگرچہ قبیلہ وخاندان کے لحاظ سے بنواسد کی فرد تھیں لیکن شادی کے بعد عملی طور پر بنوہاشم کی رکن بن چکی تھیں۔ عربوں کی قبائلی روایات کے مطابق بیویاں اپنے خاوندوں کے خاندان کی رکن سمجھی جاتی تھیں۔ اسی طرح موالی اور حلیف بھی اپنے سرپرستوں یا آقاؤں کے خاندان ہی کے افراد سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ سیّدنا زید بن حارثہ کلبیؓ کے علاوہ ابورافع رضی اللہ عنہ، صالح شقران، ابوکبشہ اور انسہ اور غالباً کچھ اور موالی بھی بنوہاشم اور اہل بیت رسول کے مکی مسلمان تھے۔ اہل بیت کرام میں آپ کی چار صاحبزادیاں سیّدہ زینبؓ، سیّدہ رقیہؓ، سیّدہ اُمّ کلثومؓ اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہن بھی ابتدائی مکی دور کی مسلمان تھیں۔ خاندانِ رسول کے موالی میں سیّدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ سیّدہ اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا بھی قدیم ترین اسلام لانے والوں میں سے تھیں۔ پھر سیّدنا زید کے فرزند سیّدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کلبی بھی پیدائشی مسلمان تھے۔

ابوطالب قدیم وجدید مؤرخین کی روایت کے مطابق دولت اسلام سے محروم رہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی بیٹی اُمّ ہانی کا رشتہ دینے سے بھی انکار کردیا، لیکن ان کے دو بیٹے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ محترمہ سیّدہ اسماء بنت عمیس خثعمی قدیم مکی مسلمان ہیں۔ سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے تو اپنے شوہر سیّدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت حبشہ بھی فرمائی تھی۔ ابوطالب اگرچہ خود شرف اسلام سے محروم رہے لیکن ان کی زوجہ محترمہ سیّدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم نے مکہ مکرمہ ہی میں غالباً ابوطالب کی وفات کے بعد اسلام قبول کرلیا تھا اور بعد میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت بھی فرمائی تھی۔ ان کے بیٹے عقیل کی اہلیہ فاطمہ بنت عتبہ بن ربیعہ اموی نے بھی غالباً صلح حدیبیہ کے بعد یا فتح مکہ کے زمانہ میں اپنے خاوند کے ساتھ اسلام قبول کرلیا تھا۔ (اس رشتہ سے سیّدنا عقیل، سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے خالو ہوتے تھے۔)

بنوہاشم ہی کے ایک اہم فرد اور آپ ﷺ کے چچا ابولہب بن عبدالمطلب ہاشمی نے نہ صرف اسلام قبول نہ کیا، بلکہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی شدید مخالفت کی اور آپؐ کی ایذارسانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھا، لیکن اس دشمن اسلام کے دو لڑکوں عتبہ اور عتیبہ نے فتح مکہ کے بعد دعوتِ اسلام کو

Marfat.com

قبول کرلیا تھا اور غالباً ان کی تمام اولاد بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئی۔

بنو ہاشم کا ایک اور گھرانا جس کا تعلق سیّدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے تھا۔ یہ بھی آپؐ کے چچا تھے، انھوں نے صلح حدیبیہ کے بعد یا فتح مکہ سے کچھ قبل اسلام قبول کیا تھا۔ اس زمانہ میں آپ کے صاحبزادے بہت چھوٹے تھے، لیکن غالباً اپنے والد کے ساتھ وہ بھی حلقۂ اسلام میں داخل ہوگئے تھے۔ ان میں عبداللہ، فضل، قثم اور عبیداللہ وغیرہ شامل ہیں۔

بنو ہاشم کا ایک اور گھرانا سیّدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا گھرانا تھا۔ سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا خاندان ابتدائی عہد کا مسلمان تھا جب کہ آپ دارالارقم میں قیام پذیر تھے۔ سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ ایک لڑکی امامہ رضی اللہ عنہا تھی جو عمرۃ القضاء میں بہت چھوٹی تھی اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سیّدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی کفالت میں دیا تھا، کیوں کہ ان کی اہلیہ سیّدہ امامہ رضی اللہ عنہا کی خالہ تھیں۔ البتہ ان کے موالی بنوغنی ابتدائی مکی مسلمان تھے جو ابومرثد اور مرثد غنوی رضی اللہ عنہما کے نام سے یاد کیے جاتے تھے۔

بنو ہاشم کا ایک اور گھرانا حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم کا تھا۔ حارث تو بعثت نبوی سے قبل ہی انتقال کر چکے تھے، لیکن ان کے بیٹے نوفل بن حارث بن عبدالمطلب نے جنگ بدر کے بعد اسلام قبول کرلیا تھا لیکن مدینہ کو ہجرت جنگ خندق کے بعد سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ کی تھی۔ نوفل کے باقی تین بھائیوں ربیعہ، عبداللہ اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں تاریخ کے اوراق سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ فتح مکہ کے روز حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے۔

سیّدنا ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایات میں ہے کہ وہ اپنے وقت کے ایک بہت بڑے اور اچھے شاعر تھے لیکن اسلام کے سخت دشمن تھے۔ وہ بیس برس تک اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی ہجو کرتے رہے لیکن فتح مکہ کے روز جان نثارِ رسولؐ بن گئے۔ اس خاندان کے تین افراد جعفر بن ابی سفیان، حارث بن نوفل بن حارث اور عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث نے بھی فتح مکہ کے روز اسلام قبول کرلیا تھا۔ ابوسفیان بن حارث کی اہلیہ جمیلہ بنت ابی طالب جو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھیں، اپنے خاوند سے قبل مکہ میں اسلام میں داخل ہو کر ہجرتِ مدینہ کے شرف سے مشرف ہو چکی تھیں۔

Marfat.com

اس ساری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ بنو ہاشم نے خاندان کی محبت میں اسلام قبول نہیں کیا تھا اور نہ ہی ایک ہاشمی فرد ہونے کی وجہ سے سرکارِ دو عالم ﷺ کا ساتھ دیا تھا، بلکہ اسلام کو سچا سمجھتے ہوئے اسے قبول کیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں بنو ہاشم نے اسلام کی شدید ترین مخالفت بھی کی اور شدید ترین حمایت بھی۔

بنو امیہ کا قبولِ اسلام:

بنو عبد مناف کی دوسری شاخ بنو عبد شمس کی تھی۔ یہ قبیلہ دنیوی جاہ و جلال اور عظمت و حشمت، مال و دولت اور عددی لحاظ سے بنو عبد مناف کا سب سے زیادہ طاقتور اور مال دار قبیلہ تھا۔ اس کی اہم ترین شاخ بنو اُمیہ اتنی اہمیت اختیار کر گئی تھی کہ بنو عبد شمس عملاً بنو اُمیہ ہی سمجھے جانے لگے تھے۔ ہمارے خیال میں بنو اُمیہ کو سیاسی، سماجی اور اقتصادی طور پر جو عروج اور بلند مقام حاصل ہوا، وہ ہاشم اور اس کے فرزند عبد المطلب کی وفات کے بعد حاصل ہوا، کیوں کہ ہاشم ایک بڑے باوجاہت انسان تھے اور سرکار دربار تک ان کی رسائی تھی، اور دوسرے بادشاہوں کے ہاں بھی انھیں باریابی حاصل تھی۔ وہ مدبر و منتظم بھی تھے۔ بڑے باہمت اور فرائض کی ادائیگی اور انجام دہی میں نہایت چابک دست تھے۔ اس وجہ سے ان کا سیاسی اور سماجی طور پر ایک خاص مقام تھا۔

ان کے صاحبزادے عبد المطلب کو بھی اللہ تعالیٰ نے اِنھی صلاحیتوں اور خوبیوں سے نوازا تھا، جن سے ان کے باپ ہاشم کو نوازا تھا۔ آپ سیرت و صورت دونوں میں یگانۂ روزگار تھے۔ قد بحر رجز میں، بدن سڈول، چہرہ سے وجاہت و ہیبت، آنکھوں سے شرافت و نجابت اور رخساروں سے جلالت و عظمت کی شعائیں ضوافشاں تھیں۔ ایک اجنبی بھی جب دیکھ پاتا تو قدموں پر گرنے کے لیے بے تاب ہو جاتا۔ جود و سخا میں شہرۂ آفاق تھے۔ آپ کا دستر خوان نہ صرف انسانوں کے لیے وسیع تھا بلکہ جنگل کے وحشی جانور اور ہوا کے پرندے بھی اس سے مستفید ہوتے تھے۔

ہاشم اور خواجہ عبد المطلب کی وفات کے بعد بنو ہاشم میں اس پایہ کا ان کا کوئی جانشین نہیں تھا۔ ابو طالب مالی طور پر نہایت مفلوک الحال تھے۔ خاندان کے سربراہ اور سردار کے لیے جو صفات اور خصوصیات ایک شخص میں پائی جانی چاہئیں، جیسے شجاعت و بہادری، جود و نوال، بخشش و عطا، مروت و بردباری اور دولت و ثروت وغیرہ، ابو طالب ان میں سے اکثر سے محروم تھے۔ پھر جسمانی طور پر بھی

Marfat.com

آپ لنگڑے تھے، چنانچہ اسی نقص کی وجہ سے نہ ہی حروب فجار میں اور نہ ہی کسی اور جنگ میں آپ کی شرکت کا پتہ چلتا ہے۔ ٹانگوں کے اسی نقص کی وجہ سے وہ عطر فروشی اور بعض اوقات غلہ کی خرید و فروخت کر لیتے تھے۔ چنانچہ خود سیّدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((ابی ساد فقیرًا وما ساد فقیرًا قبله .)) ❶

''میرے والد ابوطالب سردار ہوئے تو فقیر اور غریب تھے اور ان سے قبل کوئی فقیر کبھی قبیلہ کا سردار نہیں ہوا۔''

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بنو اُمیہ کو سیادت و قیادت کی یہ زمام کار خواجہ عبدالمطلب کی وفات کے بعد ہاتھ آئی۔ عبد شمس کو ہاشم کی طرح اپنے باپ کی زندگی ہی میں برابری کا مقام حاصل تھا اور باپ کے انتقال کے بعد اگر ہاشم کو سقایہ اور رفادہ کے عہدے ملے تھے تو عبد شمس کو قیادت کا عظیم منصب ملا تھا۔ اس طرح عبد مناف کے دونوں فرزند مکی اشرافیہ کے برابر کے رکن اور مکی سماج اور معاشرہ میں یکساں عزت و توقیر کے حق دار بن گئے تھے۔

ہاشم کی نوعمری میں وفات اور ان کے بیشتر بچوں کے بچپن میں انتقال کی وجہ سے ان کی نسل صرف بنو عبدالمطلب میں جاری رہی، جب کہ ان کے مقابلہ میں عبد شمس کے متعدد لڑکوں سے ان کی نسل خوب چلی اور بعثت نبوی تک بنو عبد شمس کے اپنے متعدد بطون (چھوٹے چھوٹے قبیلے) وجود میں آ چکے تھے۔ قبیلوں کی کثرت تعداد کی وجہ سے جو اس زمانے میں ایک امتیازی خصوصیت تھی، بنو عبد شمس کو ایک امتیازی سیاسی اور سماجی عظمت و توقیر حاصل ہوگئی تھی۔ علاوہ ازیں ان کو ملکی اقتصادیات میں بھی نمایاں برتری حاصل تھی۔ عہد نبوی میں بھی بنو عبد شمس کو یہ قیادت و سیادت حاصل تھی۔ اس قیادت و سیادت کو قائم رکھنے میں بنو عبد شمس کی اپنی صلاحیتوں اور قابلیتوں کے علاوہ کل خاندان بنو عبد مناف کی تائید و تصدیق اور اتحاد کی دولت حاصل تھی۔ گویا بنو عبد شمس کی عظمت و ریاست بنو ہاشم کی عظمت و ریاست تھی۔ یہ دونوں خاندان ایک دوسرے کے دوست، حلیف اور بھائی تھے نہ کہ رقیب، حریف اور مدمقابل۔

بعثت نبوی تک بنو عبد شمس کے متعدد خاندان اور گھرانے بجائے خود ایک سماجی اکائی بن چکے

---

❶ تاریخ یعقوبی: ١/ ١٤.

Marfat.com

تھے۔ان میں سب سے بڑا اور اہم ترین گھرانا بنواُمیہ کا تھا جو متعدد گھرانوں پر مشتمل تھا۔اس کی اہم شاخیں مندرجہ ذیل تھیں:

(۱) بنوابی العاص بن اُمیہ اکبر۔(اس کی مزید دو ذیلی شاخیں تھیں۔)

ا: بنوعفان: سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا خاندان۔

ب: بنوحکم: سیّدنا مروان بن الحکم کا خاندان۔

(۲) بنوحرب بن امیہ اکبر۔(اس کی حسب ذیل تین اہم ترین شاخیں تھیں۔)

ا: بنوابوسفیان بن حرب۔

ب: بنوعتبہ بن ابی سفیان۔

ج: بنوعتیبہ بن ابی سفیان۔

(۳) بنوابی العیص۔سیّدنا عتاب بن اسید کا گھرانا۔

(۴) بنوابی عمرو بن اُمیہ۔دشمن رسول عقبہ بن ابی معیط کا خاندان۔

(۵) بنوعاص بن اُمیہ۔ابواحیحہ سعید بن عاص کا خاندان۔

علاوہ ازیں عبدشمس کے متعدد بیٹوں کے گھرانے اور خاندان تھے، جیسے بنوحبیب بن عبدشمس، بنوعبداُمیہ بن عبدشمس، بنونوفل بن عبدشمس، بنوربیعہ بن عبدشمس اور عبدالعزیٰ بن عبدشمس۔

پھران کے آگے کئی گھرانے ہوچکے تھے۔بنوربیعہ بن عبدشمس کے دو افراد عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ مکی اشرافیہ کے بعثت نبوی سے قبل اہم ترین ستون تھے جب کہ مؤخرالذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے داماد ابوالعاص بن ربیع کا گھرانا تھا۔

یہ مختصر سی تفصیل تھی بنوعبدشمس/بنواُمیہ کے خاندان کی۔اسلام کے بارے میں اس خاندان کا رویہ بنوہاشم یا دوسرے کسی مکی خاندان سے مختلف نہ تھا۔اگرچہ ان میں سے بعض نے اسلام کی پوری پوری مخالفت کی تھی، لیکن اسی خاندان کے کئی افراد نے بھرپور حمایت بھی کی تھی۔پھر جن افراد نے مخالفت کی تھی، اُنھوں نے اس وجہ سے مخالفت نہ کی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق بنوہاشم سے ہے، بلکہ باپ دادا کے نظریات کی مخالفت کے باعث اُنھوں نے اسلام کے داعی کی مخالفت کی تھی۔بنوہاشم کے بعض گھرانوں کی طرح بعض اُموی/عبدشمس گھرانوں نے بھی سبقت اسلام کی دولت سے حظِ وافر پایا۔

Marfat.com

خاندان بنو عاص بن اُمیہ اکبر میں ابو احیحہ سعید بن عاص کا گھرانا اپنی دولت وثروت، شرافت و نجابت اور سیاست وریاست کے لیے تمام مکہ میں ممتاز ترین گھرانا سمجھا جاتا تھا۔ اسی خاندانِ سعیدی کے ایک فرد سیّدنا خالد بن سعید اموی رضی اللہ عنہ غالباً اوّلین اموی مسلمان تھے، اور روایات کے مطابق ان کا سلسلۂ سابقین اوّلین صحابہ میں تیسرا یا چوتھا نمبر تھا۔ ان میں سے ایک بھائی عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ نے غالباً ان کے اثر سے مکی عہد کے نصف اوّل کے آغاز ہی میں اسلام قبول کرلیا تھا۔ یہ دونوں بھائی اپنے والد، دوسرے بھائیوں اور خاندان کے دوسرے افراد کے ظلم وستم کا نشانہ بنے تھے۔

ابن اسحٰق کے قول کے مطابق انھوں نے اپنی دونوں بیویوں امینہ بنت خلف خزاعی اور فاطمہ بنت صفوان المدیحی کے ساتھ حبشہ ہجرت کی تھی۔ سیّدنا خالد بن سعید کے دو بچے سیّدنا سعید رضی اللہ عنہ اور سیّدہ اُمہ حبشہ میں پیدا ہوئے تھے۔ غالباً عمرو بن سعید کی اولادیں بھی مکہ یا حبشہ میں پیدا ہوئی تھیں۔ سربراہِ خاندان سعید بن عاص کا بدر کے بعد حالتِ کفر میں انتقال ہوا تھا، جب کہ ان کے دو لڑکے ابان بن سعید رضی اللہ عنہ اور حکم (عبداللہ) بن سعید رضی اللہ عنہ نے صلح حدیبیہ کے بعد یا فتح مکہ کے زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا۔ حسن اتفاق سے یہ چاروں بھائی بے پناہ اور غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے، اس لیے انھوں نے اسلامی ریاست کے چار مختلف صوبوں میں عہدِ نبویؐ ہی میں گورنری کے فرائض انجام دیے تھے۔ اس خاندان کے ایک اور فرد سعید غزوۂ طائف میں شہید ہوئے تھے۔ اس خاندان کے دوسرے کئی افراد نے بھی اسلام قبول کیا۔ اس خاندان کی بیٹیوں میں سے ایک فاختہ بنت سعید رضی اللہ عنہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد سیّدنا ابوالعاص بن ربیع الاموی رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں آئیں اور اِنھی سے ان کی نسل چلی۔

خاندان بنو ابی العاص کے قدیم ترین مسلمان سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اُموی تھے، جو سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ترغیب سے مسلمان ہوئے۔ یہ دار ارقم میں قیامِ نبوی سے قبل شرف اسلام سے مشرف ہوئے اور بقول ابن اسحاق پہلے آٹھ مسلمانوں میں سے تھے۔ ان کے حقیقی چچا حکم بن ابی العاص نے اسلام لانے کی وجہ سے ان پر بڑے مظالم توڑے۔ آخر تنگ آکر یہ اپنی اہلیہ محترمہ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سنہ ۵ نبوی میں حبشہ کی جانب ہجرت فرما گئے۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دوسرے بھائی بہنوں کے قبولِ اسلام کے بارے میں کتابوں میں کچھ نہیں ملتا، البتہ ان کی

Marfat.com

والدہ ماجدہ سیّدہ اروٰی بنت کریز رضی اللہ عنہا ابتدائی مکی مسلمان تھیں، اور ان کی ایک اہلیہ رملہ بنت شیبہ بن ربیعہ اموی ابتدائی مکی مسلمان اور مہاجر مدینہ تھیں۔ ان کے چچا حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے خاندان نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا۔ سیّدنا حکم رضی اللہ عنہ کے علاوہ ان کے بیٹے مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ بھی صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔

بنو ربیعہ بن عبد شمس کی قسمت میں سبقت اسلام کا شرف حاصل کرنے والے سیّدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ بن عتبہ بن ربیعہ ہیں۔ یہ تیسرے اہم اموی مکی مسلمان ہیں جو نہ صرف آغاز اسلام ہی میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے، بلکہ مکہ میں اپنوں ہی کے ہاتھوں ستائے جانے کی وجہ سے اپنی اہلیہ محترمہ سیّدہ سہلہ بنت سہیل عامری رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ ہجرت فرما گئے، اور پھر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی اور جنگ بدر میں بھی شریک ہوئے، جس میں ان کے بھائی، والد اور تایا شریک ہوئے، بلکہ مارے گئے۔ ان کے خاندان میں ان کی ایک عم زاد بہن کے علاوہ اور کسی کے فتح مکہ سے قبل مسلمان ہونے کا کوئی ذکر نہیں ملتا، البتہ ان کے ایک مولیٰ سیّدنا سالم رضی اللہ عنہ تھے جو بالکل آغازِ اسلام میں حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے تھے اور قدیم مہاجر اور بدری تھے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو حرب بن اُمیہ کے کسی فرد نے مکی عہد میں اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ تاہم روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس خاندان کی ایک خاتون سیّدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا جو ابوسفیان بن حرب کی صاحبزادی تھیں، ابتدائی مسلمان تھیں۔ اس خاندان کے مردوں نے سوائے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ابوسفیان کے یہ دونوں صاحبزادے صلح حدیبیہ کے بعد غالباً عمرۃ القضاء کے موقع پر مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کے ساتھ غالباً ان کے اہل خانہ بھی مسلمان ہوئے ہوں گے۔ سیّدنا ابوسفیان اپنی زوجہ ہند بنت عتبہ اور اپنے دوسرے صاحبزادوں عتبہ اور عتیبہ کے ساتھ فتح مکہ میں دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے تھے۔ خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو ان کی عمر اس وقت اٹھارہ سال تھی اور وہ عمرۃ القضاء میں اسلام لائے۔ [1]

یہ نہایت تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ سیّدنا ابوسفیان اور ان کے خاندان کے اکثر ارکان مکی

---

[1] تاریخ بغداد: ۱/ ۲۰۶.

Marfat.com

عہد میں دائرۂ اسلام سے خارج رہے، لیکن ان کے بنو غنم بن دودان کے تمام حلیف جن کی تعداد روایات کے مطابق چالیس بالغوں پر مشتمل تھی، آغازِ اسلام ہی میں مسلمان ہوگئے تھے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ ان کے قبولِ اسلام کا زمانہ مکی دور کا آخر ہے۔ بہرحال زمانہ کوئی ہو ان کا شمار سابقین اوّلین میں ہوتا ہے اور ان میں سے بعض ہجرت حبشہ میں بھی شریک تھے اور باقی مہاجرین مدینہ اور اصحاب بدر میں شمار ہوتے ہیں۔ ابن اسحٰق اور ابن سعد نے ان کے ۲۳ مردوں کے نام گنوائے ہیں۔

اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی والدہ سیّدہ اُمیمہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہاشمی کا ذکر کہیں نہیں کیا گیا جو کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی دور کی مسلمان پھوپھی ہیں۔ اندازہ یہ ہے کہ حلفائے بنی حرب بن اُمیہ کے ابتدائی مسلمانوں کی تعداد اڑھائی تین سو کے لگ بھگ تھی۔

بنو اُمیہ کے ایک اور حلیف سیّدنا معیقیب بن ابی فاطمہ دوسی رضی اللہ عنہ تھے جو کہ قدیم مسلمان تھے۔ ہجرت کر کے حبشہ گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ مکہ سے واپس اپنے قبیلہ دوس چلے گئے تھے اور وہاں تبلیغ اسلام کرتے رہے۔

بنو عبدالعزیٰ بن عبد شمس کے ایک اہم رکن سیّدنا ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ سرکارِ دو عالمؐ کے سب سے بڑے داماد اور سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوہر تھے۔ اس کے علاوہ سیّدہ خدیجہ اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کی بہن کے بیٹے تھے۔ انھوں نے صلح حدیبیہ سے قبل اسلام قبول کیا۔ پھر مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی۔ ان کی صاحبزادی امامہ رضی اللہ عنہا پیدائشی مسلمان تھی۔ باقی گھرانا فتح مکہ کے زمانہ میں مسلمان ہوا۔

بنو ابی العیص میں سیّدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ اموی فتح مکہ کے روز اپنے خاندان کے ساتھ دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ وہ قبولِ اسلام کے چند ہی روز بعد اسلامی ریاست کی طرف سے مکہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ زہری نے ان کے ایک بھائی خالد بن اسید کا ذکر بھی کیا ہے، جس کا کافی بڑا گھرانا تھا۔

خاندان بنی عمرو بن اُمیہ کے سردار عقبہ بن ابی معیط نے نہ صرف اسلام قبول کرنے سے انکار

Marfat.com

کیا، بلکہ وہ ابولہب اور ابوجہل کی طرح اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کا تیسرا بڑا دشمن تھا۔ وہ اپنے جنگی جرائم کی وجہ سے غزوۂ بدر میں قتل کر دیا گیا تھا۔ اسی دشمنِ خدا و رسول ﷺ کی جرأت مند اور دلیر صاحبزادی سیّدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا نے بعد ہجرت کسی وقت اسلام قبول کر لیا تھا اور صلح حدیبیہ کے فوراً بعد دلیرانہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئی تھیں۔ عقبہ بن ابی معیط اموی کے تین لڑکوں ولید، خالد اور عمار رضی اللہ عنہم نے عام روایات کے مطابق فتح مکہ کے دن اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ ان کی وجہ سے دوسروں نے بھی اسلام قبول کر لیا ہو۔ بہر حال یہ ایک مسلّمہ تاریخی حقیقت ہے کہ عقبہ بن ابی معیط اموی کا گھرانا ہجرت کے بعد مدینہ منورہ جا بسا تھا۔

بنو عبد شمس اور بنو اُمیہ کے باقی گھرانے اور افراد زیادہ تر فتح مکہ کے زمانہ میں حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ ممکن ہے کہ ان میں سے کچھ حضرات و خواتین کچھ عرصہ پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے ہوں، پھر بھی ان میں سے ابو کیسہ حارث بن کریز، عامر بن کریز، عبداللہ بن عامر اور عبدالرحمٰن بن سمرہ وغیرہ عظیم صحابہ کا ذکر مل ہی جاتا ہے۔

دونوں خاندانوں کا تقابلی جائزہ:

اگر خاندان بنو ہاشم اور خاندان بنو اُمیہ کے قبول اسلام کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو اس میں ایک حیرت انگیز قسم کی مماثلت پائی جاتی ہے اور واضح ہوتا ہے کہ خاندان بنو عبد مناف کے ان دو برادر قبیلوں اور ان کے افراد نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ یکساں رویہ اپنایا تھا۔ اگر چند ہاشمیوں نے سبقت اسلام اور حمایت رسولِ خدا ﷺ کا شرف حاصل کیا تھا تو بعینہٖ یہی شرف چند امویوں نے بھی حاصل کیا تھا۔ اگر کچھ ہاشمیوں نے مکہ مکرمہ میں اللہ کے راستہ میں تکالیف اور مصائب برداشت کیے اور جانب حبشہ ہجرت کی تھی تو ان سے زیادہ امویوں نے یہی قربانیاں دی تھیں۔ اگر ابوسفیان بن حرب اور عقبہ بن ابی معیط اموی نے امویوں میں سے اسلام کی مخالفت کی تو عناد اسلام اور رسولِ خدا ﷺ کی مخالفت میں ابولہب ہاشمی اور ابوسفیان بن حارث ہاشمی بھی پیچھے نہیں رہے تھے، بلکہ ڈٹ کر اسلام اور رسولِ اسلام ﷺ کی مخالفت کی۔

لہٰذا یہ کہنا کہ امویوں نے غیر معمولی طور پر یا بنو ہاشم سے پرانے عناد اور پرانی عصبیت کی وجہ سے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی مخالفت کی تھی تو یہ بات سراسر غلط اور بے حقیقت ہے، اور

Marfat.com

واقعات ہمیں اس بات کے خلاف شہادت دیتے ہیں۔

عہد رسالت میں بنوامیہ کا سیاسی مقام:

بنوامیہ کو اسلامی اسٹیٹ کے سیاسی نظام میں رسول اللہ ﷺ نے ایک خاص اہمیت اور خاص مقام دیا تھا۔ چنانچہ اکثر صوبوں کے گورنر اموی خاندان ہی سے مقرر فرمائے اور اسٹیٹ کی انتظامی مشینری ان کے ہاتھ میں دی۔ فتح مکہ کے بعد مکہ کا گورنر سیّدنا ابوسفیان اموی کے چچا کے پوتے عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر صرف ۲۱ سال تھی اور روزینہ کے طور پر ایک درہم یومیہ مقرر فرمایا۔ اس پر عتاب رضی اللہ عنہ نے یہ کہا:

((ایها الناس! اجاع الله کبد من جاع علیٰ درهم .))

''اے لوگو! اللہ اس شخص کے جگر کو بھوکا رکھے جو ایک درہم میں بھی بھوکا رہے۔''

سیّدنا عتاب رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پورے دورِ خلافت میں مکہ کے گورنر رہے۔ ❶

بعض روایات میں ہے کہ مکہ کی امارت پر سرفراز فرماتے ہوئے جناب رسالتمآب ﷺ نے حضرت عتاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''عتابؓ! تم کو معلوم ہے کہ کن لوگوں پر میں نے تم کو عامل بنایا ہے؟ اہل اللہ پر، اگر مکہ والوں کے لیے تم سے زیادہ کوئی شخص موزوں نظر آتا تو اسے عامل بناتا۔'' ❷

آپ پہلے ہی سے ان سے بخوبی آشنا تھے اور فتح مکہ سے دو رات پہلے ایک مجلس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

''قریش کے چار آدمی شرک سے دور اور اسلام کے قریب تر اور اس کی طرف راغب ہیں۔'' لوگوں نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ کون ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''عتاب بن اسید، جبیر بن مطعم، حکیم بن حزام اور سہیل بن عمرو۔'' ❸

---

❶ روض الانف: ۲/ ۲۷۶۔ الاستیعاب: ۳/۵۳۔ اسد الغابه: ۳/ ۳۵۸۔ تهذیب التهذیب: ۷/۷۹.

❷ اسد الغابه: ۳/۳۵۸.

❸ مستدرك حاكم: ۳/۵۹۵.

Marfat.com

پھر سنہ ۸ ہجری میں حج کی امارت کا شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہوا۔ ❶ اس لحاظ سے عتاب رضی اللہ عنہ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے امیر الحج ہیں۔

سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کا گورنر مقرر فرمایا۔ ❷

اور قبیلہ بنی ثقیف کے مناۃ نامی بت کو توڑنے کے لیے بھی آپ کو اور سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا، چناں چہ ان دونوں نے اس بت کو توڑا۔ ❸

ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں قریش کو تقسیم کرنے کے لیے کچھ مال بھیجا۔ وہ مال سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے قریش میں تقسیم کیا۔ ❹

سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا ذکر اگلے صفحات میں آ رہا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں زیادہ تر گورنر بنواُمیہ میں سے مقرر فرمائے۔ چناں چہ علامہ لکھتے ہیں:

((وكان بنو أُمية اكثر القبائل عمالًا للنبى ﷺ فانّه لما فتح مكة استعمل عليها عتاب بن اسيد بن ابى العاص بن امية وخالد بن سعيد واخويه ابان وسعيدًا علىٰ اعمال آخر، واستعمل ابا سفيان بن حرب وابنه يزيد ومات وهو عليها وصاهر النبى ﷺ ببناته الثلاثة لبنى أُمية .)) ❺

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گورنروں میں دوسرے خاندانوں کی بہ نسبت بنواُمیہ کے لوگ اکثر و بیشتر تھے۔ چناں چہ فتح مکہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسیدؓ بن ابی العاص اور ان کے دونوں بھائیوں ابان اور سعید کو دوسرے علاقوں کا گورنر بنایا۔ ابوسفیان اور ان کے صاحبزادے یزید کو بھی (نجران اور تیماء کا) گورنر بنا کر بھیجا، حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

❶ تهذيب التهذيب: ٧/ ٨٩۔ اسد الغابه: ٣/ ٣٥٨.

❷ الاستيعاب: ٢/ ٧١٠۔ تهذيب التهذيب: ٤/ ٤١٢۔ كتاب المحبر لابى جعفر بغدادى، ص: ١٢٦۔ تاريخ خليفه بن خياط: ١/ ٦٢.

❸ تهذيب التهذيب: ٤/ ٤١٢۔ البدايه والنهايه: ٥/ ٣٠، ٣٣۔ سيرت ابن هشام: ٢/ ٥٤٠.

❹ طبقات ابن سعد: ٤/ ٣٢، ٣٣۔ السنن الكبرىٰ بيهقى: ١/ ١٢٩.

❺ منهاج السنة: ٢/ ١٤٥.

Marfat.com

کی وفات تک وہ اس منصب جلیلہ پر فائز رہے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ نے اپنی تین بیٹیوں کو بھی بنواُمیہ میں بیاہا۔''

اس سلسلہ میں علامہ بلاذری نے بھی لکھا ہے کہ؛

''رسول اللہ ﷺ نے جب اس دنیا سے انتقال فرمایا تو آپ کے بنوامیہ میں سے مختلف صوبوں پر چار گورنر تھے۔ (۱) عتاب بن اسید مکہ پر، (۲) ابان بن سعید بن العاص بحرین پر، (۳) خالد بن سعید صنعاء (یمن) پر اور (۴) ابوسفیان بن حرب نجران پر۔'' ❶

اس کے برعکس سرکارِ دوعالم ﷺ نے اپنی حین حیات میں کسی ہاشمی کو نہ تو مستقل طور پر کسی صوبہ کی حکومت عطا فرمائی اور نہ ہی کسی بڑی فوج کا خودمختار سپہ سالار بنایا۔ اپنی اس دنیوی زندگی کے آخری ایام میں آپ نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو چندروز کے لیے یمن کا کلکٹر مقرر فرمایا، لیکن اقتدار اعلیٰ اور افسری سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور سیّدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی۔ ❷

چناں چہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ کی پوری تاریخ اسلام کی ورق گردانی فرمالیجیے، آپ کو ایک گورنر بھی ایسا نہیں ملے گا جس کا نسبی تعلق بنی ہاشم سے ہو، بلکہ بنی ہاشم میں سے بعض لوگوں نے تقرر کی خواہش کا اظہار بھی کیا، لیکن آپ ﷺ نے منظور نہ فرمایا۔ یہی وجہ تھی کہ نبی کریم ﷺ کی اس حیاتِ دنیوی کے آخری ایام میں جب آپؐ کی طبیعت میں قدرے افاقہ ہوا تو سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''اے علیؓ! خدا کی قسم! تین روز کے بعد تم پر کوئی اور حاکم ہوگا اور تم اس کے محکوم ہوگے۔ خدا کی قسم! میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اس بیماری میں انتقال فرما جائیں گے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کرلیں کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا؟ اگر ہم میں سے ہوگا تو معلوم ہوجائے گا ورنہ آپ اس کو ہمارے بارے میں وصیت فرمادیں گے۔'' سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے بارے میں انکار فرمادیں تو ہم پھر ہمیشہ کے لیے اس سے محروم ہوجائیں گے، بخدا! میں اس بارے میں آپ سے

---

❶ انساب الاشراف، بلاذري: ١/ ٥٢٩.

❷ حلية الاولياء: ١/ ٣٥٤۔ مدارخ النبوه: ١/ ٥٠٢۔ زرقانی: ٢/ ٩٩۔ مسند احمد بن حنبل: ٥/ ٢٣٥.

Marfat.com

ایک حرف بھی نہ کہوں گا۔''❶

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی نگاہ بڑی دور بین تھی۔ اسی وجہ سے انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا، کیوں کہ وہ سمجھ رہے تھے کہ جس پیغمبرؐ نے اپنی زندگی میں کسی ہاشمی کو کسی صوبے کا گورنر مقرر نہیں کیا وہ اپنے بعد کسی ہاشمی کو پوری مملکت اسلامیہ کا خلیفہ کیسے نامزد فرمائے گا؟ اور اگر آپؐ نے انکار فرما دیا تو پھر کوئی ہاشمی عمر بھر خلیفہ نہیں ہوسکتا۔ اس وجہ سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کے اصرار کے باوجود آپ کی جانشینی کے بارے میں آپ سے کوئی سوال نہیں کیا۔

عہد رسالت میں اکثر و بیشتر بنواُمیہ کو گورنری کے عہدوں پر فائز کیا گیا اور بنو ہاشم میں سے ایک فرد بھی ایسا نہ تھا جس کو رسول اللہ ﷺ نے کسی جگہ گورنر بنا کر بھیجا ہو، حالانکہ آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ اور آپ کے چچا کے بیٹے سیّدنا عقیل اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر تمام عصبات موجود تھے۔ سرکاری منصب اور عہدہ تو ایک طرف رہا، آپ ﷺ نے غزوات کے سلسلہ میں ۲۸ مرتبہ مدینہ منورہ چھوڑا، لیکن ایک مرتبہ بھی انتظامی اُمور کی انجام دہی کے لیے آپ نے بنو ہاشم میں سے اپنے نائب کا تقرر نہیں فرمایا، بلکہ کبھی کسی اُموی کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور کبھی کسی انصاری کو، کبھی کسی مخزومی کو تو کبھی کسی کلبی و غفاری کو۔ جنگ تبوک کے موقع پر آپ نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں چھوڑا، لیکن اپنا قائم مقام اور مدینہ کا والی مقرر کر کے نہیں بلکہ صرف اہل و عیال اور بچوں اور عورتوں کی حفاظت اور خبر گیری کے واسطے، اور اپنا نائب اور قائم مقام اور مدینہ کا والی محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔❷

عہد صدیقی اور بنواُمیہ:

جس خاندان پر سرکارِ دو عالم ﷺ اپنی اتنی نوازشات فرمائیں اور اسلامی ریاست میں ان کو بڑے بڑے عہدوں سے سرفراز فرمائیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خلفائے راشدین اپنے عہد راشدہ میں اس خاندان کی قابلیت اور تدبر سے فائدہ نہ اُٹھائیں (تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ

---

❶ بخاری، رقم: ٤٤٤٧، ٦٢٦٦۔ مسند احمد بن حنبل: ١/ ٢٦٣، ٣٢٥۔ البدایہ والنہایہ لابن کثیر: ٥/٢٢٧، ٢٥١.

❷ بخاری، رقم: ٤٤١٦، ٣٧٠٦ مجملاً۔ طبقات ابن سعد: ١/ ١١٩ وغیرہ۔

Marfat.com

کی طرح سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اسلامی ریاست میں گورنروں اور سپہ سالاروں کی آسامیوں کے لیے اس خاندان کی خدمات حاصل کیں۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جنگ ردّہ میں اموی سرداروں کی خدمات سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا اور ہر موقع پر اموی قائدین نے نہایت قابلیت، محنت اور جاں فشانی سے اپنے فرائض سرانجام دے کر خلافتِ اسلامیہ میں ایک خاص مقام اور اہمیت حاصل کی۔ شام کی فوج کشی میں سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب کے بڑے صاحبزادے سیّدنا یزید رضی اللہ عنہ کو اسلامی فوج کے ایک بڑے حصے کا سردار مقرر کیا گیا۔ ❶ اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس لشکر کا علم بردار مقرر کیا۔ ❷ روانگی کے وقت کچھ دیر تک پیادہ پا رخصت کرنے کے لیے خود نکلے۔ (طبری: ۴/۳۰) سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے خلیفہ رسول سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیادہ دیکھ کر عرض کیا: ''امیر المؤمنین! آپ بھی سوار ہو جائیں یا پھر مجھے پیادہ پا چلنے کی اجازت مرحمت فرمائیں؟'' آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''نہ مجھ کو سوار ہونے کی ضرورت ہے اور نہ تم کو اترنے کی، میں جتنے قدم رکھتا ہوں ان کو اللہ کی راہ میں شمار کرتا ہوں۔'' رخصت کرتے وقت ارشاد فرمایا:

> ''یزید! شام میں تم کو بہت سے تارک الدنیا راہب ملیں گے، ان سے اور ان کی رہبانیت سے کوئی تعرض نہ کرنا۔'' پھر فرمایا: ''تم کو جنگ میں ایسے لوگوں سے واسطہ پڑے گا جو بیچ سے سر منڈاتے ہیں، اسی حصہ میں تلوار مارنا۔'' پھر فرمایا: ''میں تم کو دس نصیحتیں کرتا ہوں ان کا ہمیشہ خیال رکھنا: عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو نہ مارنا، پھلے پھولے درختوں کو نہ کاٹنا، آبادیاں ویران و برباد نہ کرنا، بکری اور اونٹ کھانے کے علاوہ بیکار ذبح نہ کرنا، درخت نہ جلانا، کسی کو پانی میں نہ ڈبونا اور بزدلی نہ دکھانا۔'' ❸

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ان ہدایات کو لے کر جب سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ شام کی سرزمین میں پہنچے تو آپ نے سب سے پہلے سیّدنا خالد بن ولید سیف اللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بصریٰ پر حملہ کیا۔ بصریٰ والوں نے صلح کر لی۔ بصریٰ کے بعد فلسطین کا رُخ کیا اور اجنادین کے مقام پر رومیوں کو

---

❶ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیه: ٤/ ٤٧٠۔ العواصم من القواصم، ص: ٨١۔ فتوح البلدان، ص: ٤٨.

❷ ہسٹری آف دی عربز، انگریزی، ہتّی، ص: ۱۴۸۔

❸ مؤطا امام مالك، ص: ١٧٦۔ تاریخ الخلفاء، ص: ١٦٥.

Marfat.com

شکست فاش دی۔ ❶

اُردن کی فتح کے بعد ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے یزید کو ساحلی علاقہ کی طرف روانہ فرمایا۔ انھوں نے سیّدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر اس کو زیرنگین کیا۔ ❷

جنگ یرموک میں بھی سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اسلامی فوج کے ایک حصہ کے افسر اعلیٰ تھے۔ اس جنگ میں آپ کے والد ماجد سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔ اُنھوں نے اس جنگ میں ایک نمایاں کردار ادا کیا، یہاں تک کہ ان کی دوسری آنکھ بھی اس لڑائی میں جاتی رہی۔ ❸ سیّدنا ابوسفیان کی پہلی آنکھ طائف کے محاصرہ میں ضائع ہوئی تھی۔ ❹ اور دوسری آنکھ خلافت صدیقی میں جنگ یرموک میں ضائع ہوئی۔ چنانچہ وہ جنگ یرموک کے بعد ظاہری بینائی سے کلیتاً محروم ہو گئے۔ اس جنگ میں یزید رضی اللہ عنہ اپنے پورے خاندان کے ساتھ شریک تھے، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

اس خاندان کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اموی قائدین کو اسٹیٹ کے سیاسی نظام میں جو مقام دیا تھا، خلیفۂ رسول سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے اس مقام کو برقرار رکھا، بلکہ جہاں تک ہو سکا اپنے مختصر دورِ خلافت میں ان کے مقام میں اور اضافہ کیا۔ چنانچہ سیّدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ گورنر مکہ کو آپ نے مکہ مکرمہ کی گورنری پر برقرار رکھا۔ ❺

عہد فاروقی اور بنواُمیہ:

عہد فاروقی میں سیّدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سنہ ۱۸ھ میں امیر المؤمنین سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف سے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فلسطین کے حاکم مقرر ہوئے اور قیساریہ کی مہم ان کے سپرد ہوئی۔ مسلمان اس وقت قیساریہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ یزید سیّدنا عمر رضی اللہ عنہما کے حکم کے مطابق سترہ (۱۷) ہزار فوج لے کر ان کی امداد کو پہنچے اور اپنے بھائی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنا کر واپس فلسطین لوٹ آئے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مہم کو سر کر کے بھائی کو اس کی اطلاع دی۔ انھوں نے مدینۃ الرسول میں امیر المؤمنین سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو اس فتح کی اطلاع بھجوائی۔ ❻

---

❶ اسد الغابہ: ۵/ ۱۱۲۔
❷ فتوح البلدان بلاذری، ص: ۱۳۶۔
❸ اسد الغابہ: ۵/ ۲۱۶۔ الصدیق، ص: ۲۰۶۔
❹ الاستیعاب: ۲/ ۵۰۔
❺ الاستیعاب: ۳/ ۱۵۳۔ تہذیب التہذیب: ۷/ ۸۹۔
❻ فتوح البلدان، بلاذری، ص: ۱۴۷۔

Marfat.com

عہد فاروقی میں جب عمواس کے تاریخی طاعون میں سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا تو سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ ان کے چھوٹے بھائی سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو شام کے صوبے کا گورنر مقرر فرمادیا۔ ❶ خود سیّدنا یزید رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی آپ اسلامی فوج کے علم بردار تھے اور جس لشکر نے صیدا، عرقہ اور بیروت وغیرہ علاقوں کو فتح کیا، اس کے ہراوّل دستہ کی قیادت سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرمارہے تھے۔ ❷

چنانچہ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو لوگ ''یزید الخیر'' کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ فتح مکہ کے روز اسلام لائے اور ان کا اسلام حسن وخوبی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا۔ (ایک روایت میں ہے کہ یہ بھی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عمرۃ القضاء ہی میں ایمان لائے تھے۔) آپ نے جنگ حنین میں بھی شرکت فرمائی۔ ایک اور مقام پر علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:

> ''سیّدنا یزید رضی اللہ عنہ شرافت، سیادت اور بزرگی کے لحاظ سے ایک جلیل القدر اور عالی ہمت انسان تھے اور یہ ان چار نیک صفت امراء میں سے تھے، جن کو سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام کی فتح کے وقت متعین فرمایا تھا۔'' ❸

ساحل شام پر واقع شہر قیساریہ کو فتح کرنے کے بعد ۱۹ھ میں ان کا انتقال ہوگیا۔ علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ:

> ''دمشق جب فتح ہوگیا تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں وہاں کا گورنر مقرر فرمادیا، اور ان کی وفات کے بعد ان کے یعنی یزید رضی اللہ عنہ کے بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ کو وہاں کا گورنر مقرر فرمادیا۔'' ❹

❀❀❀❀

---

❶ هسٹری آف دی عربز، انگریزی، ص: ١٥٤۔ فتح الباري: ٧/ ٨٢.

❷ هٹی: هسٹری آف دی عربز، ص: ١٤٨.

❸ تاريخ الاسلام ذهبی: ٢/ ٦٧.

❹ تاريخ الاسلام ذهبی: ٢/ ١٨.

Marfat.com

سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

نام ونسب:

معاویہ بن ابی سفیان بن صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب، امیر المؤمنین القرشی الاموی المکی۔ ❶

گویا کہ آپ کا نسب چوتھی پشت میں رسول اللہ ﷺ سے جا ملتا ہے۔ آپ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے ایک روایت کے مطابق پانچ سال قبل پیدا ہوئے اور دوسری روایت کے مطابق سات سال قبل عالم عدم سے عالم وجود میں آئے، لیکن پانچ سال والی روایت زیادہ مشہور ہے۔ ❷

والدہ کی طرف سے نسب نامہ حسب ذیل ہے:

آپ کی والدہ کا نام ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف ہے۔

بچپن ہی سے والدین اپنے اس بچے کے مستقبل کے بارے میں پُر امید تھے۔ سیّدنا ابوسفیانؓ ان کو دیکھ کر ان کی والدہ ہند سے کہتے: ''میرے اس بیٹے کا سر بڑا ہے، مجھے اُمید ہے کہ یہ اپنی قوم کی سیادت کرے گا۔ ہند جواب دیتی صرف قوم کی، نہیں بلکہ یہ پورے عرب کی سیادت وقیادت کرے گا۔

ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی والدہ ہند کے ساتھ جا رہے تھے کہ ٹھوکر کھا کر گر پڑے۔ والدہ نے کہا اُٹھو۔ ایک اعرابی یہ دیکھ رہا تھا، اس نے کہا کہ آپ ایسا کیوں کہتی ہیں، اس کو خود کیوں نہیں اُٹھاتیں۔ ہند رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: بخدا! مجھے یقین ہے کہ یہ اپنی قوم کی سیادت کرے گا، اگر یہ قوم کی سیادت نہ کرے تو اللہ اسے نہ اُٹھائے۔ ❸

---

❶ اصابه: ٤/ ٤٠٩۔ المعارف، ص: ١٥٠۔ نسب قريش، ص: ١٢٤۔ سير اعلام النبلاء: ٣/ ١٢٠.

❷ الأصابه: ٦/ ١٥١. ❸ سير اعلام النبلاء: ٣/ ١٢١.

Marfat.com

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ:

ابوسفیان جب تک حالت کفر میں رہے، اسلام اور پیغمبر اسلام کا مقابلہ کرتے رہے۔ یہ ایک اموی ہونے کی وجہ سے آپ کے لیے ضروری تھا کیوں کہ جنگوں میں قیادت بنواُمیہ کے ذمے تھی۔ مسلمانوں کے بجائے اگر کوئی اور گروہ مدمُقابل ہوتا تو ابوسفیان اس کے خلاف بھی جنگ میں اسی طرح قیادت کرتے جیسی مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں کی۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح مکہ سے چند روز پہلے راہِ ہدایت دکھادی اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو قبول کرلیا تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اعلان فرمادیا:

((مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِیْ سَفْیَانَ فَھُوَ اٰمِنَ .)) ❶

''جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگیا وہ بھی امن میں ہے۔''

یہ نبوت کی طرف سے ابوسفیانؓ کا ایک اکرام تھا اور یہ ان کی خصوصیت تھی کہ ان کے گھر کو امن کے لحاظ سے وہی حیثیت دے دی گئی جو خانہ کعبہ کو دی گئی تھی۔ نبوت کے اس اعلان میں سیّدنا ابوسفیان کے ایمان کی تقویت اور ان کی تالیف قلب کا سامان بھی تھا۔ نبوت کے اس اعلان سے سیّدنا ابوسفیان کے قلب کی اتھاہ گہرائیوں سے حسد اور کینے کے وہ تمام اثرات یک قلم ختم ہوگئے، جو ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہونے سے پہلے تھے۔ یہ نبوت کی فراخ حوصلگی تھی کہ ابوسفیانؓ کی عزت و تکریم جو قریش کے ہاں تھی اس کو کم نہیں ہونے دیا۔ اور سیّدنا ابوسفیانؓ نے بھی نہایت اخلاص سے اسلام کے پیغام کو قبول کیا اور پھر مرتے دم تک دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اس پیغام کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش بھی کرتے رہے۔ ❷

روایات میں ہے کہ سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے قبل اسلام لاچکے تھے۔ ابوسفیان اور سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کے باہمی تعلقات بڑے خوشگوار تھے، لہٰذا سیّدنا عباس رضی اللہ عنہما کی یہ انتہائی کوشش تھی کہ ابوسفیان بھی حلقۂ اسلام میں داخل ہوجائیں۔ چنانچہ ایک رات سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ہاں ابوسفیان

---

❶ بخاری، رقم: ٤٢٨٠.

❷ السیرة النبویة محمد رویس، ص: ٢٤٥.

Marfat.com

مقیم تھے۔ جب صبح ہوئی تو سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے دیکھا مسلمان نماز کے لیے اُٹھے ہیں اور جوق در جوق طہارت اور وضو میں مشغول ہیں۔ اس حالت کو دیکھ کر سیّدنا ابوسفیان نے سیّدنا عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: ''یہ لوگ کیا کرنے لگے ہیں؟'' سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ نماز کی تیاری کر رہے ہیں۔'' یہ جواب سن کر ابوسفیان نے کہا: ''عباس! عجیب بات ہے کہ ان کے پیغمبر جس بات کا انھیں حکم دیتے ہیں یہ وہی کر گزرتے ہیں؟'' سیّدنا عباسؓ نے فرمایا کہ ہاں اگر ان کا نبی انھیں کھانا پینا ترک کرنے کا حکم دیں تو یہ اس کی تعمیل میں بھی دیر نہیں کریں گے۔'' ❶

امام ذہبی رحمہ اللہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ رات کا پہلا پہر تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ کے قریب مر الظہران کے مقام پر نزول فرمایا۔ یہ مقام مکہ سے قریباً ایک منزل پر ہے۔ دس ہزار مجاہدین کے خیمے پوری وادی میں پھیل گئے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے رات کے وقت خیموں کے سامنے الاؤ جلائے گئے تو ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا ایک شہر آباد ہو گیا ہے۔

جس رازداری کے ساتھ یہ سفر کیا گیا اس کی کامیابی یہ تھی کہ قریش کو اب تک مسلمانوں کے لشکر کی روانگی کا پتہ نہ چلا۔ قریش کو اپنی پیمان شکنی کی وجہ سے دغدغہ تو لگا ہوا تھا کہ خدا معلوم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کب ہم پر حملہ آور ہو جائیں۔ اور یہ بھی ہے کہ قریش کے کچھ سرداروں کے کانوں میں یہ بھنک پڑی ہوئی تھی کہ ایک بہت بڑا لشکر آ رہا ہے۔ اسی بھنک کی تفتیش کی غرض سے مخفی طور پر قریش کے چند رؤساء اور سردار ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء مکہ سے نکلے اور دُور سے آگ جلتی دیکھ کر یہاں پہنچ گئے۔ اس وسیع و عریض میدان کو جو میلوں کی وسعت اپنی آغوش میں لیے ہوئے تھا، جگمگاتا دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ انھیں اس بات کا وہم و گمان بھی نہ ہوا کہ یہ شان و شوکت اور آگ کے الاؤ کا یہ بحر ناپیدا کنار محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کا ہے جن کو چند سال پہلے سب کچھ چھین کر نہایت کس مپرسی کی حالت میں مکہ سے نکالا گیا تھا۔ خزاعہ وغیرہ قبائل کی طرف ان کا توسنِ خیال دوڑنے لگا۔ سیّدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ خدا کی قسم! میں رسولؐ اللہ کے سفید خچر پر جا رہا تھا کہ مجھے ابوسفیانؓ اور بدیل بن ورقاء کی گفتگو سنائی دی۔ وہ باہم تکرار اور ردّ و قدح کر رہے تھے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے کہ بخدا! میں نے جیسی آگ اور جیسا لشکر آج رات

---

❶ المصنف عبدالرزاق: ٥/٣٧٦.

Marfat.com

دیکھا ہے، اس سے پہلے اتنا بڑا لشکر کبھی نہیں دیکھا۔ بدیل بن ورقاء کہہ رہا تھا: ''بخدا! یہ بنوخزاعہ کا لشکر ہے۔ جنگ نے انھیں چھیل کر رکھ دیا ہے۔'' اس پر ابوسفیان کہہ رہے تھے کہ خزاعہ اس سے کہیں کم تر اور ذلیل ہیں کہ یہ ان کی آگ اور ان کا لشکر ہو۔ ❶

سیّدنا عباس رضی اللہ عنہما نے ان دونوں کی یہ گفتگو اس وجہ سے سن لی کہ جونہی اس لشکر نے مرّ الظہران میں پڑاؤ ڈالا، سیّدنا عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید خچر پر سوار ہو کر نکلے تاکہ اگر کوئی لکڑہارا یا کوئی اور آدمی مل جائے تو اس کے ذریعے قریش کو یہ خبر بھجوائی جائے تاکہ وہ مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داخلہ سے پہلے آپ کے پاس حاضر ہو کر امان طلب کر لیں۔ ❷

اب انھیں لکڑا ہارا کے بجائے مکہ کا رئیس مل گیا۔ سیّدنا عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے ابوسفیانؓ کی آواز پہچان لی اور کہا: ''ابوحنظلہ!''۔ ابوسفیان نے بھی اندھیرے میں میری آواز پہچان لی اور بولا: ''ابوالفضل!'' میں نے کہا: ''ہاں۔'' اس نے کہا: ''کیا بات ہے؟ میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔'' میں نے کہا: ''یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اپنے ساتھیوں کے ساتھ، واللہ! ہائے قریش کی تباہی۔''

ابوسفیانؓ نے کہا: ''اب کیا کیا جائے؟ میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔'' میں نے کہا: ''خدا کی قسم! اگر انھوں نے تمھیں پالیا تو تمھاری گردن مار دیں گے، لہٰذا تم اس خچر پر میرے پیچھے بیٹھ جاؤ، میں تمھارے لیے امان طلب کرتا ہوں۔ چنانچہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ تو میرے پیچھے بیٹھ گئے اور ان کے دونوں ساتھی بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام واپس مکہ چلے گئے۔

سیّدنا عباس رضی اللہ عنہما ان کو بارگاہِ نبوت میں لا رہے تھے۔ فرماتے ہیں کہ جب میں آگ کے کسی الاؤ کے پاس سے گزرتا تو لوگ پوچھتے کون ہے؟ لیکن جب دیکھتے کہ سرکار دو عالمؐ کا خچر ہے اور میں اس پر سوار ہوں تو کوئی تعرض نہ کرتے یہاں تک کہ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے الاؤ کے پاس سے گزرا۔ انھوں نے پوچھا: ''کون ہے؟'' اور اُٹھ کر میری طرف آئے۔ جب انھوں نے میرے پیچھے ابوسفیان کو بیٹھے دیکھا تو کہنے لگا: ''ابوسفیان! اللہ اور اس کے رسولؐ کا دشمن، الحمدللہ! بغیر کسی عہد و پیمان کے ہاتھ آ گیا، اور تلوار لے کر لپکے کہ اس دشمن اسلام کو ختم کر دیں اس سے پہلے کہ وہ بارگاہِ

---

❶ عیون الاثر : ۲/۲۲۸.

❷ عیون الاثر لابن سیّد الناس : ۲/۲۲۸.

Marfat.com

رسالت میں جا کر پروانۂ امن حاصل کر لے۔ لیکن سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ نہایت جہان دیدہ آدمی تھے۔ وہ اس بات سے غافل نہیں تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ کا کیا ارادہ ہے؟ انھوں نے فوراً خچر کو ایڑ لگائی۔ فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ میں پہنچ گیا۔ اتنے میں عمر رضی اللہ عنہ بھی خیمہ میں آ گئے۔ اَب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اصرار تھا: ''یا رسولؐ اللہ! اجازت دیجیے کہ میں اس فتنۂ مجسم کے بوجھ سے زمین کو ہلکا کر دوں۔'' سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسولؐ اللہ! میں نے ابوسفیان کو امان دی ہے۔'' سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اصرار تھا کہ ابوسفیانؓ کو قتل کر دیا جائے۔ آخر سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ میں کچھ تلخ کلامی بھی ہوئی۔ جب ان دونوں کی بحث ختم ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: '' اس وقت ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں لے جائیں اور صبح کو اپنے ساتھ لائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیانؓ کے دونوں ساتھی واپس مکہ جانے کے بجائے پہلے ہی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پہنچ کر دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے اور آپ نے ان دونوں (بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام) سے مکہ اور قریش کے حالات دریافت فرمائے۔ پھر یہ دونوں آپ سے اجازت لے کر رات ہی کو واپس مکہ چلے گئے تھے۔ تاکہ اہل مکہ کو صورتِ حال سے آگاہ کریں اور انھیں پر امن رہنے کی ہدایت کر دیں اور بتا دیں کہ اب لڑنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اب تم لوگوں میں آپ کے لشکر جرار کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رہی ہے۔

سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر ابوسفیان کو لے گئے اور صبح کے وقت ان کو بارگاہِ نبوت میں لے کر حاضر ہوئے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو اپنے تمام کارنامے یاد ہوں گے۔ اسلام کو نیست و نابود کرنے کی مسلسل کوششیں، مدینہ منورہ پر احد و احزاب کی شکل میں بار بار حملے، قبائل عرب کو آپؐ کے خلاف مشتعل کرنا وغیرہ وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک جرم ابوسفیانؓ کے خون کا مطالبہ کر رہا تھا، لیکن ابوسفیانؓ اپنی جگہ پر مطمئن تھا کہ وہ اس ''الصادق الامین'' کے حضور میں حاضر ہے جس کے کسی بھی ساتھی کی زبان کا لفظ ''امان'' وہ پختہ حصار ہے جس کو توڑا نہیں جا سکتا، لیکن لسانِ نبوت نے اس کے ان سنگین جرائم میں سے کسی جرم کا تذکرہ نہیں کیا، بلکہ آپؐ نے ابوسفیان کو دیکھ کر فرمایا: ''ابوسفیان! تم پر افسوس، کیا تمھیں اب تک پتہ نہیں چلا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔'' ابوسفیان نے کہا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کتنے بردبار، کتنے کریم، کتنے حلیم اور کتنے صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔

Marfat.com

حسنِ سلوک اور آپ کی صداقت وعفت کا قائل ہوں۔ آپؐ کے مکارمِ اخلاق کو تسلیم کرتا ہوں، میں اچھی طرح جان چکا ہوں کہ اللہ کے سوا اگر کوئی اور الٰہ ہوتا تو آج ہمارے کام آتا۔ آپؐ نے پھر فرمایا: ''ابوسفیان! تم پر افسوس، کیا تمھارے لیے اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان سکو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟'' ابوسفیان نے کہا: اَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه .

ابوسفیان کے اسلام قبول کر لینے کے بعد سیّدنا عباس رضی اللہ عنہما نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا: ''یا رسولؐ اللہ! ابوسفیان سردارانِ مکہ میں سے ہے، لہٰذا آپؐ اس کے لیے کوئی مناسب معاملہ کر دیں جو اس کے لیے باعث عزت وشرف اور موجب امتیاز ہو۔ ارشاد فرمایا: ''اعلان کر دو کہ جو ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے اس کے لیے بھی امن ہے۔''

ابوسفیانؓ نے کہا: ''یا رسولؐ اللہ! میرا گھر کوئی اتنا بڑا نہیں ہے کہ سب آدمی اس میں سما سکیں۔'' فرمایا: جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے اس کے لیے بھی امان ہے۔'' ابوسفیان نے پھر عرض کیا: ''یا رسول اللہ! مسجد حرام میں اتنے آدمی کہاں آ سکتے ہیں؟''

فرمایا:

''اچھا، جو شخص اپنا دروازہ اندر سے بند کر دے وہ بھی مامون ہے۔''❶

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ دورِ جاہلیت میں بھی سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عباس رضی اللہ عنہما میں دوستی اور ہم نشینی تھی۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ بنو ہاشم اور بنو اُمیہ کے اکابر اور بزرگ آپس میں دوستی رکھتے تھے، چنانچہ اِنھی قدیم مراسم کے تحت ان دونوں حضرات کی بھی آپس میں دوستی تھی۔ اس دوستی کے تحت سیّدنا عباس، سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے ساتھ اس نرمی اور بردباری سے پیش آ رہے تھے۔❷

ابوسفیانؓ جو کچھ بھی تھے ذاتی طور پر ایک شریف انسان تھے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم نے اپنی کتاب ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' میں لکھا ہے کہ:

---

❶ مسلم: ٢/ ١٠٤، مصنف عبدالرزاق: ٥/ ٣٧٦، مصنف ابن ابی شیبه: ١٤/ ٤٩٦، زاد المعاد: ٣/ ٣٥٤، البدایه والنهایه: ٤/ ٢٩٠، عیون الاثر: ٢/ ٢٢٩، طبقات ابن سعد: ٢/ ٩٨، نسب قریش، ص: ١٢٢.

❷ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الاستیعاب: ٤/ ٨٦، اسد الغابه: ٥/ ٢١٦، کتاب المحبر لابی جعفر محمد بن حبیب، ص: ١٧٥.

Marfat.com

"مکہ میں نیک دل اشراف کی بھی کمی نہ تھی۔ جب کچھ آوارہ لڑکے (بڑوں کے ایماء پر) مکہ کی گلیوں میں رسول اللہ ﷺ کا تعاقب کرتے اور ان پر پتھر وغیرہ پھینکتے، اس وقت اگر رسول اللہ ﷺ ابوسفیان کے گھر کے قریب ہوتے تو حضور ﷺ اس گھر میں پناہ حاصل کر سکتے تھے۔ ابوسفیان خود آوارہ چھوکروں کو ڈانٹ کر بھگا دیتے۔ جب یہ آوارہ منش لڑکے بھاگ جاتے تو سرکارِ دو عالم ﷺ اپنی راہ لیتے۔ ایک روز بزدل اور کمینے ابوجہل نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے منہ پر تھپڑ مارا اور وہ رونے لگیں۔ ابوسفیان ادھر سے گزر رہے تھے۔ انھوں نے سیّدہ سے رونے کا سبب پوچھا۔ جب سیّدہ نے انھیں تمام ماجرا سنایا تو ابوسفیان نے سیّدہ کو بازو سے پکڑ لیا اور سیدھے ابوجہل کے پاس گئے اور اس کے دونوں ہاتھ قابو کر لیے۔ پھر انھوں نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ وہ ابوجہل کے منہ پر تھپڑ ماریں اور اپنا بدلہ چکائیں۔ سیّدہ نے ابوجہل کو تھپڑ مارا اور مسکراتی ہوئی چلی گئیں۔ فطری بات ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ ابوسفیان کے لیے اظہارِ تشکر کے بغیر نہ رہ سکے۔"

اس واقعہ سے ابوسفیان کی ذاتی شرافت ضوافشاں ہے۔ آپ کی زندگی جو کفر میں گزری اس کے کسی واقعہ سے یہ اُجاگر نہیں ہوتا کہ انھوں نے کبھی کسی مسلمان پر یا خود سرکارِ دو عالم ﷺ پر کوئی سختی کی ہو۔

رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے باعث جماعت صحابہ میں داخل ہو گئے۔ اور سرکارِ دو عالم ﷺ کا صحابی ہونا اسلام میں وہ مقام اور درجہ رکھتا ہے کہ اس کے برابر اور کوئی چیز نہیں ہے۔ چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے:

((ان شان الصحبة لا يعدله شيء.)) [1]

"حضور ﷺ کی صحبت کے برابر اور کوئی چیز نہیں ہے۔"

سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کی وجہ سے سیّدنا ابوسفیان جو کہ رئیس الاعداء تھے، اب رسول اللہ ﷺ سے دل و جان سے محبت کرنے لگے۔ آپ اسلامی لشکر کے ساتھ ہی اب مکہ میں مسلمان ہو کر داخل

---

[1] الاصابه: ۲۱/۱.

Marfat.com

ہوئے۔ جب مکہ سے گئے تو کافر تھے، داخل ہوئے تو مومنِ کامل تھے۔ نگاہِ نبوت نے لمحوں میں تقدیر بدل کر رکھ دی۔ جہنم کی اتھاہ گہرائیوں سے جنت الفردوس میں پہنچ گئے۔

فتح مکہ کے روز ایک اور واقعہ پیش آ گیا، وہ یہ کہ جس موقع پر مکہ فتح ہوا اور مسلمان فاتحانہ طور پر مکہ میں داخل ہوئے تو بجائے قتل و غارت کرنے کے جیسا کہ فاتح افواج کرتی ہیں یہ تکبیر و تہلیل کہتے ہوئے داخل ہوئے اور ساری رات بیت اللہ کے طواف اور مسجد الحرام میں نوافل میں سجدہ ریز رہے۔ صبح تک یہی سلسلہ جاری و ساری رہا۔ اس رات ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ ہند بنت عتبہ سے کہا:

''کیا یہ سب معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کہ یکا یک ایسا انقلاب آ گیا۔ لوگوں کے دلوں کی دنیا تبدیل ہوگئی اور ایک ہی رات میں بغیر کسی کشت و خون اور تاخت و تاراج کے مکہ فتح ہو گیا۔''

صبح کے وقت جب ابوسفیان بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: ''کیا تو نے رات اپنی اہلیہ ہند سے یہ بات کہی تھی کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے اور پھر تمھاری بیوی نے تمھاری اس بات کی تصدیق بھی کی۔'' ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے یہ بات سن کر عرض کی: ''بے شک یا رسولؐ اللہ! ایسی بات ہوئی ہے اور میری اہلیہ نے میری اس بات کی کھلے لفظوں میں تصدیق کی ہے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے مقبول بندے اور رسولِ برحق ہیں۔ میری یہ بات میری اہلیہ ہند کے سوا کسی اور نے نہیں سنی۔

((اشهد انك عبدالله ورسوله، والّذى يحلف به ماسمع قولى هذا احد من الناس غير هند.)) ❶

حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام میں بھی اسی طرح پختہ ہو گئے جس طرح کفر میں پختہ تھے۔ فتح مکہ کے فوراً بعد غزوۂ حنین پیش آیا۔ اس غزوہ میں سیّدنا ابوسفیان اور ان کے دونوں صاحبزادے یزید بن ابی سفیان اور معاویہ بن ابی سفیان بھی شریک ہوئے۔ اس جنگ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح سے نوازا اور بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم غنائم کے موقع پر نئے مسلمان ہونے والوں کو تالیف قلب کے طور پر معمول سے زیادہ مال عطا فرمایا۔ چنانچہ سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں بیٹوں کو ایک ایک سو اونٹ اور چالیس چالیس اوقیہ چاندی

❶ البدايه والنهاية : ٤/٣٠٤، كنز العمال، كتاب الغزوات : ٥/٢٩٧.

Marfat.com

عطا فرمائی۔ سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں عرض کیا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ نہایت مہربان اور کریم ہیں؛

((واللّٰہ! حاربتك فنعم المحارب كنت ، ولقد سالمتك فنعم المسالم انت جزاك اللّٰه خيراً .)) ❶

''آپ سے جنگ کی تو آپ کو بہترین جنگی معاملہ کرنے والا پایا، اور آپ سے صلح کی تو آپ کو عمدہ صلح کرنے والا پایا، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔''

جنگ حنین میں قریباً چھ ہزار مرد و زن جنگی قیدی بنائے گئے۔ یہاں ایک بڑے معتمد شخص کی ضرورت تھی جو ان جنگی قیدیوں کو کچھ عرصہ زیرِ حراست رکھے۔ اس کے لیے سرکارِ دو عالم ﷺ نے سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا، جو ان کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز تھا کیوں کہ اتنا اہم منصب کسی جدید الاسلام شخص کو نہیں دیا جا سکتا تھا۔ یہ نبوت کے ان پر اعتماد کی دلیل تھی کہ یہ منصب انھیں عطا فرمایا گیا۔ ❷

غزوۂ حنین کے بعد آپ نے اسلامی فوج کے ساتھ غزوۂ طائف میں بھی شرکت فرمائی۔ جنگ کے دوران ایک شخص سعید بن عبید ثقفی نے نشانہ باندھ کر تیر مارا جس سے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی ایک آنکھ اپنے مقام سے باہر آ گئی۔ سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے قتادہ بن نعمان کی طرح جن کی آنکھ جنگ احد میں اسی طرح باہر رخسار پر لٹک آئی تھی۔ ❸ اپنی لٹکی ہوئی آنکھ کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ: ''یا رسولؐ اللہ! میری آنکھ کو اللہ کے راستہ میں یہ عارضہ لاحق ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر آپ چاہیں تو میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کر دیتا ہوں اور آنکھ آپ کو واپس مل جائے گی۔ اور اگر آپ صبر کریں تو آپ کے لیے جنت کی بشارت ہے۔ سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے آپ کے منہ سے جنت کی بشارت سن کر عرض کی: ''مجھے آنکھ نہیں جنت چاہیے۔'' ❹

---

❶ الاستيعاب: ١٨٣/٢، اسد الغابه: ١٢/٣. ❷ مصنف عبدالرزاق: ٣٨١/٥.

❸ مسند ابی يعلى، رقم: ١٥٤٩، دلائل النبوة للبيهقى: ٩٩/٣، الاصابه: ٣١٨/٥، اسد الغابه: ٣٧٠/٤

❹ الاصابه: ١٧٢/٢، المحبر لابى جعفر بغدادى، ص: ٢٦١، فتوح البلدان، ص: ٦٣، سيرة حلبيه: ١٣٢/٣، المعارف لابن قتيبه، ص: ١٥٠.

Marfat.com

اس بڑھاپے میں اپنی ایک آنکھ کی راہِ خدا میں قربانی کرنا ان کے جذبۂ ایثار اور اسلام کے لیے اخلاص کی بیّن دلیل ہے۔

وہ بت جن کو اہلِ مکہ اور عرب کے دوسرے قبائل پوجتے تھے، ان کے مسلمان ہونے کے بعد اب ان کا گرانا ضروری تھا۔ قبیلہ ثقیف اگرچہ مسلمان ہو گیا تھا لیکن ان کی خواہش تھی کہ ان کا یہ بت نہ گرایا جائے

زندگی نذرِ حرم تو ہو چکی لیکن سرور
ہے عقیدت کا وہی عالم صنم خانوں کے ساتھ

لیکن اسلام ان خواہشات کے بتوں کو توڑنے کے ساتھ ساتھ پتھر اور مٹی کے ظاہری بتوں کو بھی توڑنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ''لات'' بت کو توڑنے کے لیے سیّدنا ابوسفیان اور سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو بھیجا گیا۔ انھوں نے جا کر اس بت کو توڑا۔ ❶

اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو تحدید کے مقام پر ''منات'' کا بت گرانے کے لیے بھیجا جو انھوں نے جا کر گرا دیا۔ ❷

ایمان لانے کے بعد سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے دل کی دنیا بالکل تبدیل ہو گئی۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظر کیمیا اثر کا کمال اور اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا۔ اب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ پر اس قدر اعتماد ہو گیا کہ آپس میں ہدایا کا تبادلہ بھی ہونے لگا۔ چنانچہ ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے لیے عجوہ کھجوریں بھیجیں اور ساتھ ہی لکھا: عمرو بن اُمیہ ضمری کے ہاتھوں اس کے عوض میں چمڑے کی کھال ارسال کریں۔ چنانچہ سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ہدیہ کو قبول کرتے ہوئے اس کے عوض میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھال ہدیتاً ارسال کی۔ ❸

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس رئیسِ مکہ پر اس قدر اعتماد تھا کہ آپ نے اپنے آخری ایام میں ان

---

❶ ابن هشام: ٢/ ٥٤٠، البدايه والنهايه: ٥/ ٣٠، ٨/ ٤٩، جوامع السيرة لابن حزم، ص: ٢٥٧.

❷ الاصابه: ٢/ ١٧٢، تهذيب التهذيب: ٢/ ٥٤٢.

❸ الاصابه: ٢/ ١٤٢، تاريخ خليفه بن خياط: ١/ ٦٢، كتاب الاموال لابى عبيد القاسم، ص: ٢٥٧.

Marfat.com

کو نجران کا عامل اور حاکم بنایا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ صدقات وغیرہ پر والی اور امیر تھے۔ ❶

آج تو بعض لوگ سیّدنا سفیان رضی اللہ عنہ کے ایمان ہی کو شک کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سیّدنا ابوسفیان وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے ایک ایسے مرتد کو قتل کر دیا جس نے اپنی بدبختی اور شومئی قسمت کی وجہ سے اسلام قبول کرنے کے بعد اس سے انحراف کیا۔ وہ شرعی طور پر واجب القتل تھا کیوں کہ مرتد کے بارے میں ارشاد نبوی ہے:

((من بدل دينه فاقتلوه .)) ❷

''جو شخص اسلام قبول کرنے کے بعد اس سے انحراف کرے اسے قتل کر دو۔''

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیّدنا ابوسفیان پہلے شخص ہیں جنھوں نے مرتد کو شرعی اور اسلامی سزا دی یعنی یہ کہ اس کو قتل کر دیا۔ ❸

حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد قریباً ہر غزوہ میں شریک ہوئے۔ عہد صدیقی میں تو آپ کے بڑے صاحبزادے سیّدنا یزید رضی اللہ عنہ فوج کے ایک حصہ کے سپہ سالار تھے۔ جنگ یرموک میں بھی وہ شریک جنگ تھے۔ اس جنگ میں نہ صرف سیّدنا یزید رضی اللہ عنہ شریک تھے بلکہ آپ کے والد سیّدنا ابو سفیان، آپ کی والدہ ہند اور آپ کے بھائی معاویہ رضی اللہ عنہم بھی شریک تھے۔ آپ کی والدہ ہند سپاہیوں کو جنگ پر اُبھارتی تھیں۔ ❹

جنگ یرموک میں ابوسفیان ''القاص'' کے منصب پر فائز تھے۔ اس منصب کا مطلب یہ تھا کہ فوج میں خطیب کی ضرورت ہوتی ہے جو فوج کی ہمت افزائی اور ان کے جذبات کو اُبھارنے کے لیے لیکچر اور خطبہ دیتا ہے۔ سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے نہایت اعلیٰ طریقے سے اس منصب کا حق ادا کیا۔ ❺ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس جنگ میں ان کے خطبات کے فقرات نقل کیے ہیں۔ ❻ آپ نے فوج کے جوانوں کو نہایت اچھے طریقے سے دشمن کے ساتھ قتال کے لیے اُبھارا اور فرمایا:

---

❶ تاريخ خليفه بن خياط: ٦٢/١، جوامع السيرة، ص: ٢٣، كتاب نسب قريش معصب زبيرى، ص: ١٢٢، كتاب المحبر، ص: ١٢٦، سنن دار قطنى: ١٦/٤.

❷ مؤطا امام مالك، ص: ٣٠٨.

❸ تفسير ابن كثير: ٣٤٩/٤، الدر المنثور: ٢٠/٦.

❹ فتوح البلدان، ص: ١٤٢

❺ البدايه والنهايه: ٧/٨.

البدايه والنهايه: ٩/٧.

Marfat.com

''یا معشر اہل الاسلام! یہ اللہ کے رسولؐ اور جنت تمھارے سامنے ہے اور شیطان اور آگ تمھارے پیچھے ہے۔''

فوج میں شامل عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا: ''جس شخص کو فوج سے پشت دے کر فرار ہوتا دیکھو تو اسے پتھروں اور ڈنڈوں سے خوب پیٹو حتی کہ وہ فوج کی طرف واپس آ جائے۔ ❶

جب مسلمانوں پر رومیوں کا ریلا زیادہ ہوا تو سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ لڑتے بھی جاتے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فتح و نصرت کی دُعا بھی فرماتے جاتے اور ساتھ ہی جان نثارانِ اسلام کو اُبھارتے بھی جاتے کہ:

''اللہ! اللہ! تم لوگ عرب کا ہالہ، اس کا خلاصہ اور اس کے دست و بازو ہو اور تمھارے حریف سلطنت روم کا ہالہ، اس کا خلاصہ اور مشرکین کے دست و بازو ہیں، اے اللہ! آج کا دن تیرا دن ہے تو اپنے بندوں کی مدد فرما۔'' ❷

مشہور تابعی سیّدنا سعید بن المسیب رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ یرموک کے روز جب کہ مسلمان رومیوں سے نبرد آزما تھے۔ ہر طرف ایک ہو کا عالم طاری تھا۔ جنگ کی شدت کے باعث تمام لوگ چپ تھے، صرف تلواروں کے ٹکرانے کی آواز آ رہی تھی، لیکن اس ہو کے عالم میں ایک آدمی ایسا تھا جو بہ آواز بلند پکار رہا تھا:

((یا نصر اللّٰہ اقترب، یا نصر اللہ اقترب.))

''اے اللہ کی مدد جلد آ، اے اللہ کی مدد جلد آ۔''

میں نے سر اُٹھا کر دیکھا کہ یہ کس کی آواز ہے تو وہ سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے جو اپنے فرزند ارجمند سیّدنا یزید رضی اللہ عنہ کے جھنڈے تلے رومیوں سے نبرد آزما تھے۔ ❸

علامہ ابن خلدون نے اس موقع پر سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے لیے بڑے تحسین آمیز کلمات بیان

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۰، ۱۱.

❷ المنتقی للذہبی، ص: ۲۵٤، فتوح البلدان، ص: ۱٤۲، اسد الغابہ: ۵/ ۲۱٦، تاریخ الاسلام للذہبی: ۲/ ۹۷.

❸ تہذیب التہذیب: ٤/ ٤۱۲، اسد الغابہ: ۵/ ۲۱٦، تاریخ الاسلام للذہبی: ۱/ ۱۰، البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱٤، الاصابہ: ۲/ ۱۷۲، کتاب نسب قریش، ص: ۱۲۲.

Marfat.com

کیے ہیں اوز فرماتے ہیں کہ یہ ثابت قدمی ان کے ایمان کی مضبوطی اور پختگی کی دلیل ہے۔ یہ واقعہ جمادی الاولیٰ ۱۳ھ کا ہے۔ ❶

سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس جنگ میں نہ صرف فوج کو اُبھارا بلکہ اپنے بیٹے یزید رضی اللہ عنہ کو جو فوج کے ایک حصہ کے سپہ سالار بھی تھے، ان الفاظ میں صبر واستقامت کی تلقین کی:

''اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور صبر واستقامت کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ اس وادی میں موجود مسلمان قتال میں گھر گئے ہیں۔ آپ اور آپ جیسے دوسرے حضرات اس وقت مسلمانوں کے معاملات کے ذمہ دار ہیں، اور صبر ونصیحت اور خیر خواہی کے زیادہ مستحق ہیں۔

''اے بیٹے! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیے، آپ کے ساتھیوں میں سے کوئی شخص جنگی معاملہ میں اجر وثواب اور صبر واستقامت میں آپ سے زیادہ راغب نہ ہو، اور دشمنانِ اسلام کے خلاف آپ سے زیادہ باحوصلہ اور جرأت مند نہ ہو۔''

بیٹے نے سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی اس نصیحت کو سن کر کہا: ''ان شاء اللہ، میں اس پر عمل کروں گا۔ پھر آپ نے نہایت سخت قتال کیا کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔'' یہاں تک کہ حق تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں کو فتح مندی اور نصر وظفر سے ہم کنار کیا۔ ❷

مسلمانوں کو اس جنگ یرموک میں فتح تو ہوگئی اور رومی ہزیمت خوردہ اپنی لاشیں تک چھوڑ کر بھاگ گئے لیکن سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اپنی دوسری آنکھ بھی اس معرکہ میں کھودی۔

پہلی آنکھ غزوۂ طائف میں راہِ خدا میں کھو چکے تھے اور دوسری آنکھ اب یرموک کے میدان میں اسلام کی خاطر قربان کردی۔ اب بالکل بے بصر ہوگئے۔ ❸

سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے آخری عمر میں کچھ زمانہ تو مکہ مکرمہ میں گزرا۔ اس کے بعد مدینہ منورہ میں اقامت پذیر ہوگئے اور بالآخر مدینہ ہی میں انتقال فرمایا۔ آپ کا انتقال ۳۱ھ میں ہوا ہے۔

---

❶ تاریخ ابن خلدون: ۲/ ۹۰۰.

❷ البدایہ والنہایہ لابن کثیر: ۷/ ۱٤.

❸ تاریخ الاسلام للذہبی: ۲/ ۹۷، طبری: ٤/ ۳٦، اسد الغابہ: ۳/ ۱۲، سیرت حلبیہ: ۳/ ۱۳۲، کتاب نسب قریش، ص: ۱۲۲.

Marfat.com

اگرچہ بعض اقوال ۳۲ھ اور ۳۴ھ کے بھی ہیں لیکن مشہور ۳۱ھ ہے۔ ❶

نمازِ جنازہ آپ کے صاحبزادے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ ایک روایت میں ہے کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر ۸۳ سال تھی اور دوسری روایت میں نوے (۹۰) اور کچھ سال تھی۔ ❷

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اس جنگ یرموک میں مسلم خواتین کی قیادت ایک اُموی خاتون سیّدہ جویریہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے فرمائی۔ ❸

اگرچہ اسلام لانے کے بعد سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی خدمت اسلام کے لیے وقف کر دی لیکن پھر بھی بعض دین دشمن عناصر نے ان کے بارے میں غلط قسم کی روایات کتابوں میں گھسیڑ دیں۔ کسی نے کہہ دیا کہ یہ خاندان (معاذ اللہ) منافق تھا۔ یہ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے صرف ظاہری طور پر مسلمان ہوئے تھے، ان سب روایات کے بارے میں علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

((له اخبار من نحو هذا ردّية .)) ❹

''ان کے بارے میں اس قسم کے واقعات جس قدر ہیں وہ سب ردّی، لغو اور مہمل ہیں۔''

اور علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

((نقل عنه من هذا الجنس اشياء كثيرة لاتثبت .)) ❺

''ان کے متعلق اس قسم کے بہت سے واقعات نقل کیے جاتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔''

ہند بنت عتبہ بن ربیعہ والدہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہما

سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کئی شادیاں کیں جن کا تذکرہ مصعب الزبیری نے اپنی کتاب ''نسب

---

❶ التبيين فى انساب القرشيين ، ص: ٢٠٣.
❷ التبيين فى انساب القرشيين ، ص: ٢٠٤.
❸ الصديق، ص: ٢٠٦.
❹ الاستيعاب: ٢/ ٧١٠.
❺ اسد الغابه: ٥/ ٥١٦.

Marfat.com

قریش'' میں کیا ہے۔ ان میں سے ایک شادی آپ نے صفیہ بنت ابی العاص بن اُمیہ سے کی جس سے آپ کا ایک بیٹا حنظلہ پیدا ہوا جس کے نام پر آپ کی کنیت ''ابو حنظلہ'' تھی۔ اس میں سے ایک بیٹی رملہ بنت ابی سفیان پیدا ہوئیں جو اُم المؤمنین اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نام سے مشہور ہیں۔ اور دوسری بیٹی اُمیمہ بنت ابی سفیان پیدا ہوئیں۔ آپ کی یہ بیوی صفیہ سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔

ایک اور شادی آپ نے زینب بنت نوفل بن خلف سے کی۔ اس سے ایک بیٹا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ پیدا ہوا جو اسلام کا ایک بہترین جرنیل تھا اور تاریخ میں ''یزید الخیر'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ایک اور شادی آپ نے لبابہ بنت ابی لعاص بن اُمیہ سے کی۔ اس سے ایک بیٹی میمونہ بنت ابی سفیان پیدا ہوئی۔ ایک اور شادی صفیہ بنت ابی عمرو بن اُمیہ سے کی، اس سے ایک بیٹا عمرو بن ابی سفیان اور دو بیٹیاں صخرہ بنت ابی سفیان اور ہند بنت ابی سفیان پیدا ہوئیں۔

ایک اور شادی آپ نے ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس سے کی۔ اس سے آپ کے بیٹے معاویہ اور عتبہ بن ابی سفیان اور بیٹیاں جویریہ اور اُم الحکم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ ہند بنت عتبہ بڑی باذوق، ذہین، سمجھ دار اور شاعرہ تھیں۔ کہتے ہیں کہ وہ ابوسفیان کے نکاح میں آنے سے پہلے الفاکہ بن مغیرہ کے نکاح میں تھی۔ الفاکہ بن مغیرہ عرب کے نوجوانوں میں سے ایک تھا۔ اس کے بڑے ندیم اور ساتھی تھے جو اس کے گھر میں بغیر اجازت ہی آ جایا کرتے تھے۔

ہند ایک روز مکان کے اس کمرہ میں گئی جہاں اس کا شوہر الفاکہ اپنی محفل جمایا کرتا تھا۔ وہاں نہ الفاکہ تھا اور نہ اس کا کوئی ساتھی۔ ہند اس کمرہ میں آرام کے لیے بیٹھ گئی کہ اسے نیند نے آ دبوچا۔ ہند سوئی ہوئی تھی کہ الفاکہ کا ایک ساتھی کمرہ میں آیا۔ اس نے دیکھا کہ ہند اکیلی وہاں سوئی ہوئی ہے لہٰذا وہ باہر نکل گیا۔ جونہی وہ باہر نکلا تو ادھر سے ہند کا شوہر الفاکہ آ گیا۔ اس نے اس کو اپنے گھر سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا، لہٰذا الفاکہ نے اپنی بیوی ہند پر اس مرد کی تہمت لگا دی حالانکہ ہند بالکل سوئی ہوئی تھی اور وہ شخص بھی اسے سوئے ہوئے دیکھ کر گیا تھا۔ لیکن الفاکہ نے ان دونوں پر ناجائز تہمت لگا دی۔ جب یہ معاملہ بڑھ گیا تو فیصلہ یہ ہوا کہ ہند کو لے جا کر فلاں کاہن کے سامنے پیش کیا جائے۔ وہ

Marfat.com

اپنے علم سے جو فیصلہ کرے اس کو قبول کیا جائے۔ چنانچہ ہند کا باپ عتبہ اور ہند اور اس کا شوہر الفاکہ یہ تینوں اس کاہن کے پاس جا رہے تھے، جب وہ اس کاہن کے گاؤں کے قریب پہنچے تو عتبہ نے دیکھا کہ اس کی بیٹی کا رنگ سفید پڑ گیا ہے جیسے کہ جسم میں خون نہیں ہے۔ وہ بیٹی کو ایک طرف لے گیا اور کہا: بیٹی یہ تیرے رنگ اور جسم میں کیا تغیر دیکھ رہا ہوں۔ اگر تو واقعتاً کسی گناہ کی مرتکب ہوئی ہے تو مجھے بتا دے تاکہ ہم کاہن کے پاس جا کر ذلیل نہ ہوں۔ بیٹی نے جواب دیا! ابا جان! میں اس مذموم گناہ سے بالکل پاک اور بری ہوں لیکن میں یہ سمجھتی ہوں کہ وہ کاہن جس کے پاس ہم جا رہے ہیں وہ ایک انسان ہے۔ وہ غلطی بھی کر سکتا ہے اور صحیح بات بھی کہہ سکتا ہے۔ اگر اس نے غلطی سے مجھے اس جرم کا مرتکب قرار دے دیا تو یہ قیامت تک کے لیے میرے اور میرے خاندان کے لیے ایک باعث ننگ و عار بات ہوگی۔ بات ہند کی بالکل درست تھی۔ بہر حال ہند کو وہاں عورتوں میں جا کر بٹھا دیا اور کاہن سے کہا گیا کہ وہ ہند کے بارے میں اپنا فیصلہ دے۔ وہ اُٹھا اور اس نے ہند کے دونوں شانوں کے درمیان ہاتھ سے مارا اور کہا: ''اٹھ! تو بالکل پاک صاف ہے، اور تو مستقبل میں ایک بچے کو جنم دے گی جو صاحبِ اقتدار ہوگا۔ یہ بات سن کر ہند کا شوہر الفاکہ خوشی سے اچھل پڑا۔ میری بیوی اس تہمت سے بالکل بری ہے جو میں نے اس پر لگائی تھی۔ جونہی اس نے ہند کا ہاتھ پکڑا تو ہند نے فوراً اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور کہا کہ تو نے مجھ پر اتنی بڑی تہمت لگائی جس نے میری شخصیت کو پاش پاش کر دیا لہٰذا اب میں تیرے ساتھ نہیں رہوں گی۔ چنانچہ اس کے بعد ابوسفیان سے ہند کی شادی ہوئی اور ابوسفیان سے اس کے ہاں معاویہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ ہند اب ایک ایسے شخص کی اہلیہ تھی جو ہر سال مکہ کے تجارتی قافلہ کی قیادت کرتا تھا۔ خود بھی ایک رئیس تھا اور رؤسا کے ساتھ اس کے تعلقات تھے۔ ہند کا والد عتبہ بھی مکہ کا ایک بہت بڑا رئیس اور مالدار شخص تھا جس کی طائف وغیرہ میں بھی کوٹھیاں تھیں۔ اور وہ دونوں بھائی موسم گرما اکثر و بیشتر طائف ہی میں گزارا کرتے تھے۔ ان کا ایک ملازم عداس بھی ان کے ساتھ وہاں جاتا تھا۔ ❶

مؤرخین نے لکھا ہے کہ ہند کو اللہ تعالیٰ نے فہم و فراست اور اہلیت سے حظِ وافر عطا فرمایا تھا:

((وكانت من سيّدات نساء قريش ، ذات رائ ودهاء و رياسة

---

❶ التبيين في انساب القرشيين ، ص: ٢١٩، سيرة حلبيه : ٥/ ٢٩٠.

Marfat.com

فی قومها .))

''یعنی ہند قریش کی سردار عورتوں میں سے تھیں' صاحب رائے ، زیرک و عقل مند، خود دار اور بڑی ہوش مند تھیں۔ اپنی قوم میں اپنی صنف کے لیے رئیس تصور کی جاتی تھیں۔''

یہ بھی ہے کہ:

((وکانت امرأة لها نفس وانفه و رائی و عقل .)) ❶

جیسا کہ گھر کا ماحول تھا وہ بھی اسلام لانے سے قبل مسلمانوں کی سخت دشمن تھی۔ اس کے خاوند ابوسفیان نے اپنے منصب کے مطابق مسلمانوں کے خلاف سوائے بدر کے ہر جنگ میں قریش کی قیادت کی۔ جنگِ بدر میں ابوسفیان مکہ میں موجود نہیں تھے اس لیے قریشی فوج کی قیادت ہند کے والد عتبہ کے ہاتھ میں تھی۔ جنگ بدر میں ہند کے تین عزیز ترین رشتہ دار مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ والد، بھائی اور تایا (شیبہ) اس وجہ سے بھی وہ مسلمانوں کے سخت خلاف تھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جنگ اُحد میں جو جنگ بدر کا انتقام لینے کے لیے لڑی گئی، عورتوں کی قیادت ہند کے ہاتھ میں تھی اور وہ اپنے ترانوں اور شعروں سے قریشی فوج کو اُبھارتی تھیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ انھوں نے سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا، لیکن محقق مؤرخین کے نزدیک یہ روایت صحیح نہیں ہے، اور درایت کے لحاظ سے بھی یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی، کیوں کہ جس نے سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، اس کے بارے میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جب بھی تم میری مجلس میں آؤ تو میرے سامنے نہ بیٹھنا کیوں کہ تجھے دیکھ کر مجھے اپنا چچا حمزہ رضی اللہ عنہ یاد آ جاتا ہے، اور وہ عورت جو سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کا مثلہ کرے اور ان کے جگر کو چبائے، اس کے اسلام لانے پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسے ''مرحبا'' کے اعزاز سے نوازیں۔

حالتِ کفر میں جیسا کہ سب مکہ والوں نے اسلام، پیغمبرِ اسلام اور اہلِ اسلام کی سخت مخالفت کی، ہند بنت عتبہ بھی سخت مخالف تھیں۔ ہر مرحلہ اور ہر موقع پر اپنی مخالفت برقرار رکھی یہاں تک کہ جب فتح مکہ سے ایک دو روز قبل ان کے شوہر ایمان لائے تو بعض روایات میں ہے کہ انھوں نے اپنے شوہر کی بھی مخالفت کی، لیکن جب خود رات کی تاریکی میں گھر سے باہر نکل کر دیکھا کہ فاتح فوج بیت اللہ میں

---

❶ البدایه والنهایه : ٥١/٧ ، اسد الغابه : ٥٦٢/٥.

Marfat.com

رکوع وسجود اور طواف میں مشغول ہے اور یہ درویش صفت لوگ بجائے اس بات کے کہ اپنے قریشی دشمنوں سے اپنی ہونے والی زیادتیوں کا انتقام لیں، وہ تو عبادت الٰہی میں مشغول ہیں۔ تاریخ کے الفاظ ہیں:

((ولما رأت المسلمين ببيت الله الحرام، قالت: والله! ما رأيت الله عبد حق عبادته في هذا المسجد قبل الليلة، والله! ان باتوا الا مصلين قيامًا و ركوعاً و سجودًا.)) ❶

اس چیز نے ہند بنت عتبہ کے دل پر خاصہ اثر کیا اور وہ خود بخود اسلام لانے پر مائل ہوئیں۔ چنانچہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے ایک دو روز بعد ہند بھی حلقۂ اسلام میں داخل ہوگئیں، اور پھر اسلام پر ایسی پختہ اور مضبوط ہوئیں کہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ "حسن اسلامها." ❷

جیسا کہ اس زمانہ میں دستور تھا اور بت پرست قوموں میں اب بھی یہ دستور چلا آرہا ہے کہ گھر میں عبادت کے لیے ایک بت ہوتا تھا جس کی ہر صبح وشام عبادت کی جاتی تھی۔ سیّدہ ہند رضی اللہ عنہا بنت عتبہ جب دولتِ اسلام سے مشرف ہوئیں تو ان کے گھر میں بھی ایک بت تھا جس کی وہ صبح وشام عبادت کرتی تھیں۔ اسلام لانے کے بعد ایک کلہاڑی لی اور اس بت کو یہ کہتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے ریزہ ریزہ کر دیا کہ تیری وجہ سے ہم دھوکے میں پڑے رہے اور ہم تیرے فریب خوردہ تھے۔ (كُنَّا منك في غرور)

سیّدہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا فتح مکہ کے روز ایمان لائیں۔ قرآنِ حکیم میں ہے کہ:

''اے نبیؐ! جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں تو وہ آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی اور نہ چوری کریں گی، اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے کوئی بہتان گھڑیں گی اور نہ دستور کے مطابق کسی کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی، تو آپ

---

❶ نحو رؤيته جديدة للتاريخ، ص: ٢٠٠.

❷ اسد الغابه: ٥/٥٦٢، البدايه والنهايه: ٧/٥١، تهذيب الاسماء والصفات للنووى: ٢/٣٥٧.

❸ طبقات ابن سعد: ٨/١٧٢، تهذيب الاسماء واللغات للنووى: ٢/٣٥٧.

Marfat.com

ان کو بیعت کرلیا کریں، اور آپ ان کے لیے معفرت طلب کریں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔" (الممتحنة: ١٢)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ فتح مکہ کے روز کا واقعہ ہے جب رسول اللہ ﷺ مردوں کی بیعت سے فارغ ہو گئے تو آپ نے عورتوں کو بیعت کرنا شروع کیا۔ اس وقت آپ کوہِ صفا پر بیٹھے ہوئے تھے اور سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس پہاڑ کے نیچے تھے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: "میں تم سے اس پر بیعت لیتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گی۔ اس وقت ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ بھی منہ پر نقاب ڈالے خواتین کے ساتھ کھڑی تھیں۔ منہ اس لیے چھپایا ہوا تھا تاکہ حضور ﷺ کہیں مجھے پہچان نہ لیں کیوں کہ زمانہ جاہلیت کی ساری زیادتیاں اور قصور ان کی آنکھوں کے سامنے تھے۔ ہند نے سر اُٹھا کر کہا: "اللہ کی قسم! آپ ہم سے اسی چیز پر بیعت لے رہے ہیں جس پر آپ نے مردوں سے بیعت لی ہے۔ ہم نے آپ سے اس پر بیعت کر لی۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "اور تم چوری بھی نہیں کرو گی۔" ہند نے کہا: "اللہ کی قسم! میں ابوسفیان کے مال سے خرچ کرتی ہوں، مجھے نہیں معلوم کہ وہ مال میرے لیے حلال ہے یا نہیں۔" ابوسفیان نے کہا: "ہاں اس سے پہلے تم نے ماضی میں میرا جو مال لیا ہے وہ حلال ہے اور اس کے علاوہ بھی۔" اس پر نبی اکرم ﷺ نے پوچھا: "تم ہند بنت عتبہ ہو؟" اس نے کہا: "جی ہاں! آپ میرے گزشتہ قصور معاف فرما دیں، اللہ آپ کو معاف فرمائے گا۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "اور تم اپنی اولاد کو قتل بھی نہیں کرو گی۔" اس نے کہا: "یا رسول اللہ! ہم نے اپنی اولاد کو بچپن میں پالا اور جب وہ بڑے ہو گئے تو آپ نے ان کو قتل کر دیا۔" یہ سن کر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بہت ہنسے۔ اور آپؐ نے فرمایا: "اور نہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے کسی پر بہتان لگاؤ گی۔" بہتان یہ ہے کہ عورت کسی اور کے بچے کو اپنے خاوند کی طرف منسوب کرے اور کہے کہ یہ تمھارا بچہ ہے حالانکہ وہ اس کا بچہ نہ ہو۔" ہند نے کہا: "اللہ کی قسم! بہتان بہت بُری چیز ہے اور آپ اچھے اخلاق اور اچھی خصلتوں کا حکم دیتے ہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا: "اور تم دستور کے موافق کسی کام میں نافرمانی نہیں کرو گی، یعنی اللہ کی اطاعت میں۔ اور نبی اکرم ﷺ نے عورتوں کو نوحہ کرنے سے اور کپڑے پھاڑنے اور بال نوچنے سے منع کیا اور فرمایا: "تم شہر میں کسی مسافر کے ساتھ خلوت میں نہیں رہو گی اور بغیر محرم کے تین دن سے زیادہ سفر نہیں کرو گی۔"

Marfat.com

ہند نے کہا: ''ہم ان چیزوں میں سے کسی کی مخالفت نہیں کریں گی۔'' تب اللہ نے فرمایا: ''آپ ان کو بیعت کر لیجیے اور اللہ سے ان کے لیے مغفرت طلب کیجیے۔ بے شک اللہ بہت مغفرت فرمانے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے۔'' ❶

بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب عورتوں سے بیعت لیتے ہوئے یہ فرمایا: ''اور تم چوری نہیں کرو گی'' تو ہند بنت عتبہ نے عرض کیا: ''یا رسولؐ اللہ! ابوسفیان ایک بخیل شخص ہے، وہ مجھے گھر کے اخراجات کے لیے اتنی رقم نہیں دیتا جو میرے لیے اور میرے بال بچوں کے لیے کفایت کرتی ہو، تو کیا میں اس کے علم کے بغیر اس کے مال میں سے لے سکتی ہوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

((خذی من ماله ما یکفیك وبنیك بالمعروف .))

''اس کے مال میں سے اتنا لے لیا کرو جو دستور کے مطابق تیرے لیے اور تیرے بچوں کے لیے کافی ہو۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''اور تم زنا نہیں کرو گی'' اس پر ہند نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ایک آزاد عورت بھی زنا کرتی ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے اسے پہچان کر فرمایا:

((وانك لهند بنت عتبه .))

''اور کیا تو ہند بنت عتبہ ہے؟''

اس نے عرض کی: ہاں، اے اللہ کے رسولؐ! آپ میرے گزشتہ قصور معاف فرما دیں، اللہ آپ کو معاف فرمائے گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے بغیر مصافحہ کیے بیعت لی کیوں کہ آپ عورتوں سے مصافحہ نہیں فرماتے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ کبھی کسی غیر محرم عورت سے مس نہیں ہوا۔ چنانچہ حدیث میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو عورتیں ہجرت کر کے آتی تھیں رسول اللہ ﷺ ان کا امتحان لیتے تھے جیسا کہ سورۃ الممتحنہ کی آیت نمبر ۱۲ میں اس کا حکم ہے، اور جو مومن عورتیں اس آیت کی شرائط کا اقرار کر لیتیں تو ان سے آپ ﷺ فرماتے: ''میں نے تم کو بیعت کر لیا، اور اللہ کی قسم! بیعت کرتے وقت

---

❶ تفسیر مقاتل بن سلیمان : ۳/۳۵۳.

Marfat.com

آپؐ کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کیا۔ آپؐ ان کو صرف اپنے کلام سے بیعت فرماتے تھے۔ ❶

طبقات ابن سعد وغیرہ میں ہے کہ عورتوں سے بیعت لینے کے وقت ہند بنت عتبہ اپنے شوہر ابوسفیان کی اجازت سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نقاب پہن کر حاضر ہوئیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں معروضات پیش کرنے لگیں تو نقاب کھول دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پہچان کر پوچھا کہ تم ہند بنت عتبہ ہو، عرض کی: ہاں، یارسول اللہ!'' آپؐ نے فرمایا: ''مرحبا بك'' (خوش آمدید) آپ کا اس کے بارے میں یہ الفاظ کہنا ہند کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ ❷

ہند بنت عتبہ نے آپؐ کی بیعت کرنے کے بعد عرض کیا: ''یارسول اللہ! آج سے پہلے زمین پر کوئی ایسا گھرانا نہیں تھا جو میرے نزدیک آپ کے گھرانے سے زیادہ ذلیل اور ناپسندیدہ ہو، مگر آج اس کرۂ ارض پر کوئی ایسا گھرانا نہیں جو میرے نزدیک آپ کے خانۂ مبارک سے زیادہ محبوب اور معزز ہو۔'' اس کے جواب میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے حلف کے ساتھ اس کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا: ((قال وایضاً والّذی نفسی بیدہ .....)) ''تو ابھی اس بات میں بڑھے گی یعنی تیرے قلب میں ایمان ویقین اس کی اتھاہ گہرائیوں میں جاگزین ہوگا اور تیری محبت اللہ اور اس کے رسول کے حق میں مزید ہوگی۔

تاریخ کے اوراق اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ پھر یہ محبت اتنی بڑھی کہ جنگ یرموک میں سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا پورا گھرانا اسلام کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ لے کر حاضر تھا، جس میں خود سیّدنا ابوسفیان، ان کے دونوں بیٹے سیّدنا یزید اور سیّدنا معاویہ، ان کی اہلیہ ہند بنت عتبہ، ان کی صاحبزادی جویریہ اور جویریہ کا خاوند رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ سیّدہ ہند رضی اللہ عنہا مسلمانوں کو رومیوں کے قتال پر ترغیب دلاتی تھیں۔ بعض ہنگامی حالات میں مسلمانوں کو جوش دلاتے ہوئے فرماتیں:

---

❶ بخاری، رقم: ٤٨٩١، مسلم، رقم: ١٨٦٦، ابوداؤد، رقم: ٢٩٤١، ترمذی، رقم: ٣٣٠٦، مسند احمد: ١١٤/٦، ٢٧٠، سنن کبریٰ للبیهقی: ١٤٨/٨، ابن حبان، رقم: ٥٥٨١. یہ روایت بخاری میں اور مقامات پر بھی آئی ہے۔ ملاحظہ ہو: رقم: ٢٧١٣، ٢٧٢٣، ٤١٨٢، ٥٢٨٨، ٧٢١٤.

❷ ملاحظہ ہو: طبقات ابن سعد: ١٧٢/٨، بخاری، رقم: ٣٨٢٥، ٢٢١١.

Marfat.com

((عضدوا الغلفان بسیوفکم .)) ❶

''اے مسلمانو! ان غیر مختونوں کو اپنی تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔''

جنگ یرموک سے واپسی پر مدینہ طیبہ تشریف لائیں۔ عمر کا آخری حصہ اسی مقدس شہر میں گزارا اور ۱۴ھ میں اپنے شوہر ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے قبل انتقال فرما گئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جس روز سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ماجد سیّدنا ابوقحافہ کا انتقال ہوا اسی روز سیّدہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کا بھی انتقال ہوا۔ ❷

یہ سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔

سیّدہ ہند بن عتبہ رضی اللہ عنہا کوئی معمولی عورت نہیں تھی۔ ایک رئیس مکہ عتبہ کی صاحبزادی اور دوسرے رئیس مکہ ابوسفیان رضی اللہ عنہا کی اہلیہ۔ پھر رشتہ میں بھی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش دامن صاحبہ یعنی سیّدہ اُم حبیبہ اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا کے والد کی اہلیہ۔ قبیلہ کی سردار اور عقل مند عورتوں میں سے تھیں اور ان عقل مند عورتوں میں بھی ایک نمایاں حیثیت کی حامل تھیں۔ دیانت و امانت، صداقت و شرافت اس خاندان کی واضح خصوصیات تھیں۔ گزشتہ اوراق میں سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل نے سیّدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو تھپڑ مارا تو سیّدنا ابوسفیانؓ نے ابوجہل سے اسی وقت اس کا انتقام لے لیا اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ ہی سے ابوجہل کے منہ پر تھپڑ مروایا۔

اسی قسم کا ایک واقعہ سیّدہ ہند بنت عتبہ کا بھی کتابوں میں مرقوم ہے۔ وہ یہ کہ زمانۂ جاہلیت میں سیّدہ ہند کا سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں جو ابی العاص بن ربیع کی زوجہ محترمہ تھیں، آنا جانا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو مدینہ بھیجا کہ وہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ لے آئیں۔ بعض روایات میں ہے کہ ابوالعاص ہی سے کہا کہ وہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیں۔ ابوالعاص نے وعدہ کر لیا اور وہ ایک شخص کے ہاتھ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے والد کے پاس مدینہ بھیجنا چاہتے تھے۔ یہ جنگ بدر کے بعد کا واقعہ ہے جب کہ میدانِ بدر میں اساطین قریش کے مرنے والوں کا خون بھی ابھی خشک نہیں ہوا تھا۔ اور ہند بنت عتبہ کو تو جنگ بدر میں سخت ترین صدمات سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ اس کا

---

❶ ملاحظہ ہو: فتوح البلدان، ص: ۱٤۲، طبری: ۳٦٤، اسد الغابہ: ٥/٥٦۳.

❷ ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ: ۷/٥۱۔ اسد الغابہ: ٥/٥٦۳۔ التبیین فی انساب القرشیین، ص: ۲۱۹.

Marfat.com

باپ، اس کا بھائی اور اس کا تایا مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے اور ہند قریش کی مختلف مجالس میں انتقام کی آگ کو بھڑکانے کے لیے تگ و دو کر رہی تھی۔ اسی اثناء میں سیّدہ زینبؓ بنت رسول اللہ ﷺ ایک روز ہند کو راستہ میں ملیں اور ہند کو بتایا گیا تھا کہ زینب کے ابا جان محمد ﷺ نے اسے مدینہ بلا بھیجا ہے۔ ہند بنت عتبہ نے یہ سن کر کہا: ''اے محمد! (ﷺ) کی صاحبزادی! مجھے پتہ چلا ہے کہ تم اپنے باپ کے پاس مدینہ جانا چاہتی ہو؟ اگر ایسا ہے تو اے میرے چچا کی بیٹی! آپ کو سفر کے لیے جس قسم کے سامان کی ضرورت ہو، مجھے بلا جھجک بتا دینا یعنی تمھیں سفر کی سہولت اور آسانی کے لیے مال کی جس قدر حاجت ہو، وہ مجھے بغیر کسی شرم اور جھجک کے بتا دینا، میں تجھے ہر شے مہیا کروں گی۔ (فعندی حاجتك فلا تستحی منی) کیوں کہ مردوں کا معاملہ اور ہے اور عورتوں کا اور۔ دشمنی مردوں سے ہوتی ہے عورتوں سے نہیں۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ فرماتی ہیں: ''خدا کی قسم! میں نے جو چاہا اس نے مجھے مہیا کیا۔ جس روز میں مکہ سے مدینہ کے ارادہ سے نکلی تو قریش کے مرد میرے نکلنے پر مزاحم ہوئے۔ وہ مجھے بزور مکہ واپس جانے کے لیے کہہ رہے تھے۔ میں حاملہ تھی اور اونٹ سے گر پڑی اور میرا حمل ساقط ہو گیا۔ ہند بنت عتبہ نے جب یہ واقعہ سنا تو وہ جلدی سے دوڑتی ہوئی آئیں اور قوم کو مخاطب کر کے کہنے لگیں: ''تمھیں عورتوں سے لڑتے ہوئے شرم نہیں آئی؟ جنگ بدر میں تمھاری شجاعت کہاں گئی تھی؟ (این کانت شجاعتکم یوم بدر؟) پھر وہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا اور لوگوں کے درمیان حائل ہو گئی۔ مجھے گلے لگایا اور میرے ہاتھ پاؤں دبانے لگی۔ میرا خون وغیرہ پونچھا یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں میرے ابا جان حضرت محمد ﷺ تک پہنچنے کے معاملہ کو امن و امان سے مرتب کیا۔ [1]

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولادت:

ان شریف النفس میاں بیوی کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا۔ والدین نے اس کا نام معاویہؓ رکھا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہوں یا کوئی اور صحابی، اسلام لانے سے قبل ان کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے ایک ایسی قوم کو جس پر حکومت کرنا لوگ اپنے لیے باعث عزت نہ سمجھتے تھے، پوری دنیا کا حکمران بنایا۔ فرانس، اسپین اور دوسرے یورپین ملکوں کے ساتھ ساتھ افریقہ کے کئی شہروں میں بھی

---

[1] نحو رؤیته جدیدة للتاریخ، ص: ۲۰۸۔ فرسان من عصر النبوة، ص: ۸۵۳.

Marfat.com

مسلمانوں کے گھوڑے ہنہنانے لگے۔ اس وجہ سے کسی بھی شخص کا سن ولادت حتمی نہیں کہا جا سکتا، لیکن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سن ولادت کے بارے میں اہل سیرت نے لکھا ہے کہ یہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ۳۴ سال چھوٹے تھے۔ چنانچہ علامہ برہان الدین حلبی نے اپنی سیرت حلبیہ میں لکھا ہے کہ:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے ۳۴ سال بعد پیدا ہوئے۔ اس لحاظ سے آپ سے چونتیس سال چھوٹے تھے۔''❶

یہ بیان تو علامہ حلبی کا ہے لیکن دیگر علماء نے ان سے اختلاف کیا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پانچ سال قبل، کسی نے سات سال قبل اور کسی نے تیرہ سال قبل آپ کی ولادت کا سال تحریر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ: ''یہ قول کہ آپ کی ولادت بعثت نبوی سے پانچ سال قبل ہوئی، زیادہ مشہور ہے۔''❷

جب سال کا تعین ظن وتخمین پر ہے تو دن اور مہینہ تو یقینی طور پر کہا نہیں جا سکتا، کیوں کہ جب کوئی شخص پیدا ہوتا ہے تو کبھی کسی کو یہ بالکل پتہ نہیں ہوتا کہ یہ بڑا ہو کر کیا بنے گا، لہٰذا اس کی ولادت کے سن وسال کو کون اس زمانہ میں درج کرتا تھا۔

صورت وسیرت:

جس طرح آپ سیرت وکردار میں اعلیٰ تھے، اسی طرح آپ کی صورت میں بھی ایک خاص کشش اور جاذبیت تھی۔ رنگ سرخ وسفید کا امتزاج، سرو قد، لحیم وشحیم، وضع قطع اور چال ڈھال میں ایک خاص قسم کا رعب اور تمکنت، چہرہ کتابی، آنکھیں موٹی موٹی اور چتون شیر کی مانند۔❸ صورت وجیہہ، بظاہر شان وشوکت اور تمکنت لیکن مزاج میں زہد وتواضع اور فروتنی، نہایت درجہ بردبار، حلیم اور وسیع القلب۔❹ فقیر کی تمکنت اور امیر کی مسکنت کا بہترین امتزاج، داڑھی گھنی، مہندی اور وسمہ کے خضاب سے رنگی ہوئی، لباس میں سادگی بلکہ اکثر وبیشتر دسیوں پیوند صرف قمیص کو لگے ہوتے، چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: علی بن ابی جملہ نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ:

---

❶ سیرتِ حلبیہ: ۳/ ۴۰۵.

❷ الاصابہ: ۳/ ۴۱۲.

❸ مجمع الزوائد: ۹/ ۳۵۶۔ کتاب التنبیہ والاشراف، ص: ۳۰۲.

❹ کتاب الزھد، ص: ۱۷۲۔ ھسٹری آف عربز، پروفیسر ھٹی، ص: ۱۴۶۔

Marfat.com

''میں نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو دمشق میں منبر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا اور آپ نے پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔'' (وعلیہ ثوب مرقوع) ❶

یونس بن میسر الحمیری الزاہد جو کہ امام اوزاعی رحمہ اللہ کے اساتذہ میں سے ہیں، فرماتے ہیں:

''میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو دمشق کے بازار میں سوار دیکھا۔ آپ کے پیچھے آپ کا ایک غلام تھا، اور آپ ایک ایسی قمیص زیب تن کیے ہوئے تھے جس کا گریبان دریدہ تھا، اور آپ اسی حالت میں دمشق کے بازار میں پھر رہے تھے، (حالانکہ آپ وہاں کے حکمران تھے۔)

اس طرح کے اور بہت سے واقعات تاریخ کے اوراق میں ملتے ہیں، جن سے ان کے لباس کی سادگی کا پتہ چلتا ہے۔

علم میں گہرائی اور گیرائی:

دینی علوم میں آپ کا ایک خاص مقام تھا۔ قرآن وسنت میں اس گہرائی اور گیرائی کی وجہ سے صاحب فتویٰ صحابہ کرام میں شمار ہوتے تھے۔ ❷ اور بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے تفقہ فی الدین کے معترف تھے۔ چنانچہ جب سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک وتر پڑھنے کی بابت کہا گیا تو انھوں نے فرمایا:

((اصاب انّه فقيه .)) ❸

''اس نے درست کہا یقیناً وہ ایک فقیہ ہیں۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس موقع پر یہ فرمایا:

((اصاب اے بنی ليس احدمنا اعلم من معاوية .))

''اے میرے بیٹو! اس بارے میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے درست فرمایا اور ہم میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑا اور کوئی عالم نہیں۔'' ❹

---

❶ البدايه والنهاية: ٨/ ١٢٥.

❷ اعلام الموقعين: ١/ ١٤٥.

❸ بخاري: ١/ ٥٣١، المنتقىٰ للذهبى.

❹ السنن الكبرىٰ بيهقى: ٢/ ٢٦ـ ابن عساكر تحت عنوان معاويه بن ابى سفيان، جلد: ١٦.

Marfat.com

اس پر امام ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا:

((هذه شهادة الصحابة بفقهه ودينه والشاهد بالفقه ابن عباس رضی اللہ عنہما .)) ❶

''یعنی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فقاہت اور دین داری کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے یہ شہادت موجود ہے اور ان کے فقیہ ہونے پر سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جیسا ثقہ اور فقیہ الامت شخص شاہد ہیں۔''

مسند احمد بن حنبل میں زیر مسندات معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما میں بھی سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ اسی قسم کے الفاظ منقول ہیں، جن سے ان کی علمی ثقاہت کا پتہ چلتا ہے۔ ❷ بلکہ مسند احمد: ۴/۹۷ پر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیّدنا محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت بھی منقول ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک علمی اور کھاتے پیتے گھرانے میں پرورش پائی۔ اس زمانہ میں حدیث وتفسیر سب سے بڑا علم تھا۔ چنانچہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس علم میں اچھا خاصہ درک حاصل تھا۔

کتب حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ احادیث نبویہ کے راوی بھی ہیں اور مروی عنہ بھی، یعنی آپ نے احادیث روایت بھی کی ہیں اور آپ سے دوسروں نے بھی احادیث روایت کی ہیں۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے مندرجہ ذیل حضرات نے آپ سے روایات نقل کی ہیں۔

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، سیّدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، سیّدنا عبداللہ بن جریر البجلی رضی اللہ عنہ، سیّدنا صائب بن یزید رضی اللہ عنہ، سیّدنا معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ، سیّدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، سیّدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا امامہ بن سہل رضی اللہ عنہ۔

مندرجہ ذیل تابعین نے بھی آپ سے روایات نقل کی ہیں:

سیّدنا سعید بن المسیب رحمہ اللہ، سیّدنا عبداللہ بن حارث رحمہ اللہ، سیّدنا قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ اور سیّدنا ابوادریس خولانی رحمہ اللہ وغیرہم۔

---

❶ المنتقیٰ للذهبی: ۳۸۸-۳۸۹.

❷ مسند احمد: ٤/ ٩٥.

Marfat.com

ان کے علاوہ اور بہت سے حضرات ہیں، جنھوں نے آپ سے احادیث نقل کی ہیں۔ حافظ ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

"مندرجہ بالا حضرات اسلام کے ائمہ ہیں، انھوں نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایات نقل کیں، لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کتنے اعلیٰ درجہ کے مجتہد اور کتنے بڑے فقیہ تھے۔" ❶

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ احادیث کی روایت کرنے میں بہت محتاط تھے۔ اس معاملہ میں وہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ چنانچہ سیّدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ بیان روایت کے متعلق ہدایات دیتے ہوئے فرمارہے تھے کہ بے احتیاطی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو مت بیان کیا کرو۔ صرف وہ روایات بیان کرو جو عہد فاروقی میں بیان کی جاتی تھیں۔ سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اللہ سے ڈرنے والے تھے، لہٰذا وہ اپنے زمانہ میں بے اصل روایات کو روایت میں شامل نہیں ہونے دیتے تھے۔ اس فرمان کے بعد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے ایک مرفوع روایت بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((من یرد اللّٰہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین .)) ❷

"اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا فرمادیتے ہیں۔"

نہ صرف احادیث بلکہ فقہی مسائل میں بھی آپ دوسرے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بعض دفعہ دریافت فرماتے کہ اس مسئلہ میں ان کی کیا رائے ہے؟ آپ اگرچہ بقول سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما خود بھی فقیہ تھے۔ ❸ لیکن پھر بھی بعض مسائل میں دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے معلوم کرنا ضروری سمجھتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص الاحوص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ وہ عورت اپنی طلاق کی عدت گزارتے ہوئے تیسرے حیض میں تھی کہ الاحوص کا انتقال ہوگیا۔ اس کی وراثت کے سلسلہ میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے مشہور صحابی رسول سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آدمی بھیج کر وراثت

---

❶ تطھیر الجنان، ص: ٢٦۔ اسد الغابہ: ٤/ ٣٨٧.

❷ مسند احمد: ٤/ ٩٩.

❸ بخاری: ١/ ٥٣١.

Marfat.com

کا مسئلہ دریافت لیا۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

''چونکہ بیوہ تیسرے حیض میں داخل ہو چکی تھی اس لیے زوجین ایک دوسرے سے بری ہو چکے ہیں اور ان کی باہم وراثت جاری نہیں ہوگی۔'' ❶

اسی شام کے علاقہ میں ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک اجنبی شخص کے ساتھ قابلِ اعتراض حالت میں دیکھا تو اس نے بیوی اور اس اجنبی شخص دونوں کو موقع پر ہی قتل کر دیا۔ اس معاملہ کے فیصلہ میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک اشکال ذہن میں پیدا ہوا، تو آپ نے سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس مسئلہ کا حل طلب فرمائیں۔ چنانچہ سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر اس مسئلہ کا شرعی حل دریافت کیا۔ سیّدنا علیؓ نے جواب میں لکھا کہ: ''اگر قاتل چار گواہ پیش نہ کر سکے تو قتل کی دیت ادا کرے۔'' ❷

اس طرح کے اور کئی مسائل ہیں جن کا حل سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے دوسرے صحابہ کرامؓ سے پوچھا اور پھر ان کے فتویٰ کے مطابق عمل کیا۔ یہ شریعت اسلامیہ کے ساتھ ان کی والہانہ محبت کی ایک دلیل ہے۔ دوسروں سے مسئلہ پوچھنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کہیں جادۂ شریعت سے انحراف نہ ہو جائے۔

آپ کو شعر و ادب کا بھی کافی ذوق تھا، (جس کا تذکرہ آگے آ رہا ہے۔ آپ اشعار کو تہذیب اخلاق کا بہترین ذریعہ سمجھتے تھے۔) ❸ تقریر میں اپنی مثال آپ تھے۔ چنانچہ ان کی تقریریں تاریخ کے صفحات پر پڑھ کر ان کی فصاحت و بلاغت کی داد دینی پڑتی ہے۔ الجاحظ نے اپنی کتاب ''البیان والتبیین'' جلد:۱، صفحہ:۱۱۲، میں آپ کی تقریر نمونہ کے طور پر درج کی ہے اور علامہ المبرد نے ''الکامل'' میں کہیں کہیں کچھ جملے ذکر کیے ہیں۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی ''البدایہ والنہایہ'' کی ساتویں اور آٹھویں جلد میں کچھ اقتباسات نقل فرمائے ہیں۔

ابن جریر طبری نے قبیصہ بن جابر اسدی سے ایک روایت نقل کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں سیّد فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہا۔ ان سے زیادہ میں نے کسی کو فقیہ اور دینی ممارست والا نہیں دیکھا۔ پھر میں طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہا، ان سے زیادہ میں نے کسی کو بغیر سوال کے دیتے

---

❶ مشکوٰۃ، باب العدۃ، ص: ۲۸۹.

❷ مؤطا امام مالک، ص: ۳۰۸.

❸ کتاب العمدہ، ص: ۱۷.

Marfat.com

((ثم صحبت معاوية فما رأيت رجلاً احب رفيقًا ولا اشبهة سريرة بعلانية منه .)) ❶

''پھر میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا۔ میں نے ان سے زیادہ اپنے ساتھی کو محبوب رکھنے والا اور ظاہر و باطن میں ایک جیسا کوئی نہیں دیکھا۔''

ظاہر و باطن کی یکسانیت اور تمکنت و مسکنت کا ایسا امتزاج شاید ہی کسی میں ہو، اور یہ شے آدمی کے کیریکٹر پر نقطۂ عروج ہوتی ہے۔ چناں چہ کتابوں میں لکھا ہے کہ سلیمان بن مہران الاعمش جو کہ ائمہ حدیث میں سے ایک بہت بڑے مقام کے مالک ہیں، سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے صدق کی وجہ سے "المصحف" کے نام سے پکارتے تھے۔ ❷

تالیف قلب، عدل و انصاف اور حقوق کی ادائیگی میں خاص احتیاط سے کام لیتے تھے۔ ❸ اور اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے کہ کسی دوسرے کا حق میرے ذمہ باقی نہ رہ جائے۔ اسی وجہ سے سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو کہ عشرہ مبشرہ کے صحابہ میں سے تھے، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی آپس کی جنگوں میں بالکل غیر جانب دار رہے، سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

((ما رأيت احداً بعد عثمان اقضىٰ من صاحب هذه الباب يعنى معاوية .)) ❹

''میں نے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد اس دروازے والے یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ حق پر فیصلہ کرنے والا اور کوئی نہیں دیکھا۔''

حقوق اللہ کے ہوں یا بندوں کے، انسان کی نیکی، پرہیزگاری اور صالحیت کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں کو ادا کرے، اور یہ حقوق اسی وقت ادا ہو سکتے ہیں جب انسان اپنے کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ سمجھے، اور حق تعالیٰ شانہ کا خوف اس کے قلب کی اتھاہ گہرائیوں میں موجزن ہو، جس کو

---

❶ طبری: ٦/ ١٨٢.

❷ العواصم من القواصم، قاضی ابوبکر بن عربی المحدث، ص: ٢٠١ تعلیقه.

❸ منهاج السنه لابن تیمیه: ٢/ ٢١٩.

❹ البدایه والنهایه: ٨/ ١٣٣.

Marfat.com

شریعت کی زبان میں تقویٰ اور خشیت کے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ اسی تقویٰ اور خشیت الٰہی کا نتیجہ تھا کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عدل و انصاف، حلم و بردباری، جہاد اور عمل صالح میں دنیوی شہرت اور القابات کی مطلقاً پروانہ کرتے تھے، بلکہ ان کا دھیان آخرت کی جزا پر ہوتا تھا۔

اسلام:

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بارے میں بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ آپ اپنی والدہ اور والد کی طرح فتح مکہ کے روز دولتِ ایمان سے سرفراز ہوئے۔ جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اور دوسرے کئی ایک مؤرخین نے لکھا ہے۔ سیوطی نے لکھا ہے:

''وہ (معاویہ رضی اللہ عنہ) اور ان کے والد (ابوسفیان رضی اللہ عنہ) فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئے۔ غزوۂ حنین میں شرکت کی اور مؤلفۃ القلوب میں سے تھے۔ پھر آپ کا اسلام درست ہوگیا۔'' ❶

اسی طرح کئی دوسری کتابوں میں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو: الاصابہ: ۳/ ۴۳۳، التبیین فی انساب القرشیین، صفحہ: ۱۰۵ وغیرہ۔

لیکن محققین کے نزدیک یہ بات درست نہیں ہے۔ علامہ ذہبی، ابن عساکر، ابن کثیر اور ابن تیمیہ رحمہم اللہ کی تحقیق کے مطابق آپ ۷ھ میں اسلام لائے۔ ❷ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ:

''میں عمرۃ القضاء ۷ھ کے موقع پر اسلام لایا، لیکن اپنے باپ کی وجہ سے میں نے اپنے اسلام کو مخفی اور پوشیدہ رکھا اور اس کا اظہار فتح مکہ کے روز کیا۔'' ❸

ابن حجر رحمہ اللہ نے ''تقریب التہذیب'' میں لکھا ہے:

((معاویة بن ابی سفیان خلیفة صحابی ، اسلم قبل الفتح وکتب الوحی .)) ❹

''معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ خلیفہ اور صحابی ہیں۔ فتح مکہ سے قبل مشرف بہ اسلام ہوئے

---

❶ تاریخ الخلفاء، ص: ۱۹۳.
❷ المنتقیٰ، ص: ۲۵۷ تعلیقه.
❸ البدایة والنهایة: ۸/ ۱۱۷.
❹ تقریب التهذیب، ص: ۳۵۷.

Marfat.com

اور آپ کاتبِ وحی تھے۔"

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

((اظهر اسلامه يوم الفتح .)) ❶

"فتح مکہ کے روز انھوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا، (جس کو وہ پہلے چھپائے ہوئے تھے۔)"

علامہ ذہبی رحمہ اللہ کے علاوہ اور بھی کئی مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عمرۃ القضاء کے موقع پر اسلام لائے، لیکن اپنے اسلام کو اپنے والدین سے پوشیدہ رکھا۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ:

"وہ عمرۃ القضاء کے موقع پر اسلام لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمان ہونے کی حیثیت سے ملاقات کی، لیکن اپنے باپ اور اپنی ماں سے اسلام کو مخفی رکھا۔" ❷

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ:

"بعض وجوہ کی بنا پر آپ نے اپنے ایمان کو چھپائے رکھا جن میں سب سے بڑی وجہ کفار مکہ کی مسلمانوں پر سختی تھی، کیوں کہ وہ زمانہ ایسا تھا کہ زبان سے لا الٰہ الا اللہ نکالنا سارے عرب کو اپنی مخالفت کی دعوت دینا تھا۔ امام المؤذنین سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ، سیّدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، سیّدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کی ایذاؤں کا نقشہ آپ کے سامنے تھا۔" ❸

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۱۷، ۱۶۱، ۱۶۵، ۱۶۶۔ الاستیعاب تذکرہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ۔ الاصابہ: ۲/ ۱۹۵۔)

پھر خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذائیں اور تکالیف بھی آپ کی نگاہ میں تھیں کہ جب آپؐ نے لوگوں سے فرمایا: ((قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا .)) ....."اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو، فلاح پا جاؤ گے۔" تو لوگ پیچھے سے پتھر مارتے اور زور زور سے چلاتے:

---

❶ تاريخ الاسلام ذهبي: ٢/ ٣١٨.

❷ اسد الغابه: ٤/ ٣٨٥۔ تهذيب الاسماء واللغات: ٢/ ١٠٢۔ البداية والنهاية: ٨/ ١١٧۔ تاريخ بغداد: ١/ ٢٠٧.

❸ فتح الباری: ٧/ ٨٢.

Marfat.com

((ایها الناس! لا تطیعوه فانّه کذاب .)) ❶

''اے لوگو! اس کی بالکل نہ سننا (معاذ اللہ) یہ جھوٹا ہے۔''

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فتح الباری: ۱۳۰/۷۔ زرقانی: ۲۵۲/۱۔ عیون الاثر لابن سیّد الناس: ۱۰۴/۱ وغیرہم)

پھر آپ کے گھریلو ماحول کا دباؤ بھی آپ کے ایمان کے اظہار میں مانع تھا، کیوں کہ سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس زمانہ میں قریش کے سردار اور قائد تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تھے۔ بھلا وہ کیسے یہ برداشت کر سکتے تھے کہ خود ان کے گھر میں اسلام کا وہ چشمہ جاری ہو جائے جس کو بند کرنے کے لیے انھوں نے بدر واحد کی جنگیں لڑیں اور ان میں قریش کے بڑے بڑے سردار کام آئے۔

چنانچہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں:

((اسلمت یوم عمرة القضاء ولکنی کتمت اسلامی من ابی الیٰ یوم الفتح .)) ❷

''میں عمرۃ القضاء کے روز اسلام لایا تھا، لیکن اپنے والد کے ڈر سے فتح مکہ تک اپنے اسلام کو چھپائے رکھا۔''

ایسا ہی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الاصابہ: ۴۳۳/۳ میں لکھا ہے:

''ان وجوہ کی بناء پر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مجبور تھے اور اسلام لانے کے باوجود اس زمانہ میں اپنے اسلام کا اظہار نہ کر سکے اور اس روز اس کا اظہار کیا، جس روز آپ کے والدین بھی دولت ایمان سے مشرف ہو گئے۔''

اس بارے میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنا بیان زیادہ اہمیت رکھتا ہے، کیوں کہ ان کے والد رئیس مکہ اور مسلمانوں کے خلاف قریباً ہر جنگ میں لشکر کے سپہ سالار تھے۔ اب اگر ان کا اپنا بیٹا جو ان کے گھر میں رہتا ہے، حلقۂ اسلام میں داخل ہو جائے تو والدین کے لیے یہ کس قدر رسوائی کا باعث بن سکتا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

''ابن سعد کے بیان کے مطابق سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں عمرۃ القضاء سے قبل اسلام لایا، لیکن میں اپنی ماں کے خوف سے (جس کا والد، تایا اور بیٹے جنگ بدر

---

❶ کنز العمال: ٦/ ٣٠٢۔ مسند احمد: ٤/ ٦٣.

❷ البدایة والنهایة: ٧/ ٢١، ١١٧.

Marfat.com

میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے) مدینہ طیبہ ہجرت کر کے نہ جاسکا، کیوں کہ وہ مجھ سے کہتی تھی کہ اگر تو مدینہ کی طرف گیا تو ہم تیرا دانہ پانی بند کر دیں گے۔'' ❶

مؤرخین کے بیان کے مطابق اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ اٹھارہ سال کا بچہ وہ بھی قریش کے رئیس اور سپہ سالار کا نورِ نظر ماں کی اس دھمکی کی وجہ سے مرعوب ہوگیا اور اپنے ایمان اور اسلام کو کئی سال تک چھپائے رکھا۔ چنانچہ ابن اثیر کے الفاظ کے مطابق اپنے اسلام کو چھپانا صرف والدین سے تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کو انھوں نے اپنے مسلمان ہونے کے بارے میں صاف صاف بتادیا تھا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:

''میں عمرۃ القضاء کے سال دولت اسلام سے مشرف ہوا اور رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کر کے ان کو اپنے اسلام کے بارے میں بتادیا اور آپؐ نے اسے قبول بھی فرمالیا۔'' ❷

رسول اللہ ﷺ کو تو آپ نے اپنے مسلمان ہونے کے بارے میں بتادیا تھا، لیکن گھر والوں اور مکہ کے عام لوگوں کے سامنے اپنے اسلام لانے کا اظہار نہ کیا تھا۔ عام لوگوں کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان آپ نے فتح مکہ کے روز کیا۔ اسی وجہ سے علامہ سیوطی جیسے لوگوں کو یہ شبہ ہوگیا کہ آپ ایمان ہی فتح مکہ کے روز لائے، حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:

''جب فتح مکہ کا سال آیا تو میں نے اس روز اپنے اسلام کا برملا اظہار کیا، میں سرورِ کائنات ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ نے مجھے خوش آمدید فرمایا۔'' ❸

بخاری کی ایک روایت میں سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

((قال قصّرت عن رسول اللّٰہ ﷺ بمشقص .)) ❹

''سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے قینچی سے سرکارِ دو عالم ﷺ کے بال قصر

---

❶ الاصابه: ٣/ ٤١٣.

❷ نسب قریش، ص: ١٢١۔ تاریخ بغداد: ١/ ٢٠٨۔

❸ البدایه والنهایه: ٨/ ١١٧۔ طبقات ابن سعد: ٧/ ١٢٨.

❹ بخاری، رقم: ١٧٣٠.

Marfat.com

(چھوٹے) کیے۔"

یہ بال آپ نے عمرۃ القضاء میں کاٹے ہیں جو کہ ۷ھ میں ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عمرۃ القضاء سے پہلے ہی دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔

آپ کے اسلام لانے کے اس واقعہ کو قریباً ہر مؤرخ نے بیان کیا ہے، جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ تفصیل درکار ہو تو علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی تاریخ الاسلام: ۲/ ۳۱۸ اور اسماء الرجال کی مختلف کتب ملاحظہ فرمائیں۔

جن لوگوں نے آپ کا فتح مکہ کے روز مسلمان ہونا لکھا ہے، ان کو سیّدنا ابوسفیان کے ایمان لانے سے شبہ ہوا کہ شاید سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اسی روز ہی ایمان لائے تھے، جیسا کہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے، حالانکہ سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی فتح مکہ سے ایک دو روز قبل اسلام لائے تھے اور ان کے مسلمان ہونے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمایا تھا:

((مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِیْ سَفْیَانَ فَھُوَ آمِنَ .))

"جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے، وہ بھی امن میں ہے۔"

(سیّدنا ابوسفیانؓ کے ایمان لانے کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: "سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم" مؤلف: حکیم محمود احمد ظفر۔) ابوسفیان بھی فتح مکہ سے ایک دو روز قبل اسلام لائے۔ اس وجہ سے علامہ سیوطیؒ کا یہ لکھنا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے روز اسلام لائے درست نہیں ہے۔ [1]

بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ صلح حدیبیہ کے موقع پر اسلام لائے۔ [2]

آپ نے اپنے والدین سے اپنے اسلام کو مخفی رکھنے کی بہت کوشش کی، لیکن پھر بھی آپ کے والد کو آپ کے اسلام لانے کا علم ہو گیا۔ انھوں نے آپ سے کہا:

((ھذا اخوك یزید وھو خیر منك علیٰ دین قومه .))

"تم سے تو تیرا بھائی ہی اچھا ہے جو اپنے آبائی دین پر ہے۔" [3]

---

[1] تاریخ الخلفاء، ص: ۱۹۳.

[2] ملاحظہ ہو: تطهیر الجنان لمعاویة بن ابی سفیان، ص: ۱۰۔ حیٰوة الحیوان للدمیری: ۱/ ۱۰۴.

[3] البدایه والنهایه: ۸/ ۱۱۷۔ طبقات ابن سعد: ۷/ ۱۲۸.

Marfat.com

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنا بیان ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرۃ القضاء کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو میں اس وقت آپؐ کے رسول ہونے کی تصدیق کرتا تھا۔ ((ولقد دخل رسول اللّٰہ ﷺ مکة فی عمرة القضاء وانی لمصدق به .)) یعنی مسلمان تھا۔ پھر جب ۸ھ میں آپؐ فتح مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو میں آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اپنے اسلام کا اظہار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بڑی خوشی کا اظہار فرمایا۔ ❶

درایتاً بھی یہی بات درست معلوم ہوتی ہے کیوں کہ فتح مکہ سے قبل آپ نے اسلام کے خلاف کسی جنگ میں شرکت نہیں فرمائی، حالانکہ آپ کے والد اور خاندان کے دوسرے افراد ان جنگوں میں پیش پیش تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ۶ھ اور ۸ھ کے درمیان ایمان لائے۔ ❷

آپ کے اسلام کے بارے میں مشہور مؤرخ مصطفٰے بک نجیب نے لکھا ہے:

''جہاں تک سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا تعلق ہے اس کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سیّدنا عباس رضی اللہ عنہما کا، جو جنگ بدر کے موقع پر ہی مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے، لیکن اپنے اسلام کا اعلان آپ نے فتح مکہ سے کچھ پہلے کیا، چنانچہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی صلح حدیبیہ کے موقع پر حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے، لیکن اپنے اسلام کا اعلان فتح مکہ کے روز کیا۔'' ❸

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جب دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے تو اس وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ ❹ فتح مکہ کے بعد صرف چند غزوات ہوئے جیسے حنین اور طائف کے غزوات۔ جونہی اس خاندان نے اسلام کی آواز پر لبیک کہا تو فوراً دل و جان سے اس کی اشاعت اور تشہیر میں لگ گئے۔ فتح مکہ رمضان المبارک ۸ھ میں ہوئی۔ اس سال آپ کے والدین اور بڑے بھائی سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے دعوتِ اسلام کو قبول کیا اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ اس کے

---

❶ البدایه والنهایه: ۸/ ۱۱۷۔ اسد الغابه لابن اثیر: ٤/ ۳۸٥.

❷ تاریخ الخمیس: ۲/ ۳۳۱.

❸ حماة الاسلام: ۱/ ۱٦۲.

❹ تاریخ بغداد: ۱/ ۲۰۷.

Marfat.com

فوری بعد شوال میں غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف پیش آئے۔ ان دونوں غزوات میں بارہ ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریک ہوئے، اور یہ دونوں غزوات نہایت اہم شمار کیے جاتے ہیں۔

غزوۂ حنین میں مسلمانوں کا مقابلہ بنوثقیف اور بنوہوازن سے تھا۔ یہ دونوں قبائل نہایت جری اور اعلیٰ قسم کے تیر انداز تھے، اس وجہ سے یہ دونوں معرکے نہایت سخت تھے۔ ان معرکوں میں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں صاحبزادے سیّدنا یزید بن ابی سفیان اور سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے اپنے ایمانی تقاضا کے تحت شریک ہوکر اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔

ان دونوں غزوات میں فتح ونصرت نے مسلمانوں کے قدم چومے اور غنیم خائب و خاسر ہوا۔ دشمن کا بہت سا مال مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ چھ ہزار کے قریب لوگوں کو قیدی بنالیا گیا۔ اہلِ سیرت نے لکھا ہے کہ ان چھ ہزار قیدیوں کی نگرانی اور حفاظت کے لیے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد سیّدنا ابوسفیان کی قابلیت اور صلاحیت کے پیش نظر انھیں ان قیدیوں کے معاملات کا نگران اور امین مقرر فرمایا۔ [1]

غزوۂ طائف کے موقع پر بھی ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور آپ کے دونوں بیٹوں یزیدؓ اور معاویہؓ نے نہایت جرأت و بہادری کے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ اس غزوہ میں کفار نے مسلمانوں پر شدید تیر اندازی کی تھی، جس سے بہت سے مسلمان زخمی ہوگئے۔ ان زخمیوں میں ایک سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ دشمن کا ایک تیر آپ کی ایک آنکھ میں پیوست ہوا اور آنکھ باہر نکل آئی۔ تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ آپ وہ آنکھ ہتھیلی پر رکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

> ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری یہ آنکھ اللہ کے راستہ میں گئی ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابوسفیان! اگر تم کہو تو میں اللہ سے دُعا کرتا ہوں اور تمھیں یہ آنکھ واپس مل جائے گی، اور اگر تم اس کے بدلہ میں جنت چاہتے ہو تو اس کو اسی طرح رہنے دو۔''

سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اگر دل و جان سے مسلمان نہ ہوئے ہوتے جیسا کہ بعض لوگ ان کے بارے میں کہتے ہیں، تو یہ اسی وقت جواب دیتے کہ مجھے آنکھ چاہیے، لہٰذا آپ دُعا کریں کہ مجھے آنکھ

---

[1] سیرتِ حلبیہ: ۳/ ۱۳۱.

Marfat.com

واپس مل جائے۔ لیکن اسلام کے اس شیدائی نے بغیر سوچے سمجھے جواب دیا:

''یارسول اللہ ﷺ! مجھے جنت چاہیے، اور فوراً اُس آنکھ کے ڈھیلے کو ہتھیلی سے پھینک دیا۔''❶

ان دونوں غزوات میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ فتح کے بعد نبی اکرم ﷺ نے ان تمام لوگوں کو مالِ غنیمت میں سے حظ وافر عطا فرمایا، جنھوں نے فتح مکہ کے بعد پہلی مرتبہ اسلامی غزوات میں شرکت کی۔ ان لوگوں میں سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ، سیّدنا یزید بن ابی سفیانؓ، سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان، سیّدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہم اور دیگر کئی حضرات قابل ذکر ہیں۔❷

مؤرخین نے لکھا ہے کہ غزوۂ حنین میں آپؐ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک سو اُونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔ چاندی سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے انھیں وزن کر کے دی۔ غزوۂ طائف میں بھی آپ نے سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ، سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیّدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ اور حارث بن کلدہ اخوۃ بنی عبدالدار رضی اللہ عنہ کو سو سو اونٹ اور چالیس چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔

سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: ''یارسول اللہ! میرے بیٹے یزید کو بھی مالِ غنیمت میں سے عنایت فرمائیں۔ چنانچہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ابوسفیان کے دونوں بیٹوں سیّدنا یزید اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کو بھی اتنے ہی اونٹ اور اتنی ہی چاندی عطا فرمائی۔ بعض روایات میں ہے کہ سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوت میں عرض کی:

''یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، آپؐ کو میں نے جنگ میں بھی کریم پایا اور صلح میں بھی مہربان اور کریم پایا۔''

بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں:

''آپؐ کے ساتھ جنگ کا معاملہ پیش آیا تو آپؐ بہترین جنگ کرنے والے پائے گئے اور آپؐ کے ساتھ صلح کا معاملہ پیش آیا تو آپؐ بہترین صلح کرنے والے پائے گئے۔''❸

---

❶ سیرتِ حلبیہ: ۳/ ۱۳۲.

❷ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ''سیرت خاتم النبیین ﷺ''، مؤلف: حکیم محمود احمد ظفر۔

❸ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ: ٤/ ٦٠۔ سیرتِ حلبیہ: ۳/ ۱۳٦.

Marfat.com

بارگاہِ رسالت میں مقام:

اللہ تعالیٰ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو جو خوبیاں عطا فرمائی تھیں، وہ بہت کم لوگوں کو عطا فرمائی گئی تھیں۔ آپ کے انھی اوصافِ حمیدہ کے باعث سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے حق میں بہت سی دُعائیں بھی فرمائیں۔ ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((اللّٰھم اجعله هاديًا مهديًا واهدبه .)) ❶

''اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہدایت دینے والا، ہدایت پر قائم رہنے والا اور لوگوں کے لیے ذریعہ ہدایت بنا۔''

یہ روایت الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی: ۲۲/ ۲۵۶۔ اسد الغابہ: ۴/ ۳۸۶۔ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۲۱۔ تاریخ کبیر بخاری: ۳/ ۴۴، ۴/ ۳۲۷۔ طبقات ابن سعد: ۷/ ۱۳۶ میں بھی موجود ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں فرمایا:

((اللّٰھم علمه الكتاب ومكن فی البلاد .)) ❷

''اے اللہ! معاویہ کو کتاب کا علم عطا فرما اور اس کو مختلف شہروں میں حکومت عطا فرما۔''

(آپ کی دُعا کا یہ اثر ہوا کہ سنہ ۴۱ھ میں تمام اُمت نے بالاتفاق آپ کو اپنا امیر منتخب کرلیا۔)

کتاب کے علم کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے علم حساب کے حصول کی بھی دُعا فرمائی۔ چنانچہ سیّدنا عبدالرحمٰن بن عمیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دُعا کے طور پر فرمایا:

((اللّٰھم علّم معاوية الحساب وقه العذاب .))

''اے اللہ! معاویہ کو حساب کا علم سکھا اور اس کو عذاب سے محفوظ فرما۔'' ❸

---

❶ الشريعة: ٥/ ٢٤٣٧۔ ترمذی: ٢/ ٢٤٧.

❶ البدايه والنهايه: ٨/ ١٢١.

❷ التاريخ الكبير بخاری: ٤/ ٣٢٧۔ مجمع الزوائد: ٩/ ٣٥٦.

Marfat.com

سیّدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے حساب کے ساتھ کتاب کے علم کے حصول کی دُعا بھی منقول ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اللّٰهم علّم معاوية الكتاب والحساب وقه العذاب .)) ❶

''اے اللہ! معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم عطا فرما اور عذاب سے اس کو محفوظ فرما۔'' ❷

پھر گزشتہ حدیث میں آپ کے ہادی اور مہدی ہونے کی بھی دُعا کی۔ ❸ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی دُعا کا اثر تھا کہ سیّدنا قتادہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''اگر تم معاویہ رضی اللہ عنہ کے سے حالات و معاملات میں ہوتے تو پکار اُٹھتے کہ یہ مہدی ہیں۔''

اسی بات کو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے خاص عقیدت مند ابو اسحاق السبیعی رحمہ اللہ یوں فرمایا کرتے تھے:

((لو ادركتموه أو أدركتم ايّامه لقلتم كان المهدى هذا .))

''اگر تم لوگ معاویہ رضی اللہ عنہ کو پالیتے یا ان کے زمانہ کو پالیتے تو کہہ اُٹھتے کہ یہی مہدی ہیں۔'' ❹

کچھ اسی طرح کا قول سیّدنا مجاہد رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے، فرماتے ہیں:

((لو أدركتم معاوية لقلتم هذا المهدى .)) ❺

''اگر تم معاویہ رضی اللہ عنہ کو پالیتے تو بول اُٹھتے کہ یہی مہدی ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جس صحابی کے بارے میں جو دُعا بھی کی وہ سب مستجاب ہوئیں۔ لہٰذا جو دُعائیں آپؐ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیں وہ بھی مقبول اور مستجاب ہوئیں۔ چنانچہ ملا علی القاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

---

❶ صحيح ابن حبان: ١٠/ ١٦٩.

❷ مجمع الزوائد: ٩/ ٣٥٦۔ تاريخ الاسلام ذهبى: ٢/ ٣١٨۔ الاصابه: ١/ ٣٨٥۔ البدايه والنهايه: ٨/ ١٢٠۔ الاستيعاب: ٣/ ٣٨١۔ الفتح الربانى: ٢٢/ ٣٥٦.

❸ ترمذى: ٢/ ٢٤٧.

❹ البدايه والنهايه: ٨/ ١٤٥۔ العواصم من القواصم، ص: ٢٠٥ تعليقه.

❺ العواصم من القواصم، ص: ٢٠٥ تعليقه.

Marfat.com

((ولا ارتياب ان دعاء النبیؐ ﷺ مستجاب، فمن كان هذا حاله، كيف يرتاب فی حقه .)) ❶

''اس بات میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی دُعا یقیناً مستجاب ہوتی ہے، تو جس شخص کے حق میں حضور ﷺ کی یہ دُعائیں ہوئی ہیں اس کے حق میں قبولیت میں کس طرح شبہ کیا جاسکتا ہے۔''

چنانچہ ان دعاؤں کے اثرات سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی ظاہر ہوئے اور وہ سب دُعائیں عند اللہ مقبول اور مستجاب ہوئیں۔ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ بعض حضرات تعصب کی وجہ سے اور بعض جہالت کی وجہ سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرتے ہیں، حالانکہ بارگاہِ رسالت میں آپ رضی اللہ عنہ ایک بلند مقام کے حامل تھے۔ بھلا جس شخص کے لیے اللہ کا رسول ہادی اور مہدی کی دُعا کرے اور لوگوں کے نزدیک بھی وہ مہدی اور ذریعہ ہدایت ہو، اس کی ذات سے عداوت اور بغض رکھنا اور اس کے ہر اچھے عمل کی بھی غلط تاویل کرنا اپنے اعمال ضائع کرنے کے مترادف ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

صحیح مسلم میں ایک روایت ہے جس کے راوی سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لائے۔ میں ایک دروازے کی اوٹ میں چھپ گیا۔ آپ ﷺ نے مجھے چھپتے دیکھ لیا اور جہاں میں چھپا تھا وہاں مجھے آلیا اور فرمایا کہ: ''معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلالاؤ۔'' سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلانے کے لیے گیا اور واپس آکر آپ ﷺ کو بتایا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر آپؐ نے مجھے بھیجا اور میں نے پھر آکر عرض کیا: ((هو يأكل .)) یعنی وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ اب کی بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا اشبع الله بطنه .)) ❷

''اللہ اس کے پیٹ کو نہ بھرے۔''

اس حدیث کو مسند ابی داؤد طیالسی، ص:۳۵۹، رقم:۲۷۴۶۔ مسند احمد، رقم:

---

❶ مرقاة: ۱۱/ ۱۲۸ تحت روایت اللّهم اجعله هاديًا.

❷ مسلم، رقم: ٦٥٧١.

Marfat.com

۲۶۵۰، ۲۶۵۱، ۳۱۰۴، ۳۱۳۱ اور تهذیب التهذیب: ۸/۱۳۵ پر بھی نقل کیا گیا ہے۔

اس حدیث کے بارے میں بعض مخالفین معاویہ رضی اللہ عنہ یہ بتاتے ہیں کہ حضور ختمی مرتبت نے یہ الفاظ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں خفگی اور ناراضی سے بیان فرمائے ہیں۔ اور پھر اس سے نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ جس شخص پر اللہ کا رسول ناراض ہو وہ رحمت الٰہی کا مستحق کیسے ہوسکتا ہے؟ ان حضرات کا یہ کہنا درست نہیں ہے، کیوں کہ ((لا اشبع اللّٰه بطنه .)) کے لفظ سے یہ نتیجہ نکالنا کہ رسولؐ اللہ ان پر ناراض تھے، سراسر غلط ہے۔ اگر یہ کلمہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کی علامت ہوسکتا ہے تو ((رغم انف ابی ذر .)) اور ((قم یا ابا تراب .)) کے کلمات پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ناراضی کا باعث کیوں نہیں ہوسکتے؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس کلمہ کو مخالفین سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بددعا بتارہے ہیں، وہی کلمہ دراصل آپ کے حق میں ایک دُعا کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس وجہ سے امام مسلم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اس باب میں نقل کیا ہے:

[بـاب من لعنه النبی ﷺ أو سبّـه أو دعا علیه ولیس هو اهلًا له، لذالك كان له زكوٰة واجراً ورحمةً .]

[یعنی باب اس بارے میں کہ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعنت کریں یا برا بھلا کہیں یا اس کے لیے بددعا کریں اور وہ ان باتوں کا مستحق نہ ہو تو وہ بددعا اور لعنت وغیرہ اس کے لیے گناہوں کی معافی اور اجر و رحمت کا باعث ہوتی ہے۔]

پھر اس باب میں قریباً سب اسی مضمون کی احادیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

((اللّٰهم انما محمد بشر یغضب كما یغضب البشر وانّی قد اتخذت عندك عهدًا لم تخلفنیه، فایما مومن اٰذیته أو سبته أو جلدته فاجعلها له كفارة وقربة تقربته بها الیك یوم القیامة .)) ❶

''اے اللہ! محمدؐ ایک بشر ہے، وہ (بعض دفعہ) اسی طرح غصہ میں آجاتا ہے جس طرح دوسرے لوگ غصہ میں آجاتے ہیں، اور میں نے تجھ سے عہد لیا ہے اور تو عہد کے خلاف کبھی نہیں کرتا کہ جس مومن کو میں کوئی اذیت دوں یا برا بھلا کہوں یا کوئی چیز ماروں تو

❶ مسلم، رقم: ٦٥٦٥.

Marfat.com

ان چیزوں کو اس کے لیے کفارہ بنادے اور قیامت کے روز اس چیز کو اپنے تقرب کا ذریعہ بنادے۔''

اس مضمون کی حدیث بخاری، رقم: ۶۳۶۱ میں بھی ہے۔

اس مضمون کی اور بہت سی روایات نقل فرمانے کے بعد آخر میں مثال کے طور پر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے، جس سے ان کی مراد یہ ہے کہ یہ کلمہ جو بظاہر آپ کے لیے بددعا معلوم ہوتا ہے، وہ درحقیقت آپ کے رفع درجات اور علو مرتبت کے لیے ایک دعائیہ کلمہ ہے۔ چنانچہ شارح مسلم امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

((وقذفهم مسلم رحمه الله عليه من هذا الحديث أن معاوية لم يكن مستحقًا للدعاء عليه، فلهذا ادخله فى هذا الباب، وجعله غيره من مناقب معاوية، لانّه فى الحقيقة يصير دعاء له.)) ❶

''امام مسلم رحمہ اللہ نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اس بددعا کے مستحق نہیں تھے۔ اس لیے انھوں نے اس حدیث کو اس باب میں نقل کیا ہے، لیکن ان کے علاوہ دوسرے محدثین نے اس حدیث کو مناقب معاویہ رضی اللہ عنہ میں شمار کیا ہے، کیوں کہ یہ دراصل ان کے لیے دُعا ہے۔''

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کے لیے یہ الفاظ استعمال فرمانا ایک دُعائیہ کلمہ تھا نہ کہ بددعا کا جملہ۔ مخالفین کا اس کو بددعا سمجھنا علم کی کمی، جہالت کی کثرت اور اندرونی بغض وتعصب کی وجہ سے ہے۔

دوسرا جواب اس حدیث کا یہ ہے کہ یہ حصۂ روایت ((لا اشبع الله بطنه)) عمران بن ابی العطاء الاسدی الواسطی القصاب ابوحمزہ کا تصرف اور ادراج ہے۔ اس راوی پر علماء نے نقد اور کلام کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو اس نے روایت نقل کی ہے، اس پر اس کا کوئی متابع نہیں ملا اور یہ روایت اس کے سوا کسی دوسرے سے معلوم نہیں ہوسکی۔ ❷

---

❶ مسلم: ١٦/ ٣٧١.

❷ ميزان الاعتدال: ٣/ ٢٣٩.

Marfat.com

چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ یہ اس راوی کا تصرف ہے، چنانچہ مسلم میں اس کی صرف یہی حدیث ہے اور بخاری میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ❶

اصل واقعہ یہ ہے جو دوسری روایات میں مذکور ہے کہ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اذهب فادع لی معاویة وکان کاتبه .))

''جاؤ اور معاویہ کو بلا کر لاؤ۔ اور معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے۔''

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں دوڑتا ہوا گیا اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بلاتے ہیں، کیوں کہ جناب صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے کوئی کام ہے۔ ❷

اس روایت میں نہ تو سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بار بار جانے کا ذکر ہے اور نہ ہی اس امر کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں فرمایا کہ: ''اللہ اس کے شکم کو سیر نہ کرے۔''

اس سے پتہ چلا کہ اصل روایت تو یہ ہے جو امام احمد نے اپنی مسند میں نقل کی ہے اور مسلمؒ کی روایت میں تصرف اور ادراج کرنے والا عمران بن ابی عطاء ہے جو علمائے رجال کے نزدیک ضعیف ہے۔ ❸ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اس کی اور کوئی حدیث نہیں لی اور امام بخاریؒ نے بھی اس کو ذکر نہیں کیا۔

پھر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بددعا کیسے دے سکتے ہیں، جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے شکم کے لیے یہ دُعا دے چکے ہیں۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ کبیر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر آپؐ کے پیچھے بیٹھ کر کہیں جا رہے تھے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے معاویہؓ! تمھارے جسم کا کون سا حصہ میرے ساتھ لگا ہوا ہے؟'' عرض کی: ''میرا پیٹ، آپ کے جسم کے ساتھ لگا ہوا ہے۔'' آپؐ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ کلمات سن کر فرمایا:

---

❶ نووی: ١٦/ ٣٧١.

❷ مسند احمد: ١/ ٢٩١، ٣٣٥.

❸ کتاب الضعفاء الکبیر، عقیلی: ٣/ ٢٩٩۔ میزان الاعتدال ذهبی: ٣/ ٢٣٩.

Marfat.com

((اللّٰهم املاه علمًا وحلمًا .)) ❶

" اے اللہ! اس کے پیٹ کو (جو میرے جسم کے ساتھ لگ رہا ہے) علم اور حلم (بردباری) سے بھر دے۔"

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رسالت اور خلافت راشدہ کے عہد میں

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی فکری اور علمی صلاحیتوں کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ کے عہد میں ایک بلند مقام کے حامل تھے، جس کی تفصیل تاریخ کے اوراق میں یوں ہے:

عہد رسالت اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ:

آپ کی علمی پختگی اور سبقت ایمانی کے پیش نظر بارگاہِ رسالت میں آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں "ہادی" اور "مہدی" کے الفاظ استعمال کیے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ المزنی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

((اللّٰهم اجعله هاديًا مهديًا واهده واهد به .))

" اے اللہ! معاویہؓ کو لوگوں کے لیے ہادی بنا اور ہدایت یافتہ فرما، ان کو ہدایت دے اور دوسرے کے لیے ذریعۂ ہدایت بنا۔" ❷

ہدایت کی یہ دُعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی فرمائی تھی۔ چنانچہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ جب یمن روانہ ہو رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا تھا:

((اللّٰهم ثبت لسانه واهد قلبه .)) ❸

---

❶ تاریخ الاسلام ذهبی: ۲/ ۳۱۹۔ التاریخ الکبیر: ٤/ ۱۸.

❷ تاریخ الاسلام ذهبی: ۲/ ۲۱۹۔ تاریخ الکبیر، بخاری: ٤/ ۳۲٤۔ المعجم الاوسط طبرانی: ۱/ ۳۸۰۔ ترمذی: ۲/ ۲۱۱۔ اسد الغابه: ٤/ ۳۸٦۔ البدایه والنهایه: ۸/ ۱۳۱۔ حلیة الاولیاء: ۸/۳۵۸۔ طبقات ابن سعد: ۷/ ۱۳٦۔ تاریخ بغداد: ۱/ ۲۰۸۔ الاصابه: ۲/ ٤۰٦۔ الفتح الربانی: ۳/۳۵٦۔ تهذیب الاسماء واللغات: ۲/ ۱۰۳.

❸ البدایه والنهایه: ۵/ ۱۰۷.

Marfat.com

''اے اللہ! اس کی زبان کو ثابت رکھ اور اس کے دل کو ہدایت سے نواز۔''

اسی طرح سیّدنا جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ کے حق میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دُعا بھی فرمائی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں قبیلہ خثعم کے کعبہ یمانیہ کو گرانے کے لیے بھیجا تھا۔ انھوں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! میں گھوڑے کی پیٹھ پر قائم نہیں رہ سکتا۔'' یہ سن کر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر اپنا دست مبارک پھیر کر فرمایا:

((اللّٰھم اجعله هاديًا مهديًا حتى وجدت بردها .))

''اے اللہ! اس کو ہادی اور ہدایت یافتہ بنا دے، یہاں تک کہ میں نے آپؐ کے ہاتھ کی ٹھنڈک محسوس کی۔''❶

((اللّٰھم ثبّته ، واجعله هاديًا ومهديًا .)) ❷

''اے اللہ! اس کو ثابت قدم رکھ اور اس کو ہادی اور ہدایت یافتہ بنا دے۔''

سیّدنا عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس حدیث کے سارے راوی ثقہ ہیں، لیکن بعض حضرات نے عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کے بارے میں اختلاف کیا ہے، لیکن یہ بات نہایت واضح ہے کہ وہ صحابی ہیں، اور اس طرح کی اور روایات بھی کئی طریقوں سے مروی ہیں۔''❸

ایک اور روایت سیّدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے:

((اللهم علّم معاوية الكتاب والحساب وقه العذاب .))

• ''اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو کتاب اور حساب کا علم عطا فرما اور اسے عذابِ جہنم سے محفوظ فرما۔''❹

---

❶ البدايه والنهايه: ٥٦/٨۔ المصنف لابن ابی شيبه: ١٢/ ١٥٣.

❷ مسلم، رقم: ٦٣١٦.

❸ تاريخ الاسلام ذهبی: ٢/ ٣١٨.

❹ مسند احمد: ٤/ ١٢٧۔ تاريخ الاسلام ذهبی: ٢/ ٢١٨۔ البدايه والنهايه: ١٢١/٨۔ كنز العمال: ٧/ ٨٧۔ الاستيعاب: ٣/ ٣٨١۔ انساب الاشراف بلاذری: ٤/ ١٠٧۔ مجمع الزوائد: ٣٥٦/٩۔ ابن حبان: ١٦٩/١٠۔ الاصابه: ١/ ٣٨٥.

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارہ میں فرمایا:

((اللّٰھم علّمه الکتاب والحکمة .)) ❶

''اے اللہ! عبداللہ کو کتاب اور حکمت کا علم عطا فرما۔''

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حق میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی یہ دُعا مستجاب ہوئی اور پوری اُمت جانتی ہے کہ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اللہ تعالیٰ نے کتاب وحکمت کا خصوصی علم عطا فرمایا۔ جب سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں آپؐ کی یہ دُعا قبول ہوئی تو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ ﷺ کی دُعا کیوں قبول نہ ہوئی ہوگی؟

اس حدیث میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایک تو آپ کے لیے ''علم الکتاب'' کی دُعا فرمائی اور دوسرے ''علم الحساب'' کی جس میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے اور تیسرے ''وقہ العذاب'' کی تاکہ دنیا میں امور خلافت کی انجام دہی میں اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو آخرت میں اس پر مواخذہ نہ ہو۔ یہ تینوں دُعائیں کسی معمولی آدمی کے لیے نہیں ہوسکتیں، بلکہ یہ صرف اس کے لیے ہوسکتی ہیں، جس سے خاص محبت اور اُلفت کا رشتہ ہو۔

بہرحال الفاظ کی معمولی کمی بیشی کے ساتھ مختلف اوقات میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے آپ کو تعلیم کتاب اور آخرت کے عذاب سے محفوظ ومصئون رہنے کی دُعا فرمائی، اور ایک اُمتی کے لیے سب سے بڑا سرمایۂ حیات یہی ہے کہ اس کا نبی اس کے لیے تعلیم کتاب، فہم دین اور آخرت میں عذاب سے محفوظ رہنے کی دُعا کرے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی انھی دُعاؤں کے اثرات تھے کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو صفت عدل سے نوازا اور ان کے عدل وانصاف اور وسیع القلبی اور لوگوں کے ساتھ عدالت ومروت سے پیش آنے کی بنا پر کوئی ان کو ''المہدی'' کہنے پر مجبور ہوتا۔ ❷ اور کوئی انھیں ''المصحف'' کہتا۔ ❸ اور کوئی انھیں عدل وانصاف کا پیکر کہتا۔ چناں چہ امام اعمش رحمہ اللہ کی مجلس میں ایک روز سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا تذکرہ چل پڑا۔ امام اعمش رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اگر تم سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ کو

❶ بخاری: ۱/ ۱۵۳، رقم: ۷۵، ۱۴۳، ۳۸۵۶، ۷۲۷۰.

❷ العواصم من القواصم، ص: ۲۰۵ تعلیقہ۔ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۳۵.

❸ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۲۱.

Marfat.com

پالیتے تو تمھیں پتہ چل جاتا۔ لوگوں نے پوچھا کہ: ''حضرت! کس چیز کا پتہ چل جاتا، ان کے حلم و بردباری کا؟'' فرمایا: ''نہیں بلکہ ان کے عدل وانصاف کا۔''❶

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر شفقت ومودّت کا اس حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے جس کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے طبرانی کے حوالہ سے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔ سیّدنا عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کسی بات کے بارے میں مشورہ چاہا۔ یہ دونوں حضرات اس بارے میں کچھ نہ کہہ سکے اور بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کا یہ جواب سن کر فرمایا: ((ادعوا معاوية .)).....''معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلاؤ۔''

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس سے بڑا تعجب ہوا اور کہا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے دو بڑے آدمیوں پر اس قدر یقین نہیں کہ قریشی نوجوانوں میں سے ایک نوجوان کو طلب فرمارہے ہیں، لیکن آپ نے فرمایا: ''معاویہ کو بلاؤ۔'' جب سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنی بات اس کے سامنے رکھو، کیوں کہ: ((فانه قوی امين .)).....''یہ قوی اور امین ہے۔''❷

تاریخ وحدیث کی کتابوں میں کچھ روایات ایسی بھی ملتی ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں کچھ بشارات بھی دی تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کروا رہے تھے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ وضو فرماتے ہوئے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یا دو مرتبہ میری طرف نگاہ اُٹھائی اور فرمایا:

((يا معاوية! ان وليت امراً فاتق الله واعدل .))

''اے معاویہ! اگر تجھے امورِ مملکت وخلافت سونپے جائیں تو اللہ سے ڈرنا اور عدل و انصاف سے کام لینا۔''❸

---

❶ العواصم من القواصم، ص: ٣٠٥ تعليقه. ❷ البدايه والنهايه: ٨/ ١٢٢۔ تاريخ الاسلام ذهبی: ٢/ ٣١٩۔ مجمع الزوائد: ٩/ ٣٥٥۔ كشف الاستار، رقم: ٢٧٢١.

❸ البدايه والنهايه: ٨/ ١٢٣۔ مجمع الزوائد: ٥/ ١٨٦، ٩/ ٤٣٩۔ مسند احمد: ٤/ ١٠١۔ زوائد المسند، رقم: ٢٣٦٣۔ مشكوٰة، رقم: ٣٧١٥۔ كنز العمال، رقم: ٣٣٦٥٣۔ تفسير ابن كثير: ٨/ ٣٠.

Marfat.com

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس روز سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ کلمات فرمائے، اسی روز سے مجھے یقین ہوگیا کہ میں حکومت کے معاملات میں ضرور مبتلا ہوں گا، یہاں تک کہ مجھے خلافت مل گئی۔

علامہ ابن اثیر اور ابوبکر بن ابی شیبہ وغیرہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

((یا معاویة! ان ولیت فاحسن .))

''اے معاویہ! اگر تجھے امورِ مملکت سونپے جائیں تو ان کو احسن طریق سے انجام دینا۔'' ❶

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: ''تیری کیا حالت ہوگی، جب اللہ تعالیٰ تجھے خلافت کی قمیص پہنائے گا؟'' سیّدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ میرے بھائی کو خلافت کی قمیص پہنائے گا؟'' فرمایا: ''ہاں!'' سیّدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ''یا رسولؐ اللہ! اس کے لیے دُعا فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے اللہ! اس کو ہدایت عطا فرما، اور اس کو غلط باتوں سے محفوظ فرما اور دنیا و آخرت میں اس کی غلطیوں کو معاف فرما۔'' ❷

اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کے نتیجہ میں عطا ہوئی۔ چنانچہ علامہ خفاجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مملکت اسلامیہ اور مختلف شہروں کے جو خلیفہ بنے وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کا نتیجہ تھا۔'' ❸

آپ کی خلافت کی پیش گوئی کے ساتھ ساتھ آپ کی طاقت اور عزم و ہمت کے بارے میں بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا:

((ان معاویة لا یصارع احداً اِلاَّ صرعه معاویة .)) ❹

''معاویہ رضی اللہ عنہ سے جو بھی نبرد آزما ہوگا معاویہ رضی اللہ عنہ اسے پچھاڑ دے گا۔''

---

❶ المصنف ابن ابی شیبه: ۱۱/۱۱۷۔ اسد الغابه: ٤/ ۳۸۷۔ البدایه والنهایه: ۸/۱۲۳۔ المطالب العالیه لابن حجر عسقلانی: ٤/ ۱۰۸.

❷ مجمع الزوائد: ٥/ ٤۳۹۔ معجم اوسط طبرانی، رقم: ۱۸۳٦.

❸ نسیم الریاض: ۳/۱۲٦.

❹ کنز العمال: ۷/۸۷.

Marfat.com

یہ تو دنیا کی کامیابی و کامرانی کی بشارت تھی۔ آخرت میں آپ پر انعامِ الٰہی کا ذکر فرماتے ہوئے سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

((یبعث اللّٰہ معاویة یوم القیامة وعلیه رداء من الایمان .)) ❶

''اللہ تعالیٰ قیامت کے روز معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں اُٹھائیں گے کہ ان پر ایمان کے نور کی ایک چادر ہوگی، (جس میں وہ لپٹے ہوئے ہوں گے۔)''

پھر سرکارِ دو عالم ﷺ کا آپ کے لیے یہ فرمانا:

((اللّٰھم املأه علمًا فی روایة حلمًا .)) ❷

''اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کے شکم اور سینہ کو علم سے بھر دے۔''

یہ بھی بارگاہِ رسالت میں ان کا ایک باب فضیلت ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ اکثر و بیشتر بغیر کسی درخواست کے خود دُعا فرماتے تھے جیسا کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ ﷺ نے یہ دُعائیں کیں۔ ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

((ولا ارتیاب ان دعاء النبی ﷺ مستجاب فمن کان ھذا حاله فکیف یرتاب فی حقه .)) ❸

''اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی دُعا یقیناً قبول ہوتی ہے، لہٰذا جس شخص کے حق میں یہ دُعائیں ہوتی ہیں، اس کے بارے میں ان کی قبولیت میں کس طرح شک کیا جا سکتا ہے۔''

بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دُعا کے اثرات کئی پشتوں تک رہتے۔ چنانچہ سیّدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((ان النبی ﷺ کان اذا دُعا لرجل اصابته واصابت ولده وولد ولده .)) ❹

---

❶ کنز العمال: ٦/ ١٩٠.
❷ مرقات: ١١/١٣٨.
❸ تاریخ الاسلام ذھبی: ٢/ ٣١٩۔ التاریخ الکبیر، بخاری: ٤/ ١٨.
❹ مسند احمد: ٥/ ٣٨٥۔ مصنف ابن ابی شیبه: ٦/ ٩٣.

Marfat.com

''بے شک رسول اللہ ﷺ جس کسی کے لیے دُعا فرماتے تو اس دُعا کے اثرات اس شخص اور اس کی اولاد اور پھر اس کی اولاد کی اولاد کو بھی پہنچتے۔''

رسول اللہ ﷺ کی انھی دُعاؤں کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعت قلبی اور حلم سے نوازا تھا۔ اور آپ کی بردباری کا یہ حال تھا کہ جس قدر کوئی آپ کی مخالفت کرتا اور آپ کو ایذاء اور تکلیف دیتا اتنا ہی آپ اس کے ساتھ نیک اور اچھا سلوک کرتے اور ہر ممکن طریق سے اس کی تالیف قلب فرماتے۔ اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ آپ کو ''سیّد کریم'' فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کی سیرۃ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((من المعلوم عن سيرة معاوية انّه كان من احلم الناس واصبرهم علىٰ مَن يؤذيه واعظم الناس تاليفًا لمن يعاديه .)) ❶

''آپ کی سیرت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ حد درجہ حلیم و بردبار تھے، اور ایذاء دینے والے کی ایذاء کو سب سے زیادہ صبر و تحمل اور بردباری سے برداشت کرتے اور جو کوئی بھی ان کی مخالفت کرتا آپ اس کی تالیف قلب میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھتے۔''

آپ کی اسی وسعت قلبی اور حلم و بردباری سے متاثر ہو کر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بڑے بھائی سیّدنا عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنے بھائی علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے تھے اور جنگ صفین میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو کر اپنے بھائی علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ لڑی۔ چنانچہ ایک شیعہ مؤرخ لکھتا ہے:

((وفارق (عقيل) اخاه عليًا امير المؤمنين فى ايام خلافته وهرب الىٰ معاوية وشهد صفين معه .)) ❷

''عقیل اپنے بھائی علی امیر المؤمنین سے اُن کے ایام خلافت میں علیحدہ ہو گئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے ساتھ مل کر آپ نے (علیؓ سے) جنگ صفین لڑی۔''

---

❶ منهاج السنّه: ٢/ ٢١٩.

❷ عمدة الطالب فى انساب آل ابى طالب، ص: ١٥.

Marfat.com

آپ کی وسعت قلبی، بردباری اور عدل وانصاف کی سیکڑوں مثالیں تاریخ کے اوراق میں بکھری پڑی ہیں، جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ ❶

لیکن یہ بات مسلّمہ ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے سیّد معاویہ رضی اللہ عنہ نے حلم و بردباری کو اپنی کتاب زندگی ایک اہم اور امتیازی باب بنالیا تھا۔ ❷

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے:

((انی لا رفع نفسی من ان یکون ذنب اعظم من عفوی، أو جهل اکثر من حلمی، أو عورة لا اوٰریها بستری، أو اساءة اکثر من احسانی .)) ❸

''میں اپنے نفس کو اس امر سے بچاتا ہوں کہ کوئی گناہ ایسا بھی ہو جو میرے عفو سے بڑھ کر ہو، یا کوئی سبک سری ایسی ہو جو میری بردباری اور حلم پر چھا جائے، یا کوئی خطا ایسی ہو جسے میں اپنے دامن عفو میں نہ چھپا سکوں، یا کوئی ایسی برائی ہو جس کے مقابلہ میں مَیں احسان نہ کرسکوں۔''

آپ کا یہ قول بھی تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے:

((انی لا احول بین الناس وبین السنتهم مالم، یحولوا بیننا وبین سلطاننا [ملکنا] .)) ❹

''میں لوگوں کے اور ان کی زبانوں کے مابین اس وقت تک حائل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ میرے اور میری سلطنت کے درمیان حائل نہ ہوں۔''

آپ کی اس وسعت قلبی اور حلم و بردباری کا تذکرہ لسانِ نبوتؐ نے ان الفاظ میں فرمایا:

((احلم امتی معاویة .))

---

❶ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الفخری، ص: ١٤٥۔ العقد الفرید: ٢/ ٣٠٤، ٣/ ١٦٥۔ مروج الذهب: ٥/ ٤١٠ وغیرہ۔

❷ ہسٹری آف دی عربز انگریزی، از پروفیسر ھٹی، ص:١٢٦۔

❸ طبری: ٦/ ١٨٧، البدایه والنهایه: ٨/ ١٣٥۔ ابن اثیر: ٣/ ٢٤٧.

❹ طبری: ٥/ ٣٣٦۔ ابن اثیر: ٣/ ٢٦٣۔ تاریخ الاسلام والحضارة الاسلامیة: ٢/ ١٤٧.

Marfat.com

''میری اُمت میں سب سے بڑا حلیم اور بردبار معاویہ (رضی اللہ عنہ) ہے۔''

مختصر یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر آپ کی انتہائی تعریف و تحسین فرمائی اور آپ کے بارے میں بعض وہ باتیں ارشاد فرمائیں جن کی وجہ سے آپ کو بہت سے صحابہ کرامؓ پر امتیاز حاصل تھا۔ اسی وجہ سے ۴۱ھ میں تمام اُمت نے متفقہ طور پر آپ کو ساری دنیائے اسلام کا خلیفہ منتخب کرلیا اور سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی۔ ❶

فتح مکہ کے موقع پر جب سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام کا اظہار کیا تو پھر سرکارِ دو عالم کی ہم رکابی میں جہاد فی سبیل اللہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنی شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے۔ چنانچہ آپ نے غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف میں شرکت فرمائی اور سرکارِ دو عالم ﷺ نے آپ کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی مرحمت فرمائی۔ ❷

صرف علمی اور عملی لحاظ ہی سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو دربارِ رسالت میں قرب حاصل نہیں تھا بلکہ نسبی اور رشتہ داری کے لحاظ سے بھی آپ کو جناب ختمی مرتبت سے خاص تعلق اور قرب حاصل تھا۔ ایک تعلق آپ کا حضور ﷺ کے ساتھ یہ تھا کہ آپ کی ہمشیرہ سیّدہ اُمّ حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ اس نسبت سے آپ رسول اللہ ﷺ کے ''برادر نسبتی'' تھے اور تمام مسلمانوں کے ماموں یعنی ''خال المؤمنین'' تھے۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا جناب رسول اللہ ﷺ سے ایک تعلق یہ بھی تھا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے ''ہم زلف'' تھے، یعنی اُمّ المؤمنین سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ قریبۃ الصغریٰ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں۔ ان سے آپ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ❸

تیسرا تعلق سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہ تھا کہ سیّدنا حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیّدنا علی اکبر رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ لیلیٰ بنت ابی مرہ کی والدہ میمونہ سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ اس رشتہ سے سیّدنا علی اکبر رضی اللہ عنہ کی

---

❶ ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ: ۸/ ۴۱۔ فتح الباری: ۱۳/ ۵۳۔ مہیج الاحزان، ص: ۴۸۔ ناسخ التواریخ، جلد: ۶، کتاب دوم، ص: ۷۹۔ بحار الانوار، ملا باقر مجلسی: ۱۰/ ۱۶۴ وغیرہ۔

❷ الاستیعاب: ۳/ ۳۷۷.

❸ کتاب المحبر لابی جعفر، ص: ۱۰۲.

Marfat.com

والدہ لیلیٰ بنت مرہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سگی بھانجی تھیں۔ ❶

کتابت وحی اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت سارے مکہ میں صرف سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے، ان میں تین شخص سیّدنا ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ، سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اور سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ چناں چہ ان کی ذہنی، فکری اور علمی خصوصیات اور خوبیوں کی وجہ سے رسولؐ اللہ نے آپ کو کتابت وحی کا منصبِ جلیلہ عطا فرمایا۔ ❷

شیعہ مؤرخ ابن ابی الحدید نے بھی لکھا ہے:

((كان [معاوية] احد كتاب رسول الله ﷺ .)) ❸

''[معاویہ رضی اللہ عنہ] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے تھے۔''

آپ کا کاتب نبوی ہونا تاریخ کی قریباً سب کتابوں میں مرقوم ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے:

((ان زيد بن ثابت كان كاتب وحي رسول الله ، وكان معاوية كاتبه فيما بينه وبين العرب .))

''سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کے کاتب تھے اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عرب کے دوسرے قبائل اور ملوک کے مابین خط و کتابت کا فریضہ ادا کرتے تھے۔''

اگرچہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اس روایت کو نقل تو کر دیا ہے، لیکن دوسری روایات اس بات کی تردید کرتی ہیں، لہٰذا مختلف روایات کے درمیان تطبیق سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تو صرف وحی الٰہی کے کاتب تھے، لیکن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ وحی الٰہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

❶ نسب قريش، ص: ٥٧، تحت ولد حسين بن علي۔ تاريخ خليفه بن خياط: ١/ ٢٠٠۔ منتهى الآمال عباس قمي: ١/ ٣٦٣، تحت تذكره ازواج حسين بن عليؓ۔ منتخب التواريخ: ١/ ٥٤.

❷ ملاحظہ ہو: تقريب التهذيب، ص: ٣٥٧۔ كنز العمال: ٢/ ٢٤٩۔ البدايه والنهايه: ٨/ ١١٨۔ آداب السلطانيه للفخرى، ص: ١٤٥۔ النجوم الزاهره: ٨/ ١٥٤۔ الاستيعاب: ٣/ ٣٢٥.

❸ ابن ابى الحديد: ١/ ٢٣٨.

Marfat.com

دوسرے اُمور کی کتابت کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے، چنانچہ علامہ ذہبیؒ نے اسی صفحہ پر سند یح کے ساتھ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے، فرماتے ہیں:

((کنت العب فدعانی رسول اللّٰہ ﷺ ، فقال: ادع لی معاویة وکان یکتب الوحی .)) ❶

''میں کھیل رہا تھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا: معاویہ کو بلا لاؤ۔ اور معاویہ رضی اللہ عنہ وحی کی کتابت کیا کرتے تھے۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ وحی کی کتابت کیا کرتے تھے۔ ❷ اور طبرانی نے بسند حسن سیّدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی کتابت کیا کرتے تھے۔ ❸

ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بلال بن حارث المزنی نے اسلام قبول کیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے انھیں ساحلِ سمندر پر زمین کے کچھ قطعات الاٹ فرمائے۔ اب ضرورت ہوئی کہ اس الاٹمنٹ کو تحریری شکل میں لایا جائے تا کہ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے پاس اس کا ثبوت رہے۔ اس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے ان قطعات اراضی کی اس الاٹمنٹ کا وثیقہ لکھوایا۔ چنانچہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ تحریر اسی وقت لکھ دی۔ ❹

ہشام بن عروہ اپنے والد عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عروہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گئے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عروہ سے دریافت کیا کہ اس ''خاص تحریر'' کا کیا ہوا؟ عروہ نے جواب دیا کہ وہ خاص تحریر میرے پاس محفوظ ہے۔ اس پر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! وہ تحریر میں نے اپنے ہاتھ سے لکھی تھی۔''

یہ تحریر دراصل ایک وثیقہ تھا جو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک زمین کی سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے نام الاٹمنٹ کے سلسلہ میں سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لکھوائی تھی۔ ❺

---

❶ تاریخ الاسلام ذهبی: ۲/ ۳۱۸.

❷ البدایه والنهایه: ۸/ ۱۲۱.

❸ مجمع الزوائد: ۹/ ٤٤١.

❹ المستدرك حاكم: ۳/۵۱۷۔ معجم البلدان: ۵/۳۰۷.

❺ السنن الكبرىٰ بيهقى: ٦/ ١٤٥.

Marfat.com

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کاتب وحی ہونے کو شیعہ مؤرخین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ ابن ابی الحدید کا حوالہ تو گزشتہ سطور میں ہم نقل کر چکے ہیں، لیکن یعقوبی جو شیعہ حضرات کا ایک اہم ستون سمجھا جاتا ہے، اس نے بھی صاف لفظوں میں اقرار کیا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبانِ وحی میں سے تھے، اور نہ صرف وحی بلکہ آپ کے فرامین اور مراسلات بھی اکثر و بیشتر آپ ہی تحریر فرمایا کرتے تھے، چنانچہ لکھا ہے:

((وكان كتابه الذين يكتبون الوحي والكتب والعهود علي بن ابي طالب، وعثمان بن عفان، وعمرو بن العاص بن امية، ومعاوية بن ابي سفيان، وشرحبيل بن حسنة ..... .)) ❶

''اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین جو آپ کی وحی، مراسلات اور معاہدات و مواثیق وغیرہ لکھا کرتے تھے، وہ علی بن ابی طالب، عثمان بن عفان، عمرو بن العاص بن اُمیہ، معاویہ بن ابی سفیان اور شرحبیل حسنہ رضی اللہ عنہم بن حسنہ وغیرہم تھے۔''

ہماری اس بات کی تائید علامہ ابن حزم رحمہ اللہ اور علی بن برہان الدین الحلبی رحمہ اللہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے:

((وكان زيد بن ثابت من الزم الناس لذالك ثم تلاه معاوية بعد الفتح فكانا ملازمين لكتابته بين يديه ﷺ في الوحي وغير ذالك، لا عمل لهما غير ذالك .))

''سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور فتح مکہ کے بعد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتابت کے لیے ہمیشہ حاضر رہنے والے لوگوں میں سے تھے، چاہے وہ کتابت وحی کی ہو یا غیر وحی کی۔'' ❷

آپ کے کاتب وحی ہونے کے لیے مندرجہ ذیل کتابیں بھی ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہیں:

الاستیعاب: ۳/۳۷۵۔ الاصابہ: ۳/۳۱۲۔ مجمع الزوائد: ۹/۴۴۱۔ زاد المعاد: ۱/۳۰ وغیرہ۔

روایات میں آتا ہے کہ یہ ذمہ دارانہ منصب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے

---

❶ تاریخ یعقوبی: ۲/ ۸۰.

❷ جوامع السیرة، ص: ۲۷.

Marfat.com

عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ جبرائیل امین بارگاہِ رسالت میں تشریف لائے اور عرض کی:

((یا محمد! اقرأ معاویة السلام، واستوص به خیراً فانه امین اللّٰه علی کتابه ووحیه ونعم الامین .)) ❶

''اے محمدؐ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو سلام کہیے اور اس کو نیکی کی تلقین کیجیے، کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کی وحی کے امین ہیں اور بہترین امین ہیں۔''

ایک روایت میں ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب وحی بنانے کے لیے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل امین سے مشورہ فرمایا۔ جبرائیل نے جواب دیا:

((استکتبه فانه امین .)) ❷

''آپ ان کو کاتب وحی بنائیں، کیوں کہ وہ امین ہیں۔''

اگر آپ کی امانت کے متعلق جبرائیل امین کی یہ گواہی نہ بھی ہوتی، تب بھی آپ کا صرف کتابت وحی کے منصب پر فائز رہنا ہی آپ کے امین ہونے کے لیے کافی تھا، کیوں کہ جس طرح وحی لانے والے کے لیے امین ہونا شرط ہے، تاکہ وہ وحی الٰہی کے لانے میں کوئی خیانت نہ کر سکے، اسی طرح وحی کی کتابت کرنے والے کے لیے بھی امین ہونا ضروری ہے، تاکہ وہ وحی کی کتابت میں کوئی خیانت نہ کر سکے، لہٰذا جس طرح آپ کا کاتب وحی ہونا مسلم اسی طرح آپ کا امین ہونا بھی مسلم ہے۔

کتابت وحی کا منصب جلیلہ آپ کو عطا فرمایا جانا جہاں آپ کی دینی اور علمی علو مرتبت کی دلیل ہے، وہاں آپ کی علمی اور فکری بلندی کی بھی دلیل ہے کیوں کہ ظہور اسلام کے وقت قریش میں صرف سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے، جن میں ایک سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ❸ جب پورے مکہ میں صرف ۱۷ آدمی پڑھنا لکھنا جانتے تھے تو آپ کا فن کتابت سے واقف و آشنا ہونا آپ کی بہترین تربیت اور علمی بلندی کی دلیل ہے۔

---

❶ البدایه والنهایه: ۸/ ۱۲۰.

❷ البدایه والنهایه: ۸/ ۱۲۰.

❸ الحضارة الاسلامیه، ص: ٦٦.

Marfat.com

اگر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کبھی موجود نہ ہوتے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ لکھوانا ہوتا تو آپ آدمی بھیج کر انھیں فوری طور پر بلا لیتے۔ چنانچہ اس بارے میں مسند احمد میں روایت ہے، جس میں سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ: ''معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر لاؤ اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان دنوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے۔ چنانچہ میں دوڑتا ہوا گیا اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے جا کر کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بلا رہے ہیں، کیوں کہ آپؐ کو تم سے کچھ کام ہے۔'' ❶

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ آپ وحی اور فرامین و مراسلات دونوں کی کتابت فرماتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسعود بن وائل کی درخواست پر ان کی قوم کی طرف ایک مراسلہ بھیجا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے لکھوایا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے مراسلہ لکھنے سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''یا رسول اللہ! کیسے لکھوں؟'' فرمایا: ''پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو، اس کے بعد دوسرا مضمون جو میں لکھواؤں وہ لکھو۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی لکھا۔'' ❷

تاریخ میں مختلف فرامین کا ذکر ملتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو اُمیہ کے اس نوجوان سے لکھوائے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر کتنا بھروسا اور اعتماد تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص وائل بن حجر الکندی رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ اپنی قوم کے رئیس اور اپنے علاقے کے سردار تھے۔ یہ ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر اسلام کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے دولت ایمان سے بہرہ ور ہوئے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بڑی دُعائیں فرمائیں۔ وہ حضرموت سے آ کر مسلمان ہوئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک عدد قطعۂ اراضی دینے کا ارادہ فرمایا۔ اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ: ''وائل کے ساتھ جائیں اور ان کے لیے ایک قطعۂ اراضی متعین کر کے ان کی تحویل میں دے دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ایک مکتوب بھی تحریر کروایا، جس میں سیّدنا وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے میری فضیلت ظاہر فرمائی اور میرے اور میرے اہل خانہ کے لیے مزید مال و متاع کے لیے ایک وثیقہ بطورِ مکتوب عنایت فرمایا۔ اس کی

---

❶ مسند احمد: ۱/ ۳۳۵.

❷ الاصابہ: ۳/ ۳۹۳.

Marfat.com

تفصیل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں نقل کی ہے۔ ❶

اسی طرح کا ایک اور واقعہ محدثین اور اصحاب تاریخ نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا بلال بن حارث المزنی رضی اللہ عنہ کو ساحل البحر کے علاقہ ''معاون القبیلہ'' میں چند قطعات اراضی عنایت فرمائے اور سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے اس بارے میں ایک وثیقہ تحریر کروا کر انھیں عطا فرمایا۔ ❷

محدثین نے اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ بھی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے، جس سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کاتب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور صحابی سیّدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی معرفت قیصر روم کو دعوت اسلام کا ایک والا نامہ ارسال فرمایا۔ اس مراسلہ کے جواب میں قیصرِ روم کا خط لے کر اس کا قاصد التنوخی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ ہرقل روم کا قاصد التنوخی بیان کرتا ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ تبوک میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ میں ہرقل قیصر روم کا خط لے کر وہاں گیا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پہچانتا تھا۔ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اپنی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ: ''میں ہوں۔'' میں نے وہ مکتوب آپ کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ آپ نے وہ خط اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کو پڑھنے کے لیے دیا۔ جب میں نے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے؟ تو لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ہیں۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ مکتوب پڑھ کر آپ کو سنایا۔ اس مکتوب میں لکھا تھا کہ آپ مجھے جنت کی طرف بلاتے ہیں، جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے، تو فرمایئے کہ پھر جہنم کہاں ہے؟ (گویا کہ یہ ایک سوال تھا جو قیصر روم نے آپ سے پوچھا تھا۔) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مکتوب سن کر فرمایا:

((سبحان اللّٰہ اذا جاء اللیل فاین النہار؟))

''سبحان اللہ! جب رات آتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے؟''

---

❶ التاریخ الکبیر: ٤/ ١٧٥۔ اسد الغابہ: ٥/ ٨١۔ الاصابہ: ٣/ ٥٩٢۔ صحیح ابن حبان: ٩/ ١٠۔ تحت وائل بن حجر الکندیؓ.

❷ المستدرك حاکم: ١/ ٥١٧۔ معجم البلدان، یاقوت حموی: ٥/ ٣٠٧.

Marfat.com

جب یہ مراسلہ پڑھ لیا گیا تو آپ ﷺ نے قیصر روم کے قاصد سے فرمایا کہ آپ مکتوب لانے والے ہیں اور پیغام رساں کا احترام اور حق ہوتا ہے۔ ہم چونکہ اس وقت مسافرت میں ہیں، اگر اس وقت ہمارے پاس کوئی ہدیہ یا عطیہ ہوتا تو ہم آپ کو ضرور دیتے۔

آپؐ کی یہ بات سن کر آپؐ کے اصحاب میں سے ایک شخص اُٹھا اور عرض کی کہ میں اس قاصد کو ہدیہ اور تحفہ پیش کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ شخص اپنے سامان میں سے ایک نہایت عمدہ پوشاک نکال کر لایا اور اسے میری گود میں رکھ دیا۔ میں نے حاضرین سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ انھوں نے کہا کہ یہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔

بعدازاں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''اس قاصد کو کون اپنے ہاں ٹھہرائے گا؟'' اس پر انصار کا ایک شخص مجھے اپنے ساتھ لے گیا اور مجھے اپنے ہاں ٹھہرایا۔ ❶

اس واقعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ امورِ مملکت کے نہایت اہم خطوط نبی اکرم ﷺ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے پڑھواتے تھے اور انھی سے ان کا جواب بھی لکھواتے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک کے لشکر میں شریک تھے۔

بعض روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے بعض تحریرات اور وثیقہ جات پر سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے حضرات کے ساتھ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی بطورِ گواہ پیش کیا۔

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ، سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اسلام کے ستون تھے، جہاں انھوں نے اپنی گواہی ثبت کی وہیں رسول اللہ ﷺ کا سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی گواہ کے طور پر دستخط ثبت کرنے کے لیے فرمایا، یہ ان کی کتاب زندگی کا ایک نہایت پر اعتماد باب ہے، بلکہ میرے خیال میں سرکارِ دو عالمؐ کی یہ ایک پیش گوئی تھی کہ میرے پہلے یہی پانچ خلفاء ہیں جو تمیم الداری رضی اللہ عنہ کی اس تحریر پر بطورِ گواہ اپنے دستخط ثبت فرما رہے ہیں۔ ❷

---

❶ مسند احمد: ۳/ ۴۴۱، ۴/ ۷۴۔ البدایہ والنہایہ: ۵/ ۱۶۔ مجمع الزوائد: ۸/ ۲۳۵.

❷ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سیرتِ حلبیہ: ۳/ ۲۴۰.

Marfat.com

عہدِ صدیقی اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ:

۱۱ھ میں ربیع الاوّل کے مہینہ میں وہ ہستیؐ اس دنیا سے رُخصت ہوگئی جس نے انسانیت کو حیاتِ نو سے مالا مال کیا، جس نے ظلم و استبداد میں دبی ہوئی انسانیت کو نہ صرف ظلموں سے چھٹکارا بخشا، بلکہ اسے اوجِ ثریا پر پہنچا دیا۔ جس نے زندگی کے قافلے کو راہ زنوں کے نرغے سے نکال کر امن و سلامتی کی صراطِ مستقیم پر ڈال دیا۔ اس کام کے لیے اس عظیم و برگزیدہ ہستی نے کش مکش کے سنگین مراحل کاٹے، خوفناک اذیتیں برداشت کیں، لیکن کسی سے کوئی صلہ وصول نہیں کیا۔

اس روح فرسا، جان گداز اور قیامت خیز خبر نے اس مدینہ کو اس قدر متاثر کیا کہ ان سب کے ہوش اڑ گئے، ان پر کوہِ غم ٹوٹ پڑا، تمام عالم ان کے لیے تاریک ہوگیا، سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر جیسے سکتہ طاری ہوگیا ہو، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ روتے روتے بے ہوش ہوگئے، ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن خصوصی طور پر سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر رنج و اَلم کا جو گراں بار پہاڑ گرا، قلم کو اس کی تابِ نگارش نہیں۔ سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کی پریشانی اور رنج و غم دیدنی تھا، ہر ایک صحابی غم سے نڈھال تھا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا ہوگیا ہے اور روشنی کے باوجود انھیں اب مدینہ طیبہ میں ہر طرف اندھیرا نظر آنے لگا تھا، لیکن سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حالت سب سے عجیب تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سنتے ہی ان کے ہوش اُڑ گئے۔ وہ برہنہ تلوار ہاتھ میں لیے مسجد میں ادھر اُدھر پھر رہے تھے، کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کے سامنے یہ کہہ سکے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعی انتقال ہوگیا ہے۔

ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک شخصیت ایسی تھی جو اگرچہ سب سے زیادہ غم زدہ تھی، لیکن اپنے ہوش و حواس قائم رکھے ہوئے تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت وہ کاشانۂ نبوت پر حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر بستر پر پڑا ہے اور تمام ازواجِ مطہراتؓ آپ کے اردگرد نہایت حزین و غمگین بیٹھی ہیں۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کاشانۂ نبوت میں داخل ہو کر چہرۂ انور سے چادر کو ہٹایا اور آپؐ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے سیلِ رواں کی طرح آنسو جاری ہوگئے اور زبان سے کہا: ((وانبیاہ، واخلیلاہ، واصفیاہ)) تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تو کہا تھا کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو حالت طاری ہوئی ہے وہ موت نہیں۔'' لیکن سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پیشانی مبارک کو بوسہ دے کر فرمایا:

Marfat.com

''میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، آپ موت وحیات دونوں کیفیتوں میں کیسے پاکیزہ تھے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتوں کا ذائقہ کبھی نہ چکھائے گا۔'' ❶

پھر فرمایا:

''جو موت اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے لکھی تھی، وہ آپ پر وارد ہو چکی۔'' ❷

ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آتے ہی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بات سن لی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو صورتِ حال درپیش ہے، وہ موت نہیں ہے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بات سے لوگوں کو سخت حیرت ہو رہی تھی۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مسجد میں آ کر فوراً منبر کی طرف بڑھے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: ''لوگو! جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں اسے نہایت غور سے سنو۔'' ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر تمام لوگ ہمہ تن گوش ہو گئے اور آپ کے ارشادات سننے کے لیے بیٹھ گئے۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا:

''لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا کرتا تھا، اسے جان لینا چاہیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو وفات پا گئے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور اس کو کبھی موت نہیں آئے گی، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں ہیں مگر اللہ کے ایک رسول جیسے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں، سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو وہ اللہ کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔'' ❸

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سنبھالا دیا۔ اور انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کا یقین ہو گیا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہایت احسن طریق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین کی اور اپنے ہاتھوں سے آپ کو حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا میں دفن کیا۔

نفسی الفداء بقبر انت ساکنه
خیر العفاف، وفیه الجود والکرم

---

❶ بخاری: ۱/ ۵۱۷، ۲/ ۶۴۰. ❷ بخاری: ۱/ ۱۶۶. ❸ بخاری: ۲/ ۶۴۰.

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تسلیم کر کے ان کے ہاتھ پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت کر لی۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کیوں خلیفہ بنایا گیا؟ اس بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((اجمع الناس علیٰ خلافة ابی بکر، لانهم لم یجدوا تحت ادیم السماء خیر من ابی بکر.)) ❶

''یعنی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اس لیے اتفاق اور اجماع کر لیا تھا کہ اس آسمان کے نیچے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بہتر اور کوئی آدمی انھیں دستیاب نہ تھا۔''

ارتداد و بغاوت کی لہر:

سرکارِ دو عالم ﷺ کے انتقال کی خبر کم سے کم وقت میں جنگل کی آگ کی طرح تمام جزیرۂ عرب کے طول و عرض میں پھیل گئی۔ عربوں کی اچھی خاصی تعداد نے اس خبر کو سنتے ہی مدینہ کے اقتدار کے خلاف بغاوت کرنا شروع کر دی اور مختلف قبائل نے ترکِ اسلام کر کے دورِ جاہلیت کی بدویانہ زندگی کو اپنانا شروع کر دیا۔ مکہ کے لوگ بھی ارتداد کے بالکل قریب پہنچ گئے اور اسلام کے خلاف بغاوت کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ اس وقت مکہ کے گورنر سیّدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ تھے، جو فتح مکہ کے روز ہی مسلمان ہوئے اور نوجوان اور نومسلم ہونے کے باوجود سرکارِ دو عالم ﷺ نے انھیں مکہ کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ وہ لوگوں کے طرزِ عمل سے خوف زدہ اور پریشان ہو کر روپوش ہو گئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے سیّدنا سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ذریعے اپنی خاص قدرت سے اسلام کی حفاظت فرمائی۔ پھر کہیں مانعین زکوٰۃ کا فتنہ اور کہیں مدعیانِ نبوت کا فتنہ۔ اس طرح کے کئی فتنوں نے رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے فوراً بعد سر اُٹھایا۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان تمام فتنوں کی سرکوبی کا عزم کیا اور بالآخر ان کو یک قلم ختم کر دیا۔

ختم نبوت کی حفاظت:

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے منکرین زکوٰۃ کی سرکوبی سے فارغ ہو کر اب مدعیانِ نبوت کی سرکوبی اور

---

❶ سیرتِ حلبیه: ۳/ ۳۹۱.

Marfat.com

استیصال کا ارادہ فرمایا۔ ختم نبوت کا مسئلہ اسلام کے بنیادی مسائل میں سے ہے، اس لیے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے استیصال کے لیے ایک لشکر ترتیب دیا، جس کی قیادت سیّدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سپرد کی۔ انھیں پہلے طلیحہ بن خویلد اسدی کی سرکوبی کے لیے بھیجا اور فرمایا کہ اس مہم سے فارغ ہو کر بطاح کا قصد کریں اور وہاں بنوتمیم کے رئیس مالک بن نویرہ کی قوت کو پامال کریں۔ سیّدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے طلیحہ اسدی کا مقابلہ کرنے کے لیے بزاخہ کا رُخ کیا۔ طلیحہ سے بزاخہ کے مقام پر مقابلہ ہوا۔ طلیحہ کے لشکر کا امیر عیینہ بن حصن تھا۔ طلیحہ کا لشکر شکست کھا گیا لیکن طلیحہ میدان سے بھاگ کر شام چلا گیا اور وہاں اس نے بنوکلب میں سکونت اختیار کرلی۔ جب اس کو پتہ چلا کہ بنواسد اور بنوغطفان اور ان تمام قبائل نے اسلام قبول کرلیا ہے جو اس کے اردگرد جمع تھے، تو اس نے بھی اسلام کا اعلان کردیا، اور سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال تک وہ بنوکلب ہی میں مقیم رہا اور پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدینہ آکر ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرلی اور عراق کی جنگوں میں اس نے ایرانیوں کے خلاف بڑے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔

سیّدنا خالد رضی اللہ عنہ بزاخہ کی مہم سے فارغ ہو کر بطاح پہنچے تو وہاں میدان بالکل خالی پڑا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مالک بن نویرہ نے خود کو تنہا محسوس کرتے ہوئے اپنے لشکر کو یہ کہہ کر ادھر ادھر بھیج دیا کہ ہم اسلامی ریاست کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے، لہٰذا میرا مشورہ یہ ہے کہ تم لوگ دوبارہ اسلام قبول کرلو اور ادھر ادھر منتشر ہو جاؤ۔

مالک بن نویرہ کی مہم سے فارغ ہو کر سیّدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ یمامہ پہنچے، جہاں اہلِ یمامہ سے جنگ ہوئی۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہوتے ہی باغیوں اور مرتدوں کی سرکوبی کے لیے گیارہ لشکر ترتیب دیے تھے۔ ان میں سے ایک لشکر سیّدنا عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسیلمہ کی طرف بھیجا تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ مسیلمہ کے پاس ایک بہت بڑا لشکر ہے، جب کہ عکرمہ رضی اللہ عنہ کا لشکر اس کے مقابلہ میں بہت چھوٹا اور مقابلہ کے لیے ناکافی ہے، چنانچہ آپ نے سیّدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت ایک ہزار افراد پر مشتمل ایک اور لشکر عکرمہ رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے بھیجا، لیکن سیّدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ نے شرحبیل رضی اللہ عنہ کے لشکر کا انتظار کیے بغیر مسیلمہ پر حملہ کردیا، چنانچہ شکست کھائی۔ جب سیّدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی ہزیمت کی تمام روداد لکھ کر بھیجی تو آپ کو سخت غصہ آیا اور ایک نہایت

Marfat.com

عتاب آمیز خط سیّدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کو لکھا۔

اب سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیّدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے علاوہ مہاجرین و انصار کے نامور بہادروں پر مشتمل ایک لشکر سیّدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے بھیجا، جن کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ یمامہ پہنچ کر شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ساتھ مل جائیں۔ اس نئے لشکر کے مہاجرین کی قیادت سیّدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ اور سیّدنا فاروقِ اعظم کے بھائی زید بن خطاب رضی اللہ عنہما کر رہے تھے، جب کہ انصار کی قیادت سیّدنا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ ❶

سیّدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جب یمامہ کی طرف پیش قدمی شروع کی تو مسیلمہ کذاب کو اس لشکر کے بارے میں اطلاعات پہنچنے لگیں۔ اس نے خبر رسانی کا نہایت مکمل انتظام کر رکھا تھا۔ مسیلمہ ایک لشکرِ جرار کے ساتھ یمامہ کے ایک طرف ''عقربا'' کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا اور تمام مال و اسباب فوج کی پچھلی جانب تھا۔ مسیلمہ کے لشکر کی تعداد ایک روایت کے مطابق چالیس ہزار اور دوسری روایت کے مطابق ساٹھ ہزار تھی۔ ❷

آخر کار دونوں فریقوں میں جنگ شروع ہوئی۔ مسیلمہ اپنی فوج کو جوش دلا رہا تھا اور دوسری طرف مجاہدینِ اسلام کے ولولہ اور جوش کا یہ عالم تھا کہ ''جوہر شمشیر سے باہر تھا دم شمشیر کا۔'' ہر مجاہد اپنی جگہ پر جوہر و ہمت کا پیکر۔ ان کے پاس ایک دل تھا اور ایک ہی آقا کی چوکھٹ پر ان کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ خدا کے تھے اور صرف خدا ہی سے ڈرتے تھے۔ وہ میدانِ جنگ میں بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں مشغول تھے اور ھم باللیل رھبان وبالنھار فرسان کی زندہ تصویر تھے۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ پانی جو ابر کرم کا چھینٹا ہوتا ہے وہ کبھی کبھی طوفان بن کر موجیں مارتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہوا کا وہ جھونکا جو نسیم خوش گوار بن کر چلتا ہے، کبھی کبھی وہ جھونکا بادِ سموم اور آندھی کا تھپیڑا بن جاتا ہے۔ یہ اللہ والے بھی اس وقت میدانِ جنگ میں موجیں مارنے والا طوفان اور آندھی کا تیز و تند جھونکا بنے ہوئے تھے۔ غرض کہ اس ولولہ اور جوش و جذبہ کے ساتھ مسلمانوں کے تیرہ ہزار جانبازوں اور مجاہدوں پر مشتمل لشکر، ساٹھ ہزار نبوتِ کاذب پر ایمان لانے والوں سے مقابلہ کر رہا تھا۔

لڑائی کے دوران سخت آندھی آ گئی اور ریت کے تھپیڑے مجاہدین اسلام کے چہروں پر پڑنے

---

❶ طبری: ۲/ ۵۰۵.

❷ طبری: ۲/ ۵۰۵.

Marfat.com

لگے اور آنکھوں میں گھسنے لگے، لیکن اللہ کے یہ مجاہد آندھی کی پروا کیے بغیر اسی حالت میں لڑتے رہے، بعض لوگوں نے سیّدنا زید بن خطاب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''اب کیا کیا جائے؟'' انھوں نے فرمایا: ''آندھی کو اپنا کام کرنے دو اور تم اپنا کام کرتے رہو۔''

بالآخر مسیلمہ کے لشکر کو شکست فاش ہوئی اور مسیلمہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اسی نیزہ سے مارا گیا جس نیزہ سے انھوں نے میدانِ اُحد میں سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ حالت کفر میں اسلام کی ایک عظیم شخصیت کو شہید کیا، جس کا مجھے افسوس تھا اور حالت کفر میں اس کے کفارہ کے طور پر کفر کی ایک عظیم شخصیت کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ لیکن ایک روایت یہ ہے کہ مسیلمہ کو سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے موت کے گھاٹ اُتارا تھا۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کو قتل کیا ہو یا نہ کیا ہو لیکن اس سخت ترین معرکہ میں جس کے بارے میں طبری نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کو اس سے زیادہ سخت معرکہ کبھی پیش نہیں آیا۔ ((لم یلق المسلمون حربًا مثلها قط .)) سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی شمولیت تو ثابت ہوتی ہے۔ شیخ دیار بکری نے لکھا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے مسیلمہ کو میں نے قتل کیا تھا۔ ((انا قتلته .)) یہ جنگ ربیع الاوّل ۱۲ھ میں لڑی گئی۔ ❶

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مسیلمہ کذاب کو پہلے نیزہ مارنے والے سیّدنا وحشی رضی اللہ عنہ تھے، جب کہ ابو دجانہ بن سماک بن خرشہ نے اسے تلوار ماری اور عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ بھی مسیلمہ کے قتل میں شریک تھے۔ اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جنگِ یمامہ میں شریک ہوئے اور بعض لوگوں کے قول کے مطابق اُنھوں نے مسیلمہ کو قتل کیا۔ ❷

فتوحات عراق و شام:

ارتداد اور مانعین زکوٰۃ کی جنگوں سے فارغ ہو کر سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شام اور عراق کی فتوحات کی طرف توجہ فرمائی۔ شام اور عراق ان دونوں ملکوں کی سرحدیں چونکہ عرب سے ملتی تھیں، اس لیے زمانۂ قدیم سے عرب شام اور عراق؛ کے علاقوں میں جا کر آباد ہو گئے تھے، لیکن ان عربوں نے سکونت کے لیے ان صحرائی علاقوں کو پسند کیا جو شہری آبادی کے قریب تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ طبعی طور پر

---

❶ تاریخ الخمیس: ۲/ ۲۱۶.

❷ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۱۷۔ فتوح البلدان بلاذری، ص: ۱۶۔

Marfat.com

صحرائی زندگی کو پسند کرتے تھے اور ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کے لیے ضروری تھا کہ وہ شہری آبادی کے قریب رہیں تاکہ ضروریاتِ زندگی انھیں آسانی سے فراہم ہوسکیں۔ چنانچہ شمالی علاقوں میں عرب قبائل کی ایک کثیر تعداد آباد ہوگئی، اس وجہ سے شام بھی عرب کا ایک حصہ قرار پا گیا۔ اسی طرح ایک قبیلہ بنولخم جو کہ نہایت طاقتور اور مضبوط قبیلہ تھا، اس نے دریائے فرات کے ساحل پر اپنی حکومت قائم کرلی جو مملکت حیرہ کے نام سے جانی جانے لگی۔

ابوحنیفہ الدینوری اور دوسرے مؤرخین کا خیال ہے کہ عرب کے خانہ بدوش اور بدوی قبائل چونکہ عراق اور ایران کی سرحدوں پر آباد تھے اس لیے وہ اکثر ان ملکوں میں گھس کر شہری آبادی میں لوٹ مار مچاتے رہتے تھے، جس کی وجہ سے عراق اور شام کی دونوں حکومتیں ان سے بہت تنگ تھیں۔ ان کی روزمرہ کی اس لوٹ مار سے بچنے کے لیے ان دونوں حکومتوں نے یہ دانش مندی کی کہ اپنے اپنے ملکوں کی سرحدوں پر آباد عربوں کی باقاعدہ بفر اسٹیٹس (Buffer States) قائم کردیں۔ اس سے ان کو دو فائدے ہوئے۔ ایک تو وہ عربوں کی آئے روز کی لوٹ مار سے محفوظ ہوگئے اور دوسرے جب ایرانی اور بازنطینی حکومتیں اگر کسی دست برد پر آمادہ ہوں تو یہ عرب ریاستیں ان کی مدد کرسکیں۔ ایرانی حکومت کے ماتحت جو عرب حکومت قائم ہوئی، وہ مملکت حیرہ کہلاتی تھی۔ اور قیصر روم کے زیر سایہ شام کی سرحد پر جو عرب حکومت قائم ہوئی، وہ غسانی حکومت کے نام سے موسوم تھی۔ یہ دونوں حکومتیں اگرچہ نیم مختار تھیں لیکن ان کی بڑی اہمیت تھی اور وہ ہر قدم نہایت آزادی سے اُٹھاتی تھیں۔ ان دونوں حکومتوں کی زبان عربی تھی۔ ملوک حیرہ اور غسان کے تعلقات اپنے ہم وطن عربوں کے ساتھ ہمیشہ نہایت اچھے، مضبوط اور مخلصانہ رہے۔ ان مراسم کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ ہونے والی اسلامی فتوحات کے لیے خوش گوار فضا پیدا ہوئی اور اسلام کے پیغام کے لیے ان ملکوں میں راستہ ہموار ہوگیا۔ چنانچہ جب مسلمان عربوں نے ان علاقوں کی طرف قدم بڑھانا شروع کیا تو ان نواح کے رہنے والے عربوں نے ان مسلمانوں کی بڑی مدد کی اور مسلمان فوجوں میں باقاعدہ شمولیت اختیار کرکے اپنے پرانے رومی اور ایرانی حلیفوں کے ساتھ جنگ کی۔ چناں چہ ایک مشہور جرمن دانشور وان کریمر (Von Kramer) نے لکھا ہے:

"جو عرب عرصہ دراز سے شام اور عراق میں آباد تھے چونکہ یہ عرب مسلمانوں کے ہم

Marfat.com

نسل، ہم قوم اور ہم زبان تھے، اس لیے انھوں نے عرب حملہ آوروں کی صرف چوری چھپے مدد نہیں کی بلکہ علی الاعلان مدد کی۔ ان عراقی اور شامی عربوں نے صرف جاسوسی کی خدمات ہی انجام نہیں دیں، بلکہ اکثر و بیشتر میدانِ جنگ میں بھی ان کا ساتھ دیا۔'' ❶

شام اور عراق کی فتح:

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب عراق اور شام کی فتح کے منصوبے بنا رہے تھے تو انھیں اطلاع ملی کہ ایک شخص جسے مثنیٰ بن حارثہ شیبانی کہا جاتا ہے تھوڑی فوج کے ساتھ پیش قدمی کرتا ہوا بحرین کے شمال میں دجلہ اور فرات کے دہانے تک پہنچ گیا ہے اور ایرانی حکام اس کے سامنے ہتھیار ڈال چکے ہیں۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مثنیٰ بن حارثہ کے بارے میں کوئی معلومات نہ تھیں۔ ان اطلاعات کے بعد ان میں تجسّس پیدا ہوا۔ آپ کو بتایا گیا کہ وہ کوئی معمولی آدمی نہیں بلکہ ایک بڑا معتبر آدمی ہے، جسے اپنے قبیلے میں نہایت اعتماد اور اکرام و احترام کے لائق جانا جاتا ہے۔ ابھی مثنیٰ کے بارے میں مزید معلومات حاصل نہ ہوئی تھیں کہ مثنیٰ بن حارثہ شیبانی خود ان کی خدمت میں مدینہ حاضر ہو گئے اور انھوں نے خلیفۃ المسلمین کو وہاں کے تمام حالات سے آگاہ کیا۔ انھوں نے بتایا کہ شام کی نسبت عراق کو فتح کرنا زیادہ آسان ہے اور عربوں کو عراق میں وہ خطرات پیش نہیں آئیں گے جن کے شام میں پیش آنے کا امکان ہو سکتا ہے۔ پھر عراق کی زرخیزی اور قدرتی مناظر کے حسن و جمال کا اپنے الفاظ میں کچھ ایسا نقشہ کھینچا کہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ حیران رہ گئے۔

سیّدنا مثنیٰ بن حارثہ شیبانی کی باتوں سے متاثر ہو کر سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیّدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ بلایا اور ان کی موجودگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ سب نے مثنیٰ بن حارثہ کی باتوں کی تائید کی اور عراق پر حملہ کا منصوبہ بنایا گیا اور اس مہم پر سیّدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو متعین کیا گیا جس کی وجہ سے بہت کامیابی ہوئی۔ کسی غیر ملک کے ساتھ مسلمانوں کی یہ سب سے پہلی جنگ تھی۔ یہ جنگ دشمن کی سرزمین میں لڑی گئی۔ اس میں دونوں فریقوں کو اپنی اپنی طاقت کا پتہ چل گیا۔ ایرانی حکومت اور اس کی بہادر فوج کا دنیا میں بڑا شہرہ تھا، لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ مسلمانوں کے لشکر کے مقابلہ میں جلد ہی ہزیمت کھا کر بھاگ اُٹھی۔ ہرمز کو اس فوج کا نہایت تجربہ کار جرنیل تصور کیا جاتا تھا،

---

❶ The Orient under The Caliphs. P:92.

Marfat.com

لیکن وہ اللہ کی تلوار سیّدنا خالد رضی اللہ عنہ کے پہلے ہی حملہ میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھا، اور نہ صرف ایرانیوں کو بلکہ پوری دنیا کو پتہ چل گیا کہ مسلمان کتنی بڑی طاقت ہیں۔

سیّدنا خالد رضی اللہ عنہ نے عراق میں ایرانی حکومت کو جو پے در پے شکستیں دیں، انھوں نے جہاں مسلمانوں میں مسرت اور خوشی کے جذبات کو جنم دیا، وہاں رومی سلطنت کو پریشان کر دیا، کیوں کہ رومی حکومت ان تمام حالات سے بے خبر نہیں رہ سکتی تھی۔ رومی حکومت اس سے قبل جنگ موتہ میں مسلمانوں کی بہادری اور جرأت سے روشناس ہو چکی تھی، جب تین ہزار افراد پر مشتمل مسلمان فوج نے دو لاکھ رومی عیسائیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور کامیاب و کامران ہو کر واپس آئے تو مسلمانوں کی عراق میں فتوحات کا سن کر قیصر روم نے بھی ایک عظیم الشان فوج اکٹھی کر لی۔ جس میں ان قبائل کی بھی اچھی خاصی تعداد تھی جو حدودِ شام میں آباد تھے اور قیصر روم کے باج گزار تھے۔

قیصر روم کی ان جنگی تیاریوں کا سن کر سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرامؓ نے نہایت دُور اندیشی اور دُور بینی کی باتیں کیں، جن کو مجلس شوریٰ کے ہر رکن نے نہایت غور و فکر سے سنا۔ پھر سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اُٹھ کر فرمایا:

''اے ابوبکرؓ! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں اور آپ کا دل مسلمانوں کی خیر خواہی اور بہتری کے جذبات سے معمور ہے۔ آپ کی زندگی اصل مقصد دین اسلام کی حمایت اور سربلندی ہے۔ اگر آپ نے اس مسئلہ کے بارے میں کوئی قطعی رائے قائم کر لی ہے تو آپ اس پر عمل کرنے کا حکم فرمائیں، نتیجہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ مجھے اللہ جل شانہ کی کریمی سے اُمید ہے کہ بہتر ہوگا۔ آپ کی اطاعت ہم پر واجب ہے۔ آپ جہاں کہیں بھی جانے کا حکم فرمائیں گے اس کو بجالانا ہمارا فرض ہوگا۔''

تمام حاضرین نے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اس تجویز کی متفقہ حمایت کی۔ ارکانِ مجلس کی اس حمایت کے بعد سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں تم لوگوں پر چند افراد کو امیر مقرر کرتا ہوں۔ تمھارے لیے ضروری ہے کہ اپنے اللہ کی اطاعت کرو اور اپنے امراء کی بات مانو۔ اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے تقویٰ شعار بندوں

Marfat.com

کو حاصل ہوتی ہے۔''

رومی حکومت کی عربوں کے دلوں میں کچھ ایسی دھاک بیٹھی ہوئی تھی کہ آپ کی اس اپیل کا لوگوں پر کچھ اثر نہ ہوا اور کسی ذی اثر مہاجر یا انصاری نے جہاد کے لیے اپنی خدمات پیش نہ کیں۔ حاضرین میں یہ جمود دیکھ کر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ جھلا اُٹھے اور انھوں نے کھڑے ہو کر لوگوں کو غیرت دلائی۔ اس پر سیّدنا خالد بن سعید اموی رضی اللہ عنہ اُٹھے اور سب سے پہلے شام جانے کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا۔ حالات کا تقاضا یہی تھا جو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا، کیوں کہ اب مسلمانوں کے لیے شام کی سرحد پار کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ چنانچہ مدینہ منورہ کے باہر ایک کیمپ کھول دیا گیا، جہاں خالد رضی اللہ عنہ اور دوسرے کنبہ والے غلام اور موالی جمع ہو گئے۔ شہر کے اور لوگ بھی شام جانے کے لیے تیار ہونے لگے اور کیمپ میں سپاہیوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لشکروں کے کئی کمانڈر نامزد کیے، جیسے سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما، سیّدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور سیّدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ وغیرہم۔ بھرتی کی رفتار سست تھی اور کئی ہفتے گزرنے کے بعد بھی جب تعداد میں خاطر خواہ اضافہ نہ ہوا تو اکابر صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یمن کے مسلمانوں کو خط لکھا۔ خط کے الفاظ نے یمن کے لوگوں کو بہت متاثر کیا اور وہ بڑی خوش دلی اور جوش و خروش کے ساتھ اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے مدینہ منورہ آنا شروع ہو گئے۔ اور چند ہی دنوں میں مدینہ کے باہر ''جرف'' میں مجاہدین کا ایک جم غفیر اکٹھا ہو گیا۔

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لشکروں کو ترتیب دیا اور جب ان کی روانگی کا وقت آیا تو آپ نے ایک ٹیلے پر چڑھ کر مجاہدینِ اسلام کے اس عظیم لشکر کا جائزہ لیا اور لوگوں کے جوش و خروش، ولولہ اور جذبہ کو دیکھ کر آپ کا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا۔ اتنے لوگوں کے اس اجتماعِ عظیم کو دیکھ کر آپ نے پہلے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ پھر ان مجاہدین کو چار لشکروں میں تقسیم کیا۔ [1]

ان چار لشکروں میں سب سے بڑا لشکر سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا تھا اور اس لشکر میں آپ کے بھائی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اس لشکر میں اہل مکہ اور اہل یمن دونوں مقامات کے حضرات شامل تھے۔ باقی تین لشکر سیّدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، سیّدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور سیّدنا شرحبیل بن

[1] البدایہ والنہایہ: ۷/ ۳.

Marfat.com

حسنہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت تھے۔ ان کے علاوہ بھی کچھ اور لشکروں کا پتہ چلتا ہے۔

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ ان چار لشکروں میں سب سے بڑا لشکر سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا تھا۔ آپ نے اس لشکر کو کچھ ہدایات فرمائیں، یہ سب کچھ تاریخ نے اپنے سینہ میں محفوظ رکھا ہوا ہے۔ آپ نے اس لشکر کو رُخصت کرتے ہوئے فرمایا:

''اپنے لشکر کے تمام افراد کے ساتھ نہایت اچھے انداز میں گفتگو کرنا، ان سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آنا، نصیحت مختصر الفاظ میں کرنا، اس لیے کہ لمبی نصیحت کرنے سے نصیحت کے بعض حصے بھول جاتے ہیں۔ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے خود اپنے اندر بھی جھانک لینا اور اپنی اصلاح کی بھی کوشش کرنا، کیوں کہ لوگ اسی وقت بھلائی کی بات سنتے ہیں، جب خود اپنی اصلاح کی جائے۔ دشمن کے سفیروں اور پیغام رسانوں کا احترام کرنا، انھیں زیادہ دیر اپنے پاس بیٹھنے کا موقع نہ دینا۔ جب وہ تمھارے خیمے سے باہر نکلیں تو انھیں تمھارے کسی جنگی راز کا علم نہیں ہونا چاہیے۔ جب وہ تمھاری ملاقات کے لیے آئیں تو انھیں اپنے فوجی کیمپ کے بہت اچھے حصے میں بٹھانا، ان پر اپنے جنگی راز ظاہر نہ کرنا، اگر ایسا کرو گے تو تمھارا فوجی نظام خراب ہو جائے گا۔ اگر کسی سے مشورہ کرنا چاہو تو اس سے سچ بولنا تاکہ وہ حالات کے مطابق تمھیں صحیح مشورہ دے سکے۔ رات کو اپنے رفقاء کی مجلس میں بیٹھنا، تاکہ تم صحیح خبروں سے مطلع ہو سکو۔ فوج میں پہرے کا پورا انتظام کرنا اور پہرے پر متعین لوگوں کو تمام حصوں پر پھیلا دینا۔ فوجوں اور کارکنوں کے کام اور حالات سے پوری طرح باخبر ہونے کے لیے ان کے ہاں بلا اطلاع اچانک پہنچنا۔ اگر کسی ایسے شخص کو سزا دینا چاہو جو سزا کے لائق ہے تو دل میں کسی قسم کا خوف اور ڈر محسوس نہ کرنا۔ اگر تم بزدلی کا ثبوت دو گے تو تمھیں دیکھ کر دوسرے لوگ بھی بزدلی کا مظاہرہ کریں گے۔''

موطا امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ کتابوں میں ہے کہ روانگی کے وقت سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پاپیادہ رخصت کرنے کے لیے نکلے۔ سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پاپیادہ دیکھ کر عرض کی: ''اے خلیفہ رسول! یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا پھر مجھے پاپیادہ چلنے کی اجازت مرحمت فرمائیں؟''

Marfat.com

آپ نے فرمایا: ''نہ تو مجھے سوار ہونے کی ضرورت ہے اور نہ ہی آپ کو اُترنے کی، میں جتنے قدم چلتا ہوں ان کو اللہ کی راہ میں شمار کرتا ہوں۔'' پھر فرمایا:

''یزید! شام میں تم کو بہت سے تارک الدنیا راہب ملیں گے، ان سے اور ان کی رہبانیت سے تعرض نہ کرنا۔ تم کو جنگ میں ایسے لوگوں سے واسطہ پڑے گا جو درمیان سے سر منڈواتے ہیں، ان کے اسی حصہ پر تلوار مارنا۔ پھر آپ نے یزید کو دس نصیحتیں فرمائیں اور فرمایا کہ ان کا ہمیشہ خیال رکھنا۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو نہ مارنا، پھل پھول والے درختوں کو نہ کاٹنا، آبادیاں ویران نہ کرنا، بکری اور اونٹ کھانے کے علاوہ بیکار ذبح نہ کرنا، درخت نہ جلانا، پانی میں نہ ڈبونا، خیانت اور بزدلی سے کام نہ لینا۔'' ❶

ازدی نے ان کے علاوہ کچھ اور بھی ہدایات ذکر کی ہیں کہ آپ نے رخصت کرتے وقت سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

''یزید! میں تم کو ہدایت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا، اس کی اطاعت کرنا، اور ہر رضا کے مقابلہ میں اس کی رضا کو ملحوظ خاطر رکھنا، دشمن سے جنگ میں اگر اللہ تعالیٰ تم کو فتح نصیب فرمائے تو کسی قیدی کے گلے میں لوہے کا طوق نہ ڈالنا، نہ کسی کا مثلہ کرنا، نہ کسی کے ساتھ بے وفائی سے پیش آنا، لڑائی میں بزدلی نہ دکھانا، نہ بچوں کو قتل کرنا، نہ زیادہ بوڑھوں اور نہ عورتوں کو، کھجور کا درخت نہ تو جلانا اور نہ اس کے ٹکڑے کرنا، نہ کوئی دوسرا پھل دار درخت کاٹنا، کسی چوپائے کی کونچیں نہ کاٹنا، اِلا یہ کہ اس کا گوشت کھانا ہو، تمھارا گزر ایسے لوگوں پر سے ہوگا جو خانقاہوں میں راہبانہ زندگی بسر کرتے ہیں، جو کہیں گے کہ ہم نے اپنی زندگی خدا کی عبادت کے لیے وقف کردی ہوئی ہے، ان لوگوں سے تعرض نہ کرنا، تمھیں ایسے لوگ بھی ملیں گے جن کے سروں پر شیطان مسلط ہے۔ تم ان کے سروں پر تلوار مارنا، یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئیں یا جزیہ ادا کر کے مسلمانوں کی ماتحتی قبول کرلیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی ضرور مدد کرتا ہے، جو اس کے لیے اور اس کے نبی کے لیے قربانی کرتے ہیں۔''

---

❶ موطا امام مالك، ص: ١٧٦۔ تاريخ الخلفاء سيوطى، ص: ١٠٥.

Marfat.com

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یزید کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: ''میں تمھیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں، تم پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔'' یزید رضی اللہ عنہ سے رُخصت ہوتے وقت آپ نے مزید فرمایا: ''شام میں تم میرے پہلے کمانڈر ہو، میں نے تم کو معزز مسلمانوں کا امیر بنایا ہے، ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، ان پر نظر کرم رکھنا، ان کے ساتھ نرمی سے پیش آنا اور اپنے معاملات میں ان سے مشورہ کرنا، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تمھارے تعلقات استوار رکھے اور ہمارے لیے خلافت سازگار رکھے۔'' ❶

اسی طرح کی ہدایات آپ نے دوسرے سپہ سالاروں کو بھی دیں۔ یہ تمام لشکر مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خود انھیں رُخصت کیا۔ انھیں ان کے علاقوں کے مطابق مختلف ہدایات دیں اور انھیں فتح و کامرانی اور خیر و عافیت کی دُعاؤں کے ساتھ رُخصت کیا۔

اسلامی افواج کے یہ چاروں لشکر مختلف سپہ سالاروں کی قیادت میں مختلف محاذوں پر پہنچے۔ سیّدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ دمشق کے راستہ میں، سیّدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ طبریہ اور نہر اُردن کے بالائی حصہ میں، سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بلقاء میں جہاں سے بصریٰ پر آسانی سے حملہ کر سکتے تھے اور سیّدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ عربہ میں حبرون کے لیے خطرہ کی گھنٹی بنے پڑے تھے۔ یہ چاروں لشکر اگرچہ ایک دوسرے سے الگ الگ تھے، لیکن باہمی مراسلت کا سلسلہ ان کے امراء میں برابر جاری تھا۔ ان تمام لشکروں کی مجموعی تعداد تیس (۳۰) ہزار بتائی جاتی ہے۔

قیصرِ روم کو جب ان لشکروں کی آمد کا علم ہوا تو اس نے ان کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک بہت بڑا لشکر ترتیب دیا۔ اس کی بنیادی پالیسی یہ تھی کہ یہ چاروں لشکر الگ الگ ہی رہیں، کیوں کہ اگر یہ اکٹھے ہو گئے تو پھر ان کی اجتماعی قوت سے مقابلہ مشکل ہو جائے گا۔ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سب کمانڈروں سے کہا کہ مسلمانوں کے تمام لشکروں کو ایک جگہ اکٹھے ہو کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب رومیوں کے اس لشکرِ جرار کا علم ہوا تو اُنھوں نے بھی چاروں جرنیلوں کو اکٹھا ہونے کو کہا اور ساتھ ہی سیّدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ تم تین ہزار سواروں کو ساتھ لے کر عراق کو چھوڑ کر شام کے محاذ پر اپنے بھائیوں کی مدد کرو۔ چنانچہ انھوں نے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم کی فوری تعمیل کی۔

سیّدنا خالد رضی اللہ عنہ جب بصریٰ پہنچے تو یہاں سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق سیّدنا شرحبیل

---

❶ فتوح الشام ازدی، ص: ۸، ۹۔ فتوح الشام واقدی، ص: ۷۔ ۸.

Marfat.com

بن حسنہ رضی اللہ عنہ اور سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اس شہر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے، لیکن وہ فتح نہیں ہو رہا تھا۔ سیّدنا خالد رضی اللہ عنہ نے آتے ہی اس زور کا حملہ کیا کہ شہر فتح ہو گیا۔ بصریٰ کی فتح کے بعد سیّدنا خالد رضی اللہ عنہ دمشق کی طرف پیش قدمی کرنا چاہتے تھے، لیکن انھیں اچانک اطلاع ملی کہ قیصر روم نے ایک لاکھ کا لشکر جرار اجنادین میں اکٹھا کیا ہوا ہے۔ سیّدنا خالد رضی اللہ عنہ نے تمام محاذوں کے جرنیلوں کو لکھا کہ اجنادین کے محاذ پر جمع ہو جائیں۔ چنانچہ وہ سب اس محاذ پر اکٹھے ہو گئے۔ سیّدنا خالد رضی اللہ عنہ نے تمام فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لی اور ایک خون ریز جنگ کے بعد اجنادین کو فتح کر لیا۔

بعض روایات میں ہے کہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی زیر قیادت شام جو لشکر بھیجا تھا، سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس کے ہراول دستے کے امیر تھے۔ ❶

بعض روایات میں ہے کہ شام کے محاذ پر سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو مزید کمک کی ضرورت پیش آئی تو اس وقت سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ کا امیر بنا کر روانہ کیا اور ان کو تاکید کی کہ اپنے بھائی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے ساتھ شامل ہو کر ان کی ماتحتی میں کام کریں۔ چنانچہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ وہ لشکر لے کر شام روانہ ہوئے اور اپنے بھائی یزید رضی اللہ عنہ سے جا ملے۔ ❷

طبری نے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ آپ نے یرموک کے لیے جو کئی لشکر بھیجے۔ ان میں بعض دستوں پر جو امیر مقرر ہوئے، ان میں ایک سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ❸

خلافتِ صدیقی میں آپ کو بعض موقعوں پر خود بھی قیادت کے فرائض سرانجام دینے کا موقع ملا۔ ❹ اور تاریخ کے اوراق اس پر شاہد ہیں کہ آپ نے نہایت احسن طریق سے اس ذمہ داری کو پورا کیا، ور اپنے مافوق لوگوں پر اپنی ثقاہت اور خود اعتمادی اور اپنے ماتحت لوگوں پر اپنی شفقت، حسنِ تدبر اور حسنِ انتظام کا سکہ بٹھا دیا۔

---

❶ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیه: ٤/ ٤٧١۔ حیٰوة الحیوان: ١/ ١٧.

❷ طبری: ٣/ ٣٩١.

❸ طبری: ٤/ ٣٢ تحت خبر الیرموك۔ البدایه والنهایه: ٧/ ٤.

❹ فتوح البلدان، ص: ١٢٣.

Marfat.com

سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما، سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سیّدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور سیّدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی زیرنگرانی آپ کے قوائے علمیہ کی تربیت اور اس پر آپ کے والد ماجد سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بہترین تربیت، ان دوھری تربیتوں نے آپ کو علم وعمل کے لحاظ سے ایک پختہ (Matured) انسان بنادیا، اور رعیت پر شفقت اور تدبیر مملکت میں دقت نظری اور امور انتظامیہ میں دور بینی اور عواقب پر نگاہ کا ایک بہترین ملکہ پیدا کردیا، اور اسلام کی برکات نے ان کو باہیبت، عزم، استقلال اور شجاعت وبسالت کا مجسمہ بنادیا۔ ❶

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی اور آپ کے فرامین و مراسلات کی کتابت اکثر وبیشتر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کیا کرتے تھے۔ اب چونکہ وحی کا سلسلہ تو ختم ہو چکا تھا، اس وجہ سے فرامین ومراسلات کی کتابت اکثر وبیشتر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیّدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو ایک قطعہ اراضی مرحمت فرمایا۔ اس کا وثیقہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا۔ ❷

عہد فاروقی اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ:

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قریباً سوا دو سال حکومت کی لیکن اس مدت میں ایک روز بھی ایسا نہیں گزرا جو انھوں نے آرام اور راحت سے گزارا ہو۔ زمام خلافت سنبھالتے ہی فتنوں نے سر اُٹھایا اور نہایت قلیل مدت میں آپ نے ان تمام فتنوں کی سرکوبی فرمادی۔ یہ سب کچھ ان کی بصیرت، تدبر اور جرأت وبہادری کے باعث اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں انجام دیا۔ آپ ہی کے زمانہ میں مسلمان فوجوں نے عراق پہنچ کر جہاں اپنی فتح کے جھنڈے گاڑے وہاں لوگوں نے دعوتِ اسلام کو قبول کرکے مسلمانوں کی افرادی قوت میں بے پناہ اضافہ کیا۔ پھر عراق کی حدود کو عبور کرکے مسلمان فوجیں سرزمین ایران میں ان کے پایۂ تخت مدائن کے دروازے تک پہنچ گئیں۔ ایران وعراق کے علاوہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کے زمانہ میں مسلمانوں کی فوج نے شام کی سرزمین میں قدم رکھا اور ہرقل کی فوجوں کو ہر محاذ پر شکست دی۔ پھر عرب کے لوگوں میں سیاسی وحدت کا شعور پیدا کیا۔ اندرونِ ملک اس قدر اصلاحات کیں کہ آدمی انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ عراق اور شام کے محاذ پر مسلمان فوجیں ان کی

---

❶ دول الاسلام: ١/ ٢٤.

❷ سنن کبریٰ بیهقی: ٦/ ١٤٥.

Marfat.com

صدیوں پرانی شہنشاہیت کے نقوش مٹا رہی تھیں اور قیصر و کسریٰ کی سطوت و عظمت کے نشان ان کی اپنی سرزمینوں اور رعایا کے ذہنوں سے مٹا رہی تھیں کہ موت کا فرشتہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر دستک دینے لگا اور چند روز بیمار رہنے کے بعد اسلام کے یہ شیدائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار اور جانشین داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر روضۂ رسول کے بغل میں قبر کی آغوش میں چلے گئے اور ''مرنے والے تجھے روئے کا زمانہ برسوں'' کا مصداق بنے۔''

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ صرف دو سال تین ماہ دس دن مسند خلافت پر متمکن رہے لیکن اس قلیل عرصہ میں جہاں آپ نے مختلف فتنوں کی سرکوبی کی، وہاں ملکی نظم و نسق، حکام کی نگرانی اور ان کا احتساب، مالی اور فوجی انتظامات، فوج کی اخلاقی تربیت کا اہتمام، بیرونِ ملک جہاد فی سبیل اللہ جاری رکھنے کے لیے سامانِ حرب کی فراہمی اور ترسیل، وسعت سلطنت کے ساتھ مختلف علاقوں میں فوجی چھاؤنیوں کا قیام اور ان کی نگرانی اور دیکھ بھال، بدعات کا انسداد، اشاعت اسلام کی تدابیر اور جمع قرآن جیسے امور کی انجام دہی ایسی چیزیں تھیں، جنھوں نے ملک کی خارجہ پالیسی اور وسعت سلطنت پر زیادہ توجہ دینے کی آپ کو مہلت نہ دی، لیکن پھر بھی عراق، شام، اجنادین، قوج، مکران اور زارہ وغیرہ علاقے آپ کے دور خلافت میں فتح ہو کر خلافت اسلامیہ میں داخل ہوئے۔ ❶

خلیفۂ اوّل کا یہ مختصر دور خلافت سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ایک تربیتی دور تھا اور اس زمانہ میں جو کمالات آپ نے حاصل کیے، ان کے جوہر دکھانے کا موقع آپ کو دور فاروقی میں میسر آیا۔ ابتداء میں تو آپ نے اپنے بڑے بھائی سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی زیر قیادت بہادرانہ کارنامے انجام دیے۔ چنانچہ عہد فاروقی میں صیدا، عرقہ، بیروت وغیرہ شام کے ساحلی علاقوں کی مہم میں سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی زیر قیادت مقدمۃ الجیش کی کمان آپ ہی کے ہاتھوں میں تھی، اور ان علاقوں کے اکثر و بیشتر حصہ کی فتح آپ ہی کی مرہونِ منت ہے، خصوصی طور پر عرقہ کا علاقہ تو تمام تر آپ ہی کی کوششوں سے فتح ہوا۔ قیساریہ کا معرکہ جس میں پہلے سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سترہ ہزار فوج کے ساتھ خود تشریف لے گئے تھے اور بعد میں اپنے بھائی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنا کر واپس فلسطین لوٹ آئے۔

---

❶ فتوح الشام، ص: ۱۱۶۔ یعقوبی: ۲/ ۱۵۱۔ اور طبری وغیرہ۔

Marfat.com

بعض روایات میں ہے کہ قیساریہ کے معرکہ پر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مقرر کیا تھا اور آپ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا:

((انی قد ولیتك قیساریة فسر الیها، واستغفر اللّٰه واکثر من قول . لا حول ولا قوة الاّ باللّٰه .)) ❶

''میں تمھیں قیساریہ کی مہم پر امیر مقرر کرتا ہوں، تم وہاں جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور لاحول ولاقوۃ اللہ باللہ کثرت سے پڑھا کرو۔''

طبری میں ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو قیساریہ کی فتح کے لیے بھیجا اور کہا کہ اس کی فتح کے لیے اللہ تعالیٰ سے نصرت طلب کرنا اور ((لاحول ولا قوة الاّ باللّٰه العلی العظیم، اللّٰه ربنا وثقتنا ومولانا فنعم المولیٰ ونعم النصیر)) کو کثرت سے پڑھنا۔

علامہ بلاذری نے لکھا ہے:

''مؤرخین کہتے ہیں سنہ ۱۹ھ میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قیساریہ کے فتح ہونے کا اعلان فرمایا۔ اس فتح کی خوشی میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خود بھی اور ان کے ساتھ دوسرے مسلمانوں نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اس مہم پر سات سال لگے اور آخر کار سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں یہ فتح ہوا۔'' ❷

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن عساکر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے چند ماہ کم سات سال قیساریہ کا محاصرہ جاری رکھا۔ پھر ایک روز ایک شخص نے قلعہ کے خفیہ راستہ کی نشان دہی کی۔ اس پر مسلمان قلعہ میں داخل ہوئے۔ وہ اتوار کا دن تھا اور رومی اپنے گرجا میں اکٹھے تھے۔ انھیں مسلمانوں کے قلعہ میں داخل ہونے کا علم ہی نہ ہو سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے یکا یک نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ رومی یہ نعرہ سن کر نہایت مرعوب ہو گئے اور قیساریہ فتح ہو گیا۔ اس کی فتح کی خوشخبری تمیم بن ورقاء خثعمی کے ذریعے امیر المؤمنین سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچائی گئی۔ فتح کی خوشخبری سن کر امیر المؤمنین ایک بلند مقام پر کھڑے ہو گئے اور قیساریہ کی فتح کا مژدہ اہلِ مدینہ کو سنایا۔ ❸

---

❶ فطط الشام: ۱/ ۱۲۳.
❷ فتوح البلدان: ۱۷۷.
❸ الاصابه: ۱/ ۱۹۰.

Marfat.com

ابوعبید قاسم بن سلام نے بھی کتاب الاموال میں لکھا ہے کہ اس شہر کو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قریباً سات سال کے محاصرہ کے بعد فتح کیا۔ ❶

سنہ ۱۸ھ میں طاعون عمواس میں آپ کے بھائی سیّدنا یزید رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ آپ کو شام کا گورنر مقرر فرمادیا۔ ❷

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب سنہ ۱۹ھ میں سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا انتقال ہوا اور قاصد نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے انتقال کی خبر دی تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس قاصد کو واپس شام بھیجا اور یزید رضی اللہ عنہ کی جگہ ان کے بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ کو وہاں کا والی مقرر ہونے کا پروانہ دیا۔ پھر آپ نے سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے ان کے بیٹے یزید کی تعزیت کی۔ انھوں نے پوچھا کہ یزید رضی اللہ عنہ کی جگہ کس کو والی بنایا گیا ہے؟ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ان کے بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ کو۔'' ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''امیر المؤمنین! آپ نے صلہ رحمی کا خیال رکھا ہے۔'' ❸

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بڑی بڑی مہمات میں حصہ لیا اور کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ چنانچہ سواحل اُردن کی مہم جو سنہ ۱۵ھ میں پیش آئی، اس میں بھی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شرکت کا پتہ چلتا ہے۔ اس مہم میں لشکر اسلام کے سپہ سالار سیّدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ تھے اور سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ امیر الافواج کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ سیّدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی درخواست پر ایک فوجی دستہ روانہ کرنے کے لیے سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو حکم دیا۔ انھوں نے جو فوجی دستہ کمک کے طور پر سواحل اُردن کی طرف روانہ کیا، اُس کے مقدمۃ الجیش پر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کمان دار تھے۔ سیّدنا یزید رضی اللہ عنہ خود بھی اس میں شامل تھے۔ چنانچہ اسلامی افواج نے اس علاقہ میں گھمسان کی جنگ لڑی اور فتح یاب ہوئیں۔ اس فتح کا سہرا سیّدنا

---

❶ کتاب الاموال، روایت نمبر: ۲۷۹.

❷ فتح الباری: ۷/ ۸۲۔ الاستیعاب: ۱/ ۲۱۶۔ تاریخ ابن خلدون: ۳/ ٦۔ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۲٤۔ ہسٹری آف دی عربز انگریزی، ہٹی، ص: ۱٥٤۔ تاریخ الاسلام ذہبی: ۲/ ٦۸۔ الاصابہ: ۳/ ٤۱۲۔ تہذیب الاسماء واللغات: ۲/ ۱۰۳.

❸ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۱۸۔ فتوح البلدان، ص: ۱٤۷۔ ہسٹری آف دی عربز، انگریزی، ص: ۱۵۴۔ تاریخ الاسلام ذہبی: ۲/ ۹۸۔

Marfat.com

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے سر ہے۔ سیّدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ خلافت میں فتح کا سندیسہ بھجوایا اور سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی اس فتح جلیلہ کا ذکر کیا۔

مرج الصفر کے معرکہ میں بھی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شمولیت کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے۔ اس معرکہ میں سیّدنا خالد بن سعید بن العاص اموی رضی اللہ عنہ نے جامِ شہادت نوش فرمایا اور ان کی شمشیر آبدار سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو انعام کے طور پر دی گئی۔ مرج الصفر کی فتح سے فراغت کے بعد اسلامی افواج نے دمشق کی طرف رجوع کیا اور اس کو فتح کیا۔ ❶

دمشق کی فتح میں اکابر صحابہ سیّدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، سیّدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی مساعی جلیلہ کو بہت دخل حاصل ہے۔ اس موقع پر سیّدنا معاویہ ہراول دستہ کے کمان دار تھے، اس وجہ سے ان کا بھی ان فتوحات میں کافی حصہ ہے، خصوصی طور پر عرقہ کی فتح تو انھی کی مرہونِ منت ہے۔

دمشق کی فتح کے بعد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بھائی یزید رضی اللہ عنہ کی ہدایت پر سواحل دمشق کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں کئی علاقوں کو قدرے مزاحمت کے ساتھ اور بعض کو نہایت آسانی کے ساتھ اسلامی قلمرو میں شامل کرلیا۔ ❷

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی وفات کے بعد ان کے بھائی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کا والی مقرر فرمایا، لیکن ان کے ساتھ دو جلیل القدر صحابہ سیّدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاقہ میں قضاۃ کے مناصب پر فائز فرمایا۔ چنانچہ سیّدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو دمشق اور اُردن کا قاضی اور سیّدنا عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت کو حمص اور قنسرین میں عہدۂ قضا پر فائز کیا۔ اس کے ساتھ ان دونوں حضرات کو اپنے اپنے علاقہ میں نظم ونسق کی نگرانی کے فرائض بھی تفویض فرمائے۔ اتنے جلیل القدر صحابہ کرامؓ کا ان کی ماتحتی میں قضا اور نماز کے انتظام وانصرام کو سنبھالنا سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت شان کا پتہ دیتا ہے۔

---

❶ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فتوح البلدان، صفحہ: ۱۲۳، ۱۲۷۔

❷ فتوح البلدان، ص: ۱۳۳۔ ۱۳٤.

Marfat.com

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ شام کے شہر بغیر کسی خونریز لڑائی کے ایک ایک کر کے فتح ہوتے گئے، کیوں کہ رومیوں میں مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت معدوم ہو چکی تھی اور ان کا رُعب ان کے دلوں پر طاری ہو چکا تھا، چنانچہ بیروت، صیدا، نابلس، لدّ، حلب اور انطاکیہ کے علاقے بغیر کسی شدید مزاحمت کے مسلمان فوج نے فتح کر لیے، اور قیساریہ شام کا آخری شہر تھا جو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہوا۔ ❶

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے بھائی یزید رضی اللہ عنہ کی جگہ شام کا والی مقرر فرمایا تو سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا جس میں انھیں یہ نصیحت کی گئی کہ: ''اے میرے بیٹے! مہاجرین کا یہ گروہ ہم پر سبقت لے گیا اور ہم پیچھے رہ گئے۔ ان کی سبقت ایمانی نے انھیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بلند مقام عطا فرمایا اور ہماری تاخیر نے ہمیں پیچھے رکھا۔ چنانچہ وہ سردار اور قائد ہو گئے اور ہم ان کے اتباع کرنے والے ہو گئے۔ اب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو ان کے معاملات کا والی بنایا ہے، لہٰذا تم ان کی مخالفت نہ کرنا۔'' ❷ اسی قسم کی نصیحت ان کی والدہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے بھی کی اور تاکیداً کہا کہ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی ہر معاملہ میں اطاعت کرنا، اگرچہ وہ معاملہ تمھیں پسند ہو یا ناپسند۔

بعض روایات میں ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو شیوخ اور سن رسیدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی کے باوجود شام کا والی بنایا، حالانکہ وہ نوجوان تھے تو بعض لوگوں نے اس پر تعجب بھی کیا اور اعتراض بھی کہ بوڑھوں کے ہوتے ہوئے ایک نوجوان کو والی بنا دیا گیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولایت کے بارے میں ملامت نہ کرو، کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:

((اللّٰهم اجعله هاديًا مهديًا واهدبه .))

''اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہادی، مہدی اور ذریعۂ ہدایت بنا۔'' ❸

---

❶ الدكتور عبدالرحمٰن شجاع: دراسات فی عهد النبوة والخلافة الراشده، ص: ٣٥٥.

❷ البدايه والنهايه: ٨/ ١٢٤.

❸ السلسة الصحيحة: ٤/ ٦١٥، رقم: ١٩٦٩۔ وقال الالبانی حديثٌ صحيحٌ.

Marfat.com

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام اور اس کے ملحقات کا والی مقرر فرمانے کے چند ہی سالوں میں بیشتر علاقے اسلامی قلمرو میں شامل ہو گئے۔ سنہ ۱۹ھ میں قیساریہ فتح ہوا اور چھ سال کے قلیل عرصہ میں حمص، قنسرین، اُردن، الجزیرہ، فلسطین اور انطاکیہ وغیرہ کئی علاقے فتح کر۔ اور سلامی ریاست کا دائرہ تیزی سے وسیع ہونے لگا۔ اب مرکزِ خلافت سے ایک مکتوب سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو موصول ہوا، جس میں لکھا تھا کہ فلسطین کے باقی علاقوں میں سے عسقلان کی طرف زیادہ توجہ جائے اور اسے اسلامی ریاست میں شامل کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔ امیر المؤمنین کے حکم تعمیل میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس طرف پیش قدمی کی اور اسے فتح کر کے اسلامی ریاست میں شامل کر لیا۔ ❶

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ عسقلان کو پہلی دفعہ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا، لیکن ان کے جانے کے بعد وہاں کے باشندوں نے بغاوت کر دی۔ اس بغاوت میں سلطنت رومہ نے ایک اہم کردار ادا کیا۔ اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی فرمائی اور اس علاقے کو دوبارہ فتح کیا۔

طبری نے لکھا ہے کہ فتوحات کی وسعت کے پیش نظر اب بلقاء، اُردن، فلسطین، سواحل انطاکیہ کا پورا علاقہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولایت میں تھا۔ ❷

سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی یہ عادت تھی کہ وہ بذریعہ خطوط اپنے گورنروں کو وقتاً فوقتاً مختلف ہدایات اور نصائح کرتے رہتے تھے۔ اس سے آپ کے گورنروں کو معلوم ہوتا رہتا تھا کہ خلیفۃ المسلمین ہم سے غافل نہیں ہیں، لہٰذا وہ خود ہر وقت اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہتے تھے۔ اس اصول کے پیش نظر آپ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی بعض مواقع پر مختلف قسم کی ہدایات اور نصیحتیں فرمائیں۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا:

((اما بعد! فالزم الحق ..... لك الحق منازل الحق ولا نقض الاّ بالحق. والسلام.))

''آپ حق پر مضبوطی سے قائم رہیں، اس سے اہل حق کے منازل و مراتب آپ پر واضح

---

❶ فتوح البلدان، ص: ۱٤۹.
❷ طبری: ٤/ ۲٥۰.

Marfat.com

ہوں گے، اور ہر فیصلہ حق وانصاف سے کیجیے۔ والسلام۔'' ❶

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی انھی خدماتِ جلیلہ اور قابلیت کی وجہ سے سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کا لورنروں سے زیادہ سالانہ وظیفہ مقرر فرمایا تھا، ان سے زیادہ کسی اور گورنر کا وظیفہ ہمارے علم کے ن آپ نے مقرر نہیں فرمایا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

''سیّدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا سالانہ وظیفہ دس ہزار دینار مقرر فرمایا، جب وہ شام کے گورنر مقرر کیے گئے۔'' ❷

بارگاہِ خلافت سے یہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ دس ہزار دینار سالانہ یفہ اس زمانہ میں بڑے بڑے لوگوں کا نہیں تھا، لیکن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا اتنا بڑا وظیفہ ان کی قابلیت رسلطنتِ اسلامیہ کے لیے ان کی گراں قدر خدمات کی غمازی کرتا ہے۔ پھر دوسرا اعزاز یہ تھا کہ سیّدنا روقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے پورے عہد خلافت میں ان کو شام کی گورنری سے تبدیل نہیں کیا، حالانکہ یہ ت بھی فاروقی عادات کے خلاف تھی۔ آپ نے اپنے عہد خلافت میں بڑے بڑے جلیل القدر لورنروں کو اپنے عہدوں سے سال دو سال کے بعد تبدیل کر دیا، جن میں ایک سیّدنا سعد بن ابی قاص رضی اللہ عنہ بھی تھے، جو فاتح ایران اور عشرہ مبشرہ کے صحابی تھے، لیکن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اوّل روز سے جس علاقہ میں گورنر متعین کیا تھا، آپ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک ان کو وہاں سے تبدیل میں کیا۔

آپ کے دورِ گورنری میں شام نے زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کی منازل طے کیں (جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آ رہی ہے) سرحدی علاقہ ہونے کی وجہ سے سیاسی اور انتظامی لحاظ سے یہ بہت ضروری تھا کہ مسلمانوں کا ظاہری دبدبہ اور رُعب و داب بھی اہل کفر کے دلوں میں قائم رہے۔ اس کے لیے آپ نے ظاہری شان وشوکت کے طریق اختیار کیے۔ سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ظاہری شان وشوکت کے طریقوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے، لیکن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاسی حکمتِ عملی کے پیش نظر آپ نے بھی ان ذرائع کو اختیار کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ چناں چہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس سے واپسی پر دمشق تشریف لے گئے تو آپ نے بڑی شان وشوکت سے

---

❶ کنز العمال: ۸/ ۲۰۸، رقم: ۲۵۰۶.

❷ الاستیعاب: ۳/ ۳۸۳.

Marfat.com

امیر المؤمنین کا استقبال کیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ شان وشوکت اور ظاہری ٹھاٹھ باٹھ ناپسند فرماتے ہوئے پوچھا: ''معاویہ رضی اللہ عنہ! تم نے یہ سادہ روی کیوں چھوڑ دی؟'' آپ نے جواب میں عرض کیا:

((انا بارض جواسیس العدو فیها کثیرة، فیجب ان تظهر من عز السلطان ما یکون فیها عزّ الاسلام واهله ونرهبهم به.))

''امیر المؤمنین! ہم ایک ایسی سرزمین میں ہیں، جہاں دشمن کے جاسوس ہر وقت کثیر تعداد میں رہتے ہیں، لہٰذا ان کو مرعوب کرنے کے لیے گورنر کو ظاہری شان وشوکت دکھانا ضروری ہے۔ اسی میں اسلام اور اہل اسلام کی عزت وتوقیر ہے۔''

سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ جواب سن کر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''امیر المؤمنین! دیکھیے، کس احسن طریق سے انھوں نے اپنے آپ کو الزام سے بچالیا۔'' امیر المؤمنین نے فرمایا: ''اسی لیے تو ہم نے اس کے کاندھے پر یہ بارِ گراں ڈالا ہے۔'' ❶

اسی طرح کی ایک اور روایت ہے کہ ایک مرتبہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ آپ نے ایک سبز رنگ کا حُلّہ پہنا ہوا تھا جو نہایت خوبصورت تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وہ حلہ دیکھا تو تعجب ہوا، چنانچہ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو وہ خوبصورت حُلّہ پہنے دیکھا تو درّہ سے اس کو مارنے کے لیے لپکے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''امیر المؤمنین! میرے بارے میں اللہ سے ڈریں۔'' سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر واپس اپنی جگہ پر آ گئے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی: ''امیر المؤمنین! آپ نے اسے کیوں نہیں مارا، جب کہ آپ کے ہاں کوئی بھی اس قسم کا لباس نہیں پہنتا؟'' آپ نے فرمایا: ''میں نے اس میں نیکی اور خیر ہی دیکھی اور اس کے بارے میں مجھے ہمیشہ خیر کی خبر ہی پہنچی۔'' ❷

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب دیکھتے تو فرماتے: ((هذا کسریٰ العرب)) .....

''یہ (شان وشوکت میں) عربوں کا کسریٰ ہے۔'' ❸

---

❶ البدایه والنهایه: ۸/ ۱۲٤۔ مقدمه ابن خلدون، ص: ۲۳۲۔ القلقشندی: ٤/ ۲۳۱۔ کتاب الاعلام: ۳/ ۱۵۲.

❷ البدایه والنهایه: ۸/ ۱۲۵.

❸ البدایه والنهایه: ۸/ ۱۲۵۔ الاستیعاب، ص: ٦٦٨.

Marfat.com

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ معمولی معمولی باتوں پر گرفت فرماتے تھے کہ اس کی مثال تاریخ کے اوراق میں نہیں ملتی۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک آدمی کو صرف اس وجہ سے گورنری سے معزول فرمادیا کہ وہ بچوں سے پیار نہیں کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا: ''جب تو چھوٹے بچوں سے پیار نہیں کرتا تو اپنی رعایا اور پبلک کے ساتھ کیسے شفقت ومحبت سے پیش آئے گا۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے اتنی بڑی بڑی باتوں پر مواخذہ نہ فرمانا، بلکہ ان کے فعل کی تحسین فرمانا اس بات کی بین دلیل ہے کہ آپ کو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک خاص قسم کا اعتماد تھا اور آپ ان کی عقل وفراست اور دانش وبصیرت کے قائل تھے، اسی لیے ان کی ہر بات کو کسی نہ کسی حکمت عملی پر محمول کرتے تھے، بلکہ بقول مصطفیٰ بک ''جہاں تک سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی عقل وفراست کا تعلق ہے اس کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ کو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے مردم شناس خلیفہ نے شام جیسے اہم صوبے کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔'' ❶

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی بلکہ انتظام حکومت کے لیے ایک اصول تھا کہ کسی گورنر یا سپہ سالار کو زیادہ دیر تک ایک جگہ نہیں رکھتے تھے۔ آپ کے گورنروں میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی وہ واحد شخصیت تھی، جن کو آپ نے اپنے پورے عرصہ خلافت میں ایک دفعہ بھی دمشق سے کسی دوسری جگہ تبدیل نہیں کیا، کیوں کہ آپ وہاں کے لیے انھیں موزوں ترین شخص سمجھتے تھے۔ چنانچہ دینی اور انتظامی لحاظ سے آپ میں اگر کوئی نقص ہوتا تو اوّل تو آپ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بالکل معزول فرمادیتے، نہیں تو کم از کم آپ کا تبادلہ تو ضرور کسی اور جگہ فرمادیتے، لیکن آپ نے اپنے پورے دورِ خلافت میں ان کی قدر ومنزلت میں اور اضافہ ہی کیا۔ اس سے یہ اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کس قدر قابل اعتماد تھے۔ اور نہ صرف قابل اعتماد تھے بلکہ اپنی نظری، فکری، علمی اور عملی قابلیتوں کا سکہ بھی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر جمایا ہوا تھا، کیوں کہ دمشق جیسے سرحدی علاقہ میں جہاں ہر وقت بازنطینی حکومت کے حملہ کا خطرہ ہو، صرف اور صرف اس شخص کو اتنے عرصہ تک متعین کیا جاسکتا ہے جس کی ثقاہت اور نظری، فکری اور سیاسی قابلیتوں پر غیر معمولی اعتماد اور بھروسا ہو، اور حکومت کے ساتھ اس کی وفاداری میں ذرا بھی شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو۔ ایسے علاقے میں ایسے آدمی کا تقرر ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں کیا جاسکتا، جس کی حکومت اور اسلام سے وفاداری ذرّہ برابر بھی

---

❶ حماة الاسلام: ١/ ١٦٦.

Marfat.com

مشکوک ہو۔

پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ صرف ایسے آدمی ہی کو گورنری کا منصب عطا نہیں فرماتے تھے جو حکومت کے انتظامی اور ترقیاتی امور ہی سے آشنا ہو بلکہ آپ گورنر کی انفرادی، جماعتی، دینی، دنیوی، اقتصادی اور معاشی زندگی کی باریکیوں پر بھی نگاہ رکھتے تھے، کیوں کہ: ((الناس علیٰ دین ملوکھم .)) ..... ''لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں'' کے تحت آپ یہ سمجھتے تھے کہ گورنر اور حاکم وقت کی مجموعی زندگی کا اثر پورے معاشرہ پر پڑتا ہے، اور رعایا کی پوری زندگی اس سے متاثر ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے صرف اس وجہ سے ایک گورنر کو معزول فرما دیا کہ اس نے بچوں پر نظر شفقت نہیں کی تھی اور معزول فرماتے وقت آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ''میں نے تم میں قساوت قلبی کے آثار دیکھے ہیں، لہٰذا میں ایک ایسے آدمی کو ایک ثانیہ کے لیے بھی لوگوں پر حاکم نہیں بنا سکتا، جس کے قلب میں رحم اور شفقت علی الخلوق کی کمی ہو، کیوں کہ خطرہ ہے کہ اس کی سخت دلی اور قساوت قلبی کے اثرات لوگوں کو بھی قاسی القلب بنا دیں۔

خالد بن ولید سیف اللہ رضی اللہ عنہ کو کون نہیں جانتا۔ لسان نبوت نے ان کو سیف من سیوف اللہ فرمایا ہے۔ (بخاری) غزوۂ موتہ، سریہ نجران، سریہ عزیٰ مزار، عین التمر، حصید وخنافس، شام، عراق، یرموک، حمص اور بیت المقدس کی فتوحات آپ ہی کی مرہونِ منت ہیں، بلکہ مرتدین کی سرکوبی اور مدعیانِ نبوت کا استیصال تو خصوصی طور پر سارے کا سارا آپ ہی کی وجہ سے ہے، جیسا کہ طبری نے لکھا ہے:

((ان فتوح اھل الردّة کلّھا کانت لخالد بن ولید وغیرہ .)) ❶

''ارتداد کی ساری فتوحات خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی مرہونِ منت ہیں۔''

قریباً سو، سوا سو لڑائیوں میں آپ نے اپنی تلوار کے جوہر دکھلائے اور جسم پر ایک بالشت حصہ بھی ایسا نہیں تھا جو تیروں اور تلواروں کے زخموں سے چھلنی نہ ہوا ہو۔ ❷

پھر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو نہایت محبوب سمجھتے تھے۔ محبوبیت نبوت کے لیے ''سیف من سیوف اللہ'' کا لقب ہی کیا کم تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی فرماتے: ''خالد رضی اللہ عنہ کو تم لوگ کسی قسم کی تکلیف

---

❶ طبری، جلد:۳، واقعات، سنہ ۱۱ھ۔ ❷ اسد الغابہ: ۲/ ۹۵.

Marfat.com

نہ دو، کیوں کہ وہ خدا کی تلوار ہے، جس کو اس نے کافروں پر کھینچا ہوا ہے۔'' ❶

فتح مکہ کے موقع پر جب آپ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے اور ایک گھاٹی کی طرف سے سیّدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی داخلِ مکہ ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ دیکھو وہ کون ہے؟ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ ''خالد بن ولید رضی اللہ عنہ!'' آپ نے فرمایا: ''یہ خدا کا بندہ بھی کیا خوب ہے۔'' ❷

ایک مرتبہ بارگاہِ رسالت سے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا گیا، تو ابن جمیل رضی اللہ عنہ، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ دینے میں پس و پیش کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: ''ابن جمیل رضی اللہ عنہ فقیر تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو دولت مند کیا، یہ اس کا عوض ہے، لیکن خالد رضی اللہ عنہ پر تم لوگ زیادتی کرتے ہو۔ اس نے اپنا تمام سامان حرب اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کر دیا ہے۔ اس پر زکوٰۃ کیسی؟ رہا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا معاملہ تو اس کا میں ذمہ دار ہوں، کیا تم نہیں جانتے کہ چچا باپ کے بجائے ہوتا ہے۔'' ❸

یہی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، ''سیف من سیوف اللہ'' شجاعت اور جانبازی کے لحاظ سے تاج اسلام کے درشاہوار، بارگاہِ رسالت کے گوہرِ تابدار اور اپنے زمانے کے نہایت بااثر اور ذی وقار بزرگ، بارگاہِ فاروقی سے سپہ سالاری کے منصب سے صرف اس لیے معزول کر دیے گئے کہ انھوں نے ایک قصیدہ گو کو دس ہزار درہم کی رقم بطورِ انعام دی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب پتہ چلا تو آپ نے سپہ سالارِ اعظم سیّدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ خالد رضی اللہ عنہ نے اگر یہ انعام اپنی گرہ سے دیا ہے تو اسراف کیا ہے، اور اگر بیت المال سے دیا ہے تو خیانت کی ہے،

لہٰذا دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہے۔ ❹

سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ رشتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہیں۔ ❺ اسلام میں چھٹے یا ساتویں مسلمان ہیں۔ ❻ غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد، فتح مکہ، غزوۂ طائف، غزوۂ حنین، غزوۂ تبوک اور دیگر

---

❶ الاصابہ: ۲/ ۹۹۔ ❷ مسند احمد: ۲/ ۲۶۰۔ اسد الغابہ: ۲/ ۹۴۔

❸ مسلم: ۱/ ؟؟؟؟۔ ابو داؤد: ۱/ ۱۶۳۔

❹ ابن اثیر: ۲/ ۴۱۸۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: حکیم محمود احمد ظفر ''سیّدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ''

❺ اسد الغابہ ❻ فتح الباری: ۷/

Marfat.com

غزوات کے جانباز مجاہد، عشرہ مبشرہ کے ایک فرد، فاتح ایران، بانی کوفہ، اتنی خصوصیات کے حامل، لیکن بتانے والوں نے جب بتایا کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں ایک محل تعمیر کرایا ہے، جس میں ایک ڈیوڑھی بھی ہے، جس کی وجہ سے لوگوں کو گورنر تک پہنچنے میں کچھ رکاوٹ ہوتی ہے یا رکاوٹ ہونے کا اندیشہ ہے تو آپ نے اسی وقت سیّدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ جا کر اس ڈیوڑھی کو آگ لگا دیں کیوں کہ وہ قصر سعد نہیں بلکہ قصر فساد ہے۔ چنانچہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی تعمیل میں کوفہ پہنچ کر اس ڈیوڑھی کو آگ لگا دی اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ خاموشی سے دیکھتے رہے۔ ❶

سیّدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی اور گورنر مصر ہیں۔ دربارِ خلافت سے شکایت پہنچی کہ وہ باریک کپڑے پہنتے ہیں اور ان کے دروازہ پر دربان مقرر ہے۔ اطلاع کا پہنچنا تھا کہ دربارِ خلافت سے احتساب شروع ہوا۔ فوراً محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو تحقیقات کے لیے بھیجا اور حکم ہوا کہ اگر یہ اطلاع درست ہے تو عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کو فوراً دربارِ خلافت میں پیش کیا جائے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ مصر پہنچے اور عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کے گھر گئے، دیکھا کہ واقعی دروازے پر دربان ہے اور عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ باریک کپڑے پہنے گھر میں بیٹھے ہیں۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ گورنر مصر کو اسی ہیئت اور لباس میں لے کر مدینہ طیبہ آئے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا باریک کرتا اتروایا اور بالوں کا کرتہ پہنا کر جنگل میں بکریاں چرانے کا حکم دیا۔ عیاض رضی اللہ عنہ کو انکار کی مجال نہ تھی مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مرجانا بہتر ہے۔ سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تو تمھارا آبائی پیشہ ہے، اس میں عار کیوں؟ غرض عیاض رضی اللہ عنہ نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی اور احسن طریقہ سے ادا کرتے رہے۔ ❷

سیّدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نہایت بلند مرتبہ صحابی اور قرآنِ حکیم کے بہترین ماہر اور قاری ہیں۔ ❸ ایک دفعہ کسی مجلس میں اُٹھے تو کچھ لوگ ادب واحترام کی وجہ سے ان کے ساتھ ساتھ چلے۔ اتفاق سے امیر المؤمنین سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اُدھر آ نکلے۔ یہ حالت دیکھ کر آنکھیں سرخ ہوگئیں اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو زور سے ایک کوڑا مارا۔ سیّدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بہت تعجب ہوا اور کہا خیر تو ہے؟ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

---

❶ کنز العمال: ۳/ ۳۵۵.
❷ کتاب الخراج، ص: ٦٦۔ طبری: ٤/ ٢٠٧.
❸ بخاری مع فتح الباری: ۷/ ۱۰۰.

Marfat.com

((اما ترىٰ فتنة للمتبوع ومذلة للتابع .)) ❶

''تجھے معلوم نہیں کہ یہ بات متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کے لیے ذلت کا سبب ہے۔''

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے گورنروں کا یہ احتساب اور ان کے اخلاق و عادات کی اس قدر نگرانی صرف اس لیے تھی کہ آپ سمجھتے تھے کہ حاکم اور گورنر میں اگر اخلاق اور تدین کی چھٹانک بھر کمی ہوئی تو رعایا میں منوں کے حساب سے کمی واقع ہو جائے گی۔ اس وجہ سے آپ جب بھی کسی کو گورنر بنا کر بھیجتے تو گورنر کے سارے فرائض اس کو سمجھاتے۔ پھر اس سے عہد لیتے کہ وہ؛

۱. ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا۔
۲. باریک کپڑا نہ پہنے گا۔
۳. چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔
۴. دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔
۵. اور اہلِ حاجت کے لیے اس کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا۔ ❷

اور پھر بھرے مجمع میں اس کا اعلان فرماتے:

((اللّٰهم انّی اشهدك علىٰ امراء الامصار انّما بعثتهم ليعلموا الناس دينهم وسنّة نبيّهم وأن يقسموا بينهم فيئهم وان يعدلوا، فان اشكل عليهم شئ رجعوه الىّ .)) ❸

''اے اللہ! میں ان گورنروں کے بارے میں جن کو میں نے مختلف شہروں میں مقرر کیا ہے، تجھے گواہ بناتا ہوں، اے اللہ! میں نے ان کو اس لیے گورنر بنا کر بھیجا ہے، تاکہ یہ لوگوں کو ان کا دین سکھائیں اور ان کے نبی کی سنت کی تعلیم دیں، اور فیئے کا مال ان پر تقسیم کریں اور انصاف کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں، اور اگر کسی معاملہ میں ان کو کوئی مشکل پیش آئے تو میری طرف رجوع کریں۔''

ایک مرتبہ ایک خط میں ارشاد فرمایا، جس میں اس بات کو ان الفاظ میں دہرایا:

---

❶ مسند الدارمی، ص: ۷۱.
❷ طبری: ٤/ ۲۰۷.
❸ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیه: ۲/ ۹.

Marfat.com

''بخدا! میں نے اپنے گورنروں کو اس لیے نہیں بھیجا ہے کہ وہ تم کو ماریں پیٹیں، اور نہ اس لیے کہ تمھارے مال چھینیں بلکہ میں نے ان کو اس لیے بھیجا ہے کہ تمھیں تمھارا دین اور نبی ﷺ کی سنت سکھائیں، جس کسی کے ساتھ اس کے خلاف عمل کیا گیا ہو وہ مجھ سے اس کی شکایت کرے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں اس سے ضرور بدلہ لوں گا۔''

اس پر مصر کے گورنر سیّدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اُٹھ کر کہا کہ: ''حضرت! اگر کوئی شخص مسلمانوں کا گورنر ہو اور تادیب کی غرض سے کسی کو پیٹے تو کیا آپ اس سے بھی بدلہ لیں گے؟ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہاں بخدا! میں اس سے بھی بدلہ لوں گا، کیوں کہ میں نے خود سرورِ کائنات ﷺ کو اپنی ذات سے بدلہ لیتے دیکھا ہے۔'' ●

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ان کلمات و واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ گورنروں کو بھیجتے ہی صرف اس لیے تھے کہ وہ لوگوں کو اللہ کا دین اور نبی اکرم ﷺ کی سنت کی تعلیم دیں۔ ان میں اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ پیدا کریں۔ اگر اس بارے میں کسی میں کوئی کمی محسوس فرماتے تو اس پر احتساب فرماتے جیسا کہ گزشتہ صفحات کے واقعات اس پر شاہد ناطق ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے عمال سنتِ نبوی کی اتباع میں اپنی مثال آپ تھے۔

اب سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جیسے مُحتسب اور سنت نبوی کا لحاظ رکھنے والے، خلیفہ راشد کا سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو دمشق کا گورنر بنانا اور ان کو اپنی وفات تک بغیر کسی احتساب کے وہاں برقرار رکھنا، اس بات کی بین دلیل ہے کہ وہ تدین، تقویٰ اور سنتِ نبویؐ کی پیروی میں ایک بہت بڑے مقام کے حامل تھے، اور صرف خود ہی سنت نبوی کے عاشق نہ تھے، بلکہ دوسروں کے لیے بھی اس معاملہ میں روشنی کا مینار تھے۔ اسی وجہ سے سیّدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اہلِ شام سے فرمایا کرتے تھے:

((ما رأیت احداً اشبه صلوٰة بصلوٰة رسول الله ﷺ من امامکم هذا یعنی معاویة .)) ●

● کتاب الخراج لقاضی ابی یوسف، ص: ۹۶۔ کامل لابن اثیر: ۳/ ۳۰۔ مسند ابی داؤد طیالسی، رقم: ۵۵۔ طبری: ۳/ ۲۷۳.

● منهاج السنّه: ۳/ ۱۸۵.

Marfat.com

''میں نے تمھارے اس امام یعنی معاویہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا جس کی نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز کے مشابہ ہو۔''

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب سیّدنا عمیر رضی اللہ عنہ کو حمص کی گورنری سے معزول فرما کر سیّدنا معاویہؓ کو ان کی جگہ گورنر مقرر فرمادیا تو کچھ لوگوں نے سیّدنا عمیر رضی اللہ عنہ کے سامنے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعض بے جا باتیں کیں۔ اس کے جواب میں سیّدنا عمیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((لا تذكروا معاوية الاَّ بخير فاني سمعت رسول الله ﷺ يقول: اللّهم اهد به .)) ●

''معاویہ رضی اللہ عنہ کی بات اگر کرنی ہے تو اچھائی اور خیر سے کرو، کیوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خود فرماتے سنا ہے کہ اے اللہ! معاویہؓ کو ذریعہ ہدایت بنا۔''

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح ایک روایت سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی ہے کہ جب آپ کے پاس سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر کچھ تنقید کی گئی اور بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نوجوان ہیں اور عمیر رضی اللہ عنہ تجربہ کار اور ذہنی پختگی کے حامل ہیں، اس پر آپ نے ان کے اعتراضات کا ان الفاظ میں جواب دیا کہ:

''معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر جس نے بھی کرنا ہو وہ اچھے طریقے سے کرے، کیوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خود فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: اے اللہ! معاویہ کو ہدایت کا ذریعہ بنا۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے اللہ! معاویہ کو ہدایت دے اور ہدایت کا ذریعہ بنا۔'' ●

محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب ''الفاروق'' میں ایک روایت نقل کی ہے کہ شام سے واپسی پر جابیہ کے مقام پر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیّدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمادیا۔ سیّدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی امیر المؤمنین سے معزولی کی وجہ دریافت

● ترمذی: ۲/ ۲٤۷۔ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۲۲۔ التاریخ الکبیر بخاری: ۳/ ۳۲۸.

● البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۲۲.

Marfat.com

کی گئی تو آپ نے فرمایا:

''میں نے کسی ناراضی کی وجہ سے انھیں معزول نہیں کیا، بلکہ اس لیے معزول کیا ہے کہ یہاں ایک مضبوط سیاسی گورنر کی ضرورت تھی۔'' ❶

سیّدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی معزولی کے بعد شام کا پورا صوبہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے تحت آ گیا۔ ❷ اور دس ہزار دینار سالانہ تنخواہ مقرر ہوئی۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسماعیل بن امیہ سے نقل کیا ہے کہ؛

((ان عمرا فرد معاوية بالشام ورزقه فی کل شهر ثمانين دينار .))

''سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شام کا پورا علاقہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے تحت کر دیا اور اسّی (۸۰) دینار ماہانہ مشاہرہ مقرر فرمایا۔'' ❸

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت سے بڑے متاثر تھے اور ان کی علمی اور فکری صلاحیتوں کا آپ کو پورا پورا اعتراف تھا۔ چنانچہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے:

''جب معاویہ رضی اللہ عنہ جیسا عقل و دانش کا مجسمہ تم میں موجود ہے تو پھر تمھیں قیصر و کسریٰ کی زیرکی کا تذکرہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟'' ❹

ایک دفعہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کسی شخص نے آپ کے سامنے کچھ نازیبا الفاظ کہے۔ آپ نے فرمایا:

((دعونا عن ذم فتی قريش من يضحك فی الغضب، ولا ينال ما عنده علَى الرضاء ولا يؤخذ مافوق راسه الاَّ من تحت قدميه .)) ❺

''قریش کے اس نوجوان کی برائی سے ہمیں معاف رکھو، یہ نوجوان ایسا ہے کہ غصہ میں ہنستا ہے اور سوائے اس کی رضا کے اس سے کچھ حاصل نہیں کیا جا سکتا، اور جو کچھ اس کے سر پر ہو وہ صرف اس کے قدموں کے نیچے ہی سے حاصل ہو سکتا ہے، یعنی اس کی

---

❶ الفاروق: ۱/ ۲۹۸. ❷ الفاروق: ۱/ ۳۰٤.

❸ تاريخ الاسلام ذهبی: ۲/ ۳۱۹.

❹ ابن اثير: ۳/ ۲٦۲۔ طبری: ٤/ ۱٤۷۔ تاريخ الاسلام: ۲/ ۳۲۰.

❺ ازالة الخفا: ۲/ ۷٥۔ البدايه والنهايه: ۸/ ۱۲٤.

Marfat.com

عزت وتکریم سے اس سے لیا جاسکتا ہے۔''

اسی طرح ایک سیاسی گفتگو کے دوران سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی اصابت رائے کی تعریف کی اور لوگوں کو تشتت وانتشار سے منع فرمایا۔

ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ آپ کی بڑی قدر فرماتے تھے۔لیکن کبھی کبھی نصیحت بھی فرماتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کسی مشاورت کے لیے شام سے حج کے لیے روانہ ہوئے۔ جب وہاں پہنچ کر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے پوچھا کہ آپ کب آئے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ابھی ابھی سیدھا آپ ہی کے پاس آیا ہوں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پہلے اپنے والدین اور خصوصی طور پر اپنی والدہ ہند رضی اللہ عنہا سے ملاقات کر کے آئیں۔ چنانچہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدھے اپنی والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔حال احوال کی خیریت دریافت ہونے کے بعد سیّدہ ہند رضی اللہ عنہا نے سیّدہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''بیٹا! تمھیں امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعے ترقی حاصل ہوئی ہے، اس لیے ہمیشہ ان کی پسند کا خیال رکھو اور ناپسندیدہ امور سے اجتناب اور احتراز کرو۔ (آپ کی والدہ ماجدہ کا مطلب یہ تھا کہ دین وشریعت کی مکمل پیروی ہی ترقی کا ذریعہ ہے۔)''

والدہ سے ملاقات کے بعد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ [1]

علاوہ ازیں تاریخ کی کتابوں میں اس قسم کے دسیوں حوالہ جات ملتے ہیں، جن میں سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف فرمائی ہے اور اسی وجہ سے آپ نے انھیں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی جگہ شام کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ آپ اپنی نظری، فکری اور علمی وعملی قابلیتوں کی بدولت جلد ہی اپنے معاصرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نگاہ میں انتہائی بلند مقام حاصل کر چکے تھے، اور صحابہ کرام میں سے کوئی شخص بھی آپ کے [illegible] برا خیال نہ رکھتا تھا۔ سیّدنا عثمان، سیّدنا علی اور سیّدنا حسن

---

[1] انساب الاشراف بلاذری: ٤/ ١٠ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔ الاصابہ: ٦/ ١١٤۔ البدایہ والنہایہ: ٨/ ١٢٨.

Marfat.com

بن علی رضی اللہ عنہم کے خیالات آپ کے بارے میں نہایت اعلیٰ تھے۔ کبھی کوئی ایسی بات منہ سے نکالنا تو درکنار حاشیۂ خیال میں بھی نہ لاتے تھے، جس سے ذرہ برابر بھی ان کی تنقیص کا اظہار ہوتا ہو، بلکہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے تو ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے قیامت تک آنے والوں کو آپ کے مقام واحترام سے آگاہ کر دیا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی اور ترجمان القرآن سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آپ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

((ما رأیت احداً الیق من اعطاف معاویة بالریاسة والملك .)) ●

''میں نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ ریاست اور امور مملکت میں اور کسی کو لائق نہیں دیکھا۔''

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جذبات کو ان الفاظ کا جامہ پہنایا ہے:

((ما رأیت رجلًا اخلق بالملك من معاویة .))

''میں نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ حکومت کے لائق کسی کو نہیں دیکھا۔'' ●

اسی قسم کی رائے سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر اکابر صحابہ کی آپ کے بارے میں تھی۔ ان تمام اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت فاروقی میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایک نہایت اہم مقام کے حامل تھے اور آپ کی اسی اہمیت کے پیش نظر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو دمشق کی گورنری کے عہدہ پر متعین فرمایا تھا اور پوری مدت خلافت ان کو وہیں رکھا۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا اس بارے میں خود اپنا بیان کافی ووافی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے۔ انھوں نے مجھے والی اور حاکم بنایا اور اپنے کام میں شامل فرمایا۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے انھوں نے بھی مجھے والی اور حاکم بنایا۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے انھوں نے بھی مجھے حاکم بنایا۔ پھر عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ انھوں نے بھی مجھے والی بنایا۔ پس ان میں سے جس کے لیے بھی حاکم بنا اور جس نے بھی مجھے حاکم بنایا وہ سب مجھ سے راضی تھے۔'' ((الاَّ وھو راض عنی .)) ●

● الفخری، ص: ٧٦.

● البدایہ والنہایہ: ٨/ ١٣٥۔ التاریخ الکبیر بخاری: ٤/ ٣٢٧۔ طبری: ٥/ ٣٣٧۔ ابن اثیر: ٣/ ٢٦٣۔ الاصابہ: ٣/ ٤١٣.

● طبری: ٣/ ٣٦٣.

Marfat.com

عہد عثمانی اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ:

جس شخصیت کو سرکارِ دو عالم ﷺ، سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی خصوصی نوازشات سے نوازیں اور اس کے حق میں دُعائیں فرمائیں، کبھی علم بردار لشکر بنائیں تو کبھی گورنر اور والی کے منصب پر بٹھائیں، پھر بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس پر نظرِ شفقت نہ فرمائیں۔ چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تو صرف دمشق کا علاقہ آپ کے زیرِ حکومت تھا، سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی قابلیت اور صلاحیتوں کے پیشِ نظر شام، فلسطین، اُردن اور لبنان وغیرہ کا پورا علاقہ ان کے تصرف اور اختیار میں دے دیا۔ ●

سنہ ۲۳ھ میں ایک ایرانی ابولؤلو مجوسی کے ہاتھوں ایک خاص سازش کے تحت سیّدنا عمرؓ کو شہید کردیا گیا۔ وہ سازش کیا تھی؟ یہ ایک لمبی داستان ہے۔

روایات کے مطابق سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ پر ۲۷ ذی الحجہ سنہ ۲۳ھ بدھ کے روز فجر کی نماز پڑھانے کے دوران ابولولو فیروز مجوسی ایرانی نے حملہ کیا، جس سے آپ شدید زخمی ہوگئے۔ تین روز تک اس دنیائے فانی میں زخمی حالت میں رہے اور ۳۰ ذی الحجہ سنہ ۲۳ھ ہفتہ کے روز آپ اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کو انتقال فرما گئے۔ یکم محرم الحرام سنہ ۲۴ھ کو آپ کی تدفین ہوئی۔ تدفین سے فراغت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس مشاورت منعقد ہوئی اور ۳ محرم کو سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بالاتفاق سریر آئے خلافت ہوئے اور زمام اقتدار سنبھالی۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۸ سال تھی۔

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بے شمار فتوحات ہوئیں۔ گویا فتوحات کے لحاظ سے عہد عثمانی کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اگرچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی ریاست ۲۲ لاکھ مربع میل کی پہنائیوں تک پہنچ چکی تھی، لیکن سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی وسعتوں میں اس قدر اضافہ کیا کہ دنیا کے مؤرخین اس پر انگشت بدنداں ہیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں دنیا کے جس قدر علاقے کو اپنی قلمرو میں داخل کیا، اگر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس میں مزید کوئی اضافہ نہ کرتے بلکہ اسی کا انتظام و انصرام ہی صحیح طریقہ سے کرتے تو یہ بھی آپ کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہوتا، لیکن آپ نے فاروقی سلطنت کا انتظام و انصرام بھی نہایت احسن طریقے سے کیا اور اس کے ساتھ سلطنت کی

● معاویہ بن ابی سفیانؓ، بسام علی، ص: ۴۰۔ تاریخ خلیفہ بن خیاط، ص: ۱۵۵.

Marfat.com

پنہائیوں میں مزید اضافہ بھی کیا۔ آپ اپنے عہد خلافت میں تین براعظموں، ایشیا، افریقہ اور یورپ میں مختلف محاذوں پر نبرد آزما ہوئے اور ہر محاذ پر اپنی قابلیت اور اپنی افواج کی بھرپور صلاحیتوں کا دنیا سے لوہا منوایا، اور آنے والے مؤرخین آپ کا اسم گرامی دنیا کے عظیم فاتحین میں شامل کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس جانشینِ فاروقِ اعظمؓ نے ممالک مفتوحہ سے مختلف بغاوتوں اور شورشوں کو فرو کیا، اور اپنے حسن تدبیر، حسن عمل اور اخلاص وللّٰہیت سے وہاں کی رعایا کو ایسا رام کیا کہ انھیں پھر سر اُٹھانے کا موقع نہ ملا۔ یہ بھی آپ کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ کیوں کہ سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سلطنت اسلامی میں بے شمار بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ کہیں اہل آرمینیہ اور آذربائیجان نے خراج دینا بند کر دیا، کہیں اہل خراسان نے بغاوت کے لیے سر اُٹھایا، لیکن جراح ورگ زن کی طرح تشدد و تلطف کی پالیسی اختیار کر کے آپ نے ان کو اطاعت وانقیاد پر مجبور کر دیا۔

آرمینیہ کی فتح:

آرمینیہ جس کے شمال مغرب میں بحر اسود، مشرق میں جارجیا، جنوب مغرب میں ایشیائے کوچک ہے، سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی سلطنت میں داخل ہوا۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سریر خلافت پر متمکن ہوئے تو انھوں نے شام کے گورنر سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو لکھا کہ وہ حبیب بن مسلمہ الفہری رضی اللہ عنہ کو لوگوں میں اسلام کو روشناس کرانے کے لیے آرمینیہ بھیجیں، کیوں کہ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا فتوحات شام اور روم کی جنگ میں اچھا خاصا اثر تھا۔ چنانچہ وہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم پر چھ ہزار اور بقول بعض مؤرخین آٹھ ہزار کا لشکر لے کر آرمینیہ کی جانب روانہ ہوگئے۔ جب وہ قالیقا کے شہر کے قریب پہنچے تو انھوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اہل شہر نے مقابلہ کیا، لیکن شکست فاش کھائی اور جلاوطن ہونے یا جزیہ ادا کرنے کی شرط پر امان دی گئی۔ سیّدنا حبیب بن مسلمہ الفہری رضی اللہ عنہ چند ماہ یہاں مقیم رہے۔

حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ابھی یہاں مقیم تھے کہ انھیں معلوم ہوا کہ بطریق ارمیناقس نے اہل اسلام سے فیصلہ کن جنگ کرنے کے لیے ایک لشکر جرار اکٹھا کیا ہے اور لان، اقخار اور سمندر کے باشندوں کی امداد بھی انھیں حاصل ہوگئی ہے۔ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو صورتِ حال سے آگاہ کیا اور امداد طلب کی۔ انھوں نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ شام اور الجزیرہ کے ان مسلمانوں کو

Marfat.com

جو جہاد فی سبیل اللہ کا ولولہ رکھتے ہوں، حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے بھیجیں۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل میں دو ہزار سپاہی بھیجے، جن کو حبیب نے قالیقا میں بسایا، انھیں جاگیریں دیں اور انھیں وہاں مرابطین بنایا۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جب حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا خط بارگاہِ خلافت میں پہنچا تو امیر المؤمنین نے سعید بن العاص رضی اللہ عنہ گورنر کوفہ کو لکھا کہ وہ سلمان بن ربیعہ الباہلی جو ''سلمان الخیل'' کے نام سے مشہور تھے، کی زیر قیادت ایک لشکر حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے بھیجیں۔ سلمان رضی اللہ عنہ چھ ہزار کا لشکر لے کر کوفہ سے حبیب کی امداد کے لیے روانہ ہوئے۔

اس زمانہ میں مواصلاتی ذرائع اتنے تیز نہ تھے، اس وجہ سے حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس امداد پہنچنے میں دیر ہوگئی۔ اس عرصہ میں رومی اور ان کے اتحادی اپنی جنگی تیاریاں مکمل کر کے فرات پر خیمہ زن ہوگئے۔ ادھر حبیب رضی اللہ عنہ کی فوج بھی بالکل تیار تھی۔ انھوں نے کمک کا انتظار کیے بغیر دشمن پر شب خون مارا اور ان کو خوب پامال کیا، لیکن چونکہ ان کا سپہ سالار مارا گیا تھا، اس لیے باقی ماندہ فوج کے حوصلے پست ہوگئے تھے اور وہ فرار ہونے پر مجبور ہوگئے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ رات کو حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اُمّ عبداللہ بنت یزید الکلبیہ نے حبیب سے پوچھا: ''تم کہاں ملو گے؟'' حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''سراپردۂ موریان میں یا پھر جنت میں۔'' چنانچہ جب حبیب سراپردۂ موریان پہنچے تو اپنی اہلیہ کو وہاں موجود پایا، کیوں کہ وہ ان سے پہلے وہاں پہنچ چکی تھیں۔'' ❶

حبیب جب رومیوں کو شکست فاش دے چکے تو اس کے بعد وہ کمک ان کے پاس پہنچی جو گورنر کوفہ نے انھیں بھیجی تھی۔ کوفہ کی فوج جو سلمان بن ربیعہ کی زیر قیادت حبیب کی امداد کے لیے آئی تھی، یہ چاہتی تھی کہ مال غنیمت میں انھیں بھی شریک کیا جائے، لیکن حبیب رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ کچھ آپس میں سخت سخت باتیں بھی ہوئیں، لیکن کوفی فوج مالِ غنیمت میں حصہ لینے میں کامیاب نہ ہوسکی۔ چنانچہ امیر المؤمنین کو اس بارے میں لکھا گیا۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''غنیمت صرف اہل شام کا حق ہے۔'' ❷

---

❶ فتوح البلدان، ص: ۲۰۵، ۲۰۶۔ ابن اثیر: ۳/ ۴۳.

❷ فتوح البلدان، ص: ۲۰۶.

Marfat.com

بلادِ روم کے کچھ علاقے سردیوں کے موسم میں سخت سردی کی لپیٹ میں ہوتے تھے۔ اس موسم میں ان پر حملہ کرنا سخت مشکل ہوتا تھا، اس وجہ سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے موسم گرما میں ان علاقوں کو فتح کرنے کے لیے مجاہدین اسلام کے لشکر بھیجے۔ ان غزوات کو تاریخ میں ''الصائفہ'' کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان سرد علاقوں میں سردیوں کے موسم میں لڑائی بند کردی جاتی اور موسم گرما میں مجاہدین کو ان علاقوں میں پھر روانہ کردیا جاتا۔ ان غزوات میں بہت سے قلعے فتح کیے گئے اور بہت سا مالِ غنیمت حاصل ہوا، بلکہ بعض مؤرخین کے بقول مجاہدین اسلام بلادِ رُوم میں عموریہ تک جا پہنچے اور اس سے آگے انطاکیہ اور طرطوس کے قلعوں کو خالی پا کر اپنے لشکر وہاں جمع کردیے۔ ●

گویا ایشیائے کوچک میں شامی سرحدوں کے قریب اور رومی قلعوں پر بھی آپ نے قبضہ کرلیا اور پھر قبرص پر بحری حملہ کرنے کے لیے امیر المؤمنین سے بحری بیڑا تیار کرنے کی اجازت طلب کی اور قبرص کی فتح کے بعد تنگنائے قسطنطنیہ تک بڑھتے چلے گئے۔

بحری بیڑا اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ:

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسلامی مملکت کی حدود و ثغور میں بے پناہ اضافہ ہوا، لیکن اس زمانہ میں ہر وقت بحری حملے کا کھٹکا ہر وقت رہتا تھا، کیوں کہ رومی مملکت کا بحری بیڑا بہت مضبوط تھا اور وہ مسلمانوں کے ساحلی علاقے پر کبھی کبھار رہزنوں کی طرح حملے کرتا رہتا تھا، جس کی وجہ سے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ساحلی علاقوں پر فوجی چھاؤنیاں قائم کردی تھیں اور بندرگاہوں پر فوج متعین کرکے ان کو مستحکم کردیا تھا، تاکہ رومیوں کے اچانک حملے کا جواب دیا جاسکے، لیکن یہ مسئلہ کا صحیح حل اور اس مرض کا حقیقی علاج نہیں تھا۔ اس کا صحیح حل یہی تھا کہ مسلمان اپنا بحری بیڑا تیار کریں اور دشمن کا سمندر ہی میں مقابلہ کریں۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ شام جیسے ساحلی علاقے کے گورنر تھے، اس وجہ سے انھیں بحری طاقت کا صحیح اندازہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بڑے اصرار کے ساتھ یہ درخواست کی کہ رومی سلطنت کی سرحد شام کے علاقہ حمص سے اس قدر قریب ہے کہ انھیں رومیوں کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں اور مرغیوں کے بولنے کی آواز تک سنائی دیتی ہے، لہٰذا ہمیں بحری بیڑا تیار کرنے کی اجازت

● البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۵۷۔ ابن خلدون: ۲/ ۱۰۰۱۔

Marfat.com

دی جائے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو جنہیں بحری سفر کا تجربہ تھا، لکھ بھیجا کہ مجھے سمندر اور اس میں سفر کرنے کے بارے تفصیلات لکھ کر بھیجیں، کیوں میرا دل اس پر مطمئن نہیں ہے۔

سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے خط کے جواب میں لکھا:

''میری رائے میں ایک عظیم مخلوق سمندر پر ایک ننھی سی مخلوق یعنی کشتی پر اس طرح سوار ہوتی ہے کہ سوائے پانی اور آسمان کے وہاں کوئی اور چیز نظر نہیں آتی، اور وہ لوگ جو اس سمندر میں کشتی پر سوار ہوتے ہیں، ان کی مثال اس طرح ہوتی ہے، جس طرح لکڑی پر کیڑا سوار ہوتا ہے۔ اگر لکڑی ذرا ایک طرف پلٹ جائے تو کیڑا دب جائے، اور اگر بخیر و عافیت ساحل پر پہنچ جائے تو وہ حیران و پریشان ہو۔'' ●

ابن اثیر نے سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے الفاظ اس طرح نقل کیے ہیں:

''میری رائے میں ایک عظیم مخلوق پر ایک ننھی سی مخلوق اس طرح سوار ہوتی ہے کہ سوائے پانی اور آسمان کے وہاں اور کوئی شئے نظر نہیں آتی۔ اگر وہ رُک جائے تو دل پھٹنے لگیں اور حرکت کرے تو دل اُڑنے لگیں۔ ساحل تک پہنچنے کا یقین کم اور شک زیادہ ہوتا ہے، اور وہ سمندر میں ایسے ہوتے ہیں جیسے کیڑا لکڑی پر سوار ہو۔ اگر وہ ایک طرف پلٹ جائے تو غرق ہو جائے اور اگر صحیح و سالم ساحل پر پہنچ جائے تو حیران و سراسیمہ ہو جائے۔'' ●

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب سیّدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا خط ملا تو آپ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''ایسا ہرگز نہیں ہوگا، اس خدا کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں مسلمانوں کو سمندر پر کبھی بھی سوار نہیں کروں گا۔'' ●

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا:

''مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ شام کا سمندر دنیا میں سب سے زیادہ طویل ہے اور وہ ہر شام و پگاہ اللہ تعالیٰ سے زمین کو غرق کرنے کا اذن مانگتا ہے، لہٰذا میں اس کافر سمندر پر اپنے

● طبری: ۳/ ۳۱۶.
● ابن اثیر: ۳/ ۴۸.
● طبری: ۳/ ۳۱۶۔ ابن اثیر: ۳/ ۴۸.

Marfat.com

لشکر کو کس طرح سوار کروں، اور بخدا! ایک مسلمان مجھے رومی مچھلی سے بہت زیادہ محبوب ہے، لہٰذا آئندہ اس بات کا مجھ سے مطالبہ نہ کرنا۔ میں اس سے قبل بھی تمھیں کہہ چکا ہوں کہ اس بات کا ارادہ ترک کردو، اور میں کسی حالت میں بھی اس متلاطم سمندر پر سوار ہونے کا حکم نہیں دے سکتا۔'' ❶

اسی اثناء میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ ان کی خلافت کے دوران بھی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بدستور شام کی گورنری کے عہدہ پر متمکن رہے۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ساحل سمندر پر جو علاقے واقع ہیں، وہاں قلعہ بندی اور ذخیرہ اندوزی کی جائے اور جن مسلمانوں کو ان ساحلی علاقوں میں آباد کرو، ان کو جاگیریں دو۔ امیر المؤمنین کے اس حکم پر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا نخلِ آرزو پھر ہرا ہوگیا، جس کو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قطعی انکار نے یک قلم خشک کردیا تھا۔

دراصل سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے انکار کی وجہ ایک تو یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو کسی جوکھم اور مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک ایک انسان کی جان کی بہت قدر و قیمت تھی۔ وہ کسی صورت بھی یہ برداشت نہیں کرسکتے تھے کہ ایک مسلمان کی جان سمندر میں غرق ہوکر ضائع ہو۔ اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ اس وقت تک ایرانیوں کا تو قادسیہ، نہاوند اور مدائن کی جنگوں میں تیاپانچہ ہوچکا ہے، لیکن یہ رومی ہر وقت ہمارے دین، ملک، تہذیب و تمدن اور معاشرہ کے لیے خطرہ اور سوہانِ روح بنے رہتے ہیں، اور ان کی ہمارے خلاف جس قدر سرگرمیاں ہیں، ان میں سب سے بڑی چیز ان کی بحری طاقت کا نشہ ہے، لہٰذا جب تک ان کے اس نشہ کو ہرن نہیں کیا جائے گا اور سمندر میں آگے بڑھ کر ان کے اس غرور کو پامال نہیں کیا جائے گا، یہ ہمارے لیے ہر وقت دردِ سر بنے رہیں گے۔ دوسرے وہ علاقے جن تک پہنچنے میں سمندر راستے میں حائل ہے، ان تک ہم نے اسلامی دعوت اور تہذیب معاشرت کو پہنچانا ہے، لہٰذا اس کے لیے بحری بیڑا ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ چنانچہ آپ مستقل اس کی اجازت حاصل کرنے میں لگے رہے۔

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آپ کے دل کی یہ دبی ہوئی چنگاری ایک بار پھر شعلہ بار

---

❶ طبری: ۳/ ۳۱۶۔ ابن اثیر: ۳/ ۴۸.

Marfat.com

ہوئی اور آپ نے بیم و رجا کی حالت میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے جزیرۂ قبرص پر حملہ آور ہونے کی اجازت طلب کی۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ حالات کی نزاکت اور وقت کے تقاضے کو بخوبی سمجھتے تھے، لہٰذا انھوں نے اجازت دے دی اور فرمایا:

۱ تمھارے ساتھ تمھاری اہلیہ بھی شریکِ سفر ہو۔

۲ اس بحری لڑائی کے لیے لوگوں کو خود منتخب نہ کرو اور نہ ہی قرعہ اندازی کرو بلکہ اختیار دو کہ وہ خود اپنی مرضی سے اس جنگ میں شریک ہوں، اور جو کوئی اپنی خوشی سے اس جنگ میں شریک ہونا چاہے، اسے لے جاؤ۔

چنانچہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ خلافت سے اجازت ملتے ہی اپنی پوری توجہ بحریہ کی تشکیل کی جانب مرتکز کر دی اور جلد ہی ایک بحری بیڑا تیار کیا جو پانچ سو بحری جہازوں پر مشتمل تھا اور قبرص پر فتح حاصل کرنے کے لیے پوری پوری جدوجہد کی۔ کیوں کہ مقابلہ ہرقل کی فوجوں سے تھا۔ اور دوسری بات یہ کہ مسلمانوں کا بحری جنگ کا یہ پہلا تجربہ تھا جس کا کامیاب ہونا ازحد ضروری تھا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین کی ہدایت کے مطابق اپنا پہلا بحری سفر عکا سے شروع کیا جو شام کی ایک بندرگاہ ہے، اور دمشق کے جنوب مغرب میں واقع ہے، اور ان کی اہلیہ فاختہ بنت قرظہ بن عبد عمرو بن نوفل بن عبد مناف بھی ان کے ساتھ تھیں۔

قبرص کی فتح:

قبرص (Cyprus) ایک جزیرہ ہے جو بحیرۂ روم میں واقع ہے۔ مسلمانوں نے آج تک جتنی فتوحات کیں وہ صرف خشکی کے راستہ سے کیں۔ بحری راستہ سے ایک بھی ملک انھوں نے فتح نہیں کیا تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی مملکت کا رقبہ ۲۲ لاکھ مربع میل تھا، لیکن یہ سارا علاقہ مسلمانوں نے خشکی کے راستہ سے فتح کیا تھا، اس وجہ سے ان کے نزدیک بحری طاقت کی وہی اہمیت نہ تھی جو بری کی تھی۔ یہ بحری طاقت ہی تھی جس کی وجہ سے ہرقل روم نے فوجی جہاز بحیرۂ روم کے راستے بھیج کر مسلمانوں سے اسکندریہ چھین لیا تھا۔ بحری طاقت کی اہمیت کو پہلی بار سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی نے بارگاہِ خلافت میں واضح کیا اور بحری بیڑے کے بانی بھی آپ ہی ہیں۔ اس بحری طاقت نے اسلامی سلطنت کی حدود و ثغور کی توسیع میں مستقبل میں ایک اہم کردار ادا کیا۔

Marfat.com

جب اسلامی بحریہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے تشکیل دے دی تو سب سے پہلا حملہ آپ نے قبرص پر کیا، جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیش گوئی بھی حدیث میں آئی ہے۔ آپ نے اس پیش گوئی کو عملی شکل دی اور آپ کی یہ پیش گوئی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پوری ہوئی۔ وہ پیش گوئی یہ تھی۔

''حجتہ الوداع کے بعد ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ اُمّ حرام رضی اللہ عنہا زوجہ سیّدنا عبادہ بن الصامت انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں کھانا تناول فرما کر استراحت کی غرض سے لیٹ گئے، سیّدہ اُمّ حرام رضی اللہ عنہا (جو رشتہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ لگتی تھیں) نے آپ کے سرہانے بیٹھ کر آپ کا سر مبارک دیکھنا شروع کیا۔ آپ کو نیند آ گئی۔ تھوڑی دیر بعد سیّدہ اُمّ حرام رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سیّدہ اُمّ حرام رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسکرانے کا سبب دریافت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری اُمت کے کچھ لوگ سمندر میں جنگ و جہاد کے ارادہ سے اس طرح سوار ہیں جس طرح بادشاہ اپنے تختوں پر بیٹھے ہوتے ہیں۔'' سیّدہ اُمّ حرامؓ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دُعا فرمایئے کہ میں بھی ان میں شامل ہوں۔'' آپ نے دُعا فرمائی اور پھر آرام فرمانے کے لیے لیٹ گئے۔ کچھ دیر بعد پھر مسکراتے ہوئے اُٹھے اور اسی طرح کے خواب کا اعادہ فرمایا۔ سیّدہ اُمّ حرام رضی اللہ عنہا نے پھر اپنی شرکت کی دُعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا: ''تم پہلی جماعت کے ساتھ ہو۔'' ❶

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں:

((اوّل جیش من اُمّتی یغزون البحر قد اوجبوا .))

''میری اُمت کا پہلا لشکر جو بحری لڑائی لڑے گا اس پر جنت واجب ہوگئی۔''

''وجوب جنت'' کے اس ارشادِ نبوی کا مصداق ہونے کے لیے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس بحری فوج میں جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خوشی اور مسرت کے ساتھ شرکت کی۔ ان میں سیّدنا ابوذر

---

❶ ترمذی: ۱/ ۲۳٤۔ ابو داؤد مع عون المعبود: ۲/ ۳۱۵۔ سنن النسائی: ۲/۵۳۔ زرقانی: ۲/ ۷٦٦۔ الاصابہ: ۸/ ۲۲۲۔ بخاری: ۱/ ۳۹۱، ٤۰۳، ٤۰۵، ٤۰۹۔

Marfat.com

غفاری رضی اللہ عنہ، سیّدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ، سیّدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ، سیّدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ، سیّدنا ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ، سیّدنا عبداللہ بن بشر مازی رضی اللہ عنہ، سیّدنا فضائل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، سیّدنا فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ، سیّدنا ابوایوب خالد بن زید بن کلیب انصاری رضی اللہ عنہ، سیّدنا عمیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ، سیّدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ محترمہ سیّدہ اُمّ حرام بنت ملحانؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس بحری لشکر کے امیر البحر سیّدنا عبداللہ بن قیس الحارثی مقرر کیے گئے۔ سنہ ۲۸ ھ میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبرص کی فتح کے لیے اپنے اس بیڑے کو بحر روم میں داخل کیا۔ ادھر سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ لشکر لے کر چلے۔ ادھر سے گورنر مصر سیّدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ مصر سے ان کی مدد کے لیے چلے اور دونوں فوجیں آپس میں مل گئیں اور ایک لشکر جرار بن گیا۔ اہل قبرص اس بھاری لشکر کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے اور ہزار دینار سالانہ پر صلح کر لی۔ صلح مندرجہ ذیل شرائط پر ہوئی:

☆ اہل قبرص سات ہزار دینار سالانہ جزیہ ادا کریں گے۔

☆ مسلمان قبرص کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔

☆ بحری جنگوں میں اہل قبرص اہل اسلام کے دشمن کی نقل و حرکت سے ان کو مطلع کرتے رہا کریں گے۔ ❶

اہل قبرص چار سال تک اس معاہدے پر قائم رہے، لیکن معاہدے کے چار سال بعد سنہ ۳۲ ھ میں مسلمانوں کے خلاف رومیوں کے ممالک محروسہ میں شامل کر لیا اور اعلان کر دیا کہ مستقبل میں یہاں کے باشندے رومیوں کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات نہ رکھیں گے۔ اس کے علاوہ اہل دیوان میں سے آپ نے بارہ (۱۲) ہزار جنگ آزما افراد یہاں متعین فرما دیے۔ انھوں نے یہاں آ کر مساجد تعمیر کرائیں۔ سلمان، بعلبک (شام کا ایک شہر) کی بھی ایک جماعت یہاں بسائی گئی اور جو لوگ یہاں آ کر آباد ہوئے، انھیں گراں قدر عطیات دیے گئے۔

قبرص کی فتح میں بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا اور کفار کے بہت سے آدمی قتل اور اچھی خاصی تعداد قیدی بنائی گئی۔ ❷

---

❶ فتح الباری: ٦/ ٦٧۔ ابن اثیر: ٣/ ٤٨۔ فتوح البلدان، ص: ١٦٠.

❷ البدایہ والنہایہ: ٧/ ١٥٣.

Marfat.com

جبیر بن نفیر کہتے ہیں کہ جب اہل قبرص کو قیدی بنا کر لایا گیا تو سیّدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ انھیں دیکھ کر اشک بار ہو گئے۔ میں نے پوچھا: ''جس روز اللہ تعالیٰ نے دین اسلام اور اہل اسلام کو عزت و تمکنت عطا فرمائی ہے اور کفر اور اہل کفر کو خائب و خاسر کیا ہے، اس روز آپ کے رونے کی کیا وجہ ہے؟ سیّدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے میرے کندھے پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

''جبیر! یہ لوگ دوسروں پر غالب تھے۔ ان کی حکومت تھی۔ جب یہ لوگ سرکش اور حق تعالیٰ کے نافرمان ہو گئے تو پھر ان کا یہ حال ہو گیا جو تم دیکھ رہے ہو، اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر گرفتاری کا عذاب مسلط کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی حاجت نہیں رہتی۔ نیز فرمایا کہ جب لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری چھوڑ دیتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل ترین مخلوق ہو جاتے ہیں۔'' ❶

قبرص کی یہ جنگ بڑی اہمیت کی حامل تھی کیوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لشکروں کے بارے میں وجوب جنت اور مغفرت کی خوش خبری سنائی تھی۔ پہلے لشکر کے بارے میں فرمایا: ''میری امت کا پہلا لشکر جو بحری لڑائی لڑے گا اس پر جنت واجب ہو گئی۔'' ❷

اور دوسرے لشکر کے بارے میں فرمایا:

((اول جيش من امتي يغزون مدينة قيصر مغفور لهم)) ❸

''میری امت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا، اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں مغفرت کا پروانہ ہے۔''

اسی وجہ سے ان دونوں لشکروں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی۔ چنانچہ پیش گوئی کا پہلا حصہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت میں پورا ہوا اور دوسرا حصہ آپ کے دور خلافت میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ پہلے لشکر کی قیادت آپ نے بہ نفس نفیس کی اور دوسرے لشکر کی قیادت سنہ ۵۲ھ میں آپ کے بیٹے یزید نے کی۔ اسی وجہ سے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے مشہور محدث مہلب کا ایک قول نقل کیا ہے:

---

❶ البداية والنهاية: ۱۵۳/۷۔ ابن اثير ۳/ ۴۷۔ طبري: ۳/ ۳۱۸.

❷ بخاری: ۴۰۹/۱.

❸ بخاري: ۴۱۰/۱.

Marfat.com

''اس حدیث میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ومنقبت ثابت ہوتی ہے کیوں کہ انھوں نے سب سے پہلی بحری لڑائی لڑی ہے، اوران کے بیٹے یزید کی منقبت بھی ثابت ہوتی ہے کیوں کہ اس نے سب سے پہلے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا۔'' ❶

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ان دونوں لشکروں کو نبوت کی ایک عظیم دلیل قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ حدیث پیش کر کے فرماتے ہیں:

''یعنی لشکر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب سنہ ۲۸ھ میں قبرص پر چڑھائی کی اور اسے فتح کیا۔ یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوا اور اس لشکر میں سیّدہ اُمّ حرام رضی اللہ عنہا اپنے شوہر سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی معیت میں شریک تھیں، اور سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ وغیرہ بھی اس لشکر میں شریک تھے۔ سیدہ اُمّ حرام رضی اللہ عنہا وہاں اللہ کے راستہ میں شہید ہوگئیں اور ان کی قبر آج تک قبرص میں موجود ہے۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دوسرے لشکر کے قائد اور قسطنطنیہ کی جنگ کے سپہ سالار یزید بن معاویہ تھے۔ اور یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔'' ❷

اسی بارے میں کسی مورخ کا اختلاف نہیں کہ مسلمانوں میں سے بحری حملہ سب سے پہلے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبرص پر کیا اور وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی پیشین گوئی کے اولین مصداق ہیں۔ ❸

سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا جن کے گھر پر آپؐ نے ان دونوں لشکروں کے بارے میں خوش خبری سنائی، ان کی ان دنوں لشکروں میں شرکت کے بارے میں دعا کی درخواست پر آپؐ نے فرمایا کہ تو پہلے لشکر میں شامل ہوگی دوسرے میں نہیں۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جزیرہ قبرص پر لشکر کشی کی تو سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا اس لشکر میں شامل تھیں۔ جب یہ لشکر فتح ونصرت کے پھریرے اڑاتا واپس ہو رہا تھا تو سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا خچر سے گر پڑیں اور وہیں انتقال فرما گئیں۔ ❹

---

❶ فتح الباري: ٦/٧٨.
❷ البدايه والنهايه: ٨/٢٢٩.
❸ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اسد الغابة: ٥/٥٧٥، الاعلام، خير الدين زركلي: ٨/١٧٣.
❹ بخاري: ١/٣٩١، اسدالغابة: ٥/٥٧٥، البداية والنهاية: ٧/١٥٣، ٨/٢٢٩، ابن اثير: ٣/٤٧، ٤٨، عمدة القاري: ١٤/١٩٨، ارشاد الساري: ٥/١٠٤.

Marfat.com

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ: ''سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا اللہ کے راستہ میں شہید ہوئیں اور ان کی قبر آج تک قبرص میں ہے''۔ ❶

فتح قبرص ایک تو دینی لحاظ سے مسلمانوں کے لیے بہت فائدہ مند ثابت ہوئی کہ اس کے تمام شرکاء کو دخول جنت کا پروانہ مل گیا اور دوسرے دنیاوی لحاظ سے بھی بہت مفید ہوئی کہ مسلمانوں کا بحری بیڑا اور بحریہ قائم ہوگئی جس کی وجہ سے بحر روم مسلمانوں کا بازی گاہ بن گیا اور ان کے لیے آئندہ بحری مہموں کا راستہ کھل گیا، اور ساتھ ہی اسلامی حکومت کا دفاع مضبوط ہوگیا۔ ❷

اسی زمانہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام میں بحر روم کے ساحل پر اور انطاکیہ سے لے کر طرطوس تک فوجی نوآبادیاں قائم کیں۔ ❸ اس سے دفاعی قوت نہایت مضبوط ہوئی اور مسلمان دور دراز علاقوں تک پھیل گئے اور بحر و بر میں اسلام کا پھریرا لہرانے لگا۔

شمشاط اور ملطیہ کی فتح:

شمشاط آرمینیہ کی جنوبی سرحد کے قریب ایک مقام ہے۔ امیر المومنین نے گورنر شام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ شمشاط کو اسلامی ریاست میں داخل کیا جائے۔ اس سلسلہ میں یا تو تم خود اس پر چڑھائی کرو یا کسی اور قابل جرنیل کو اس مہم کے سر کرنے پر متعین کرو۔ امیر المومنین کا حکم پہنچتے ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حبیب بن سلمہ فہری رضی اللہ عنہ اور صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ کو اس کام پر مامور کیا۔ یہ دونوں حضرات تعمیل حکم کے لیے شمشاط پہنچے اور شہر کا محاصرہ کرلیا۔ اہل شہر محاصرہ کی تاب نہ لا سکے اور انھوں نے مندرجہ ذیل شرائط پر صلح کی جو منظور کرلی گئی۔

۱۔ اہل شمشاط کا ہیکل اور اس کے اردگرد کا علاقہ انھی کے پاس رہے گا۔

۲۔ جو کلیسے اس وقت شمشاط میں موجود ہیں، ان کے علاوہ اہل شمشاط اور کوئی کلیسا تعمیر نہیں کرسکیں گے۔

۳۔ اسلام کے دشمنوں میں سے اگر کوئی دشمن مسلمانوں پر حملہ کرے تو اہل شمشاط مسلمانوں کی مدد کریں گے۔

---

❶ البداية والنهاية: ۸/۲۲۹.
❷ فتوح البلدان، ص: ۱٦.
❸ ابن اثیر ۳/ ٤٤.

Marfat.com

۴۔ ان شرائط میں سے اگر کسی ایک شرط کو بھی اہل شمشاط توڑ دیں گے تو مسلمان ان کی جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔

شمشاط سے ۸۰ میل دور جنوب مغرب میں ایک شہر ملطیہ واقع تھا۔ یہ اگرچہ آرمینہ سے باہر ہے لیکن الجزیرہ کا ایک نہایت اہم شہر ہے۔ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ وہ ملطیہ پر بھی لشکر کشی کر کے اسے اسلامی قلمرو میں داخل کریں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مہم کے لیے بھی حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ ہی کو منتخب فرمایا اور ایک لشکر لے کر انھیں اس پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ حبیب بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے بزور شمشیر اس کو فتح کر کے اسلامی ریاست میں داخل کر دیا۔ [1]

قسطنطین سے پہلی جنگ:

خلافت فاروقی اور خلافت عثمانی رضی اللہ عنہ میں اسلامی فوج کا کارواں جس جانب رخ کرتا، فتح و نصرت اس کے قدم چومتی۔ ان دونوں خلافتوں کے جرنیل شہر پر شہر فتح کرتے جاتے اور ہر شہر پر اسلامی پھریرا لہراتے ہوئے آگے گزر جاتے۔ ایران کے کسریٰ اور روم کے قیصر کی ساری عظمتیں اور سارا شکوہ و جلال خاک میں مل گیا۔ جہاں کسریٰ ایران کو قادسیہ، نہاوند اور مدائن کے میدانوں میں شکست فاش سے دوچار ہونا پڑا، وہاں قیصر روم کو بھی شام اور یرموک کے میدانوں میں خائب و خاسر ہونا پڑا۔ خلافتِ فاروقی میں جہاں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تستر، نہاوند، قادسیہ اور مدائن کی جنگوں میں شکست فاش دے کر ایران کے بادشاہ یزدگرد کو ملک سے بھگا دیا تھا اور اس کا اپنا ملک باوجود وسعت کے اس پر تنگ ہو گیا تھا، وہاں امین الامت سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی شام میں شہر پہ شہر فتح کر کے آگے بڑھتے جا رہے تھے، اور یرموک میں تزارق کو شکست دے چکے تھے، دمشق فتح کر چکے تھے، فحل میں ہرقل روم کی فوجوں کے پرخچے اڑا چکے تھے اور طبریہ اور بیسان پر اسلامی پرچم لہرا چکے تھے، جس کی وجہ یہ تھی کہ یرموک، دمشق، طبریہ، اور فحل یہ سب کے سب شام کی سرحدوں کے قریب صحرا کی جانب واقع تھے۔

مسلمانوں کی ان فتوحات سے بھاگ کر جیسے کسریٰ ایران مارا مارا پھر رہا تھا ویسے ہی قیصر روم بھی دمشق کے فتح ہونے کے بعد حمص بھاگ گیا تھا۔ اور جب حمص پر بھی لشکر اسلام نے قبضہ کر لیا تو

---

[1] فتوح البلدان، صفحہ: ۱۹۳.

Marfat.com

وہ انطاکیہ اور پھر قسطنطنیہ بھاگ گیا۔ وہاں بھی اسے ہر وقت مسلمانوں کے لشکر کا خطرہ اور اندیشہ رہتا تھا۔

ادھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ہی میں سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سرزمین مصر کو فتح کر کے اسلامی مملکت میں شامل کر لیا تھا، اور عہد عثمانی میں جب سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ گورنر مصر مقرر ہوئے تو انھوں نے تیونس، الجزائر اور دوسرے کئی ایک ممالک کو جو قیصر روم کے زیر نگین تھے، قیصر روم کی غلامی کے جوئے سے آزاد کروا دیا اور اس طرح سے قسطنطنیہ کی فتح کے لیے ایک راستہ تیار کر لیا۔ پھر فتح قبرص کے وقت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت اسلامی بحریہ بھی قائم ہو چکی تھی جس سے قیصر روم کے دارالحکومت پر مسلمانوں کا حملہ اور آسان ہو گیا، لہٰذا قیصر روم کو اہل اسلام کی جانب سے ہر وقت ایک خطرہ درپیش تھا اور وہ اس خطرے کو شدت سے محسوس بھی کرتا تھا۔

دوسرے اس کی حکومت سمٹ سمٹا کر صرف چند شہروں تک محدود رہ گئی تھی اور اس کی ملکی آمدنی میں اس حد تک کمی واقع ہو گئی کہ ان چند شہروں کا صحیح انتظام تو ایک طرف خود اس کو اپنے ذاتی اخراجات چلانا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ دوسری طرف جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں سارے شام کی عنان حکومت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دی تو وہ ہر سال موسم سرما میں رومی علاقوں پر لشکر کشی کر کے نئے نئے قلعے فتح کرتے اور بہت سا مال غنیمت حاصل کرتے جس سے رومی عوام پر مسلمانوں کا رعب اور خوف و ہراس پیدا ہو رہا تھا۔ اس سے بھی قیصر روم کو اپنی سلطنت کا سفینہ ہچکولے کھاتا نظر آ رہا تھا۔ لہٰذا اس کی ہر ممکن کوشش یہ تھی کہ وہ اپنی پوری قوت کو میدان جنگ میں جھونک کر اچانک اسلامی افواج پر ہلّہ بول دے اور ان کی تمام حربی قوت ہمیشہ کے لیے مضمحل اور کمزور کر دے بلکہ ختم کر دے۔

اسلامی لشکر نے جب اسکندریہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا اس دوران ہرقل کی موت کی خبر انھیں ملی۔ ہرقل کی موت کے بعد اس کا بیٹا قسطنطین اس کے تخت پر بیٹھا اور کاروبار حکومت سنبھالا تو اسلامی افواج کی فتوحات کے بارے میں سن کر اور ان کے بڑھتے ہوئے سیلاب اور ان کے شکوہ اور جلال کی چمک نے اس کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا اور مسلمانوں سے انتقام لینے کی آگ کا الاؤ اس کے دل میں بھڑکنے لگا۔ وہ شب و روز اس خیال میں غلطاں و پیچاں رہا کرتا کہ کسی طریقہ سے مسلمانوں کی حکومت سے اپنے مفتوحہ علاقوں کو آزاد کرایا جائے اور باقی ماندہ علاقوں کو کسی طرح ان کی تاخت سے محفوظ و

Marfat.com

مصئون رکھا جائے۔

قسطنطین کی آتش انتقام میں جب زیادہ حدّت اور شدّت پیدا ہوئی تو اس نے اپنے جرنیلوں اور امرائے لشکر کے باہمی مشورہ سے ایک منصوبہ اور پلان بنایا۔ وہ پانچ سو یا چھ سو جنگی جہازوں اور ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ سنہ ۳۱ھ میں بذات خود اسکندریہ پر بھی حملہ آور ہوا تا کہ مسلمانوں کو عبرت ناک شکست دے کر اپنے مقبوضہ علاقے ان سے دوبارہ حاصل کر سکے۔ اس کی ان جنگی تیاریوں کے بارے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''رومی جوش حمیت میں پاگل ہو گئے اور قسطنطین بن ہرقل (قیصر روم) کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور مسلمانوں پر اتنی بڑی جمعیت کے ساتھ حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے کہ اتنی بڑی جمعیت اس سے قبل مسلمانوں کے مقابلہ پر دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ وہ پانچ سو جنگی جہازوں پر سوار ہو کر نکلے۔ ❶

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ اس جنگ کا سبب یہ ہوا کہ جب مسلمانوں نے افریقہ، تیونس، الجزائر اور مراکش وغیرہ کے ممالک پر چڑھائی کی اور وہاں کے باشندوں کو جنگ کے دوران قتل کیا اور قیدی بنایا تو قیصر روم قسطنطین کے جوش انتقام کو تازیانہ لگا۔

''قسطنطین بن ہرقل ایک جمعیت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے نکلا اور رومی ابتدائے اسلام سے آج تک اتنی بڑی جمعیت کے ساتھ کبھی مسلمانوں کے خلاف نہیں نکلے تھے۔ پس وہ پانچ سو یا چھ سو جنگی جہازوں کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے نکلے۔'' ❷

قسطنطین کی اس یلغار کا جب امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو اس یلغار کے مقابلہ کے لیے ان کی نگاہِ انتخاب گورنر شام سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ پر پڑی اس لیے کہ فنون حربیہ خاص طور پر بحری جنگ سے وہ بخوبی آشنا اور ماہر تھے۔ دوسرے شام کا گورنر ہونے کی وجہ سے جو کہ رومیوں کی سرحد کے متصل اسلامی صوبہ تھا، ان کی جنگی چالوں اور جنگ کے داؤ پیچ سے اچھی طرح روشناس تھے۔ لہٰذا انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ فوری طور پر پہنچ کر اس کا مقابلہ کیا

---

❶ البداية والنهاية: ٧/ ١٥٧.

❷ ابن اثير: ٣/ ٥٨۔ طبري: ٣/ ٣٤٠.

Marfat.com

جائے اور اس کو ایسی شکست فاش دی جائے کہ اُسے پھر ساری زندگی مسلمانوں سے مقابلہ کی ہمت نہ پڑے۔ اس کے ساتھ ہی گورنر مصر سیدنا عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ بسرعت تمام اپنی پوری جمعیت اور سارا لشکر لے کر اسکندریہ پہنچیں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں قیصر روم اور قسطنطین کو ایسی مار ماریں کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آ جائے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے:

''قیصر روم کے مقابلہ کے لیے مسلمان نکلے۔ شام کے لوگ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی قیادت میں تھے اور امیر البحر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ تھے۔''

امیر المومنین کے فرمان کے مطابق دونوں حضرات فوری طور پر اسکندریہ پہنچے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے گورنر مصر سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ بجائے خشکی پر جنگ کرنے کے دشمن سے سمندر ہی میں نمٹ لیا جائے کیوں کہ خشکی پر جنگ کرنے میں ہماری اور پوزیشن ہوگی اور سمندر میں جنگ کرنے میں ہماری پوزیشن مختلف ہوگی۔ امیر البحر سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو جنگی لحاظ سے بہتر سمجھتے ہوئے اپنے بحری بیڑے کو مختلف اسلحہ سے آراستہ کر کے سمندر میں دھکیل دیا اور یہ سمندر کی لہروں سے کھیلتا ہوا قیصر روم کے بحری بیڑے کے بالکل مقابل جا کر کھڑا ہو گیا۔

آفتاب افق مغرب سے رینگ رہا تھا اور سواد شام کائنات کو اپنی سیاہ چادر میں چھپانے کے لیے تیار کھڑی تھی جب یہ دونوں جنگی بیڑے ایک دوسرے کے بالمقابل لنگر انداز ہوئے سمندر کی کوہ آسا موجوں، رات کی تاریکی اور ہر طرف پانی کی موجودگی نے ایک خوفناک منظر پیدا کر دیا اور دشمن کی افواج اس منظر سے کافی حد تک مرعوب ہو گئی تھیں، تاہم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیصر روم کو کہلا بھیجا کہ رات کی تاریکی میں جنگ کرنا مناسب نہیں، لہٰذا سپیدۂ صبح نمودار ہونے تک جنگ کو ملتوی کر دیا جائے اور علی الصبح مقدر آزمائی کی جائے کہ فتح و شکست کس کے بے نصیب میں ہے۔ قیصر روم نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور باہمی رضامندی سے صبح تک یہ جنگ ملتوی رہی۔

مورخین نے لکھا ہے کہ رات کو دونوں لشکروں کی عجیب و غریب حالت تھی اور نیند کسی کے پاس نہ پھٹکی تھی۔ ابن اثیر نے لکھا ہے:

''دونوں لشکروں نے اس حالت میں رات گزاری کہ مسلمان پوری رات تلاوت قرآن پاک کرتے رہے اور نماز اور دعا میں مصروف رہے اور رومی ناقوس بجاتے اور صلیب

Marfat.com

کی پرسنش کرتے رہے۔''❶

نماز صبح سے فراغت پا کر امیر البحر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے اپنی فوجوں کے جہازوں کی صف بندی کی اور فوجوں کو مناسب ہدایات دیں۔ بعد میں قیصر روم کو کہلا بھیجا کہ اگر تم پسند کرو تو لڑائی ساحل پر ہو اور اگر چاہو تو سمندر ہی میں دو دو ہاتھ کر لیے جائیں۔ قیصر نے جواب میں کہلا بھیجا کہ سمندر ہی میں فیصلہ ہو جائے کہ کون جیتا اور کون ہارا ہے۔ مسلمان پہلے ہی اس بات کے لیے تیار تھے، چنانچہ سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے فوج کو حکم دیا کہ اپنے جہازوں کو دشمن کے جہازوں کے قریب کر دیا جائے اور انھیں دشمن کے جہازوں کے ساتھ باندھ دیا جائے تا کہ جنگ کے دوران سمندر کی موجیں اور تھپیڑے فریقین کو ایک دوسرے سے الگ نہ کر سکیں۔ بعض روایات میں ہے کہ مسلمانوں نے صرف اپنے جہاز ایک دوسرے سے باندھے تھے۔ سیدنا مالک بن اوس رضی اللہ عنہ جو اس جنگ میں خود شریک تھے فرماتے ہیں کہ شروع میں تو ہوا ہمارے مخالف تھی لیکن بعد میں ہمارے موافق ہوگئی۔ لڑائی شروع ہوئی اور فریقین تلواروں اور خنجروں سے ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔ گھمسان کا رن پڑا۔ نوجوان ایک دوسرے پر کود کود کر حملہ کرتے اور ایک دوسرے کو تلواروں اور خنجروں سے قتل کرتے۔ دونوں طرف سے لاشیں کٹ کٹ کر سمندر میں گرنے لگیں۔ ابن اثیر کا بیان ہے:

((قتل من المسلمين بشر كثير وقتل من الروم ما لا يحصىٰ .))

''مسلمانوں میں سے بہت سے لوگ شہید ہوئے اور رومیوں میں سے بے شمار لوگ کٹ کر سمندر میں گر پڑے۔''❷

دونوں طرف سے لوگ کٹ کٹ کر سمندر میں گرتے تو بجائے اس بات کہ لاشیں سمندر کی تہہ میں بیٹھ جاتیں یا سطح سمندر پر تیرتی رہتیں، سمندر کی کوہ آسا موجیں انھیں سطح آب سے اچھال کر ساحل سمندر پر پھینک دیتیں یہاں تک کہ کشتیوں کے چپو چلنے لگ گئے۔ خود جنگ میں شامل ایک سپاہی کا بیان ہے کہ میں نے ساحل سمندر کی طرف دیکھا کہ وہاں ایک بہت بڑے پہاڑ کی طرح مقتولوں کے سروں اور جسموں کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا۔ خون ریزی کا یہ عالم تھا: ''خون پانی پر غالب آ گیا۔''❸

---

❶ ابن اثير: ٣/ ٥٨۔ طبري: ٣/ ٣٤١.

❷ ابن اثير: ٣/ ٥٨۔ طبري: ٣/ ٣٤٠.

❸ طبری: ٣/ ٣٤٠.

Marfat.com

دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اس کے جہاز بھی مسلمانوں سے بہت زیادہ تھے اور سامان جنگ بھی جدید ترین اور اعلیٰ قسم کا تھا، لہٰذا مسلمان بھی ایک کش مکش میں تھے اور دشمن کی ہزیمت کے لیے نصرت خداوندی کے طلبگار تھے۔ اس معرکہ میں انھوں نے صبر و استقامت اور ثابت قدمی کا وہ ثبوت دیا کہ اس سے قبل انھیں اتنے صبر و ثبات کا اتفاق نہ ہوا تھا۔

آخر اللہ رب العزت نے اپنی نصرت اہل اسلام کے لیے نازل فرمائی۔ آتش کدۂ جنگ صبح سے شام تک بھڑکتا رہا لیکن کفر کی ہمتیں جواب دے گئیں۔ ہاتھ شل ہو گئے، حوصلے ٹوٹ گئے اور انھیں ایسی ذلت آمیز شکست اٹھانا پڑی جو اس سے قبل شاید ہی اٹھانا پڑی ہو۔ رومی فوج کی بہت بڑی تعداد کام آئی اور زخمیوں کی تعداد کا تو اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا۔ خود قسطنطین بھی بری طرح مجروح ہوا اور مدت مدید تک صاحب فراش رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رومی بیڑا راتوں رات سسلی (صقلیہ) کے جزیرہ کی طرف بھاگ گیا جو ان دونوں قیصر روم کے زیر نگین تھا، اور اسے کے بعد اہل روم کو پھر کبھی اہل اسلام سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

قیصر روم یوں تو پناہ لینے اور اہل اسلام کی تاخت سے بچنے کی خاطر جزیرۂ صقلیہ بھاگ گیا تھا۔ وہ چونکہ اس کے باج گزار تھے، اس لیے اس سے بڑے دہشت زدہ تھے، لیکن جب انھیں پتہ چلا کہ یہ مسلمانوں سے شرمناک شکست کھا کر بھاگا ہے اور یہاں ان کی شورش سے بچنے کے لیے پناہ لی ہے تو وہ اس سے بہت ناراض ہوئے۔ چنانچہ موقع پا کر انھوں نے اس ے (قیصر روم) کو حمام میں قتل کر دیا۔

(سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قیصر روم کی اس شکست سے مسلمانوں کے لیے بحر روم کا راستہ کھل گیا اور ان کی بحریہ بغیر کسی خوف و خطر کے کھلے سمندر میں پھرنے لگی) چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحر روم کے ساحل پر اور انطاکیہ سے لے کر طرطوس تک فوجی نو آبادیاں قائم کیں جس سے ایک تو اسلامی حکومت کے دفاع کو بہت فائدہ ہوا اور دوسرے مسلمان بحری راستہ کے ذریعے دور دراز علاقوں تک پھیل گئے جس سے اسلام کی اشاعت کے کام کو بہت تقویت پہنچی اور بحر و بر میں اسلام کے چرچے ہونے لگے۔

Marfat.com

مملکت اسلامی میں فتنہ کی لہریں

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قریباً بارہ سال خلافت راشدہ کو اس کامیابی سے چلایا جس کامیابی سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چلایا تھا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابر صحابہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، وغیرھم کے باہمی تعاون سے زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی ہوئی۔ سلطنت کی حدود وثغور میں بہت اضافہ ہوا۔ بحریہ کے وجود میں آنے سے سمندر پار کے علاقے بھی مسلمانوں کی دست رس میں آ گئے اور افریقہ، یورپ اور برصغیر پاک وہند کی سرحدوں پر مسلمانوں کے گھوڑے ہنہنانے لگے۔ مصر کا سارا علاقہ اسلامی قلمرو میں شامل ہو گیا۔ طرابلس، قبرص، نیشاپور، سرخس، ہرات اور کابل وغیرہ کے علاقے مسلمانوں کے زیر نگین ہو گئے۔ فتوحات کی وسعت، مال غنیمت کی فراوانی، وظائف کی زیادتی، تجارت اور زراعت کی ترقی اور حکومت کے عمدہ نظم ونسق نے ملک میں فارغ البالی، تمول اور عیش وتنعم کو عام کر دیا یہاں تک کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسالت کی سادگی کو یاد کر کے اور اس زمانہ کے سامان تعیش وثروت اور تمول کو دیکھ کر حد درجہ غمگین ہوتے تھے جیسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وغیرہ۔ انھوں نے زمانے کے انقلاب کا ساتھ بالکل نہیں دیا تھا اور جیسی ان کی حالت عہد رسالت میں تھی ویسی ہی آخر عمر تک رہی۔ چناں چہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہر شخص کچھ نہ کچھ بدل گیا لیکن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہما بالکل نہیں بدلے۔'' ❶

اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

> ''ہم میں سوائے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے کوئی شخص نہ تھا جس کو زمانے کی دل فریبیوں نے اپنی طرف مائل نہ کیا ہو، لیکن ان کا دامن کبھی دنیا سے آلودہ نہ ہوا۔'' ❷

اس بات کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ پانی

---

❶ مستدرك حاكم: ٣/ ٥٦١.

❷ تهذيب التهذيب: ٥/ ٣٣٠.

Marfat.com

مانگا۔ کسی نے پانی شیشے کے گلاس میں لا کر پیش کیا۔ آپ نے اس برتن میں پانی پینے سے انکار کر دیا۔ وہ آدمی دوسری مرتبہ لکڑی کے پیالے میں پانی لایا تو آپ نے پی لیا۔ پانی پی کر وضو کے لیے پانی مانگا۔ انھوں نے طشت و آفتابہ میں پانی دیا لیکن آپ نے انکار کر دیا اور لوٹے سے وضو فرمایا۔ ❶

اس قسم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ متشدد مسیح الاسلام سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تھے جو اپنی سادگی اور زُہد کی وجہ سے مسلمانوں کی ثروت کو دیکھ کر نہایت پریشان اور غم گین ہوتے تھے۔ وہ برملا کہتے پھرتے کہ ضرورت سے زائد مال کا جمع کرنا ایک مسلمان کے لیے بالکل جائز نہیں۔ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی سختی اسلام کے اجتماعی نظام میں کسی صورت بھی جائز نہیں تھی۔ بہر حال مؤرخین نے مال و دولت کی بہتات اور سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے اس بارے میں ردّعمل کو سیدنا عثمان کے خلاف شورش کی وجہ قرار دیا ہے، لیکن یہ وجہ ایسی نہ تھی جس سے ایک خلیفہ راشد کے خلاف لوگ شورش برپا کر دیں۔

مؤرخین نے اس سبب کے علاوہ کچھ اور اسباب بھی لکھے ہیں جن کی بنا پر سیدنا عثمانؓ کے خلاف شورش برپا کی گئی۔ ان اسباب میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وہ نسل جو فیض نبوت سے براہِ راست مستفیض ہوئی تھی، ختم ہو چکی تھی، جو لوگ موجود تھے وہ اپنی کبرسنی کی وجہ سے گوشہ نشین ہو رہے تھے، اور ان کی اولاد ان کی جگہ لے رہی تھی۔ یہ نوجوان زُہد و تقویٰ، عدل و انصاف، حق پسندی اور راست بازی میں اپنے بزرگوں سے کم تر تھے۔ اس بنا پر رعایا کے لیے ویسے فرشتہ رحمت ثابت نہ ہوئے جیسے ان کے اسلاف تھے۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشورہ اور مسلمانوں کی پسندیدگی سے امامت و خلافت کے لیے قریش کا خاندان مخصوص ہو گیا تھا اور بڑے بڑے عہدے بھی زیادہ تر انھی کو ملتے تھے۔ نوجوان قریشی اس کو اپنا موروثی حق سمجھ کر دوسرے عرب قبیلوں کو اپنا محکوم سمجھنے لگے۔ عام عرب قبائل کا دعویٰ تھا کہ ملک کی فتوحات میں ہماری تلواروں کی بھی کمائی ہے، اس لیے وظائف، منصب اور عہدوں میں قریش اور ہم میں مساوات چاہیے۔

۳۔ اس وقت کابل سے لے کر مراکش تک کا علاقہ اسلام کے زیر نگین تھا جس میں سیکڑوں قومیں آباد تھیں۔ ان محکوم قوموں کے دلوں میں قدرتاً مسلمانوں کے خلاف انتقام کا جذبہ موجود تھا،

---

❶ طبقات ابن سعد: ٤/ ١١٤.

Marfat.com

سین وہ ان کی قوت کے مقابلہ میں بے بس تھے، اس لیے انھوں نے سازشوں کا جال پھیلایا جن میں سب سے آگے مجوسی (ایرانی) اور یہودی تھے۔

۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فطرتاً نیک، ذی مروت اور نرم خو تھے۔ عموماً لوگوں سے سختی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے۔ اکثر جرائم کو بھی بُردباری اور حلم سے ٹال دیا کرتے تھے۔ اس سے بھی شریروں کے حوصلے بڑھ گئے۔

۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اموی تھے اس لیے فطرتاً ان کے جذبات اپنے اہل خاندان کے ساتھ خیرخواہانہ تھے اور آپ ان کو فائدہ پہنچانا چاہتے تھے اور اپنے ذاتی مال سے ان کی امداد فرمایا کرتے تھے۔ شریر لوگوں نے اس کو یوں ملک میں پھیلایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سرکاری بیت المال سے ان کے ساتھ داد و دہش کرتے ہیں۔

۶۔ ہر امام کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ اس کے کارکن اور عمال اس کے مطیع اور فرمان بردار ہوں۔ اسلام کی دوسری نسل میں جواب پہلی نسل کی جگہ لے رہی تھی، امام وقت کی اطاعت کا وہ جذبہ نہ تھا جو اول الذکر نسل میں موجود تھا۔ ایسی حالت میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلافت کے قیام واستحکام کے لیے بنوامیہ میں سے زیادہ افراد لینے پر مجبور ہوئے۔

۷۔ مختلف محکوم قوموں کے شورش پسند اشخاص اس لیے انقلاب کے خواہاں تھے کہ شاید اس سے ان کی حالت میں کوئی فرق پیدا ہو۔

۸۔ غیر قوم کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے یا مسلمانوں نے غیر قوموں کی عورتوں سے جو شادیاں کر لی تھیں یا وہ باندیاں بنی تھیں، ان کی اولاد بہت کچھ فتنہ کا باعث بنی۔ [1]

تیسرے اور چوتھے سبب کے علاوہ دوسرے اسباب ہو سکتا ہے کہ کسی حد تک درست ہوں، لیکن یہ بنیادی اسباب نہیں ہیں بلکہ اس شورش کا بنیادی سبب وہ سازش ہے جو یہودیوں اور ایرانیوں نے مل کر مسلمانوں کے خلاف کی اور مسلمانوں میں تشتت وافتراق کا وہ بیج بویا جس کی فصل آج تک کاٹی جا رہی ہے۔ وگرنہ یہ سارے اسباب جو ہمارے بعض مؤرخین نے بیان کیے ہیں اور جن کو شورش پسند بیان کرتے ہیں، ان کے یہ سارے بیان کردہ اسباب واعتراضات غلط ہیں۔ ان دونوں گروہوں

---

[1] خلفائے راشدین، معین الدین ندوي، ص: ١٩٤-١٩٥.

Marfat.com

(یہودیوں اور مجوسیوں) نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اس طرح کیوں مخالفت کی؟ اس کی چند وجوہات ہیں۔

مخالفت کا پس منظر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام مدینہ کے دوران یہود مدینہ نے آپ کی سخت مخالفت کی اور آپ کو شہید کرنے کے منصوبے بھی بنائے لیکن اللہ تعالیٰ چونکہ آپ کا محافظ تھا اس وجہ سے ان کا ہر منصوبہ ناکام ہوا۔ مدینہ میں یہود کے تین قبائل آباد تھے:

۱۔ بنوقینقاع

۲۔ بنونضیر

۳۔ بنوقریظہ

یہ تینوں ہر قسم کی سازشوں میں ملوث تھے لہٰذا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں کو مدینہ منورہ سے جلا وطن کر دیا۔ [1] ان میں سے کچھ یہود خیبر میں جا کر آباد ہو گئے لیکن وہاں وہ اسلام اور اہل اسلام کے خلاف سازشوں کا ارتکاب کرتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں سے بھی غزوۂ خیبر میں کچھ قتل ہو گئے، کچھ جلا وطن ہو گئے اور مسلمانوں سے دوستی کا عہد کر کے اور ان کی زمینوں کے مزارع بن کر وہیں رہ گئے، لیکن سازشیں ان کی فطرت میں داخل تھیں، اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے انتقال فرماتے وقت امت کو یہ وصیت کی:

((اخرجوا الیهود من جزیرة العرب)) [2]

''یہودیوں کو جزیرۂ عرب سے باہر نکال دینا۔''

یہ وصیت ہر شخص کے لیے تھی جو آپ کے بعد بار خلافت اٹھائے۔ چنانچہ خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی توجہ اندرونی اور بیرونی فتنوں کی سرکوبی اور ملکی نظم ونسق کی طرف منعطف رہی، لہٰذا انھیں اپنی خلافت کے قلیل عرصہ میں اس وصیت کو عملی جامہ پہنانے کی فرصت ہی نہ ملی۔ آپ کے عہد خلافت کے بعد آپ کے جانشین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس وصیت کو عملی جامہ پہنایا اور تمام یہودیوں کو جزیرۂ عرب سے نکال دیا۔

---

[1] البداية والنهاية: ٤/ ٣۔ زرقانی: ١/ ٤٥٦۔ ابن هشام: ٢/ ٧٠.

[2] بخاري: ١/ ٤٤٩.

Marfat.com

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے اسباب

جزیرۂ عرب سے نکالے ہوئے یہ یہودی خلافت اسلامیہ اور اس کے باہر مختلف علاقوں میں پھیل گئے، لیکن اسلام اور خلیفہ اسلام کے خلاف اپنی جلاوطنی کا یہ انتقامی جذبہ ان کے دلوں میں سلگنے لگا جس کی تسکین کے لیے انھوں نے خلیفہ ثانی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف خفیہ سازشیں کرنا شروع کردیں۔ گویا خلافت اسلامیہ کے خلاف سب سے پہلا مخالف عنصر یہ یہودی تھے جن کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں جزیرۂ عرب سے جلاوطن کیا تھا۔ انھی میں ایک شخص عبداللہ بن سباء تھا جو اپنے خاندان اور اپنی قوم کا انتقام لینے کے لیے اس تحریک کی قیادت کر رہا تھا۔

خلافت اسلامیہ کی مخالفت کا دوسرا سبب عربوں کا عجم پر تفوق تھا۔ سنہ ۱۴ھ میں جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سلطنت ایران کو زیر کرنے کا منصوبہ بنایا تو سلطنت ایران کے اعیان واکابر نے خاندان ساسانی کے وارث یزدگرد جس کی عمر اس وقت بقول ابوحنیفہ الدینوری کے ۲۱ سال تھی، کی قیادت میں باہم متفق ومتحد ہو کر خلافت اسلامیہ کے مقابلہ کا منصوبہ بنایا، لیکن قادسیہ اور مدائن کی فیصلہ کن جنگوں نے خاندان کسریٰ کی قسمت کا آخری فیصلہ کر دیا، اور درفش کاویانی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سرنگوں ہو گیا اور اسلامی پھریرا نہایت شان وشوکت کے ساتھ کسریٰ کے قصر ابیض (White House) پر لہرانے لگا۔

ایران فتح ہو گیا اور لوگ دین زرتشت کو خیر باد کہہ کر دین اسلام کو قبول کرنے لگے، لیکن ان کی ذہنی زمین میں کوئی نمایاں تبدیلی نہ ہوئی بلکہ ان کے ذہن بجائے اسلامی اقدار اور عقائد واحکام کے برگ وبار نکالنے کے اسلام کے خلاف خفیہ سازشوں کی فصلیں کاٹنے لگے، مگر چند لوگ ان سے مستثنیٰ تھے جن کی فطری صلاحیت، جبلی انصاف پسندی اور قبول حق کے داعیہ نے ان میں ذہنی پختگی اور قلبی سکون پیدا کر دیا تھا۔ عوام اور خواص کی اکثریت طبعی تدین اور اعتدال مزاج کی بیش بہا دولت سے محروم ہونے کی وجہ سے وطن کی جغرافیائی حدود کو اسلام کی اصولی ملت سے ہر طرح اعلیٰ اور فائق سمجھتی تھی اور وہ بجائے ذہنی اقدار کے سیاسی اور وطنی اقدار کو زیادہ اہمیت دیتی تھی۔

وہ لوگ اگرچہ ظاہری طور پر اسلام کا اقرار کر چکے تھے لیکن ان کی ذہنی حالت ابھی غیر مستقل تھی۔ وہ اگرچہ لا الٰہ الا اللہ پڑھتے تھے لیکن اس کی تشریح میں ابھی وہ مختلف قسم کی تاویلات کا شکار تھے۔

Marfat.com

وہ اگرچہ محمد رسول اللہ ﷺ کو دینی طور پر نبی اور اپنا قائد تسلیم کر چکے تھے لیکن وہ جغرافیائی اقدار پر ایمان رکھتے ہوئے ایرانیوں پر عربوں کا یہ سیاسی تفوق کبھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ایران میں خصوصی طور پر اور دیگر نو مفتوحہ علاقوں میں عمومی طور پر یہ ذہنیت پائی جاتی تھی۔

یہودی جن کو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سرزمینِ عرب سے نکالا تھا، پہلے ہی سے ایسے لوگوں کی تلاش میں تھے۔ چنانچہ انھوں نے ایرانیوں کی اس نفسیاتی کمزوری سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور ان کے سامنے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو غاصب، جابر اور کتاب اللہ کو مسخ کرنے والا کہنے لگے۔ ایرانی پہلے ہی سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے نالاں تھے کیوں کہ وہ غارت گر عجم تھے اور انھوں نے ایران کی ساسانی سلطنت کو تہس نہس کر دیا تھا اور ان کا سارا مال و متاع حتی کہ ان کے دربار کے قالین اور فانوس بھی دربار خلافت میں لائے گئے تھے، اور ان کی لڑکیاں لونڈیاں بنا کر مسجد نبوی میں لائی گئی تھیں۔ یہ سب چیزیں ان کے جذبات کی آگ کو اندر اندر سلگا رہی تھیں، لہٰذا وہ اسی وقت یہودیوں کے ہم نوا بن گئے اور شاہانِ عجم کو جبر و غصب کا مظلوم قرار دینے کی بجائے بنو ہاشم کو قرار دیا جانے لگا تا کہ اس سے ایک تو خود عربوں میں باہم تفریق پیدا ہو جائے، اور دوسرے اس طریقہ سے بنو ہاشم اور دوسرے مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کی جا سکیں۔ چنانچہ مستشرق ڈاکٹر براؤن جس نے اپنی زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ ایران اور اہل ایران کی تاریخ کے مطالعہ میں گزارا ہے، لکھتا ہے:

> ''خلفائے راشدین میں سے دوسرے خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو اہلِ عجم متنفر ہیں تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غارت گر عجم تھے۔ اگرچہ اس نفرت کو مذہبی رنگ دے دیا گیا، لیکن اصل حقیقت اندر سے صاف نظر آتی ہے۔''[1]

یہی ڈاکٹر براؤن ایک اور مقام پر اس چیز کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

> ''معلوم ہوتا ہے کہ ایرانیوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو عداوت ہے، اس کا سبب یہ نہیں کہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حقوق کو غصب کیا، بلکہ یہ ہے کہ انھوں نے ایران کو فتح کر کے ساسانی خاندان کا خاتمہ کر دیا۔''[2]

---

[1] تاریخ ادبیات ایران، اردو: ۱/ ۲۱۷.

[2] تاریخ ادبیات ایران، اردو ترجمہ، دھلی: ٤/ ٤٧ـ ٤٨.

Marfat.com

اس سلسلہ میں ڈاکٹر براؤن نے ایرانی شاعر رضائے کرد کے یہ دو شعر بھی نقل کیے ہیں:

بشکست عمر پشت ہژبران اجم را
بربادِ فنا داد رگ و ریشہ جم را
ایں عربدہ بر غصب خلافت زعلی نیست
با آل عمر کینہ قدیم است عجم را

یعنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جنگل کے شیروں یعنی اہل ایران کی کمر توڑ کر رکھ دی اور خاندان جمشید کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر رکھ دیا۔ یہ سارا جھگڑا اس وجہ سے نہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت غصب کر لی تھی بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اہل ایران کی آل عمر رضی اللہ عنہ سے پرانی دشمنی چلی آ رہی ہے۔ ❶

مختصر یہ کہ اس سیاسی پرخاش اور عربوں کے اس سیاسی تفوق کی وجہ سے اہلِ ایران نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خلاف عبداللہ بن سباء اور دیگر مسلم نما یہودیوں کے ساتھ مل کر سازشوں کے زمین دوز بم (Mines) بچھانے شروع کر دیئے جو کہ صولت فاروقی کی وجہ سے خلافت فاروقی میں تو نہ پھٹ سکے، لیکن خلافت عثمانی کے آخر سالوں میں انھوں نے ایک دفعہ تو پوری ملّتِ اسلامیہ اور مملکت اسلامیہ کو ہلا کر رکھ دیا۔

بنی ہاشم کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے اہل ایران نے ایک حربہ یہ استعمال کیا کہ ساسانیوں کے طرز حکومت کی طرح اسلام میں بھی (Divine Right of Kings) یعنی بادشاہوں کے الٰہی حق کا پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ یہ عقیدہ ایران میں نسلاً بعد نسلٍ چلا آ رہا تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر براؤن لکھتا ہے:

''ساسانیوں کے عہد میں باشاہوں کے آسمانی حق کا عقیدہ جس تعمیم اور شدّ و مد کے ساتھ ایران میں پالا گیا غالباً اس کی مثال کسی دوسرے ملک میں نہیں ملتی۔'' ❷

اس عقیدے کے پرچار اور خاندان نبوت کے ساتھ ان کی خصوصیات کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب اسلام اپنی پوری شان اعجاز کے ساتھ ایران پر غالب آیا اور ایرانی

❶ تاریخ ادبیات ایران: ٤/ ٤٩.
❷ تاریخ ادبیات وایران: ١/ ٢١٥.

Marfat.com

بادشاہ یزدگرد جو ساسانی خاندان کی آخری یادگار تھا، اپنی تمام حشمت وجاہ کے باوجود اہل اسلام سے شکست کھا گیا۔ اس کا سارا مال ومتاع دربار فاروقی میں مالِ غنیمت کے طور پر پیش ہوا اور اس کی لڑکیاں لونڈیاں بن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حضور میں آئیں اور اہلِ اسلام میں تقسیم ہوئیں۔ چنانچہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اہلیہ شہر بانو اسی یزدگرد کی بیٹی تھیں، بعض حضرات نے شہر بانو کا یزدگرد کی بیٹی ہونے اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ہونے سے انکار کیا ہے۔ یہ ان کی غلط فہمی ہیں۔ محققین کی تحقیق میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے۔

(ملاحظہ ہو: اصول کافی مع شرح الصافی ۳/۲۰۴۔ فیوض قاسمیہ، ص: ۱۶، ۱۷۔ تاریخ ادبیات، ایران: ۱/۲۹۔ وسط ایشیا کا مذہب وفلسفہ از گوپی نیو، صفحہ: ۵۴۔ تجلیات درِ ایران دَرِ ادوارِ تاریخی از حسین کاظم زادہ، صفحہ: ۹۶۔ منتخب التواریخ، ص: ۲۹۹۔ ہاشم خراسانی عمدۃ الطالب، ص: ۱۹۳ وغیرہ کا مطالعہ کریں۔)

لہٰذا اہل ایران نے بنو ہاشم کو اور خصوصی طور پر اولاد علی رضی اللہ عنہ کو تخت وتاج حاصل کرنے کا یہ حق دیا کیوں کہ ان کا رشتہ پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ملتا ہے اور آل ساسان سے بھی۔ چنانچہ ڈاکٹر براؤن لکھتا ہے:

> ''حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی نسبت چونکہ ان کا اعتقاد تھا کہ انھوں نے ساسانیوں کے آخری تاجدار یزدگرد سوم کی بیٹی شہر بانو سے عقد کیا تھا، اس لیے شیعوں کے دونوں فریق اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ کے نزدیک (ان کے اپنے اپنے ائمہ) نہ صرف پیغمبری بلکہ شاہی حقوق وصفات کے وارث بھی ہیں۔ پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ان اماموں کا خون ملتا ہے اور آل ساسان سے بھی رشتہ ہوتا ہے۔ اسی تعلق سے ایک سیاسی عقیدہ پیدا ہو گیا۔'' [1]

اسی کتاب میں ایک اور مقام پر انگریز دانشور لکھتا ہے:

> ''تیسرے امام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے چھوٹے صاحبزادے تھے، ایک دوسرا ہی عنصر پیدا ہو گیا کیوں کہ متقدمین اور مستند مورخین مثلاً الیعقوبی وغیرہ کے بیان کے مطابق ایران کے آخری ساسانی تاج دار یزدگرد سوم کی ایک دختر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں تھیں اور ان سے

[1] تاریخ ادبیات ایران: ۱/ ۲۱۸.

Marfat.com

ایک صاحبزادے الموسوم بہ علی المقلب بہ زین العابدین تھے جو چوتھے امام تھے۔ وہ ایک طرف اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا سے تھے تو دوسری جانب ایرانی خاندان شاہی سے بھی تعلق رکھتے تھے۔''[1]

ایک ایرانی مؤرخ حسین کاظم زادہ اپنی کتاب ''تجلیات روح ایران در ادوار تاریخی'' میں شہر بانو دختر یزدگرد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''آخری ساسانی تاجدار یزدگرد کی دختر شہر بانو ایرانی قیدیوں کے ساتھ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوئیں۔ انھوں نے اسے بھی قیدیوں کے ساتھ بازار میں فروخت کیے جانے کا حکم دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس بات میں مانع ہوئے اور کہا کہ بادشاہ زادگاں اور شریفوں کو ننگے بازار لے جانا خلاف ادب ہے۔ بالآخر وہ تقسیم ہوئیں اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے حصہ میں آئیں۔''

چند سطور کے بعد یہی مصنف لکھتا ہے:

''اسی سبب سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خاندان ان ایرانیوں کی نگاہ میں اصل نسل کے اعتبار سے ساسانی نسب رکھتا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ کی بنا پر شرافت اور امتیاز سے بھی مخصوص تھا۔ صرف اسی سبب سے یہ خاندان جائز طور پر کیانی تخت وتاج کا مالک ہوسکتا ہے۔ نیز اسی وجہ سے امام حسین رضی اللہ عنہ کے فرزند زین العابدین رضی اللہ عنہ کو جو شہر بانو کے بطن سے تھے، عرب وعجم کا فخر کہتے ہیں کیوں کہ باپ کی جانب سے ان کا نسب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے جو کہ عربوں میں بزرگ ترین شخصیت تھے اور ماں کی طرف سے رُوئے زمین کے نجیب ترین بادشاہوں پر منتہی ہوتا ہے۔''[2]

اولاد علی رضی اللہ عنہ اور خصوصی طور پر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد کا سلسلہ ایک طرف سے آل ساسان سے قائم کر کے اور دوسری طرف سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استوار کر کے ''بادشاہت کا الٰہی حق'' جو ساسانیوں کو ان لوگوں نے دیا تھا، وہی اولاد علی رضی اللہ عنہ کو بھی دینا چاہا اور سرزمین عرب میں ساسانی نظریہ کو ایک اسلامی عقیدہ کے رنگ میں پیش کیا جانے لگا۔

---

[1] تاریخ ادبیات ایران: ٤/ ٤٩۔

[2] تجلیات روح ایران در ادوار تاریخی، ص: ٩٦.

Marfat.com

عرب لوگ فطرتاً شورائی نظام کے قائل تھے اور اب اسلام نے بھی ان کو "وشاورهم في الأمر" اور "وامرهم شوریٰ بینهم" کی تعلیم دی تھی، اور رسول اللہ ﷺ کے اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد اسلام کے سبب سے پہلے خلیفہ کا انتخاب بھی اسی شورائی نظام کے تحت ہوا تھا، لہٰذا ایرانیوں کے اس نظریہ کی تشہیر عربوں اور ایرانیوں کے امتزاج کے دو زبردست اصولوں کا ٹکراؤ تھا جس نے ایک ایسے فتنہ کی بنیاد ڈالی جس کے برگ وبار سے ابھی تک شیعہ سنّی منافرت پھیلی ہوئی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر براؤن لکھتا ہے:

''رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ یا روحانی جانشین کا انتخاب جمہوریت پسند عربوں کے لیے تو بالکل قدرتی چیز تھا لیکن ایرانیوں کے نزدیک انتخاب غیر طبعی اور نفرت انگیز تھا۔'' ❶

''شیعہ سنّی کا جھگڑا صرف ناموں اور شخصیتوں کا جھگڑا نہیں بلکہ دو متضاد اصولوں یعنی ''جمہوریت'' اور ''بادشاہوں کے الٰہی حق'' کا جھگڑا ہے۔ عرب زیادہ جمہوریت پسند تھے اور ہمیشہ رہے ہیں لیکن ایرانی ہمیشہ بادشاہوں کو الٰہی یا نیم الٰہی ہستیاں سمجھتے رہے ہیں۔ جو طبائع اس بات تک کو گوارا نہیں کرسکتیں کہ انسانوں کا منتخب کردہ کوئی شخص ان کی ریاست کا حاکم ہو وہ امام یعنی خلیفۃ الرسول کے انتخاب عمومی کو کیوں کر تسلیم کر سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایران ہمیشہ اسماعیلیہ اور امامیہ فرقوں کا مرکز بنا رہا ہے۔'' ❷

نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں میں قرآن وسنت کی رو سے جہاں یہ نظریہ تھا کہ اسلام کا خلافتی نظام شورائی بنیادوں پر قائم ہے، وہاں اب خفیہ تحریکوں کے ذریعے اس نظریہ کا پرچار ہونے لگا کہ:

''آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد ان کے برادر عم زاد اور ان کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کا جانشین ہونا چاہیے تھا، اور رسول اللہ ﷺ نے خود بھی انھیں نامزد فرمایا تھا۔ نیز یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت ان کے خاندان میں بطورِ حق الٰہی کے منتقل ہونی چاہیے تھی۔'' ❸

---

❶ تاریخ ادبیات ایران: ۱/ ۲۱۷۔

❷ تاریخ ادبیات ایران: ٤/ ۲۹۔۳۰.

❸ تاریخ ادبیات ایران: ٤/ ۲۸.

Marfat.com

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتنہ کے اثرات:

عرب کے جلاوطن شدہ یہودی اور ایران کے تاراج شدہ مجوسیوں کے گٹھ جوڑ سے خلافتِ اسلامیہ کے خلاف جو خفیہ تحریکیں چلائی گئیں اور ملت اسلامیہ میں تشتت و افتراق کا بیج بونے کی جو کوششیں کی گئیں، سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان کو زیادہ برگ و بار نکالنے کا موقع نہ ملا۔ اس کی کئی وجوہات تھیں۔ ان میں سب سے بڑی وجہ خود سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کی صولت اور رعب داب تھا۔ حق تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسی شخصیت عطا فرمائی تھی کہ بڑے بڑے مدبرین اور جبابرہ آپ سے تھراتے تھے۔ دین اور امور انتظامیہ میں ذرہ برابر مداخلت کو برداشت کرنا ان کے لیے مشکل تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر خود ہی فرمایا:

((واللّٰہ! لان قلبی فی اللّٰہ حتی لھو الین الزبد، ولقد اشتد قلبی فی اللّٰہ لھو اشد من الحجر.))

''بخدا! میرا دل اللہ تعالیٰ کے بارے میں نرم ہوگیا حتیٰ کہ جھاگ سے بھی زیادہ نرم ہے، اور خدا ہی کے لیے سخت بن گیا، حتیٰ کہ وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہے۔''

اس کی ایک مثال وہ ہے جسے ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے کہ غزوۂ بدر میں کفارِ مکہ نے بنو ہاشم کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر مجبور کیا تھا، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کو حکم فرمایا کہ سیّدنا عباس رضی اللہ عنہما اگر کہیں نظر آئیں تو انھیں قتل نہ کیا جائے۔ سیّدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ چونکہ جذبات میں آئے ہوئے تھے، اس لیے جوش کی حالت میں ان کی زبان سے نکل گیا کہ بنو ہاشم کی کیا خصوصیت ہے، اگر عباس رضی اللہ عنہ سے مقابلہ ہوگیا تو ضرور مزہ چکھاؤں گا۔ سیّدنا عمر ابوحذیفہ رضی اللہ عنہما کے منہ سے یہ گستاخی آمیز کلمات سن کر آپے سے باہر ہوگئے، اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اجازت دیجیے کہ میں اس کا سر اُڑا دوں۔'' [1]

اس کے ساتھ آپ بالطبع غیور بھی تھے، جس کا اقرار خود لسانِ نبوت نے بھی ایک حدیث میں فرمایا ہے۔ [2] آپ کی اس صولت اور غیرت و حمیت اور فتنہ و فساد کے بارے میں بہترین نظم و نسق کی پالیسی نے اس فتنہ کے آتشیں لاوے کو باہر نہ نکلنے دیا، لیکن پھر بھی آپ کی زندگی کے آخری ایام میں

---

[1] طبقات: ٤/ ١٠ـ ١١.
[2] بخاري: ١/ ٥٢٠.

Marfat.com

اس فتنہ کی کچھ تند و تیز ہواؤں نے ملت اسلامیہ کو اپنی موجودگی کا احساس دلا دیا اور انھی خفیہ سازشوں کا ایک نتیجہ تھا کہ ابولولو مجوسی نے جس کا اصلی نام فیروز تھا اور نہاوند کی جنگ میں قیدی ہو کر آیا تھا، سیّدنا عمر امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ پر نمازِ فجر میں اچانک حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے قتل میں ابولولو مجوسی اکیلا ہی شریک نہیں تھا بلکہ اس میں ہرمزان، جفینہ اور دوسرے کئی ایک اور لوگ بھی شریک جرم تھے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ یہودیوں اور ایران کے مجوسیوں نے اپنی شکستوں کا بدلہ چکانے کے لیے اہل اسلام کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کیا اور وہ اسلام جس کو وہ میدانِ جنگ میں شکست نہ دے سکے، اس کو اپنی خفیہ تحریکوں اور مخفی سازشوں سے شکست دینے کے منصوبے بنائے، جس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔

خلافت عثمانی میں فتنہ کے برگ و بار:

سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی اسی سازش کا نتیجہ تھی جو یہودیوں اور مجوسیوں کے باہمی گٹھ جوڑ سے ترتیب دی گئی تھی، لیکن ہرمزان (یہ شخص یزدگرد کا ماموں تھا) اور جفینہ کے قتل اور فیروز ابو لولو کی خودکشی نے اس سازش کو طشت از بام نہ ہونے دیا۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو اِن سازشی عناصر نے ملک کے مختلف گوشوں میں خفیہ طور پر پراپیگنڈے کے مراکز قائم کر کے سلطنتِ اسلامیہ میں تشتت و افتراق کے ڈائنامیٹ لگانے شروع کر دیے۔ مسلمانوں کی توجہات فتح و تسخیر کے منصوبوں کی جانب مرکوز تھیں، جن کو سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نامکمل چھوڑ گئے تھے، اس لیے انھوں نے ان سازشی عناصر کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی، لہٰذا ان کو اندر ہی اندر کھل کھیلنے کا موقع مل گیا، اور ان کی خلافت کے چھ سال بعد وہ زمین دوز بم پھٹنے شروع ہو گئے، جن کو ان لوگوں نے شبانہ روز محنت سے لگایا تھا۔

دوسری طرف سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ فطری طور پر نہایت نرم دل اور سلیم الطبع تھے۔ مروّت اور نرم خوئی آپ کی فطرت ثانیہ تھی۔ عموماً لوگوں سے سختی کا برتاؤ آپ کے مزاج کے خلاف تھا، اس لیے ان کے دورِ خلافت میں شریروں کے حوصلے بڑھ گئے اور انھیں اپنی تحریک کو تیزی کے ساتھ چلانے کا موقع مل گیا۔

Marfat.com

عبداللہ بن سباء..... قائد تحریک:

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص عبداللہ بن سباء نے جو دراصل ایک یہودی تھا اور اہل اسلام کو دھوکہ دینے کے لیے اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا، ملک کے مختلف شہروں میں دورے کرنے شروع کر دیے اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف پراپیگنڈہ مشینری تیزی کے ساتھ چلانے کے حیرت انگیز منصوبے تیار کرنے شروع کر دیے۔ یہ شخص بڑا فتان اور سازشی ذہن کا مالک تھا، لہٰذا اس نے اپنی حیرت انگیز سازشانہ قوت سے مختلف الخیال مفسدوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر دیا اور ان میں ایک جماعتی نظم ونسق پیدا کیا اور تحریک کو ضبط وترتیب سے چلانے کے لیے ایک شاندار پلاننگ کی۔

خلافت عثمانی میں قریباً چھ سال تک حالات معمول پر رہے، لیکن آپ کی خلافت کے آخری سالوں میں عبداللہ بن سباء (جس کو ابن السوداء بھی کہتے تھے) اور اس کے داعی اور سفیروں نے ہر جگہ دورے کر کے خلیفہ اسلام اور ان کے گورنروں کے خلاف زہر اگلا اور امن و عافیت کی فضا کو اپنے نفرت انگیز لیکچروں سے مسموم بنا دیا۔ اہل بیت نبوت کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے محبت اہل بیت کا نعرہ لگایا اور ملک میں فتنہ برپا کرنے کے لیے حسب ذیل طریقے اختیار کیے:

1. امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ پر ناانصافی اور کنبہ پروری کے الزامات کی تشہیر۔
2. خلافت اسلامیہ کے عمال اور گورنروں کو دق کرنا اور ہر ممکن طریقے سے ان کو بدنام کرنا خواہ اس کے لیے ان پر جھوٹے اتہامات ہی کیوں نہ لگانا پڑیں۔
3. بظاہر متقی اور پرہیزگار بن کر لوگوں کو اپنا معتقد بنانا اور اپنے دام تزویر میں پھانسنا۔

اس طریقہ سے اس نے عوام میں خلافت اسلامیہ کے خلاف ایک قسم کی نفرت پیدا کر دی اور تمام اسلامی مرکزوں میں اس سازش کا جال پھیلایا۔ نیز ہر جگہ سیاسی داعی اور ان کی خفیہ خط کتابت کے ذریعے ایسا وسیع اور منظم پراپیگنڈہ کیا کہ چند ہی روز میں ملک کی امن و عافیت کی ساکن فضا میں فتنہ وفساد کی لہریں دوڑنے لگیں اور لوگوں کے قلبی اور ذہنی سکون میں ایک ارتعاش پیدا ہو گیا۔ [1]

عبداللہ بن سباء کا حدودِ اربعہ:

یہ عبداللہ بن سباء کون تھا؟ اور اس کا حدود اربعہ کیا تھا؟ مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ دراصل یمن کا

---

[1] طبری: ٥/ ٩٤۔ البدایہ والنہایہ: ٧/ ١٦٨.

Marfat.com

رہنے والا ایک یہودی تھا۔ سنہ ۲۵ھ میں اس نے ظاہری طور پر اسلام قبول کیا، لیکن اندر سے اسلام اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ اس کے اسلام لانے کی غرض و غایت ہی یہ تھی کہ دوستوں کے بھیس میں دشمنی کرے اور اسلام کے لیے مارِ آستین ثابت ہو، اور پیغمبر اسلام اور اہل اسلام سے اپنے ان یہودی بھائیوں کا بدلہ لے، جن کو نبی اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ سے جلاوطن کیا تھا اور بعد میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو عرب کی سرزمین ہی سے ہمیشہ کے لیے ملک بدر کر دیا تھا۔ لہٰذا اس نے اندر ہی اندر ایک خفیہ تحریک چلائی اور اسلامی اصولوں اور عقائد کے سراسر منافی باتوں کی تشہیر کی۔

اسماء الرجال کے مشہور امام ابوعمرو محمد بن عمر بن عبدالعزیز الکشی، جو چوتھی صدی کے مشہور شیعہ علماء میں سے تھے، عبداللہ بن سباء کے بارے میں لکھتے ہیں:

''بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سباء یہودی تھا۔ وہ اسلام لایا اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت کا دعویٰ کرنے لگا۔ وہ اپنی یہودیت کے زمانے میں موسیٰ (علیہ السلام) کے وصی سیّدنا یوشع بن نون کی شان میں غلو کرتا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد اپنے اسلام کے زمانہ میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی اسی طرح کی مبالغہ آمیز باتیں کرتا تھا۔ اور وہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی امامت کی فرضیت کے عقیدہ کو شہرت دی اور ان کے دشمنوں سے بیزاری کا اظہار کیا۔ ان کے مخالفین کو عیاں اور منکشف کیا اور ان کی تکفیر کی۔ اور انھی باتوں کی وجہ سے شیعہ کے مخالفین کہتے ہیں کہ تشیع اور رفض کی اصل بنیاد یہودیت ہے۔'' ❶

جرح و تعدیل کے مشہور امام ''المامقانی'' نے بھی اپنی کتاب میں الکشی کے حوالہ سے یہی بات کہی ہے، بلکہ الکشی کی پوری عبارت نقل کی ہے۔ ❷

یہی وہ شخص تھا جس نے سب سے پہلے محبت علی رضی اللہ عنہ کا سہارا لے کر خلفائے راشدین کو ہدفِ تنقید بنایا اور ان کی شان کے بارے میں سخت نازیبا قسم کے الفاظ کہے جو آج تک نسلاً بعد نسلٍ نقل کیے جاتے ہیں۔ ❸

---

❶ رجال الکشی، ص: ۱۰۱، عراق. ❷ تنقیح المقال: ۲: ۱۸٤.

❸ ملاحظہ ہو: فرق الشیعہ النوبختی، ص: ٤۳۔ ٤٤، عراق.

Marfat.com

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن سباء کے بارے میں لکھا ہے:

''عبداللہ بن سباء ایک یہودی تھا۔ اس نے اسلام کا اظہار کیا اور مصر چلا گیا اور لوگوں کو اپنی ایجاد کردہ باتوں میں پھانستا جس کا مضمون کچھ اس طرح ہے کہ وہ ایک آدمی کو کہتا کیا یہ ثابت نہیں ہے کہ عیسیٰ بن مریم اس دنیا میں واپس آئیں گے؟ وہ آدمی کہتا کہ ہاں۔ پس وہ اس سے کہتا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔ لہٰذا آپ اس بات کا کیسے انکار کرتے ہیں کہ وہ پھر اس دنیا میں واپس نہیں آئیں گے۔ پھر وہ کہتا کہ سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں، اور چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں، لہٰذا علی خاتم الاوصیاء ہیں۔ پھر وہ کہتا کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ حکومت کرنے کے مستحق ہیں اور عثمان رضی اللہ عنہ ان کے حق ولایت میں تعدی کر رہے ہیں۔ لوگ اس کی ان باتوں کی تردید کرتے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے، لیکن اس نے اپنے ان عقائد کے پرچار سے مصر کے بہت سے باشندوں کو فتنہ میں ڈال دیا۔ کوفہ اور بصرہ کے بھی بہت سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کر لیا۔''[1]

اس نومسلم یہودی نے شروع میں محبت اہل بیت نبوی کا لبادہ اوڑھا اور سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے زہد و تقویٰ کے دام میں گرفتار کیا۔ پھر دودمانِ نبوی سے اخلاص و محبت کا کمال درجہ اظہار کیا جس کی وجہ سے کئی لوگ اس کے دامِ فریب میں آ گئے۔ اس کے بعد اس نے مسلمانوں کے ذہنوں میں کچھ عقائد ٹھونسنے شروع کیے، جیسے فرضیت امامت علی رضی اللہ عنہ، تعطیل شریعت، مسئلہ بداء، عقیدۂ رجعت، ائمہ کرام کے علم غیب کا مسئلہ اور تحریف قرآن کا نظریہ وغیرہ وغیرہ۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کے بارے میں جو احادیث نبویہ وارد ہوئی تھیں، ان کے علاوہ اور بہت سی موضوع روایات گھڑ کر سنانی شروع کر دیں۔ اسی وجہ سے حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

((ما كذب علىٰ احد من هذه الامة ما كذب علىٰ علي .))

''جس قدر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ پر جھوٹ اور افترا باندھا گیا ہے، اتنا کسی اور شخصیت پر نہیں

---

[1] البدايه والنهايه: ٧/ ١٦٧ـ ١٦٨.

Marfat.com

باندھا گیا۔''❶

مشہور مؤرخ ابن ابی الحدید نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے۔❷

بلکہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''المنار المنیف'' میں ابو یعلی خلیلی کا قول نقل کیا ہے کہ: ''سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے فضائل میں رافضیوں نے تین لاکھ کے قریب روایات وضع کی ہیں۔''

مصر اس تحریک کا سب سے بڑا مرکز تھا کیوں کہ عبداللہ بن سباء وہاں اکثر جاتا۔ چنانچہ صاحب ''روضۃ الصفا'' نے لکھا ہے:

''عبداللہ بن سباء کو جب پتہ چلا کہ سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے مخالفین کی ایک کثیر تعداد مصر میں ہے تو وہ مصر گیا اور اپنے علم و تقویٰ کا وہاں لبادہ اوڑھا اور ان میں اپنا رسوخ حاصل کرنے کے بعد اپنے مذہب اور مسلک کو رائج کیا اور لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کیا اور ان کے ذہنوں میں ڈالا کہ ہر نبی کا ایک وصی اور خلیفہ ہوتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی اور خلیفہ صرف سیّدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں، جو علم اور فتویٰ کے حامل ہیں اور شجاعت و سخاوت سے متصف اور امانت و تقویٰ سے مزین ہیں۔ امت محمدیہ نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ پر ظلم کیا ہے اور ان کے حق کو غصب کیا ہے۔ وہ حق خلافت و ولایت کا ہے، لہٰذا ہر مسلمان کو ان کی امداد اور نصرت کرنی چاہیے، اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کا جوا اپنی گردن سے اُتار پھینکنا چاہیے۔ اس کے اس وعظ و نصیحت سے بہت سے لوگ متاثر ہوئے اور انھوں نے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سرکشی اور بغاوت کر دی۔''❸

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے مؤرخین نے بھی مصر میں اس کی سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اس قسم کی باتوں کا ذکر کیا ہے۔❹

یہ نو مسلم یہودی عبداللہ بن سباء مدینہ منورہ بھی گیا۔ ابتداء میں تو مدینہ میں اس کا قیام نا قابل التفات سمجھا گیا اور کسی نے اس کو کوئی اہمیت نہ دی، لیکن یہ اپنے قیام مدینہ کے دوران میں مسلمانوں کی اندرونی کمزوریوں کی ٹوہ لگاتا رہا۔ بنو اُمیہ اور بنو ہاشم کی پرانی چپقلش اس نے وہاں کے بعض

---

❶ تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۸۲۔ میزان الاعتدال: ۱/ ۴۰۲۔
❷ شرح نہج البلاغہ: ۴/ ۶۳۳۔
❸ روضۃ الصفاء: ۲/ ۲۹۲، ایران۔
❹ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔

Marfat.com

لوگوں سے سنی۔ وہ ان دونوں قبائل کے مابین منافرت کا بیج بونا چاہتا تھا، لیکن اس میں اس کو چنداں کامیابی نہ ہوئی۔

بصرہ میں فتنہ کی ابتداء

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مملکت اسلامیہ کے مختلف صوبوں کے پانچ دارالسلطنت تھے:

۱۔مدینہ طیبہ ۲۔کوفہ ۳۔بصرہ ۴۔دمشق ۵۔فسطاط (مصر کا صدر مقام)

مدینہ منورہ اور مصر کے علاوہ عبداللہ بن سباء بصرہ اور کوفہ بھی گیا، کیوں کہ وہ سلطنت کے پانچوں صدر مقاموں پر اپنی جماعتیں قائم کرنا چاہتا تھا، تاکہ سلطنت اسلامیہ میں ایک مکمل اور منظّم تحریک چلائی جاسکے۔ چنانچہ اس نے اب بصرہ کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور اپنی ساری قوتیں اور توانائیاں بصرہ میں اپنی جماعت کے نظم ونسق پر صرف کردیں۔

ان دنوں بصرہ میں ایک شخص حکیم بن جبلہ رہتا تھا۔ وہ ایک لٹیرا اور ڈاکو قسم کا آدمی تھا۔ اس کی عادت یہ تھی کہ جب بھی مجاہدین اسلام کا کوئی لشکر کہیں جاتا تو یہ شخص بھی اس میں شامل ہوجاتا، اور جب کبھی موقع ملتا یہ اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا کو لوٹ لیتا۔ اس لحاظ سے اسلامی مملکت میں اس کی دُور دُور شہرت ہوگئی۔ اس کی کارکردگی کی یہ رپورٹیں گورنر بصرہ اور دیگر لوگوں کی وساطت سے آستانہ خلافت پر پہنچیں تو امیر المؤمنین نے گورنر بصرہ سیّدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اس شخص کو حدودِ بصرہ میں نظر بند کردیں اور اس کو مملکت اسلامیہ میں کہیں نہ جانے دیں اور اس پر کڑی نظر رکھیں، تاکہ مسلم اور غیر مسلم رعایا کے اموال اور ان کی جانیں اس غارت گر سے محفوظ ومصئون رہیں۔ چنانچہ سیّدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اس کو حدودِ بصرہ میں نظر بند کردیا، جس سے اس کے جذبات مملکت اسلامیہ کے گورنر اور امیر المؤمنین دونوں کے سخت خلاف ہوگئے۔

عبداللہ بن سباء ایسے افراد کی ٹوہ لگاتا رہتا تھا، کیوں کہ ایسے افراد سے اس کی مقصد برآری بڑی جلدی ہوسکتی تھی۔ چنانچہ وہ سنہ ۳۲ھ میں مدینہ طیبہ سے بصرہ پہنچا اور حکیم بن جبلہ سے ملاقات کی۔ حکیم نے اس کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا اور اسے ہر آڑے وقت میں اپنی اعانت کا یقین دلایا۔ عبداللہ بن سباء، حکیم بن جبلہ کی معرفت اور بھی کئی سادہ لوح مسلمانوں کو ملا اور ان لوگوں سے بھی ملا جو حکیم

Marfat.com

بن جبلہ کے قماش کے تھے۔ اپنی دعوت اور نظریات پیش کرنے سے قبل اس نے ان کے ذہنوں میں اپنے علم وتقویٰ کی عظمت بٹھائی اور پھر اس کے بعد اہل بیت نبوت کا تقدس ان کے سامنے پیش کیا۔ جب وہ اس کے دام تزویر میں پھنس گئے تو پھر آہستہ آہستہ اپنے غیر اسلامی نظریات ان کے اذہان میں اتارنے کی کوشش کی، جس میں کافی حد تک وہ کامیاب بھی ہوا۔

ان نظریات میں ایک نظریہ یہ بھی تھا کہ خلافت کے صحیح حق دار دراصل سیّدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں، کیوں کہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہونے کے ساتھ ساتھ خاندان بنو ہاشم سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ نے حق خلافت کو غصب کیا تھا اور اب وہی کام سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا ہے، لہٰذا اہل بیعت نبوت سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے خلافت نبوت چھین کر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو دی جائے، خواہ اس کے لیے کتنی بڑی قربانی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔

گورنر بصرہ سیّدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو جب عبداللہ بن سباء کی ان کارگزاریوں کا علم ہوا تو انھوں نے فوراً ابن سباء کو بلایا اور اس سے پوچھا:

> ''تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں اہل کتاب (یہودیت) کا ایک فرد ہوں۔ اسلام کو حق جانتے ہوئے اس کو قبول کیا ہے اور اب کچھ عرصہ سے آپ کے ہاں پناہ گزین ہوں۔''

سیّدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تم غلط کہتے ہو، تم اسلام اور اہل اسلام کے مابین تشتت و افتراق کی خلیج پیدا کر رہے ہو۔ تمھاری یہ سرگرمیاں دینی اور ملکی مفادات کے سراسر خلاف ہیں، لہٰذا تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ، وگرنہ تمھارے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی۔ [1]

عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ گورنر بصرہ کے حکم سے اگرچہ ابن سباء نے بصرہ کو چھوڑ دیا، لیکن حکیم بن جبلہ اور اس جیسے دوسرے کئی افراد کے دلوں میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے حق میں جس نظریہ کا بیج بو آیا تھا، حالات کے شب و روز بعد میں اس کی آبیاری کرتے رہے، یہاں تک کہ ایک اچھا خاصا گروہ اس کا ہم خیال ہو گیا، جس کی قیادت حکیم بن جبلہ کرتا رہا۔

بصرہ میں فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ گورنری کے عہدہ پر فائز

---

[1] ابن اثیر: ۳/ ۷۲.

Marfat.com

تھے۔ سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اگرچہ نہایت عالم و فاضل اور صاحب فتویٰ صحابی تھے۔ ❶ لیکن سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے آخری ایام میں بصرہ کے کچھ لوگ آپ کے مخالف ہوگئے تھے۔ وہ آئے روز اُن کے خلاف بارگاہِ خلافت میں مختلف قسم کی شکایتیں کرتے رہتے تھے، لیکن صولتِ فاروقی ان کو اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہونے دیتی تھی۔ خلافتِ فاروقی کے بعد خلافتِ عثمانی میں لوگوں کی شکایات اور زیادہ ہوگئیں، یہاں تک کہ انھوں نے سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی معزولی کا مطالبہ کردیا۔ مطالبہ کی شدت کے باعث سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیّدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو گورنری کے عہدہ سے معزول کرکے ان کی جگہ سیّدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا گورنر مقرر فرمادیا۔ ❷

سیّدنا ابوموسیٰ کی اس معزولی اور ان کی جگہ سیّدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ جیسے نوجوان صحابی کی تقرری کو بھی مخالفین عثمان رضی اللہ عنہ نے بہت اچھالا اور اس چیز کو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک حربے کے طور پر استعمال کیا۔

ابن سباء کا کوفہ میں داخلہ:

جب سیّدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے ابن سباء کو بصرہ سے نکال باہر کیا تو وہ کوفہ چلا گیا۔ وہ ۳۳ھ میں کوفہ گیا اور یہاں بھی بصرہ کی طرح حب اہل بیت کی آڑ میں سادہ لوح مسلمانوں کے عقائد کو خراب اور حکومت کے خلاف ان کے دلوں میں بغاوت کے جراثیم پیدا کرنے لگا۔ کوفہ کی سرزمین اس کی تحریک کو کچھ زیادہ ہی راس آئی اور اس کی دعوت سے متاثر ہوکر ایک بڑی منظّم جماعت کی تشکیل عمل میں آئی۔

مالک الاشتر، جندب، ابن ذی الحنکہ، صعصہ، ابن الکواء، کمیل اور عمیر بن ضابی وغیرہ لوگ اس تحریک کو بطورِ سرپرست مل گئے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ ریاست و امارت قریش کے ساتھ مخصوص ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ مختلف ممالک کو چونکہ عام مسلمانوں نے فتح کیا ہے، لہٰذا وہ سب اس کے مستحق ہیں، خواہ وہ کسی قبیلہ یا کسی ملک سے تعلق رکھتے ہوں۔ گورنر کوفہ سیّدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے ان لوگوں کو خاص دشمنی تھی کیوں کہ وہ ان پر کڑی نظر رکھتے تھے، لہٰذا انھوں نے ان کو بدنام کرنے کے لیے ہر روز ایک نئی تدبیر سوچنی شروع کردی۔

---

❶ تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۲۰۔ ۲۱۔ ❷ ابن اثیر: ۳/ ۴۹.

Marfat.com

سیّدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ جب کوفہ کے گورنر ہوئے تو آپ نے کوفہ پہنچ کر شہر کے رئیسوں اور قادسیہ کے باشندوں سے اپنے بے تکلّفانہ مراسم بڑھا لیے۔ مختلف سبائی بھی سیّدنا سعید رضی اللہ عنہ کی مجلس میں کثرت سے آتے جاتے اور مختلف موضوعات پر بات چیت ہوتی اور بعض دفعہ ہنسی مذاق کی باتیں بھی ہوتیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اسی ہنسی مذاق میں کچھ تلخ کلامی بھی ہو جاتی۔ ایک روز اتفاق ایسا ہوا کہ سیّدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((هذا السواد بستان قريش .))

''یہ سرزمین، قریش کا باغ ہے۔''

اس پر مالک الاشتر نے کہا:

''کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ جس سرزمین کو اللہ تعالیٰ نے ہماری تلواروں کی وجہ سے ہمیں دیا وہ آپ کا اور آپ کی قوم (قریش) کا باغ ہے؟''

مالک الاشتر کے اس جواب پر مجلس میں اس کی حمایت اور تردید میں آوازیں اُٹھیں اور ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔ جب شور و غل زیادہ ہو گیا تو سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے ایک پولیس آفیسر عبدالرحمٰن اسدی نے اس ہنگامے سے منع کیا۔ عبدالرحمٰن اسدی کے منع کرنے پر لوگ اس پر ٹوٹ پڑے اور ان کو اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ پھر انھوں نے ان کو پاؤں سے پکڑ کر کھینچا، بعد میں ان کے منہ پر پانی چھڑکا اور انھیں کچھ افاقہ ہوا۔ سیّدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ سے بے حد صدمہ ہوا۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد سیّدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے ایک دربان کے ذریعے اپنے ہاں لوگوں کی آمد و رفت بند کر دی اور رات کے وقت قصہ و داستاں کی مجلس بالکل ختم کر دی۔ فتنہ پرداز لوگوں نے سیّدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو اپنی توہین سمجھا اور بہت برا منایا۔

ان لوگوں نے اب دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ وہ یہ کہ وہ جگہ جگہ دو دو چار چار کی ٹکڑیوں میں کھڑے ہوتے اور:

''سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیّدنا سعید رضی اللہ عنہ کو سب و شتم کرتے۔ اس طرح بہت سے لوگ ان کے اردگرد جمع ہو جاتے۔''

اور بعض لوگ ان کے اس پراپیگنڈے سے متاثر ہو کر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیّدنا سعید بن

Marfat.com

العاص رضی اللہ عنہ کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کرتے۔ یہ معاملہ کچھ زیادتی اختیار کر گیا۔ سیّدنا سعید رضی اللہ عنہ ان پر سختی کرنے کا ارادہ کرتے، لیکن پھر بعض وجوہ کی بنا پر رُک جاتے، کیوں کہ ان پر سختی اور تشدد کا معاملہ بہتر صورت اختیار کرنے کے بجائے اس کو بگاڑتا ہے۔ ❶

ان مفسدہ پردازوں کی آئے دن کی شرارتوں سے تنگ آ کر سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور اشراف کوفہ نے امیر المؤمنین سے درخواست کی کہ خدارا ان فتنہ جُو اور امن دشمن اشخاص سے سرزمینِ کوفہ کو جلد از جلد نجات دلائی جائے۔ امیر المؤمنین نے قیامِ امن کی خاطر قریباً دس آدمیوں کو جو اس تحریک کے روح رواں تھے، کوفہ سے جلاوطن کر کے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام بھیج دیا اور لکھا:

> ''یہ چند لوگ جو فتنہ طینت ہیں، تمھارے پاس بھیج رہا ہوں۔ تم ان پر کڑی نظر رکھو اور ان کی اصلاح احوال کی کوشش کرو اور ان کو فتنہ و فساد کی باتوں سے روکو۔ اگر ان میں اصلاح کی کوئی رمق تم کو نظر آئے تو انھیں وہیں رہنے دو۔ لیکن اگر یہ اپنی شرارتوں اور فتنہ پرور کارروائیوں سے تمھیں بھی تھکا دیں تو انھیں میرے پاس بھیج دو۔''

جب یہ لوگ گورنر شام سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو انھوں نے ان کی بڑی خاطر و مدارات کی۔ اور نرمی اور بردباری سے پوری کوشش کی کہ یہ لوگ اپنی فتنہ پردازیوں سے باز آ جائیں اور حکومت کے ساتھ تعاون کریں، لیکن وہ نرمی اور آشتی سے کب ماننے والے تھے۔ انھوں نے اپنی طینت اور فطرت کی دنایت کا مظاہرہ کرتے ہوئے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی نرمی اور ملائمت کا جواب نہایت سختی سے دیا۔ ان کا یہ رویہ دیکھ کر آپ نے بھی سختی کا لہجہ اختیار کرتے ہوئے فرمایا:

> ''یاد رکھو! یہ کوفہ نہیں ہے۔ بخدا! اگر شام کے لوگوں نے تمھاری اس قسم کی حرکتیں دیکھ لیں تو میں ان کا گورنر ہونے کے باوجود انھیں تمھارے قتل سے باز نہیں رکھ سکوں گا۔ واللہ! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمھاری کوئی باہمی سازش ہے۔''

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سبائیوں کو فہمائش:

یہ دس آدمی جب سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام پہنچے تو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں کنیسۂ مریم میں ٹھہرایا اور آپ نے ان کی بڑی خاطر و مدارات کی۔ آپ صبح و شام کا کھانا بھی ان کے ساتھ

---

❶ ابن اثیر: ۳/ ۷۰۔ ابن خلدون: ۳/ ۱۰۳۱۔

Marfat.com

ہی تناول فرماتے۔ گویا یہ بھی ایک شفقت تھی جو ان کے ساتھ برتی گئی۔ آپ نے ان کا روزینہ بھی مقرر فرمایا۔ آخر ایک روز آپ نے انھیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

''تم لوگ عرب کی ایک بلند پایہ قوم ہو۔ تمھارے دانت بھی ہیں اور زبان بھی۔ تم نے اسلام ہی سے شرف و کمال حاصل کیا اور اسی کی وجہ سے تم اقوامِ عالم پر غالب آئے اور ان کے ورثہ کو حاصل کیا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم قریش سے کینہ اور بغض رکھتے ہو، حالانکہ اگر قریش نہ ہوتے تو تم آج قعرِ مذلت میں گرے ہوئے ہوتے۔ یاد رکھو، تمھارے امام تمھارے لیے سپر اور ڈھال ہیں۔ خبردار! اس ڈھال کو توڑنے کی کوشش نہ کرنا۔ تمھارے امام اور حاکم تمھارے لیے ہر قسم کی اذیتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرتے ہیں، لیکن تمھارے اعمال و کردار سے پتہ چلتا ہے کہ تم ان کی مخالفت کرتے ہو اور ان کے خلاف اپنے قلوب میں حسد اور کینہ رکھتے ہو۔ ملت اسلامیہ کے شیرازہ کو منتشر نہ کرو اور اہل اسلام میں تشتت و افتراق کی آبیاری نہ کرو، وگرنہ منتقم حقیقی تم پر ایسے حکام مسلط کر دیں گے جو تم پر ظلم و جور کر کے تمھیں ذلیل و خوار کر دیں گے، اور اگر ایسا ہوا تو ظلم و جور میں تم بھی ان کے شریک ہو گے۔ اپنی زندگی میں بھی اور اپنی زندگی کے بعد بھی۔''

جن دلوں میں بغض و عناد بھرا ہوا ہو وہ ایسی نرم و ملائم باتوں سے کیسے متاثر ہو سکتے ہیں۔ یہ باتیں سن کر ان میں سے ایک شخص صعصعہ نامی بولا: ''اے معاویہ رضی اللہ عنہ! آپ نے اپنی تقریروں میں قریش کا نام لیا ہے، وہ کسی زمانے میں اکثریت کے لحاظ سے ہم سے ممتاز نہ تھے اور نہ ہی زمانۂ جاہلیت ان کا کوئی خاص مقام تھا، جس سے تم ہم کو ڈراتے ہو۔ باقی جو آپ نے کہا ہے کہ امام اور حکام تمھاری سپر اور ڈھال ہیں۔ پس یاد رکھو کہ جب ڈھال اور سپر ٹوٹ جائے گی تو ہم خود سینہ سپر ہو جائیں گے۔''

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو صعصعہ کے یہ الفاظ سن کر غصہ بھی آیا، لیکن آپ نے نہایت بردباری اور تحمل سے جواب دیا، جس کا خلاصہ یہ ہے:

''صعصعہ سن! تو اپنے آپ کو ان لوگوں کا خطیب سمجھتا ہے، حالانکہ میری دانست میں نہ

Marfat.com

عقل وخرد کا تم میں کوئی شمہ ہے اور نہ محبت دین کا تم میں کوئی جزو ہے۔ ذرا بتا تو سہی کہ تیری اپنی قوم کو کس نے قعر مذلت سے نکال کر اوجِ ثریا پر پہنچا دیا؟ اگر تمھیں اس بات کا علم نہیں تو میں تمھیں بتاتا ہوں کہ اللہ ربّ العزت نے قریش کو زمانۂ جاہلیت میں بھی اور زمانۂ اسلام میں عزت و بزرگی عطا فرمائی۔ یہ قریش ہی ہیں جو حسب ونسب کے اعتبار سے سب سے زیادہ مکرم ہیں اور مروّت وشعور کے لحاظ سے دنیا کی کوئی قوم ان سے لگا نہیں کھاتی، حالانکہ جاہلیت میں دوسری قومیں ایک دوسرے کو کاٹے کھائے جا رہی تھیں۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انھیں اپنے حرم پاک کا محافظ اور نگہبان مقرر فرمایا اور انھیں ایک محفوظ حرم میں جگہ دی، حالانکہ ان کے اردگرد کی قومیں اچکی جا رہی تھیں۔ کیا تم کسی عربی یا عجمی، یا کالے یا گورے کی نشان دہی کر سکتے ہو، جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلتیں مرحمت فرمائی ہوں، اور یاد رکھو جس کسی نے بھی قریش کے ساتھ مکر وفریب سے کام لیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو کائنات میں خائب وخاسر کیا۔

''قریش کے لیے یہ فضیلت کیا کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات میں اکرم اور اشرف شخص کو ان میں سے نبوت و رسالت عطا فرمائی اور اسے تمام کرۂ عالم کی ہدایت و راہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا، جس نے تمام دنیا کو کفر وشرک کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکال کر توحید وحق پرستی کی روشن شاہراہ پر گامزن کیا۔ پھر اس پیغمبر ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہ بھی منتخب فرمائے، جن میں سب سے بہتر قریش ہی کے اصحاب تھے، جن سے اسلام کی بنیادیں مستحکم اور مضبوط ہوئیں۔ پھر انھیں خلافت کا منصبِ جلیلہ مرحمت فرمایا جو صرف اِنھی کے لیے زیبا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں زمانۂ جاہلیت میں بھی سرفرازی عطا فرمائی، جب کہ وہ حالت کفر میں تھے۔ تو جب وہ اس کے دین کے محافظ اور اس کے احکام کی سیدھی شاہراہ پر گامزن ہیں، پھر کیوں انھیں سربلندی عطا نہیں فرمائیں گے۔ افسوس ہے اے صعصعہ! تجھ پر اور تیرے ساتھیوں پر۔''

جب سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی نصیحت کا ان لوگوں پر کوئی اثر نہ ہوا تو چند روز کے بعد ان کو پھر بلوایا ور پھر ایک طویل نصیحت آموز تقریر کی، تاکہ شاید ان پر کچھ اثر ہو جائے اور ملک میں فتنہ وفساد نہ پھیلے،

Marfat.com

لیکن ان لوگوں نے بجائے اس بات کے کہ وہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ان قیمتی باتوں پر کان دھرتے، انھوں نے الٹا سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایسی باتیں کرنا شروع کر دیں، جن میں فتنہ وفساد کی بو آتی تھی اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے قلوب شیطنت پر تلے ہوئے ہیں۔ خصوصی طور پر ان کے خطیب صعصعہ نے خود سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کو ہدفِ تنقید بنایا اور کہا:

''معاویہ رضی اللہ عنہ! ہم تمھیں حکم دیتے ہیں کہ تم فوراً کرسیٔ اقتدار سے دستبردار ہو جاؤ اور یہ اقتدار اس ذات کو منتقل کر دو جو تم سے زیادہ حکومت واقتدار کی مستحق ہے۔ وہ خود اور اس کا باپ تمھارے اور تمھارے باپ کے اسلام سے بہتر ہے۔''

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو صعصعہ کی اس بات سے قدرے دکھ بھی ہوا اور پریشانی بھی۔ آپ نے جواباً فرمایا:

''سنو! میں بھی قدیم الاسلام ہوں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص مجھ سے بھی قدیم الاسلام ہو، لیکن جہاں تک میں جانتا ہوں اس زمانے میں مجھ سے زیادہ حکومت اور امارت کا کوئی اہل نہیں ہے۔ میری اسی اہلیت کی وجہ سے امیر المؤمنین سیّدنا عمرؓ نے مجھے شام کے ایک حصے کی حکومت پر مامور کیا تھا۔ اگر وہ مجھ سے زیادہ کسی اور کو یہاں کی حکومت کا اہل سمجھتے تو میری بجائے اسے یہاں کی حکومت مرحمت فرماتے۔ آپ لوگ جو مجھے یہاں کی حکومت چھوڑنے کا مشورہ دیتے ہیں، میں نہیں سمجھتا کہ میں نے کوئی ایسا جرم کیا ہے جس کی وجہ سے میرے لیے اقتدار سے مستعفی ہو جانا ضروری ہو، لیکن اگر موجودہ امیر المؤمنین سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ مجھے حکومت سے علیحدہ ہونے کے لیے کہیں تو مجھے اس میں کوئی پس وپیش نہیں ہوگی۔ بخدا! اگر حکومت کا انتظام اور باگ ڈور تم جیسے شریر النفس لوگوں کے ہاتھ میں ہو تو رعایا کے لیے زندگی کے شب وروز گزارنا مشکل ہو جائیں۔''

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ان باتوں کا بھی سبائیوں پر کوئی اثر نہ ہوا، بلکہ وہ اور زیادہ مشتعل ہو گئے، اور تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ اسی اشتعال کی وجہ سے انھوں نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں بڑے توہین آمیز کلمات کہے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کی ان حرکات پر بہت غصہ آیا۔ ان کی جگہ کوئی

Marfat.com

ور ہوتا تو ان شریروں کو کیفرِ کردار تک پہنچاتا، لیکن وہ چونکہ حلم و بردباری کے مجسمہ تھے، لہٰذا انھوں نے نہایت تحمل سے پند و نصیحت کی اور فرمایا: ''یاد رکھو! یہ کوفہ کی سرزمین نہیں ہے، جہاں تم ایسی حرکات کے مرتکب ہوتے تھے۔ اہلِ شام کو اگر تمھاری ان حرکات کا پتہ چل گیا تو وہ تمھارا گوشت نوچ لیں گے۔''

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی عقل و دانش نے سمجھا اور بالکل صحیح سمجھا کہ ان لوگوں کا مرض لاعلاج ہے۔ ان کی نیتوں میں فتور اور دِلوں میں عناد اور کینہ بھرا ہوا ہے۔ یہ کسی صورت بھی حکومت کے ساتھ تعاون کرنے والے نہیں ہیں، بلکہ ان کی زندگی کا مقصدِ وحید فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانا اور امیر المؤمنین اور ان کے گورنروں کے خلاف لوگوں کو مشتعل کر کے باغی و سرکش بنانا ہے۔ چنانچہ آپ نے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھ کر بھیجا کہ:

> ''یہ لوگ جن کو آپ نے میرے پاس بھیجا ہے عقل و دانش سے بالکل تہی دامن ہیں، اور دین سے ان کا کوئی سروکار نہیں۔ اللہ ربّ العزت کی رضا ان کا مقصودِ زندگی نہیں اور دلیل و حجت سے بات کرنے کا ان میں سلیقہ نہیں، صرف فتنہ و فساد برپا کرنا اور ذمیوں (اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا) کے مال کو ہڑپ کرنا ان کا مقصدِ وحید ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو مصیبت میں مبتلا کرے گا اور فتنہ و فساد کی جو آگ یہ اُمت مسلمہ کے لیے جلا رہے ہیں، مجھے قوی اُمید ہے کہ یہ اس میں خود ہی جل جائیں گے اور انجام کار ان کو رسوائی اور ذلت کا منہ دیکھنا پڑے گا۔
>
> امیر المؤمنین! ان کی اصلاح میرے بس کا روگ نہیں ہے اور میں ان کا شام میں رہنا بھی پسند نہیں کرتا، کیوں کہ خطرہ ہے کہ ان کے زہر سے یہاں کی فضا بھی مسموم نہ ہو جائے، لہٰذا آپ خود ہی ان کا کوئی بندوبست فرمائیں۔'' ❶

امیر المؤمنین سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ: ''ان لوگوں کو واپس کوفہ بھیج دو۔'' کوفہ کے گورنر سیّدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ پھر دربارِ خلافت میں فریادی ہوئے کہ: ''خدارا! ان کو کوفہ نہ بھیجیں، بلکہ کہیں اور بھیج دیں اور کوفہ کی سرزمین کو ان کے ناپاک وجود سے محفوظ رکھیں۔'' لیکن یہ لوگ کوفہ پہنچ ہی گئے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیّدنا سعید بن

---

❶ ابن اثیر: ۳/ ۷۱.

Marfat.com

العاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ان کو حمص بھیج دیا جائے، جہاں سیّدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیّدنا عبدالرحمٰن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے منتظم اور منصرم تھے۔ سیّدنا عبدالرحمٰن پہلے ہی ان لوگوں کی تخریبی سرگرمیوں کے بارے میں تفصیل سے سن چکے تھے۔ جب یہ شریروں کا ٹولہ سیّدنا عبدالرحمٰن بن خالد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو آپ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اے شیطان کے آلۂ کار گروہ! تمھارے لیے خوش آمدید کے کوئی الفاظ نہیں ہیں۔ شیطان محسور و نامراد واپس آ گیا ہے اور تم اگرچہ بہت خوش ہو، لیکن اللہ تعالیٰ عبدالرحمٰن کو خائب و خاسر کرے، اگر میں تمھیں مؤدب نہ بنا دوں۔ اے وہ گروہ جو اپنے متعلق یہ بھی نہیں جانتا ہے کہ وہ عرب ہیں یا عجم۔ یاد رکھو! مجھ سے ہرگز ایسی باتیں نہ کرنا جو باتیں تم نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے کی تھیں۔ یہ ذہن نشین کر لو کہ میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہوں۔ وہ خالد رضی اللہ عنہ جس نے کفر کو پامال کیا اور اسلام میں مرتدین کے فتنہ کا قلع قمع کیا۔ اے صعصعہ! اگر مجھے یہ اطلاع ملی کہ کسی شخص نے تم میں سے کسی کی ناک توڑ دی ہے یا تمھیں کسی طریقہ سے ذلیل و خوار کیا ہے تو میں اس پر انتہائی خوشی کا اظہار کروں گا۔'' ❶

مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیّدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے ساتھ سخت برتاؤ کیا۔ ایک ماہ تک انھیں اپنے ہاں اذنِ باریابی نہ بخشا۔ بعض مؤرخین نے یہاں تک لکھا ہے کہ ایک ماہ کے شدید انتظار کے بعد ایک روز انھیں بلا بھیجا، لیکن ان سب کو گورنمنٹ ہاؤس کے باہر کھڑا کر دیا۔ نہ ان سے سیّدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کوئی بات کی اور نہ ہی انھیں اپنے پاس بلایا، یہاں تک کہ یہ کھڑے کھڑے تھک گئے، اور انھیں بغیر کسی بات چیت کے واپس بھیج دیا۔ اس طرح کا سلوک کئی دنوں تک ان سے ہوتا رہا۔

علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ: ''سیّدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے انھیں کئی ماہ اپنے پاس ٹھہرائے رکھا اور انھیں بڑا ذلیل و رسوا کیا۔ جب وہ سوار ہوتے تو انھیں اپنے آگے پیدل چلاتے۔ ❷ اور کہتے کہ تمھیں کیا ہو گیا؟ جو کچھ تم معاویہ رضی اللہ عنہ اور سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہتے تھے، مجھے کیوں نہیں کہتے۔ اپنی اس ذلت و رسوائی کا ان پر یہ اثر ہوا کہ ایک روز وہ سیّدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے:

---

❶ ابن اثیر: ۳/ ۷۱.

❷ ابن اثیر: ۳/ ۷۱.

Marfat.com

''ہم اپنی کارگذاریوں سے توبہ کرتے ہیں، لہٰذا آپ ہمیں معاف فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے گا۔''

سیّدنا عبدالرحمٰن نے ان کا قصور معاف کردیا اور مالک الاشتر کو حکم دیا کہ وہ مدینہ طیبہ میں حاضر ہو کر اپنی طرف سے اور ان سب کی طرف سے بالمشافہ ایک عذرنامہ (Undertaking) پیش کریں۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ چونکہ نہایت نرم دل اور بردبار شخص تھے، مالک الاشتر نے جب ان کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عذرنامہ پیش کیا تو وہ نہایت خوش ہوئے اور اسے فرمایا کہ جہاں تمھاری مرضی ہے رہو۔ اس نے کہا کہ میں عبدالرحمٰن بن خالد رضی اللہ عنہ کے پاس رہوں گا۔ چنانچہ وہ سیّدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آ گیا۔ ❶

عبداللہ بن سباء کی حکمت عملی:

عبداللہ بن سباء اور اس کے داعیوں کی کوششوں سے مفسدین کی ایک جماعت ملک میں بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہی تھی، لیکن ہر علاقہ کے مفسدین کا نقطۂ نظر الگ الگ تھا، مگر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی معزولی کے بارے میں سب متفق تھے، البتہ آئندہ خلیفہ کے بارے میں ہر ایک کی نظر الگ الگ شخصیتوں پر تھی، کیوں کہ ہر علاقہ کے مفسدین کا نقطۂ نظر الگ الگ تھا۔ اہلِ کوفہ سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ پر نگاہ جمائے ہوئے تھے۔ اہلِ بصرہ سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو پسند کرتے تھے، اہلِ مصر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے دامن عقیدت کو باندھے ہوئے تھے۔ عراق کے لوگوں کی ایک جماعت قریش کے تمام افراد سے بغض وعداوت رکھتی تھی، اور ایک جماعت سرے سے عربوں ہی کی دشمن تھی، لیکن عبداللہ بن سباء نے اپنی حکمت عملی سے کام لے کر سب کو مخالفتِ عثمان رضی اللہ عنہ پر متحد و متفق کردیا، جس کی وجہ سے سب کا ایک ہی نعرہ تھا کہ ہم عثمان رضی اللہ عنہ کی معزولی چاہتے ہیں۔ پھر ان مختلف الخیال جماعتوں کے اغراض و مقاصد میں بھی ہم آہنگی نہ تھی:

☆ بنوہاشم خلافت کے مناصب اور سرکاری عہدوں کا اپنے کو سب سے زیادہ مستحق سمجھتے تھے، لہٰذا وہ بنواُمیہ کو عروج و ترقی کے بجائے تنزل و ادبار کی گہرائیوں میں دیکھنا پسند کرتے تھے۔

☆ مجوسی یہ چاہتے تھے کہ خلافت اسلامیہ کلی طور پر اسی طرح تاخت و تاراج ہو جائے، جس

---

❶ ابن اثیر: ۳/ ۷۱۔ طبری: ۳/ ۳۲٤.

Marfat.com

طرح سلطنتِ کسریٰ تباہ و برباد ہوئی ہے، یا پھر کم از کم اس میں ایسا انقلاب پیدا کر دیا جائے، جس میں حکومت ایسے خاندان کے ہاتھوں میں آ جائے، جس سے وہ بہتر سے بہتر اور زیادہ سے زیادہ حقوق و مراعات حاصل کر سکیں اور وہ عربوں پر اپنا سیاسی تفوق قائم کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔

۳ یہودی یہ چاہتے تھے کہ اہلِ اسلام میں ایسا تشتت و افتراق پیدا کر دیا جائے، جس سے ان کی قوت پاش پاش ہو جائے اور ہمیں جزیرۂ عرب میں سکونت اختیار کرنے کا موقع دیا جائے۔

۴ عام قبائل عرب اعلیٰ مناصب، سرکاری عہدوں اور دوسری باتوں کے استحقاق میں اپنے کو قریش سے کم نہیں سمجھتے تھے، لہٰذا وہ قریشی افسروں کی تمکنت اور تفوق کو توڑ کر اپنا تفوق قائم کرنا چاہتے تھے۔

ان وجوہ کی بنا پر مختلف علاقوں کی مختلف جماعتوں نے عبداللہ بن سباء کا ساتھ دیا اور ہر جماعت اپنے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی معزولی کا مطالبہ کرنے لگی۔

ابتدائی کارروائیاں

مفسدین کو خطرہ تھا کہ اگر ہم نے پہلے ہی امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کی معزولی کا مطالبہ شروع کر دیا تو لوگ اتنی کثرت سے ہمارا ساتھ نہیں دیں گے، جس سے ہماری یہ تحریک کامیابی سے ہم کنار نہیں ہو سکے گی، اس لیے انھوں نے منصوبہ یہ بنایا کہ پہلے امیر المؤمنین کے گورنروں پر جھوٹے الزامات لگا کر ان کو معزول کروایا جائے۔ اگر وہ معزول ہو گئے تو نئے متعین شدہ گورنروں سے امیر المؤمنین کو معزول کروایا جائے، اور اگر امیر المؤمنین نے گورنروں کو معزول نہ کیا تو ان پر نااہلی کا الزام لگا کر معزولی کی مہم کو تیز تر کر دیا جائے۔ چنانچہ اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انھوں نے سب سے پہلے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ گورنرِ کوفہ پر شراب نوشی کا الزام عائد کیا اور بارگاہِ خلافت سے ان پر حد جاری کرنے کا مطالبہ کیا۔ ولید رضی اللہ عنہ پر شراب نوشی کا یہ الزام ایک گہری سازش کا نتیجہ تھا، حالانکہ وہ تقویٰ، پرہیزگاری اور قلبی پاکیزگی میں اپنی مثال آپ تھے۔ رعیت کے ساتھ بہت خلیق تھے اور اپنے آپ کو خدمتِ خلق کے لیے اس قدر وقف کر دیا تھا کہ گھر کا دروازہ تک نہیں لگوایا تھا، تاکہ اہلِ حاجت

Marfat.com

کو مجھ تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ ❶ اسی کوفہ کے لوگوں نے ان کے خلاف دربارِ خلافت میں یہ الزام تراش دیا کہ انھوں نے شراب پی ہے۔ امیر المؤمنین نے ان کو مدینہ منورہ طلب فرمایا۔ دو آدمیوں نے شہادت دی کہ ہم نے ان کو شراب کی قے کرتے دیکھا ہے اور شراب ان کی داڑھی سے ٹپک رہی تھی۔ اس پر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے حد جاری کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑے مارے۔ جب ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ پر حد جاری ہونے لگی تو وہ ایک سیاہ رنگ کا کپڑا اوڑھے ہوئے تھے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کو اتارنے کے لیے کہا۔ ولید رضی اللہ عنہ نے اس کپڑے کو اتار دیا۔ ❷

انھی ایام میں ایک اور واقعہ رونما ہوا۔ سنہ ۳۱ ھ میں جب قیصر روم نے سواحل شام پر پانچ سو جہازوں کی مدد سے حملہ کیا تو عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے سمندر کے اندر جا کر اس کا مقابلہ کیا۔ دشمن کی فوج اور اس کے جہازوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، جس کی وجہ سے مسلمان نہایت پریشانی میں مبتلا تھے۔ خوف و ہراس کے اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ نے جو سبائی پراپیگنڈے سے متاثر ہو کر اس تحریک کے پُرزور رکن بن گئے تھے، لشکرِ اسلام میں فتنہ انگیزی اور شر و فساد کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی، حالانکہ یہ موقع لشکرِ اسلام کے ساتھ تعاون کرنے کا تھا۔ یہ دونوں حضرات سیّدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ کی بہت مخالفت کرتے، بے موقع تکبیریں بلند کر کے برہمی پیدا کرتے، غرض کہ ہر طریقے سے ان کو دق کرتے۔ مجاہدینِ اسلام سے کہتے کہ تم رومیوں کے مقابلہ میں جہاد کرنے جا رہے ہو، حالانکہ اسلام کو خود مدینہ میں مجاہدین کی ضرورت ہے۔ لوگ تعجب سے پوچھتے کہ مدینہ میں مجاہدین کی کیا ضرورت ہے؟ تو وہ دونوں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا نام لیتے اور کہتے کہ ان کو معزول کرنا اسلام کی ایک بہت بڑی خدمت ہے، کیوں کہ انھوں نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی سنت کو چھوڑ دیا ہے اور اکابر صحابہ کو معزول کر کے سعید بن ابی العاص رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عامر جیسے لوگوں کو گورنری کی کرسی پر بٹھا دیا ہے۔ اور کہتے:

''عثمان رضی اللہ عنہ کا خون (بہانا) حلال ہے، کیوں کہ اس نے عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو گورنر

---

❶ ابن اثیر: ۳/ ۵۲.

❷ ابن اثیر: ۳/ ۵۲۔ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۵۵.

Marfat.com

بنادیا ہے، حالانکہ وہ مرتد ہوگیا تھا اور قرآنِ پاک کا اس نے انکار کیا تھا، اور رسولؐ اللہ نے ان چیزوں کے پیش نظر اس کا خون حلال کر دیا تھا۔ نیز عثمان رضی اللہ عنہ نے ایسے لوگوں کو حکومت کے مناصب پر متعین کیا ہے، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کیا تھا۔'' ❶

مختصر یہ کہ ہر طرح ان دونوں نے یہ کوشش کی کہ مسلمانوں کو خلافت اسلامیہ سے برگشتہ کر کے اسلامی بحری بیڑے میں شامل نہ ہونے دیا جائے، لیکن اہلِ اسلام نے ان کی ایک نہ سنی۔ چنانچہ جب اسلامی بیڑہ رومیوں کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوا تو انھوں نے بھی اسلامی بیڑے کے جہازوں پر سوار ہونے کی کوشش کی، لیکن امیر البحر سیّدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ نے محمد بن ابی حذیفہ کی یہ چال دیکھ کر فرمایا: ((لا ترکب معنا .)) ❷ .....''تم لوگ ہمارے ساتھ مت سوار ہونا۔''

امیر البحر کا یہ حکم سن کر وہ ایک الگ کشتی پر سوار ہو کر اسلامی بیڑے کے تعاقب میں گئے اور راستہ میں جہاں جہاں جہاز لنگر انداز ہوتے وہ دونوں اپنی کشتی کو قریب لے جا کر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگوں کو اُکساتے۔ پھر جب اس اسلامی بیڑے کی رومی بیڑے سے مڈبھیڑ ہوئی اور سطح سمندر پر میدانِ کارزار گرم ہوا اور کشتوں کے پشتے لگ گئے، اس آڑے وقت میں بھی ان دونوں نے مسلمانوں کا کوئی ہاتھ نہ بٹایا، بلکہ دُور اُسی کشتی پر سوار مسلمانوں اور رومیوں کے مقدر کے اس کھیل کو دیکھتے رہے۔ اسلامی لشکر کی فتح کے بعد جب مسلمانوں نے جہاد سے پہلو تہی کرنے پر ان کو ملامت کی تو ان دونوں نے کہا:

''ہم عبداللہ بن سعد کی قیادت میں کیسے لڑ سکتے ہیں؟ اس کو عثمان نے گورنر بنایا اور عثمان نے فلاں فلاں (غلط) کام کیا ہے۔'' ❸

اور پھر انھوں نے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی برائیوں اور مثالب کی ایک خود ساختہ طویل داستان بیان کرنا شروع کر دی۔ امیر البحر کو جب ان کی اس فتنہ پردازی کا علم ہوا اور انھیں پتہ چلا کہ یہ دونوں حضرات کسی طرح بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے اور ان کے مسموم خیالات آہستہ آہستہ دوسروں پر بھی اپنا اثر کر رہے ہیں تو انھوں نے نہایت سختی سے منع کیا۔ ❹

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۵۷.
❷ ابن اثیر: ۳/ ۵۹.
❸ ابن اثیر: ۳/ ۵۹.
❹ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۵۷، ۱۵۸۔ ابن اثیر: ۳/ ۵۸۔ ۵۹.

Marfat.com

سیّدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ:

انھی ایام میں ایک اور واقعہ رونما ہوگیا، جس کو مفسدین نے مشتہر کر کے فائدہ اُٹھانے کی پوری پوری کوشش کی اور کئی مقام پر انھوں نے کافی حد تک فائدہ بھی اُٹھایا۔ وہ واقعہ مسیح الاسلام سیّدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اپنے نظریۂ معیشت کی تبلیغ تھا اور اسی نظریہ نے ان کو مقامِ ربذہ میں خلوت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا۔

سیّدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فطری طور پر درویش منش، تارک الدنیا، زُہد پیشہ اور عزلت نشین بزرگ تھے۔ زمانۂ رسالت ہی سے وہ زُہد پیشہ تھے، لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات نے ان کو اور زیادہ شکستہ خاطر بنادیا تھا۔ چنانچہ اسی زمانہ میں انھوں نے مدینہ منورہ کو خیر باد کہہ کر شام کی غریب الوطنی کی زندگی اختیار کی۔ ❶

عہدِ رسالتؐ اور شیخین کا زمانہ اصل سادگی اور بے تکلفی کا بہترین نمونہ تھا، لیکن خلافت فاروقی کی فتوحات نے مال و دولت کی فراوانی پیدا کردی تھی۔ ہر روز کی فتوحات نے مدینہ منورہ اور دیگر صوبوں میں دولت کے انبار لگادیے، جس سے قدرتی طور پر بے تکلفی کی جگہ پُر تکلف اور سادگی کی جگہ تمدن کی نقش آرائیوں نے لے لی۔ ان چیزوں کے اثرات خلافت فاروقی کے شروع میں تو ظاہر نہ ہوئے، لیکن خلافت فاروقی کے آخر میں عام مسلمانوں کی زندگی پر اس کے بہت سے اثرات نمودار ہوئے۔ سرزمینِ شام چونکہ ایک سرحدی علاقہ تھا اور رومیوں کی تہذیب سرحد پار اپنے پورے عروج پر تھی، لہٰذا مقابلتاً دوسرے حصوں کے یہاں کے مسلمانوں کی زندگی زیادہ شان و شوکت کی حامل تھی، جس میں زیادہ دخل حکومت کی سیاسی حکمت عملی کو بھی تھا، جس کا کچھ تذکرہ گزشتہ صفحات میں بھی گزر چکا ہے۔

سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کی ایسی زندگی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ وہ عہدِ رسالتؐ اور شیخین کے زمانہ کی سادگی اور بے تکلفی چاہتے تھے اور اپنی طرح سے سب کے ہاتھ مال و دولت کے کسب سے خالی دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کے متوکلانہ مذہب میں کل کے لیے آج اٹھا رکھنا کسی حالت میں بھی جائز نہ تھا۔ چنانچہ اُنھوں نے اپنے اس نظریۂ معیشت کی بڑی بے باکی کے ساتھ تبلیغ شروع کردی اور

---

❶ استیعاب لابن عبدالبر: ۱/ ۸۳.

Marfat.com

امراء اور حکومت وقت پر اعتراضات اور ان کی دولت وحشمت اور ساز و سامان پر نکتہ چینیاں شروع کر دیں۔ سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ اپنے اس نظریۂ معیشت کی تائید میں قرآنِ حکیم کی اس آیت سے استدلال کرتے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝﴾ (التوبة: ٣٤)

''اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔''

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے اس آیت سے اپنے نظریہ کے استدلال کو غلط ٹھہراتے اور فرماتے کہ اس آیت سے قبل یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے، اس لیے اس آیت کا تعلق بھی اِنھی سے ہے۔ مسلمانوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں، لیکن سیّدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے کہ: یہ آیت مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں سے متعلق ہے، غیر مسلموں سے اس کے اختصاص کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ: ﴿ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ سے سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ اپنا سارے کا سارا مال اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا مراد لیتے تھے، اس کے برعکس سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے کہ یہ صرف زکوٰۃ سے متعلق ہے۔ زکوٰۃ کے فریضہ کی ادائیگی کے بعد ہر قسم کی دولت جمع کرنے کا مسلمانوں کو اختیار ہے۔ لیکن سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ جس شئے کو صحیح سمجھے ہوئے تھے اور جس نظریہ کو انھوں نے ساری زندگی اپنا کر اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالا تھا، وہ اس سے سبکدوش ہونے کے لیے کسی حالت میں بھی تیار نہ تھے اور نہ ہی اس نظریہ کی تبلیغ سے باز رہ سکتے تھے۔ لہٰذا انھوں نے بڑی سختی کے ساتھ ان لوگوں کو طعن و تشنیع شروع کر دی جو ان کے نظریہ کے حامی نہیں تھے۔

سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کا خود اپنا معمول یہ تھا کہ وہ ایک روز سے زائد مال اپنے پاس نہ رکھتے اور جو کچھ ان کے پاس آتا کوشش کرتے کہ وہ جلد از جلد ان کے پاس سے کسی مستحق کو چلا جائے۔ یہ دراصل ان کے مزاج کی سختی تھی۔ کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں کچھ درشتی بھی پائی جاتی تھی۔ چنانچہ اسلام لانے کے بعد ایک مرتبہ اسی مزاجی خشونت کی وجہ سے وہ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سے اُلجھ پڑے اور ان کی والدہ کے بارے میں کچھ ناملائم الفاظ کہہ دیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیّدنا

Marfat.com

ابوذر رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ کی جب اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا: ''ابوذرؓ! تم میں ابھی تک جاہلیت کی خصلت باقی ہے؟''

سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے اس نظریہ کے پرچار نے شام میں حکومت اور عوام کے لیے بہت سی مشکلات پیدا کر دیں۔ عبداللہ بن سباء نہایت ہوشیار آدمی تھا اور فتنہ انگیز اور فتنہ پرور لوگ ہمیشہ ہوشیار ہوتے ہیں، وگرنہ وہ لگائی بجھائی نہیں کر سکتے۔ اسے جب پتہ چلا کہ سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ شام میں گورنر شام سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور کارکنانِ حکومت اور عوام الناس کی معاشی پالیسیوں پر کھلم کھلا کڑی تنقید کرتے ہیں تو وہ فوراً شام پہنچا، تاکہ وہ ان کی معرفت مملکت اسلامیہ کے بارے میں اپنی فتنہ انگیز اور اسلام کش پالیسیوں کو عملی جامہ پہنا سکے۔ چنانچہ وہ سنہ ۳۰ ھ میں دمشق پہنچا اور سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلط سلط باتیں کیں اور انھیں سیّدنا معاویہؓ کے بارے میں اُکسایا اور کہا کہ وہ مسلمانوں کے مال و دولت سے اپنا گھر بنا رہے ہیں۔ اور یہ بھی کہا کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ''مال سب اللہ کا ہے۔ یہ درست ہے کہ مال سب اللہ کا ہے، لیکن وہ چاہتے ہیں کہ اس میں مسلمانوں کا نام اور حق باقی نہ رہے اور وہ مسلمانوں کا نام مٹا دیں۔'' (اور مسلمانوں کے مال کو بے دریغ اپنی ذاتی ضروریات میں صرف کریں۔) ❶

سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ ایک سادہ طبیعت آدمی تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جس طرح میں سچ بولتا ہوں، شاید دوسرے بھی اسی طرح سچ بولتے ہیں۔ اس لیے وہ اس شریر اور فتان کی باتوں میں آ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ فوراً جوش میں آ کر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا:

''تم مسلمانوں کے مال کو اللہ کا مال کیوں کہتے ہو؟''

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''چونکہ ہم سب اللہ ربّ العزت کی مخلوق اور بندے ہیں، لہٰذا یہ سب مال بھی اللہ کا ہے۔ خلق اور امر سب اسی کا ہے۔'' ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ایسا نہ کہا کرو۔'' انھوں نے کہا: ''بہت اچھا، اب میں اللہ کے مال کے بجائے مسلمانوں کا مال کہا کروں گا۔''

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس جواب سے سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ لاجواب ہو گئے اور واپس تشریف لے آئے۔ واپسی پر عبداللہ بن سباء پھر آپ سے ملا اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات کے مثبت

---

❶ ابن اثیر: ۳/ ۵۷.

Marfat.com

اثرات کو ضائع کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔

سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے بعد عبداللہ بن سباء مشہور صحابی رسول سیّدنا ابوالدرداءؓ سے ملا اور ان سے بھی وہی باتیں کیں، جو اس شریر نے سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے کی تھیں۔ سیّدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اس کی باتیں سن کر فرمایا: ''تم کون ہو؟ بخدا! تم ایک یہودی ہو۔'' اس نے دیکھا کہ سیّدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ تو مجھے بھانپ گئے ہیں، چنانچہ وہ وہاں سے اُٹھ کر سیّدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس آ گیا۔ سیّدنا عبادہ رضی اللہ عنہ بھی اس یہودی کی فطرت کو بھانپ گئے، لہٰذا وہ اسے پکڑ کر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ گورنر شام کے پاس لے گئے اور کہا کہ:

''بخدا! یہی وہ شخص ہے جس نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو برانگیختہ کر کے آپ کے پاس بھیجا تھا۔''

لیکن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیاسی مصلحت کے تحت اس سے کوئی تعرض نہ کیا۔

سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ پہلے ہی اس نظریۂ معیشت کی تبلیغ و اشاعت میں کافی سرگرم تھے، لیکن عبداللہ بن سباء کی ملاقات نے ان کی سرگرمی میں مزید اضافہ کر دیا اور وہ کسی خوف و ہراس کے بغیر اپنے اس نظریہ کا پرچار کرنے لگے۔ وہ ہر اس مسلمان کے پاس جاتے، جس کے پاس ایک دن رات کے گزارہ سے زائد مال و دولت ہوتا یا کوئی ایسی شئے ہوتی، جس کو وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر سکتا، وہ اس کے سامنے اپنے نظریہ کو نہایت سختی سے پیش کرتے اور ان کو قرآنِ حکیم کی وعید سناتے:

''اور وہ لوگ جو سونا اور چاندی (مال و دولت) جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ آپ انھیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں۔'' (التوبہ:۳۴)

سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے نہ صرف حکومت کی پالیسیوں کو ہدفِ تنقید بنایا، بلکہ آسودہ حال مسلمان بھی ان کی تنقید سے نہ بچ سکے اور انھوں نے برملا ان کے خلاف زبانِ طعن کھولنی شروع کر دی۔ وہ ان کو علی الاعلان کہتے:

''اے گروہِ اغنیا! جو درحقیقت سب سے بڑے فقیر ہو، اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ان لوگوں کے لیے جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور ان کو اللہ راستہ میں خرچ نہیں کرتے، ایسی آگ کی خوش خبری ہے، جس میں ان کے سونا اور چاندی (مال و دولت)

Marfat.com

کو تپا کر ان کی پیشانیوں، ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا۔'' ❶

علامہ ابن اثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ سیّدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کے اس بے باکانہ پرچار کا دائرۂ عمل اب صرف ان ہی تک محدود نہ رہا بلکہ بہت سے غریب لوگ بھی اس پرچار میں ان کے ساتھ شامل ہو گئے، اور وہ امیر لوگوں پر طعن و تشنیع میں ان کے ساتھ مل گئے، جس کی وجہ سے حکومت کی اقتصادی پالیسیوں میں رکاوٹ پیدا ہونے لگی، یہاں تک کہ امیر طبقہ نے اپنے خلاف اس طعن و تشنیع کی گورنر شام سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت کی۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نہیں چاہتے تھے کہ سیّدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کچھ تعرض کیا جائے، کیوں کہ وہ ایک صحابیٔ رسولؐ تھے۔ ان کا یہ نظریۂ معیشت ان کے لیے مفید ہو سکتا تھا، لیکن اس کو اسلام کا نظریۂ معیشت نہیں کہا جا سکتا تھا۔ چنانچہ ان کے اس نظریہ کے پرچار کا ایک ردّ عمل یہ ہوا کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکریوں اور شام کے تمام عوام نے ان کے اس نظریہ کو جمہور مسلمانوں کے نظریہ کے خلاف سمجھتے ہوئے ان پر انگشت نمائی شروع کر دی اور جہاں کہیں وہ جاتے لوگ ﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ ﴾ کی آیت کو اونچی آواز میں پڑھتے جو کہ ان کے ساتھ بظاہر ایک مذاق سمجھا جانے لگا۔

دوسرے صاحب مال طبقہ پر ان کی اس تبلیغ کا ردّ عمل ہوا، جس سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اگر یہ جذبہ یونہی بڑھتا رہا تو عجب نہیں کہ شام میں کوئی فتنہ اُٹھ کھڑا ہو۔ چنانچہ انھوں نے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ نے اپنے نظریۂ معیشت کے پرچار میں ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے اور اب ہر نادار اور قلاش شخص نے بھی کھاتے پیتے لوگوں کے خلاف زبانِ طعن دراز کرنی شروع کر دی ہے، لہٰذا آپ اس کا کوئی مداوا فرمائیں۔ سیّدنا عثمانؓ نے جواب میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ سیّدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ، سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ منورہ بھیج دیے گئے، لیکن مدینہ منورہ کی حالت بھی اب وہ نہیں تھی جو سیّدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ نے عہد رسالت اور عہد صدیقی و فاروقی رضی اللہ عنہما میں دیکھی تھی۔ وہ مدینہ جس کے لوگ سادگی اور زہد میں تمام دنیا کے لیے ایک آئیڈیل تھے، وہی لوگ اور ان کی موجودہ نسل اب ابو ذر رضی اللہ عنہ کی سادگی کو تعجب اور حیرانی کی نظروں سے دیکھتی تھی۔ جہاں وہ جاتے ہر جگہ ان کو دیکھنے کے لیے لوگوں کا

---

❶ ابن اثیر: ۳/ ۵۷.

Marfat.com

ایک ہجوم لگ جاتا۔ آپ نے یہاں بھی اپنے لیے ماحول سازگار نہ پایا۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو بہت سمجھایا اور کہا: ''ابوذرؓ! تم یہاں میرے پاس رہو۔ تمھیں یہاں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہوگی۔'' نیز فرمایا: ''ابوذر! تمھارے زُہد وتقویٰ، نیک نیتی اور اخلاص کا ہر شخص اور خود میں بھی معترف ہوں، لیکن تم دوسرے لوگوں کو اپنی اس قناعت اور زہد وتقویٰ کا سختی سے پابند نہ بناؤ۔''

مگر ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''امیر المؤمنینؓ! تم لوگ بھی غنی اور تونگر لوگوں سے اس وقت تک راضی نہ ہو، جب تک کہ وہ اپنا مال ومتاع اور اندوختہ غرباء میں خرچ نہ کردیں، اور اپنے ہمسایوں اور بھائی بندوں کے ساتھ حسنِ سلوک نہ کریں اور اعزاء واقرباء کے ساتھ صلہ رحمی نہ کریں۔'' ❶

علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ جب امیر المؤمنین کو یہ جواب دے رہے تھے تو کعب احبار بھی اس وقت سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے۔ وہ سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرکے کہنے لگے کہ؛ جو شخص اپنے مال میں سے زکوٰۃ ادا کردے اس کو مال جمع کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ سیّدنا ابوذر کا یہ بات سننا تھا کہ وہ غضب ناک ہوگئے اور کعب احبار کو مارنا شروع کردیا اور کہا:

''اے یہودی عورت کے بیٹے! تو اس قسم کی باتیں کرتا ہے، حالانکہ تیری حیثیت کیا ہے؟''

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا جب یہ جلال دیکھا تو فرمایا:

''ابوذرؓ! اللہ سے ڈرو اور اپنی زبان اور ہاتھ کو روکو۔''

علامہ مجلسی نے لکھا ہے کہ؛

''سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے کعب احبار کے سر پر لاٹھی ماری اور کہا: ''اے یہودی کافرہ عورت کے بیٹے! تجھے مسلمانوں کے احکام میں دخل دینے کا کیا حق ہے؟ اللہ تعالیٰ کی بات تمھاری بات سے کہیں زیادہ سچی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ سونا اور چاندی کو خزانہ بنا کر رکھتے ہیں.....'' ❷

---

❶ ابن اثیر: ۳/ ۵۷.

❷ بحار الانوار: ۲۲/ ۴۲۶۔ حیات القلوب: ۲/ ۱۱۴۲۔ تفسیر صافی: ۱/ ۱۱۱۔ مروج الذهب: ۲/ ۳۳۹۔ سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۶۱.

Marfat.com

سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو اس ماحول میں اجنبی سمجھتے تھے، لہٰذا انھوں نے محسوس کیا کہ انھیں مدینہ منورہ چھوڑ کر کسی الگ تھلگ جگہ پر چلے جانا چاہیے۔ چنانچہ انھوں نے خود سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا:

''مجھے مدینہ طیبہ سے باہر جانے کی اجازت دے دیجیے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا کہ جب مدینہ کی آبادی سلع تک پہنچ جائے اس وقت تم مدینہ سے باہر چلے جانا۔'' ❶

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''تم کہاں جانا چاہتے ہو؟'' عرض کی کہ میں ربذہ میں جو کہ مدینہ کے مشرق میں عراق اور مکہ کے راستہ میں ایک مقام یا گاؤں تھا، سکونت اختیار کرنا چاہتا ہوں۔ امیر المؤمنین سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی اور آپ اپنے اہل وعیال سمیت وہاں تشریف لے گئے۔ مدینہ منورہ سے رُخصت کرتے وقت امیر المؤمنین نے بڑی شان وشوکت اور خاطر و مدارات کے ساتھ اُنھیں رُخصت کیا، اور دو غلام، اونٹوں کا ایک گلہ اور بہت سا روپیہ دیا، تاکہ وہ آرام و آسائش کے ساتھ ربذہ میں اپنی زندگی کے باقی ماندہ ایام گزار سکیں۔'' ❷

سیّدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جب مدینہ طیبہ چھوڑ رہے تھے تو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں نہایت اعزاز اور احترام کے ساتھ رُخصت کیا اور فرمایا:

''مدینہ آتے جاتے رہنا، تاکہ آپ ایک بدو ہو کر نہ رہ جائیں۔ چنانچہ وہ گاہے گاہے مدینہ آتے جاتے رہتے۔'' ❸

اس بات کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ: ۷/۱۵۵، اور کتاب التمہید والبیان، میں محمد بن یحییٰ، صفحہ: ۷۴ میں بھی ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن خلدون نے بھی اپنی تاریخ: ۳/ ۱۰۲۹ میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے عالی مقام سے واقف و آگاہ تھے اور سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے

---

❶ ابن اثیر: ۳/ ۵۷۔ طبقات ابن سعد: ٤/ ۲۲۷۔ طبری: ۳/ ۳۳۷۔

❷ ابن اثیر: ۳/ ۵۷۔ ۵۸۔

❸ طبری: ۳/ ۳۳۷۔ ابن اثیر: ۳/ ۵۷۔

Marfat.com

مزاج شناس بھی۔ سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ شروع ہی سے زُہد منش صحابی تھے۔ اسی وجہ سے ایک موقع پر جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا:

((ابوذر! خدا ترا رحم کند تو تنہا و غریب زندگانی خواہد کرد، و تنہا خواہی مرد و تنہا مبعوث خواہی شد و تنہا داخل بہشت خواہی شد.)) ❶

''ابوذر! اللہ تعالیٰ تم پر رحمت فرمائے تو تنہا اور پردیس میں زندگی گزارے گا، تنہا ہی مرے گا، قیامت کے روز تنہا ہی اُٹھے گا اور تنہا ہی بہشت میں داخل ہوگا۔''

یہ روایت اور بھی کئی کتابوں میں منقول ہے۔ ❷

یہ تنہائی سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کا مزاج تھی اور ان کی اپنی استدعا پر انھیں ربذہ بھیجا گیا تھا۔ اس میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ چنانچہ علامہ ابوبکر ابن العربی رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ:

((اما نفیه ابا ذر الیٰ الربذه فلم یفعل .)) ❸

''سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو ربذہ جلاوطن نہیں کیا تھا۔''

چنانچہ ایک مرتبہ امام حسن بصری رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا: ''کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ سے نکالا تھا؟'' تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اللہ کی پناہ! (ایسی غلط بات منہ سے نہ نکالنا۔) ❹

سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے ربذہ تشریف لے جانے کو مفسدین نے خوب اُچھالا اور سیّدنا عثمانؓ کے خلاف اس چیز کو باقاعدہ ایک اعتراض کی صورت میں تمام ملک میں مشہور کر دیا کہ امیر المؤمنین کے خلاف سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ حق بیان کرتے تھے، لیکن وہ حق سننا نہیں چاہتے تھے، اس وجہ سے امیر المؤمنین نے انھیں مدینہ بدر کر دیا۔ حالانکہ سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کا ربذہ جانا ان کی طہارتِ نفس اور نیک نیتی کی وجہ سے تھا، لیکن مفسدین نے اس کو لوگوں کے سامنے غلط رنگ میں پیش کیا۔ خود سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو بھی ورغلانے کی کوشش کی۔ چنانچہ عراقیوں کا ایک وفد اُن کے پاس ربذہ پہنچا اور کہا: ''عثمان رضی اللہ عنہ نے

---

❶ حیات القلوب: ۲/ ۴۰۔ سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۵۶.

❷ ملاحظہ ہو: بحار الانوار: ۲۲/ ۳۹۸، رجال کشی تذکرۂ ابو ذر۔ تنقیح المقال: ۱/ ۲۳۵ وغیرہ۔

❸ العواصم من القواصم، ص: ۷۳.

❹ فتح الباری: ۳/ ۲۷۲.

Marfat.com

آپ کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا۔ عثمانؓ کے ناروا سلوک ہی کا نتیجہ ہے کہ آپ کو شام اور مدینہ جیسے آباد شہر چھوڑ کر یہاں ویرانہ میں قیام کرنا پڑا۔ ہم لوگ یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتے۔ ہمیں امیر المؤمنین سے زیادہ آپ سے ہمدردی ہے، لہٰذا اگر آپ امیر المؤمنین کے خلاف علم بغاوت بلند کریں تو ہم لوگ اس معاملہ میں آپ کا بھرپور ساتھ دیں گے۔ آپ نے ان عراقی مُفسدوں کی یہ بات سن کر فرمایا:

''مسلمانو! اس معاملہ میں تم دخل نہ دو اور اپنے حاکم کو ذلیل نہ کرو، کیوں کہ جس نے اپنے حاکم کو ذلیل کیا وہ توبہ کی قبولیت سے محروم رہا۔ اگر عثمان رضی اللہ عنہ مجھ کو سولی پر بھی چڑھا دیتے تو مجھ کو عذر نہ ہوتا، اور میں اسی بات میں اپنے لیے بہتری سمجھتا، اگر وہ مجھے بجائے ربذہ کے ایک اُفق سے دوسرے اُفق یا مشرق سے مغرب میں بھیج دیتے، تب بھی میں ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا اور اسی میں اپنی بھلائی سمجھتا اور اگر وہ مجھے کہیں نہ بھیجتے اور مجھ کو میری قیام گاہ ہی پر لوٹا دیتے تو بھی مجھے کوئی عذر نہ ہوتا اور میں اس میں اپنی سعادت سمجھتا۔'' ❶

سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ جواب سن کر وہ اپنا سا منہ لے کر واپس چلے گئے۔ ❷

گورنروں کی مجلس شوریٰ کا انعقاد:

خلافت اسلامیہ میں سبائیوں نے جو طوفانِ بدتمیزی اُٹھا رکھا تھا اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے گورنروں کے خلاف فتنہ وفساد کی جو آگ وہ بھڑکا رہے تھے، امیر المؤمنین ان سب باتوں سے بے خبر نہ تھے۔ پھر جن الزامات کی بنیاد پر اُنھوں نے سازش اور انقلاب کی یہ عمارت کھڑی کی تھی، امیر المؤمنین کی نگاہ ان کی طرف بھی تھی۔ ان الزامات کے بادلیل جوابات بھی ان کے پاس موجود تھے، لیکن آپ بار بار صفائی پیش کر کے اپنی پوزیشن مشکوک نہیں بنانا چاہتے تھے۔ آپ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ فتنہ وفساد کی جو آگ دشمنانِ اسلام نے بھڑکائی ہے، اس کا بجھانا کوئی آسان کام نہیں،

---

❶ طبقات ابن سعد: ٤/ ٢٢٦۔ تاریخ الاسلام ذهبی: ٢/ ١١٤.

❷ اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: حکیم محمد احمد ظفر کی کتاب ''سیّدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، فتنہ قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ'': ١/١١۔ طبقات ابن سعد: ٤/ ٢٢٦، ٢٢٧۔ فتح الباری: ٣/ ٢٧٢۔ تاریخ المدینة، لابن شیبه، ص: ١٠٣٧۔ منهاج السنه: ٦/ ١٨٣۔

Marfat.com

لیکن پھر بھی آپ نے شورش کے رفع کرنے اور شکایتوں کے ازالے کے لیے ایک آخری کوشش اور کی اور دار الخلافہ مدینہ طیبہ میں اپنے تمام صوبوں کے گورنروں کی ایک مجلس شوریٰ منعقد فرمائی، تا کہ اس فتنہ کے فرو کرنے کے لیے کچھ سوچ بچار کی جا سکے۔ اس مجلسِ شوریٰ میں جن لوگوں نے شرکت کی، ان میں سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما، سیّدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مجلس دو تین روز تک جاری رہی۔ شروع میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک مختصر سی تقریر فرمائی، جس میں مجلس کے انعقاد کی وجوہات اور ملک کی صورتِ حال کو بیان فرمایا، نیز فرمایا:

''ہر آدمی کے کچھ وزیر اور صاحب مشورہ لوگ ہوتے ہیں اور تم میرے وزیر اور صاحب مشورہ اور قابل اعتماد لوگ ہو۔ اور لوگوں نے جو کچھ ملک میں کیا ہے، اس سے تم لوگ بخوبی آشنا ہو۔ ان کا مطالبہ ہے کہ میں اپنے گورنروں کو معزول کر دوں اور جن چیزوں کو وہ پسند نہیں کرتے، ان سے رجوع کر کے ان کی مرضی کے موافق ہر کام کروں، لہٰذا تم مجھے اس بارے میں اپنی رائے سے آگاہ کرو، تا کہ کسی اجتماعی فکر پر پہنچا جا سکے اور اس فتنہ کو دبانے کے لیے کچھ کیا جا سکے۔''

ہر گورنر نے الگ الگ اپنی رائے امیر المؤمنین کے گوش گزار کی۔ گورنر بصرہ سیّدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے مجلس شوریٰ کے سامنے امیر المؤمنین سے کہا:

''امیر المؤمنین! موجودہ شورش صرف ایک گروہ کی کارروائیوں کا نتیجہ ہے۔ اگر ان کے قائدین کو قتل کر دیا جائے تو مفسدین کا شیرازہ بکھر جائے گا اور ملک میں امن و امان کی فضا پھر سے پیدا ہو جائے گی، کیوں کہ ہر جماعت اور گروہ کے کچھ قائدین ہوتے ہیں، اگر ان کو قتل کر دیا جائے تو وہ جماعت منتشر ہو جاتی ہے، اور پھر کسی مرکز پر جمع نہیں ہو سکتی۔''

گورنر شام سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''امیر المؤمنین! میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ اپنے گورنروں کو واپس ان کے صوبوں میں بھیج دیں اور ہر ایک گورنر سے کہیں کہ وہ اپنے صوبہ میں امن کے قیام کی پوری پوری

Marfat.com

ذمہ داری لے اور وہ ذمہ داری لے بھی سکتا ہے، کیوں کہ ہر صوبہ میں شورش پسند قلیل تعداد میں ہیں، اور میں اپنے صوبہ شام کی پوری ذمہ داری لیتا ہوں۔''

سیّدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ گورنر مصر نے عرض کیا:

''امیر المؤمنین! میرا خیال ہے کہ آپ ان لوگوں کو بخشش اور انعامات سے نوازیں جس سے ان کی تالیفِ قلب ہوگی اور یہ لوگ ملک میں شورش برپا نہ کرسکیں گے، کیوں کہ یہ لوگ مجھے مال و دولت کے لالچی اور بھوکے معلوم ہوتے ہیں۔ جب آپ روپیہ سے ان کی تالیفِ قلب کریں گے تو ان کے دل آپ کی طرف کھنچ جائیں گے۔''

سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سابق گورنر مصر نے کہا:

''امیر المؤمنین! شورش پسند لوگ اپنی پسند کی چیزیں آپ سے کروانا چاہتے ہیں اور جن امور کو وہ ناپسند کرتے ہیں ان کو مٹانے کے درپے ہیں۔ اس صورت میں آپ کے لیے دو ہی صورتیں ہیں: ((فاعتدل أو اعتزل .)) یا تو آپ اعتدال اور میانہ روی سے کام لیں یا پھر خلافت سے کنارہ کشی کرلیں۔ اگر یہ دونوں صورتیں آپ کو ناپسند ہیں تو پھر جو چاہے کیجیے لیکن عزمِ صمیم اور پختہ یقین کے ساتھ۔'' ❶

سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین کو یہ بھی کہا:

''امیر المؤمنین! آپ ضرورت سے زیادہ نرمی سے کام لیتے ہیں۔ جہاں گرفت کی ضرورت ہوتی ہے وہاں بعض دفعہ چشم پوشی اور اغماض سے کام لیتے ہیں، اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ آپ نے ان کو آزادی دے رکھی ہے۔ آپ ملکی انتظام میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے طریق کار کو اپنایئے اور نرمی کے موقع پر نرمی اور سختی کے موقع پر سختی سے کام لیجیے۔'' ❷

ان سب حضرات کی آراء اور تجاویز پیش کرنے کے بعد سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں نے آپ سب حضرات کے مشوروں اور آراء کو گوشِ حق نیوش سے سنا۔ ہر کام کا

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۶۷۔ ابن اثیر: ۳/ ۷۵۔ طبری: ۳/ ۳۸۰.

❷ طبری: ۳/ ۳۸۰.

Marfat.com

ایک دروازہ ہوتا ہے، جس کے ذریعے وہ آتا ہے۔ یہ امر (مفسدہ) جس کا اس امت کے بارے میں خطرہ ہے، آنے ہی والا ہے، اور وہ دروازہ جو اس اُمت پر بند ہے وہ شریعت مطہرہ کی اتباع اور پیروی ہی کی وجہ سے رکا ہوا ہے۔ پس ہمیں حدود اللہ کے سوا تمام امور میں نرمی اور مؤدت ہی سے کام لینا چاہیے۔ اگر وہ دروازہ کھل گیا تو پھر مجھ پر کوئی الزام نہ ہوگا۔ اللہ ربّ العزت جانتا ہے کہ میں نے لوگوں کی خیر خواہی اور بھلائی میں کوتاہی سے کام نہیں لیا۔ بخدا! فتنہ کی چکی ضرور چلنے والی ہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے خوشخبری اور بشارت ہے اگر وہ اس فتنہ کی چکی کو حرکت دیے بغیر اس دنیا سے چلا جائے۔ تم لوگوں کو فتنہ سے ہر ممکن طریق سے باز رکھو اور رعایا کے اطمینان کے سامان مہیا کرو اور ان کے حقوق کی پوری پوری ادائیگی کرو اور ان کی زیادتیوں سے درگزر کرو۔ ہاں اگر حقوق اللہ پامال ہونے لگیں یا ان کی پامالی کا کوئی خطرہ ہو تو پھر ہرگز مداہنت سے کام نہ لو۔'' ❶

امیر المؤمنین کے اس مختصر مگر جامع خطاب کے بعد گورنروں کی مجلس مشاورت کو برخاست کر دیا گیا۔

کوفہ میں انقلاب کی لہریں:

سبائی تحریک کے اصل مرکز تین تھے۔ (۱) مصر، (۲) کوفہ اور (۳) بصرہ۔

کوفہ میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنر سیّدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ اموی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے آباء و اجداد نہایت دبدبہ اور شکوہ کے رئیس تھے۔ اس لحاظ سے سیّدنا سعید رضی اللہ عنہ خاندانی گورنر تھے اور ماں کے پیٹ سے چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ یہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کوفہ کے گورنر تھے اور سبائی تحریک کے داعی ان کو ہر وقت تنگ کرتے تھے اور سعید رضی اللہ عنہ اپنی رحم دلی کے باعث ان کی ان باتوں کو صبر و تحمل سے برداشت کر رہے تھے، یہاں تک کہ ان کی موجودگی میں ایک مرتبہ کوتوال شہر عبدالرحمٰن الاسدی کو ان سبائیوں نے مالک الاشتر کے اکسانے پر شدید زدوکوب

---

❶ طبری: ۳/ ۳۸۰.

Marfat.com

کیا تھا۔ ❶ اور وہ لوگ علی الاعلان اور برملا سیّدنا عثمان اور سعید رضی اللہ عنہما کو سب وشتم کرتے تھے۔ ❷

سیّدنا سعید رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں گورنروں کی کانفرنس میں شمولیت کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے کہ کوفہ کی سبائی پارٹی نے یہ عہد کیا کہ اب وہ سعید رضی اللہ عنہ کو کوفہ واپس نہیں آنے دیں گے اور اس مقصد کے لیے اگر انھیں تلوار کا استعمال بھی کرنا پڑا تو وہ اس سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

سیّدنا سعید رضی اللہ عنہ کی کوفہ سے غیر حاضری کے دوران یعنی سنہ ۳۴ ھ میں یہاں کے ایک انقلابی یزید بن قیس کو یہاں تک جرأت ہوگئی کہ وہ چند آدمیوں کو ساتھ لے کر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے خلافت سے دست برداری کا مطالبہ کرنے کے لیے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو پڑا، لیکن سیّدنا قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑ لیا۔ گرفتاری کے بعد یزید نے کہا کہ ہم تو صرف گورنر کوفہ سعید رضی اللہ عنہ کا تبادلہ چاہتے ہیں، لہٰذا سیّدنا قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہما نے اُسے چھوڑ دیا۔ ❸

ایک روایت میں ہے کہ سیّدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ جب گورنروں کی مجلس مشاورت میں شرکت کے لیے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو ان کی غیر حاضری میں کوفہ کا ایک سبائی یزید بن قیس رضی اللہ عنہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور گورنر کوفہ سعید رضی اللہ عنہ کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا۔ ایک روز وہ مسجد میں جا کر بیٹھ گیا اور وہ سب اس کے اردگرد جا کر بیٹھ گئے، جن کو ابن سباء خط لکھا کرتا تھا۔ سیّدنا قعقاع رضی اللہ عنہ کو جب اس کی اس حرکت کا پتہ چلا تو وہ فوراً مسجد میں پہنچے اور اسے مسجد سے اُٹھا دیا۔ وہ اپنے گھر چلا گیا اور وہاں سے اس نے ایک شخص کو کچھ مال اور خچر دے کر حمص میں جلاوطن لوگوں کے پاس بھیجا۔ خط میں انھیں لکھا:

> ''میرا یہ خط ملتے ہی تم لوگ وہاں سے کوفہ کے لیے روانہ ہو جاؤ، کیوں کہ کوفہ کے باشندے سب ہمارے ساتھ ہیں۔''

وہ شخص ان کے پاس حمص پہنچا۔ اس اثنا میں مالک الاشتر بھی ان کے پاس پہنچ گیا۔ جب اس شخص نے وہ خط ان جلاوطن لوگوں کو دیا تو انھوں نے کہا: ''تمھارا نام کیا ہے؟'' اس نے کہا: ''بضر'' انھوں نے پوچھا: ''کس قبیلے سے؟'' جواب دیا: بنو کلب سے۔ انھوں نے کہا: ''تم ایک ذلیل ترین انسان ہو جو ہمیں فتنہ وفساد کی دعوت دینے آئے ہو، لہٰذا تم واپس چلے جاؤ۔ ہمیں تمھاری کوئی ضرورت

---

❶ طبری: ۳/ ۳٦٥۔ ابن اثیر: ۳/ ۷۰.
❷ طبری: ۳/ ۳٦٥.
❸ ابن اثیر: ۳/ ۷۳.

Marfat.com

نہیں، لیکن مالک الاشتر نے ان کی مخالفت کی۔ اور امیر المؤمنین کے سامنے جو اس نے توبہ کی تھی، اس کو توڑ تاڑ کر کوفہ روانہ ہو گیا۔ کوفہ پہنچ کر اس نے لوگوں کو بہکایا۔ اشرافِ شہر نے اس کو بہت روکا اور سمجھایا لیکن اس نے کسی کی کوئی بات نہ سنی۔ ❶

مالک الاشتر جب کوفہ پہنچا تو جمعہ کے روز سیّدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے قائم مقام سیّدنا عمرو بن الحریث مسجد میں خطبہ دینے کے لیے منبر پر بیٹھے ہی تھے کہ ایک انقلابی نے دروازہ پر کھڑے ہو کر لوگوں کو یہ آواز دی:

''جو شخص گورنر کوفہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ واپس بھیجنے کے لیے یزید بن قیس سے ملنا چاہتا ہے، وہ مل جائے۔'' ❷

اب ابن اثیر ہی کی زبانی سنیے کہ کن لوگوں نے یزید کا ساتھ دیا اور کون مسجد میں خطبہ سننے کے لیے بیٹھے رہے۔ لکھا ہے:

''صرف شریف اور سنجیدہ قسم کے لوگ ہی مسجد میں ٹکے رہے۔'' (باقی سب دورانِ خطبہ ہی مسجد سے باہر نکل آئے اور یزید بن قیس کے لشکر میں جا ملے۔) ❸

کیا یہ لوگ کوفہ سے خالی ہاتھ مظاہرے کے لیے نکلے؟ نہیں بلکہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ: ''اہل کوفہ اسلحہ کے ساتھ کوفہ سے نکلے۔'' ❹ اور قسم کھا کر کہا کہ: ''سعید رضی اللہ عنہ اب ہم پر کبھی حکومت نہیں کر سکتا۔''

یزید بن قیس اپنی جماعت کو لے کر کوفہ سے مدینہ طیبہ کے راستہ کی طرف نکل پڑا اور قادسیہ کے قریب ''جرعہ'' نامی مقام پر ڈیرہ جما لیا۔ یہاں مالک الاشتر بھی یزید کے ساتھ تھا۔

جب یزید، مالک الاشتر اور عبداللہ بن سباء اور ان کی جماعت سیّدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے کوفہ میں داخلہ کی مزاحمت کے لیے مقام ''جرعہ'' پر ڈیرے ڈالے ہوئے تھی، سعید رضی اللہ عنہ بھی مجلس مشاورت سے فارغ ہو کر واپس کوفہ تشریف لائے تو راستہ میں مقام ''جرعہ'' پر یزید بن قیس، مالک الاشتر اور ان کے ساتھیوں نے ان کی مزاحمت کی اور کہا: ''ہمیں آپ کی کوئی ضرورت نہیں۔'' ❺ لہٰذا

---

❶ طبری: ۳/ ۳۷۱.
❷ ابن اثیر: ۳/ ۷٤.
❸ ابن اثیر: ۳/ ۷٤.
❹ طبری: ۳/ ۳۷٤.
❺ ابن اثیر: ۳/ ۷٤.

Marfat.com

آپ واپس چلے جائیں۔ اسی دوران میں مالک الاشتر نے سیّدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے ایک غلام کو قتل کر دیا۔ ❶

سیّدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ حالات زیادہ خطرناک صورت اختیار کر گئے ہیں اور مفسدین نے فتنہ انگیزی کے لیے ان کی معزولی کو آڑ بنایا ہے تو انھوں نے خود جا کر امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو یہ کہہ دیا کہ کوفہ کے لوگ میری جگہ سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو گورنر بنانا چاہتے ہیں، لہٰذا ان کو گورنر بنا کر کوفہ بھیج دیا جائے۔ آپ نے ان لوگوں کی خواہش کے مطابق ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو گورنر بنا کر کوفہ بھیج دیا۔ ❷

سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تقرری کے ساتھ ہی امیر المؤمنین نے باغیوں کو لکھ کر بھیجا:

> ''میں نے تمھارے مطالبے کو مانتے ہوئے سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ان کی جگہ گورنر مقرر کر دیا ہے۔ بخدا! میں تم سے اپنی آبرو بچاؤں گا۔ تمھارے مقابلہ میں صبر و استقلال سے کام لوں گا اور تمھاری اصلاح میں پوری کوشش کروں گا۔'' ❸

تحقیقاتی کمیشن:

مدینہ طیبہ کے حالات دگرگوں نہیں تھے، لیکن خطرہ تھا کہ باہر کے پراپیگنڈے کے اثرات یہاں بھی نہ پہنچ جائیں، لیکن پھر بھی ایک روز سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے چند لوگوں کے ساتھ امیر المؤمنین سے ملاقات کی اور انھیں مفسدین کے اعتراضات اور ان کے حالات سے بخوبی آگاہ کیا۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مفسدین کے اعتراضات کو دلیل کے ساتھ ردّ کیا، جس کی تفصیل ابن اثیر نے الکامل: ۳/۷۸ اور طبری نے اپنی تاریخ الامم والملوک: ۵/۹۶ میں دی ہے۔

مفسدین کے اعتراضات کی آواز کو مدینہ تک پہنچتے دیکھ کر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو تشویش لاحق ہوئی۔ اب آپ کے شب و روز اسی فکر میں گزرنے لگے کہ کوئی ایسی تدبیر کی جائے جس سے حالات کے اس تلاطم میں سکون پیدا ہو، لیکن کوئی مناسب تدبیر سمجھ میں نہ آتی تھی۔ اسی اثناء میں سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ

---

❶ طبری: ۳/ ۳۷۲.

❷ ابن اثیر: ۳/ ۷٤۔ طبری: ۳/ ۳۷۰، ۳۷٤۔ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱٦۷.

❸ ابن اثیر: ۳/ ۷٤.

Marfat.com

نے یہ مشورہ دیا کہ ملک کے مختلف صوبوں میں حقیقت حال جاننے کے لیے وفد بھیجا جائے اور وہاں کا آنکھوں دیکھا حال اور وہاں کے باشندوں سے اپنے کانوں سنی باتیں بارگاہِ خلافت میں آ کر بیان کریں، اور ان وفود کی رپورٹ پر پھر آپ مناسب کارروائی کریں۔ اس سے مجھے اُمید ہے کہ حالات میں جو تیزی پیدا ہوگئی ہے وہ سکون کی صورت اختیار کر لے گی۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی تجویز پسند آئی اور انھوں نے سنہ ۳۵ھ میں سیّدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ، سیّدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بصرہ، سیّدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو مصر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو شام اور بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دوسرے صوبوں میں تحقیقِ احوال کے لیے روانہ کیا۔ ❶ ان وفود نے پورے ملک کا دورہ کیا۔ مختلف گورنروں پر جو الزامات عاید کیے گئے تھے، ان کی چھان بین کی۔ مختلف لوگوں سے ملے، سبائیوں کی کارروائیوں کا مطالعہ کیا اور اس میں ان کے خلوص کا اندازہ لگایا۔ موجودہ حالات کی پوری تحقیقات کے بعد انھوں نے اپنی مفصل رپورٹ بارگاہِ خلافت میں پیش کی۔ سوائے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعین نے بالاتفاق اس رپورٹ کو پیش کیا، جس کا ایک فقرہ میں خلاصہ یہ ہے:

((ما انکرنا شیئًا ولا انکرہ اعلام المسلمین ولا عوامھم .))

''ہم نے اور ان مقامات کے سربرآوردہ لوگوں اور عوام نے کوئی قابل اعتراض بات ان گورنروں میں نہیں پائی۔'' ❷

سیّدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ایک نہایت سادہ دل اور درویش منش بزرگ تھے۔ یہ جب مصر گئے تو سبائیوں نے اپنے پراپیگنڈے سے کچھ سادہ لوح لوگوں کو بھی اپنے دامِ تزویر میں پھانس لیا تھا۔ ان میں ایک سیّدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ مصر میں تحقیقاتی وفد کے ساتھ گئے لیکن مصر کے سبائیوں نے ان کو معاملہ کی تہہ تک نہ پہنچنے دیا۔ طبری نے نقل کیا ہے کہ:

((استمالہ قوم بمصر وقد انقطعوا الیہ منھم عبداللّٰہ بن السوداء وخالد بن ملجم، وسودان بن حمران وکنانہ بن بشر .)) ❸

''یعنی سبائیوں نے مصر میں ان کو بہلایا پھسلایا اور عبداللہ بن السوداء، خالد بن ملجم،

---

❶ ابن اثیر: ۳/ ۷۸۔ طبری: ۵/ ۹۹.
❷ طبری: ۵/ ۹۹۔ ابن اثیر: ۳/ ۷۸.
❸ طبری: ۵/ ۷۹۹.

Marfat.com

سودان بن حمران اور کنانہ بن بشر اُن کے ساتھ ہو گئے۔"

بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ سیّدنا عمار رضی اللہ عنہ پہلے ہی سے امیر المؤمنین سے برہم تھے، کیوں کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قذف کے الزام میں انھیں سزا دی تھی۔ ❶

ایک گشتی مراسلہ:

تحقیقاتی کمیشن کی اس رپورٹ نے اگرچہ یہ ثابت کر دیا کہ امیر المؤمنین کے مقرر کردہ سب گورنر اہل ہیں اور شورش پسندوں کی طرف سے ان پر جو الزامات لگائے جاتے ہیں، ان کی حقیقت سوائے بہتان کے اور کچھ نہیں، لیکن پھر بھی سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام صوبوں میں ایک گشتی مراسلہ (Circular) بھیجا، جس میں لکھا کہ:

"میں ہر سال حج کے موقع پر اپنے گورنروں کے کاموں کا محاسبہ کیا کروں گا اور جس گورنر اور عامل کے خلاف کوئی شکایت پیش کی جائے گی اس کی فوراً تحقیقات کر کے پورا پورا تدارک کیا جائے گا، کیوں کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ بعض لوگ بلاوجہ تنگ کرتے ہیں۔ ویسے جب سے خلافت کی ذمہ داری میرے کاندھوں پر پڑی ہے، تب سے میں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار اور فریضہ بنا رکھا ہے، اور میں ان معاملات کے تدارک کی پوری پوری کوشش کرتا ہوں، جو مجھے یا میرے گورنروں کو پہنچائے جاتے ہیں۔ رعایا کے مصارف میں سے جو مال بچ جائے اسی میں میرا اور میرے اہل وعیال کا حق ہے..... جس کے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے وہ حج کے موقع پر بیان کر کے مجھ سے اور میرے گورنروں سے اپنا حق مانگ لے یا پھر معاف کر دے، بلاشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والوں کو جزائے خیر عطا فرماتا ہے۔" ❷

جب خلافتِ اسلامیہ کے مختلف شہروں میں اس گشتی مراسلہ کو پڑھ کر سنایا گیا تو اس کو سن کر تمام لوگ اشک بار ہو گئے اور امیر المؤمنین کے حق میں دُعائے خیر کی۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا امیر المؤمنین کو مشورہ:

یہ فتنہ روز بروز خطرناک صورت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ ادھر آپ اصلاحِ حالات کی تدابیر میں

---

❶ ملاحظہ ہو: تاریخ الاسلام السیاسی: ۱/ ۳۵۲.

❷ طبری: ۵/ ۹۹۔ ابن اثیر: ۳/ ۷۸.

Marfat.com

ہمہ تن مصروف تھے اور ادھر سبائی مدینہ منورہ پر یورش کرنے کا منصوبہ طے کر رہے تھے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی دور بین نگاہوں اور ایمانی بصیرت نے شروع ہی سے اس فتنہ کا تجزیہ کر لیا تھا اور آپ اس کے عواقب و نتائج سے بخوبی آشنا ہو چکے تھے۔ دیگر گورنر تو حج کے بعد مکہ مکرمہ ہی سے واپس اپنے اپنے صوبوں کو چلے گئے تھے، لیکن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین کے ساتھ مکہ سے مدینہ منورہ بھی تشریف لائے۔ مدینہ سے شام جاتے ہوئے آپ نے امیر المؤمنین سے انتہائی اصرار سے عرض کیا:

''امیر المؤمنین! میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں کی حالت انتہائی غیر اطمینان بخش ہے، اس لیے آپ میرے ساتھ شام تشریف لے چلیے، وہاں کے لوگ امراء کے بہت تابع فرمان ہیں۔ وہاں آپ کا کوئی بال بیکا نہیں کر سکے گا۔''

امیر المؤمنین نے فرمایا:

''معاویہؓ! ساری عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گزری ہے۔ اب خواہ میرا سر تن سے جدا ہو جائے لیکن پھر بھی میں اس بڑھاپے میں جوارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں چھوڑوں گا۔'' ❶

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جب پہلی تجویز مسترد ہو گئی تو آپؓ نے دوسری تجویز یہ پیش کی کہ:

''میں آپؓ کی حفاظت کے لیے شام سے ایک فوجی دستہ بھیج دیتا ہوں؟''

آپ نے جواب میں فرمایا:

((لا اضیق علیٰ جیران رسول اللّٰہ ﷺ .))

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہنے والوں پر مدینۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ نہیں کرنا چاہتا۔''

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے چلتے ہوئے پھر کہا کہ:

''مجھے ناگہانی حادثے کا شدید خطرہ ہے۔''

امیر المؤمنین نے جواب دیا:

((حسبی اللّٰہ ونعم الوکیل .))

---

❶ جذب القلوب، ص: ۱۸۸۔ طبری: ۵/ ۱۰۱.

Marfat.com

''کافی ہے میرے لیے اللہ اور وہ بہترین کارساز ہے۔''

جب ان حفاظتی تدابیر پر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ راضی نہ ہوئے تو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے سفر شام کے لیے تلوار اور کمان سے مسلح ہو کر اور مہاجرین و انصار کی مجالس میں بھی گئے۔ سیّدنا علیؓ، سیّدنا طلحہ اور سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ملاقات کی اور ان حضرات سے اس نازک موضوع پر گفتگو کی۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت اور مفسدین کے شر سے انھیں محفوظ رکھنے کی تاکید کی اور پھر شام کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ ❶

مدینہ منورہ پر باغیوں کی پہلی یورش:

فتنہ و فساد کی آگ روز بروز تیز تر ہوتی جا رہی تھی اور امیر المؤمنین تمام عواقب سے بے نیاز ہو کر اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف تھے۔ مصر میں محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکر شورش پسندوں کے ہتھے چڑھ چکے تھے اور عبدالرحمٰن بن عدیس البلوی، کنانہ بن بشر کو عبداللہ بن سباء اپنی مقصد برآری کے لیے استعمال کر رہا تھا۔ اوّل الذکر دونوں کو صحابی زادہ ہونے کے باوجود سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے خاص بیر تھا، یہاں تک کہ یہ دونوں لوگوں کو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اُکساتے رہتے تھے۔ ❷

ان کی اُکساہٹ اور سبائی منصوبہ کے تحت رجب کے مہینہ میں چھ سو شورش پسندوں نے عمرہ کے بہانے مدینہ منورہ کا رُخ کیا۔ گورنر مصر سیّدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین کو ان کی روانگی اور ان کے منصوبے سے مطلع کر دیا۔ جب یہ لوگ مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی ان کو سمجھا بجھا کر واپس بھیج دیا جائے۔ ان چھ سو شورش پسندوں میں عبدالرحمٰن بن عدیس، کنانہ بن بشر اور سودان بن حمران قائدینِ تحریک بھی تھے، اور محمد بن ابی بکر جو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ربیب تھے، وہ بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے تیس صحابہ کی معیت میں مدینہ طیبہ میں داخل ہونے سے قبل ہی ان کو سمجھا بجھا کر واپس بھیج دیا۔ بعد میں آپ نے امیر المؤمنین کو اس کی اطلاع دی اور کہا کہ آپ لوگوں کو اکٹھا کر کے خطبہ دیں، اس سے ان حالات میں بہت فائدہ ہوگا۔ چنانچہ آپ کے کہنے پر امیر المؤمنین

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۶۹۔ ابن اثیر: ۳/ ۷۹۔ طبری: ۵/ ۱۰۱۔ تاریخ ابن خلدون: ۲/ ۱۰۴۰.

❷ ابن اثیر: ۳/ ۷۹.

Marfat.com

نے مسجد نبویؐ میں بڑی مؤثر تقریر کی جس کے بارے میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

((وارسل عينيه فبكى المسلمون اجمعون .)) ❶

''اور آپ کی اپنی آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے اور دوسرے تمام مسلمان بھی زار و قطار رو رہے تھے۔''

مدینہ طیبہ پر دوسری یورش:

جب یہ مفسدین واپس چلے گئے تو انھوں نے بصرہ اور کوفہ کی جماعتوں کے ساتھ خط کتابت کے ذریعے یہ منصوبہ بنایا کہ شوال میں سب نواح مدینہ میں اکٹھے ہوں اور سیّدنا عثمان کو خلافت سے معزول کریں۔ چنانچہ شوال سنہ ۳۵ ھ میں مصری مفسدین چار امراء کی قیادت میں چار گروہوں میں نکلے اور ایک ایک گروہ کی تعداد کم سے کم چھ سو اور زیادہ سے زیادہ ایک ہزار تھی۔ ان چار گروہوں کے سردار عبدالرحمٰن بن عدیس البلوی، کنانہ بن بشر اللیثی، سودان بن حمران اور قتیرہ بن فلان الکوفی تھے، اور ان چاروں گروہوں کی قیادت عافقی بن حرب کر رہا تھا۔ ان گروہوں میں اخلاقی جرأت کا اس قدر فقدان تھا کہ مصر سے نکلتے وقت عوام کو یہ تک نہ بتایا کہ ہم امیر المؤمنین کی معزولی کے لیے جا رہے ہیں۔ بلکہ: ''لوگوں پر یہ ظاہر کیا کہ وہ حج کو جا رہے ہیں۔'' ویسے تو یہ پانچوں قائدین ہی فتنہ و فساد کے لیے کچھ کم نہ تھے، لیکن ((ومعهم ابن السوداء .)) ❷..... ''ان کے ساتھ عبداللہ بن سباء بھی تھا۔''

اسی طرح کوفہ اور بصرہ سے بھی چار چار گروہوں میں اتنی ہی تعداد میں یہ لوگ نکل پڑے اور مدینہ سے تین منزل کے فاصلہ پر پہنچ کر رُک گئے۔ اہلِ بصرہ نے ذوخشب، اہل کوفہ نے اعوص اور اہل مصر نے ذوالمروہ کے مقام پر ڈیرے ڈال دیے، اور کچھ لوگوں کو مدینہ منورہ حالات کا مطالعہ کرنے اور جائزہ لینے کے لیے بھیجا۔ انھوں نے مدینہ میں سیّدنا علی، سیّدنا زبیر، سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہم اور دوسرے لوگوں سے مل کر انھیں اصل مقصد سے مطلع کیا اور کہا کہ ہم امیر المؤمنین اور ان کے گورنروں کی معزولی کے لیے آئے ہیں، لہٰذا آپ حضرات ہمیں مدینہ طیبہ میں آنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ لیکن:

---

❶ البدايه والنهايه: ۷/ ۱۷۲.

❷ البدايه والنهايه: ۷/ ۱۷۳۔ ابن اثير: ۳/ ۷۹.

Marfat.com

((فكل الناس ابى دخولهم ونهىٰ عنه .)) ❶

''سب لوگوں نے ان کے داخلہ سے انکار کر دیا اور اس سے منع کیا۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ مدینہ کو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کوئی شکایت نہ تھی، اور اگر انھیں کوئی شکایت ہوتی تو وہ ضرور ان مفسدین کا استقبال کرتے اور مدینہ منورہ میں ان کے داخل ہونے کو بخوشی قبول کرتے، لیکن تمام اہلِ مدینہ نے ان کو مدینہ میں داخل ہونے سے روکا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ، سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس جب یہ لوگ گئے اور انھیں اپنے مقصد سے آگاہ کیا تو ان تینوں نے انھیں اپنے پاس سے دھتکار دیا۔ ❷

مدینہ طیبہ پر تیسری یورش:

مدینہ طیبہ میں جو لوگ حالات کے مطالعہ کے لیے آئے تھے، واپسی پر انھوں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ اپنے اپنے شہروں کو واپس جا رہے ہیں، لیکن ایک روز یکا یک اہلِ مدینہ نے گلیوں میں گھوڑوں کی ٹاپوں اور تکبیر کے نعروں کا شور سنا۔ انھوں نے دیکھا کہ باغیوں کی ایک کثیر تعداد مدینہ کی گلیوں میں دوڑ رہی ہے۔ ان میں سے اکثر تو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف چلے گئے اور ایک گروہ نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا اور اعلان کر دیا کہ: ''جو شخص اپنے ہاتھ کو روک لے گا، اس کو امان دی جائے گی۔'' ❸ اہل مدینہ ان باغیوں کی مدینہ میں اس ناگہانی یورش سے پریشان ہو گئے۔ پھر مفسدین کے اس اعلان نے کہ جو اپنا ہاتھ روک لے گا وہ امن میں ہوگا، انھیں اور زیادہ پریشان کر دیا۔ پریشانی اس بات کی تھی کہ حالات کیا کروٹ لیں گے اور یہ باغی کیا گل کھلائیں گے، لیکن ان دنوں میں بھی امیر المؤمنین مسجد نبوی میں تشریف لاتے اور باقاعدہ جماعت کراتے، یہاں تک کہ اہل مدینہ اور باغی دونوں آپ کے پیچھے نماز پڑھتے۔ ❹

اسی اثناء میں چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جن میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، مفسدین سے ان کے واپس آنے کا سبب پوچھا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''تمھارے جانے کے بعد پھر واپس آنے

---

❶ البدايه والنهايه: ٧/ ١٧٤.

❷ البدايه والنهايه: ٧/ ١٧٤۔ ابن اثير: ٣/ ٨٠.

❸ البدايه والنهايه: ٧/ ١٧٤۔ ابن اثير: ٣/ ٨٠.

❹ البدايه والنهايه: ٧/ ١٧٤۔ ابن اثير: ٣/ ٨٠.

Marfat.com

اور تمھارے اپنی رائے سے رجوع کرنے کی کیا وجہ ہے؟'' انھوں نے جواب دیا کہ: ''ہم نے قاصد سے ایک خط پکڑا ہے، جس میں ہمارے قتل کا حکم ہے۔'' سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سے سوال کیا:

''اے اہلِ کوفہ اور اے اہل بصرہ! اہل مصر کو جو واقعہ پیش آیا کہ انھوں نے ایک قاصد کو پکڑ کر اس سے ایک خط حاصل کیا ہے، اس واقعہ کا تمھیں کیسے علم ہوگیا؟ جب کہ تم کئی منزلیں طے کر چکے تھے؟ پھر تم اکٹھے ہو کر یہاں آ گئے۔ بخدا! یہ تو مدینہ ہی میں تیار کی گئی سازش ہے۔''

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس سوال کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ ❶

مختصر یہ کہ غافقی بن حرب کا پورے مدینہ منورہ پر تسلط ہوگیا اور وہ مدینہ کے گلی کوچوں میں دندناتے پھر رہے تھے۔ ان کو کوئی روکنے والا نہیں تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے امیر المؤمنین کو دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے کہا، لیکن آپ نے فرمایا کہ میں کسی صورت مقابلہ نہیں کروں گا اور نہ جوارِ رسولؐ کو چھوڑنا چاہتا ہوں۔ ❷

باغیوں نے امیر المؤمنین کے گھر کا محاصرہ کرلیا۔ حالات لحہ بہ لحہ زیادہ نازک صورت اختیار کرتے جا رہے تھے اور باغیوں کے قبضہ کی وجہ سے مدینہ میں ایک خوف و ہراس طاری تھا۔ محصور ہونے کے بعد جب آپ کا داخلہ مسجد میں بند کر دیا گیا تو آپ نے سیّدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو مسجد نبویؐ میں امام مقرر فرمایا، لیکن باغیوں نے ان کو فریضہ امامت سے معزول کر کے غافقی بن حرب کو امام مقرر کر دیا۔

امیر المؤمنین کے لیے پانی تک بند کر دیا گیا۔ اُمّ المؤمنین سیّدہ اُمّ حبیبہ سلام اللہ علیہا اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ باغیوں کو سمجھانے کے لیے تشریف لے گئے، لیکن ان باغیوں نے ان دونوں کی ایک نہ سنی، بلکہ اُلٹا اُمّ المؤمنین کی شانِ اقدس میں سخت سُست الفاظ استعمال کیے اور آپ کے خچر کو جس پر آپ سوار تھیں، زخمی کر کے گرا دیا۔ چند حضرات نے بڑی مشکل سے اُمّ المؤمنین کو وہاں سے الگ کیا۔ ❸

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۷٤.

❷ مسند احمد: ۲/ ٦۷۔ ابن اثیر: ۳/ ۸۱۔ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۷٦.

❸ طبری: ٥/ ۱۲۷.

Marfat.com

اب مدینۂ طیبہ میں وہی حالات پیدا ہو گئے تھے جن کے بارے میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شام جاتے ہوئے کہہ گئے تھے۔ ❶ لیکن سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ان تمام مصائب اور تکالیف کو نہایت صبر و استقلال کے ساتھ برداشت فرما رہے تھے۔

تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کے دوران سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ہر ممکن مدد کی۔ ابنِ عساکر نے سیّدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے روایت نقل کی ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ میرے پاس پانچ مسلح جانباز ہیں۔ آپ باغیوں کا مقابلہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللہ آپ کو جزائے خیر دے، میں اپنے لیے کسی کا خون بہانا پسند نہیں کرتا۔'' ❷ جب مفسدین نے آپ پر پانی بند کر دیا تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے تین مشکیں پانی آپ کو بھجوایا، جس کی وجہ سے بنو ہاشم اور بنو اُمیہ کے کئی لوگ زخمی ہو گئے۔

باغیوں نے اپنی ایک میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا کہ امیر المؤمنین کی شمع حیات کو جلد از جلد خاموش کر دیا جائے، کیوں کہ انھیں اس کام کی تاخیر میں کچھ خطرات لاحق ہونے کا اندیشہ تھا۔ دوسری جانب سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی اپنی شہادت کا یقین ہو چکا تھا اور پھر محاصرہ کو بھی انچاس روز ہو چکے تھے۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے صاحبزادوں کو امیر المؤمنین کی خواہش کے برعکس ان کی حفاظت کے لیے متعین فرمایا ہوا تھا، جن میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما، ابن عباس رضی اللہ عنہما، محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، حسین بن علی رضی اللہ عنہما اور مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ❸

بعض روایات میں ہے کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے بہت محبت تھی۔ جب آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا گیا اور آپ کو پتہ چلا کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما میری حفاظت کے لیے دروازہ پر کھڑے ہیں تو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں قسم دے کر کہا کہ آپ گھر واپس چلے جائیں، کیوں کہ میں نہیں چاہتا کہ میرے لیے آپ کو کوئی تکلیف پہنچے۔ ❹ لیکن صحیح روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ

---

❶ عبداللّٰه بن سباء للعودة، ص: ١٥٢ـ اثر العلماء فی الحیاة السیاسیة، ص: ٧٦.

❷ تاریخ الاسلام، ص: ٤٦٠ـ تاریخ دمشق، ص: ٤٠٣ـ انساب الاشراف: ٥/ ٧٧.

❸ ابن اثیر: ٣/ ٨٧ـ البدایه والنهایه: ٧/ ١٧٦، ١٨١ـ تاریخ خلیفه بن خیاط، ص: ١٥١، ١٥٢ـ انساب الاشراف: ٥/ ٦٨.

❹ تاریخ المدینة لابن شبه: ٤/ ١٢٠٨ـ الریاض النضرة، ص: ٤٦.

Marfat.com

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کرتے ہوئے شدید زخمی ہوئے۔ ❶

محاصرہ کو ۴۹ روز ہو گئے۔ ❷ اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی نہایت صبر و تحمل کے ساتھ اس لمحہ کے منتظر تھے۔ جمعہ کے روز سے روزہ تھا۔ ایک پاجامہ جسے آپ نے کبھی زیب تن نہ فرمایا تھا، اس روز پہنا۔ بیس (۲۰) غلام آزاد کیے اور کلام اللہ کھول کر پڑھنا شروع کیا۔ ❸

صدر دروازہ پر سیّدنا حسین، سیّدنا حسن، سیّدنا عبداللہ بن عباس، سیّدنا عبداللہ بن زبیر اور دیگر صحابہ زادوں رضی اللہ عنہم اجمعین کا پہرہ تھا، لہٰذا باغی صدر دروازہ سے قصر خلافت میں داخل نہ ہو سکے، بلکہ کچھ لوگ مکان کے عقب سے چڑھ کر داخل ہو گئے، لیکن امیر المؤمنین کو تلاوت میں مشغول پا کر واپس لوٹ آئے۔ اس کے بعد محمد بن ابی بکر نے (جو کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بڑے دشمنوں میں سے تھا) بڑھ کر امیر المؤمنین کی ریش مبارک پکڑ لی۔ آپ نے جو نظر اُٹھا کر دیکھا تو وہ محمد بن ابی بکر تھا۔ آپ نے فرمایا: ''بھتیجے! اگر تیرا باپ زندہ ہوتا تو تو کبھی ایسا نہ کرتا۔'' یہ کلمات سن کر محمد بن ابی بکر نادم ہو کر واپس چلا گیا۔ ❹

اس کے بعد غافقی بن حرب نے آگے بڑھ کر قرآنِ حکیم کو پاؤں سے ٹھکرایا۔ ❺ اسی اثنا میں کنانہ بن بشر نے پیشانی پر لوہے کی لٹھ اس زور سے ماری کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ پہلو کے بل گر پڑے اور خون کا فوارہ قرآنِ حکیم کے اوراق پر جاری ہو گیا۔ گرتے ہی آپ کی زبان سے ((بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ .)) کے الفاظ نکلے۔ ❻ اس کے بعد عمرو بن الحمق نے سینہ پر چڑھ کر کئی وار کیے۔ آپ کی زوجہ محترمہ سیّدہ نائلہ رضی اللہ عنہا آپ کو بچانے کے لیے دوڑیں لیکن سودان ابن حمران نے بڑھ کر ذوالنورین، دامادِ رسول، پیکر حلم و حیاء اور جامع قرآن کو شہید کر دیا۔ شہادت کے خون کا پہلا قطرہ اس آیت پر گرا: ﴿ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾ اور اس وقت آپ جس آیت کو تلاوت فرما رہے تھے، وہ یہ تھی:

---

❶ طبقات ابن سعد: ۸/ ۱۲۸۔ ❷ مروج الذهب: ۲/ ۳۵۵۔

❸ انساب الاشراف بلاذری: ۵/ ۸۲۔ مسند احمد: ۱/ ۱۷۷۔ البدایه والنهایه: ۷/ ۱۸۴۔ طبری: ۵/ ۱۲۵۔ ۱۲۸۔

❹ طبری: ۵/ ۱۳۱۔ البدایه والنهایه: ۷/ ۱۸۴۔ ابن اثیر: ۳/ ۹۰۔ مروج الذهب: ۲/ ۳۵۴۔

❺ طبری: ۵/ ۱۳۰۔ ❻ طبری: ۵/ ۱۳۱۔

Marfat.com

﴿ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴾ ❶

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مدینہ طیبہ کے حالات نہایت دگرگوں ہو گئے تو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام سے مسلمہ بن حبیب الفہری کی قیادت میں ایک دستہ روانہ کیا۔ یزید بن اسد القشیری نے بھی ایک دستہ بھیجا اور اسی طرح اہلِ کوفہ اور اہلِ بصرہ نے بھی حفاظتی دستے مدینہ منورہ کی طرف روانہ کیے۔ جب باغیوں کو امدادی لشکروں کی آمد کی خبر پہنچی تو انھوں نے محاصرہ تنگ کر کے ان امدادی لشکروں کے مدینہ پہنچنے سے قبل سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ جب یہ امدادی لشکر مدینہ کے قریب پہنچے اور ان کو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی تو یہ امدادی حفاظتی لشکر اپنے اپنے علاقوں میں واپس پہنچ گئے۔ ❷

شہادت کے بعد:

قصر خلافت میں یہ قیامت خیز ہنگامہ برپا تھا اور امیر المؤمنین کی شمع حیات کو ہمیشہ کے لیے گل کر دیا گیا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ سیّدہ نائلہ رضی اللہ عنہا کو سخت مجروح کیا گیا اور آپ کے دو غلاموں کو بھی شہید کر دیا گیا، لیکن دروازہ پر موجود صحابہ زادوں کو اس کا مطلق کوئی علم نہ ہوا۔ جب سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور باغی جس راستہ سے آئے تھے، اسی راستہ سے واپس چلے گئے تو سیّدہ نائلہ رضی اللہ عنہا نے بالا خانے کی چھت پر چڑھ کر اہل مدینہ کو آواز دی کہ: ((ان امیر المؤمنین قد قتل .)) .....

''امیر المؤمنین کو شہید کر دیا گیا ہے۔''

سیّدنا حسن، سیّدنا حسین رضی اللہ عنہما اور جو حضرات بھی ان کے ساتھ قصر خلافت کے دروازہ پر موجود تھے، اندر داخل ہوئے۔ دیکھا کہ امیر المؤمنین شہید کر دیے گئے ہیں۔ وہ سب آپ کی لاش پر گر پڑے اور رونے لگے۔ شہادت کی یہ خبر دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی سنی۔ سیّدنا علی، سیّدنا طلحہ، سیّدنا زبیر اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی حیرانی اور تعجب کے عالم میں قصرِ خلافت پہنچے۔ حالت یہ تھی کہ وہ سب حواس باختہ تھے۔ (ذهبت عقولهم) سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحب زادوں

---

❶ طبقات ابن سعد: ۳/ ۵۱، ۵۲۔ طبری: ۵/ ۱۲۶۔ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۸۸۔ انساب الاشراف: ۵/ ۸۳۔ ۸٤.

Marfat.com

سیّدنا حسن اور سیّدنا حسین رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ امیر المؤمنین کیسے قتل ہو گئے جب کہ تم قصر خلافت کے دروازے پر موجود تھے۔ اس پریشانی اور اضطراب کے عالم میں آپ نے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو تھپڑ مارا اور سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کو دو ہتڑ۔ محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو بھی سخت سست کہا۔ آپ وارفتگی کے عالم میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی لاش پر روتے ہوئے گر پڑے، یہاں تک کہ دیکھنے والوں کو یہ گمان ہونے لگا کہ آپ کہیں اس صدمے سے چل نہ بسیں۔ ❶

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ کی اہلیہ محترمہ سیّدہ نائلہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو کس نے شہید کیا؟ انھوں نے جواب دیا: مجھے ان کے قاتل کا تو کوئی علم نہیں، دو آدمی جن کو میں نے نہیں پہچانتی، محمد بن ابی بکر کے ساتھ قصر خلافت میں داخل ہوئے تھے۔ ❷

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ ۱۸ ذی الحجہ سنہ ۳۵ ھ جمعہ کے روز بعد نمازِ عصر شہید کیے گئے۔ شہادت کے بعد مدینہ میں باغیوں نے مارشل لا کی سی کیفیت طاری کر دی تھی یعنی ہر طرف خوف و ہراس کی کیفیت طاری کر دی گئی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سخت پریشان تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ گویا کہ ہر شخص اپنے حال میں گرفتار تھا۔ امیر المؤمنین کو نہ صرف قتل کیا گیا تھا، بلکہ باغیوں نے ان کے گھر اور بیت المال کو بھی لوٹ لیا۔ ❸ آپ کی نعش مبارک کی بے حرمتی کی گئی۔ ❹ بلکہ عمیر بن ضابی سبائی نے نعش مبارک کی پسلی توڑ دی۔ ❺ منہ پر چپت مارے۔ اور مسلمانوں کے قبرستان جنت البقیع میں دفن کرنے کی ممانعت کر دی اور آپ کے حرم کو سب و شتم کیا۔

دو روز تک پوری مملکت اسلامیہ جس کا ایک سرا کابل تک اور دوسرا سرا مراکش تک تھا، کے

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۸۰۔ فتوح البلدان، ص: ۲۱۲ تحت فتح ارمینیہ۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت پر ملاحظہ ہو: حکیم محمود احمد ظفر کی کتاب ''سیرت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ'' جو اس بارے میں ایک مفصل اور جامع کتاب ہے۔

❷ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۹۳.

❸ تاریخ الخلفاء، ص: ۱۶۰۔ مروج الذہب: ۲/ ۳۵۴.

❹ تاریخ الاسلام السیاسی: ۱/ ۳۵۳۔ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۷۹.

❺ الاستیعاب تذکرۃ عثمان۔ طبری: ۵/ ۳۷۶.

❻ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۹۱.

Marfat.com

فرمان روا کی لاش بے گور و کفن پڑی رہی۔ آخر دوسرے روز چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے رات کی تاریکی میں خفیہ طور پر اِنھی خون آلود کپڑوں میں ''حش کوکب'' میں حلم و بردباری کے اس پہاڑ کو دفن کر دیا۔ ❶

''حش کوکب'' کو بعد میں دیوار توڑ کر جنت البقیع میں داخل کر لیا گیا۔ پھر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسے مزید محفوظ کرنے کے لیے بقیع اور مزار کے درمیان دیوار اُٹھائی گئی اور اہل مدینہ سے کہا گیا کہ وہ اپنے مرنے والوں کی نعشوں کو اس کے پاس دفن کریں۔ ❷

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ محدثین کے قول کے مطابق سیّدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ ❸ اور مغرب اور عشاء کے مابین آپ کو ''حش کوکب'' میں دفن کیا گیا۔ شہادت کے روز آپ روزہ سے تھے۔ ❹

قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا مقام:

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین میں نہ تو کوئی مہاجر تھا اور نہ ہی کوئی انصار بلکہ صحابہ کرامؓ میں سے کوئی بھی ان میں شامل نہ تھا، بلکہ وہ تمام لوگ مفسدین، اشرار، اوباش اور اجڈ قسم کے لوگ تھے۔ تمام مؤرخین اور محدثین نے یہی لکھا ہے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے جرم سے بری تھے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس بارے میں بریت کا اظہار فرمایا۔ ❺

❀❀❀❀

---

❶ ابن اثیر: ۳/ ۹۱۔ طبری: ۵/ ۱۴۳.

❷ البدایه والنهایه: ۷/ ۱۹۱.

❸ مسند احمد: ۱/ ۷۱۔ تاریخ الخلفاء سیوطی، ص: ۱۱۵.

❹ طبقات ابن سعد: ۳/ ۵۴۔ کتاب نسب قریش، ص: ۱۰۱.

❺ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البدایه والنهایه: ۷/ ۲۰۲۔ العقیدة فی اهل البیت بین الافراط والتفریط، ص: ۱۲۹۔ مستدرك حاکم: ۳/ ۱۰۳۔ منهاج السنه: ۴/ ۴۰۶۔ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۔ تحقیق مواقف الصحابة: ۲/ ۱۴، ۱۸۔ شهید الدار عثمان بن عفان، ص: ۱۴۸۔ دول الاسلام للذهبی: ۱/ ۱۲۱۔ التمهید والبیان، ص: ۴۲۴.

Marfat.com

عہد علوی اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

خلیفۃ المسلمین کا دارالخلافہ میں دن دیہاڑے قتل کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا۔ سبائی پورے مدینہ پر چھائے ہوئے تھے اور ہر شخص اس اچانک حادثہ پر انگشت بدندان تھا۔ امیر المؤمنین کی مظلومانہ شہادت کے بعد پانچ روز تک غافقی بن حرب مدینہ کا امیر رہا۔ سبائیوں کو پورا احساس تھا کہ وہ خلافت کے اس بوجھ کو ہرگز نہیں اُٹھا سکتے، لہٰذا پانچ روز کے بعد انھوں نے امیر کی تلاش شروع کر دی۔ اہل مصر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے، کیوں کہ محمد بن ابی بکر ان کے ساتھ تھا۔ کوفی سیّدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو اور اہلِ بصرہ سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے، لیکن ان تینوں میں سے کوئی بھی اس بار کو اُٹھانے کے لیے تیار نہ تھا۔ ان تینوں حضرات کے انکار پر سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر اس منصب کو قبول کرنے کے لیے دباؤ ڈالا گیا لیکن ان دونوں نے بھی انکار کر دیا۔ ❶

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت:

طبری نے شعبی سے ایک روایت نقل کی ہے کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے تیسرے روز باغی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ آپ اس وقت مدینہ طیبہ کے ایک بازار میں تھے۔ آتے ہی کہنے لگے: ''ہاتھ بڑھایئے، ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''جلدی نہ کرو، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بڑے مبارک آدمی تھے۔ انھوں نے شوریٰ کی وصیت فرمائی تھی، لہٰذا تم بھی لوگوں کو مہلت دو، تاکہ وہ مشورہ کریں کہ کس کو خلیفہ بنایا جائے۔

یہ بات سن کر وہ واپس چلے گئے۔ پھر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آئے۔ اس دفعہ مالک الاشتر بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس نے آتے ہی آپ کا ہاتھ پکڑا اور بیعت کر لی۔ اس کے بعد اس کے سارے ساتھیوں نے بیعت کر لی۔ ❷ بعد میں سبائی فخر سے کہا کرتے تھے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سب سے پہلے اشتر نے کی۔ ❸

---

❶ البداية والنهايه: ٧/ ٢٢٦۔ طبری: ٥/ ١٥٥.

❷ طبری: ٥/ ١٥٦.

❸ البدايه والنهايه: ٧/ ٢٢٦.

Marfat.com

روایات میں ہے کہ مالک الاشتر (جو سبائیوں کا سرغنہ تھا) اور اس کے ساتھیوں نے جب آپ کی بیعت کرنا چاہی تو ترجمان القرآن سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو بشدت منع کیا اور کہا کہ آپ ان بلوائیوں کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھیں کیوں کہ:

''بخدا! اگر آج آپ ان (باغیوں) کے ساتھ (خلافت کے لیے) اُٹھ کھڑے ہوئے تو کل کو لوگ آپ پر قتل عثمانؓ کا الزام لگا دیں گے، لیکن سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔'' ❶

بہر حال سیّدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہو گئے اور ان لوگوں ہی نے سب سے پہلے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جو قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں پیش پیش تھے، لہٰذا آپ کا انتخاب آزادانہ نہ ہوا، کیوں کہ مدینہ منورہ میں اس وقت دہشت و بربریت کا دور دورہ تھا، اس وجہ سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے آزادانہ انتخاب کا امکان نہ تھا۔

یہ درست ہے کہ آپ خلیفہ بننا ہرگز پسند نہ کرتے تھے اور بار بار یہی فرماتے تھے کہ:

((دعونی والتمسوا غیری .)) ❷

''یعنی مجھ کو چھوڑ دو اور کسی اور کو تلاش کرو۔''

لیکن جس طرح سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے عزم پر قائم رہے، آپ اس طرح قائم نہ رہ سکے، اور سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مشورہ کے باوجود آپ نے باغیوں کی بیعت قبول فرمالی۔ ❸

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس طرح بیعت کرنے سے کئی جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن میں کئی عشرہ مبشرہ کے حضرات بھی شامل تھے، آپ کی بیعت سے گریز کیا۔ ❹ ان بیعت نہ کرنے والے صحابہ کرامؓ میں سیّدنا اُسامہ بن زید، سیّدنا ابوسعید الخدری، سیّدنا قدامہ بن مظعون سیّدنا صہیب، سیّدنا زید بن ثابت، سیّدنا محمد بن مسلمہ، سیّدنا حسان بن ثابت، سیّدنا کعب بن مالک، سیّدنا مسلمہ بن مخلد، سیّدنا سعد

---

❶ ابن اثیر: ۳/ ۱۰۱۔ طبری: ۵/ ۱۶۰.

❷ ابن اثیر: ۳/ ۹۲۔ طبری: ۵/ ۱۵۲.

❸ ابن اثیر: ۳/ ۱۰۰۔ طبری: ۵/ ۱۵۲۔ الخضری: ۲/ ۳۳۴۔ ۳۳۵.

❹ خطط الشام، کرد علی: ۱/ ۱۳۶.

Marfat.com

بن ابی وقاص، سیّدنا عبداللہ بن عمر، سیّدنا طلحہ، سیّدنا زبیر، سیّدنا نعمان بن ثابت، سیّدنا فضالہ بن عبید، سیّدنا عبداللہ بن سلام، سیّدنا رافع بن خدیج اور سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہم مشہور ہیں۔ ❶

اسی وجہ سے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((فان اکثر من المسلمین اما النصف واما اقل أو اکثر لم یبایعوہ، ولم یبایعوا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ولا ابن اعمر ولا غیرھما.)) ❷

''مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد نصف یا اس سے کم یا زیادہ نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی اور نہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور نہ ہی کئی ایک دوسرے صحابہ نے آپ کی بیعت کی۔''

سیّد مودودی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب میں لکھا کہ:

''سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے میں وہ لوگ شریک تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش برپا کرنے کے لیے باہر سے آئے ہوئے تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے، جنھوں نے بالفعل جرمِ قتل کا ارتکاب کیا اور وہ بھی جو قتل کے محرک اور اس میں اعانت کے مرتکب ہوئے، اور ویسے مجموعی طور پر اس فساد کی ذمہ داری ان سب پر عائد ہوتی ہے۔ خلافت کے کام میں ان کی شرکت ایک بہت بڑے فتنے کی موجب بن گئی۔'' ❸

سیّد مودودی رحمہ اللہ کی اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہاتھ کم اور قاتلانِ عثمان اور سبائیوں کا ہاتھ زیادہ تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے لوگ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو متفقہ طور پر قبول نہ کر سکے۔ اسی وجہ سے بعض اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی جن میں عشرہ مبشرہ کے حضرات بھی شامل تھے، آپ کی بیعت سے الگ رہے۔ چنانچہ مودودی صاحب لکھتے ہیں:

---

❶ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: طبری: ۳/ ٤٥٢۔ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۲۷۔ محاضرات الخضری: ۲/ ۳۳۷۔ خطط الشام: ۱/ ۱۳٦ وغیرہ۔

❷ منہاج السنہ: ۲/ ۲۳۷.

❸ خلافت وملوکیت، صفحہ: ۱۲۳۔

Marfat.com

''بعض اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے الگ رہے..... وہ اُمت کے نہایت بااثر لوگ تھے۔ ان میں ہر ایک ایسا تھا جس پر ہزاروں مسلمانوں کو اعتماد تھا۔ ان کی علیحدگی نے دلوں میں شک ڈال دیے۔'' ❶

اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اہلِ شوریٰ اور مہاجرین و انصار کے اتفاق سے نہیں ہوئی بلکہ اس کے بغیر ہی اس کا انعقاد ہوگیا۔ چنانچہ طبری نے نقل کیا ہے کہ مالک الاشتر اور اس کے ساتھی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر کے سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ: ''بیعت کیجیے۔'' انھوں نے کہا: ''کس کی؟'' انھوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور کہنے لگے کہ بس چل کر بیعت کیجیے۔ انھوں نے پھر انکار کیا لیکن وہ بالجبر ان کو وہاں لے گئے۔ ❷

اس وجہ سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی متفقہ حیثیت نہ رہی اور کئی مقامات کے لوگ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے کنارہ کش رہے۔ مدینہ طیبہ سے بہت سے حضرات سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے بچنے کے لیے شام چلے گئے۔ کچھ لوگ مکہ مکرمہ بھاگ گئے۔ شام تو کلیتاً سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے الگ رہا۔ طبری نے مصر کے ایک شہر ''خربتا'' کے افراد کی تعداد دس ہزار بتائی ہے، جنھوں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی۔ خود مدینہ منورہ کے کئی لوگوں نے آپ کی بیعت نہیں کی جن میں کئی جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ چنانچہ ابن خلدون نے لکھا ہے:

''شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت لوگ مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے۔ سب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے موقع پر حاضر نہ ہو سکے، اور جو حاضر تھے ان میں سے بھی سب نے بیعت نہیں کی۔ بعض حضرات نے کی اور بعض حضرات نے اس وقت تک توقف کی روش اختیار کی، جب تک لوگ ایک امام پر جمع نہ ہو جائیں (کیوں کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ان کے نزدیک اتفاقی اور اجماعی نہ تھی) ان حضرات میں سعد، سعید، ابن عمر، اُسامہ بن زید، مغیرہ بن شعبہ، حسان بن ثابت، مسلم بن مخلد، فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہم اور ان جیسے دیگر کئی اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ جو لوگ مدینہ طیبہ کے علاوہ دیگر شہروں میں رہتے تھے انھوں نے بھی بیعت کرنے سے اس وقت تک توقف کیا جب تک سیّدنا

---

❶ خلافت وملوکیت، صفحہ: ۱۲۳۔ ❷ طبری: ۳/۴۷۵۔

Marfat.com

عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ پورا نہ ہو جائے اور جب تک مجلسِ شوریٰ خود کسی شخص کو خلیفہ منتخب نہ کر لے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ لوگ اگرچہ یہ خیال تو نہیں رکھتے تھے کہ وہ بھی قتل عثمانؓ میں شریک ہیں، تاہم قاتلین عثمانؓ کے بارے میں ان کی خاموشی کو انھوں نے ان کی کمزوری اور سستی پر محمول کیا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اس بارے میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو جو کچھ کہتے تھے اس کی بنیاد بھی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی یہ خاموشی تھی۔''

''سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت جس طرح بھی منعقد ہوئی لیکن منعقد ہو جانے کے بعد بھی اس کے بارے میں اتفاق کی صورت پیدا نہ ہو سکی، بلکہ اختلاف موجود رہا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ ان کی خلافت منعقد ہو گئی ہے اور مدینہ منورہ جو شہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہے، وہاں کے باشندے اس پر مجتمع اور متفق ہو چکے ہیں، اس لیے بیعت سے کنارہ کش رہنے والوں کے لیے اب بیعت کرنا ضروری ہو گیا ہے، لیکن اس کے ساتھ مطالبہ قصاص کے متعلق ان کا کہنا تھا کہ اسے اس وقت تک ملتوی رکھا جائے جب تک کہ ایک کلمہ پر لوگوں کا اتفاق و اجتماع نہ ہو جائے، کیوں کہ اس کے بغیر وہ طاقت ممکن نہیں جو اس کام کے لیے ضروری ہے۔''

''دوسرے حضرات کا خیال تھا کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل حل وعقد ہیں وہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے وقت مدینہ طیبہ میں موجود نہ تھے، یا ان کی تعداد بہت کم تھی۔ وہ اس وقت دوسرے شہروں میں بکھرے ہوئے تھے۔ ان کے بغیر یا ان کی قلیل تعداد کے ساتھ بیعت منعقد نہیں ہو سکتی، لہٰذا بیعت ہی سرے سے منعقد نہیں ہوئی۔ مسلمان انتشار کے لمحہ میں ہیں۔ اس وجہ سے ان کا کہنا یہ تھا کہ پہلے خون عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ پورا کیا جائے۔ کسی امام پر مجتمع ہونے کا مرحلہ دوسرے نمبر پر ہے۔ اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، سیّدنا زبیر، ان کے صاحبزادے عبداللہ بن زبیر، سیّدنا طلحہ، سیّدنا محمد بن طلحہ، سیّدنا سعد بن ابی وقاص، سیّدنا سعید، سیّدنا نعمان بن بشیر، سیّدنا معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ ان کے ہم رائے وہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، جو مدینہ میں بیعت

Marfat.com

علی رضی اللہ عنہ سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔''●

مختصر یہ کہ آپ کی بیعت ان حالات میں ہوئی جب کہ باغی اور شورش پسند مدینہ طیبہ پر چھائے ہوئے تھے۔ عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بددل ہو کر گوشہ گیر ہو چکے تھے اور اکثر حضرات اس المناک حادثہ کے پس منظر، پیش منظر اور تہہ منظر میں غلطاں و پیچاں تھے، اور ایسا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا، جو انھیں امن و سلامتی کی طرف لے جائے۔

بہر حال آپ کی بیعت کی گئی۔ کچھ نے رضا و رغبت سے کی اور کچھ نے بالجبر اور کچھ کنارہ کش رہے۔ کچھ حضرات مدینہ طیبہ سے بھاگ کر مکہ مکرمہ، شام اور دوسرے شہروں کو چلے گئے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے اس حال میں کہ آپ کے جسم پر ایک چادر اور خز (بھیڑ کی اون کا بنا ہوا کپڑا) کا عمامہ تھا۔ ہاتھ میں اپنے جوتے لیے اور اپنی کمان پر ٹیک لگائے منبر پر تشریف فرما ہوئے۔●

سیّدنا قیس بن سعد فرماتے ہیں کہ میں نے جنگِ جمل کے روز سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''اے اللہ! میں تیرے ہاں خون عثمانؓ سے اپنی برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے روز میری عقل جاتی رہی اور حزن و ملال کی وجہ سے مجھے اپنی زندگی بری معلوم ہونے لگی۔ لوگ میرے پاس بیعت کرنے کے لیے آئے۔ میں نے ان سے کہا: ''بخدا! مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں ایسی قوم سے بیعت لوں، جنھوں نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا ہے جس کے بارے میں رسول اللہؐ نے فرمایا: ''میں اس سے حیا کرتا ہوں، جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔'' اور بلاشک و شبہ مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں لوگوں سے اس حال میں بیعت لوں کہ عثمان رضی اللہ عنہ فرشِ خاک پر خون سے لت پت ہیں اور ابھی تک دفن نہیں ہوئے ہیں۔'' چنانچہ لوگ واپس چلے گئے۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ دفن ہو گئے تو لوگ پھر میرے پاس آئے اور مجھے بیعت لینے کی درخواست کی۔ میں نے کہا: ''اے اللہ! میں اس اقدام سے ڈرتا ہوں۔'' لوگ پھر آئے اور

● مقدمه ابن خلدون، فصل ولایت عهد: ۳۷۸۔ ۳۷۹.

● البدایه والنهایه: ۷/ ۲۲۶۔ طبری: ۳/ ۴۵۱.

Marfat.com

اصرار کیا تو میں نے بیعت لے لی، لیکن جب انھوں نے مجھے ''امیر المؤمنین'' کہا تو میرا دل پھٹ گیا اور میں دم بخود رہ گیا۔'' ❶

خلافت علی رضی اللہ عنہ اور مدینہ کی حالت:

سبائیوں کی اس یورش اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اس سفاکانہ قتل پر سارا مدینہ مضطرب اور ایک عجیب بحرانی کیفیت میں تھا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلیفۃ المسلمین ہونے پر اہلِ مدینہ نے جب دیکھا کہ وہی مالک الاشتر، وہی عبداللہ بن سباء، وہی محمد بن ابی بکر، وہی کنانہ بن بشر اور وہی غافقی بن حرب وغیرہ جو کل تک قاتلانِ عثمان میں سے تھے، آج سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے گرد و پیش پھر رہے ہیں، اور خلیفۃ المسلمین سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے کاروبارِ خلافت کے ہر مشورہ میں شریک ہیں، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک وفد نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ: ''ہم نے اسلامی حدود کے تحفظ اور نفاذ کی شرط پر آپ سے بیعت کی تھی، لیکن آپ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو پناہ دے رہے ہیں اور وہ آپ کے گرد و پیش پھر رہے ہیں۔ نیز ان سے حکومت کے ہر معاملہ میں امداد اور اعانت حاصل کر رہے ہیں، حالانکہ یہ لوگ عنداللہ اور عندالناس قابلِ مواخذہ ہیں، لہٰذا شریعت اسلامیہ کا تقاضا یہ ہے کہ انھیں سزا دی جائے اور ان سے قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص اور انتقام لیا جائے۔ ❷

لیکن سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

''جس چیز کو تم جانتے ہو میں بھی اس سے ناواقف نہیں ہوں، لیکن میں اس قوم سے کیسے نمٹ سکتا ہوں، جس کو ہم پر قابو ہے اور ہمیں اس پر قابو نہیں۔'' ❸

لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے باغیوں کی یہ بے راہ روی دیکھی نہیں جاتی تھی۔ مدینہ طیبہ میں وہ دندناتے پھرتے تھے اور مسلمانوں کی سیاست پر ان کا مکمل کنٹرول تھا اور ہر ایک کو یہ فکر لاحق تھی کہ حالات اب کیا کروٹ بدلتے ہیں۔ مدینہ طیبہ میں امن و سکون مفقود تھا۔ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے تو اپنے کو اس فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لیے مدینہ چھوڑ کر مکہ کی راہ لی تھی۔ ان کے علاوہ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ اور سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور بنو اُمیہ کی ایک کثیر تعداد مکہ مکرمہ بھاگ گئی تھی۔ ❹

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۹۳.
❷ محاضرات الخضری: ۳/ ۴۰۲۔ ابن اثیر: ۳/ ۱۰۰.
❸ ابن اثیر: ۳/ ۱۰۰۔ ایام العرب، ص: ۳۲۲.
❹ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۲۲۴.

Marfat.com

سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کی موجودہ حالت دیکھ کر فیصلہ فرمایا کہ مدینہ سے باہر نکل کر قومی محاذ قائم کیا جائے اور اس طریقہ سے باغیوں کی سرکوبی کی جائے اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا قصاص لیا جائے۔ چنانچہ وہ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت میں مکہ مکرمہ کی طرف چل دیے۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہر سال حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے جایا کرتی تھیں۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے زمانہ میں وہ مکہ ہی میں تھیں، لیکن واپسی پر ان کے ایک قریبی عزیز عبید بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ نے انھیں اطلاع دی کہ امیر المؤمنین سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے اور مدینہ میں باغیوں کا دور دورہ ہے۔ اور ساتھ ہی یہ کہا:

''باغیوں نے اہلِ مدینہ پر زور دے کر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت پر مجتمع کر لیا ہے اور باغی مدینہ پر مسلط ہیں۔'' ❶

یہ اطلاع پا کر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا واپس مکہ لوٹ آئیں اور فرمایا:

''بخدا! عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم قتل کیے گئے اور اللہ کی قسم میں ان کے خون کے قصاص کا مطالبہ ضرور کروں گی۔''

اتنے میں سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور بہت سے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین بھی مدینہ سے یہاں پہنچ گئے اور انھوں نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا:

''ہم لوگ اقلیت کی وجہ سے مدینہ طیبہ سے بھاگ آئے ہیں اور ایسے لوگوں کو چھوڑ آئے ہیں جو متحیر ہیں، نہ حق کو پہچانتے ہیں، نہ باطل کا انکار کرتے ہیں اور نہ اپنے نفسوں کو روکتے ہیں۔'' ❷

ان حضرات کے مکہ مکرمہ تشریف لے جانے سے پہلے ان کے ہم رائے بہت سے لوگ اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بہت بڑی تعداد سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی قیادت میں وہاں موجود تھی۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اکابر صحابہؓ کی ایک بہت بڑی تعداد اور اُمہات المؤمنین مکہ مکرمہ میں جمع ہو گئیں۔'' ❸

---

❶ طبری: ۳/ ۳۲۶.
❷ طبری: ۳/ ۴۶۹.
❸ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۳۰.

Marfat.com

اس طریقے سے خونِ عثمانؓ کے قصاص کی ایک تحریک وجود میں آئی۔ ان حضرات کی قصاص کی اس دعوت پر رائے عامہ نے لبیک کہا۔ ہزاروں مسلمان جان دینے تک کے لیے تیار ہو گئے۔ مکہ کے ایک رئیس اعلیٰ یعلی بن اُمیہ نے چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ درہم بطورِ چندہ پیش کیے۔ گورنر مکہ سیّدنا عبداللہ بن عامی الحضرمی نے اعلان کیا کہ جو شخص اس تحریک میں شریک ہونا چاہے اور اس کے پاس سواری اور زادِ راہ نہ ہو تو اس کی سب ذمہ داری برداشت کی جائے گی۔ اس طریقہ سے تین ہزار افراد اس تحریک میں شریک ہو گئے۔ اس سال چونکہ تمام اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن فتنہ کے ڈر سے حج بیت اللہ کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائی ہوئی تھیں، اس لیے وہ بھی ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئیں۔

سیّدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کی رائے سیدھا مدینہ طیبہ چلنے کی تھی۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ پہلے شام چلا جائے اور وہاں سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر پھر مدینہ آیا جائے، لیکن بالآخر فیصلہ یہ ہوا کہ پہلے بصرہ چلا جائے۔

جنگ جمل اور اس کے اسباب ونتائج:

مدینہ منورہ جانے میں تو سب امہات المؤمنین رضی اللہ عنہم بھی شریک ہونے کو تیار تھیں، لیکن جب فیصلہ بصرہ جانے کا ہوا تو اُمہات المؤمنینؓ کٹ گئیں۔ صرف سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہاں بھی ساتھ دینے کو کہا، لیکن آپ کے بھائی سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ کو روک لیا۔ ❶

بہر حال ادھر مدینہ میں آپ خلیفہ ہوئے ادھر سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی والدہ ماجدہ سیّدہ اُمّ الفضل نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو ایک قاصد کے ذریعے مطلع کیا کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیّدنا زبیر اور سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہما تین ہزار افراد کی جمعیت کے ساتھ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے لیے بصرہ کی طرف جا رہے ہیں۔ مفسدین کو جب اس بات کا علم ہوا تو انھیں ایک سنہری موقع ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ کچھ مفسد ہوا خواہی کے پردہ میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر میں مل گئے اور ایک اچھی خاصی تعداد سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل گئی۔

ادھر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئیں، ادھر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ ربیع الاوّل سنہ ۳۶ھ میں مدینہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ سیّدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۲۹، ۲۳۰۔ ابن اثیر: ۲/ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔

Marfat.com

نے آپ کے مدینہ سے نکلنے کی مخالفت کی۔ اس پر سبائیوں نے آپ کو سب وشتم کیا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ان کو چھوڑ دو یہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت اچھے آدمی ہیں۔'' ❶

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ جب مدینہ طیبہ سے نکل رہے تھے تو آپ کے صاحبزادے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے راستہ میں جا کر آپ سے عرض کی: ''ابا جان! میں نے پہلے بھی آپ کو کئی مشورے دیے، لیکن آپ نے ان کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ اب بھی آپ سے عرض کرتا ہوں کہ آپ مدینہ میں رہیں، یہاں تک کہ دونوں فریقوں میں آپس میں مصالحت ہو جائے۔'' ❷

غرض کہ بصرہ میں دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں۔ کافی بزرگوں نے دونوں گروہوں میں صلح کرانے کی کوشش کی اور دونوں فریق صلح پر راضی بھی ہو گئے، لیکن سبائی پارٹی کے سرغنوں مالک الاشتر، خالد بن ملجم، عبداللہ بن سباء اور دوسرے لیڈروں نے باہم مل کر مشورہ کیا اور کہا کہ اگر یہ صلح اپنے انجام کو پہنچ گئی تو پھر ہماری خیر نہیں، لہٰذا مناسب یہی ہے کہ سب مل کر علی رضی اللہ عنہ کو بھی عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا دیں۔ ❸ لیکن اس تجویز پر اتفاق نہ ہو سکا۔ آخر میں عبداللہ بن سباء نے کہا کہ قبل اس کے کہ علی رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہم سر جوڑ کر مزید غور و فکر کریں، تم جنگ چھیڑ دو اور لڑائی کا شعلہ جب بھڑک اُٹھے گا تو پھر دونوں پارٹیاں اپنے اپنے دفاع کے لیے جنگ پر مجبور ہو جائیں گی۔ سب نے اس تجویز پر اتفاق کیا۔ ❹

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

> ''سب صلح پر تیار ہو گئے اور رات کو ایسے چین اور اطمینان سے سوئے کہ اس سے قبل کبھی ایسے اطمینان کی نیند نہیں سوئے تھے، لیکن وہ لوگ جنھوں نے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ہنگامہ آرائی کی تھی (اور ان کو شہید کیا تھا) انھوں نے اس سے زیادہ بدترین رات کبھی نہیں گزاری تھی۔'' ❺

---

❶ طبری: ٥/ ١٧٠۔ البدایہ والنہایہ: ٧/ ٢٣٣۔ ابن اثیر: ٣/ ١٠٧.

❷ البدایہ والنہایہ: ٧/ ٢٣٤.

❸ طبری: ٥/ ١٩٥.

❹ طبری: ٥/ ١٩٤، ١٩٦۔ ابن اثیر: ٣/ ١٢٠۔ ١٢١ وغیرہ۔

❺ البدایہ والنہایہ: ٧/ ٢٣٩۔ ابن اثیر: ٣/ ١٢٣۔ طبری: ٥/ ٣٠٢، ٣٠٣۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: طبری: ٥/؟؟۔ منہاج السنہ: ٢/ ١٨٥، ٣/ ٢٢٥، ٢٤١۔ المنتقیٰ ذہبی، ص: ٢٢٣، ٤٠٤۔ ابن اثیر: ٣/ ١٢٣۔ البدایہ والنہایہ: ٧/ ٢٣٩۔ تاریخ الاسلام ذہبی: ٢/ ١٤٨.

Marfat.com

صبح کو صلح کا اعلان عام ہونا تھا کہ سبائیوں نے صبح ہونے سے قبل اندھیرے ہی میں دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے قرآنِ حکیم دکھا دکھا کر لوگوں کو جنگ بند کرنے کے لیے کہا اور فرمایا کہ: ''لوگو! اس قرآن کو ثالث مانو اور بجائے ایک دوسرے کی گردن مارنے کے اس قرآن کے مطابق اپنا فیصلہ کرو۔'' ❶ لیکن جنگ کی یہ آگ چونکہ ایک سازش کے تحت لگائی گئی تھی، لہٰذا سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے قرآن دکھانے سے بھی نہ بجھی اور اس کا انجام ایک خون ریز جنگ کی شکل میں ظاہر ہوا، اور ہزاروں جانیں ضائع ہوئیں اور دو جلیل القدر صحابہ کرام سیّدنا زبیر اور سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہما بھی اس جنگ میں شہید ہوئے۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو توقع نہیں تھی کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا اور مطالبۂ قصاص میں اس قدر جانیں تلف ہوں گی۔ چنانچہ جنگِ جمل کے اس قتل عام سے آپ اس قدر متاثر ہوئے کہ بڑی حسرت سے اپنے صاحبزادے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''بیٹا! کاش تمھارا باپ بیس (۲۰) سال قبل اس دنیا سے رحلت کر گیا ہوتا۔''

یہ سن کر سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ابا جان! کیا میں نے آپ کو اس سے نہیں روکا تھا؟''

آپ نے فرمایا:

''بیٹا! مجھے توقع ہی نہیں تھی کہ معاملہ اس حد تک پہنچ جائے گا۔'' ❷

جنگِ صفین

پس منظر:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی نگاہیں اس بات پر تھیں کہ آپ کب قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کو کیفر کردار تک پہنچاتے ہیں اور جن لوگوں نے دن دیہاڑے مدینہ منورہ میں

---

❶ طبری: ٥/ ٢٠٤.

❷ البدایہ والنہایہ: ٧/ ٢٤٠۔ تاریخ الاسلام ذہبی: ٢/ ١٥١۔ کنز العمال: ٦/ ٨٥۔ المصنف لابن ابی شیبہ: ٥/ ٢٧٥، ٢٨٥۔ جنگِ جمل کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: حکیم محمود احمد ظفر کی کتاب ''سیّدنا علی رضی اللہ عنہ ..... شخصیت اور کردار''

Marfat.com

امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو انتہائی مظلومانہ حالت میں شہید کیا ہے، ان کو کب اپنے کیے کا بدلہ دیتے ہیں، کیوں کہ یہ کسی عام آدمی کا قتل نہیں تھا بلکہ ایک وسیع و عریض اسلامی سلطنت کے خلیفہ اور امیر کا سفاکانہ قتل تھا۔ اور اگر ایک عام آدمی کا قتل بھی ہو، تب بھی یہ اسٹیٹ بنام کیس ہوتا ہے اور ایک حکومت کے لیے ضروری ہے کہ قاتلوں کو تلاش کر کے ان کو سزا دے۔ لیکن یہاں تمام لوگ متعجب ہو گئے جب انھوں نے دیکھا کہ قاتلان عثمان نہ صرف آپ کے حاشیہ نشین ہیں بلکہ آپ ان کو کاروبار حکومت کی ہر کلیدی آسامی پر متعین فرما رہے ہیں۔ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ذاتی طور پر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف احتجاج بھی کیا، لیکن شنوائی نہ ہوئی۔ ❶

اس شنوائی کے نہ ہونے کی وجہ سے نوبت ایک خون ریز جنگ تک پہنچی جس کو ''جنگِ جمل'' کہتے ہیں۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور کئی ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کی ذرہ برابر توقع نہ تھی کہ دشمنانِ اسلام معاملہ کو اس حد تک پہنچا دیں گے۔ (البتہ سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو حالات کے اس قدر خراب ہو جانے کا علم تھا، اسی وجہ سے انھوں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان اقدامات سے روکا تھا۔) ❷ سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس جنگ میں شہید ہوئے۔ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حالات کے اس طرح کروٹ بدلنے کی وجہ سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اموی سادات و اشراف بصرہ اور مدینہ میں اپنا مستقبل محفوظ اور خوش گوار نہ سمجھتے ہوئے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام بھاگ گئے، ادھر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی انتظامیہ پر سبائیوں کا پورا پورا قبضہ تھا اور اب وہ کسی قیمت پر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو کسی سے صلح کی کوشش جاری رکھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے، کیوں کہ اس میں ان کے لیے سراسر نقصان تھا اور ان کی زندگیاں محفوظ نہیں تھیں۔

اسی اثناء میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی قوتِ فکر اور سبائیوں کے مشورہ سے یہ طے کیا کہ مدینہ طیبہ کے بجائے کوفہ کو اپنا مرکزِ خلافت بنایا جائے، کیوں کہ وہاں ان کو اپنے لیے فضا سازگار معلوم ہوئی۔ چنانچہ ۱۲ رجب سنہ ۳۶ ھ کو آپ کوفہ تشریف لائے اور سیّدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی وہ بات بالکل درست ثابت ہوئی کہ؛

---

❶ محاضرات الخضری: ۳/ ۴۰۲۔ ابن اثیر: ۳/ ۱۰۰۔

❷ ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۴۰۔

Marfat.com

''اے علیؓ! تم مدینہ سے باہر مت نکلو۔ بخدا! اگر ایک دفعہ آپ مدینہ سے باہر نکل گئے تو پھر مسلمانوں کی خلافت مدینہ میں کبھی بھی واپس نہیں لوٹے گی۔''❶

عراق میں آپ کے حامیوں کی تعداد زیادہ تھی، کیوں کہ عبداللہ بن سباء کی تحریک کا مرکز عراق اور مصر دو ہی تو صوبے تھے اور انھی دو صوبوں سے ساری مملکت میں انتشار پھیلا تھا جو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر منتج ہوا۔ تاریخ کا طالب علم یہ بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ دارالخلافت کی اس تبدیلی سے آپ کو مستقبل میں بہت نقصان اُٹھانا پڑا۔ ایک تو آپ مدینہ طیبہ کے بابرکت اور مسلمانوں کے حقیقی مرکز سے دور ہو گئے۔ دوسرے آپ بالکل سبائیوں کے نرغہ میں پھنس گئے اور آپ کی پوری سیاست اور انتظامیہ مالک الاشتر، کنانہ بن بشر اور دیگر سبائی سرغنوں کے ہاتھوں میں چلی گئی، جس نے ساری زندگی آپ کو مشکلات اور پریشانیوں سے دوچار رکھا اور خلافتِ اسلامیہ کو پانچ چھ سال تک ابتلائے عظیم میں مبتلا رکھا۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور مطالبہ قصاص:

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سفاکانہ اور مظلومانہ شہادت کے بعد سیّدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ صحابی رسول امیر المؤمنین کی خون میں لتھڑی ہوئی قمیص اور آپ کی زوجہ محترمہ سیّدہ نائلہ کلبیہ رضی اللہ عنہا کی کٹی ہوئی انگلیاں لے کر شام میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور انھیں جا کر مدینہ طیبہ میں باغیوں کی بربریت اور دہشت گردی اور امیر المؤمنین کی مظلومانہ شہادت کا حال بیان کیا۔ اور آپ کا خون آلود کرتہ اور سیّدہ نائلہ رضی اللہ عنہا کی کٹی ہوئی انگلیاں بھی دکھائیں۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ کرتہ اور انگلیاں لوگوں کو دکھانے کے لیے منبر پر رکھ دیں۔❷ اس منظر نے لوگوں کو رُلا دیا۔ وہ امیر المؤمنین کی اس مظلومانہ شہادت کا تصور کر کے اور ان کی قمیص جو کہ خوں سے لت پت تھی، دیکھ کر زار و قطار روتے۔ بعض روایات کے مطابق ایک سال تک روتے رہے۔ چنانچہ جب مکہ مکرمہ اور خود مدینہ طیبہ سے قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص کے مطالبہ کی تحریک شروع ہوئی۔ اور اکابر صحابہ کے وفد نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کر کے کہا کہ: ''ہم نے اسلامی حدود کے نفاذ کی شرط پر آپ سے بیعت کی تھی،

---

❶ طبری: ۵/ ۱۷۰۔ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۳۳.

❷ تاریخ الدعوۃ الاسلامیہ از محمد جمیل، ص: ۳۶۸۔ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۳۰.

Marfat.com

لیکن آپ قاتلانِ عثمان کو پناہ دے رہے ہیں اور ان کو اپنا معاون و مددگار اور شریک کاروبار حکومت بنائے ہوئے ہیں، حالانکہ یہ لوگ اسلامی حکومت اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ مواخذہ ہیں، لہٰذا شریعت اسلامی کے اقتضا کے مطابق آپ انھیں سزا دیں۔ ❶ شام میں بھی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیّدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ، سیّدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ، سیّدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ، سیّدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے لوگوں کو اس مطالبہ کی حمایت کے لیے کہا۔ لوگ تو پہلے ہی امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ اور سفاکانہ شہادت پر غم وغصہ کا اظہار کر رہے تھے اور باہر سے بھی اس مطالبہ کی خبریں ان کے کانوں میں پہنچ رہی تھیں، لہٰذا انھوں نے فوراً ان صحابہ رضی اللہ عنہ اور اکابرین اُمت کی آواز پر لبیک کہا اور قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص کے مطالبہ کے لیے پورا شام اُٹھ کھڑا ہوا۔ ❷

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت اور سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی جنگِ جمل میں شہادت کے بارے میں علم ہوا تو اُنھوں نے اہلِ شام سے صورتِ حال کے بارے میں اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے بارے میں مشورہ طلب کیا۔ تمام اہلِ شام نے یک زبان ہو کر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون ناحق کا قصاص طلب کرنے کی تائید کی اور ((فبايعوه على ذالك اميراً غير خليفة .)).....''انھوں نے خلیفہ ہونے کے لحاظ سے نہیں بلکہ امیر ہونے کی حیثیت سے طلب قصاص کے لیے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔''

قصاصِ عثمانؓ کے مطالبہ میں پورا شام سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ؛ جب سیّدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا خط لے کر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، جس میں انھیں اپنی بیعت کی دعوت دی تھی تو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور دوسرے رؤسائے شام کو مشورہ کے لیے طلب کیا:

''تو اُنھوں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے اس وقت تک انکار کیا جب تک کہ قاتلانِ عثمانؓ کو قصاص میں قتل نہ کیا جائے۔ (اور اگر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ ان سے قصاص لینے کی

---

❶ ايام العرب، ص: ٣٢٣۔ محاضرات الخضرى: ٣/ ٤٠٢۔ ابن اثير: ٣/ ١٠٠.

❷ البدايه والنهايه: ٧/ ٢٢٧۔ ٢٢٨.

Marfat.com

طاقت نہیں رکھتے) تو قاتلانِ عثمانؓ کو ان کے حوالے نہ کر دیا جائے۔''

اور اگر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات تسلیم نہیں کرتے تو؛

((قاتلوه ولم يبايعوه حتى يقتل قتلة عثمان .))

''ان کے ساتھ قتال کیا جائے اور ان کی اس وقت تک بیعت نہ کی جائے، جب تک کہ وہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کو قصاص میں قتل نہ کریں۔''[1]

اس سے پتہ چلا کہ مطالبہ قصاص پر شام کی پوری رائے عامہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی، جس میں جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔

ملکی انتظامیہ میں تبدیلی:

ایک اور سب سے بڑی بات جس نے اسلامی تاریخ کا دھارا تشتت و افتراق کی طرف موڑ دیا، وہ ملکی انتظامیہ میں فی الفور تبدیلی تھی۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے مختلف صوبوں میں مندرجہ ذیل گورنر اور ولاۃ تھے:

کوفہ	(نماز کے لیے)	سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ
کوفہ	(امورِ جنگ کے لیے)	سیّدنا قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ
کوفہ	(امورِ مالیات کے لیے)	سیّدنا جابر بن عمرو المزنی رضی اللہ عنہ
بصرہ		سیّدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ
مصر		سیّدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ
شام		سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
حمص		سیّدنا عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہما
قنسرین		سیّدنا حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ
اُردن		سیّدنا ابوالاعور بن سفیان رضی اللہ عنہ
فلسطین		سیّدنا حکیم بن علقمہ رضی اللہ عنہ
آذربائیجان		سیّدنا اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ

[1] البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۵۳.

Marfat.com

قرقیسیا	سیّدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
مکہ مکرمہ	سیّدنا عبداللہ بن الحضرمی رضی اللہ عنہ
حلوان	سیّدنا عتیبہ بن النہاس رضی اللہ عنہ
قیساریہ	سیّدنا مالک بن حبیب رضی اللہ عنہ
طائف	سیّدنا قاسم بن ربیعہ الثقفی رضی اللہ عنہ
صنعاء	سیّدنا یعلی بن اُمیہ رضی اللہ عنہ
اصبہان	سیّدنا سائب بن الاقرع رضی اللہ عنہ
ھمذان	النسیر
رے	سیّدنا سعید بن قیس رضی اللہ عنہ
سبذان	حبیش

مدینہ طیبہ کے بیت المال پر عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اور قضاء پر سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کو مقرر کیا گیا تھا۔ ❶

لیکن سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے مسندِ خلافت پر متمکن ہوتے ہی جہاں اپنے دار الخلافہ میں تبدیلی کی وہاں گورنروں اور ولاۃ میں بھی بغیر کسی چارج شیٹ کے اہم تبدیلیاں کیں اور خلافتِ عثمانیؓ کے قریباً تمام گورنروں کو معزول کر کے ان کی جگہ کچھ تو اپنے خاندان میں سے اور کچھ سبائیوں میں سے گورنر متعین فرمائے۔ چنانچہ آپ نے مندرجہ ذیل حضرات کو مختلف صوبوں میں گورنر مقرر کیا:

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما	یمن
شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا گورنر بصرہ ہونا لکھا ہے۔ ❷	
سیّدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ	بصرہ
سیّدنا عمارہ بن شہاب رضی اللہ عنہ	کوفہ
قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، محمد بن ابی بکر	مصر
سیّدنا سہل بن حنیف	شام

❶ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۲۷۔ طبری: ۵/ ؟؟؟.

❷ منہاج السنہ: ۳/ ۱۷٤.

Marfat.com

سیّدنا قثم بن عباس رضی اللہ عنہما، معبد بن عباس رضی اللہ عنہ	مکہ اور طائف
سیّدنا عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما	یمن
سیّدنا ثمامہ بن عباس رضی اللہ عنہ	مدینہ طیبہ
زیاد بن ابی سفیان	فارس
سیّدنا اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ (یہ خلافتِ عثمانی ہی سے یہاں تھے۔)	آذربائیجان
سیّدنا یزید بن قیس	مدائن
مالک الاشتر (سبائی سرغنہ)	موصل، نصیبین،

دار البحبرد، اُمد، میافارقین اور شام کے بعض مقبوضات پر ❶

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنے اقارب کو والی اور گورنر بنانا لکھا ہے، فرماتے ہیں:

''اور یہ مسلم ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے باپ اور ماں کی طرف سے اپنے اعزاء واقرباء کو گورنر مقرر فرمایا، جیسے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو، پس آپ نے عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو یمن کا گورنر بنایا اور مکہ اور طائف پر قثم بن عباس رضی اللہ عنہما کو والی مقرر کیا، لیکن مدینہ پر ایک روایت کے مطابق سہل بن حنیف کو اور ایک روایت کے مطابق ثمامہ بن العباس رضی اللہ عنہما کو گورنر مقرر فرمایا۔ اور بصرہ پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو والی بنایا، اور مصر کی گورنری اپنے ربیب محمد بن ابی بکر کو دی جس کو آپ نے گودوں میں پالا تھا۔'' ❷

ہوسکتا ہے کہ آپ کی قوتِ فکر نے یہ محسوس کیا ہو کہ حسب دستور آپ اپنی کابینہ کا انتخاب فرما کر جلد حالات پر قابو پالیں گے، کیوں کہ جب تک ملک کی انتظامیہ پر آپ کے اپنے آدمی نہیں ہوں گے، اس وقت تک آپ اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوسکتے، لیکن حالات کے دھارے نے یہ بتادیا کہ

---

❶ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۲۷۔ ابن اثیر: ۳/ ۱۰۳، ۱۷۷۔ الاخبار الطوال للدینوری، ص: ۱۵۳، ۱۵٤۔ منہاج السنہ: ۳/ ۱۷۳۔ المنتقیٰ، ص: ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۱/ ۱۸٤، ۱۸٦۔ الاصابہ: ۲/ ٤۳، ۳/ ٤۵۷، ۱/ ۲۲۸، ۲۵۸۔ طبری: ٤/ ۱۷۷۔ تاریخ الیعقوبی: ۲/ ۱۷۹، ۳/ ۲۰۵ وغیرہم۔

❷ منہاج السنہ: ۳/ ۱۷۲.

Marfat.com

جس شئے کو آپ اپنی کامیابی کی دلیل سمجھتے تھے، وہی شئے آپ کی ناکامی کا سبب بنی۔ لوگوں کو خیال ہوا کہ خلافتِ عثمانیؓ کے گورنروں کو آپ بے شک معزول فرماتے لیکن کسی وجہ سے اور کوئی چارج شیٹ دے کر۔ اور اگر بغیر وجہ اور بغیر کسی چارج شیٹ کے معزول فرمانا تھا تو کم از کم حالات کے نشیب و فراز کو دیکھ کر معزول فرماتے۔ چند روز قبل تو امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کو دن دیہاڑے شہید کیا گیا۔ مفسدین میں آپ کا ربیب محمد بن ابی بکر بھی تھا، اور مالک الاشتر بھی اور دوسرے باغی بھی تھے جو اب آپ کے حاشیہ نشینوں میں سے تھے، اور ہر کام میں آپ کے شریک کار اور مشیر تھے، جس سے خواہ مخواہ ذہن اس طرف جاتا تھا کہ شاید آپ کا بھی شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ میں ہاتھ ہے۔ اس کے ساتھ آپ کا مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے چند روز بعد خلافتِ عثمانیؓ کے قریباً تمام گورنروں کو یک دم معزول کر دینا اور مالک الاشتر جیسے سبائی سرغنہ کو بھی گورنر مقرر کرنا لوگوں کے لیے زیادہ غلط فہمی کا باعث بن گیا۔ اور پھر باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مطالبہ و اصرار کے آپ کا قصاصِ عثمانؓ کی طرف پوری توجہ نہ دینا، ان سب چیزوں نے بہت سے لوگوں کے دلوں میں آپؓ کے متعلق طرح طرح کے شکوک و شبہات کو جنم دیا اور خلافتِ اسلامیہ میں آپ کے متعلق لوگوں کی ہمدردیاں زیادہ پختہ نہ ہو سکیں۔ یہی وجہ تھی کہ جنگِ جمل میں کئی ہزار لوگوں نے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ساتھ دیا اور بہت سے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دیا۔

مملکتِ اسلامیہ کے بارہ صوبوں میں عثمانی گورنروں کو بغیر کچھ وجہ بتائے اور بغیر ان کی چارج شیٹ جاری کیے اتنی جلدی تبدیلی کر دینا اور مقرر کردہ گورنروں میں، چار جگہ اپنے ہی خاندان کے لوگوں کا تقرر کرنا، پھر آپ کی اپنی فوج میں مفسدین کی اور قاتلانِ عثمانؓ کی موجودگی آپ کے اپنے لشکر میں انتشار کا باعث بن گئی اور سپاہیوں میں مختلف قسم کی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ چنانچہ مالک الاشتر نے جو خود بھی بعض علاقوں کا گورنر رہ چکا تھا، جب دیکھا کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہی خاندان کے لوگوں کو گورنر مقرر فرمایا ہے اور ان کے گورنروں میں کچھ وہ لوگ بھی ہیں جو مملکتِ اسلامیہ کے استحکام کا باعث ہو سکتے ہیں، تو وہ غضب ناک ہو گیا، اور بولا:

((علیٰ ما قتلنا الشیخ اذن .)) ❶

---

❶ طبری: ٥/ ١٩٤.

Marfat.com

''پھر ہم نے اس بڑے میاں (سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ) کو کیوں قتل کیا؟''

سبائی کسی صورت میں بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ خلافتِ اسلامیہ مستحکم ہو۔ وہ تو مملکتِ اسلامیہ اور اسلام میں ایک ایسا فتنہ برپا کرنا چاہتے تھے، جس میں ایک تو (معاذ اللہ) مسلمانوں کو ذلت کا منہ دیکھنا پڑے اور دوسرے ان کی آتشِ انتقام کو تسکین ہو۔

آپ نے جن گورنروں کو چارج لینے کے لیے باہر بھیجا ان کی وہاں کوئی پذیرائی نہ ہوئی، اور وہاں کے لوگوں اور خلافتِ عثمانیؓ کے گورنروں نے ان کو شہر میں داخل ہی نہ ہونے دیا۔ چنانچہ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ جن کو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جگہ شام کا گورنر بنا کر بھیجا تھا، شام جاتے ہوئے جب وہ تبوک کے مقام پر پہنچے تو ان کو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے چند گھڑ سوار ملے۔ انھوں نے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''میں امیر ہوں۔'' انھوں نے پوچھا: ''کس شئے پر امیر ہو؟'' کہا: ''صوبہ شام کا امیر ہوں۔'' ان گھڑ سواروں نے کہا: ''اگر تو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کو بھیجا ہے تو پھر ''اھلاً وسھلاً و مرحباً'' اور اگر کسی اور نے بھیجا ہے تو پھر واپس تشریف لے جایئے۔'' چنانچہ وہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آ گئے اور ان کو تمام حالات سے مطلع کیا۔ بعض روایات میں ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے پہلے سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو شام کا گورنر مقرر فرمایا، لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ ❶

اسی طرح آپ کے گورنر قیس بن سعد رضی اللہ عنہ جو کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی جگہ مصر تشریف لے گئے، ان کے جانے پر بھی وہاں اختلاف واقع ہو گیا، حالانکہ وہاں پہلے ہی محمد بن ابی حذیفہ جو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے خاص آدمی تھے، حالات کو قابو میں کیے ہوئے تھے، لیکن پھر بھی اختلاف کی صورت پیدا ہو گئی۔ ایک گروہ کہنے لگا:

((لا نبایع حتی نقتل قتلة عثمان .))

''ہم اس وقت تک بیعت نہیں کریں گے، جب تک کہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کو قصاص میں قتل نہ کر لیں۔''

لیکن اکثریت نے بیعت کر لی، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ یہی حال بصرہ اور کوفہ کے

---

❶ تهذيب و تاريخ دمشق: ٤/ ٣٩۔ خلافة علیؓ لعبد الحميد، ص: ١١٠.

Marfat.com

گورنروں کا ہوا۔ ❶

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی معزولی:

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے مسلسل شام کے گورنر چلے آ رہے تھے اور اپنی فکری، علمی، عملی قابلیتوں کی وجہ سے وہاں سلطنت اسلامیہ کی دھاک بٹھائے ہوئے تھے۔ ان کو اب صرف اس وجہ سے اپنے عہدہ سے ہٹایا جا رہا تھا کہ ان کا سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان بنو اُمیہ سے تعلق تھا۔ انھیں کوئی چارج شیٹ نہیں دی گئی۔ ان کی کوئی خامی انھیں نہیں بتائی گئی۔ کئی صحابہ کرامؓ نے اس بارے میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی اور گورنروں کو اتنی جلدی معزول کرنے سے روکا۔ سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے جو سیاست و تدبر میں اپنی مثال آپ تھے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ معاویہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے عثمانی گورنروں کو اپنے مناصب سے ہٹانے میں اتنی جلدی نہ کریں۔ جب وہ بیعت کر کے آپؓ کی خلافت تسلیم کر لیں تو اس کے بعد پھر آپ جو چاہیں کریں۔ اس سے ایک تو آپؓ کی بیعت سب علاقوں میں آسانی سے ہو سکے گی۔ دوسرے ان شہروں میں امن و امان بھی بحال رہے گا اور لوگ بھی پرسکون زندگی گزارتے رہیں گے، لیکن سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بات پر توجہ نہ کی۔ پھر سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی آپ کو سمجھایا کہ آپ ابھی معاویہ رضی اللہ عنہ کو برطرف نہ کریں۔ اگر وہ اپنے عہدہ پر قائم رہیں گے تو حالات کے اتنا خراب ہونے کا امکان نہیں، لیکن اگر ان کو شام کی گورنری سے ہٹا دیا گیا، جہاں وہ بیس سال سے رہ رہے ہیں اور پورا شام ان کے زیر تصرف اور زیر اثر ہے تو سارے شام، عراق اور دوسرے صوبوں کی فضا آپ کے خلاف مکدر ہو جائے گی، لیکن سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کے مشورہ پر بھی کوئی توجہ مبذول نہ فرمائی۔ ❷

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی فکر کے تحت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بجائے شام کا گورنر مقرر کر کے بھیجا، لیکن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپاہیوں نے ان کو شام کی حدود میں داخل بھی نہ ہونے دیا اور مقامِ تبوک ہی سے ان کو واپس کر دیا۔ ❸

---

❶ ابن اثیر: ۳/ ۱۰۳۔ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۲۸۔ ۲۲۹.

❷ اخبار الطوال، ص: ۱۴۲۔ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۲۸۔ تاریخ الاسلام: ۲/ ۱۶۶.

❸ طبری: ۵/ ۱۶۱۔ ابن اثیر: ۳/ ۱۰۳.

Marfat.com

اس کے بعد سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو کئی خطوط لکھے، جن میں یہ لکھا کہ مہاجرین و انصار نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے، اس لیے یا تو تم میری اطاعت کرو، یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، لیکن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پریشان تھے کہ کیا جواب دیا جائے کیوں کہ شام میں قاتلانِ عثمان سے قصاص کی تحریک زوروں پر تھی۔ چنانچہ صفر المظفر سنہ ۳۶ھ میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے تین ماہ بعد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خاص قاصد کی معرفت آپ کو جواب بھیجا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب لفافہ کھولا تو اس میں سوائے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' اور ''من معاویۃ الیٰ علی'' کے اور کچھ نہ تھا۔ اس سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے حالات کی ناخوش گواری کا اندازہ لگا لیا۔

قاصد نے زبانی بھی وہاں کا سارا آنکھوں دیکھا حال بیان کر دیا کہ سارا شام قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص لینے پر تلا ہوا ہے، اور کہا کہ میں نے شام میں ساٹھ (۶۰) ہزار شیوخ کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی خون آلود قمیص پر ان کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہیں اور انھوں نے اس بات کا عزم کر لیا ہے کہ جب تک وہ اس خونِ ناحق کا قصاص نہیں لے لیں گے اس وقت تک ان کی تلواریں بے نیام رہیں گی۔ ❶

یہ جواب سن کر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آپ کے ساتھیوں نے پھر آپ کو روکا، لیکن آپ نے ان کی بات تسلیم نہ کی۔ خود آپ کے بڑے صاحبزادے سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

> ''ابا جان! آپ اس ارادہ کو ترک فرما دیجیے کیوں کہ اس میں مسلمانوں کی خون ریزی ہوگی اور ان کے درمیان اختلاف کی خلیج حائل ہونے کا اندیشہ ہے۔'' ❷

لیکن اِنھی حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ:

> ''اس مشورہ کو انھوں نے قبول نہ کیا، بلکہ جنگ کا مصمم ارادہ کر لیا اور اس کے لیے لشکر بھی مرتب کر لیا۔'' ❸

---

❶ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۲۹۔ ابن اثیر: ۳/ ۱۰۴۔ اخبار الطوال للدینوری، ص: ۱۴۱.

❷ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۲۹.

❸ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۲۹.

Marfat.com

آپ نے اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کو علم بردار، سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو میمنہ پر، عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کو میسرہ اور سیّدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ابولیلیٰ کو مقدمۃ الجیش پر امیر مقرر فرمایا۔ قثم بن عباس رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں قائم مقام مقرر کیا۔ غرض کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے کے لیے پوری تیاریاں کرلیں اور شام کا قصد کرنے ہی والے تھے کہ درمیان میں جنگ جمل کا سانحہ پیش آ گیا، جس کا اجمالی تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت:

جنگِ جمل کی خون ریزی نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو بہت متاثر کیا، لہٰذا انھوں نے اب پہلے مصالحت کے لیے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا اور سیّدنا جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ کو قاصد بنا کر بھیجا۔ آپ کے قاصد بنائے جانے پر مالک الاشتر سبائی نے بڑے شک وشبہ کا اظہار کیا اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

((لا تفعل فان هواه مع معاوية .)) ❶

''ان کو نہ بھیجیں کیوں کہ ان کی ہمدردیاں معاویہ کے ساتھ ہیں۔''

لیکن سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اشتر کی بات نہ مانتے ہوئے، سیّدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو خط دے کر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا، جس میں لکھا تھا کہ چونکہ مہاجرین وانصار نے میری بیعت کرلی ہے، لہٰذا تم بھی میری بیعت کرلو۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی عادت کے مطابق رؤسائے شام اور سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مشورہ کے لیے بلایا اور ان کو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا خط سنا کر مشورہ طلب کیا، لیکن ان سب نے یک زبان ہو کر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ ❷

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو چند روز اور اپنے پاس روکے رکھا، تاکہ وہ لوگوں کے جذبات سے بخوبی واقف ہو جائیں۔ چنانچہ سیّدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ امیر المؤمنین کی خون میں لتھڑی ہوئی قمیص اور سیّدہ نائلہ رضی اللہ عنہا کی کٹی ہوئی انگلیاں دیکھ دیکھ کر روتے ہیں اور انھوں نے قسمیں کھائی ہیں کہ جب تک وہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص نہیں لے لیں گے، اس وقت تک وہ نہ تو اپنی بیویوں کے پاس جائیں گے، اور نہ ہی وہ بستر پر سوئیں گے، اور جو آدمی

---

❶ ابن اثیر: ۳/ ۱۴۱۔ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۵۳.

❷ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۵۳.

Marfat.com

قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کے آڑے بھی آئے گا، اس سے بھی جنگ کریں گے۔

چنانچہ جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ نے شام میں جو کچھ دیکھا اس کی رپورٹ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو پیش کردی اور کہا کہ شام کے تمام لوگ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کے بارے میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں اور وہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت پر روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا ان کی شہادت میں ہاتھ ہے اور انھوں نے ان کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے۔ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ واقعات سن کر مالک الاشتر لال پیلا ہوگیا اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا میں نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ اس کو قاصد بنا کر نہ بھیجیں۔ اگر آپ مجھے قاصد بنا کر بھیجتے تو میں اس سے بہتر بات چیت کر کے آتا جو اچھے نتائج کی حامل ہوتی۔ اس کی یہ بات سن کر سیّدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بڑے میاں! اگر آپ وہاں چلے جاتے تو وہ لوگ آپ کو زندہ واپس نہ آنے دیتے، کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ تم قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ میں سے ہو۔ مالک الاشتر نے آگے سے کچھ الٹا ہی جواب دیا، جس پر سیّدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ غضب ناک ہو کر چلے گئے اور قرقیسیا میں اقامت پذیر ہوگئے اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی اس بات چیت سے مطلع کر دیا۔

یہ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے حامی تھے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی باتوں سے غیر مطمئن ہو کر ان سے الگ ہو جانا، یہ بتاتا ہے کہ وہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مؤقف میں زیادہ وزن محسوس کرتے تھے۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ مصالحت کی کوششیں رائیگاں سمجھتے ہوئے جنگ کی تیاریاں بڑے زور و شور سے کرنا شروع کر دیں اور اپنے تمام گورنروں اور حکام کو ملک کے دور دراز حصوں سے جنگ میں شرکت کے لیے خطوط لکھے، جس سے قریباً اسّی (۸۰) ہزار آدمیوں کا لشکر تیار ہوگیا۔ [1]

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جوابی کارروائی:

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب پتہ چلا کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں تو آپ نے بھی جوابی کارروائی کے طور پر جنگ کے انتظامات کرنے شروع کر دیے۔ آپ کا ارادہ بالکل جنگ کرنے کا نہیں تھا، کیوں کہ آپ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے حریف نہیں تھے، بلکہ آپ کا ایک جائز مطالبہ تھا کہ

---

[1] البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۵۳۔ ابن اثیر: ۳/ ۱۴۱۔ ۴۲۰.

Marfat.com

قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لیا جائے۔ چنانچہ آپ نے بھی جوابی کارروائی کے طور پر جنگ کے انتظامات کرنے شروع کر دیے۔ آپ کا ارادہ بالکل جنگ کرنے کا نہیں تھا۔ آپ تو صرف قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینا چاہتے تھے۔ آپ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقام سے بھی بخوبی آشنا تھے اور کبھی اپنے کو ان سے افضل اور بہتر نہیں سمجھا۔ چنانچہ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ؛

''سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت سے انکار نہیں کیا تھا اور نہ ہی خلافت میں ان کے استحقاق کا انکار کیا تھا، لیکن ان کا اجتہاد یہ تھا کہ بیعت سے پہلے قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینا ضروری ہے، اور وہ اپنے کو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کو طلب کرنے کا زیادہ حق دار سمجھتے تھے۔'' ❶

یہی بات حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھی ہے۔ ❷

اس کے برعکس سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا مؤقف یہ تھا کہ خونِ عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کرنے والے حضرات پہلے میری بیعت کریں، پھر مطالبۂ قصاص پیش کریں۔ ❸

شاید مطالبۂ قصاص کرنے والے حضرات سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی اس بات کو تسلیم کر لیتے، لیکن جب وہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر اور کاروبارِ حکومت میں شریک دیکھتے تو وہ یہ سمجھتے کہ آپ کی بیعت کرنے کے بعد بھی ہمارا مطالبہ نہیں مانا جائے گا۔ لیکن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کسی صورت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ؛

((لم یکن معاویة ممن یختار الحرب ابتداء بل کان من اشد الناس حرصًا علی ان لا یکون قتال .)) ❹

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے (صفین کی) جنگ کی ابتداء نہیں کی تھی، بلکہ آپ تو اس بات کے سب سے زیادہ خواہش مند اور حریص تھے کہ یہ قتال اور خون ریزی نہ ہو۔''

آپ کی یہ ساری تیاری صرف مدافعانہ تھی نہ کہ جارحانہ۔ آپ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقام اور مرتبہ سے بخوبی آشنا تھے، جیسا کہ آپ نے کئی مواقع پر اپنی زبان سے اس کا اقرار بھی کیا، لیکن ادھر سیّدنا

---

❶ الفصل فی الملل والاهواء والنحل: ٤/ ١٦٠.
❷ البدایه والنهایه: ٨/ ١٢٧.
❸ ملاحظہ ہو: مجموع الفتاویٰ: ٣٥/ ٧٢.
❹ منهاج السنّه: ٢/ ٢١٩.

Marfat.com

علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں مالک الاشتر، محمد بن ابی بکر اور کنانہ بن بشر وغیرہ سبائی سرغنہ قائدانہ حیثیت سے شامل تھے، اس وجہ سے وہ مسلمانوں کے دو گروہوں کو بہر صورت جنگ کی آگ کی بھٹی میں جھونکنا چاہتے تھے، کیوں کہ یہی ایک ذریعہ تھا، جس سے قتل عثمانؓ کے بعد ان کی جان بچ سکتی تھی۔

اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف:

دونوں طرف سے جنگ کی تیاریوں کو دیکھ کر مخالفین اور بہی خواہانِ اُمت کو پھر صدمہ اور پریشانی لاحق ہوئی، کیوں کہ ابھی تک جنگِ جمل کے شہداء کا خون بھی خشک نہیں ہوا تھا کہ دوسرا خون ریز مرحلہ اُمت کے سامنے پیش آ گیا۔ یہ جنگ بھی کفر و اسلام کے درمیان نہیں تھی، بلکہ جنگِ جمل کی طرح اکابر اُمت کے درمیان تھی۔ اس لیے اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس آگ سے اپنے دامن کو بچانے کی پوری کوشش کی اور اکثر اس میں کامیاب بھی ہو گئے۔ اہلِ مدینہ نے بھی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ طبری نے لکھا ہے کہ؛

((فاشتد علیٰ اهل المدينة الامر فتثاقلوا .)) ❶

''اہلِ مدینہ کے لیے یہ مسئلہ بہت مشکل ہو گیا اور انھوں نے ہر ممکن طریق سے اپنا پہلو بچایا۔''

ابن اثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ؛

((فندب اهل المدينة لمسيرهم فتثاقلوا .)) ❷

''اہلِ مدینہ کو ساتھ چلنے کے لیے آپ نے بلایا، لیکن انھوں نے اپنا پہلو بچایا۔''

جافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اور زیادہ واضح الفاظ میں اہلِ مدینہ کے طرزِ عمل کو بیان کیا ہے۔ لکھا ہے کہ؛

''سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب اہلِ شام سے جنگ کرنے کا عزم کیا تو انھوں نے اہلِ مدینہ کو ساتھ چلنے کے لیے کہا، لیکن انھوں نے انکار کیا۔'' (فابوا علیه) ❸

اس کے بعد آپ نے انفرادی طور پر مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ساتھ چلنے کی اپیل کی۔

---

❶ طبری: ٥/ ١٦٤.
❷ ابن اثیر: ٣/ ١٠٥.
❸ البدایه والنهایه: ٧/ ٢٣٠.

Marfat.com

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بلایا اور ان کو ساتھ چلنے کی ترغیب دی۔ آپ نے کہا:

''میں اہلِ مدینہ میں سے ہوں، اگر وہ اس معاملہ میں شامل ہوئے تو میں بھی شرکت کروں گا، لیکن اگر انھوں نے شرکت نہ کی تو پھر میں بھی شرکت نہیں کروں گا، اور اگر وہ بیٹھ گئے تو میں بھی بیٹھ جاؤں گا۔'' ❶

چنانچہ جب سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اہلِ مدینہ کی طرف رجوع کیا، تو ان کو یہ کہتے ہوئے پایا:

''بخدا! ہمیں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ہم کیا کریں اور یہ معاملہ ہم پر مشتبہ ہو گیا ہے۔ جب تک معاملہ واضح نہ ہو جائے، اس وقت تک ہم اس بارے میں کچھ فیصلہ نہیں کر سکتے۔''

اہلِ مدینہ کا یہ جواب سن کر آپ رات کی تاریکی میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور جنگ صفین میں شرکت سے اپنے کو بچا لیا۔

خود سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اہلِ شام کے ساتھ جنگ کرنے کے سخت مخالف تھے، اور انھوں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ کہہ دیا:

''ابا جان! آپ اس ارادہ کو ترک فرما دیں، کیوں کہ اس میں مسلمانوں کی خون ریزی اور باہمی اختلاف کے سوا اَور کچھ نہیں۔''

لیکن سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کے اس مشورہ کو قبول نہ فرمایا اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ❷

جنگِ جمل کی خون ریزی کے موقع پر بھی جب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے بصد حسرت و یاس اپنے صاحبزادے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

((لیت اباك مات منذ عشرین سنة .))

''کاش تیرا باپ آج سے بیس سال قبل اس دنیا سے انتقال کر گیا ہوتا (اور آج یہ خون ریزی نہ دیکھتا۔)''

جواب میں سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ابا جان! کیا میں نے آپ کو پہلے ہی منع نہیں کیا تھا؟''

آپؓ نے فرمایا:

---

❶ ابن اثیر: ۳/ ۱۰۵.

❷ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۲۹.

Marfat.com

''بیٹا! مجھے تصور بھی نہیں تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا۔''❶

سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ ہمارے ساتھ چلیں اور کوفہ کے لوگوں کو ہمارے ساتھ چلنے کے لیے کہیں۔ آپ نے بھی ساتھ چلنے سے انکار فرمادیا اور فرمایا کہ میرے آقا و مولا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک فتنہ برپا ہوگا۔

''اس فتنہ کے زمانے میں سویا ہوا جاگنے والے سے بہتر ہے اور جاگنے والا بیٹھنے والے سے بہتر ہے اور بیٹھا ہوا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہے اور سوار دوڑنے والے سے بہتر ہے، لہٰذا تم لوگ اپنی تلواروں کو نیاموں میں کرلو اور اپنے نیزوں کو کند کرلو، یہاں تک کہ فتنہ فرو ہو جائے۔''❷

غرضیکہ انھوں نے بھی اس کش مکش سے پہلو تہی کی۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بڑے بھائی سیّدنا عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی آپ کی اس روش کو دیکھ کر اور یہ دیکھ کر کہ آپ کے لشکر میں اکثریت قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ اور ان لوگوں کی ہے جو مملکتِ اسلامیہ میں فتنہ وفساد کا باعث ہوئے ہیں، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر سیّدنا معاویہؓ کے پاس شام چلے گئے۔ چنانچہ ایک شیعی مؤرخ نے لکھا ہے:

((وفارق (عقيل) اخاه عليًا امير المؤمنين فى ايام خلافته وهرب الىٰ معاوية وشهد صفين معه .))❸

''اور عقیل اپنے بھائی علی رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین سے ان کے ایام خلافت میں علیحدہ ہوگئے اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام چلے گئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے ساتھ مل کر آپ نے (علی رضی اللہ عنہ سے) صفین کی جنگ لڑی۔''

ان اکابر کے سوا اور کئی ایک دوسرے حضرات بھی اس بات کے قطعاً حامی نہیں تھے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اہلِ شام سے جنگ کریں۔

---

❶ البدايه والنهايه: ٧/ ٢٤٠.

❷ البدايه والنهايه: ٧/ ٢٣٥ـ ٢٣٦.

❸ عمدة الطالب فى انساب آل ابى طالب، ص: ١٥.

Marfat.com

مصالحت کی ایک اور کوشش:

ادھر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگی تیاریوں کو دیکھ کر شام کے مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں کی رائے یہ تھی کہ معاملہ کو خط کتابت یا زبانی بات چیت کے ذریعے طے کیا جائے اور کوئی ایسا قدم نہ اُٹھایا جائے جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے خون کی ارزانی ہو۔ چنانچہ وہاں کے ایک عابد شب زندہ دار اور دردمند بزرگ ابومسلم الخولانی چند مسلمانوں کی معیت میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا:

((انت تنازع علیًا، هل انت مثله؟))

''ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے برسرپیکار ہونا چاہتے ہیں، کیا آپ اپنے کو ان کے ہم پایہ سمجھتے ہیں؟''

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''خدا کی قسم! میں اپنے کو علی رضی اللہ عنہ کے برابر ہرگز نہیں سمجھتا، بلکہ میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے افضل ہی ہیں اور امر خلافت میں مجھ سے زیادہ حق دار ہیں، لیکن کیا تم لوگ نہیں جانتے کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید ہوئے ہیں اور میں ان کا چچازاد بھائی ہوں اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا طلب گار ہوں، لہٰذا تم علی رضی اللہ عنہ سے جا کر کہو کہ اگر وہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کی طاقت نہیں رکھتے تو انھیں ہمارے حوالے کر دیں، ہم خود ان سے قصاص لے لیں گے۔ پھر دیکھیں کہ میں کیسے ان کی اطاعت اور فرمان برداری کرتا ہوں اور ان کی خلافت کو تسلیم کرتا ہوں۔'' ❶

ابومسلم خولانی رحمہ اللہ کے دل میں ایک تڑپ تھی اور اُمت کے لیے ایک درد تھا۔ وہ اس معاملہ کو خون ریزی کے بغیر نپٹانا چاہتے تھے، لہٰذا انھوں نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ یہ سب مطالبات مجھے لکھ دیں، میں خود سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا ہوں اور ان سے زبانی گفتگو کر کے آپ کے یہ مطالبات منوانے کی کوشش کرتا ہوں۔ ابومسلم خولانی کے کہنے پر آپ نے ان مطالبات کو الفاظ کا جامہ پہنایا اور ایک خط کی شکل میں ابومسلم الخولانی کے ہاتھ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاں روانہ کیا:

''امابعد! سیّدنا عثمان امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں آپ کی موجودگی میں شہید کیے

---

❶ تاریخ الاسلام للذهبی: ۲/ ۱٦۸.

Marfat.com

گئے، آپ ان کے گھر کا شور وغل اور آہ و بکا سنتے رہے، لیکن اپنے قول وعمل سے اس کا کوئی مداوا نہ کیا۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ آپ اگر اخلاص اور سچائی سے ان کی مدافعت کرتے اور دشمنوں کو ان کے قتل سے روکتے تو آج نہ تو ہمیں آپ کی خلاف کوئی شکایت ہوتی اور نہ ہی آپ کی مخالفت کی جاتی۔

دوسرا الزام آپ پر یہ ہے کہ آپ نے قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے ہاں پناہ دی ہوئی ہے، اور آج وہ آپ کے دست و بازو اور مشیر کار ہیں۔ ہمارے کانوں تک یہ بات بھی پہنچی ہے کہ آپ قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے اور آپ اپنے اس دعوے میں سچے اور صادق ہیں تو قاتلانِ عثمانؓ کو ہمارے حوالہ کردیں، (اگر آپ خود قصاص پر قدرت نہیں رکھتے) اور اے علیؓ! آپ یقین رکھیے، ہم سب سے پہلے آپ کی بیعت کے لیے تیار ہیں، لیکن اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو ہمارے پاس اس کا جواب صرف تلوار ہے۔ خدائے بزرگ و برتر کی قسم! ہم بحر و بر سے قاتلانِ عثمانؓ کو تلاش کر کے ان سے انتقام لیں گے یا پھر خود اپنی جان جان آفرین کے سپرد کردیں گے۔"

سیّدنا ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ خط لے کر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے۔ خط پیش کیا اور خط کے ساتھ زبانی بھی سارے حالات بیان کردیے اور پورا پورا یقین دلایا کہ یہ منصب ہم کسی دوسرے کے لیے پسند نہیں کرتے۔ آپ اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لیں، کیوں کہ وہ مظلوم شہید کیے گئے، لیکن اگر آپ اُن سے قصاص لینے کی قدرت نہیں رکھتے تو آپ انھیں ہمارے حوالے کردیں، اس طرح سے سب لوگ آپ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرلیں گے اور آپ کے مخالفین کے ساتھ ہم خود آپ کے دست و بازو اور اعوان و انصار بن کر لڑیں گے۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ کی یہ سب باتیں نہایت غور سے سنیں۔ آپ نے اس روز تو ابو مسلم کو کوئی جواب نہ دیا اور فرمایا کہ کل اس کا جواب دوں گا۔ دوسرے روز ابو مسلم جامع مسجد کوفہ میں جب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے ملنے کے لیے گئے تو دیکھا کہ دس ہزار مسلح افراد یہ نعرے لگا رہے ہیں: ((کلنا قتلة عثمان .)).....''ہم سب قاتلانِ عثمان ہیں۔''

Marfat.com

یہ دیکھ کر ابو مسلم رحمہ اللہ نے کہا: ''معلوم ہوتا ہے کہ ان کو میرے آنے کی وجہ معلوم ہوگئی ہے اور انھوں نے اپنے تحفظ اور بچاؤ کے لیے یہ تدبیر سوچی ہے۔ بعدازیں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے زبانی ابو مسلم سے کہا کہ قاتلوں کو ان لوگوں کے حوالے کرنا میرے لیے ممکن نہیں ہے، لہٰذا میں مجبور ہوں۔ اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خط کا حسب ذیل تحریری جواب دیا:

''معاویہ! قتل عثمان رضی اللہ عنہ سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں اس سے بالکل بری الذمہ ہوں۔ نہ میں نے کسی کو ان کے خلاف بھڑکایا اور نہ ہی کسی کی معاونت کی ہے۔ ہاں جب ہنگامہ نے زیادہ خطرناک صورت اختیار کرلی تو میں خانہ نشین ہوگیا۔ میرے خیال میں قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کے مطالبہ کو آپ اپنے مقصد کے حصول کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں۔ اگر آپ اس فتنہ انگیزی سے باز نہ آئے تو جو سلوک باغیوں سے کیا جاتا ہے، وہی آپ سے کیا جائے گا۔'' ❶

گشتی مراسلہ:

اس کے بعد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے تمام عالم اسلام کو وہ اسباب اور وجوہات لکھ بھیجیں، جنھوں نے انھیں اس بات پر مجبور کیا اور انھیں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے گورنروں اور حکام کے نام بھی روانہ کیا۔ آپ نے اس مراسلہ میں لکھا:

''تم لوگ اطاعت و جماعت کی طرف دعوت دیتے ہو۔ وہ جماعت جس کی طرف تم دعوت دیتے ہو وہ ہمارے ساتھ ہے۔ رہی تمھارے دوست کی اطاعت سو وہ ہم پر فرض نہیں، کیوں کہ تمھارے صاحب (سیّدنا علی رضی اللہ عنہ) نے ہمارے خلیفہ کو قتل کرایا، ہماری جماعت میں انتشار پیدا کیا۔ ہمارے خلیفہ کے قاتلوں کو پناہ دی اور ان کو اپنے ہاں بڑے بڑے عہدوں سے نوازا۔ تمھارا رفیق کہتا ہے کہ میں قتل عثمان سے بری ہوں۔ ہم اس کی تردید نہیں کرتے، لیکن کیا تم لوگوں نے عثمانؓ کے قاتلوں کو دیکھا ہے؟ کیا وہ علی رضی اللہ عنہ کے دوست نہیں ہیں؟ کیا وہ ان کو اپنے دامن میں پناہ نہیں دے رہے ہیں؟ تمھارے امام کا

---

❶ اخبار الطوال، ص: ۱۷۳۔ ۱۷٤ ملخصًا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۲۹۔ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۳۔ تاریخ الاسلام ذہبی: ۲/ ۱٦۸۔ تاریخ دمشق: ۱٦/ ۷۱۰.

Marfat.com

فرض ہے کہ وہ ان قاتلوں سے قصاص لے اور اگر خود قصاص لینے پر قدرت نہیں رکھتے تو ان قاتلوں کو ہمارے حوالے کریں تا کہ ہم خلیفۃ المسلمین کے قتل کا قصاص لیں اور پھر اطاعت و جماعت کی طرف لبیک کہیں۔'' ❶

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس گشتی مراسلہ نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے بڑی مشکل پیدا کر دی، جس کا حل بہت دشوار تھا، کیوں کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینا یا ان کو طالبانِ قصاص کے حوالے کرنا آسان کام نہیں تھا، جب کہ وہی لوگ آپ کے دست و بازو اور اعوان و انصار تھے۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو تمام لوگوں میں شک کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے، جس سے آپ کی پوزیشن مخدوش ہونے کا قوی احتمال تھا، خواہ اس سانحہ میں آپ کا دخل ہو یا نہ ہو۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس گشتی مراسلہ کا ایسا جواب دیا، جس سے لوگوں کے دل مطمئن نہ ہوئے۔ کیوں کہ آپ اس الزام کو واضح طور پر رفع نہ کر سکے، جو کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ پر لگایا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے اعوان و انصار کی ایک کافی تعداد آپ سے کٹ گئی۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص پر اتنا زور کیوں دیتے تھے؟ یہ حق تو ورثاء کا تھا۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایک تو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے۔ دوسرے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بیٹے سیّدنا ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ بھی طلبِ قصاص میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ اس لیے انھیں طلبِ خون عثمانؓ کا پورا پورا حق تھا۔ چنانچہ آپ نے ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ کو بھی کہا تھا:

((انا ابن عمه وانا اطلب بدمه وامره الی .....)) ❷

''یعنی میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا چچا زاد بھائی ہوں اور یہ معاملہ (طلب قصاص) والیوں نے میرے سپرد کیا ہے۔ اس وجہ سے میں مقتول کے خون کا مطالبہ کر رہا ہوں۔''

ایک شیعہ مؤرخ سلیم بن قیس ہلالی نے بھی لکھا ہے:

((ان معاوية يطلب بدم عثمان ومعه ابان بن عثمان وولد

---

❶ طبری: ۵/ ۲۳۷.

❷ البدایه والنهایه: ۸ / ۱۲۹.

Marfat.com

عثمان .))

''بے شک معاویہ رضی اللہ عنہ خونِ عثمانؓ کا قصاص طلب کرتے تھے اور اس مطالبہ میں ان کے ساتھ ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دوسرے صاحبزادے بھی شامل تھے۔''

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی شام روانگی:

دونوں حضرات اپنی اپنی بات پر اَڑے ہوئے تھے اور مصالحت کی سب تدبیریں ناکام ہوگئیں۔ جس کے نتیجہ میں وہ ہنگامہ پیش آ گیا، جس سے بچنے کے لیے یہ سب کچھ کیا جا رہا تھا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مطالبہ سے باز نہیں آ رہے ہیں تو آپ نے سیّدنا ابومسعود انصاری کو کوفہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرما کر ذی الحجہ سنہ ۳۶ھ میں اَسّی ہزار فوج کے ساتھ کوفہ سے شام کی طرف کوچ کیا۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس لشکر میں ستر (۷۰) بدری صحابہ، سات سو بیعت رضوان کے شرکاء اور چار سو عام مہاجر و انصار تھے۔ ❶ لیکن یہ روایت درست نہیں ہے۔ حافظ ابن کثیر نے امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا اس بارے میں ایک قول نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: ''فتنہ اُٹھا اور اصحاب رسولؐ اس وقت دس ہزار تھے، لیکن ان میں سے سو بھی اس میں شامل نہ تھے، بلکہ تیس بھی نہیں تھے۔'' ❷ اور امام شعبہ رحمہ اللہ سے جب یہ کہا گیا کہ ابوشیبہ کہتے ہیں کہ جنگ صفین میں ستر (۷۰) بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شرکت کی، تو امام شعبہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ((كذب ابو شيبه .)) ..... ''یعنی ابوشیبہ سے غلطی ہوگئی ہے۔'' شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اصحابِ بدر شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خانہ نشین ہوگئے اور وہ اپنی قبروں کے سوا اور کہیں نہ نکلے۔ ((فلم يخرجوا اِلاَّ الىٰ قبورهم .)) ❸

علاوہ ازیں اور روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنگ صفین میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتنی بڑی تعداد نہیں تھی، جتنی کہ بیان کی جاتی ہے۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی روانگی کے بارے میں سن کر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شام سے نکل

---

❶ اليعقوبى: ۲/ ۲۱۸.

❷ البدايه والنهايه: ۷/ ۲۵۲.

❸ البدايه والنهايه: ۷/ ۲۵۳.

Marfat.com

پڑے۔ ان کا مقدمۃ الجیش ابوالاعور اسلمی کی زیر قیادت تھا۔ راستہ میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہراول دستہ دستہ سے مڈھ بھیڑ ہوگئی۔ ابوالاعور اسلمی نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھنے سے روکا، جس سے معاملہ بڑھ گیا۔ علوی لشکر کے افسر زیاد بن نضر اور شریح بن ہانی نے سارا دن نہایت بہادری اور جانبازی سے مقابلہ کیا۔ اسی اثناء میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج سے مالک الاشتر النخعی کمک لے کر آ گیا۔ ابوالاعور نے حالات کی نزاکت کے تحت رات کی تاریکی میں اپنی فوج کو پیچھے ہٹالیا اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج کی آمد کی اطلاع دی۔ انھوں نے صفین کے میدان کو مدافعت کے لیے منتخب کیا اور وہاں اپنے ڈیرے جما دیے۔

ایک من گھڑت روایت:

غرض دریائے فرات کے کنارے صفین کے میدان میں دونوں فوجیں اتر پڑیں۔ الدینوری نے اخبار الطوال میں، مسعودی نے مروج الذھب: ۱۸۶/۲ میں، طبری نے اپنی تاریخ: ۲۴۰/۵ میں اور ابن اثیر: ۱۴۵/۳ میں اور ابن طقطقی نے اپنی کتاب الفخری، صفحہ: ۸۲ پر روایات نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ؛ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہلے جا کر دریائے فرات کے پانی پر قبضہ کرلیا تھا اور انھوں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکریوں کا پانی بند کر دیا تھا۔ اور جب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکریوں کو زیادہ پیاس لگی تو انھوں نے اشعث بن قیس الکندی کی قیادت میں ایک جماعت کو بھیجا، تاکہ وہ پانی لائے، لیکن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکریوں نے کہا:

((موتو اعطشًا کما منعتم عثمان الماء .))

''پیاسے مرو، جس طرح تم لوگوں نے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر پانی بند کیا تھا۔''

اس پر دونوں طرف سے پہلے نیزہ بازی ہوتی رہی اور بعد میں تلواروں کی جھنکار پڑی اور کئی سو آدمی شہید ہوگئے، یہاں تک کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپاہیوں سے گھاٹ کو واگذار کرالیا گیا۔

یہ روایت ایسی ہے کہ نہ تو اس کی کوئی سند ہے اور نہ ہی درایت کے لحاظ سے یہ درست ہے۔ یار لوگوں نے فراغت سے ایسی روایات گھڑی ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو کہ قرآن حکیم کے اوّلین راوی ہیں، ان کے مقام کو لوگوں کے دلوں سے نکالنے کے لیے یہ ایک سازش کی گئی ہے، کیوں کہ قرآن و حدیث کو مخدوش اسی صورت میں کیا جاسکتا ہے، جب کہ پہلے صحابہ کرامؓ کے مقام کو مخدوش کیا جائے۔

Marfat.com

کتنے ظالم اور دین کے دشمن ہیں، وہ لوگ جو ایسی غیر معتبر روایات پر یقین کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین و تنقیص کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

حلم سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خاص صفت تھی۔ آپ تو قصور وار کو بھی اپنے حلم کی بنا پر معاف کر دیتے تھے، چہ جائیکہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں وہ خود فرماتے ہیں کہ وہ مجھ سے افضل ہیں۔ ❶ بھلا ان کے ساتھ آپ ایسا کر سکتے تھے؟ آپ کا تو ارادہ ہی جنگ کا نہ تھا۔ آپ تو صرف دفاع کے لیے آئے تھے۔ نہ آپ کا مقصد سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو شکست دینا تھا اور نہ ہی ان کا پانی بند کر کے ان کو رسوا یا ذلیل کرنا تھا۔ پھر نہ تو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس قدر ناعاقبت اندیش تھے اور نہ ہی دریا اتنا چھوٹا تھا کہ صرف گھاٹ پر قبضہ کرنے سے پورا دریا ان کے قبضہ میں آ جاتا۔ ایسی روایات گھڑنے والوں میں معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے عقل بھی کم رکھی ہوتی ہے، یا پھر کسی کی دشمنی اور کسی کی محبت میں ویسے ہی کم ہو جاتی ہے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بردباری اور حلم پر اپنے تو کیا غیروں نے بھی گواہی دی ہے۔ چنانچہ ابن طقطقی شیعہ ہونے کے باوجود سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے تدبر، حلم و بردباری اور فراست اور بصیرت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

> ''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک دنیا شناس، دانش مند، صاحب حلم و فراست، بردبار، اعلیٰ درجہ کا سیاست دان بہترین منتظم اور فصیح و بلیغ انسان تھے۔ نرمی کے وقت نرمی اور سختی کے موقع پر سختی سے کام لیتا تھا، لیکن بردباری کا پہلو اس میں غالب تھا۔ اشراف قریش میں سے ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر، ابن جعفر، ابن ابی بکر اور ابان بن عثمان رضی اللہ عنہم جیسے بزرگ اس کے پاس حاضر ہوتے۔ بعض دفعہ اگر کوئی سخت لفظ بھی کہہ دیتا تو معاویہ رضی اللہ عنہ کبھی تو ہنسی خوشی میں ٹال دیتے اور کبھی اغماض و چشم پوشی سے کام لیتے۔ مزید برآں آپ ان کو بڑے بڑے انعامات سے نوازتے۔'' ❷

یہی مصنف آگے لکھتا ہے:

> ''اسی اعلیٰ کردار کی بدولت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عالم اسلام کے خلیفۃ المسلمین بننے میں کامیاب ہو گئے، اور تمام مہاجرین و انصار نے آپ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ امیر معاویہؓ اپنی

---

❶ تاریخ الاسلام ذهبی: ۲/ ۱٦۸.

❷ الفخری، ص: ۷۳۔ ۷٤.

Marfat.com

دانش مندی اور زیرکی کی بدولت ہی عرب کی شہرۂ آفاق اور زیرک شخصیت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہوگئے، حالانکہ ان دونوں میں کسی قسم کی دلی الفت اور محبت موجود نہ تھی۔'' ❶

آپ کی بردباری، حلم اور زیرکی کے بارے میں پروفیسر ھٹی (Hitti) نے بھی اپنی کتاب: ''History of The Arabs'' میں تفصیل سے لکھا ہے۔

جب آپ اس قدر بردبار اور شہرۂ آفاق زیرک تھے تو عقلی طور پر یہ بعید ہے کہ آپ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے دریائے فرات کا پانی بند کر دیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُنھی لوگوں کی بنائی ہوئی روایت ہے، جنھوں نے یزید کے بارے میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ اس نے سیّدنا حسینؓ پر دریائے فرات کا پانی بند کر دیا تھا۔

یہ روایت جن لوگوں نے گھڑی ہے، انھوں نے لکھا ہے کہ فرات کے پانی پر قبضہ کرنے کا مشورہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیّدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ اور سیّدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے دیا تھا، لیکن تاریخ کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ دونوں حضرات جنگ صفین میں شریک ہی نہیں تھے۔ ❷ بلکہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے تو عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ کے بارے میں صاف طور پر لکھا ہے کہ: ((هو معتزل عليًّا ومعاوية .)) ❸ ..... ''وہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مشاجرت کے زمانہ میں دونوں سے الگ رہے۔''

میدانِ جنگ میں مصالحت کی کوشش:

اگرچہ دونوں فوجیں میدانِ صفین میں آمنے سامنے ڈیرے جمائے ہوئے تھیں، لیکن حال یہ تھا کہ دونوں میں کوئی قلبی کدورت دیکھنے میں نہیں آتی تھی۔ دونوں فریق آپس میں ہنسی خوشی ملتے تھے اور کوئی فریق بھی ایسی بات نہیں کرتا تھا، جس سے دوسرے کے جذبات مجروح (Hurt) ہوں۔ اور یہ تو کسی کے ذہن میں بھی نہیں تھا کہ اس دریا میں کسی روز پانی کے بجائے خون بہے گا۔ سبائی اپنی سازشوں میں مصروف تھے اور وہ فریقین کے درمیان اختلافات کی خلیج کو یہاں تک وسیع کرنا چاہتے

---

❶ الفخری، ص: ٧٥.
❷ ملاحظہ ہو: ابن اثیر: ٣/ ٢٨٤۔ الاستیعاب: ١/ ٣٨٢۔ ٢/ ٦٠٥.
❸ البدایہ والنہایہ: ٧/ ٣١١.

Marfat.com

تھے کہ دونوں پارٹیاں برسرِ پیکار ہو جائیں، لیکن اس کے برعکس دونوں پارٹیوں کے مخلص اور خیر خواہانِ اُمت اس بات کی کوشش اور تگ و دو میں مصروف تھے کہ کسی نہ کسی صورت میں دونوں فریقوں میں مصالحت ہو جائے۔

اس وجہ سے مصالحتی مشن دونوں طرف سے کام کرنے لگے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے جنگ شروع ہونے سے قبل بشیر بن عمرو بن محصن انصاری، سعید بن قیس الہمدانی اور شیث بن ربعی التیمی کو بلایا اور ان سے کہا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر بیعت کرنے کے لیے کہو۔ یہ تینوں حضرات سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور بشیر بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ نے ابتدائے کلام کرتے ہوئے کہا:

''معاویہؓ! یہ دنیا زائل ہونے والی ہے اور بالآخر آپ کو آخرت کی طرف لوٹنا ہے، اور اللہ ربّ العزت آپ کے اعمال کا محاسبہ کریں گے اور اس کو جزاء دیں گے۔ میں آپ کو اس اُمت میں تفریق پیدا کرنے اور ان کے درمیان خون ریزی سے روکتا ہوں.....''

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سلسلۂ کلام کو منقطع کرتے ہوئے فرمایا:

((هل لا اوصيت بذالك صاحبك؟))

''کیا آپ نے کبھی اپنے رفیق (سیّدنا علی رضی اللہ عنہ) کو یہ نصیحت نہیں کی، (جو آپ مجھے کر رہے ہیں؟)

بشیر بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میرا رفیق آپ کی طرح نہیں، میرا رفیق اس امر میں سب سے زیادہ مستحق ہے، علم و فضل میں، دین میں، مسابقت فی الاسلام میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت میں۔''

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اچھا کہیے! آپ کیا کہہ رہے تھے؟''

بشیر بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا:

''.....میں آپؓ کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے لیے کہتا ہوں، اور میں آپ کو کہتا ہوں کہ آپ اپنے چچازاد بھائی علی رضی اللہ عنہ کی دعوتِ حق کو قبول کریں، اسی میں آپ کے لیے اس دنیا میں بھی بہتری ہے اور عاقبت میں بھی خیر و عافیت ہے۔''

Marfat.com

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بہت اطمینان سے بشیر بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ کی گفتگو سنی۔ بشیر رضی اللہ عنہ کی بات کے اختتام پر آپؓ نے فرمایا:

''کیا ہم عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خون کے قصاص کا مطالبہ چھوڑ دیں؟ ہرگز نہیں، بخدا! میں کبھی ایسا نہیں کروں گا۔''

بشیر بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ کے دوسرے ساتھیوں سعید بن قیس الہمدانی اور شیث بن ربعی التیمی نے بھی باری باری آپ سے گفتگو کی، لیکن یہ بات چیت کوئی نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی اور معاملہ جہاں تھا وہیں رہا۔ [1]

دونوں طرف علماء و فضلاء اور قرآن کے حفاظ کی ایک جماعت موجود تھی، جو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اس خون ریزی کو ناپسند اور مکروہ جانتی تھی۔ اس جماعت نے لگاتار تین ماہ تک اس جنگ کو روکے رکھا۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے طبری کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ، یزید بن قیس رضی اللہ عنہ، شیث بن ربعی اور زیاد بن حفصہ کو ایک وفد کی شکل میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس مصالحت کی گفتگو کے لیے بھیجا۔ یہ چاروں اس وقت آپ کے پاس پہنچے جب کہ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ آپ کے پاس تشریف فرما تھے۔ سیّدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے بات کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:

''معاویہؓ! ہم آپ کو اس بات کی طرف دعوت دینے آئے ہیں، جس پر اللہ تعالیٰ نے ہم کو اکٹھا کیا ہے اور جس کی وجہ سے خون محفوظ ہیں اور راستے پر امن ہیں اور آپس میں صلح و آشتی ہے، (یعنی خلافت کا معاملہ) آپ کے چچا زاد بھائی (علی رضی اللہ عنہ) سیّد المسلمین ہیں اور سبقت الاسلام میں افضل ترین اور اسلام پر چلنے میں بہترین۔ لوگ ان پر اکٹھے ہو گئے ہیں، سوائے آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے۔''

پھر انھوں نے ذرا سختی اور دھمکی آمیز لہجے میں کہا:

''معاویہؓ! باز آ جا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو جنگ جمل والوں کی طرح مصائب سے دوچار ہونا پڑے۔''

---

[1] ابن اثیر: ۲/ ۱۴۶.

Marfat.com

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی قریش کے سپہ سالار کے بیٹے تھے اور خود بھی ساری زندگی اسی راہ کی بادہ پیمائی کرتے رہے۔ وہ بھلا ان دھمکیوں سے کب مرعوب ہونے والے تھے۔ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی بات کا یہ آخری جملہ سن کر فرمانے لگے:

((کانك انّما جئت مهددًا ولم تات مصلحًا .....)) ❶

''(معلوم ہوتا ہے کہ) تم تہدید اور دھمکی دینے کے لیے آئے ہو، اصلاح کی خاطر نہیں آئے ..... افسوس ہے تم پر اے ابن حاتم! بخدا! میں بھی ابن حرب ہوں۔ تم مجھے ان دھمکیوں سے نہیں ڈرا سکتے۔''

پھر شبث بن ربعی رضی اللہ عنہ اور زیاد بن حفصہ نے بات کی اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت آپ کو یاد دلائی۔ ان سب کی باتوں کو آپ نے بغور سنا اور پھر فرمایا:

''آپ لوگ مجھے جماعت اور بیعت کی طرف دعوت دے رہے ہیں، جماعت تو ہمارے ساتھ بھی ہے۔ باقی رہ گئی بیعت اور اطاعت، سو میں کیسے ایسے شخص کی اطاعت کروں، جس نے قتل عثمان رضی اللہ عنہ پر اعانت کی ہو۔ ان کا خیال ہے کہ انھوں نے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا ہے، ہم ان کے اس دعویٰ کی نہ تو تردید کرتے ہیں اور نہ ہی ان کو اس بارے میں متہم قرار دیتے ہیں، لیکن یہ تو ہے کہ انھوں نے قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے ہاں پناہ دی ہوئی ہے، پس وہ ان کو ہمارے حوالے کر دیں تا کہ ہم ان سے قصاص لیں، پھر ہم آپ کی اطاعت اور جماعت کے دعویٰ پر لبیک کہیں گے۔''

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا جواب سن کر یہ لوگ واپس آ گئے اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس معاملہ سے آگاہ کر دیا۔

اس کے بعد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حبیب بن مسلمہ الفہری رضی اللہ عنہ، شرحبیل بن السمط اور معن بن یزید الاخنس کو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ حبیب بن مسلمہ نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے آغازِ کلام کرتے ہوئے کہا:

''بے شک عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ایک ہدایت یافتہ خلیفہ تھے۔ انھوں نے کتاب اللہ کے

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۵۷۔ ابن اثیر: ۳/ ۱۴۷۔

Marfat.com

مطابق عمل کیا اور اس کو نافذ کیا، لیکن آپ لوگوں نے ان کے لیے عرصۂ حیات تنگ کر دیا اور ان کی شہادت کا موجب ہوئے۔ ان کے خلاف سرکشی کر کے تم لوگوں نے ان کو قتل کر دیا۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ آپ ان کے قتل میں شریک نہیں ہیں، تو ان کے قاتلوں کو آپ ہمارے حوالے کر دیں، ہم خود ان سے قصاص لے لیں گے۔ پھر آپ الگ ہو کر خلافت کے معاملے کو مسلمانوں کے باہمی مشورے پر چھوڑ دیجیے اور وہ باہمی مشورے سے جس کو چاہیں گے، یہ امر خلافت سپرد کر دیں گے۔'' ❶

اس پر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں ڈانٹ دیا اور وہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس واپس چلے گئے۔ تین ماہ تک صلح کی یہ کوششیں جاری رہیں، لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ اسی اثنا میں دونوں طرف سے قریباً پچاسی دفعہ حملہ کا ارادہ کیا گیا، لیکن ہمدردانِ ملت اور خیر خواہاں اُمت نے ہمیشہ درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کرا دیا۔ ربیع الاوّل، ربیع الثانی اور جمادی الاولیٰ برابر تین ماہ صلح کے انتظار میں گزر گئے، لیکن اس دوران کی تمام خط کتابت اور بات چیت بالکل بے اثر ثابت ہوئی اور معاملہ جنگ تک پہنچ گیا۔ ❷

جنگ کی ابتداء:

جمادی الاولیٰ سنہ ۳۶ھ سے باقاعدہ جنگ شروع ہوگئی۔ شروع شروع میں لڑائی کا طریقہ یہ تھا کہ صبح و شام ایک جماعت ادھر سے نکلتی اور ایک جماعت اُدھر سے نکلتی اور وہ دونوں آپس میں لڑتیں۔ پورا لشکر دوسرے لشکر سے نہیں بھڑا، کیوں کہ دونوں طرف کے دردمندانِ ملت اور مصلحین اُمت کی خواہش تھی کہ کہیں معاملہ خون ریز جنگ تک نہ پہنچ جائے اور بہت سے آدمی کھیت نہ ہو جائیں۔ یہ سلسلہ جمادی الاخریٰ تک جاری رہا، لیکن جونہی رجب کا چاند طلوع ہوا، اشہر حرم کی عظمت کے خیال سے دفعتہً دونوں طرف سے جنگ کا سلسلہ یک قلم منقطع ہوگیا اور خیر خواہانِ اُمت نے ایک مرتبہ پھر مصالحت کی کوششیں شروع کر دیں۔ ❸

اُمت کے دردمند حضرات سخت پریشان تھے۔ وہ کسی صورت میں بھی جنگ کے قائل نہیں تھے۔

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۵۸۔ ابن اثیر: ۳/ ۱۴۸.
❷ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۵۸.
❸ اخبار الطوال، ص: ۱۷۰۔ ابن اثیر: ۳/ ۱۴۹.

Marfat.com

وہ اس بات کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے کہ مسلمانوں کی وہ طاقت جسے کفر کا استیصال کرنا ہے، آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے۔ اب ماہ رجب میں جو جنگ رُکی تو ان حضرات نے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے پھر نئے سرے سے اپنی کوشش شروع کر دی۔ رسول اللہ ﷺ کے دو جلیل القدر صحابی سیّدنا ابوالدرداء اور سیّدنا ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہما سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور آپ سے کہا:

''معاویہؓ! آپ علی رضی اللہ عنہ سے کیوں لڑتے ہیں؟ بخدا! وہ آپ سے اور آپ کے والد محترم سے اسلام لانے کے لحاظ سے مقدم ہیں، اور قرابت کے لحاظ سے بھی رسول اللہ ﷺ سے زیادہ قریب اور خلافت کے لیے بھی آپ سے زیادہ مستحق ہیں۔''

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا:

''میں تو صرف عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کے لیے لڑتا ہوں، اور انھوں نے قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے ہاں پناہ دی ہوئی ہے۔ آپ دونوں علی رضی اللہ عنہ کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کو قصاص کے لیے ہمارے حوالے کر دیں تو میں تمام اہلِ شام میں سے پہلے بیعت کرنے والا ہوں گا۔''

یہ بات ان دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سمجھ میں آ گئی، لہٰذا وہ دونوں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوری گفتگو سے انہیں مطلع کیا۔ آپ نے جواب میں فرمایا:

''یہی وہ لوگ ہیں جن کو آپ دیکھ رہے ہیں۔''

اتنے میں کافی لوگ جن کی تعداد بیس ہزار کے لگ بھگ تھی، بیک وقت بول اُٹھے: ((نحن جميعًا قتلنا عثمان .)).....''ہم سب نے عثمان (رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا ہے۔''

علوی فوج کا یہ حال دیکھ کر دونوں بزرگوں نے یہ سمجھا کہ یہ معاملہ سلجھنے والا نہیں اور ہماری کوششیں جیسے پہلے رائیگاں گئی ہیں، ویسے ہی اب بھی بے اثر ثابت ہوں گی۔ چنانچہ وہ دونوں لشکروں کو چھوڑ کر ساحلی علاقہ کی طرف نکل گئے اور اس جنگ سے اپنا دامن بچا گئے۔ ❶

جنگ کا دوبارہ آغاز:

رجب سنہ ۳۶ھ سے اخیر محرم سنہ ۳۷ھ تک دونوں طرف بالکل سکوت رہا۔ مصالحت کی بات

---

❶ اخبار الطوال، ص: ۱۷۔ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۵۹۔ ابن اثیر: ۳/ ۱۵۸.

Marfat.com

چیت بھی جاری رہی اور ہر ممکن کوشش کی گئی کہ دونوں فوجیں اپنے اپنے شہروں کو واپس چلی جائیں اور جنگ کا خطرہ ہمیشہ کے لیے ٹل جائے، لیکن جب سب کچھ بے اثر رہا تو اشہرِ حرم (حرمت والے مہینوں) کے ختم ہوتے ہی صفر سنہ ۳۷ھ میں دوبارہ جنگ کا آغاز ہوگیا۔

اب بھی شروع شروع میں اگرچہ معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں، لیکن اب کی جھڑپیں پہلے سے سخت تھیں۔ جب معاملے نے طول کھینچا اور فتح وشکست کا کوئی فیصلہ نہ ہوا تو ایک روز سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کے سامنے ایک تقریر کی۔ ان کو دشمن کے خلاف جوش دلایا۔ اس تقریر نے یہ اثر کیا کہ آپ کی ساری فوج نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ساری فوج پر حملہ کردیا۔ نہایت شدت کا رَن پڑا، جس میں کافی آدمی شہید ہوئے۔ ان میں بھی ابتداء سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوئی اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ صرف دفاع ہی کرتے رہے۔ ❶ یہاں تک کہ جمعہ کی رات کو بہت شدت سے جنگ ہوئی۔ چوبیس گھنٹے تک اس زور کا رَن پڑا کہ نعروں کی گرج، تلواروں کی جھنکار، گھوڑوں کی ٹاپوں اور نیزوں کے شور سے کرۂ ارض تھرا رہا تھا۔ دونوں فریقوں نے ایک دوسرے پر نہایت شدت سے حملہ کیا، یہاں تک کہ نیزے ٹوٹ گئے اور تلواریں کند ہوگئیں، اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ قلب لشکر میں کھڑے اپنے لشکر میں شامل شدہ قبائل کو اُبھارتے اور ان کو پیش قدمی اور صبر وثبات کا حکم دے رہے تھے۔ ❷

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے میمنہ پر مالک الاشتر اور میسرہ پر سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور قلب پر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ تینوں مصروف پیکار تھے۔ جنگ کی اس شدت اور گھن گرج کے لحاظ سے یہ رات تاریخ میں "لیلة الهریر" کے نام سے مشہور ہے، کیوں کہ "ھریر" عربی میں شور وغوغا اور گھن گرج کو کہتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> "اور اس رات لڑائی ساری رات جاری رہی، چنانچہ اس رات کا شمار مسلمانوں کے درمیان نہایت پرفتن اور بری راتوں میں سے ہوتا ہے اور اس رات کو "لیلة الهریر" کہا گیا ہے۔" ❸

---

❶ منهاج السنّه: ۲/ ۲۱۹۔ ۲۲۰.
❷ البدایه والنهایه: ۷/ ۲۷۱.
❸ اخبار الطوال، ص: ۱۹۵۔ طبری: ۶/ ۲۶۔ مروج الذهب: ۲/ ۲۷۔ ابن اثیر: ۳/ ۱۶۰۔ البدایه والنهایه: ۷/ ۲۷۱۔ ۲۷۲.

Marfat.com

یہ سب کچھ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مرضی کے خلاف ہو رہا تھا، کیوں کہ وہ کسی صورت بھی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اب یہ "لیلۃ الھریر" کی خون ریز جنگ آپ کو اور بھی زیادہ پریشان کیے ہوئے تھی۔ آپ بہرصورت جنگ بند کرانا چاہتے تھے۔ آپ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی قوت اس طرح باہمی جنگوں میں ختم ہو، لہٰذا آپ نے سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر کے مشورہ سے سیّدنا علیؓ والی تدبیر اختیار کی، یعنی قرآنِ حکیم نیزوں پر بلند کر دیا۔ یہی تدبیر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے جنگِ جمل میں جنگ بند کروانے کے لیے کی تھی۔ ❶ اسی تدبیر کو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جنگِ صفین بند کروانے کے لیے استعمال کیا، لیکن اس وقت یہ تدبیر کارگر ثابت نہ ہوئی تھی اور اب کارگر ہوگئی۔ آپ نے دونوں لشکروں کو قرآن دکھا کر کشت و خون سے روکا اور کہا کہ جب کتاب اللہ موجود ہے تو پھر قتل و غارت کا کیا فائدہ؟ اللہ کی یہ کتاب ہمارے اختلافات بطریق احسن مٹا سکتی ہے۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس تدبیر سے جنگ رُک گئی اور اکثریت نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ قرآنِ حکیم کو "حکم" بنا کر اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے، بلکہ بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر قرآنِ حکیم کو حکم نہ بنایا گیا تو ہم آپ کو بھی عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا دیں گے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور ابن اثیر کے الفاظ ہیں:

((نفعل بك كما فعلنا بابن عفان .)) ❷

"ہم تمھارے ساتھ وہی کریں گے جو ہم نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔"

تاریخ اسلام میں غلط روایات:

طبری، مسعودی اور کئی دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب قریباً پانچ سو قرآن نیزوں پر اوپر اُٹھائے گئے تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس چیز کو مکاری اور عیاری پر محمول کیا، اور آپ نے اپنے لشکر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ قتال جاری رکھو، یہ معاویہ بن ابی سفیان، یہ عمرو بن العاص، یہ ابن ابی معیط، یہ حبیب بن مسلمہ، یہ ابن ابی سرح اور یہ ضحاک بن قیس (رضی اللہ عنہم اجمعین):

---

❶ طبری: ٥/ ٢٠٤.

❷ البدایہ والنہایہ: ٧/ ٢٧٣۔ ابن اثیر: ٣/ ١٦١.

Marfat.com

''میں انھیں تم سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ میں نے بچپن اور جوانی انھیں میں گزاری، اور یہ بدترین بچے اور بدترین جوان ہیں۔ وائے ہے تم پر، بخدا! انھوں نے (صدقِ دل سے) ان کو نہیں اُٹھایا۔ یہ لوگ قرآن کو پڑھتے تو ہیں لیکن ان کا عمل اس کے مطابق نہیں، اور اب جو انھوں نے قرآن کو نیزوں پر ثالثی کے لیے اُٹھایا ہے، یہ محض دھوکا، مکاری اور عیاری ہے۔'' ❶

جنگ سے قبل جو مراسلت اور ثالثوں کا آنا جانا ہوا، شریر عناصر نے فریقین کی مصالحت نہ ہونے دی، کیوں کہ اس مصالحت کے نتائج وعواقب ان کے لیے نہایت خطرناک تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے اپنی جبلی شرپسندی کے باعث فریقین کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے بجائے ان میں بدظنی کے جراثیم پھیلائے تاکہ وہ ایک دوسرے سے الگ رہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے افسوس سے لکھا ہے کہ؛

''جانبین میں مراسلت ہوئی، لیکن کسی نقطۂ پر ان کی مصالحت نہ ہوسکی اور بالآخر قتال واقع ہوا اور دونوں فریقوں سے لوگ مقتول ہوئے۔'' ❷

اب اِنھی لوگوں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے منہ سے فریق مخالف کے لیے یہ الفاظ نکلوائے، حالانکہ انھوں نے ہرگز ایسا نہیں کہا۔ اس روایت اور اس جیسی دوسری سیکڑوں بلکہ ہزاروں روایات کا راوی ابومخنف لوط بن یحییٰ ہے۔ یہ ابومخنف لوط بن یحییٰ کون تھا؟ اور اس کا حدودِ اربعہ کیا تھا؟ اس کے بارے میں اسماء الرجال کی کتابوں میں محدثین نے لکھا ہے: ((لا یوثق بہ .)) ❸ .....''اس پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔''

علامہ محمد طاہر پٹنی صاحب مجمع البحار فرماتے ہیں: ((لوط بن یحیٰی کذاب .)) ❹ .....لوط بن یحییٰ کذاب ہے۔''

---

❶ طبری: ٦/ ٣٧۔ مروج الذهب: ٢/ ٢٨۔ ابن اثیر: ٣/ ١٦١۔ ابن ابی الحدید: ٢/ ٢١٦۔ البدایه والنهایه: ٧/ ٢٧٢۔ ٢٧٣.

❷ فتح الباري: ١٣/ ٧٣.

❸ میزان الاعتدال: ٢/ ٢٦٠.

❹ تذکرة الموضوعات، ص: ٢٨٦.

Marfat.com

اسی طرح کشف الاحوال فی نقد الرجال، صفحہ:۶۲ پر لکھا ہوا ہے کہ:((ھو کوفی ولیس حدیثه بشیء .)) ❶ ....."وہ کوفی ہے اور اس کی روایات کسی کام کی نہیں۔"

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وہ شیعہ تھا اور ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف الحدیث ہے۔" ❷

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جو کہ حدیث اور نقد حدیث میں اپنی مثال آپ ہیں، فرماتے ہیں:

۱۔ ((لا یوثق به .))

"اعتبار کے قابل نہیں۔"

۲۔ ((ترکه ابو حاتم وغیره .))

"ابو حاتم اور دیگر ائمہ جرح وتعدیل نے متروک کہا ہے۔"

۳۔ ((وقال الدار قطنی ضعیف .))

"امام دار قطنی فرماتے ہیں: ضعیف ہے۔"

٤۔ ((وقال یحییٰ بن معین لیس بثقة .))

"امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں ہے۔"

٥۔ ((وقال ابن عدی شیعی محترق صاحب اخبارهم .))

"ابن عدی کہتے ہیں کہ وہ جلا بھنا (کٹر) شیعہ تھا اور انھی کی خبریں جانتا اور روایت کرتا تھا۔" ❸

ایسا ناقابل اعتبار شخص جس کو بڑے بڑے محدثین نے کذاب، متروک، ضعیف، لیس بثقة اور کٹر شیعہ کہا ہو، اس کی روایات پر اعتماد کر کے صحابہ کرام جن کی بے گناہی کی شہادت قرآن نے "رضی اللّٰه عنهم ورضوا عنه" کے سرٹیفکیٹ سے دی ہے، ان پاکیزہ لوگوں کے خلاف لوگوں کے ذہنوں کو مسموم کرنا دراصل قرآن وحدیث کی ثقاہت کو مخدوش کرنا ہے۔ اس لیے کوئی صاحب عقل وہوش اور علم وفراست کا حامل اس قسم کی روایات پر اعتماد نہیں کر سکتا۔

---

❶ معجم الادباء: ۲/ ٤١.
❷ البدایه والنهایه: ۸/ ۲۰۲.
❸ ملاحظہ ہو: لسان المیزان: ٤/ ٤٦٢۔ میزان الاعتدال: ۲/ ۳٦۰.

Marfat.com

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں انتشار:

بہر حال جنگ رُک گئی لیکن جنگ رُکنے کے ساتھ ہی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی۔ طبری اور الفخری وغیرہ نے یہاں بھی تاریخ کے اوراق میں اپنے انداز فکر پر حالات کو لانے کی کوشش کی ہے اور لکھا ہے کہ: یہ تدبیر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے کی تھی اور اس سے ان کا مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں انتشار اور تفرقہ پیدا کر دیا جائے، کیوں کہ اس بات کو اگر وہ متفقہ طور پر مان لیں گے، تب بھی ان میں اختلاف پیدا ہو جائے گا، اور اگر متفقہ طور پر نہیں مانیں گے، تب بھی ان کی فکری اور ذہنی وحدت پارہ پارہ ہو جائے گی۔ ❶

جنگ بند کرنے کی اس تجویز سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تفرقہ پیدا ہو گیا۔ مالک الاشتر اور اس کے سبائی گروہ نے اس کو مکاری ظاہر کر کے دوسروں کو بھی اس سے روکنا چاہا، لیکن ایک بہت بڑی جماعت اس تجویز سے متاثر ہو گئی اور انھوں نے سبائیوں کے علی الرغم لڑائی کو بند کر دیا۔

کچھ لوگوں نے کہا اور بڑی سختی سے کہا کہ ہمیں قرآن کی اس دعوت کو ردّ نہیں کرنا چاہیے اور دھمکی دی کہ اگر قرآن کے درمیان آنے کے بعد بھی جنگ بند نہ ہوگی تو وہ نہ صرف فوج سے الگ ہو جائیں گے، بلکہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کریں گے۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے ایک سردار اشعث بن قیس نے کہا:

> ''امیر المؤمنین! میں جس طرح کل آپ کا جان نثار تھا، اسی طرح آج بھی ہوں، لیکن میری اپنی رائے یہ ہے کہ ہمیں اس وقت کتاب اللہ کو حکم مان لینا چاہیے۔''

لیکن مالک الاشتر نخعی اس بات کو نہیں مان رہا تھا اور برابر جنگ لڑتا رہا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب اپنے لشکر کا یہ رنگ دیکھا اور اپنی فوج کے بڑے بڑے سرداروں کی یہ رائے سنی تو آپ نے مالک الاشتر کو لڑائی بند کرنے کا پیغام بھجوایا۔ اس نے بادل نخواستہ جنگ بند کی اور اپنی فرودگاہ پر واپس آنے کے بعد ابن الکواء اور معر بن فدکی وغیرہ کے ساتھ بہت تلخ گفتگو کی اور قریب تھا کہ کشت و خون تک نوبت پہنچ جاتی، لیکن سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے درمیان میں پڑ کر معاملہ کو رفع دفع کروا دیا۔ ❷

---

❶ طبری: ٦/ ٢٦۔ اخبار الطوال، ص: ٢٢١۔ الفخری، ص: ٨٢۔ طبقات ابن سعد: ٤/ ٢٥٥۔ ابن اثیر: ٣/ ١٦٠.

❷ طبری: ٦/ ٢٧۔ مروج الذهب: ٢/ ٢٨۔ ابن اثیر: ٣/ ١٦١.

Marfat.com

قرآنِ حکیم کو میدانِ جنگ میں بلند کر کے جنگ بند کروانے کی آواز لگائی گئی۔ اور کہا:

''یہ اللہ کی کتاب تمھارے اور ہمارے درمیان حکم ہے۔ اہلِ شام کے نہ رہنے کے بعد شام کی سرحدوں کی کون حفاظت کرے گا اور اہلِ عراق کے نہ رہنے کے بعد عراق کی سرحدوں کی کون نگرانی کرے گا۔'' ❶

مسعودی نے اتنے الفاظ اور نقل کیے ہیں:

((ومن لجهاد الروم ومن للترك ومن للكفار .)) ❷

''رومیوں سے کون جہاد کرے گا اور ترکوں اور اہلِ کفر سے کون جنگ کرے گا۔''

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ ہی سے پتہ چل رہا ہے کہ کس پاکیزہ جذبہ کے تحت آپ نے اس خون ریز جنگ کو بند کرایا۔ آپ سمجھ رہے تھے کہ اگر مسلمانوں کی آپس کی خون ریزی کچھ روز اس طرح اور رہی تو اسلام کی ترقی کا سلسلہ جو جہاد کے ذریعے ہو رہا ہے، بالکل منقطع ہو جائے گا۔ دوسرے آپس کی اس خانہ جنگی سے مسلمانوں کی عسکری قوت کمزور ہو جائے گی۔ جس سے دشمنانِ اسلام کو مقبوضات اسلامی پر حملہ آور ہونے کی جرأت پیدا ہو سکتی ہے، آپ نے صرف اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کی خاطر اس جنگ کو بند کروایا تھا۔

کتاب اللہ کو حکم مانتے ہی دونوں طرف پھر الفت و محبت پیدا ہو گئی اور بغض و عناد جو کہ جنگ کی تلخیوں کی وجہ سے وقتی طور پر پیدا ہو گیا تھا، یک قلم کافور ہو گیا۔ ❸ لیکن سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی ایک جماعت نے جس کی تعداد بارہ ہزار کے قریب بتائی جاتی ہے، اس تحکیم کو کفر اور گناہ عظیم قرار دیا۔ اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس سے توبہ کرنے کے لیے کہا۔ آپ ان کی دلیل کے جواب میں فرماتے:

((كلمة حق اريدبها الباطل .)) ❹

''بات تو حق ہے، لیکن مراد اِس سے باطل لی جاتی ہے۔''

---

❶ ابن اثیر: ۳/ ۱۶۱۔ اتمام الوفاء، ص: ۲۳۲.

❷ مروج الذهب: ۲/ ؟؟؟؟.

❸ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اخبار الطوال، ص: ۱۹۰۔ ۱۹۲.

❹ ابن اثیر: ۳/ ۱۶۹.

Marfat.com

یہ جماعت جو تحکیم کے مسئلہ میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے الگ ہوئی، یہ بعد میں ''خوارج'' کہلائی۔ ان لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ ''ان الحکم الا للہ'' کہ معاملات دین میں حکم مقرر کرنا کفر ہے۔ ان کے اس عقیدے سے جس کو اتفاق نہ ہوتا وہ ان کے نزدیک مباح المال والدم ہوتا، یعنی اس کا مال اور اس کا خون ان کے لیے حلال ہو جاتا تھا۔ چنانچہ عبداللہ بن خباب اور ان کی اہلیہ اُمّ سنان اور حارث بن مرہ اسی تیغ ستم کے قتیل تھے۔ اس جماعت کا تعلق بھی دراصل قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ ہی سے تھا اور یہی لوگ پہلے تحکیم پر راضی ہوئے اور بعد میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی پوزیشن کو داغ دار کرنے کے لیے ان سے مطالبہ کرنے لگے کہ تحکیم کو کیوں اختیار کیا گیا۔ اس معاہدہ کو جلد از جلد توڑ دینا چاہیے، کیوں کہ یہ اسلام کے مزاج کے موافق نہیں۔ سیّدنا علیؓ نے جواب میں فرمایا کہ: میں عہد شکنی کر کے قبل از وقت جنگ شروع کر دوں، بخدا! یہ نہیں ہو سکتا۔

ان لوگوں کو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس قدر دشمنی اور کدورت ہوگئی کہ انھوں نے کوفہ میں رہنا بھی پسند نہ کیا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

> ''ان لوگوں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک شہر میں سکونت اختیار کرنے کو بھی گوارا نہ کیا اور ''حروراء'' کے مقام پر اقامت اختیار کی اور اپنے زعم میں انھوں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ پر کئی چیزوں کے ارتکاب کے الزامات عائد کیے۔''

اسی وجہ سے ان لوگوں کو ''حروریہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ ❶

مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس جماعت کے دو سرداروں زرعہ بن برج الطائی اور حرقوص بن سعید السعدی نے اپنی بات پر اصرار کیا اور آپ کو توبہ کے لیے کہا، لیکن آپ ان کی بات ماننے پر آمادہ نہ ہوئے۔ آخر میں خوارج نے آپ کو الٹی میٹم دے دیا کہ اگر آپ تحکیم کو تسلیم کرتے ہیں تو ہم خدا کے لیے آپ کے ساتھ لڑیں گے۔ آپ نے فرمایا: ''میں بھی مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں، اور یاد رکھو، تمھاری لاشیں خاک و خون میں تڑپیں گی۔'' اس گروہ کی تعداد بارہ ہزار کے قریب بتائی جاتی ہے۔ ❷

---

❶ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ابن اثیر: ۳/ ۱۶۵، ۱۶۰۔ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۷۷۔ ۱۷۸.

❷ ملاحظہ ہو: ابن اثیر: ۳/ ۱۶۵، ۱۷۴۔ اخبار الطوال، ص: ۲۰۲، ۲۱۱۔ طبری: ۶/ ۴۰، ۵۳۔ البدایہ والنہایۃ: ۷/ ۱۷۸۔ مروج الذہب: ۲/ ۲۹.

Marfat.com

تحکیم

غرض کہ جنگ بند ہوگئی لیکن مؤرخین نے لکھا ہے کہ فریقین کے بہت سے لوگ اس جنگ میں قتل ہوئے، جن میں بعض بڑے جلیل القدر لوگ بھی تھے۔ ❶ کتنے لوگ اس جنگ میں قتل ہوئے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق ان کی تعداد کو اللہ ہی جانتا ہے۔ (لا یعلمهم الاَّ الله) لیکن تحکیم کے باعث لڑائی تو بند ہوگئی، مگر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں انتشار پڑ گیا۔ چنانچہ لکھا ہے:

((ورجع علی الکوفة باصحابه مختلفین علیه، ورجع معاویة الی الشام باصحابه متفقین علیه.)) ❷

''اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اپنی جماعت کے ساتھ واپس لوٹے اس حالت میں کہ ان کی جماعت تشتت و افتراق کا شکار تھی، اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت واپس شام گئے، اس حالت میں کہ ان کی جماعت میں نہ تو کوئی انتشار تھا اور نہ ہی کوئی تفرقہ۔''

جنگ بند ہونے کے بعد باہمی مشورہ سے طے یہ ہوا کہ دونوں جانب سے ایک ایک حکم (ثالث) مقرر کیا جائے اور متنازعہ فیہ مسئلہ ان دونوں کے سپرد کیا جائے اور وہ کتاب اللہ کے مطابق جو فیصلہ کریں، وہ فریقین کے لیے واجب التسلیم ہوگا۔ جو فریق اس فیصلہ کو نہ مانے اس کے خلاف دوسرے کی امداد کی جائے۔

اس قرارداد کے پاس ہوجانے کے بعد اہلِ شام نے متفقہ طور پر سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا نام بطورِ حکم پیش کیا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ عراق کی طرف سے سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ثالث مقرر کرنا چاہا، لیکن آپ کے اپنے لشکر نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی اور کہا:

((لا نرضیٰ اِلاَّ بابی موسیٰ.)) ❸

''ہم سوائے ابوموسیٰ کے اور کسی پر راضی نہیں ہوں گے۔''

ہیثم بن عدی نے کتاب الخوارج میں لکھا ہے کہ: سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام سب سے

---

❶ البدایه والنهایه: ۷/ ۲٦٥۔ ۲۷۱. ❷ نصب الرایه زیلعی: ٤/ ۷۰۔ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۱.

❸ البدایه والنهایه: ۷/ ۲۷٦.

Marfat.com

پہلے اشعث بن قیس نے تجویز کیا تھا۔ پھر اس کی متابعت میں اہلِ یمن بھی اِنھی کا نام لینے لگے اور دلیل یہ دی کہ وہ اس سارے حادثے سے الگ تھلگ رہے ہیں اور وہ اس معاملہ میں بالکل غیر جانب دار ہیں، لیکن سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اشعث بن قیس کے تجویز کردہ نام کی مخالفت کی اور اصرار کیا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی کو حکم مقرر کیا جائے۔ آپ کے لشکر کے آدمیوں نے کہا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آپ کے خاص عزیز ہیں، حکم غیر جانب دار ہونا چاہیے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے پھر دوسرا نام مالک الاشتر نخعی کا لیا، اس پر اشعث بن قیس اور اس کے ساتھیوں نے برافروختہ ہو کر کہا کہ یہ ساری آگ تو اسی کی لگائی ہوئی ہے اور اس کا ارادہ یہ ہے کہ جب تک آخری نتیجہ برآمد نہ ہو، ہر فریق دوسرے سے برسرِ پیکار ہے اور یہ جنگ کسی صورت بند نہ ہو۔ اب تک ہم اسی شخص کی رائے پر عمل کرتے رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس کی رائے یہ ہے اس کا فیصلہ بھی یہی ہوگا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے لشکر کا یہ رنگ دیکھ کر بامرِ مجبوری سیّدنا ابوموسیٰ اشعریؓ کو حکم مان لیا۔ ❶

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا نافرمان لشکر:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں سبائیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود تھی، جن کا کام اور جن کی نیت ہی اسلام کے شیرازہ کو منتشر اور تلپٹ کرنا تھا، لہٰذا وہ ہر معاملہ میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرتے تھے، اور ان کی اکثر یہی کوشش رہتی تھی کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے اپنی بات منوائیں۔ چنانچہ آپ ان لوگوں سے انتہائی تنگ اور کبیدہ خاطر تھے۔ آپ کبھی کبھی فرماتے:

> ''بخدا! مجھے منظور ہے کہ حق تعالیٰ تم میں سے مجھے اُٹھالیں۔'' فرمایا: ''خداوند! تو جانتا ہے کہ میں ان سے تنگ آ گیا ہوں اور یہ مجھ سے تنگ آ گئے ہیں۔ میں ان سے ملول ہوں اور یہ مجھ سے ملول ہیں۔ خداوند! مجھے ان سے راحت عطا فرما اور ان کو اس شخص کے ہاتھوں مبتلا کر کہ یہ اس کے بعد مجھے یاد کریں۔'' ❷

تاریخ روضۃ الصفا کے مؤلف نے لکھا ہے کہ آخر کار سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی یہ دُعا قبول ہوئی اور اسی رات حجاج بن یوسف ثقفی پیدا ہوا۔ ((وازو بہ کوفیاں رسید آنچہ رسید)).....'' اور اس

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۷۵۔ ابن اثیر: ۳/ ۱۶۲۔ طبری: ۶/ ۲۸۔ مروج الذہب: ۲/ ۲۸۔ اخبار الطوال، ص: ۱۹۲۔ شرح ابن ابی الحدید: ۲/ ۲۲۸.

❷ جلاء العیون، ص: ۲۲۹.

Marfat.com

سے کوفیوں کو جو سزا ملی وہ ملی۔''

ایک اور موقع پر ان لوگوں کے بارے میں اپنی شکایت کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

''اگر موسم گرما میں تم کو کہتا ہوں کہ جنگ کے لیے نکلو تو کہہ اُٹھتے ہو کہ بڑی سخت گرمی ہے، ہمیں مہلت دیجیے کہ گرمی کم ہو جائے۔ جب تم گرمی سے بھاگتے ہو تو تلوار سے تو زیادہ بھاگو گے۔ اے لوگو! جو لڑکوں اور عورتوں کی مانند عقل رکھتے ہو، کاش میں تم کو کبھی نہ دیکھتا اور نہ تم کو پہچانتا۔ میرے دل کو پیپ اور میرے سینہ کو غصہ سے تم نے بھر دیا اور تم نے میری سخت نافرمانی کی ہے اور میری رائے کو تم نے ضائع کر دیا ہے۔'' ❶

جب ان لوگوں نے آپ کو زیادہ تنگ کیا تو ایک روز آپ کے منہ سے یہ الفاظ بھی نکل گئے، فرمایا:

((قاتلکم اللّٰہ ، لقد ملاء تم قلبی قیحًا وشحنتم صدری غیظًا .)) ❷

''اللہ تعالیٰ تمھیں ہلاک کرے، تم نے میرے دل کو غم کی پیپ سے بھر دیا اور میرے سینہ کو غصہ سے۔''

ایک روز آپ سخت کبیدہ خاطر تھے اور اپنے ساتھیوں اور لشکریوں کا جنھوں نے پہلے تو جنگ جمل میں اور پھر جنگ صفین میں اپنوں سے لڑایا، لیکن اب معاہدۂ تحکیم کے بعد جب اپنی سازشوں کو کامیاب ہوتے نہ دیکھا تو آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے یوں شکوہ فرمایا:

''قریش سمجھتے ہیں کہ ابوطالب کا بیٹا بہادر تو ہے لیکن جنگی علوم وفنون سے ناآشنا اور نابلد ہے۔ خاک آلود ہوں ان کے ہاتھ، کیا ان میں کوئی مجھ سے زیادہ ماہر ہے؟ میں تو جنگوں میں اس وقت پڑا تھا جب میری عمر ابھی بیس (۲۰) برس کی بھی نہ تھی، اور اب میں زندگی کی ساٹھ منزلوں سے بھی تجاوز کر چکا ہوں، لیکن جس کی کوئی اطاعت نہ کرے، اس کی رائے کی کیا قیمت ہو سکتی ہے؟'' ❸

---

❶ حلیة المتقین، باب: ١٤، فصل: ١٢، صفحه: ٣٦٢.

❷ نهج البلاغة، ص: ٤٧.

❸ مروج الذهب: ٢/ ٦٢۔ اخبار الطوال، ص: ٢١٢۔ کتاب الاغانی: ١٥/ ٤٣۔ حلیة المتقین، ص: ٣٢٢.

Marfat.com

مختصر یہ کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں سبائیوں نے ایک طوفانِ بدتمیزی اُٹھایا ہوا تھا اور وہ ہر معاملہ میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کر کے لشکر میں تشتت و انتشار کی فضا پیدا کر دیتے تھے۔ چنانچہ مؤرخین نے اپنی کتابوں میں ان لوگوں کے خصائل کے کچھ واقعات بیان کیے ہیں۔ ❶

بعض اوقات اپنے ان نام نہاد ساتھیوں کی غداریوں اور فتنہ انگیزیوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی آنکھوں سے موسلا دھار بارش کی طرح آنسو ٹپک پڑتے اور آپ بڑی حسرت سے فرمایا کرتے:

''بخدا! میری دلی آرزو ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ مجھ سے اس طرح تمھارا تبادلہ کر لیں جس طرح دینار (اشرفیاں) درہموں (روپوں) سے تبادلہ کیے جاتے ہیں۔ مجھ سے وہ تمھارے دس آدمی لے لیں اور مجھے اپنے آدمیوں میں سے ایک آدمی دے دیں۔'' ❷

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی اپنے لشکریوں کے مقابلہ میں بے بسی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے، فرماتے ہیں:

''سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے سپاہیوں کے ظلم و قہر سے عاجز اور مجبور تھے، اور ان کے ساتھی ان کے ساتھ کسی کام میں موافقت اور تعاون نہیں کرتے تھے، جب کہ اس کے مقابلہ میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی ان کے احکام کو بہ دل و جان قبول کرتے تھے۔'' ❸

جنگ صفین کے بارے میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا فیصلہ:

پیشتر اس کے کہ ہم تحکیم کے بارے میں کچھ عرض کریں، جنگ صفین کے مقتولین کے بارے میں بتا دینا چاہتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ میں ان کا کیا مقام تھا، خصوصی طور پر ان لوگوں کے بارے میں جو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں سے مقتول ہوئے۔ یہ مسلّم ہے کہ دونوں حضرات ہی جنگ نہ کرنے کے درپے تھے۔ آپس میں ان کی جو کش مکش پیدا ہو چکی تھی اس کو سبائیوں نے ہوا دے کر ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا، یہاں تک کہ جنگ برپا ہو گئی، جس کا دونوں حضرات کو از حد افسوس اور صدمہ تھا۔ لیکن یہ حضرات اس قتال میں حدود شرعیہ سے متجاوز نہ ہوئے، یعنی نہ کسی عورت کا پردہ اُٹھایا، نہ کسی

---

❶ جس کے لیے ملاحظہ ہو: ابن اثیر: ۳/ ۱۶۷۔ اخبار الطوال، ص: ۱۹۷۔ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ: ۲/ ۷۱۔

❷ نهج البلاغه: ۲/ ۳۵٤.

❸ منهاج السنّه: ۲/ ۲۰۲.

Marfat.com

کا مال لوٹا، نہ کسی مسلمان مرد کو غلام بنایا اور نہ ہی کسی عورت کو لونڈی، نہ قیدیوں کو قتل کیا اور نہ ہی فریقین کے مال کو مالِ غنیمت سمجھا، بلکہ جب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے ان مقتولین کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

((قتلانا وقتلاهم فی الجنة .)) ❶

''ہمارے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج کے مقتولین دونوں جنت میں ہیں۔''

ایسے ہی ایک روز سیّدنا علی رضی اللہ عنہ جنگ کے دوران باہر نکلے۔ آپ کے ساتھ صحابی رسول سیّدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے بنی طے کے ایک مقتول کو پڑا ہوا پایا۔ سیّدنا عدی رضی اللہ عنہ کے منہ سے نکلا: ''افسوس مسلمان تھا اور آج کافر ہو کر مرا پڑا ہے۔'' سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب ان کے منہ سے یہ بات سنی تو فرمایا:

((کان امس مؤمنًا وهو الیوم مؤمن .)) ❷

''کل بھی مومن تھا اور آج بھی مومن ہے۔''

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے جو ساتھی جنگِ صفین میں مارے گئے ہیں، ان کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا وہ مومن تھے یا کافر؟ آپ نے فرمایا: ((هم المؤمنون .)) ❸ ..... ''وہ سب مومن ہیں۔'' زیادہ سے زیادہ ان کے بارے میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا تھا وہ یہ تھا: ((اخواننا بغوا علینا .)) ..... ''وہ ہمارے بھائی تھے، لیکن انھوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی۔'' ❹

ایک روایت میں ہے کہ جنگ صفین کے اختتام پر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور اپنے مقتولین کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا:

((غفر الله لکم، غفر الله لکم .)) ❺

---

❶ کنز العمال: ٦/ ٨٧۔ سیر اعلام النبلاء: ٣/ ٩٥۔ مجمع الزوائد: ٩/ ٣٥٧.

❷ ابن عساکر: ١/ ٣٢. ❸ ابن عساکر: ١/ ٣٣١۔ منهاج السنّة: ٣/ ٦١.

❹ تفسیر قرطبی: ١٦/ ٢٣٤۔ سنن کبریٰ بیهقی: ٣/ ١٧٣۔ شرح المقاصد: ٢/ ٢٢٣۔ قرب الاسناد، ص: ١٠.

❺ خلافة علی بن ابی طالب، عبدالحمید، ص: ٢٥٠.

Marfat.com

''اللہ تعالیٰ تمھاری مغفرت فرمائے، اللہ تعالیٰ تمھاری مغفرت فرمائے۔''

یزید بن الاصم فرماتے ہیں کہ جب سیّدنا علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین صلح کی بات چلی تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ پہلے اپنے مقتولین کے پاس گئے اور فرمایا: ((ھؤلاء فی الجنة .)) ..... ''یہ سب جنتی ہیں۔'' پھر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقتولین کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: ((ھؤلاء فی الجنة .)) ..... ''یہ بھی جنتی ہیں۔'' ❶

اس بارے میں سیّدنا جعفر صادق رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے مقابلین کے بارے میں فرماتے تھے: ''ہم ان کی تکفیر کی وجہ سے ان سے قتال نہیں کر رہے اور نہ ہی وہ اس وجہ سے ہم سے جنگ کر رہے ہیں، بلکہ بات یہ ہے کہ ہم یقین کرتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اور وہ یقین کرتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں۔'' ❷

جنگ صفین کے بعد آپ کو پتہ چلا کہ کچھ لوگ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں کچھ غلط قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ آپ نے ان کے دلوں سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں شبہات دُور کرنے کے لیے ایک گشتی مراسلہ جاری فرمایا، جو اپنے مملوکہ شہروں میں بھیجا۔ اس میں فرمایا:

''ابتداء ہمارے واقعات کی یہ ہوئی کہ ہم لوگ اور شام کے لوگ ایک دوسرے کے مقابلہ کے لیے جمع ہوئے، حالانکہ ظاہر ہے کہ ہم دونوں کا رب ایک، ہم دونوں کا نبی ایک اور ہماری اور ان کی دعوت اسلام بھی ایک۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے بڑھے ہوئے ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں۔ پس ان کا ہمارا معاملہ بالکل ایک جیسا ہے، لیکن صرف خون عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہمارا اور ان کا اختلاف ہوگیا، حالانکہ ہم اس سے بری ہیں، یعنی ہمارا اس میں کچھ دخل نہیں۔'' ❸

حقیقت یہ ہے کہ جنگ صفین میں جو کچھ بھی ہوا، اس پر جہاں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو افسوس تھا، اتنا

---

❶ المصنف لابن ابی شیبه: ۱۵/ ۳۰۳ بسند حسن.

❷ قرب الاسناد، عبداللّٰه بن جعفر، ص: ۱۰.

❸ نهج البلاغه: ۲/ ۱۱٤.

Marfat.com

ہی افسوس اور صدمہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((یالیت امی لم تلدنی ولیت انی مت قبل الیوم .)) ❶

''کاش میری ماں مجھے نہ جنتی اور کاش میں اس دن سے پہلے مر گیا ہوتا۔''

ثالثوں کا اجمالی تعارف:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر ثالثوں کا کچھ تعارف کرایا جائے، تاکہ لوگوں کو ثالثوں کے مقام کا علم ہو، کیوں کہ بعض لوگوں کے دلوں میں ان کے بارے میں غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔

۱۔ سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ثالث سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت جلیل القدر صحابی تھے۔ ان کا اصل نام عبداللہ بن قیس اور کنیت ابوموسیٰ تھی۔ آپ یمن کے قبیلہ اشعر سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی نسبت سے اشعری کہلاتے تھے۔

سیّدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ یمن سے چل کر مکہ مکرمہ پہنچے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا اور مسلمان ہو گئے۔ آپ یمن سے پچاس مسلمانوں کی ایک جماعت کی معیت میں بحری جہاز پر سوار ہو کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہونے کے ارادہ سے نکلے، لیکن بادِ مخالف نے جہاز کو حجاز کے بجائے حبشہ پہنچا دیا۔ یہاں آپ مہاجرینِ حبشہ سے مل گئے اور مدینہ منورہ میں عین اس وقت ہجرت فرمائی جب مجاہدینِ اسلام فتح خیبر سے واپس آ رہے تھے۔ چناں چہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے تمام ساتھیوں کو خیبر کے مالِ غنیمت سے حصہ مرحمت فرمایا۔ ❷

آپ نے فتح مکہ، غزوۂ حنین اور غزوۂ تبوک میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں شرکت فرمائی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر ان کو بہت دُعائیں دیں۔ آپ علمی، عملی اور فکری صلاحیتوں کے حامل تھے۔ چنانچہ ابوالاسود بن یزید فرماتے ہیں:

((لم اریٰ بالکوفة اعلم من علی وأبی موسیٰ .))

---

❶ تاریخ کبیر بخاری: ۳/ ۳۸٤.

❷ بخاری: ۲/۶۰۸۔ طبقات ابن سعد: ٤/۱۰۶.

Marfat.com

''میں نے کوفہ میں سیّدنا علی اور سیّدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما سے زیادہ کسی کو عالم نہیں دیکھا۔'' ❶

امام مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''قضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ صحابہ میں منحصر تھی۔ عمر، علی، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، زید بن ثابت اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم ہیں۔'' ❷

اسی وجہ سے کتابوں میں آتا ہے:

((کان ابو موسیٰ احد الفقهاء الستة .)) ❸

''ابوموسیٰ چھ فقہاء صحابہ میں سے ایک تھے۔''

ابوالبختری کہتے ہیں کہ ہم نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ خصوصی طور پر سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

((صبغ فی العلم صبغة ثم خرج منه .))

''وہ علم میں رنگ کر نکالے گئے تھے۔'' ❹

امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں ریمارکس دیے ہیں، وہ بھی پڑھنے کے قابل ہیں:

((وکان من اجلاء الصحابة وفضلائهم .)) ❺

''اور ابوموسیٰ جلیل القدر اور فاضل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔''

آپ کی اِنھی صلاحیتوں کی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یمن کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ ❻

حجۃ الوداع میں آپ یمن ہی سے شرکت کے لیے تشریف لائے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مختلف جنگوں میں شرکت فرمائی۔ پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ انھیں بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ ❼

---

❶ تاریخ الاسلام ذهبی: ۲/۲۵۷۔ تذکرة الحفاظ: ۴/۱۰۶.

❷ تاریخ الاسلام ذهبی: ۲/ ۲۵۷.

❸ مستدرك حاکم: ۳/ ٤٦٥.

❹ تاریخ الاسلام ذهبی: ۲/ ۲۵۷۔ تذکرة الحفاظ: ٤/ ۱۰۷.

❺ تاریخ اسلام: ۲/ ۲۵۵.

❻ بخاری: ۲/ ۱۰۲۳۔ العواصم من القواصم، ص: ۱۷٤۔ زرقانی: ۳/ ۹۹۔ حلیة الاولیاء: ۱/ ۳۵٤۔ مسند احمد: ۵/ ۲۳۵.

❼ طبری: ۵/ ۹٤.

Marfat.com

۲۹ھ میں بصرہ کے مفسدہ پردازوں نے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا تو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں معزول فرما کر ان کی جگہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر فرمادیا، لیکن سنہ ۳۴ھ میں اہلِ کوفہ کی درخواست پر سیّدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کی جگہ ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کردیا گیا۔ ❶

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جنگِ جمل کے موقع پر جب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے داعی لوگوں کو آپ کے لشکر میں شرکت کے لیے اُبھارتے تھے تو آپ کو ان کی یہ حرکت پسند نہ آئی۔ کیوں کہ آپ خونِ مسلم کی ارزانی پسند نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ نے مسجد میں فتنہ کی احادیث بیان کرنا شروع کردیں اور فرمایا کہ: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فتنہ کے زمانہ میں بیٹھا ہوا کھڑا رہنے والے سے بہتر ہے، لہٰذا تم لوگ غیر جانب دار رہو۔ ❷ مالک الاشتر بھی یہ باتیں سن رہا تھا، یہ اسی وقت موقع پا کر جلدی سے دارالامارت چلا آیا اور اس پر قبضہ کرلیا۔ جب مسجد سے فارغ ہو کر سیّدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ دارالامارۃ کی طرف تشریف لائے تو اشتر نے ان کو دارالامارۃ میں داخل ہونے سے روکا اور کہا کہ آپ ہماری گورنری سے معزول ہوجایئے۔ آپ نے معاملہ کی نزاکت کے پیشِ نظر نہایت تدبیر سے کام لیا۔ آپ نے سمجھا کہ اگر اس وقت میں نے مداخلت کی تو دارالامارۃ میں تو داخل ہوجاؤں گا، لیکن ہزاروں سرتنوں سے جدا ہوجائیں گے، لہٰذا آپ واپس تشریف لے آئے اور ''عرض'' نامی گاؤں میں عزلت کی زندگی بسر کرنے لگے۔ جب لوگ خون ریزی سے سیر ہوگئے تو اس وقت ان کو سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی وہ باتیں یاد آتی تھیں، جو انھوں نے کوفہ کی مسجد میں لوگوں سے کہی تھیں۔ اسی وجہ سے لوگوں نے اب صفین کے موقع پر ان کو حکم مقرر کرنے پر اصرار کیا۔ ❸

آپ عوام کے صلح پسندانہ جذبات کے نمایاں مظہر تھے۔ اسی وجہ سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے دور اندیش اور حقیقت پسند لوگوں نے انھیں تحکیم میں اپنا ثالث مقرر کیا۔ کیوں کہ وہ گوشہ گمنامی میں غیر جانب داری اور صلح پسندی کی زندگی بسر کررہے تھے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ اگر کسی اور کو ثالث مقرر کیا گیا تو شاید وہ جانب دار ہونے کی وجہ سے اُمت کو پھر جنگ کی بھٹی میں نہ جھونک دے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی بصیرت اور تدبر سے عوام کی توقعات کے مطابق ایسا فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کی

---

❶ تاریخ اسلام خلیفہ بن خیاط: ۱/ ۱۴۵۔ ۱۵۷.

❷ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۳۵.

❸ العواصم من القواصم، ص: ۱۷۳۔ ۱۷۴ تعلیقہ.

Marfat.com

بے نیام تلواریں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نیام میں چلی گئیں۔

۲۔ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ:

دوسرے ثالث جن کو اہلِ شام نے متفقہ طور پر ثالث مقرر کیا تھا، سیّدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تھے۔ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مکہ کے بنو سہم قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ قریش میں مقدمات کے فیصلوں کا عہدہ اسی قبیلہ میں تھا۔ یہ قبیلہ اہلِ اسلام کی ایذا رسانی اور دشمنی میں پیش پیش تھا۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے انھوں نے کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی مسلمانوں کی ایذا رسانی میں کسی سے پیچھے نہ تھے۔ یہ حبشہ کے اس وفد میں بھی شامل تھے جو مہاجرین کو حبشہ سے نکلوانے کے لیے شاہِ حبشہ نجاشی کے پاس گیا تھا۔

غزوۂ خندق تک آپ قریش کے ساتھ رہے، لیکن اس غزوہ کے بعد آپ اسلام سے متاثر ہونا شروع ہو گئے اور مسلمانوں کی مخالفت سے کنارہ کشی کرنے لگے۔ چنانچہ فتح مکہ سے پہلے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو انھیں مدینہ منورہ کے راستہ میں ملے، بارگاہِ رسالت میں پہنچ کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ [1] خود فرماتے ہیں کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بیعت کرنے کے بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو کر عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں بیعت کروں گا، لیکن آپ میرے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ بات سن کر فرمایا: ''عمرو! بیعت کر لو اور جان لو کہ اسلام تمام گناہوں کو معدوم کر دیتا ہے اور ہجرت بھی تمام گناہوں کو معاف کر دیتی ہے۔'' چنانچہ میں نے بیعت کر لی اور واپس مکہ لوٹ گیا۔'' [2]

طبیعت میں انتہا پسندی تھی، چنانچہ کفر میں بھی شدید اور جب اسلام لائے تو پھر اسلام کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ میں کفر کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ اگر اسی حالت میں مر جاتا تو سیدھا جہنم میں جاتا اور جب حلقہ بگوش اسلام ہوا تو آپؐ سے زیادہ کوئی ذات میری نگاہ میں وقیع اور باعزت نہ تھی اور میں پوری زندگی آنکھ بھر کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کو دیکھ بھی نہ سکا۔ [3]

---

[1] البدایہ والنہایہ: ٤/ ١٣٨۔ ٢٤٠۔ خصائص کبریٰ للسیوطی: ١/ ٢٤٨.

[2] مسند احمد: ٤/ ١٩٨.

[3] الاستیعاب: ٢/ ٤٤٩.

Marfat.com

عہد رسالت اور خلافت راشدہ کے زمانے میں بہت سی جنگوں میں شرکت فرمائی۔ مصر، اسکندریہ اور طرابلس الغرب کی فتح آپ ہی کی جرأت ایمانی کی مرہونِ منت ہے۔ سیّدنا ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں فتنہ ارتداد کی سرکوبی میں بھی انھوں نے اپنے نمایاں جوہر دکھائے۔ فتوحات شام، اجنادین، دمشق، فحل اور یرموک وغیرہ میں بھی اپنی بہادری کی داد پائی۔

رسول اللہ ﷺ نے عمان کے حاکم کے پاس سفیر بنا کر بھیجا اور آپ کے خط سے متاثر ہو کر وہاں کے دونوں حاکم عبید اور جیفر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے انھیں یہاں کا حاکم بھی مقرر فرمایا۔ ❶

اپنی خلافت کے آخری سالوں میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں مصر کا گورنر مقرر فرمایا، لیکن ۳۶ھ میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں وہاں کی گورنری سے معزول کر کے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا۔ آپ نے اس بات کا برا نہ منایا اور واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ آپ نہایت ذہین اور رساذہن کے مالک تھے، اسی وجہ سے سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اہم امور میں ان سے مشورہ لیتے تھے، خصوصی طور پر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ تو ہر مشکل موقع پر ان ہی کے مشورہ کو ترجیح دیتے تھے۔ شورش کے زمانہ میں جب باغیوں نے اپنے مطالبات منوانے کے لیے تخریبی ذرائع استعمال کرنے شروع کیے تو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک مشاورتی کونسل منعقد کی، جس کے ایک رکن آپ بھی تھے۔ تمام اراکین کونسل کے مشورہ کے بعد آپ نے خاص طور پر ان کی رائے پوچھی۔ ❷

کئی اور موقعوں پر بھی آپ نے باغیوں کے سامنے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی صفائی پیش کی۔ ❸

شہادتِ عثمان کے بعد یہ بھی سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرح عزلت کی زندگی بسر کرنے لگے اور جنگِ جمل کا قیامت خیز واقعہ بھی انھیں گوشۂ عزلت سے باہر نہ نکال سکا، لیکن جب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے شام پر چڑھائی کی تو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس بہترین دماغ کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ ان کو خط لکھ کر شام بلا لیا۔ ❹

---

❶ اسد الغابہ: ٤/ ١١٧.

❷ طبری: ٥/ ٩٩.

❸ یعقوبی: ٢/ ٢٠٢۔ ابن اثیر: ٣/ ٧٥.

❹ تاریخ الاسلام السیاسی: ١/ ٣٧٥.

Marfat.com

جناب رسول اللہ ﷺ آپ کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے۔ چناں چہ ایک مرتبہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا: ''عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ قریش کے صالح اور نیک لوگوں میں سے ہے۔'' ❶

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے کہا کہ کیا وہ شخص نیک خصال نہیں ہے جس کو سرکارِ دوعالم ﷺ نے آخر دم تک محبوب رکھا ہو؟ آپ نے فرمایا: ''اس کی سعادت اور نیک خصلتی میں کس کو شک ہو سکتا ہے۔'' وہ بولا: ''پھر رسول اللہ ﷺ آخر دم تک آپ سے محبت کرتے تھے۔'' ❷

قوتِ ایمانی میں ایک مینار کی حیثیت رکھتے تھے۔ چنانچہ بارگاہِ رسالت نے ان کے بارے میں جو ریمارکس دیے وہ شنیدنی ہیں۔ آپ نے فرمایا:

((اسلم الناس وآمن عمرو بن العاص .)) ❸

''لوگ تو اسلام لائے، لیکن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔''

ایک اور موقع پر لسانِ رسالت نے فرمایا:

((ابنا العاص مومنان یعنی هشام و عمرو .)) ❹

''عاص کے دونوں بیٹے ہشام اور عمرو پکے مومن ہیں۔''

تدبیر و سیاست میں اپنی مثال آپ تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر خود ان کو خطاب کر کے فرمایا:

''تم اسلام میں ایک صائب الرائے آدمی ہو۔'' ❺

چنانچہ آپؐ ان کی اس زیرکی اور تدبیر کی وجہ سے اکثر مہمات ان کے سپرد فرماتے، بلکہ بعض مرتبہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ پر ان کو امیر بناتے۔ ❻ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسا ذہین اور صاحب تدبیر انسان بھی ان کی اس خوبی کا اعتراف کرتا تھا۔ ❼

---

❶ الاصابه: ٥/ ٧٣.

❷ تهذيب التهذيب: ٨/ ٥٧۔ أسد الغابه: ٤/ ١١٧.

❸ مسند احمد: ٤/ ١٥٥.

❹ مسند احمد: ٤/ ٣٥٢.

❺ كنز العمال: ٦/ ١٨٦.

❻ تهذيب التهذيب: ٨/ ١٥٦.

❼ الاصابه: ٥/ ٧٣.

Marfat.com

ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں دو شخص ایک مقدمہ لے کر آئے۔ اتفاق سے سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی اس وقت وہاں موجود تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان کے مقدمہ کا فیصلہ کرو۔ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی کہ آپ کی موجودگی میں مجھے یہ فیصلہ کرنے کا کیا استحقاق ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں تمھی ان کے مقدمہ کا فیصلہ کرو۔ ❶

اس حدیث سے نگاہِ نبوت میں آپ رضی اللہ عنہ کے مقام کا پتہ چلتا ہے کہ نبوت کو ان پر کتنا اعتماد تھا۔

قبیصہ بن جابر رحمہ اللہ ایک تابعی ہیں، جنھوں نے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت اختیار کی تھی۔ انھوں نے کئی جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کیے ہیں۔ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں وہ یوں فرماتے ہیں:

((وصحبت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فما رأيت رجلًا ابين أو قال انصح ظرفًا منه ولا اكرم جليسًا ولا اشبه سريرة .))

''میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہا، میں نے ان کے ظرف کو نہایت خالص اور ظاہر پایا۔ یہ نہایت باعزت ہم نشین تھے۔ ان کا باطن ظاہر کے مطابق تھا۔'' ❷

معاہدۂ تحکیم

فیصلہ کے مطابق سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے آدمی بھیج کر سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ''عرض'' سے بلوایا، جہاں وہ عزلت نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب سیّدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے جا کر کہا گیا کہ دونوں گروہوں نے آپس میں صلح کر لی ہے، تو آپ نے فرمایا: ''الحمد لله'' اور جب یہ کہا گیا کہ آپ کو تنازعات نپٹانے کے لیے ثالث بنایا گیا ہے تو فرمایا: '' انا لله وانا اليه راجعون. '' ❸

بہرحال آپ کو بلایا گیا۔ ادھر سے سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پہلے ہی سے موجود تھے۔ دونوں ثالثوں کی باہمی گفت وشنید کے بعد ایک معاہدہ مرتب ہوا، جس کو الدینوری نے اخبار الطوال میں، طبری نے تاریخ الامم والملوك میں اور الخضری نے محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ میں

---

❶ مسند احمد: ٤/ ٢٠٥.

❷ الاصابه: ٣/ ٣۔ تاریخ الاسلام ذهبی: ٢/ ٢٣٩.

❸ البدایه والنهایه: ٧/ ١٧٦۔ شرح ابن ابی الحدید: ٢/ ٢٩١.

Marfat.com

اور دوسرے کئی مؤرخین نے اپنی اپنی کتابوں میں الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے، لکھا ہے:

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

((هـذا ما تقاضى عليه على بن ابىٰ طالب ومعاوية بن ابى سفيان قـاضٰـى عـلـى الـكـوفة ومـن مـعهـم مـن شيعتهم من المؤمنين والـمسلمين، وقاضى معاوية علىٰ اهل الشام ومن كان معهم من المؤمنين والمسلمين.

انـا نـنـزل عـند حكم اللّٰه عزوجل وكتابه، ولا يجمع بيننا غيره، وان كـان الـلّٰـه عـزوجـل بيـننا من فا الىٰ خاتمته نحي ونميت ما امات، فما وجد الحكمان فى كتاب اللّٰه عزوجل وهما ابوموسىٰ اشـعـرى، عبـداللّٰه بن قيس وعمرو بن العاص القرشى عملا به ومـا لم يجدا فى كتاب اللّٰه عزوجل، فالسنة العادلة الجامعة غير المتفرقة.))

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''یہ ہے وہ معاہدہ جو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے مابین ہوا، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ معاہدہ تمام اہلِ کوفہ اور اپنے سب ساتھیوں، مسلمانوں اور مؤمنین کی طرف سے کیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ معاہدہ تمام اہلِ شام اور سب اہلِ ایمان اور ساتھیوں کی طرف سے کیا۔

ہم اللہ عزوجل اور اس کی نازل کردہ کتاب قرآنِ حکیم کے سامنے سرِتسلیم خم کرتے ہیں، اور اس کے ماسوا اور کسی پر متحد نہیں ہوں گے۔ اللہ عزوجل آغاز سے اختتام تک ہم میں حاضر و ناظر ہیں۔ پس یہ دونوں ثالث ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (عبداللہ بن قیس) اور عمرو بن العاص القرشی رضی اللہ عنہ جو کچھ کتاب اللہ میں پائیں گے اس کے مطابق عمل کریں گے، اور اگر (اس تنازعہ کے فیصلہ کے بارے میں) کتاب اللہ میں کچھ نہ پائیں گے تو پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت عادلہ، جامعہ غیر متفرقہ پر عمل کریں گے۔''

Marfat.com

پھر فریقین کے سربراہوں میں سے ہر ایک نے الگ الگ عہد کیا۔

''اس ثالثی نامہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے، میں اس پر عمل کرنے کا عہد کرتا ہوں اور مؤمنین پر اس فیصلے کی پابندی ضروری قرار دیتا ہوں۔ نیز عہد کرتا ہوں کہ جہاں کہیں بھی یہ جائیں، یہ خود، ان کے اہل وعیال، ان کے اموال اور ان کے شاہد و غائب سب امن و عافیت میں رہیں گے اور ان کے خلاف کسی قسم کا کوئی ہتھیار استعمال نہیں کیا جائے گا۔ عبداللہ بن قیس اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما پر اللہ ربّ العزت کی طرف سے یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس اُمت میں ثالثی کا فریضہ ادا کریں اور اس کو جنگ کی آگ میں نہ دھکیلیں اور نہ ہی اس میں تفریق کی صورت پیدا کر کے گناہ گار بنیں۔ فیصلے کا اعلان رمضان المبارک تک کریں اور اس مدت میں اور توسیع مقصود ہو تو باہمی رضامندی سے اس میں توسیع بھی کی جاسکتی ہے۔

اگر ثالثوں میں سے کوئی قضائے الٰہی سے فوت ہو جائے تو ہر گروہ کا سربراہ اس کے بجائے کسی دوسرے کا تقرر کر سکتا ہے، لیکن وہ نیا ثالث عدل وانصاف کی صفات سے مزین ہو۔ ان ثالثوں کے فیصلہ کی جگہ جہاں وہ بیٹھ کر فیصلہ مرتب کریں، اہلِ کوفہ اور اہلِ شام کے درمیان ہو۔ اور ان دونوں کی مرضی کے خلاف کوئی ان کے پاس نہ جائے، ہاں جسے وہ بلائیں وہ ان کے پاس جاسکتا ہے۔ پھر اس معاہدہ کی رُو سے وہ اپنا فیصلہ قلم بند کریں گے، اور جو آدمی اس ثالثی نامہ کو نہ مانے اور اس میں کسی قسم کے ہیر پھیر اور ظلم کا مرتکب ہو تو تمام اہلِ اسلام اس کے خلاف دوسرے فریق کی مدد کریں گے۔'' ❶

اس معاہدہ پر دونوں جانب سے دستخط ہو گئے اور بہت سے گواہوں نے اپنی گواہیاں بھی ثبت کر دیں۔ اس کے بعد دونوں لشکر اپنے اپنے علاقہ میں چلے گئے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں اپنی فوجوں کے ساتھ واپس چلے گئے اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام جا کر اپنی فوجوں کو منتشر کر دیا، اور سب فوجی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ ❷

---

❶ طبری: ٦/ ٢٩۔ ٣٠۔ اخبار الطوال، ص: ١٩٥۔ اتمام الوفاء، ص: ٢٣٢۔ ٢٣٣۔ ابن ابی الحدید: ٢/ ٢٣٣۔ ٢٣٦.

❷ مروج الذهب: ٢/ ٣٠.

Marfat.com

یہ معاہدہ ۱۳ صفر ۳۷ھ کو لکھا گیا تھا اور شعبان ۳۷ھ میں یعنی ۶ ماہ بعد ثالثوں کا اذرح میں اجتماع ہوا۔ گویا چھ ماہ تک ثالثوں نے تحقیقات کیں اور مختلف لوگوں کی شہادتیں قلم بند کیں، پھر ان کی چھان پھٹک کر کے اس فیصلہ کو سنایا، جس پر دونوں پارٹیاں مطمئن ہوگئیں اور مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی ہمیشہ کے لیے رُک گئی۔ اس معاہدہ کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

الخضری کے بیان کے مطابق معاہدہ میں یہ شرط بھی تھی کہ ثالثی نامہ سنانے کے وقت دونوں گروہوں کے امیر یعنی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ وہاں نہ آئیں گے، بلکہ ان کی طرف سے ان کے اعیان و انصار اور معتمدین میں سے چار چار سو نمائندے وہاں حاضر ہوں گے۔ ❶

اب یہ دونوں ثالث اکٹھے ہو کر ملت اسلامیہ کی بہتری کے لیے غور و فکر کرنے لگے۔ دونوں حضرات ایک بلند مقام کے حامل تھے اور تقویٰ، تدبر اور خشیت الٰہی میں اپنی مثال آپ، لیکن بعض دشمنانِ اسلام نے ایک ثالث (عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) کو انتہائی مکار، عیار اور فریب کار ثابت کیا ہے اور دوسرے ثالث (ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) کو انتہائی سادہ، بیوقوف اور ابلہ صفت ثابت کرنے کی انتہائی قبیح حرکت کی ہے، اور دونوں کے متعلق ایسی ایسی روایات وضع کی گئی ہیں جن کو نہ عقل قبول کرتی ہے اور نہ نقلی طور پر ان میں صداقت کا شائبہ معلوم ہوتا ہے۔

ابن ابی الحدید اور طبری نے لکھ بھی دیا کہ: ((کان ابو موسیٰ مغفلًا .)) ❷ پھر یہ بھی لکھا کہ سیّدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو گالیاں بھی دیں۔ ❸ یہ ان صحابہؓ پر صریح بہتان ہے۔ سیّدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کوئی مغفل اور ابلہ صفت بزرگ نہیں تھے، بلکہ نہایت جہاں دیدہ اور فقیہ اور صاحب فتویٰ بزرگ تھے۔ ابن قیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین میں اور ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں انھیں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا ابن ثابت کے مقام کا حامل لکھا ہے۔ ❹

---

❶ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ: ۲/ ۷۱۔ طبری: ۶/ ۲۹.

❷ طبری: ۶/ ۳۹۔ ابن ابی الحدید: ۳/ ۲۵۶.

❸ طبری: ۶/ ۴۰.

❹ ملاحظہ ہو: اعلام الموقعین: ۱/ ۱۶۔ تہذیب التہذیب: ۵/ ۳۶۳.

Marfat.com

فیصلہ سنانے کا مقام:

متعدد مجلسوں میں ثالثوں نے اپنا فیصلہ مرتب کرلیا اور اس کو تحریری طور پر مرتب کیا، کیوں کہ معاہدۂ تحکیم ہی میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ دونوں حکم مل کر جو فیصلہ کریں، وہ زبانی نہ ہو، بلکہ تحریری طور پر مرتب ہو۔ ❶ اور فیصلہ سنانے کی جگہ پر وہ صرف سنا دیا جائے۔

فیصلہ مرتب کرنے میں کئی لوگوں سے پوچھ گچھ ہوئی۔ کئی مرتبہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ان دونوں ثالثوں کے ایلچی مختلف استفسارات کے جوابات معلوم کرنے کے لیے گئے اور کئی مرتبہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے مختلف باتوں کے بارے میں پوچھا گیا۔ ❷

طے یہ ہوا کہ جب دونوں ثالث اپنا فیصلہ مرتب کرلیں تو وہ دومۃ الجندل کے مقام ''اذرح'' پر اس کو سنائیں۔ دومۃ الجندل وہ مقام ہے جس کے بارے میں دونوں ثالثوں نے عزم کرلیا تھا کہ وہ اسے اس کانفرنس کا مرکز بنائیں گے، کیوں کہ یہ مقام شام اور عراق کے درمیان واقع ہے اور ''اذرح'' کو بھی انھوں نے ہی منتخب کیا تھا کیوں کہ یہ خوارج کا مرکز ہے اور بلقاء عمان کے اطراف سے یہ حجاز کے قریب ہے، جو کہ جرباء سے ایک میل دور ہے۔ ❸ آج کل یہ مقام معان اور بطراء (وادیٔ موسیٰ) کے درمیان واقع ہے۔ عہد رسالتؐ میں اس مقام کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی، کیوں کہ قریش کے جو قافلے شام کی طرف جایا کرتے تھے، یہ مقام ان کی اقامت گاہ تھا۔ رومی دور میں بحر احمر کے لیے یہ رومیوں کی جائے اقامت اور مرکز مواصلات تھا۔ چونکہ یہاں پانی کی افراط تھی، لہٰذا شرق اُردن جانے والے قافلے یہاں آ کر ٹھہرا کرتے تھے۔ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت سے دست برداری کا اعلان بھی اسی جگہ کیا تھا۔ سوریا پر صلیبی حملوں کے زمانہ میں یہ برباد ہوگیا تھا، اسی وجہ سے عیسائی مؤرخین اپنی کتابوں میں اس کا نام نہیں لیتے، حالانکہ وادیٔ موسیٰ وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں۔

قریباً سب مؤرخین نے اس کانفرنس کا مقام دومۃ الجندل میں ہونا نقل کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کانفرنس کے انعقاد کا مقام ''اذرح'' تھا، دومۃ الجندل بتانے والے مؤرخین چوک گئے ہیں۔

---

❶ طبری: ٦/ ٣٩۔ ٣٠۔ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ: ٢/ ٢٩.

❷ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ: ٢/ ٥.

❸ معجم البلدان، یاقوت حموی: ٢/ ٤٨٨۔ طبری: ٦/ ٣٢.

Marfat.com

ابوبکر ابن العربی نے بھی ''اذرح'' ہی نقل کیا ہے۔ ❶ مختلف شعراء نے بھی اس وقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ''اذرح'' کے مقام کا نام لیا ہے، چنانچہ ذوالرمّہ شاعر سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پوتے بلال کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے:

ابوك تلافى الدين والناس بعد ما
تشادوا بيت الدين منقطع الكسر
فشد اصار الدين ايام اذرح
وردّ حروبًا قد لقحن الىٰ عقر

''یعنی تیرے دادا ابا نے دین کو بچالیا جب کہ لوگ آپس میں بددل ہوگئے تھے اور دین کی عمارت منہدم ہوا چاہتی تھی۔ انھوں نے اذرح کے ایام میں دین کے خیمہ کی طنابیں کس دیں اور لڑائیوں کا سلسلہ منقطع کر دیا جو اسلام کو بانجھ کرنے کا سبب بن رہی تھیں۔'' ❷

بعض مؤرخین کی روایت کے مطابق یہ کانفرنس ہونی تو دومتہ الجندل ہی میں تھی لیکن وہاں یہ اس لیے نہ ہوسکی کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ یہ چاہتے تھے کہ اس کانفرنس کی تاریخیں پیچھے ہٹ جائیں، تاکہ وہ خوارج کو جو ان کے لشکر سے الگ ہوگئے تھے، اپنے ساتھ ملالیں، اس لیے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے مندوب کو کانفرنس میں جانے سے روکے رکھا، اور وہ وقت معینہ پر نہ پہنچ سکے۔ ❸ لیکن آپ ہی کے دوستوں نے انھیں کانفرنس میں شرکت پر مجبور کر دیا۔ البتہ اس کے بعد اہلِ کوفہ اور اہلِ شام نے متفقہ طور پر یہ طے کیا کہ کانفرنس اذرح میں ہونی چاہیے کیوں کہ وہاں پانی کی افراط ہے اور دومتہ الجندل میں پانی کی اس قدر فراوانی نہیں۔ پھر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ توقع تھی کہ غیر جانب دار بھی کثیر تعداد میں اس میں شرکت فرمائیں گے۔ ❹

فیصلہ سے متعلق مشہور روایات:

دونوں فریقوں کے چار چار سو نمائندے رمضان المبارک سنہ ۳۷ھ (بعض روایات میں شعبان آتا ہے) میں اذرح کے مقام پر ثالثوں کا تحریری فیصلہ سننے کے لیے تشریف لائے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ

---

❶ العواصم من القواصم، ص: ١٧٤.
❷ معجم البلدان: ١/ ١٣٠.
❸ طبری: ٦/ ٣٢.
❹ اخبار الطوال، ص: ٢١١۔ طبری: ٦/ ٣٤.

Marfat.com

کے چار سو مندوبین کی قیادت آپ کے چچا زاد بھائی سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کر رہے تھے، اسی طرح سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی چار سو نمائندے اس فیصلہ کو سننے کے لیے آئے، لیکن خود یہ دونوں حضرات سیّدنا علی اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہما اس کانفرنس میں شریک نہ ہوئے۔ ❶ چونکہ فیصلہ بہت اہم تھا اور ملتِ اسلامیہ کی موت وحیات کا معاملہ تھا، اس لیے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی توقع کے مطابق غیر جانب دار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمران بن حصین وغیرہم بھی اس اہم فیصلہ کو سننے کے لیے مقام اذرح پر تشریف لائے۔

قریباً بہت سے مؤرخین نے اپنی اپنی تواریخ میں اس مقام پر وہ غلط بیانیاں کی ہیں کہ قلم کو تابِ نگارش نہیں، اور سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تصاویر اس قدر غلط رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کی ہیں کہ ان کو پڑھ کر کوئی شخص ان بزرگوں کے ساتھ حسنِ ظن نہیں رکھ سکتا۔ یہ سب سازشیں ہیں، ان لوگوں کی جو اپنی اسلام دشمنی کا اظہار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وقار کو مخدوش کرنے سے کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ مقررہ تاریخ پر دونوں حضرات نے اذرح کے تاریخی مقام پر اپنا فیصلہ سنایا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے پہلے سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ پہلے آپ فیصلہ سنائیں۔ انھوں نے کہا کہ تمام حقوق آپ ہی کے ہیں، عمر کے اعتبار سے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زیادہ عرصہ رہنے کے لحاظ سے اور پھر آپ ہیں بھی ہمارے مہمان۔ (وانت ضیف) ❷

اور اسی طرح بقول علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو دھوکے اور چال بازی سے فیصلہ سنانے میں آگے کر دیا۔

((فقدم عمرو ابا موسیٰ الاشعری مکیدة منه .)) ❸

''چنانچہ سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر فیصلہ کا اعلان کیا۔''

''حضرات! ہم نے اس مسئلہ پر بہت غور وخوض کیا ہے۔ ہمیں اس امت کے اتحاد و

---

❶ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیه: ۱/ ۷۱.

❷ مروج الذهب: ۲/ ۲۱۔ طبری: ۶/ ۳۹۔

❸ تاریخ الخلفاء، ص: ۱۷۳.

Marfat.com

اتفاق اور اصلاح کی اس کے علاوہ اور کوئی صورت نظر نہیں آئی کہ علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کر کے خلافت کا معاملہ شوریٰ پر چھوڑ دیا جائے۔ شوریٰ جسے اہل سمجھے اسے منتخب کیا جائے، لہٰذا میں علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کرتا ہوں۔ آئندہ جسے تم پسند کرو باہمی مشورے سے اپنا خلیفہ بنالو۔''

اس کے بعد سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنا فیصلہ سنایا اور کہا:

''حضرات! ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا فیصلہ آپ نے سن لیا۔ انھوں نے اپنے امیر کو جس کی طرف سے وہ حکم ہیں، معزول کر دیا ہے، میں بھی ان کی تائید کرتے ہوئے ان کو معزول کرتا ہوں، لیکن اپنے آدمی معاویہ رضی اللہ عنہ کو برقرار رکھتا ہوں۔ وہ امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کے ولی اور ان کے قصاص کے طالب ہیں، لہٰذا ان کی جانشینی کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔''

یہ فیصلہ سن کر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ چلائے کہ یہ بے ایمانی اور مکاری ہے اور کہا کہ:

''تمھاری مثال کتے کی ہے، اگر اس پر بوجھ لادو تب بھی ہانپتا ہے نہ لادو تب بھی ہانپتا ہے۔''

اس بات سے سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور جواب میں فرمایا:

''تمھاری مثال گدھے کی ہے، جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں۔''

اس کے بعد دونوں پارٹیوں کی آپس میں گالم گلوچ ہوئی اور پھر ہاتھا پائی شروع ہوئی۔ ❶

اس قسم کی روایت کو نقل کرنے کے بعد قاضی ابوبکر ابن العربی صاحبِ ''احکام القرآن'' لکھتے ہیں:

''یہ سب صریح جھوٹ اور کذب ہے۔ ان میں سے ایک حرف بھی وقوع میں نہیں آیا۔ یہ واقعات ہیں جن کو اہلِ بدعت نے نقل کیا ہے اور ان لوگوں نے ان کو وضع کیا ہے جو

---

❶ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اخبار الطوال، ص: ۲۰۱۔ ابن الاثیر: ۳/ ۱۶۸۔ مروج الذهب: ۲/ ۳۳۔ طبری: ٦/ ٤٠۔ البدایه والنهایه: ۷/ ۲۸۳۔ طبقات ابن سعد: ٤/ ٢٥٦۔ المصنف: ٥/ ٤٦٣۔ مرویات تاریخ الطبری، ص: ٤٠٦.

Marfat.com

بادشاہوں کی تاریخیں لکھتے ہیں، اور مجنون اور اس قسم کے لوگ جو کھلے بندوں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے اور بدعت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ان روایات کو نسلاً بعد نسلٍ روایت کرتے چلے آرہے ہیں۔''

اس قسم کی سب روایات جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے خلاف لوگوں کے جذبات کو اُبھارا گیا ہے، عقلی اور نقلی دونوں لحاظ سے غلط اور صحابہ کے خلاف ایک خاص سازش کے نتیجہ کے طور پر ہیں۔ ایسی روایات کو یار لوگوں نے اس سادگی سے بیان کر دیا ہے کہ اچھے اچھے لوگ بھی ان کے اس دام فریب میں آگئے ہیں، اور اُردو اور عربی کے اکثر تاریخ نگار ایسی باتوں کو عقل و خرد کی کسوٹی پر پرکھے بغیر صرف تقلیداً اپنی کتابوں میں لکھ گئے ہیں، جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے ایک جگہ خود اقرار کیا ہے:

''اگر ابن جریر طبری اور دوسرے ائمہ اور حفاظ نے وہ روایات نہ لی ہوتیں تو ہم بھی ان کو ترک کر دیتے اور اکثر تو ان (غلط) روایات میں سے ابومخنف لوط بن یحییٰ کی روایات ہیں، اور وہ شیعہ تھا اور ائمہ حدیث کے نزدیک وہ ضعیف الحدیث ہے۔'' ❶

اس قسم کی روایات میں سے ایک روایت یہ ہے۔ ابن ابی الحدید نے شرح ''نہج البلاغہ'' میں لکھا ہے کہ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فیصلہ تحکیم سے قبل سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بہت جوش دلایا اور کہا:

''اے ابوموسیٰ! آپ کو پتہ ہونا چاہیے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ طلقائے اسلام (یعنی وہ لوگ جن کو فتح مکہ کے روز معافی دی گئی تھی) میں سے ہے اور اس کا باپ (سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ) جنگِ احزاب کا کمانڈر اور رئیس تھا، اور وہ بغیر مشورہ اور بیعت کے خلافت کا دعویٰ کرتا ہے۔'' ❷

ابن ابی الحدید کی یہ بات صریحاً غلط ہے۔ نہ تو معاویہ رضی اللہ عنہ طلقاء میں سے تھے اور نہ ہی انھوں نے بغیر مشورہ اور بیعت کے خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔ وہ تو صرف قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کے طالب تھے۔ نہ انھوں نے خلافت کا دعویٰ کیا اور نہ ہی انھیں خواہش تھی۔ چنانچہ جب صفین میں سیّدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور سیّدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ صلح کی خاطر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو آپ نے ان کو

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۲۰۲.

❷ ابن ابی الحدید: ۲/ ۲۴۶.

Marfat.com

بھی صاف لفظوں میں کہا کہ میں خلافت کا دعوے دار نہیں ہوں۔ بلکہ میں تو صرف قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کی خاطر لڑ رہا ہوں اور قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کو انھوں نے پناہ دی ہے۔ ان سے کہیے کہ اگر وہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کو ہمارے حوالے کر دیں تو پھر دیکھیں کہ میں اہلِ شام میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جو علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔'' ❶

اگر ذرا بھی عقل و درایت سے کام لیا جائے تو تحکیم کے بارے میں تمام غلط روایات کی حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے اور دشمنانِ اسلام کے مکر و فریب کا پتہ چل جاتا ہے کہ انھوں نے اسلام کی تاریخ میں کیا کیا گل کھلائے ہیں۔

ان روایات کے بارے میں سب سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اتنا اہم فیصلہ جو پوری اُمت مسلمہ اور ملت اسلامیہ کی موت و حیات کا فیصلہ تھا، کیا اس کا اعلان اس طرح کیا جانا تھا جس طرح کسی مسجد کے منبر پر وعظ کیا جاتا ہے کہ پہلے ایک اٹھا اور اس نے اعلان کر دیا اور بعد میں دوسرے نے اُٹھ کر اس کی تردید کر دی۔ جیسا کہ معاہدۂ تحکیم میں درج تھا کہ؛

((ثم یکتبان شهادتهما علیٰ ما فی هذه الصحیفة .))

''پھر یہ دونوں ثالث ثالثی نامہ کے معاملہ میں اپنا فیصلہ تحریراً مرتب کریں گے۔'' ❷

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثالثوں نے فیصلہ تحکیم تحریری شکل میں مرتب کیا تھا، صرف زبانی نہیں کیا تھا۔ اور یہ بات ساری دنیا جانتی ہے کہ جب سے تحریر ایجاد ہوئی ہے اس وقت سے لے کر اب تک یہی رواج چلا آ رہا ہے کہ دو ثالث باہمی طور پر جب کوئی تحریر مرتب کرتے ہیں تو جن امور پر ان کا اتفاق ہوتا ہے، ان کو لکھ لیا جاتا ہے۔ پھر جتنے گروہوں کے مابین وہ فیصلہ ہوا ہو اس تحریر کی اتنی ہی کاپیاں بنائی جاتی ہیں اور ہر کاپی پر ان مندوبین اور فیصلہ کنندگان کے دستخط ہوتے ہیں، جو اس فیصلہ میں شریک ہوتے ہیں۔ پھر وہ تحریر یا فیصلہ اگر سنانا ہو تو اس فیصلہ کو جس پر کہ دونوں فریق کے مندوبین کے مابین ثالثوں نے یہ فیصلہ کیا ہے اور اس فیصلہ پر ثالثوں اور گواہوں کے دستخط موجود ہیں اور کسی کو

---

❶ البدایه والنهایه: ۷/ ۲۵۹.

❷ طبری: ٦/ ۲۹۔ ۳۰۔ ایام العرب، ص: ۳٦۹۔ مروّج الذهب: ۲/ ۲۹۔ الوثائق السیاسة، ص: ۵۳۷، ۵۳۸۔ انساب الاشراف: ۱/ ۳۸۲.

Marfat.com

اب جائے فرار نہیں۔ اگر ثالثوں میں سے کسی ایک کی دیانت مشکوک ہو تو شہادتوں کے ذریعے فیصلہ کو مزید پختہ کیا جاتا ہے، تاکہ کوئی ثالث یا پارٹی اس سے فرار نہ کر سکے۔

خود سنت میں اس کی مثال موجود ہے کہ صلح حدیبیہ میں قریش کی طرف سے عروہ بن مسعود ثقفی نمائندہ تھے اور دوسری طرف سے سرکارِ دو عالم ﷺ پوری ملتِ اسلامیہ کی نمائندگی فرما رہے تھے۔ معاہدہ مرتب ہوا اور بعد میں دونوں نمائندوں کے دستخط ہو گئے۔ اب نہ قریش اس سے انکار کر سکتے تھے اور نہ حضورِ اکرم ﷺ نے اس سے انکار فرمایا۔ اسی طرح اہلِ کفر کے ساتھ آپ ﷺ نے اور معاہدے بھی کیے، جو سب تحریری تھے۔

یہ بات کس قدر دور از عقل ہے کہ سترہ (۱۷) شقوں پر مشتمل ایک معاہدہ لکھا گیا ہو اور اس پر حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب، اشعث بن قیس الکندی، الاشتر بن حارث، سعید بن قیس الہمدانی، حصین بن حارث، طفیل بن حارث بن عبدالمطلب، ابوسعید بن ربیعہ الانصاری، عبداللہ بن خباب بن الارت رضی اللہ عنہ، سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ، ابوبشر بن عمر الانصاری، عوف بن الحارث بن عبدالمطلب، یزید بن عبداللہ اسلمی، عقبہ بن عامر الجہنی، رافع بن خدیج الانصاری، عمرو بن الحمق الخزاعی، نعمان بن عجلان، حجر بن عدی الکندی، یزید بن حجیہ النکری، مالک بن کعب الہمدانی، ربیعہ بن شرحبیل، حارث بن مالک، حجر بن یزید، علبہ بن حجیہ اور اہلِ شام کی طرف سے حبیب بن مسلم الفہری، ابوالاعور السلمی، بشر بن ارطاۃ القرشی، معاویہ بن خدیج الکندی، مخارق بن حارث الزبیدی، مسلم بن عمرو السکسی، عبداللہ بن خالد بن ولید، حمزہ بن مالک، سبیع بن یزید الحضرمی، عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، علقمہ بن یزید الحضرمی، یزید بن الجبر، مسروق بن حبلہ العکی، بسر بن یزید الحمیری، عبداللہ بن عامر القرشی، عتبہ بن ابی سفیان، محمد بن ابی سفیان، محمد بن عمرو بن العاص، عمار بن الاحوص الکلبی، سعدہ بن عمرو العتبی، صباح بن جلھمہ الحمیری، عبدالرحمٰن بن ذی الکلاع، تمامہ بن حوشب، علقمہ بن حکم وغیرہ کے دستخط تھے۔ [1]

اب اس معاہدۂ تحکیم کا جو فیصلہ بتایا گیا وہ صرف زبانی تھا کہ ایک ثالث نے اُٹھ کر پہلے زبانی

---

[1] الوثائق السیاسة، ص: ۵۳۷، ۵۳۸۔ الاخبار الطوال الدینوری، ص: ۱۹۶، ۱۹۹۔ انساب الاشراف: ۱/ ۳۸۲۔ طبری: ۵/ ۶۶۵، ۶۶۶۔ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۷۶۔ ۲۷۷.

Marfat.com

ایک فیصلہ سنایا اور دوسرے ثالث نے اُٹھ کر اس کی تردید کردی۔ جب شرائط معاہدہ میں یہ بھی ایک شرط تھی کہ دونوں نمائندے جو بھی فیصلہ کریں وہ تحریری طور پر مرتب ہو اور اس پر باقاعدہ شہادتیں ثبت ہوں۔ فیصلہ تحکیم چھ ماہ کی تحقیق اور چھان پھٹک کے بعد مرتب کیا گیا لیکن ثالثوں نے اس شرط کو پورا نہ کیا۔ اگر معاہدہ میں یہ شرط نہ بھی لکھی ہوتی، تب بھی فیصلہ تحریری ہونا چاہیے تھا۔

پھر وہ مقام اذرح پر جہاں اس فیصلہ کو سنایا جانا تھا اور وہ بھی ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں تو وہ بجائے تحریری فیصلہ پڑھ کر سنانے کے صرف زبانی فیصلہ سنانا شروع کردیں اور ہزار ڈیڑھ ہزار حاضرین میں سے کوئی ان پر اعتراض نہ کرے کہ وہ تحریری فیصلہ پڑھ کر سناؤ جو تم دونوں نے چھ ماہ کی تگ و دو کے بعد مرتب کیا ہے۔

پھر اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بقول ان روایات کے گھڑنے والوں کے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پر پہلے ہی اعتماد نہیں تھا اور وہ (معاذ اللہ) ان کو نہایت بیوقوف اور ابلہ صفت اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں ایک اجڈ انسان سمجھتے تھے۔ [1] جب سیّدنا ابوموسیٰ کی (معاذ اللہ) یہ حالت تھی تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو تو اور زیادہ اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے تھا کہ فیصلہ تحریری ہو صرف زبانی اور تقریری نہ ہو۔ تاکہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کوئی چالاکی نہ کرسکیں اور نہ ہی مکر سکیں۔

تاریخ کی کتابوں میں ہمیں یہ تو ملتا ہے کہ جب دونوں ثالث چند باتوں پر متفق ہوگئے تو مقامِ اذرح پر اپنا فیصلہ سنانے لگے۔ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سیّدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو پہلے فیصلہ سنانے کو کہا، اور سیّدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اُٹھے تو سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جو علوی مندوبین کی قیادت فرما رہے تھے، کہا:

> ''افسوس ہے تم پر، بخدا! مجھے یہ گمان تھا کہ یہ تم سے دھوکا کرے گا۔ اگر تم دونوں کسی بات پر متفق ہوگئے ہو تو بات کرنے میں اس کو مقدم کریں اور آپ بعد میں بات کریں کیوں کہ (معاذ اللہ) یہ ایک عہد کو توڑنے والا آدمی ہے۔'' [2]

---

[1] طبری: ٦/ ٣٩، ٤٠۔ ابن اثیر: ٣/ ١٦٨۔ الاخبار الطوال، ص: ٢٠٠۔ ابن ابی الحدید: ٢/ ٥٥.

[2] ابن اثیر: ٣/ ١٦٨.

Marfat.com

لیکن یہ تاریخ کی کسی کتاب میں نہیں ملتا کہ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما یا کسی اور علوی مندوب نے یہ کہا ہو کہ آپ وہ فیصلہ سنائیں جو آپ دونوں حضرات نے چھ ماہ کی کوشش اور محنت کے بعد مرتب کیا ہے، تاکہ کسی جھگڑے کا شاخسانہ نہ اُٹھ کھڑا ہو۔

اس قسم کی جس قدر روایات ہیں، ان میں زہری کا ادراج بھی ہے۔ ❶ اور ابوبکر بن ابی سرہ بھی راوی ہے، جس کے بارے میں امام احمد فرماتے ہیں: ((کان یضع الحدیث)) ..... ''وہ روایات گھڑتا تھا۔'' ❷ اور ابومخنف لوط بن یحییٰ اور ابوسائب کلبی اور واقدی جیسے کذاب اور ضعیف لوگ بھی ہیں۔ لہٰذا ان کی روایات پر اعتماد کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اپنے اعتقاد کو خراب نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تمام روایات ان راویوں کی وجہ سے ضعیف اور مضطرب ہیں۔ ان روایات کے متون میں بھی اضطراب ہیں اور اسناد میں بھی اضطراب ہے۔ ❸

مخالفت کی لگن آدمی کو عقیدت اور محبت کی لگن سے زیادہ اندھا بنا دیتی ہے۔ جن مخالفین نے روایات کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ تصویر پیش کی ہے اور سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جیسے پاکیزہ انسان کے منہ سے سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں ((فانّہ رجلٌ غادرٌ .)) کا ناپاک جملہ نکلوایا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سینے اللہ اور آخرت کے خوف اور ایمان کی روشنی سے یک قلم خالی تھے۔

روایات پر اجمالی بحث:

اس کانفرنس میں کیا فیصلہ ہوا؟ تاریخ کے اوراق میں اصل حقیقت کو گم کر دیا گیا ہے۔ ❹ تاریخ میں روایات کا ایک ایسا گورکھ دھندا بنا دیا گیا ہے کہ اصل حقیقت کا پتہ لگانا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ پھر جو کچھ بیان کیا گیا ہے، اس میں بھی بہت اختلاف ہے۔ ❺ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ اسلام کی تاریخ میں جس قدر کذب بیانی اور غلو واقعۂ تحکیم اور واقعہ کربلا کے بارے میں کیا گیا ہے، اتنا شاید

---

❶ المراسیل لابی حاتم، ص: ۳۔ الجرح والتعدیل: ۱/ ۲٤٦.

❷ تهذیب التهذیب: ۱۲/ ۲۷۔ مرویات تاریخ طبری، ص: ٤۰٦.

❸ مرویات ابی مخنف فی تاریخ الطبری، ص: ٤۰۸.

❹ مرویات ابی مخنف فی تاریخ الطبری، ص: ٤۰۸.

❺ ملاحظہ ہو: طبری: ۱/ ۳۵۔ الیعقوبی: ۲/ ۲۲۰، ۲۲۲۔ مسعودی: ۲/ ۱۷، ۳٦۔ الفخری، ص: ۲۷۔ ۱۳۰.

Marfat.com

ہی کسی اور واقعہ میں کیا گیا ہو۔ مسعودی، خضری اور طبری وغیرہ مؤرخین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ فیصلہ یہ ہوا تھا کہ ثالثوں کا فیصلہ تحریری ہوگا اور حسب فیصلہ وہ تحریر لکھی بھی گئی تھی لیکن فیصلہ کی تحریر کو ایک خاص سازش کے تحت حرف غلط کی طرح کتابوں سے مٹا دیا گیا اور آج باوجود تجسّس و تفحص کے وہ تحریر تاریخ کی کسی کتاب میں نہیں ملتی اور اس کے بجائے صرف یہی لکھ دیا گیا ہے کہ فیصلہ زبانی سنایا گیا، اور پہلے سیّدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ کہا اور بعد میں سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اصل فیصلہ کو مروڑتے ہوئے یہ کہہ دیا: ''مسعودی جیسے شیعہ مؤرخ نے بھی یہ لکھا ہے کہ ثالثوں میں سے کسی نے بھی زبانی تقریر نہیں کی۔'' ❶

اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس زمانہ میں خلافت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ وہ تو صرف قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کے مدعی تھے اور اس کے لیے وہ اُٹھے تھے، اور انھوں نے بار بار اپنے خطوط اور علوی نامہ بروں کے ساتھ اس بات کا اظہار فرمایا تھا کہ میں سب سے پہلے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کو تیار ہوں گا، اگر وہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لیں۔ ❷

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں انھوں نے خلافت کا دعویٰ کیا ہی نہیں تھا کہ یہ سوال پیدا ہوتا کہ ان کو خلیفہ بنایا جائے یا انھیں معزول کیا جائے، اور نہ ہی ثالثوں کا تقرر اس لیے ہوا تھا کہ وہ اس بات کا فیصلہ کریں کہ دونوں میں سے خلیفہ کون ہو، اور اگر یہ دونوں خلافت کے اہل نہ ہوں تو تیسرا کون ہونا چاہیے، بلکہ ان کا تقرر تو صرف اس لیے ہوا تھا کہ وہ اس بات کا فیصلہ کریں کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کے مدعی ہیں اور اس کے برعکس سیّدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

> ''میں اس وقت ان سے قصاص لینے کی قدرت نہیں رکھتا۔ پہلے تم میری بیعت کرو، پھر جب میں مناسب سمجھوں گا یا اپنے کو اس قابل جانوں گا کہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لے سکوں، اس وقت ان سے قصاص لوں گا۔''

لیکن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس بات کو تسلیم نہ کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ پہلے قصاص لو، پھر میں بعد میں بیعت کروں گا، کیوں کہ ان کے خیال میں خلیفہ ثالث سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی رسی ابھی

---

❶ مروّج الذهب: ٢/ ٤١١.

❷ البدايه والنهايه: ٧/ ٢٥٩.

Marfat.com

تک ان کی گردن میں تھی اس لیے کہ وہ مظلوم شہید کیے گئے تھے۔ اس بارے میں اس سے قبل فریقین میں کئی بار گفتگو بھی ہو چکی تھی۔ یہ دونوں حضرات اپنے اپنے مؤقف میں کہاں تک درست تھے اور ان دونوں میں مصالحت کی صورت کیا ہو سکتی تھی، تاکہ اُمت بہت بڑی خون ریزی سے بچ جائے۔

یہ تھا فریقین کا مابہ النزاع مسئلہ اور اسی کے فیصلہ کے لیے حکمین کا تقرر کیا گیا تھا۔ دونوں ثالث اپنی اپنی جگہ ایک خاص علمی مقام کے مالک تھے۔ کیا وہ اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے تھے کہ ہمارا تقرر کس مسئلہ کے لیے ہوا ہے اور ہم فیصلہ کیا کر رہے ہیں؟ ان سب باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ فیصلہ ہوا کچھ اور تھا لیکن تاریخ میں کچھ ایسا ہیر پھیر کیا گیا ہے کہ حقیقت ان روایات کے پیچھے چھپ گئی ہے، اور مابعد کے مؤرخین مکھی پر مکھی مارتے چلے آ رہے ہیں، اور انھوں نے اس بات کی ٹوہ لگانے کی کوشش ہی نہیں کی کہ اس کوئلوں کے ڈھیر سے اس اصل ہیرے کی ٹوہ لگائیں، جو اس کے اندر چھپا ہوا ہے۔

بعض لوگوں نے کچھ ایسی روایات بھی وضع کی ہیں کہ جب ثالثوں نے اپنا فیصلہ سنایا تو مجمع میں گڑبڑ پیدا ہو گئی اور شریح بن ہانی نے سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر کوڑے برسانا شروع کر دیے اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہیں چھپ گئے۔ ❶

یہ ایسی خرافات ہیں کہ ان کو تاریخ کی کتابوں میں بیان کرنا یا تاریخ کہنا خود تاریخ کی توہین ہے۔ مستند روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس مجمع میں کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی تھی، بلکہ سب لوگوں نے ثالثوں کے فیصلہ کو سراہا اور مسلمانوں کے مابین نزاع بہت حد تک کم ہو گیا اور کسی کو گڑبڑ پیدا کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ یہ کہنا کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے دھوکہ دیا اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے دھوکہ کھایا، یہ سب روایات ابومخنف لوط بن یحییٰ اور کلبی جیسے راویوں کی ہیں اور ردّی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل ہیں، اور ان کا مقصود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی شخصیتوں کو مجروح کرنا ہے۔ تاریخ کی کتابوں کے لکھے جانے سے قبل کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے دھوکہ دیا ہے اور سیّدنا ابوموسیٰ اشعریؓ نے دھوکہ کھایا ہے۔ اگر سیّدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے دھوکہ کھایا ہوتا تو اکابر نے ان کے مؤقف کو سراہا نہ ہوتا۔ چنانچہ عرب کے ایک مشہور شاعر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پوتے بلال سے ان کے دادا کے اس کارنامے کو سراہتے ہوئے کہتا ہے:

---

❶ ابن اثیر: ۳/ ۱۶۸۔ اخبار الطوال، ص: ۲۰۱.

Marfat.com

ابوك تلافى الدين والناس بعد ما
تشادوا بيت الدين منقطع الكسر
فشد اصار الدين ايام اذرح
وردّ حروبًا قد لقحن الىٰ عقر

''یعنی تیرے دادا ابا (سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) نے دین اور لوگوں کی شیرازہ بندی فرمائی، جب کہ لوگ آپس میں بددل اور پراگندہ خاطر تھے، اور دین کی عمارت منہدم ہوا ہی چاہتی تھی۔ انھوں نے اذرح کانفرنس میں دین کے خیمہ کی طنابیں کس دیں اور جنگوں کے سلسلہ کو بالکل روک دیا جو کہ دین وملت کو بانجھ اور عقیم کر دینے والی تھیں۔'' ❶

پھر تاریخ کی کتابوں میں یہ تو آتا ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کانفرنس کے فیصلہ پر یہ اعتراض کیا کہ ان ثالثوں نے کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کیا ہے۔ ❷

لیکن آپ نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے میرے حکم ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ کسی نے اس کانفرنس میں دھوکہ دیا اور نہ کسی نے دھوکا کھایا، صرف مسلمانوں کے مابین اختلافات کی خلیج وسیع کرنے کے لیے اس قسم کی روایات وضع کی گئی ہیں۔

اگر سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے دھوکہ اور فریب سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان کر دیا ہوتا تو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دوسرے ہی روز اس بات کا اعلان فرما دیتے کہ اب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ نہیں ہیں، بلکہ اہل حل وعقد نے مجھے خلیفہ بنایا ہے۔ لہٰذا میں علی رضی اللہ عنہ کو الٹی میٹم دیتا ہوں

---

❶ معجم البلدان: ١/ ١٣٠۔ العواصم من القواصم، ص: ١٧٦ تعليقه۔ معاويه، انيس زكريا نصولى، ص: ٣١.

❷ الاخبار الطوال، ص: ٢٠٦۔ الفخرى، ص: ٨٤۔ طبرى: ٦/ ٤٢۔
..... یہ روایت بھی غلط ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا تھا کہ ثالثوں نے کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کیا ہے۔ اگر یہ فیصلہ کتاب اللہ کے خلاف ہوتا تو آپ بعد میں اسی وقت لڑائی چھیڑ دیتے اور دوسرے ہی روز آپ نے دمشق کو گھیرے میں لے لیا ہوتا، لیکن ہم ایسا نہیں پاتے بلکہ صفین سے جو فوجیں ہٹی تھیں، ان کی پھر کسی بھی محاذ پر آپس میں مڈبھیڑ نہیں ہوئی، بلکہ دونوں طرف سے لڑائی ایسی بند ہوئی کہ پھر خون کا ایک قطرہ بھی فرشِ خاک پر نہیں گرا۔ ان سب واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ فیصلہ نہایت حکیمانہ اور مدبرانہ تھا، اور اس سے ہر آدمی اپنی اپنی جگہ مطمئن تھا۔

Marfat.com

کہ یا تو وہ میری خلافت قبول کرلیں یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ جس طرح کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو الٹی میٹم دیا تھا کہ ''تم میری بیعت کرلو، عافیت اور سلامتی اسی میں ہے، ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔'' ❶ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے ایسا کوئی الٹی میٹم نہیں دیا اور نہ آپ نے اپنی فوج کو عراق کے کسی محاذ پر بھیجا، بلکہ آپ آرام کے ساتھ دمشق میں رہے اور اپنی فوجوں کو منتشر کر دیا۔

((ولحق معاوية بدمشق من ارض الشام وفرق عساكره فلحق كل جندمنهم ببلده .)) ❷

''یعنی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سرزمین شام میں دمشق تشریف لے گئے اور اپنے لشکروں کو الگ الگ بھیج دیا۔ ان میں سے ہر پلٹن الگ الگ شہر یعنی چھاؤنی میں چلی گئی۔''

اور اپنے زیرنگین علاقے میں پہلے کی طرح حکومت کرتے رہے۔ اس عرصہ میں آپ نے کبھی بھی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو بیعت کی دعوت نہیں دی، بلکہ جب کبھی بات چلی تو آپ نے قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص ہی طلب کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ نہ دھوکے سے کسی کی خلافت چھینی گئی اور نہ دھوکے سے کسی کو خلیفہ بنایا گیا، بلکہ جس بارے میں دونوں کو حکم بنایا گیا تھا، اس بارے میں انھوں نے نہایت دور اندیشی، معاملہ فہمی اور غور و فکر سے فیصلہ کیا، اور ایسا اعلیٰ فیصلہ کیا کہ دین کی شیرازہ بندی ہوگئی، لوگوں کی منتشر خیالی اور پراگندگی دور ہوگئی اور دین کی عمارت جو منہدم ہونے کے قریب تھی، پھر اپنی پہلی حالت پر آ گئی، اور ان جنگوں کا سلسلہ یک قلم منقطع ہوگیا جو کہ ملتِ اسلامیہ کو بانجھ کر ڈالنے والی تھیں۔ کھنچی ہوئی تلواریں نیاموں میں چلی گئیں اور ملک میں امن و سلامتی کا پودا پھر سے سرسبز و شاداب ہوگیا۔

ثالثوں کا اصل فیصلہ:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ثالثوں نے اگر یہ فیصلہ نہیں کیا تھا تو پھر آخر اُن کا فیصلہ جو اذرح کے مقام پر سنایا گیا، وہ تھا کیا؟ امت کی بدقسمتی اور دشمنانِ اسلام کی سازشوں سے وہ اصل تحریری فیصلہ آج ہمارے پاس موجود نہیں، لیکن مسعودی وغیرہ مؤرخین نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ:

---

❶ اخبار الطوال، ص: ١٤١.

❷ مروّج الذهب: ٣/ ٣٠.

Marfat.com

((انهما لم يخطبا وانّما كتبا صحيفة .)) ❶

''ان دونوں حضرات نے زبانی خطاب نہیں فرمایا تھا، بلکہ فیصلہ تحریر کیا تھا۔''

اور فیصلہ کے کتابوں میں موجود نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ روایات جن سے بنواُمیہ کی ذرہ برابر حمایت ہوتی ہے، مسلم نما سبائیوں نے ان کو تاریخ کے اوراق ہی سے گم کردیا ہے۔ اور اصل حقیقت کے بجائے ایسے ایسے افسانے تاریخ میں بھر دیے ہیں جو عقل ونقل اور روایت ودرایت دونوں کے لحاظ سے غلط ہیں، خصوصی طور پر تحکیم اور واقعۂ کربلا میں۔ ان دونوں واقعات میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے مخالف رائے رکھنے والوں کا کریکٹر اس قدر گھناؤنا پیش کیا گیا ہے کہ ان کو پڑھ کر آدمی حیران و پریشان ہوکر رہ جاتا ہے، اور اس معاملہ میں یہاں تک زیادتی کی گئی ہے کہ اگر خود اہلِ بیت کے کسی فرد نے بھی ان کے خلاف معمولی سی رائے دی تو اس کو بھی ''مذل المؤمنین'' اور ''مسود وجوہ المؤمنین'' قسم کے توہین آمیز القابات سے یاد کیا گیا ہے۔

البتہ اگر موجودہ روایات ہی کی چھان پھٹک کی جائے اور ان میں ذرا تنقیدی نگاہ سے ٹوہ لگائی جائے، تو اصل حقیقت کی کچھ پرچھائیاں نظر آنے لگتی ہیں، جن سے اس کانفرنس کا نتیجہ سامنے آجاتا ہے۔

۱: دونوں ثالث اس بات پر متفق تھے کہ حق دونوں جانب ہے اور یہ دونوں حضرات اپنے اپنے مؤقف میں مخلص ہیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ طلب قصاص میں اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ طلب بیعت میں، اور ان کے مابین جو اختلاف ہے وہ صرف اجتہادی اختلاف ہے۔ اور یہ اختلاف نگاہِ شریعت میں ایسا اختلاف ہے، جس میں صواب وخطا دونوں میں ثواب اور اجر ملتا ہے۔ ہاں جو راہِ صواب اختیار کرکے اصل مقصد کو پہنچ گیا اس کو راہِ خطا پر گامزن ہونے والے سے دوگنا ثواب ہے۔ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی معصوم نہیں، غلطی کا ہر بشر سے امکان ہے، ہاں اس میں جو لوگ فتنہ پردازی کی غرض سے شامل ہیں وہ گناہ گار اور واجب القتل ہیں اور انھی کے قتل کا مطالبہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کررہے تھے، لہٰذا سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بالفعل صحیح ہے اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کا مطالبہ صحیح اور درست ہے۔ اس وجہ سے دونوں

---

❶ مسعودی: ۱/ ۲۷۱۔ عمرو بن العاصؓ، حسن ابراهيم حسن، ص: ٤٢.

Marfat.com

کو اپنے اپنے مؤقف سے معزول کیا جاتا ہے، یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ قصاص کا مطالبہ اپنے ہاتھ میں نہ لیں اور سیّدنا علیؓ تلوار روکیں۔

مؤقف کی معزولی ہی کو مؤرخین نے خلافت سے معزولی پر محمول کیا ہے، حالانکہ خلافت کے دعوے دار صرف سیّدنا علی رضی اللہ عنہ تھے نہ کہ دونوں حضرات، لہٰذا دونوں کی خلافت سے معزولی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں اگر دونوں اپنی اپنی جگہ پر خلافت کے دعوے دار ہوتے تو پھر فیصلہ میں دونوں کو معزول کیا جاسکتا تھا، اس لیے کہ اگر ثالث خلافت سے معزول کرتے تو ایک کو کرتے یعنی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو نہ کہ دونوں کو۔ بات دراصل یہ تھی کہ ان ثالثوں نے دونوں کو اپنے اپنے مؤقف سے معزول کیا تھا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے تلوار چلائی تھی، ان کو تلوار چلانے سے روکا گیا اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قصاص کے معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا، لہٰذا ان سے کہا گیا کہ آپ اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں نہ لیں۔ یہ تھی اپنے مؤقف سے دونوں کی معزولی جس کو مؤرخین نے خلافت سے معزولی لکھ دیا کہ:

''پھر دونوں ثالث اس بات پر متفق ہوگئے کہ علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کو (خلافت سے) معزول کردیا جائے اور اس امر خلافت کو لوگوں کے باہمی مشورہ پر چھوڑ دیا جائے، تاکہ وہ متفق ہوکر جس کو چاہیں اپنے لیے (بطورِ خلیفہ) اختیار کرلیں۔'' [1]

پھر ایک نے دوسرے کو دھوکہ دے کر اپنے امیدوار کو امیر المؤمنین بنادیا اور دوسرے کو اس طرح معزول کردیا۔ یہ سب سازش اور غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دامن اس قسم کی خرافات سے پاک ہے۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کا دعویٰ ہی نہیں کیا، بلکہ جب ابو مسلم خولانی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تھے تو انھوں نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ تم خلافت کے بارے میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ جھگڑا کرتے ہو؟ تو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((انی لاعلم انّه افضل منی واحق بالامر ، ولکن ألستم تعلمون ان عثمان قتل مظلومًا وانا ابن عمّه ووليه ، اطلب بدمه؟))

''میں بخوبی جانتا ہوں کہ علی رضی اللہ عنہ مجھ سے افضل ہیں اور امرِ خلافت میں مجھ سے زیادہ

---

[1] البدایه والنهایه: ۲۸۳/۷۔ عمرو بن العاص، ص: ۷۱۔ حسن ابراهیم حسن۔ مروج الذهب: ۱/ ۲۷.

Marfat.com

حق دار ہیں، لیکن کیا تم اس بات کو نہیں جانتے کہ عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید ہوئے اور میں ان کا چچازاد بھائی ہوں اور ان کا ولی ہوں اور ان کے خون کے قصاص کا طالب ہوں؟'' ❶

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین اصل نزاع یہ تھا اور معاہدۂ تحکیم قضیہ کے حل کے لیے ہوا تھا نہ کہ خلیفہ کے اختیار اور عزل کے لیے۔ ❷

یہی بات ابن حزم نے بھی لکھی ہے۔ ❸

ب: اس امر خلافت کا فیصلہ ایسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتماع میں ہو جن سے اللہ کا رسولؐ اس دنیا سے رُخصت ہوتے وقت راضی تھا۔ ❹ کیوں کہ اتنے بڑے قضیہ کا فیصلہ ہمارے بس کا روگ نہیں۔ اس کے فیصلہ کے لیے پہلے رائے عامہ کو ہموار کرنا ضروری ہے۔ اور اگر ہم ابھی فیصلہ کر بھی دیں تو ایسے فیصلے کا کوئی فائدہ نہیں جس کو منوانے کے لیے پشت پر طاقت نہ ہو۔ اکابر صحابہ کی ایک جماعت جب اس کا فیصلہ کرے گی تو وہ فیصلہ بہت جلد نافذ ہوگا۔ یہ فیصلہ اس لیے کیا گیا کہ سبائیوں نے اُمت کے متفق علیہ امام کو دن دیہاڑے مدینہ منورہ کی پاک اور مقدس سرزمین میں بغیر کسی قصور کے ظلماً شہید کر دیا اور پھر وہی قاتلانِ عثمان سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہیں۔ ان سے قصاص کس طرح لیا جائے۔

اسی ذیل میں یہ مسئلہ بھی آتا ہے کہ نئی خلافت انھی باغیوں نے اپنے اثرات اور اپنی کوششوں سے قائم کی۔ چنانچہ طبری نے صراحت سے اپنی تاریخ میں ان واقعات کو بیان کیا ہے۔ ❺ اور تاریخ کی کتابوں میں یہ جملہ بھی آتا ہے کہ: ((اوّل من بایعه الاشتر .)) .....''سب سے پہلے اشتر نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔'' سبائیوں کے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس طرح ہنگامی طور پر خلیفہ بنا کر پھر ان کی فوج میں داخل ہو جانے سے امت تفرقہ کا شکار ہوگئی اور سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی بیعت نہ کی۔ اسی تفرقہ کے سبب شمشیر کشی اور قتال تک نوبت پہنچ گئی۔ ثالثوں نے

---

❶ سیر اعلام النبلاء: ٣/ ١٤٠۔ فتح الباری: ١٣/ ٨٦ واسناده جید.

❷ مرویات ابو مخنف فی تاریخ الطبری، ص: ٤٠٩.

❸ الفصل فی الملل والنحل: ٤/ ١٦٠.

❹ العواصم من القواصم، ص: ١٧٨۔ التاریخ الکبیر للبخاری: ٥/ ٣٩٨.

❺ طبری: ٥/ ٥٦.

Marfat.com

تمام واقعات کی مکمل تحقیق اور چھان پھٹک کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ باغیوں اور قاتلانِ عثمانؓ کے اثرات اور ان کے شمول سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا انتخاب غیر آئینی ہے، لہٰذا یہ انتخاب منسوخ ہو کر کل اُمت کے نمائندہ حضرات اور ارباب حل وعقد کے مشورہ سے از سرنو انتخاب ہو۔ اس اجتماع میں جس میں اس امرِ خلافت کا فیصلہ ہو، صرف وہی حضراتِ صحابہ شامل ہوں، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت راضی تھے۔ یہ اربابِ حل وعقد جب کوئی فیصلہ کریں گے تو ان کی پشت پر اس فیصلہ کو منوانے کے لیے رائے عامہ کے بے پناہ طاقت ہوگی۔ ❶

ج: جب تک ارباب حل وعقد کے باہمی مشورہ سے از سرنو انتخاب عمل میں نہیں آتا، اس وقت تک دونوں فریق اپنے اپنے زیر اقتدار علاقوں کا نظم ونسق چلاتے رہیں اور آپس میں امن وسلامتی سے رہیں۔ ❷

یہ تھا ان دونوں ثالثوں کا فیصلہ جس کو ابومخنف جیسے سبائی راویوں نے کیا کیا رنگ دے دیا ہے اور اصل واقعات مسخ کر کے امت کے سامنے پیش کیا ہے، تاکہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں ان کے معتقدات صحیح نہ رہیں اور قرآن وحدیث کے اوّلین راویوں کی شخصیات مجروح ہوں اور یہ ثابت کرنے کی بھی کوشش کی کہ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے دھوکہ اور مکر و فریب سے کام لیا۔ اس کے بارے میں علامہ محبّ الدین الخطیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مسئلہ تحکیم میں کسی مکر وفریب کی بات نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی سے غفلت اور بے وقوفی کا صدور ہوا، ہاں فریب اور غفلت کا محل جب ہوتا اگر سیّدنا عمرو بن العاصؓ تحکیم کے فیصلہ میں یہ اعلان فرماتے کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کی خلافت اور مؤمنین کی امارت کی ذمہ داری سپرد کرتے ہیں، اور سیّدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے اس بات کا اعلان کیا ہی نہیں اور نہ ہی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کا دعویٰ کیا ہے، اور نہ ہی گزشتہ تیرہ صدیوں میں کسی نے یہ چیز کہی ہے۔ اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت تو سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی صلح کے بعد شروع ہوئی اور اس کا اتمام سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بیعت کرنے سے ہوا، اور اس روز سے انھیں امیر المؤمنین کہا جانے لگا، لہٰذا نہ ہی سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے

---

❶ العواصم من القواصم، ص: ١٧٤ـ ١٧٦.
❷ العواصم من القواصم، ص: ١٧٥ تعليقه.

Marfat.com

سیّدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو دھوکہ دیا اور نہ ہی ان سے کوئی دھوکہ کھایا۔ کیوں کہ انھوں نے (اپنے اعلان میں) معاویہؓ کو کوئی نئی شئے دی ہی نہیں اور نہ ہی فیصلہ تحکیم میں اس چیز کا اظہار فرمایا، جس کا اظہار سیّدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے نہیں فرمایا تھا، اور نہ ہی اس بات کے سوا کوئی اور بات کہی، جس پر دونوں ثالثوں کا اتفاق ہوا تھا۔'' ❶

اہل السنّت والجماعت کا مسلک:

اسی فیصلے کی رُو سے اہل السنّت والجماعت کا مسلک ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں حق پر تھے اور دونوں سے خطائے اجتہادی سرزد ہوئی۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ خطا ہوئی کہ انھوں نے قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لیا، اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ خطا ہوئی کہ انھوں نے باوجود قدرت کے قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص نہ لیا، بلکہ ان کو بڑے بڑے عہدے دیے۔ چنانچہ سیّد مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''مالک بن الحارث الاشتر (یہ بھی قاتلینِ عثمانؓ میں سے تھا) اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دیے، درآں حالیکہ قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا، وہ سب کو معلوم ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پورے نظامِ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک ایسا کام نظر آتا ہے، جس کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔'' ❷

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے قضیہ نپٹنے کے بجائے اور طویل ہوگیا۔ سیاسی الجھنیں پیدا ہوگئیں، اچھے اچھے لوگ مخالف ہوگئے۔ چنانچہ حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"دوم آنکہ قصاص حق است و حضرت مرتضیٰؓ قادر است براخذ قصاص ذی النورین واخذ آں نمی کند بلکہ مانع آنست وحضرت مرتضیٰؓ نیز بخطائے اجتہادی حکم فرمود." ❸

''یعنی دوسرا یہ کہ قصاص حق ہے اور جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جناب عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین کا قصاص لینے پر قادر تھے، لیکن لیتے نہیں تھے، بلکہ لینے سے منع کرتے تھے اور جناب

---

❶ العواصم من القواصم، ص: ١٧٥ تعليقه.

❷ خلافت وملوکیت، ص:۱۴۶۔

❸ ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء: ٢/ ٢٧٩۔ اعلاء السنن: ٢/ ٢٤٨.

Marfat.com

مرتضیٰ نے خطائے اجتہادی کے ساتھ حکم فرمایا۔"

عدالتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بحث:

باوجود خطائے اجتہادی کے دونوں حضرات مخلص تھے۔ ان کی کوئی بات بھی دین میں فتنہ پیدا کرنے کے لیے نہ تھی، بلکہ امن وسلامتی کے لیے تھی۔ صرف اندازِ فکر میں اختلاف تھا۔ کوئی معاملہ کو کسی پہلو سے سوچتا اور کوئی کسی زاویہ سے مگر مقصد سب کا دین اور کلمۃ اللہ کی سربلندی تھا، اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ؛ صحابہ وتابعین کے زمانہ میں ان کے مابین جو اختلافات اور جنگیں، لڑائیاں اور جھگڑے ہوئے وہ دینی تھے، محض دنیوی نہ تھے، اجتہادی تھے عنادی نہ تھے، ظنی تھے قطعی نہ تھے، لہٰذا ان کا حکم وہی ہے جو اجتہادی مسائل میں اختلاف کا ہوا کرتا ہے اور خطاء تو بالاجماع کسی طرف بھی نہیں اور عندالجمہور حق کسی ایک طرف ہی ہے، لیکن اس کی چونکہ بالاجماع تعیین نہیں، اس لیے خطا و صواب کا احتمال ہر جانب ہے، قطعی طور پر کسی کو بھی مصیب یا مخطی نہیں کہہ سکتے کہ جانب وآخر کا احتمال تک بھی باقی نہ رہے۔ [1] اسی لیے ہر صحابی رسول ﷺ کے بارے میں اہل السنّت والجماعت کا یہ مسلک ہے کہ؛

((الصحابة كلهم عدول .)) [2]

"صحابہ رضی اللہ عنہم سب عادل ہیں۔"

چنانچہ خطیب بغدادی عدالت صحابہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((عدالة الصحابة ثابة معلومة بتعديل الله لهم فمن ذلك قوله كنتم خير أُمة اخرجت للناس، وقوله وكذالك جعلناكم أُمة وسطاً، وقوله لقد رضى الله عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشجرة، وقوله والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار، والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه، وقوله: يبتغون فضلًا من الله ورضوانًا وينصرون الله ورسوله، اولٰئِك هُم الصادقون، فى آيات يكثرا يرادها ويطول تعدادها، وجميع

---

[1] مقدمة ابن خلدون، ص: ٢١٣ـ ٢١٤.

[2] فتح المغيث، ص: ٣٧٥.

Marfat.com

ذالك تقتضى طهارة الصحابة والقطع علىٰ تعديلهم ونزاهتهم، فلا يحتاج احد منهم مع تعديل الله لهم الىٰ تعديل احد من الخلق .)) ❶

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عدول ہونا خود نصوصِ قرآنی سے ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تعدیل خود فرمائی ہے جیسے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ﴾... اور ﴿وَكَذَالِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَسَطًا﴾... اور: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾...الخ. اور: ﴿اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ﴾... اور: ﴿يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات قرآنیہ اس پر دال ہیں۔ ان سب سے عدالتِ صحابہ کا ثبوت ملتا ہے۔ پس جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعدیل خود اللہ تعالیٰ نے فرمادی تو تعدیل ایزدی کے بعد صحابہ کو عدول ثابت کرنے کے لیے کسی مخلوق کی تعدیل کی ضرورت ہی کیا ہے۔''

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ بھی ان آیاتِ قرآنیہ کا تعلق براہِ راست صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی سے ثابت کرتے ہیں اور اس تعلق کی نسبت ابن سیرین، امام احمد بن حنبل، سعید بن المسیب اور امام شعبی رحمہم اللہ وغیرہ ائمہ کی تصریحات نقل فرمائی ہیں، اور آخر میں لکھا ہے:

((ثبتت عدالة جميعهم بثناء الله عزوجل عليهم وثناء رسول عليه السلام ولا تزكية افضل من ذلك ولا تعديل اكمل منه .)) ❷

''اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان سب حضرات کی تعدیل اور ان کی مدح و ثناء فرمادی گئی ہے، لہٰذا اس تزکیہ سے افضل اور کوئی تزکیہ نہیں اور اس تعدیل سے کامل تر اور کوئی تعدیل نہیں۔''

حضرت علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عدول ہونے کا مسئلہ متفقہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رجال اسناد میں نہ شمار ہوتے ہیں اور نہ وہ زیر بحث آتے ہیں، چناں چہ فرماتے ہیں:

---

❶ الكفاية، ص: ٤٦ـ ٤٩ـ فتح المغيث، سخاوى، ص: ٣٧٥. ❷ الاستيعاب: ١/ ٦٠٣.

Marfat.com

''صحابی اگرچہ حدیث کی اسناد میں ہوتا ہے، لیکن محدثین اسے اسناد میں کبھی زیر بحث نہیں لاتے، کیوں کہ سارے صحابہ علی الاطلاق عدول ہیں جو فتن اور باہمی جنگوں میں شریک ہوئے وہ بھی عدول ہیں، وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ﴿وَكَذَالِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ یعنی ﴿عَدُوْلًا﴾۔''

اسی چیز کو علامہ سخاوی نے الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:

((الصحابة كلّهم مطلقًا، كبيرهم وصغيرهم، لا بس الفتن أم لا وجوبًا لحسن الظن ونظراً الىٰ ما تمهد لهم من الماثر.)) ❶

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مطلقاً سب کے سب عادل (نہایت بااعتماد) ہیں، چاہے چھوٹے ہوں یا بڑے، مشاجرات میں حصہ لیا ہو یا نہ لیا ہو، کیوں کہ ان سے حسنِ ظن واجب ہے۔ ان کی وہ فضیلتیں دیکھتے ہوئے جو معین ہو چکی ہیں۔''

علامہ طاہر پٹنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ثم انّهم كلّهم عدول كبيرهم وصغيرهم، من لابس الفتن وغيرهم بالاجماع.)) ❷

''تمام چھوٹے بڑے، فتن میں شریک ہونے والے اور نہ ہونے والے سارے کے سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عدول ہیں اور ان کی عدالت وصداقت پر پوری اُمت کا اجماع ہے۔''

حافظ ابن الصلاح نے تصریح فرمائی ہے کہ صحابہ عدول وصدوق ہیں کہ باہمی مشاجرات اور فتن کے موقع میں بھی انھوں نے عدالت وصداقت کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور اس پر پوری اُمت مسلمہ کا اجماع ہے، فرماتے ہیں:

''تمام اُمت کا اجماع ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عدول ہیں اور وہ صحابہ بھی عدول ہیں، جنھوں نے جنگی فتن اور مشاجرات میں شرکت کر لی تھی۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت کے بارے میں خطیب بغدادی نے حافظ ابوزرعہ رحمہ اللہ کا ایک

---

❶ فتح المغيث، ص: ٣٧٥.
❷ مجمع البحار: ٣/ ٥٤٤.

Marfat.com

واضح قول نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:

''جب تو کسی کو دیکھے کہ وہ اصحاب رسول ﷺ میں سے کسی کی تنقیص کرتا ہے تو جان لے کہ وہ زندیق ہے، کیوں کہ ہمارے نزدیک قرآن اور رسول اللہ ﷺ حق ہیں اور قرآن وسنت کو ہمارے تک پہنچانے کا باعث یہی اصحاب رسول ہیں اور یہ زندیق لوگ ہمارے ان گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں تا کہ پھر قرآن وسنت کو باطل کر سکیں۔'' ❶

عدالت صحابہ رضی اللہ عنہم کا مطلب:

بعض حضرات عدالتِ صحابہ رضی اللہ عنہ کو صرف روایتِ حدیث تک محدود رکھتے ہیں اور دوسرے معاملات کے بارے میں صحابہ کے کردار اور ایک عام آدمی کے کردار میں کوئی فرق نہیں سمجھتے، حالانکہ یہ چیز درست نہیں۔ یہ درست ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا دنیا میں کوئی معصوم نہیں۔ بڑے سے بڑا صحابی بھی بشری کمزوریوں سے بالاتر نہیں، لیکن ((الصحابة كلّهم عدول .)) کا یہ مطلب بھی نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی دنیوی وجاہت، سربلندی اور تفوق کی خاطر ہر قسم کی خلاف اسلام تدابیر کرنے سے نہیں چوکتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض صحابہ سے غلطیاں بھی سرزد ہوئیں، لیکن وہ غلطیاں جن سے اسلام کی اہانت ہو یا جس سے ملت اسلامیہ کو ذلت کا منہ دیکھنا پڑے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کیریکٹر اس سے یک قلم مبرّا ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ بعض دفعہ غلط فہمی میں ایسا بڑے سے بڑا کام جسے قرآن حکیم میں گناہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہو، معصوم اور غیر معصوم دونوں سے ہو جاتا ہے، لیکن وہ صرف صورتاً گناہ کہلاتا ہے، حقیقتاً گناہ نہیں ہوتا، بلکہ اس کو گناہ کہا بھی نہیں جائے گا۔ جیسے سیّدنا موسیٰ کا سیّدنا ہارون علیہما السلام کی داڑھی اور سر پکڑ کر کھینچنا، جب کہ داڑھی بھی ایک پیغمبر کی تھی اور وہ تھے بھی بڑے بھائی۔ بظاہر یہ کتنی سخت توہین ہے ایک پیغمبر کی، جو کہ اگر کوئی دوسرا شخص کرے تو کفر بلکہ شدید کفر ہے، مگر یہاں گناہ بھی نہیں شمار کیا گیا۔ چنانچہ قیامت کے روز سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کو قبطی کے قتل کرنے

---

❶ عدالت صحابہ کی اس بحث کو مقدمہ ابن صلاح، ص: ۱۳۵۔ التقیید والایضاح شرح مقدمہ ابن الصلاح العراقی، ص: ۲۲۹۔ ۲۳۲۔ فتح المغیث سخاوی، ص: ۱۲۳، ص: ۲۴۷، ص: ۳۷۵۔ ظفر الامانی، ص: ۳۱۳۔ الاصابہ لابن حجر: ۱/ ۷۔ ارشاد الفحول للشوکانی، ص: ۶۷ میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، جس کو طوالت کی وجہ سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

کی وجہ سے مقامِ شفاعت عامہ میں اقدام کرنے کی جھجک ہوگی، لیکن سیّدنا ہارون علیہ السلام کا معاملہ اس وقت بھی باعث خوف نہ ہوگا۔ دیکھا جائے تو یہ قبطی کافر تھا، ملک دارالحرب تھا اور وہ خدا کے رسول کے دشمن کا ہم قوم تھا اور رشتہ دار تھا، ظالمانہ طریق پر بنی اسرائیل پر غلبہ کرتے ہوئے ستا رہا تھا، اور سیّدنا موسیٰ علیہ السلام نے اس کے قتل کا ارادہ بھی نہ کیا تھا۔ پھر اس کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ سے اپنے اس فعل کی معافی بھی مانگ لی۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاغْفِرْلَهٗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝﴾

''سیّدنا موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے اللہ! میں نے ظلم کیا اپنے نفس پر، لہٰذا مجھ کو معاف کر دے، پس اللہ نے اس کو معاف کر دیا، بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

لیکن ہارون علیہ السلام کے بارے میں سیّدنا موسیٰ علیہ السلام سے استغفار بھی منقول نہیں۔

پھر سیّدنا موسیٰ علیہ السلام نے تورات کی الواح کو (تختیوں کو) جس کے کتاب اللہ ہونے میں ذرہ برابر بھی شک نہیں، اور وہ کتاب خود انھیں عطا کی گئی، زمین پر نہایت زور سے پٹخ دیا، بظاہر یہ کتنا بڑا گناہ ہے، مگر سیّدنا موسیٰ علیہ السلام سے اس کا کوئی مواخذہ نہیں ہوا، کیوں کہ دونوں امور اس غلط فہمی پر مبنی تھے جو ان کو سیّدنا ہارون علیہ السلام کے بارے میں ہوئی، اور اس جوش نے بلا ارادہ یہ سب کچھ ان سے کرایا تھا جو محبت خداوندی نے قوم کی شرک کی حالت کے مشاہدہ سے پیدا کیا تھا۔ یہ جوش اس وقت پیدا نہیں ہوا تھا جب کہ طور پر خبر کر دی گئی تھی:

﴿ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ ۝﴾ (طٰهٰ: ۸۵)

''ہم نے تیرے بعد تیری قوم کو بچلا دیا اور سامری نے اس کو بہکا دیا۔''

اس لیے اگر کسی معصوم سے غلط فہمی سے ایسی باتیں ہو سکتی ہیں تو غیر معصوم سے خواہ وہ کتنی ہی بڑی منقبت کا حامل کیوں نہ ہو، اس قسم کی باتیں کیوں نہیں ہو سکتیں؟ اور اگر اس غلط فہمی کی وجہ سے ایک نبی سے کتاب اللہ کی اہانت اور ہاتھا پائی پر مواخذہ نہیں ہوتا تو کیا سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے جنگ و جدال پر مواخذہ متروک نہیں ہو سکتا؟ اور اگر سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کا اپنے بڑے بھائی پر غصہ قرابت قریبہ کی وجہ سے تیز ہو سکتا ہے تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ پر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا غصہ کیوں نہیں تیز ہو سکتا، کیوں کہ یہ

Marfat.com

دونوں آپس میں چچازاد بھائی ہیں۔ ❶

سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے، وہ قرآنِ حکیم سے ثابت ہے جو کہ قطعی اور متواتر ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں جو کچھ دشمنانِ صحابہ پیش کرتے ہیں، وہ حدیث سے بھی نہیں بلکہ تاریخ کی بے سند اور غیر معتبر روایات سے ثابت ہیں، جن میں اکثر ابومخنف لوط بن یحییٰ اور اس جیسے دوسرے راویوں کی روایات ہیں، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں جو قرآنی آیات وارد ہیں، وہ قطعی ہیں، اور جو احادیث صحیحہ ان کے بارے میں وارد ہیں وہ اگرچہ ظنی ہیں، مگر ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تواریخ کی روایات ان کے سامنے بالکل ہیچ ہیں، لہٰذا اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات و احادیث صحیحہ میں تعارض واقع ہوگا تو تاریخ کو غلط کہنا پڑے گا۔ چناں چہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہ فرماتے ہیں:

> ''یہ مؤرخین کی روایتیں تو عموماً بے سروپا ہوتی ہیں، نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے اور نہ اس کی توثیق و تخریج کی خبر ہوتی ہے، نہ اتصال و انقطاع سے بحث ہوتی ہے۔ اور اگر بعض متقدمین نے سند کا التزام بھی کیا ہے تو عموماً ان میں ہر غث و ثمین سے اور ارسال و انقطاع سے کام لیا گیا ہے، خواہ ابن اثیر ہو یا ابن قتیبہ، ابن ابی الحدید ہو یا ابن سعد، ان اخبار کو مستفاض و متواتر قرار دینا بالکل غلط اور بے موقع ہے۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے متعلق ان قطعی اور متواتر نصوص اور دلائل عقلیہ و نقلیہ کی موجودگی میں اگر روایات صحیحہ احادیث کی موجود ہوتیں تو وہ بھی مؤول یا مردود قرار دی جاتیں چہ جائیکہ روایات تاریخ، اب آپ اصول تنقید کو پیش نظر رکھ کر کوئی رائے قائم کیجیے۔'' ❷

عدالت صحابہ کے بارے میں ایک بات یہ بھی ذہن میں رہے کہ اگر عدالت صحابہ کو صرف روایت حدیث تک محدود رکھا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ایک صحابی رسولؐ کے ذمہ کوئی غلط روایت منسوب نہیں کرسکتا؟ اس کا جواب مقدمہ ابن صلاح میں دیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ پر حدیث "من كذب على متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار." کا خوف ہے،

---

❶ از افادات شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی كما صرح في مكتوبات شيخ الاسلام: ١/ ٢٤٣.

❷ مكتوبات شيخ الاسلام: ١/ ٢٦٦.

Marfat.com

جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔ ❶ اور یہی جواب حافظ عزالدین بن سلام نے دیا ہے۔ ❷

معلوم ہوا کہ صرف خوف جہنم صحابہ کو مانع تھا، جس کی وجہ سے وہ کذب علی النبیؐ کے جرم کے مرتکب نہیں ہوتے تھے۔ کیا یہ خوف دوسرے گناہوں سے مانع نہیں تھا؟ یقیناً تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر وقت اس خوف کو اپنے سامنے رکھتے تھے اور ہر قسم کے گناہوں سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے تھے، اور یہ خوف تمام اُمت میں ان میں سب سے زیادہ تھا۔ اسی وجہ سے ان کو بارگاہِ خداوندی سے "رضی اللّٰہ عنھم ورضوا عنہ" کی سند امتیاز حاصل ہوئی تھی جو کہ ساری اُمت میں سے اور کسی کو نہیں ملی تھی۔ اس سند امتیاز نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تقدس اور تزکیۂ باطن پر مہر تصدیق ثبت کردی۔ اب اگر اس تصدیق خداوندی کے بعد بھی ہم ان سب روایات کی تصدیق کریں جو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تصدیق کے بارے میں تاریخ کی کتابوں میں نقل کی گئی ہیں تو پھر "رضی اللّٰہ عنھم ورضوا عنہ" اور آیت کریمہ: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى﴾ کا کوئی مطلب نہیں رہ جاتا، بلکہ قرآن کی ان دونوں آیات اور ان کے علاوہ اور دوسری کئی آیات کی تکذیب لازم آتی ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عام آدمیوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رہتا۔ کما لا یخفٰی علٰی من له ادنٰی من العقل والفهم.

مشاجرات صحابہ میں اہل السنّت کا مذہب:

مشاجرت صحابہ کے بارے میں اہل السنّت کا مؤقف یہ ہے کہ ان میں سے کسی کے بارہ کوئی تنقید نہ کی جائے اور اپنی زبان کو بند رکھا جائے اور دونوں طرف کسی صحابی کے بارے میں دل میں کینہ اور بغض نہ رکھا جائے بلکہ دونوں طرف کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اظہارِ محبت وعقیدت کیا جائے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رضا کا مستحق سمجھا جائے۔ ان کے فضائل ومناقب کا اعتراف کیا جائے اور لوگوں کے سامنے ان کو عقیدت ومحبت سے بیان کیا جائے، کیوں کہ ان کا یہ اختلاف دنیوی اغراض کے تحت نہیں بلکہ اجتہادی اختلاف ہے، جس کے صواب اور خطا ہونے کی دونوں صورتوں میں اجر ملتا ہے اور قاتل اور مقتول دونوں مستحق جنت ہوتے ہیں۔ ❸

---

❶ ملاحظہ ہو: مقدمه ابن صلاح، ص: ١٣٥.
❷ ملاحظہ ہو: فتح المغيث للسخاوى، ص: ١٢٣.
❸ عقيده اهل السنة والجماعة فى الصحابة الكرام: ٢/ ٧٢٧.

Marfat.com

اس سلسلہ میں بعض نصوص بھی ہیں۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں ہے:

﴿ وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدَاهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝﴾ (الحجرات: ۹)

''یعنی اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو، پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف سے کام لو کہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے مابین اصلاح کا حکم فرمایا اور باوجود دو گروہوں کے باہمی قتال کے ان کو مومن اور بھائی کہا اور ان کو باہمی جنگ وقتال کی وجہ سے ایمان سے خارج قرار نہیں دیا۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ جمل اور صفین میں جو مسلمان آپس میں لڑ کر شہید ہوئے تھے، وہ جنتی تھے، جیسا کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی دونوں طرف کے شہداء کو جنتی فرمایا۔ [1] وجہ اس کی یہی تھی کہ دونوں فریق مجتہد تھے اور دونوں حق پر تھے۔ اب ان میں کون مصیب تھا اور کون مخطی اس کو حق تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔ کیوں کہ "کل مجتهد مصيب" بھی متکلمین اہل سنت کا ایک ضابطہ ہے اور اس کی تائید قرآن اور سنت دونوں سے ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ سورۂ حشر کی ایک آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ؛

''دوسرا اہم اصول اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ جو لوگ اجتہاد شرعی کی صلاحیت رکھتے ہیں، اگر ان کا اجتہاد کسی مسئلہ میں مختلف ہو جائے، ایک فریق جائز قرار دے اور دوسرا ناجائز تو عنداللہ یہ دونوں حکم درست اور جائز ہوتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو گناہ اور معصیت نہیں کہہ سکتے، اور اسی لیے اس پر نہی عن المنکر کا قانون جاری نہیں ہوتا، کیوں کہ ان میں سے کوئی جانب بھی منکر شرعی نہیں۔'' [2]

---

[1] العواصم من القواصم، ص: ۱۱۹۔ احکام القرآن: ٤/ ۱۷۱۷.
[2] معارف القرآن: ۸/ ۳٦۲.

Marfat.com

اور جصاص رازی نے بھی لکھا ہے کہ؛

((هذا يدل على ان كل مجتهد مصيب .)) ❶

''یعنی اللہ تعالیٰ کا اس آیت میں ہر دو فریق کی تصویب کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے۔''

اس سلسلہ میں بخاری میں ایک حدیث بھی ہے جس کو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھ کر فرمایا:

((ابنی هذا سيّد ولعل الله ان يصلح به بين فيئتين من المسلمين .)) ❷

''میرا یہ بیٹا سردار ہے اور اللہ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کروائے گا۔''

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اہلِ عراق اور اہلِ شام دونوں گروہ مسلمان تھے، اور اس حدیث میں خوارج کا ردّ فرمایا گیا جو سیّدنا علی اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہما اور ان دونوں کے ساتھیوں کو کافر کہتے ہیں، جبکہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں گروہوں کو مسلمان اور مؤمن قرار دیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث اس بات کی خبر دیتی ہے جو سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد زمامِ خلافت سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرما دی۔ ❸ پھر حدیث میں اہلِ عراق جو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور اہلِ شام جو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں گروہوں کو اپنی اُمت کے لوگ فرمایا۔ ❹

اسی وجہ سے اہل السنّت والجماعت کا عقیدہ ان دونوں گروہوں کے بارے میں اپنی زبان بند رکھنے کا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے مشاجرات صحابہ کے بارہ پوچھا گیا تو

---

❶ احكام القرآن: ٣/ ٤٢٩.

❷ بخاری، رقم: ٧١٠٩.

❸ الاعتقاد للبيهقي، ص: ١٩٨۔ فتح الباری: ١٣/ ٦٦.

❹ مسلم: ٢/ ٧٤٦ تكون في امتي فرقتان.

Marfat.com

آپ نے بڑا خوب صورت جواب دیا، فرمایا:

((تلك دماء طهر الله يدى منها ، افلا اطهر بها لسانى؟))

''یہ وہ خون ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ کو اس سے پاک رکھا تو پھر کیوں نہ میں اپنی زبان کو اس سے پاک رکھوں؟'' ❶

پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو متہم نہیں کیا تو ہم ان پر اتہام لگانے والے کون ہوتے ہیں؟ اس بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کچھ کہا ہے:

''یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا، پس ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زبانوں کو بھی ان سے پاک رکھیں۔'' ❷

ایک مرتبہ سیّدنا حسن بصری رحمہ اللہ سے مشاجرات صحابہ کے بارے میں پوچھا گیا کہ ان کا کیا حکم ہے؟ اور ہمیں ان امور میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا:

''اس زمانہ میں صحابہ موجود تھے اور ہم غائب تھے یعنی موجود نہیں تھے، واقعہ میں شریک حضرات ان امور کو ہم سے بہتر جانتے تھے اور ہم نہیں جانتے (کہ یہ واقعات کیوں پیش آئے اور کیسے پیش آئے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کاموں پر مجتمع ہوئے ہم نے ان کی اتباع کی اور جن باتوں میں ان کا اختلاف واقع ہوا تو ہم نے اس میں توقف اختیار کیا۔'' ❸

ایسا ہی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ ❹

فتنہ کے اصل بانی:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کوئی بات دین میں فتنہ پیدا کرنے والی نہیں تھی بلکہ امن وسلامتی کے لیے تھی، لیکن اس کے برعکس قاتلانِ عثمانؓ ایسے گروہ سے تعلق رکھتے تھے، جن کی

---

❶ الانصاف، باقلانی، ص: ١٦۔ طبقات ابن سعد: ٥/ ٣٩٤.

❷ تفسیر قرطبی: ١٦/ ٣٢١.

❸ تفسیر قرطبی: ١٦/ ٣٣٢.

❹ مناقب الامام احمد لابن جوزی، ص: ١٦٤۔ اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: العقیدة الواسطیه مع شرح محمد خلیل هراس، ص: ١٧٣۔ الباعث الحثیث، ص: ١٨٢۔ فتح الباری: ١٣/ ٦٣٤۔ عقیدة اهل السنة: ٢/ ٧٤٠ وغیرہ۔

Marfat.com

زندگی کا مقصدِ وحید ہی دین میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکا کر ملتِ اسلامیہ کے شیرازہ کو منتشر کرنا تھا۔ اس مقصد کو بروئے کار لانے کے لیے مخصوص لوگوں نے سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی سے اندرونِ ملک کام کرنا شروع کر دیا تھا، اور عبداللہ بن سباء، حکیم بن جبلہ، کنانہ بن بشر، مالک بن حارث الاشتر، غافقی بن حرب، خالد بن ملجم اور سودان بن حمران وغیرہم اس میں لیڈنگ پارٹ لے رہے تھے، اور کچھ دوسرے مسلمان بھی اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے اس میں شریک ہو گئے تھے۔ چنانچہ یہ تحریک سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری ایام میں کچھ کامیاب ہوئی، جس کے نتیجہ میں شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کا جانکاہ سانحہ پیش آیا۔ بعد میں ان لوگوں نے ایک طرف سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیّدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر میں داخل ہو کر کچھ لوگوں کو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بھڑکایا اور اکثریت نے سیّدنا علیؓ کے لشکر میں شریک ہو کر ان کو اصحابِ جمل کے خلاف مشتعل کیا۔ نتیجہ میں جنگِ جمل کا سانحۂ فاجعہ پیش آیا۔ جنگ سے ایک روز قبل مخلصین اور خیر خواہانِ اُمت کی مداخلت سے دونوں گروہوں میں صلح ہونے والی تھی اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کے مطالبہ کو تسلیم کر چکے تھے کہ ان دشمنانِ اسلام نے صبح اندھیرے منہ جنگ شروع کر دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور دوسری قیمتی جانیں تلف ہوئیں۔ ❶

انھیں لوگوں نے بعد میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین جنگِ صفین کروائی اور اس میں بھی بہت سی قیمتی جانیں تلف ہوئیں۔ جس کے نتیجے میں بعد میں معاہدۂ تحکیم ہوا، جس کا حلیہ بگاڑ کر تاریخ میں پیش کیا جاتا ہے۔

اگر غور سے سوچا جائے تو شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد سب شہداء (شہدائے جمل وصفین وغیرہ) کا خون انھیں قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کے سر ہے، جنھوں نے فتنہ کا دروازہ کھول کر اتنی قیمتی جانوں کو ضائع کروایا۔ ایسے لوگوں کو فوری طور پر کیفرِ کردار تک پہنچانا چاہیے تھا۔ ایک تو قاتلانِ عثمانؓ ہونے کے ناطے اور دوسرے اُمتِ مسلمہ میں فتنہ کا دروازہ کھولنے کے باعث کیوں کہ اسلام فتنہ کو ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں کرتا۔ خود قرآنِ حکیم میں ہے:

﴿ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ﴾

❶ البدایہ والنہایۃ: ۷/ ۲۳۹۔ طبری: ۵/ ۲۰۲۔ ۲۰۳.

Marfat.com

''فتنہ قتل سے بھی بدترین شئے ہے۔''

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے ان سے قصاص نہ لینے میں اجتہادی غلطی ہوئی۔ ❶ جب کہ وہ ان سے قصاص لے سکتے تھے، کیوں کہ اگر وہ جنگِ صفین میں اَسّی (۸۰) کا لشکر اکٹھا کر کے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کا مقابلہ کر سکتے ہیں تو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو ساتھ ملا کر باغیوں کے ایک چھوٹے سے گروہ کا مقابلہ کیوں نہیں کر سکتے؟ بہر حال سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سے انتقام تو نہ لیا لیکن قدرت نے ان لوگوں سے خود انتقام لیا اور ان میں سے ہر شخص کو قتل کرایا۔ کچھ لوگ تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کی جنگوں میں مارے گئے اور جو باقی بچے ان کو حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانہ تک زندہ رکھا اور بطورِ انتقام اس کے ہاتھوں قتل کروایا۔ قاتلوں میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو مجنون اور پاگل ہو کر نہ مرا ہو یا جس کو قتل نہ کیا گیا ہو۔ ❷ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ((عامتهم جنوا .)) .....''ان میں سے اکثر پاگل ہو گئے۔'' اور قدرت کے منتقم ہاتھوں نے اسی دنیا میں ان سے انتقام لے کر چھوڑا۔

اہل سنت میں سے کوئی شخص بھی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو متہم نہیں کرتا کہ آپ کا قتلِ عثمانؓ میں کوئی ہاتھ تھا۔ نہ اس زمانے میں یہ کسی کا مذہب ہے اور نہ ہی زمانۂ ماقبل میں اس پر کسی کا اعتقاد تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عبداللہ بن سباء، کنانہ بن بشر، مالک بن حارث الاشتر، حکیم بن جبلہ، محمد بن ابی بکر، محمد بن ابی حذیفہ وغیرہ سارے کے سارے قاتلانِ عثمانؓ آپ کے لشکر میں موجود تھے اور نہ صرف آپ کی پناہ میں تھے، بلکہ بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے، جیسے اشتر کو کمانڈر انچیف اور محمد بن ابی بکر کو آپ نے گورنری تک کا عہدہ دیا تھا اور دوسرے قاتلانِ عثمان بھی اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔

یہ بھی درست ہے کہ شروع شروع میں آپؓ کو سبائیوں سے قصاص لینے پر قدرت نہ تھی، لیکن بعد میں آپ کو قدرت بھی حاصل ہو گئی اور آپ ان سے قصاص بھی لے سکتے تھے۔ ❸

لیکن ان سب باتوں کے باوجود اہل السنّت والجماعت کا عقیدہ نہ تو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا کہنے کا ہے اور نہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو، جس طرح کہ ہم سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کوئی نازیبا کلمہ نہیں کہہ سکتے اور نہ ہی سیّدنا ہارون علیہ السلام کے متعلق کوئی نازیبا بات کہہ سکتے ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ سیّدنا

---

❶ ازالة الخفاء: ۲/ ۲۷۹.
❷ البدايه والنهايه: ۷/ ۱۸۶.
❸ كما صرح الشاه ولى الله فى ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء: ۲/ ۲۷۹.

Marfat.com

علی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں حضرات حق پر تھے اور واجب الاحترام ہونے کی وجہ سے ہمارے لیے واجب الاحترام تھے، اور ہیں اور رہیں گے۔

اہلِ عراق اور سب وشتم:

اہلِ عراق میں سے کچھ لوگوں نے فیصلۂ تحکیم کے بعد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کے متعلق دشنام آمیز زبان استعمال کرنا شروع کردی۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے ایک گشتی مراسلہ اپنے زیرِ تصرف علاقہ میں لوگوں کو بھیجا اور ان کو سیّدنا معاویہؓ کے بلند وارفع مقام سے آشنا کروا کر اس فعلِ شنیع سے سختی سے منع فرمایا۔ اس سرکلر میں آپ نے تحریر فرمایا:

''یہ جناب علی رضی اللہ عنہ کے فرمان سے ہے، جس کو آپ نے تمام ممالک میں روانہ فرمایا تھا۔ اس فرمان میں ان تمام واقعات کو بیان فرمایا جو ان کے اور اہلِ صفین کے درمیان واقع ہوئے۔ اور ابتداء ہمارے واقعات کی یہ ہوئی کہ ہم میں اور اہلِ شام میں جنگ ہوئی۔ اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور ان کا رب ایک، ہمارا اور ان کا نبی ایک اور ہماری اور ان کی دعوتِ اسلام بھی ایک۔ ❶ نہ ہم ایمان باللہ اور تصدیق بالرسولؐ میں ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں۔ پس ہمارا اور ان کا معاملہ ایک ہے۔ صرف خونِ عثمانؓ کے بارے میں ہمارا اور ان کا اختلاف ہے، اور ہم اس سے بری ہیں۔'' ❷

ایک مرتبہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو سب وشتم کرنا شروع کردیا۔ آپ کو جب پتہ چلا تو آپ نے ان کو سختی سے منع فرمایا، بلکہ ابوحنیفہ الدینوری نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ سب وشتم کرنے والے حجر بن عدی اور عمرو بن الحمق وغیرہ تھے۔ آپ نے انھیں فرمایا کہ اپنی زبانیں بند رکھو۔ وہ بولے: ''امیر المؤمنین!

((السنا علی الحق وھم علی الباطل؟))

---

❶ بخاری کی روایت سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَقْتُلَ فِئَتَانِ .)) [بخاری: ۱/ ۵۰۹]..... ''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک میری اُمت کے دو گروہ آپس میں قتال نہ کریں، اور ان کا دعویٰ ایک ہوگا، (لیکن غلط فہمی سے اختلاف ہوجائے گا اور نوبت قتال تک پہنچ جائے گی۔)

❷ نہج البلاغہ: ۲/ ۱۱۸.

Marfat.com

''کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں؟''

آپ نے فرمایا: ''ربِ کعبہ کی قسم! ہم حق پر ہیں۔'' وہ کہنے لگے: ''پھر آپ ہمیں ان پر سب و شتم اور لعن طعن کرنے سے کیوں روکتے ہیں؟'' آپ نے فرمایا:

((کرھت لکم ان تکونوا شتامین و لعانین .))

''میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ تم گالی دینے والے اور لعنت کرنے والے بنو۔''

بلکہ ایسا کہو کہ: ''اے اللہ! ہم دونوں کو خون ریزی سے محفوظ فرما اور ہمارے درمیان اصلاح فرما اور انھیں ہدایت دے حتیٰ کہ ناواقف حق سے آشنا ہو جائے اور جھگڑنے والا شخص لڑائی سے باز آ جائے۔'' ❶

کچھ اس قسم کا مضمون نہج البلاغہ میں بھی ہے۔ ❷

عبداللہ بن صفوان الجمحی کہتے ہیں کہ صفین کے شرکاء میں سے ایک شخص نے کہا:

((اللھم العن اھل الشام .))

''اے اللہ! اہلِ شام (معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں) پر لعنت فرما۔''

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو فرمایا:

''اہلِ شام کو گالی مت دو، کیوں کہ وہاں ابدال رہتے ہیں، وہاں ابدال رہتے ہیں، وہاں ابدال رہتے ہیں۔''

اس مضمون کی ایک روایت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی اپنی مسند میں نقل کی ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک بار اہلِ شام کا ذکر کیا گیا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا: ''امیر المؤمنین! کیا میں ان پر لعنت بھیجوں؟'' آپ نے جواب میں فرمایا: ''ہرگز نہیں، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ:

''ابدال شام میں ہوں گے، اور وہ چالیس (۴۰) آدمی ہیں۔ ان میں جب کوئی انتقال کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے آدمی کو مقرر فرما دیتا ہے۔ اِنھی کے وسیلہ سے ان پر بارش ہوتی ہے اور دشمنوں پر فتح و نصرت بھی اِنھی کے سبب سے ہوتی ہے اور اِنھی

---

❶ الاخبار الطوال، ص: ١٦٥.

❷ نهج البلاغه: ١/ ٤٢.

Marfat.com

کی وجہ سے ان سے عذاب ٹالا جاتا ہے۔'' ❶

اس بارے میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث بھی مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''میں سویا ہوا تھا، میں نے دیکھا کہ میرے سر کے نیچے سے کتاب اُٹھالی گئی۔ مجھ کو معلوم ہوگیا کہ اس کو کسی جگہ لے جایا جارہا ہے۔ چنانچہ میری نگاہ نے اس کا تعاقب کیا، دیکھا کہ وہ شام کی طرف جارہی ہے، اور جب فتنہ برپا ہوگا تو ایمان ملکِ شام میں ہوگا۔'' ❷

شام کی فضیلت کے بارے میں بخاری، کتاب الفتن میں بھی ایک حدیث منقول ہے۔

المختصر یہ دونوں حضرات اہلِ خیر میں سے تھے۔ ایک دامادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرا خال المؤمنین یعنی مؤمنوں کا ماموں، سیّدہ اُمّ حبیبہ اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی، لہٰذا ان میں سے کسی کے بارے میں بھی زبان طعن دراز کرنا ہمیں زیب نہیں دیتا۔ اسی وجہ سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں میں سے سب وشتم کرنے والوں کو سختی سے روکا۔

مشاجرات صحابہ کے بارہ میں ابن خلدون کا نظریہ:

علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون الحضرمی الاندلسی رحمہ اللہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''المقدمہ'' میں سیّدنا علی اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دیکھ لیجیے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین عصبیت کی بنا پر جب فتنہ کی آگ بھڑکی تو اس میں بھی فریقین نے حق واجتہاد کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا، اور انھوں نے اپنی لڑائیوں میں کبھی دنیوی غرض، باطل پرستی یا کینہ پروری کو پیشِ نظر نہ رکھا جیسا کہ بعض کو وہم ہوجاتا ہے اور ان کے خیالات بہک جاتے ہیں۔ دراصل یہ اختلاف ایک اجتہادی اختلاف تھا اور ہر ایک فریق اپنے اجتہاد کی روشنی میں دوسرے کو غلط کار ٹھہراتا تھا۔ اسی بنا پر ہر دو فریق آپس میں ٹکرا گئے۔ مانا کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ حق

---

❶ مسند احمد: ۲/ ۱۷۱۔ مجمع الزوائد: ۱/ ۶۲۔ مشکوٰۃ، ص: ۵۸۲.

❷ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۲۰.

Marfat.com

بجانب تھے لیکن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی کسی باطل ارادہ سے ان کے مقابلہ میں نہیں آئے تھے۔ان کے پیشِ نظر بھی حق جوئی تھی۔گوانھوں نے حق کے پانے میں خطا کی۔اسی طرح سبھی مسلمان اپنے نقطۂ نظر سے حق پر جمے ہوئے تھے، باطل طلبی ان میں بھی نہ تھی۔'' ❶

یہی علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ ایک اور مقام پر ذرا تفصیل سے اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' تیسرا امر یہ ہے کہ جو جنگیں ابتدائی اسلامی دور میں صحابہ رضی اللہ عنہم یا تابعین رحمہم اللہ میں لڑی گئیں، وہ کن اغراض و مقاصد کے پیش نظر تھیں؟ تو یوں سمجھیے کہ ان بزرگوں کے تمام تر اختلافات دینی اُمور میں تھے نہ کہ دنیوی اُمور میں۔اور ادلّۂ صحیحہ میں اجتہاد کرنے سے یہ اختلافات رونما ہوئے تھے۔اور مجتہدوں میں جب اجتہادی اختلاف پیدا ہوا اور ہم یہ مانیں کہ اجتہادی مسائل میں حق بہرحال ایک طرف ہوگا (لیکن کس طرف ہو اس کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔ظفر) اب جس مجتہد کی رائے حق سے مل جائے وہ مصیب ہے اور جس کی نہ ملے وہ مخطی ہے۔اور چونکہ حق کی جہت متعین نہیں، لہٰذا اصابت کا احتمال ہر مجتہد کی جانب ہو سکے گا۔اور کسی مجتہد کو بالیقین مخطی قرار نہیں دیا جا سکے گا، اور کوئی مجتہد بھی گناہ گار اور قابل گرفت نہ ہوگا۔اجماع اُمت اسی پر ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ اجتہادی اختلاف کے وقت سب مجتہدین حق پر ہوتے ہیں اور ہر مجتہد باصواب ہوتا ہے تو پھر تو گناہ اور خطاء کی نسبت کسی کی طرف بھی نہیں کی جا سکتی۔اب صحابہ اور تابعین کا اختلاف ظاہر ہے کہ اجتہادی اختلاف تھا اور مسائل دینیہ ظنّیہ میں وہ آپس میں مختلف الرائے تھے، لہٰذا مذکورہ حکم کے مطابق گناہ اور خطا کی نسبت کسی مجتہد کی طرف نہیں کی جا سکتی۔ اس قسم کے اجتہادی اختلافات میں اسلام میں جو لڑائیاں ہوئیں، وہ یہ تھیں مثلاً سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی لڑائیاں، یا وہ جنگیں جو سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے درمیان اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور عبدالملک بن مروان رضی اللہ عنہ کے مابین ہوئیں۔

ان میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو واقعات پیش آئے ان کی حقیقت محض اس قدر ہے

---

❶ مقدمہ ابن خلدون، ص: ۲۳۵.

Marfat.com

کہ جس وقت سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جامِ شہادت نوش فرمایا، اس وقت زیادہ تر صحابہ رضی اللہ عنہم مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے اور وہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لیے حاضر نہ ہوئے اور جو مدینہ میں موجود تھے، ان میں بھی دو گروہ ہو گئے۔ ایک وہ گروہ جس نے بیعت میں توقف کیا اور اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ سب لوگ کسی امام پر مجتمع ہو جائیں۔ اس گروہ میں یہ لوگ تھے: سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سعید بن زید رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ، کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، مسلم بن مخلد رضی اللہ عنہ اور فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ وغیرہم اور جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے، انھوں نے بھی اس لیے بیعت سے ہاتھ کھینچا تھا کہ پہلے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لیا جائے اور پھر بیعت کا سلسلہ سامنے آئے۔ گویا ان لوگوں نے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص تک مسلمانوں کو بغیر امیر و خلیفہ کے چھوڑے رکھنا گوارا کیا، تا آنکہ مسلمان باہمی مشورہ سے جس کو چاہیں اپنا خلیفہ منتخب کریں۔ ان کو یہ خیال بھی ہو گیا تھا کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے میں سکوت سے کام لے رہے ہیں نہ کہ معاذ اللہ آپ قتلِ عثمانؓ میں ملوث ہیں۔ چنانچہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو جب کھلم کھلا الزام دیا تو صرف یہ کہا کہ آپ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے میں سکوت برتتے ہیں نہ یہ کہ ان کے قتل میں آپ کا کوئی ہاتھ ہے۔

ادھر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اس نقطۂ خیال پر جمے ہوئے تھے کہ میری بیعت سب پر لازم ہو گئی ہے، کیوں کہ جب مدینہ کے باشندگان نے آپ کی بیعت پر اتفاق کر لیا ہے جو حضورؐ کی دعوت کا مرکز اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا مقامِ سکونت تھا تو ان لوگوں پر بھی آپ کی بیعت لازم ہو گئی ہے جو مدینہ طیبہ سے باہر ہیں۔ آپؓ کا خیال یہ تھا کہ جب تک لوگ مجتمع نہ ہوں اور حالات سکون پذیر نہ ہوں تو اس وقت تک قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کا مطالبہ معرضِ التوا میں رکھا جائے۔

Marfat.com

دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس نظریہ پر قائم تھے کہ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ارباب حل وعقد مختلف مقامات میں پھیلے ہوئے ہیں اور بہت کم مدینہ طیبہ میں موجود ہیں، لہٰذا بیعت ابھی تک صحیح معنوں میں منعقد ہی نہیں ہوئی، کیوں کہ بیعت اس وقت منعقد ہوتی ہے، جب اہل حل وعقد متفق ومتحد ہو جائیں، اور اگر چند لوگ مل کر کسی کو خلیفہ بنالیں تو اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ ان کا خیال یہ تھا کہ اس وقت لوگ بغیر امام وخلیفہ کے ہیں، لہٰذا ضروری یہ ہے کہ پہلے سب قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص کا مطالبہ کریں اور اس سے فراغت کے بعد اتفاق رائے سے کسی کو اپنا امام یا امیر منتخب کرلیں۔ چنانچہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیّدنا زبیر، سیّدنا طلحہ، سیّدنا معاویہ، سیّدنا عمرو بن العاص، سیّدنا عبداللہ بن زبیر، سیّدنا عبداللہ بن عمر، سیّدنا محمد بن طلحہ، سیّدنا سعد بن ابی وقاص، سیّدنا سعید بن زید، سیّدنا نعمان بن بشیر، سیّدنا معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہم اجمعین اور دیگر حضرات اسی مؤقف کے قائل تھے۔ اور مدینہ طیبہ کے وہ صحابہ جو ان کے ہم خیال تھے، وہ مدینہ طیبہ میں رہ کر بھی بیعت سے دست کش رہے..... عصرِ ثانی میں اس تمیز کے باوجود اس پر بھی سب کا اتفاق تھا کہ چونکہ فریقین صاحب اجتہاد ہیں، لہٰذا ہر دو فریق گناہ اور گرفت سے بری ہیں۔

چنانچہ ایک مرتبہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں جو لوگ قتل ہوئے ان کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا وہ ناجی ہیں یا قابل گرفت؟ آپ نے فرمایا: ''واللہ! ان لڑائیوں میں جو بھی مرا وہ جنتی ہے، بشرطیکہ اس کا دل پاک ہو۔ (اس شرط سے قاتلانِ عثمانؓ اس بشارت سے خارج ہوگئے، کیوں کہ وہ دلی کھوٹ کے ساتھ محض فتنہ وفساد کی خاطر ان لڑائیوں میں شریک تھے۔)'' گویا آپ فریقین کے مقتولین کے بارے میں حکم لگا رہے ہیں۔ طبری اور دیگر مؤرخین نے یہی الفاظ نقل کیے ہیں۔ یہی وہ حضرات ہیں جن کے اقوال وافعال شریعت میں سند ہیں اور اہل السنّت والجماعت کا ان کی عدالت پر فیصلہ ہے، مگر چند معترضین جو اس بارے میں اختلاف کرتے ہیں، اہلِ حق نے ان کے قول کو کوئی وقعت نہیں دی۔ اگر آپ بہ نظر انصاف ان حالات کا مطالعہ کریں تو آپ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور ان کے

Marfat.com

بعد دیگر معاملات میں اختلاف کرنے والے سب صحابہ کو معذور جانیں گے اور کسی کو الزام نہیں دے سکیں گے۔ اور یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوں گے کہ یہ سب کچھ جھگڑا فساد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش تھی، جس سے اس اُمت کو جانچا اور پرکھا گیا۔'' ❶

علامہ ابن خلدون اندلسی رحمہ اللہ کے ''مقدمہ'' سے اتنے طویل اقتباسات ہم نے صرف اس وجہ سے نقل کیے ہیں، تاکہ یہ معاملہ تفصیل سے قارئین کے سامنے آجائے کہ مشاجرات صحابہ میں اہل السنّت والجماعت کا کیا مؤقف ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہی مؤقف صحیح ترین مؤقف ہے، اور جو لوگ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین کو ضلالت اور گمراہی پر سمجھتے ہیں اور ان پر طعن و تشنیع میں زبان درازی کرتے ہیں وہ خود گمراہ ہیں اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں، کیونکہ آپ خود فرماتے ہیں:

''ہم ایمان باللہ اور تصدیق بالرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ نہیں اور نہ ہی معاویہ رضی اللہ عنہ ان چیزوں میں ہم سے زیادہ ہے۔'' ❷

حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ ان سے ایک شخص نے کہا کہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا جانتا ہوں۔ آپ نے پوچھا: ''کیوں؟'' وہ بولا: ''اس لیے کہ انھوں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے جنگ و قتال کیا تھا۔'' امام ابوزرعہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''تیرا برا ہو، معاویہ رضی اللہ عنہ کا رب رحیم اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا مدمقابل (سیّدنا علی رضی اللہ عنہ) کریم، اور اے بدبخت! تیرا ان دونوں کے معاملات میں دخل دینے کا کیا مطلب؟'' رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ ❸

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع کی ابتداء:

جیسا کہ گزشتہ سطور میں علامہ ابنِ خلدون کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ صحابہ کرامؓ اور خصوصی طور پر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں طعن و تشنیع، زبان درازی اور سوءِ ادبی دوسری صدی تک بالکل نہ تھی۔ ❹ ان سب چیزوں کی ابتداء بعد میں ہوئی۔ دوسری صدی میں عباسی دورِ خلافت میں [illegible] محاسن و مفاخر کو پس پشت ڈال کر ان میں مثالب اور معائب کے پہلو پیدا کیے گئے [illegible] ایسے غلط واقعات تاریخ میں بھر دیے گئے، جن سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت [illegible] ن و اعتراضات قائم

---

❶ المقدمه ابن خلدون، ص: ٢٤٥.

❷ منهاج السنه: ٢/ ١١٨.

❸ البدايه والنهايه: ٨/ ١٣٠.

❹ مقدمه، ص: ٢٤٥.

Marfat.com

کیے جاسکیں۔ پھر آپ کے عمدہ کردار و اخلاق کو غلط رنگ دینے کی کوشش کی گئی اور آپ کی کردار کشی کی پوری کوشش کی گئی اور آپ کے اعلیٰ کاموں کو بدنما شکل میں دکھایا گیا۔

بنواُمیہ کا آخری فرمان روا مروان بن محمد بن مروان تھا۔ اس سے عباسی خلیفہ ابوالعباس السفاح نے خلافت چھینی تھی اور اس کو قتل کروادیا تھا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ؛

''ابوالعباس السفاح کی افواج کا کمانڈر عبداللہ بن علی شہر دمشق میں شمشیرِ برہنہ کے ساتھ داخل ہوا۔ اس نے شہر میں قتل و غارت کو تین ساعات کے لیے مباح قرار دے دیا۔ یعنی جس کو چاہو قتل کرو۔ شہر دمشق کی جامع مسجد کو اپنے چوپایوں، گھوڑوں اور اُونٹوں کے لیے اصطبل کے طور پر ستر (۷۰) دن تک استعمال میں رکھا۔''

دمشق کی جامع ''الجامع الاموی'' کو بطور اصطبل استعمال کرنا ذلت اور عداوت کی آخری حد ہے۔ وہ مسجد خدا کا گھر تھی، بنواُمیہ کا محل نہ تھی کہ وہ اس میں سکونت پذیر تھے، لیکن خدا کے اس گھر کو صرف اس وجہ سے ستر (۷۰) دن تک بطورِ اصطبل استعمال کیا گیا کہ اس کے بنانے والے بنواُمیہ تھے۔ پھر اس پر بس نہیں کیا گیا، بلکہ لکھا ہے کہ عباسیوں نے بنواُمیہ کے ساتھ عداوت پوری کرنے کے لیے اکابر بنواُمیہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، عبدالملک بن مروان رضی اللہ عنہ اور ہشام بن عبدالملک وغیرہ کی قبروں کو اکھیڑ ڈالا اور ان کی لاشوں کی سخت بے حرمتی کی۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے مزید لکھا ہے:

''عبداللہ بن علی مذکور نے خلفائے بنواُمیہ کی اولاد اور ان کے حامیوں کو تلاش کر کے ایک ہی دن میں سیکڑوں افراد کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔''

یہ سب کچھ بنوعباس کے پہلے حکمران کے عہد میں اس کے جرنیل عبداللہ بن علی کے ہاتھوں ہوا۔ یہ سب کچھ ابوالعباس السفاح کے حکم سے ہوا۔ اسی وجہ سے مؤرخین نے اسے ''السفاح'' کے لقب سے اپنی کتابوں کے اوراق میں یاد کیا ہے، جس کا مطلب ہے ''بہت خون بہانے والا'' گویا اس نے بنواُمیہ سے اپنی دلی دشمنی کا انتقام لیا۔ جب بنوعباس کے پہلے حکمران نے بنواُمیہ کے ساتھ یہ کچھ کیا اور ان کے انتقال شدہ اکابر (جن میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے) کی نعشوں کو قبروں سے نکال کر بے حرمت کیا تو دوسرے حکمرانوں کے زمانوں میں بھی دشمنی کا یہ جذبہ اگر زیادہ نہیں تو کم بھی

Marfat.com

نہیں ہوا ہوگا۔ بعض حکمرانوں نے بعض سیاسی مصلحتوں کی بنا پر اپنے اپنے زمانے میں خاموشی اختیار کی، لیکن ان کے حواریوں اور اس زمانہ کے مؤرخین جنھوں نے تاریخ کو مرتب کیا، ان کی اس دشمنی کا پورا پورا فائدہ اُٹھایا اور وہ یہ کہ تاریخ کی کتابوں میں ایسی روایات بھر دیں، جن سے بنواُمیہ اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع کا سلسلہ شروع ہوا اور اس کی فصل آج تک کاٹی جا رہی ہے، بلکہ بعض خلفاء کے زمانے میں یہ کام حکومتی سطح پر ہوا، چنانچہ مامون الرشید کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ اور دیگر مؤرخین نے لکھا ہے کہ:

''سنہ ۲۱۱ھ میں مامون الرشید عباسی نے اپنے شیعہ ہونے کا اظہار کیا اور سرکاری طور پر یہ اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مخلوق میں سب سے بہتر سیّدنا علیؓ ہیں اور پورے ملک میں اس بات کا اعلان بھی کروایا کہ جو شخص معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان کے حق میں کلمۂ خیر کہے گا تو حکومت پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔'' ❶

مشہور مؤرخ مسعودی نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے کہ:

''سنہ ۲۱۲ھ میں مامون الرشید نے اعلان کروادیا کہ جو شخص بھی معاویہ رضی اللہ عنہ کو کلمۂ خیر کے ساتھ یاد کرے گا یا ان کو کسی صحابی پر مقدم جانے گا، اس شخص سے حکومت بری الذمہ ہے، یعنی اس کی حفاظت کی حکومت ذمہ دار نہیں۔'' ❷

جب حکومت کا رویہ یہ ہو کہ کوئی شخص سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی کلمۂ خیر نہیں کہہ سکتا تو عوام تو حکومت سے دو ہاتھ آگے ہوتے ہیں۔ تاریخ بھی چونکہ اسی زمانہ میں مرتب ہو رہی تھی، اس وجہ سے ایسی روایات کو وضع کر کے تاریخ میں گھسیڑ دیا گیا، جن سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور بنواُمیہ کی اسلام دشمنی، اہلِ بیت دشمنی اور بنوہاشم دشمنی کا اظہار ہوتا ہو، تاکہ وقت کے حکمران خوش ہو کر انھیں زیادہ انعام و اکرام سے نوازیں۔ ان مؤرخین نے یہ سب کچھ تقیہ کی آڑ میں کیا، یعنی یہ اندر سے تو شیعہ تھے، لیکن اوپر سے لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو اہل السنّت والجماعت ظاہر کرتے تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ایسے راویوں سے اہل السنّت کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ مثال کے طور پر تاریخ کا ایک بہت بڑا راوی محمد بن عمرو الواقدی ہے۔ تاریخ کی کتاب طبری اس کی روایات سے بھری پڑی ہے۔ ہمارے

---

❶ دول الاسلام، ص: ٩٤.

❷ مروج الذهب: ٤/ ٤٠.

Marfat.com

علماء نے اس کی کئی روایات کو قبول کیا ہے، لیکن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسے کذاب کہا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے تو یہاں تک فرمایا کہ واقدی کی ساری کتابیں جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ شخص جھوٹا ہونے کے ساتھ ساتھ احادیث میں کئی تبدیلیاں کر دیتا تھا۔ ❶

مختلف علماء نے الواقدی کو اپنی جرح سے چھلنی کر دیا ہے، ملاحظہ ہو:

کتاب المجروحین لابن حبان، لسان المیزان لابن حجر، المغنی للذہبی، کتاب الضعفاء عقیلی، الکامل ابن عدی، کتاب الضعفاء لابی نعیم اصفہانی وغیرہ۔ لیکن یہ واقدی تھا کون تھا؟ ابن ندیم نے لکھا ہے:

''محمد بن عمرو الواقدی اچھے مذہب والا شیعہ بزرگ تھا اور تقیہ کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا۔ یہی وہ شخص ہے جس نے روایت کیا ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے تھے، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے عصاء اور سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کے لیے مردوں کو زندہ کرنا معجزہ تھا۔ نیز اس قسم کی اور کئی باتیں اس نے نقل کی ہیں۔'' ❷

ابن ندیم باوجود خود شیعہ ہونے کے واقدی کے بارے میں ''حسن المذہب'' اور تقیہ کو لازم کرنا ''یلزم التقیہ'' اس نے الواقدی کی عمدہ صفات میں سے ذکر کیا ہے۔ اب اس الواقدی سے کوئی خیر کی توقع بنواُمیہ کے لیے اور اہل السنّت کے لیے کیسے کی جا سکتی ہے؟ شیعہ ہو، کذاب ہو اور تقیہ باز ہو اور پھر اہل سنت کا خیر خواہ ہو یہ ناممکن ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ اس کی روایات سے احادیث و تواریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور بعض حضرات نے اس کی تعدیل بھی کی ہے۔

یہ شیعہ بزرگ الواقدی ہارون الرشید اور دوسرے عباسی خلفاء کے دور میں اپنے فن تاریخی روایات میں یگانہ روزگار تھا اور اس دور میں اس کو دس دس ہزار درہم انعام ملا ہے۔ یہ بغداد میں رہائش پذیر تھا اور سیاسی طور پر بنواُمیہ کے سخت خلاف تھا۔ المامون نے جب اپنے شیعہ ہونے کا اعلان کیا تو الواقدی کی قدر و منزلت دربار میں اور بھی بڑھ گئی، لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ بنواُمیہ کی مذمت اور بنوعباس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس نے سیّدنا معاویہؓ اور دوسرے خلفائے بنواُمیہ کی مذمت میں

---

❶ تهذيب التهذيب: ٩/ ٣٦٤۔ ميزان الاعتدال: ٣/ ١١٠.

❷ الفهرست لابن نديم، ص: ١٥٠ تحت اخبار الواقدی.

Marfat.com

خوب روایات وضع کیں اور خلفائے بنوعباس سے انعام واکرام کی شکل میں خوب دولت کمائی ہوگی۔

اسی طرح کے ایک اور بزرگ ابن شہاب الزہری تھے۔ ان کی روایات سے بھی نہ صرف تاریخ بلکہ حدیث کی کتابیں بھی بھری پڑی ہیں۔ یہ بھی تقیہ باز بزرگ تھے۔ چنانچہ ان کے بارے میں مولانا پیر قمر الدین سیالوی کا ایک اقتباس ہے، جس میں انھوں نے اس کے شیعہ ہونے کے بارے میں لکھا ہے۔ پھر واقعاتی شہادتیں بھی پیر صاحب کے دعویٰ کی تائید کرتی ہیں۔ اسی طرح کے اور کئی شیعہ مؤرخ تقیہ کی آڑ میں بنواُمیہ اور خلفائے ثلاثہ کے خلاف روایات وضع کر کے کتابوں میں گھسیڑ دیتے تھے اور حکومت کی پوری پوری تائید انھیں حاصل ہوتی تھی۔ خلفائے بنوعباس کے علاوہ ان کے وزراء'' البرامکہ'' وغیرہ کی پوری پوری تائید ان لوگوں کو حاصل ہوتی تھی۔ چنانچہ الواقدی خالد بن یحییٰ برمکی کا خاص درباری تھا، اور یہ برامکہ ایرانی النسل تھے اور اسلام اور اہلِ اسلام سے ان کے دلوں میں خاص کدورت تھی۔ مختصر یہ کہ عباسی دور میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی اینٹ رکھی گئی لیکن کھلم کھلا ان کو طعن وتشنیع کا ہدف نہیں بنایا جاتا تھا، جیسا کہ بعد کے ادوار میں ہوا۔

بنوعباس کے بعد آل بویہ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور بنواُمیہ کی دشمنی اور ان کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے لیے بڑے وسیع پیمانے پر کام شروع کیا۔ خصوصاً معز الدولہ الدیلمی نے ذاتی دلچسپی کے تحت حکومت کی پوری مشینری کو اس کام کے لیے وقف کر دیا تھا اور شیعہ مذہب کی اشاعت وتبلیغ میں حکومت کے سارے ذرائع کو استعمال کیا۔ آل بویہ سارے کے سارے کٹر رافضی تھے اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے خاندان سے وہ اپنی بے پناہ عقیدت کا اظہار کرتے تھے اور دوسرے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دشمنی۔ [1] انہوں نے فضائل صحابہ بیان کرنے کی ممانعت کر دی تھی۔ [2]

اس حکم امتناعی کے علاوہ سنہ ۳۵۱ھ میں بغداد کی مساجد کے دروازوں پر صحابہ کرامؓ پر سب وشتم کے الفاظ لکھوا دیے گئے، لیکن مسلمان رات کو ان الفاظ کو مٹا دیتے تھے۔ چنانچہ الخضری نے شیعہ ہونے کے باوجود لکھا ہے کہ:

''اہلِ بغداد بویہی حکومت سے پہلے اہل السنّت والجماعت کے مذہب کے پیرو تھے اور شیخین یعنی سیّدنا ابوبکر اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہما کو سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتے تھے

---

[1] البدایہ والنہایہ: ۱۱/ ۲۲٤.

[2] البدایہ والنہایہ: ۱۱/ ۲٦۰.

Marfat.com

اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں سوء ادبی نہ کرتے تھے اور نہ سلف میں سے کسی مسلمان کے بارے میں طعن و تشنیع کرتے تھے، لیکن جب اس حکومت کا دور آیا، اور یہ حکومت کٹر شیعہ تھی، (وھی شیعة غالیة) تو بغداد میں شیعہ مذہب کو فروغ حاصل ہوا اور حکومت کے بل بوتے پر ان کے اعیان و انصار بنائے گئے۔'' ❶

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اسی سنہ یعنی ۳۵۱ھ میں رافضیوں کے عوام نے مسجدوں کے دروازوں پر لکھ دیا کہ لعنت ہو معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما پر اور اسی طرح یہ بھی لکھ دیا کہ لعنت ہو اس پر جس نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حق غصب کیا، مراد اس سے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، اور جس نے سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کو شوریٰ سے نکالا اور مراد اس سے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے، اور جس نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو شہر بدر کیا اور مراد اس سے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ تھے..... ان سب باتوں کی اطلاع جب معز الدولہ کو ہوئی تو اس نے نہ تو ان باتوں سے منع کیا اور نہ ان کو تبدیل کیا۔ پھر جب اہلِ سنت کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے ان عبارتوں کو مٹا دیا۔ ❷

یہ ساری حرکات عوام نے معز الدولہ کے حکم سے کی تھیں، اور جب ان فقرات کو مسجد کے دروازوں سے اہلِ سنت نے مٹا دیا تو معز الدولہ نے ان کو پھر لکھوانا چاہا، لیکن اس کے وزیر ابو محمد مہلبی نے مشورہ دیا کہ مٹائی ہوئی عبارت کو دوبارہ نہ لکھا جائے، بلکہ اس کے بجائے صرف یہ لکھ دیا جائے:

((لعن اللّٰہ الظالمین لآل رسول اللّٰہ ﷺ ولا یذکر فی اللعن الاّ معاویة .)) ❸

''اللہ تعالیٰ آلِ رسول پر ظلم کرنے والوں پر لعنت کرے اور سوائے معاویہ رضی اللہ عنہ کے اور کسی پر نام لے کر لعنت نہ کی جائے۔''

تاریخ اسلام میں بنی بویہ کا دور ایک تاریک ترین دور ہے جس میں اسلام کے ان محسنوں پر

---

❶ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیة: ۳/ ۳۸۲.

❷ البدایه والنهایه: ۱۱/ ۲۴۰۔ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیة: ۳/ ۳۸۲.

❸ محاضرات: ۳/ ۳۸۲.

Marfat.com

سب وشتم کا گند اُچھالا گیا، جنھوں نے اپنے مال اور اپنی جانوں تک اسلام کی راہ میں نثار کر دیں۔ نیز اسلام میں فتنوں کا دروازہ کھولنے کے لیے نئی نئی بدعات ایجاد کی گئیں، جو آج تک پوری ملت کے لیے وبال جان بنی ہوئی ہیں۔ ان بدعات میں سے چند ایک یہ ہیں جن کا ذکر سیّد امیر علی نے بھی کیا ہے۔ یعنی ۱۰ محرم الحرام کو بازار بند رکھ کر ماتمی جلوس نکالنا، اپنے بال پراگندہ کرنا، ان میں راکھ ڈالنا اور سیّدنا زین العابدین پر ماتم کرنا اس قسم کی ساری بدعات معز الدولہ الدیلمی کے زمانہ عروج کی یادگار ہیں، اور یہی وہ پہلا شخص ہے، جس نے مذہب شیعہ میں ان چیزوں کو رواج دیا۔ چنانچہ سیّد امیر علی نے لکھا ہے:

" Muiz-ud-Dawlaah though a patron of arts and literature was cruel by nature. He was a Shiah and it was he who established the 10th day of Muharram as the day of mourning commemoration of the messacre of Karbla.❶

''یعنی معز والدولہ اگرچہ علم و ادب اور فنون کا عربی اور سرپرست تھا، لیکن اپنی فطرت کے لحاظ سے بہت ظالم تھا۔ وہ شیعہ تھا اور اسی نے سانحہ کربلا کی یاد میں دسویں محرم کو ماتم کا دن منانا شروع کیا تھا۔''❷

بلکہ شاکر حسین نقوی نے تو باوجود شیعہ ہونے کے ان بدعات پر ان الفاظ میں اظہارِ افسوس کیا ہے:

''فاطمی حکومت کی مصر میں بنیاد پڑی یا دیلمی خاندان (بنی بویہ) کو بغداد میں عروج ہوا۔ اس وقت سے شیعوں نے بطورِ انتقام یہ طریقہ اختیار کیا۔ پھر شیعوں میں اس کا رواج ایسا عام ہوا جو آج تک کم وبیش جاری ہے، حالانکہ یہ ان کے پیشوایانِ دین کی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے۔''❸

---

❶ History of Saracens. P: 303.

❷ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ: ۱۱/۲۴۳۔ تاریخ ادبیات ایران، ڈاکٹر براؤن: ۴/۵۰، ۵۱۔ ہسٹری آف دی عربز، پروفیسر ہٹی (انگریزی)، ص: ۴۷۱۔ مجاہد اعظم، از شاکر حسین نقوی، ص: ۳۳۲۔

❸ مجاہد اعظم، ص: ۴۱۴۔

Marfat.com

پھر لکھا:

''اسلام کی آسمانی کتاب کسی مذہب کے بزرگوں کو خواہ وہ کیسے ہی ہوں، برا کہنے کی اجازت نہیں دیتی۔ مذہبی احکام سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو عقلاً بھی کوئی ضمیر دوسرے کی توہین کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا۔'' ❶

آل بویہ نے اپنے دورِ حکومت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں جو زہر افشانی کی، اس کی اجمالی تصویر آپ کے سامنے بیان کی جا چکی ہے، لیکن بایں ہمہ ظلم و تشدد کے علمائے اہلِ سنت نے اپنی کمزوری اور بے سروسامانی کے باوجود بھی ملت اسلامیہ کی کشتی کو ڈوبنے سے بچایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت کے اس چراغ کو مدہم نہ ہونے دیا، جس کو جناب رسالت مآب ﷺ نے اپنے ۲۳ سالہ تبلیغی دور میں مسلمانوں کے دلوں میں روشن کیا تھا۔ چنانچہ جس زمانہ میں معز الدولہ الدیلمی نے فضائل صحابہ کو بیان کرنے کے بارے میں حکم امتناعی جاری کیا تھا، عین اس وقت علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ الشافعی رحمہ اللہ نے اپنا وطیرہ بنالیا تھا کہ ایک روز بغداد کی جامع مسجد المنصور میں اور دوسرے روز مسجد باب الشام میں اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر علی الاعلان فضائل صحابہ بیان فرماتے اور معز الدولہ کی اس قدر سختی بھی ان کو اپنے اس کام سے نہ روک سکی۔ ❷

اسی طرح ایک اور زاہد شب زندہ دار اور عابد مرتاض بزرگ ابوعبداللہ محمد بن حسین الحسینی نے جو ابن الداعی کہلاتے تھے، معز الدولہ کے اس فعلِ شنیع کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا اور بلاد دیلم میں ہر جگہ لوگوں کو اس تحریک میں شرکت کی تحریری دعوت بھی دی اور بہت سے لوگوں نے ان کی اس دعوت پر لبیک کہا۔ ❸

آل بویہ کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے اس گمراہ کن پالیسی نے اہل السنّت کے دلوں کو چھلنی کر دیا، لیکن جب ان کی حکومت کے جبر و استبداد کا جُوا ان کی گردنوں سے اترا تو صحابہ کے متعلق مسلمانوں نے پھر اپنے اِنھی جذبات کا اظہار کیا جس کا ذکر علامہ ابن خلدون نے اپنے ''المقدمہ'' صفحہ: ۱۴۵ میں کیا ہے کہ بغداد کی سب مسجدوں میں اصحابِ ثلاثہ اور سیّدنا معاویہؓ پر لعنت کے بجائے

---

❶ مجاہد اعظم، ص: ۴۲۲۔

❷ البدایہ والنہایہ: ۱۱/ ۳۶۰.

❸ البدایہ والنہایہ: ۱۱/ ۲۶۰.

Marfat.com

اب یہ لکھا گیا:

((خیر الناس بعد رسول اللّٰہ ﷺ ابوبکر ثم عمر، ثم عثمان ثم علی ثم معاویة خال المؤمنین.)) ❶

''رسول اللہ ﷺ کے بعد سب لوگوں سے بہتر ابوبکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی اور پھر معاویہ رضی اللہ عنہم اجمعین جو کہ تمام مومنوں کے ماموں ہیں۔''

لکھوانے والے بنوعباس تھے اور انھوں نے لکھوایا بھی کسی اور جگہ نہ تھا، بلکہ اپنی حکومت کے دارالخلافہ بغداد مدینۃ الاسلام میں، حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ بنوعباس اور بنواُمیہ میں کس قدر اختلاف تھا۔

آل بویہ کے بعد صفوی خاندان اور خصوصی طور پر اسماعیل صفوی نے اپنے زمانہ حکومت (۱۵۰۰ء۔۱۵۲۴ء) میں شیعہ مذہب کی نشر و اشاعت میں حکومت کے تمام ذرائع سے کام لیا اور پورے جبر و تشدد کے ساتھ لوگوں کو مذہب شیعہ میں داخل کیا۔ بلکہ اس قدر تشدد کی وجہ سے خود شیعہ مجتہدین کو بھی تشویش لاحق ہوئی۔ چنانچہ اسماعیل صفوی کی تخت نشینی سے ایک روز قبل رات کے وقت یہ لوگ اس کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم قربان جائیں، تبریز کی ۳۲ ہزار رعایا کے چاروں طرف سب سنی ہیں اور شروع سے لے کر اب تک اس خطبہ کو کسی نے نہیں پڑھا، اور ہمیں اندیشہ ہے کہ آپ کے اس تشدد کے باعث لوگوں نے اگرچہ یہ کہہ دیا کہ ہم شیعہ بادشاہ کو نہیں چاہتے اور نعوذ باللہ اگر رعایا برگشتہ ہوگئی تو اس کا کیا تدارک ہوگا؟ بادشاہ نے ان کی یہ درخواست سن کر کہا:

''خدائے عالم با حضرات ائمہ معصومین ہمراہ من اند و من از ہیچ کس باک ندارم، بتوفیق اللہ تعالیٰ اگر رعیت حرفے بگویند شمشیر می کشم و یک کس را زندہ نمی گذارم.'' ❷

''اللہ تعالیٰ ائمہ معصومین کے ہمراہ میرے ساتھ ہے اور مجھے کسی سے بھی خوف نہیں ہے۔ اگر رعیت ایک حرف بھی زبان سے نکالے تو میں تلوار کھینچ لوں گا اور ایک متنفس کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

اور اسی ایران کے اسماعیل صفوی نے صرف سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کی منقبت اور فضیلت

---

❶ العواصم من القواصم، ص: ۲۱۳.

❷ تاریخ ادبیات ایران، براؤ: ٤/ ٨٦۔ ٨٧.

Marfat.com

کومنوانے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ حکم دے دیا کہ پہلے تین خلفاء سیّدنا ابوبکر، سیّدنا عمر اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہم پر عام اجتماعات میں تبرا کیا جائے اور حاضرین جلسہ اسے سن کر بہ آواز بلند ''بیش باد کم مباد'' کہیں اور جو نہ کہے اسے قتل کر دیا جائے۔ ❶ جنگ میں نعرہ ایجاد کیا: ''اللہ اللہ علی ولی اللہ''۔ ❷ تخت نشین ہوتے ہی اس نے پورا ارادہ کر لیا کہ شیعیت کو نہ صرف سلطنت کا مذہب قرار دیا جائے، بلکہ یہی ایک مذہب ایراں میں باقی رہے۔ ❸ چنانچہ اس نے تمام خطیبوں کو حکم دیا کہ خالص شیعہ کلمہ ((اشهد انّ عليًا ولی اللّٰه .)) کو اقرار ایمان باللسان کا اور " حیّ علی خیر العمل " کو تکبیر کا جزو بنایا جائے۔ ❹ بازاروں اور گلیوں میں پہلے تین خلفائے راشدین پر تبرا بازی کا حکم دیا اور عدول حکمی کی سزا قتل قرار دی۔ ❺ کازون کے علمائے اہلِ سنت پر بہت مظالم کیے گئے۔ ان میں سے اکثر تہ تیغ کیے گئے اور ان کے اسلاف کے مقابر اور بنائیں مسمار کر دی گئیں۔ کتنی ستم ظریفی کی بات ہے کہ ان سب مظالم کے لیے ''رحمۃ للعالمین'' (۹۰۹ھ بمطابق ۱۵۷۴ء) مادہ تاریخی نکالا گیا۔ ❻ سنیوں کے حق میں وہ بہت ظالم تھا۔ اس نے تو فرید الدین احمد جیسے جلیل القدر عالم کو نہ چھوڑا جو مشہور محقق عالم سعد الدین تفتازانی کے پوتے تھے اور تیس (۳۰) سال تک ہرات میں شیخ الاسلامی کے منصب پر فائز رہ چکے تھے اور نہ بنائی جیسے ظریف اور بذلہ سنج شاعر پر ہی رحم کیا۔ ❼

خاندان صفویہ میں سے یہ صرف ایک بادشاہ کے ظلم و تشدد کا اجمالی تذکرہ ہے، ورنہ ان لوگوں کے ظلم و ستم سے تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور وہ مظالم اس قدر شدید ہیں کہ آدمی سن نہیں سکتا اور قلم کو تابِ نگارش نہیں، جو شیعہ مذہب کے پھیلانے کے لیے سنیوں پر کیے گئے۔ اِنھی مظالم کا نتیجہ ہے کہ آج ایران میں سنی مذہب نظر نہیں آتا ؏

ہم نے انقلاب چرخ گردوں یوں بھی دیکھے ہیں

---

❶ تاریخ ادبیات ایران: ٤/ ٨٧.

❷ تاریخ ادبیات ایران: ٤/ ٨٦.

❸ ایضًا.

❹ ایضًا: ٤/ ٨٧.

❺ تاریخ ادبیات ایران: ٨٧ـ ٨٨.

❻ تاریخ ادبیات ایران: ٤/ ٩٠.

❼ تاریخ ادبیات ایران: ٤/ ١٠٢.

Marfat.com

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا مصر پر قبضہ

مصر سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں اسلامی مقبوضات میں شامل ہوا اور سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس کو فتح کیا۔ اسی روز سے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا، لیکن سنہ ۲۶ھ میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں مصر کی گورنری سے معزول کر کے سیّدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے چند روز قبل جب مصر کے سبائی عبداللہ بن سباء اور محمد بن ابی بکر اور دوسرے سبائی سرغنوں کی قیادت میں حج کے بہانہ سے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے دربارِ خلافت میں اطلاع کر دی۔ اس سے کچھ روز بعد آپ بعض انتظامی امور کے سلسلہ میں امیر المؤمنین سے چند ایک ضروری مشورے کرنے کے لیے مدینہ طیبہ تشریف لا رہے تھے کہ راستہ ہی میں آپ کو امیر المؤمنین کی شہادت کی خبر مل گئی۔ چنانچہ آپ راستہ ہی میں رُک گئے اور مدینہ طیبہ نہ آئے۔ [1] آپ کی عدم موجودگی میں محمد بن ابی حذیفہ نے جو کہ سبائیوں کا سرغنہ بن چکا تھا، مصر پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ [2] چند ہی روز بعد سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ مصر میں نہیں ہیں، تو انھوں نے ایک مقتدر صحابی سیّدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو وہاں کا گورنر بنا کر بھیجا، کیوں کہ محمد بن ابی حذیفہ پر آپ کو اعتماد نہیں تھا۔ سیّدنا قیس رضی اللہ عنہ نے مصر پہنچ کر بڑی حکمت عملی سے محمد بن ابی حذیفہ سے گورنری کا چارج لیا۔ آپ نہایت مدبر اور مصلحت شناس بزرگ تھے، لہٰذا نہایت تدبر اور حکمت کے ساتھ انھوں نے مصر کے لوگوں سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بیعت لی۔ لیکن مصر کے ایک علاقہ ''خربتا'' کے لوگوں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کر دیا، کیوں کہ یہ لوگ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت سے بہت متاثر تھے اور اس بارے میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہم خیال تھے اور چاہتے تھے کہ پہلے قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لیا جائے اور اس کے بعد خلافت کا انعقاد ہو۔

سیّدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے بھی موقع کی نزاکت کے تحت اہلِ خربتا کو چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور کہلا بھیجا کہ تم لوگ ملک میں امن و امان کے تحفظ کی ذمہ داری دو تو ہم تمھیں بیعت کے لیے مجبور نہیں

---

[1] طبری: ۵/ ۲۲۶۔ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۵۰۔ [2] ابن اثیر: ۳/ ۱۳۵۔

Marfat.com

کرتے اور تمھاری ہر خدمت کے لیے تیار ہیں اور تمھارے حقوق کی پاس داری اور تحفظ کا ذمہ لیتے ہیں۔ ان لوگوں نے امن قائم رکھنے کا وعدہ کیا اور سیّدنا قیس بن سعدؓ نے اپنے وعدہ کے مطابق ان کو پورے پورے حقوق دیے اور ہر طرح سے ان کا تحفظ اور خبر گیری کی۔ ان لوگوں کی تعداد جو کہ خربتا میں رہتے تھے اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی، دس ہزار کے قریب تھی۔ ❶

سیّدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی یہ ساری پالیسی وہاں کے حالات کی نزاکت کے تحت تھی، لیکن سبائیوں کو ان کی یہ امن و صلح والی پالیسی کب بھاتی تھی۔ انھوں نے بارگاہِ خلافت میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی شکایات کرنا شروع کر دیں اور کہا کہ سیّدنا قیس رضی اللہ عنہ اندرونی طور پر اہلِ خربتا سے ملے ہوئے ہیں، اسی لیے یہ اہلِ خربتا کو آپ کی بیعت کے لیے مجبور نہیں کرتے، اور بقول ابن جریر طبری سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سیّدنا قیس رضی اللہ عنہ کی یہ شکایت محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر بن ابی طالب کی معرفت کی گئی۔ ❷ امیر المؤمنین نے ان لوگوں کی اس شکایت کی جانب زیادہ توجہ نہ دی۔ اسی زمانہ میں قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کا ایک خط امیر المؤمنین کے نام پہنچا، جس میں اہلِ خربتا کے حالات اور ان کے ساتھ اپنی پالیسی کی اطلاع دی۔ محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر کے خیالات پہلے ہی سیّدنا قیس کے خلاف تھے اور وہ ان کی معزولی کے لیے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے اصرار کر چکے تھے، اس خط سے ان کے ہاتھ ایک دلیل آ گئی اور اب انھوں نے زیادہ اصرار کرنا شروع کر دیا اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے قیس بن سعدؓ کے نام اس مضمون کا خط لکھوانے میں کامیاب ہو گئے کہ خربتا والوں سے جنگ کی جائے۔ سیّدنا قیس رضی اللہ عنہ کو امیر المؤمنین کے اس خط کو پڑھ کر دلی رنج ہوا اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے جنگ کرنے سے انکار کر دیا اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کے خط کے جواب میں لکھا:

> ''یہ لوگ مصر کے چہرہ مہرہ ہیں اور یہاں کے اہلِ عز و شرف سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں نے یہ جانتے ہوئے کہ اندر سے ان کی ہمدردیاں معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں لیکن ظاہر میں وہ غیر جانب دار ہیں۔ خود ہی روزینے اور عطیے جاری کیے ہوئے ہیں۔ آپ مجھے ان سے جنگ کا حکم دے رہے ہیں، جب کہ ان میں بسر بن ارطاۃؓ، مسلم بن مخلدؓ اور معاویہ بن خدیجؓ جیسے لوگ موجود ہیں۔ اگر ان کو ذرا بھی چھیڑا گیا تو یہ آپ کے خلاف

---

❶ طبری: ۵/ ۲۲۹۔ ❷ طبری: ۵/ ۲۲۹۔

Marfat.com

اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو جائیں گے، جس سے بہت نقصان ہوگا۔ میں نے ان کا مناسب انتظام کر دیا ہے، لہٰذا آپ میرا مشورہ قبول فرمایئے اور ان سے فی الحال تعرض نہ کیجیے۔'' ❶

لیکن چونکہ محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر دونوں کی رائے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی رائے پر غالب آ چکی تھی، لہٰذا آپ نے سیّدنا قیس رضی اللہ عنہ کے مشورہ کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اسی اثنا میں محمد بن جعفر طیار نے امیر المؤمنین کو مجبور کر کے قیس بن سعدؓ کو معزول کروا دیا اور محمد بن ابی بکر کو مصر کی گورنری کا پروانہ دلوا کر مصر بھجوا دیا۔ سیّدنا قیس رضی اللہ عنہ کو اگرچہ طبعی طور پر یہ بہت ناگوار گزرا، لیکن وہ بغیر کسی مزاحمت کے گورنری کا چارج دے کر مدینہ طیبہ چلے گئے۔ ❷

سیّدنا قیسؓ اگرچہ محمد بن ابی بکر کی تقرری سے بددل ہو گئے تھے لیکن پھر بھی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا احترام اور ان کی خیر خواہی ان کے دل میں موجود تھی، لہٰذا انھوں نے مصر چھوڑتے وقت محمد بن ابی بکر کو تمام نشیب و فراز اور داخلہ پالیسیاں سمجھا دیں اور ضروری ہدایات گوش گزار کر دیں۔ ❸

محمد بن ابی بکر بالکل نوجوان، ناتجربہ کار اور حکمت عملی سے ناآشنا تھا۔ علاوہ ازیں سبائیوں کے پراپیگنڈے کی وجہ سے اس کا ذہن پہلے ہی قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی پالیسی کے خلاف تھا۔ مزید یہ کہ کنانہ بن بشر جیسا فتنہ باز اور قاتلِ عثمانؓ سبائی اس کو بطورِ مشیر مل گیا، لہٰذا اس نے گورنر بنتے ہی اہلِ خربتا کو نوٹس دے دیا کہ یا تو وہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کریں یا پھر علاقہ چھوڑ دیں ورنہ ان کے خلاف جارحانہ کارروائی کی جائے گی۔ ❹

خربتا کے لوگ بہت نڈر اور بہادر تھے۔ انھوں نے محمد بن ابی بکر کی دھمکی کے جواب میں کہا کہ ہم بالکل امن سے ہیں اور مصر کے سابق گورنر سیّدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہ سے اپنی امن پسندی کا وعدہ کر چکے ہیں، لہٰذا آپ بھی ہمیں نہ چھیڑیں اور ہمیں ہمارے حال پر رہنے دیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان کو کوئی اطمینان بخش جواب دیا جاتا، لیکن کنانہ بن بشر کے اُکسانے سے محمد بن ابی بکر نے ان لوگوں

---

❶ طبری: ٥/ ٢٣٠۔ ابن اثیر: ٣/ ١٣٨.

❷ طبری: ٥/٢٣١۔ ابن اثیر: ٣/١٣٩۔ البدایہ والنہایہ: ٧/٢٥٢.

❸ طبری: ٦/ ٥٣.

❹ ابن اثیر: ٣/ ١٤٠.

Marfat.com

پر حملہ کر دیا۔ انھوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا، جس سے محمد بن ابی بکر کو شکست فاش ہوئی۔ ❶ اس سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافتی پالیسی کو سخت نقصان پہنچا، کیونکہ محمد بن ابی بکر کے ناعاقبت اندیشانہ طرزِ عمل نے مصر کے اور لوگوں کو بھی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا مخالف بنا دیا۔ اور مصر کی فضا سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس قدر خلاف ہوگئی کہ معاویہ بن خدیج کندی رضی اللہ عنہ نے اعلانیہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کا مطالبہ شروع کر دیا۔

محمد بن ابی بکر نے متعدد بار اہلِ خربتا پر حملہ کیا، لیکن ہر دفعہ اس کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی دوران مسعودی وغیرہ مؤرخین کے مطابق سیّدنا علیؓ نے مالک الاشتر کو محمد بن ابی بکر کی امداد کے لیے بھیجا، لیکن وہ وہاں تک نہ پہنچ سکا اور راستہ ہی میں مر گیا، (لیکن بعض روایات میں ہے کہ الاشتر اپنی مرضی سے گیا تھا، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کو نہیں بھیجا تھا۔)

ابھی یہ کشمکش جاری تھی کہ اسی اثنا میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر کو سرکاری طور پر لکھا کہ وہ اپنی ان حرکتوں سے باز آ جائے، لیکن وہ باز نہ آیا۔ تنگ آ کر آپ نے معاویہ بن خدیج کندی رضی اللہ عنہ اور مسلمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہ سے مصر پر فوج کشی کے بارے میں خط و کتابت کی۔ انھوں نے فوراً فوج کشی کا مشورہ دیا اور اپنے کلی تعاون کا یقین دلایا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فوراً چھ ہزار کا لشکر سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت مصر روانہ کر دیا۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، شرحبیل بن اسمط رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہما، ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ، بسر بن ارطاط رضی اللہ عنہ، ابوالاعور السلمیؓ اور حمزہ بن سنان الھمدانیؓ وغیرہم سے دیارِ مصر کی طرف پیش قدمی کے لیے مشورہ طلب کیا تو انھوں نے پیش قدمی کرنے کی تائید کی۔ چنانچہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت چھ ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک لشکر مصر روانہ کیا، لیکن اس لشکر کے قائد سے فرمایا:

((وصاه بتقوى الله والرفق والمهل، والتودة وان يقتل من قاتل ويعفوا عن من ادبر وان يدعوا الناس الىٰ الصلح والجماعة .))

''سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور نرمی اور

---

❶ طبری: ٦/ ٥٣.

Marfat.com

حوصلہ مندی کی تلقین فرمائی۔ مقابلہ کرنے والوں کے خلاف قتال کرنے اور پشت پھیرنے والوں کو معاف کرنے کی تاکید کی اور یہ بھی فرمایا کہ آپ لوگوں کو صلح اور جماعت کا ساتھ دینے کی دعوت دیں۔'' ❶

سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جب لشکر کے ساتھ مصر کی سرحد پر پہنچے تو وہ لوگ جن کی ہمدردیاں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھیں، فوراً اس لشکر کے ساتھ مل گئے۔ ان لوگوں نے بھی محمد بن ابی بکر کو لکھ بھیجا کہ مصر کے باشندے تمھارے ساتھ بالکل تعاون کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، بلکہ تمھارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں اور اگر جنگ کی نوبت پہنچی تو تمھیں ہمارے حوالے کر دیں گے اور خود سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ذاتی طور پر محمد بن ابی بکر کو ایک خط لکھا، جس میں تحریر کیا کہ:

''میرا تمھیں خیر خواہانہ مشورہ یہ ہے کہ تم راستہ سے ہٹ جاؤ، کیونکہ اس شہر کے لوگوں نے تمھارا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ میرے ہاتھ سے تمھیں کسی قسم کی تکلیف پہنچے۔'' ❷

لیکن جوانی اور نادانی کا غلبہ تھا، اس نے اس خط کی طرف کوئی توجہ نہ کی، بلکہ چار ہزار فوج کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے آ گیا۔ مقدمۃ الجیش کی کمان کنانہ بن بشر قاتلِ عثمانؓ کر رہا تھا۔ کنانہ نے شروع شروع میں بڑے جوش اور بہادری کے جوہر دکھانے کی کوشش کی۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں معاویہ بن خدیجؓ نے سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اشارہ سے کنانہ کو گھیر لیا اور جلد ہی اگلی دنیا میں پہنچا دیا۔ محمد بن ابی بکر نے بھاگ کر ویرانہ میں پناہ لی۔ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فسطاط (مصر کے دار الحکومت) پہنچ گئے اور معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ محمد بن ابی بکر کی تلاش میں نکلے اور اس ویرانہ سے اسے نکالا۔ وہ مارے پیاس کی جان بلب تھا۔ محمد بن ابی بکر نے ان سے پانی مانگا۔ معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں تجھے پانی کا ایک قطرہ بھی پلاؤں تو اللہ تعالیٰ مجھے کبھی پانی نہ پلائے۔ تم نے ہی سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو پانی پینے سے روک دیا تھا اور ان کو روزہ کی حالت میں شہید کر دیا۔

''چنانچہ معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ غضبناک ہو گئے اور آگے بڑھ کر محمد بن ابی بکر کو قتل

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۳۱۳.

❷ طبری: ٦/ ٥٧۔ ابن اثیر: ۳/ ۱۷۹.

Marfat.com

کر دیا اور پھر اس کی نعش کو گدھے کی کھال میں ڈال کر آگ میں جلا دیا۔''❶

اس روایت کے آخر میں ہے کہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جب محمد بن ابی بکر کے قتل کی خبر ملی تو انھوں نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر نمازوں کے آخر میں بددعا کرنی شروع کر دی۔

ان سب روایات میں ابومخنف لوط بن یحییٰ جیسا رافضی اور کذاب راوی ہے۔

علامہ خیر الدین زرکلی رحمہ اللہ محمد بن ابی بکر کی لاش کے جلائے جانے کی تردید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''محمد بن ابی بکر کو جلایا نہیں گیا، بلکہ اس کے جسم کو ایک مسجد میں جس کو مسجد زمام کہتے ہیں اور جو فسطاط شہر سے باہر ہے، کے پاس دفن کر دیا گیا۔ چنانچہ ابن سعید کہتے ہیں کہ میں نے ان کی قبر کو فسطاط میں دیکھا ہے۔''❷

مصر کی فتح کے بعد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو یہاں کا گورنر مقرر فرما دیا۔

شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد مصر سبائیوں کا مرکز بن گیا تھا۔ کنانہ بن بشر اور محمد بن ابی حذیفہ کی ساری پالیسیاں یہیں مرتب ہوتی تھیں۔ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ چونکہ پہلے ہی اس تحریک سے بخوبی آشنا تھے، لہٰذا آپ نے جلد ہی ان کی ساری تخریبی کارروائیوں کا سدباب کر دیا اور مصر کا سارا علاقہ امن و سلامتی کا گہوارہ بن گیا۔ محمد بن ابی بکر کی غیر دانش مندانہ پالیسیوں اور جلد بازی سے یہ علاقہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقبوضات سے نکل کر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقبوضات میں داخل ہو گیا، جس سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بڑا دھچکا لگا۔

محمد بن ابی حذیفہ کا انجام:

محمد بن ابی حذیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی سیّدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے۔ سیّدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ سرزمین حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے۔ ان کی اہلیہ سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا بھی رفیق سفر تھیں۔ چنانچہ محمد بن ابی حذیفہ حبشہ ہی میں پیدا ہوئے۔❸ سیّدنا ابوحذیفہ کی وفات کے

---

❶ طبری: ٦/ ٨٩۔ مروج الذهب: ٣/ ٢٩۔ ابن اثیر: ٣/ ١٧٩۔ ابن خلدون: ٢/ ١١٢٧.

❷ الاعلام: ٧/ ٧٩.

❸ اسد الغابه: ٥/ ١٧٠.

Marfat.com

بعد آپ کے بیٹے محمد کی پرورش سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کی۔ جب سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو محمد بن ابی حذیفہ نے آپ سے کسی اعلیٰ عہدے پر فائز ہونے کی درخواست کی۔ چونکہ اس سے قبل اس پر شراب نوشی کی حد لگ چکی تھی، لہٰذا درخواست مسترد ہوگئی۔ ❶

بلکہ ابن اثیر کی روایت کے مطابق سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((لو كنت اهلًا لذالك لو ليتك .)) ❷

''اگر تم اس کے اہل ہوتے تو ضرور تمھیں گورنر بنا دیتا۔''

محمد بن ابی حذیفہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ جواب ملنے پر ان سے ناراض ہوگیا اور سبائیوں کے ساتھ مل کر آپ کی نہایت شدت سے مخالفت شروع کر دی۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت سیّدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی عدم موجودگی میں مصر کی گورنری پر قبضہ کر لیا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر پر چڑھائی کی، تاکہ محمد بن ابی حذیفہ کو وہاں سے نکالا جائے۔ ویسے قدرت بھی اب اس کو سزا دینا چاہتی تھی۔'' کیوں کہ وہ قتلِ عثمانؓ کا سب سے بڑا معاون تھا، حالانکہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی کفالت اور پرورش کی تھی اور اس کے ساتھ بہت احسان کیے تھے۔'' ❸

سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے مصر پر حملہ کرنے کے وقت محمد بن ابی حذیفہ ایک ہزار فوج کے ساتھ عریش کی طرف نکلا، لیکن مقابلہ کی تاب نہ لا کر قلعہ بند ہوگیا۔ سیّدنا عمرو بن العاصؓ نے ایک منجنیق (ایک توپ جس کے ذریعے سے بڑے بڑے پتھروں کو قلعہ وغیرہ کی فصیل کو توڑنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا) نصب کر کے قلعہ پر سنگ باری شروع کر دی۔ محمد بن ابوحذیفہ نے یہ حال دیکھ کر باہر نکلنا چاہا۔ چنانچہ وہ اپنے تین آدمیوں کی معیت میں باہر نکلا، لیکن سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان سب کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ ❹

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں ایک اور روایت نقل کی ہے کہ محمد بن ابی حذیفہ محمد بن ابی بکر کے بعد پکڑا گیا۔ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل نہ کیا، بلکہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج

---

❶ تاریخ الاسلام السیاسی: ۱/ ۳۵۱۔ ابن اثیر: ۳/ ۱۳۵.

❷ ابن اثیر: ۳/ ۱۳۵.

❸ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۵۰.

❹ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۵۰.

Marfat.com

دیا، کیوں کہ وہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ماموں زاد بھائی تھا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو فلسطین کے ایک قید خانہ میں قید کر دیا، لیکن کچھ دنوں کے بعد وہ قید خانہ سے بھاگ نکلا۔ ایک شخص عبداللہ بن عمرو بن ظلام نے اس کا تعاقب کیا۔ محمد بن ابی حذیفہ ایک غار میں چھپ گیا۔ کچھ جنگلی گدھے اس غار میں پناہ لینے کے لیے آئے، لیکن محمد بن ابی حذیفہ کو غار میں دیکھ کر پیچھے بھاگ گئے۔ جب کسانوں کی ایک جماعت نے ان گدھوں کو اس طرح بھاگتے دیکھا تو وہ بہت متعجب ہوئے، چنانچہ وہ اس غار کے پاس آئے اور دیکھا کہ محمد بن ابی حذیفہ اس میں چھپا ہوا ہے۔ انھوں نے اس کو پکڑ لیا اور عبداللہ بن عمرو بن ظلام کے حوالے کر دیا۔ عبداللہ نے اس خیال سے کہ اگر اسے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس لوٹا دیا گیا تو شاید وہ کہیں اسے معاف نہ کر دیں، خود ہی اس کی گردن مار دی۔ [1]

نقد و نظر:

مصر کا ہنگامہ کب پیش آیا؟ اس کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ کچھ لوگ اس کو فیصلۂ تحکیم سے پہلے کا واقعہ بتاتے ہیں اور کچھ فیصلۂ تحکیم کے بعد کا۔ لیکن ہمارے خیال کے مطابق اہلِ خربتا پر معاہدۂ تحکیم کے وقت محمد بن ابی بکر نے یہ سب سختیاں شروع کر دی تھیں اور فیصلہ تحکیم کے اعلان کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ حملہ کر کے مصر کو فتح کر لیا، کیونکہ اہلِ خربتا نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس محمد بن ابی بکر کے تشدد کے بارے میں متعدد بار شکایات کی تھیں۔

یہ ہنگامہ بھی دراصل سبائیوں کا بپا کردہ تھا۔ سیّدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہ بڑے اچھے طریقے سے وہاں اپنے فرائض حکومت انجام دے رہے تھے کہ کنانہ بن بشر نے خواہ مخواہ محمد بن ابی بکر کی معرفت امیر المؤمنین سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے کان بھرے اور آپ نے محمد بن ابی بکر جیسے ناتجربہ کار اور جذباتی شخص کو وہاں کا گورنر مقرر کر دیا، جس کی سخت اور ناعاقبت اندیشانہ پالیسیوں نے مصر کے موافقین کو بھی مخالفین کی فہرست میں داخل کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ علاقہ ہمیشہ کے لیے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے نکل گیا۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اہلِ خربتا پر یہ حملہ محمد بن ابی بکر نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے کیا تھا۔ یہ بات بھی بالکل غلط ہے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کو وہاں کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ اس نے جو پالیسی وہاں وضع کی وہ کنانہ بن بشر کے ذہن کی پیداوار تھی، کیونکہ وہاں کے سبائیوں کی زمامِ کار اس

---

[1] البدایہ والنہایہ: ۷/۳۱۵.

Marfat.com

کے ہاتھ میں تھی اور محمد بن ابی بکر کو اس پر بہت اعتماد تھا۔ ورنہ سیّدنا علیؓ جیسا عالی دماغ، دُور اندیش، عاقبت اندیش اور موقع کی نزاکت کو سمجھنے والا انسان اپنی بیعت نہ کرنے والوں کے ساتھ جنگ کرنے کا کبھی بھی حکم نہیں دے سکتا، کیوں کہ اگر آپ صرف غیر مبایعین کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیتے تو سب سے پہلے اہلِ مدینہ کے ان اصحاب سے برسرِ پیکار ہوتے، جنھوں نے ابھی تک آپ کی بیعت نہیں کی تھی۔

دوسرے اگر آپ محمد بن ابی بکر کو اہلِ خربتا کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیتے تو محمد بن ابی بکر کی امداد کے لیے کچھ کمک بھی بھیجتے، لیکن تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے کسی آدمی کو بھی فوج دے کر محمد بن ابی بکر کی امداد کے لیے نہیں بھیجا۔ مالک الاشتر نخعی کے بارے میں جو مؤرخین نے لکھا ہے کہ امیر المؤمنین نے ان کو محمد بن ابی بکر کی امداد کے لیے ولایت کا پروانہ دے کر بھیجا تھا۔ چنانچہ طبری نے اپنی تاریخ میں ولایت کے پروانے کا مضمون بھی نقل کیا ہے۔ ❶ لیکن اگر تاریخ کا تحقیقی نگاہ سے مطالعہ کیا جائے تو یہ واقعہ بھی غلط ثابت ہوتا ہے۔ اوّل اس لیے کہ جو پروانہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ انھوں نے اشتر نخعی کو لکھ کر دیا تھا وہ بالکل جعلی ہے اور امیر المؤمنین کی طرف سے اس کی نسبت غلط ہے۔ چنانچہ الخضری بھی اس کو جعلی اور زمانۂ مابعد کا لکھا ہوا بتاتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

((والظاهر ان هذا العهد قد كتب بعد ذالك بازمان .))

''یہ بات ظاہر ہے کہ تقرری کی یہ سند بعد کے زمانوں کی لکھی ہوئی ہے۔'' ❷

دوسرے اگر مالک الاشتر کو آپ بھیجتے تو کچھ فوج بھی ساتھ بھیجتے، لیکن تاریخ کی ورق گردانی سے کہیں پتہ نہیں چلتا کہ آپ نے اس کے ساتھ فوج بھی بھیجی تھی، حالاں کہ محمد بن ابی بکر نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو لکھا بھی تھا کہ یہاں کے حالات اچھے نہیں ہیں اور شہر کے سب لوگ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گئے ہیں، لہٰذا اگر آپ کو مصر کی ضرورت ہے تو فوج اور دیگر مال و متاع سے جلد میری مدد فرمائیں۔ ❸

---

❶ طبری: ٦/ ٥٤۔ مروّج الذهب: ٢/ ٣٩.

❷ محاضرات تاريخ الامم الاسلاميه: ٢/ ٧٧.

❸ طبری: ٦/ ٥٨.

Marfat.com

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصر کا یہ قضیہ وہاں کا مقامی قضیہ تھا اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے معاہدۂ تحکیم کا احترام کرتے ہوئے، وہاں مطلق کوئی فوج نہ بھیجی اور مالک الاشتر بھی وہاں اپنی مرضی سے گیا تھا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کو نہیں بھیجا تھا، کیوں کہ اتنے بڑے معاہدے کا احترام اگر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ جیسا انسان نہ کرتا تو اور کون کرتا؟ آپ کی ذات ان تمام نقائص سے بالاتر تھی، جو آپ کے دوست نما دشمن آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ باقی معصوم سوائے انبیائے کرام علیہم السلام کی ذوات کے اور کوئی نہیں ہوتا۔ آپ سے کچھ سیاسی فروگذاشتیں اور اجتہادی خطائیں بھی ہوئیں، لیکن کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان پر یا دوسرے صحابہ کرامؓ پر ان کی اجتہادی غلطیوں کے بارے میں زبانِ طعن دراز کرے۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر کی گورنری کا لالچ دے کر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ ملالیا تھا۔ یہ دشمنانِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے آپ کے اخلاقِ فاضلہ پر ایک رکیک حملہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے رذائل اور طمع و لالچ سے یک قلم بری تھے۔ رضی اللہ عنهم ورضوا عنه کی سند امتیاز ایسے رذائل میں منہمک ہونے والوں کو نہیں ملتی۔

خوارج کی سرکشی:

ادھر مصر کی فتح کے بعد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیر تسلط شام کے ساتھ مصر کا علاقہ بھی آ گیا، جس سے ان کی سلطنت میں وسعت پیدا ہوگئی۔ ادھر فیصلۂ تحکیم کے بعد سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی ممد و معاون سبائی پارٹی کی ساری اُمیدوں پر پانی پھر گیا، کیوں کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے معاہدۂ تحکیم پر دستخط کر کے اپنے کو شوریٰ کے سپرد کر دیا تھا۔ اس وجہ سے ان کی فوج میں خلفشار اور انتشار پیدا ہوگیا اور آپ کی فوج کے دو آدمیوں حرقوص بن زہیر سعدی اور زرعہ بن برج طائی کی قیادت میں بہت سے لوگ صرف اس بنا پر آپ کے لشکر سے الگ ہوگئے کہ آپ نے خدا کے علاوہ انسان کو اپنا حکم بنایا ہے۔ [1] اس معاملہ نے یہاں تک طول کھینچا کہ وہ گروہ جنگ کے لیے میدان میں اُتر آیا۔ آپ نے ہر طریقہ سے ان کو سمجھانے کی کوشش کی اور اللہ کا خوف دلا کر دعوتِ اتحاد و اتفاق دی، نیز اپنے چچا زاد بھائی سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھی ان کو سمجھانے کے لیے بھیجا، لیکن یہ سب باتیں بالکل بے سود ثابت

---

[1] اخبار الطوال، ص: ٢٠٤۔ ابن اثیر: ٣/ ١٦٩.

Marfat.com

ہوئیں۔ آخرکار آپ کو بھی چارو ناچار میدان میں اُترنا پڑا۔ دونوں طرف سے جنگ ہوئی۔ خارجی اس بہادری سے لڑے کہ ان کے اعضاء کٹ کٹ کر الگ ہو جاتے تھے، لیکن پھر بھی وہ لڑتے تھے۔ چنانچہ خارجی فوج کے سپاہی شریح بن اوفی کا پاؤں کٹ گیا اور وہ پاؤں کٹنے کے باوجود بھی لڑتا رہا۔ ❶ آخر ایک خون ریز جنگ کے بعد خارجیوں کو شکست فاش ہوئی۔

اس لڑائی سے بھی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ اب کسی صورت کسی جنگ میں شمولیت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے کنانہ بن بشر، محمد بن ابی بکر، مالک الاشتر اور دوسرے کئی سبائی سردار صفین اور مصر کے معرکوں میں کام آ چکے تھے۔ تیسرے آپ کی فوج کی اکثریت جو کہ سبائیوں پر مشتمل تھی اور فیصلۂ تحکیم کے بعد اگرچہ آپ کی فوج سے خارجیوں کی طرح الگ نہیں ہوئی تھی، لیکن قلبی طور پر وہ اب آپ کے ساتھ تعاون کرنے پر تیار نہیں تھی۔ چنانچہ اب ہر مقام اور ہر موڑ پر انھوں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑ دیا اور معاملہ یہاں تک بڑھ گیا کہ آپ کی فوج کے ایک بہت بڑے سردار اشعث بن قیس الکندی نے خارجیوں سے جنگ کے فوراً بعد سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ کہنا شروع کر دیا:

> ''ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں، ہماری تلواریں کند ہو گئی ہیں اور ہمارے نیزوں کی انیاں خراب ہو گئی ہیں، لہٰذا آپ ہمیں اب گھر جانے کی اجازت دیجیے۔'' ❷

یہ ان لوگوں کے عذراتِ لنگ ہیں۔ اصل وجہ یہ تھی کہ وہ اب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے تعاون کرنے سے گریز کر رہے تھے۔ آپ ان لوگوں کی اندرونی کیفیت سے بخوبی آشنا تھے، لیکن آپ ان کے ہاتھوں مجبور تھے اور کر بھی کیا سکتے تھے؟ ایک روز جب ان لوگوں نے بہت پریشان کیا تو آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:

> ''بخدا سوگند! مجھے یہ منظور ہے کہ حق تعالیٰ تم میں سے مجھے اُٹھا لے۔'' پھر فرمایا:
> ''خدوندا! تو جانتا ہے کہ میں ان سے تنگ آ گیا ہوں اور یہ مجھ سے تنگ آ گئے ہیں۔ میں ان سے ملول ہوں۔ خدوندا! مجھے ان سے راحت عطا فرما اور ان کو اس شخص کے

---

❶ اخبار الطوال، ص: ۲۱۰۔ ابن اثیر: ۳/ ۱۷۵.

❷ ابن اثیر: ۳/ ۱۷۶۔ اخبار الطوال، ص: ۲۱۱.

Marfat.com

ہاتھ میں مبتلا کر کہ یہ بعد اس کے مجھے یاد کریں۔'' ❶

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی یہ دُعا قبول ہوئی اور اسی رات حجاج بن یوسف ثقفی پیدا ہوا۔ ((وازو بکوفیاں رسید آنچہ رسید .)) ❷ ..... ''اور حجاج بن یوسف کے ہاتھوں کوفیوں پر جو کچھ گزری وہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بددعا کا نتیجہ تھا۔''

پھر لکھا ہے کہ:

''اور میں ان سے تنگ دل ہو گیا ہوں اور یہ مجھ سے تنگ دل ہو گئے ہیں، میں ان کا دشمن ہوں اور یہ میرے دشمن ہیں۔'' ❸

ایک اور موقع پر آپ اپنی فوج اور اپنے ساتھیوں کی بزدلی کی شکایت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''اگر گرم موسم میں تم کو کہتا ہوں کہ جنگ کے لیے نکلو تو کہہ اُٹھتے ہو بڑی گرمی ہے۔ ہم کو مہلت دیجیے کہ گرمی کم ہو جائے۔ جب تم گرمی سے بھاگتے ہو تو تلوار سے زیادہ بھاگو گے۔ اے لوگو! جو لڑکوں اور عورتوں کی مانند عقل رکھتے ہو، کاش میں تم کو کبھی نہ دیکھتا اور نہ تم کو پہچانتا۔ تم نے میرے دل کو پیپ اور میرے سینہ کو غصہ سے بھر دیا ہے، اور تم نے سخت نافرمانی کی ہے اور میری رائے کو تم نے ضائع کر دیا۔'' ❹

قاضی نور اللہ شوستری لکھتے ہیں:

((وحاصل کلام آنکہ آنحضرت مادر آں ایام نام خلافت بیش نہ بودہ ہموار اوفتد تمکن وتقاعد انصار وتخاذل اعوان شکایت می نمودند.)) ❺

''ان دِنوں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت برائے نام تھی۔ ہمیشہ اپنی کمزوری اور اپنے اعیان وانصار کی دُوں ہمتی اور دوستوں کی پہلوتہی کی شکایت فرماتے رہتے تھے۔''

پھر لکھا ہے کہ جب قاضیوں نے آپ سے پوچھا کہ فتوے اور فیصلے کس طرح کیا کریں تو آپ نے مایوسانہ طور پر فرمایا:

---

❶ جلاء العیون، باب: ۳، فصل: ۲، ص: ۲۲۹.
❷ روضة الصفاء، ص: ٥٢٤.
❸ جلاء العیون، باب: ۳، فصل: ۳، ص: ۲۳٦.
❹ حلیة المتقین، ص: ۳٦۲، لکھنؤ۔
❺ مجالس المؤمنین، مجلس اوّل، ص: ۲٤.

Marfat.com

((اقضوا بما تقضون حتی یکون الناس جماعة أو اموت کما مات اصحابی .)) ❶

''جس طرح فیصلے دیتے جاتے ہو دیتے جاؤ، یہاں تک کہ لوگ میری خلافت پر اتفاق کریں یا پھر میں مرجاؤں اسی طرح جس طرح میرے اصحاب مرگئے۔''

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

''لوگ تو اپنے حاکموں سے ڈرتے ہیں، لیکن میں اپنی رعیت (لشکر) کے ظلم سے ڈرتا ہوں۔'' ❷

نہج البلاغہ جس کو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے خطبات اور مراسلات کی کتاب بتایا جاتا ہے، لکھا ہے:

''پس میں نے دیکھا کہ میرا کوئی مددگار اور معین نہیں ہے، سوائے میرے گھر والوں کے، سو میں نے انھیں موت سے بچالیا۔'' ❸

پھر اپنے لشکریوں کو بددعا دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

((قاتلکم اللّٰہ لقد ملأتم قلبی قیحًا وشحنتم صدری غیظًا .)) ❹

''اللہ تمھیں ہلاک کرے تم نے میرے دل کو غم کی پیپ سے بھر دیا اور میرے سینہ کو غصہ سے۔''

عبدالملک بن عمیر عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ سے روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے خود اپنے کانوں سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((ما لقی احد من الناس ما لقیت ثم بکیٰ .)) ❺

''لوگوں میں سے کسی کو بھی وہ مصیبت پیش نہیں آئی جو مجھے تم لوگوں سے آئی۔ یہ فرما کر آپ رونے لگے۔''

ایک روز آپ بڑے پژمردہ خاطر تھے اور اپنے لشکریوں اور شیعوں کا جنھوں نے پہلے تو آپ کو جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں اپنوں سے لڑایا، لیکن اب معاہدۂ تحکیم کے بعد جب اپنی سازشوں کو

---

❶ مجالس المؤمنین، ص: ٢٤.
❷ نهج البلاغه، ص: ٤٧.
❸ ابن ابی الحدید: ٤/ ١٢٦.
❹ نهج البلاغه، ص: ٣٥٤.
❺ نهج البلاغه، ص: ٤٧.

Marfat.com

کامیاب ہوتے نہ دیکھا تو آپ کا ساتھ چھوڑ دیا، گلہ کرتے ہوئے فرمایا:

''قریش سمجھتے ہیں کہ ابوطالب کا بیٹا بہادر تو ہے لیکن جنگی فنون سے ناآشنا ہے۔ خاک آلود ہوں ان کے ہاتھ! کیا ان میں کوئی مجھ سے زیادہ ماہر ہے؟ میں تو جنگوں میں اس وقت پڑا تھا، جب میری عمر ابھی بیس برس کی بھی نہ تھی، اور اب میں زندگی کی ساٹھ منزلوں سے بھی تجاوز کر چکا ہوں، لیکن جس کی کوئی اطاعت نہ کرے، اس کی رائے کی کیا قیمت ہوسکتی ہے۔'' ❶

اصل بات یہ تھی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکری خلوصِ نیت سے ان کا ساتھ دے رہے تھے، جب کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی اور شیعہ ایک خاص سازش کے تحت صرف قتال بالمسلمین کے لیے آپ کا ساتھ دے رہے تھے، لہٰذا وہ آپ کے ہر مکتوب اور آپ کے ہر خط کو اُنھی نگاہوں سے دیکھتے اور اس انداز سے وہ آپ کی سیاست پر چھائے ہوئے تھے کہ حالات بتا کر جو چاہتے آپ سے کروا لیتے۔ کبھی سیّدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہ جیسے نیک طینت اور تجربہ کار گورنر کو ہٹوا کر اس کی جگہ محمد بن ابی بکر جیسے ناتجربہ کار نوجوان کو گورنر لگوا دیتے۔ چاہتے تو زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہما اور اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جیسی بزرگ ہستیوں سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ جیسے بزرگ انسان کو لڑوا دیتے۔ اسی وجہ سے مشہور شیعی محقق ملا عبدالرزاق لاہجی کو یہ کہنا پڑا:

خلافتے او بعد از ثلاثہ خلافتے نہ بود کہ در آں خلافت عمل بہ مقتضائے علم او خواہد کرد. ❷

''اصحابِ ثلاثہ کی خلافت کے بعد سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ایسی خلافت نہ تھی، جس میں وہ اپنی مرضی کے مطابق عمل درآمد کر سکتے تھے۔''

کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو کہیں سے کوئی خط آتا تو آپ کے لشکری اس بات کی ٹوہ میں رہتے کہ آپ اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔ کیا کوئی ایسا جواب تو نہیں دیتے جو ہماری مرضی کے خلاف ہو۔ اگر جواب کا پتہ نہ چلتا تو اٹکل سے کوئی اچھا سا جواب سوچ کر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف

---

❶ مروّج الذهب: ٢/ ٦٢۔ حلية المتقين، ص: ٣٦٢۔ اخبار الطوال، ص: ٢١٢۔ كتاب الاغانی: ١٥/ ٤٣.

❷ گوہر مراد، ص: ١٢٥.

Marfat.com

منسوب کر دیتے۔ چنانچہ الخضری نے شیعہ ہونے کے باوجود اس بات کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے:

''سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جب بھی کوئی مراسلہ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجتے تو قاصد کے آنے جانے کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی کہ پیغام رساں کب آتا ہے اور کب جاتا ہے اور کیا خط لے گیا اور کیا جواب لایا۔ شام کا کوئی شخص اس بارے میں کچھ دریافت نہ کرتا، لیکن جب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا پیغام رساں آتا تو عراق کے لوگ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما (جو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے معتمد علیہ تھے) کے پاس جاتے اور دریافت کرتے کہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف کیا لکھا ہے۔ اگر آپ ان سے خط کے مضمون کو چھپاتے تو پھر وہ خود ہی اٹکل پچو لڑایا کرتے کہ ہماری رائے میں امیر المؤمنین نے فلاں فلاں بات لکھی ہوگی۔ اس پر سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ان سے فرمایا کرتے: ''تمھیں کبھی عقل بھی آئے گی؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا قاصد آتا ہے تو کوئی خبر نہیں ہوتی کہ کیا پیغام لایا ہے اور کیا لے گیا، نہ ان کے ہاتھ بلند ہوتے ہیں اور نہ کوئی شور و غوغا سنائی دیتا ہے، مگر تم یہاں سارا دن بیٹھ کر اٹکل پچو مارا کرتے ہو۔'' ❶

ان کی یہ باتیں جب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے کانوں میں پڑتیں تو آپ کو نہایت صدمہ ہوتا اور آپ ان کو ڈانٹتے۔ چنانچہ زہیر بن ارقم روایت کرتے ہیں کہ ایک روز آپ نے جمعہ کے خطبہ میں فرمایا:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ بسر بن ارطاط اب یمن پہنچ گئے ہیں۔ واللہ! مجھے ایسا لگتا ہے کہ عنقریب یہ لوگ تم پر غالب آجائیں گے اور یہ تم پر صرف اس وجہ سے غالب آئیں گے کہ تم اپنے امام کی نافرمانی کرتے ہو اور وہ اپنے امام کے تابعدار اور فرماں بردار ہیں، تم امانت میں خیانت کرتے ہو اور وہ امین ہیں، تم زمین میں فساد بپا کرتے ہو اور وہ صلح و آشتی پھیلاتے ہیں۔''

''میں نے فلاں کو گورنر بنا کر بھیجا اس نے خیانت کی اور دھوکہ دیا، فلاں کو بھیجا اس نے بھی خیانت کی اور غدر کر کے مال و دولت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔ میں اگر تم میں سے

---

❶ ابن اثیر: ۳/ ۱۶۷۔ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ: ۲/ ۷۱۔ اخبار الطوال، ص: ۱۹۷۔ ایام العرب فی الاسلام، ص: ۳۰۵.

Marfat.com

کسی کو ایک پیالے پر امین بناؤں تو وہ اسے بھی چاٹنا شروع کر دے گا۔"

پھر آپ نے بڑے دل گیر اور حزن و ملال کے انداز میں اپنے حواریوں کو مخاطب کر کے دُعا کی:

"اے اللہ! میں ان سے تنگ ہوں اور یہ مجھ سے تنگ ہیں۔ اے اللہ! ان کو مجھ سے نجات دے اور مجھے ان سے بچا۔" ❶

بعض دفعہ اپنے ساتھیوں اور شیعوں کی اِنھی غداریوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی آنکھوں سے موسلا دھار بارش کی طرح آنسو ٹپکتے اور آپ حسرت سے فرمایا کرتے:

((واللّٰہ! لإنِ معاویة صارفنی بکم صرف الدینار بالدرهم، فاخذ منی عشراً منکم واعطانی رجلاً منهم.)) ❷

"بخدا! میری آرزو ہے کہ کاش معاویہ رضی اللہ عنہ مجھ سے اس طرح تمھارا تبادلہ کر لیں جس طرح دینار اور (اشرفیاں) درہموں (روپوں) سے تبادلہ کیے جاتے ہیں۔ مجھ سے وہ تمھارے دس آدمی لے لیں اور مجھے اپنے ان میں سے ایک آدمی دے دیں۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

((وکان علیًا عاجزاً عن قهر الظلمة من العسکرین ولم تکن اعوانه یوافقونه علیٰ ما یامر به واعوان معاویة یوافقونه.)) ❸

"سیّدنا علی اپنے سپاہیوں کے ظلم و قہر سے عاجز و مجبور تھے اور ان کے ساتھی ان کے حکموں کو نہیں مانتے تھے (اور اس کے مقابلہ میں) سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی آپ کے احکام کو بہ دل و جان قبول کرتے تھے۔"

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ ایک موقع پر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے نہایت حسرت و یاس سے فرمایا کہ

((واعجبا أعصی ویطاع معاویة.)) ❹

"بڑے تعجب کی بات ہے کہ میرے ساتھی میری نافرمانی کرتے ہیں اور معاویہ رضی اللہ عنہ

---

❶ البدایه والنهایه: ۷/ ۳۲۵۔ ابن اثیر: ۳/ ۳۹٤ تعلیقه.
❷ نهج البلاغه: ۲/ ۳۵٤.
❸ منهاج السنه: ۲/ ۲۰۲.
❹ تاریخ الاسلام ذهبی ۲/ ۱٦۹.

Marfat.com

کے ساتھی اس کی اطاعت اور فرماں برداری کرتے ہیں۔"

یہ تھا ان لوگوں کا کیریکٹر جو اپنے آپ کو "محبانِ علیؓ" کہتے تھے اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے آپ کے معاون و مددگار بنے ہوئے تھے۔

آپ کے اِنھی بے وفا ساتھیوں میں سے ایک جماعت نے حکمین تسلیم کرنے کو غلط قرار دیا اور "ان الحکم اِلاَّ لِلّٰہ" کا نعرہ لگا کر آپ سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور ایک مقام "الحروراء" میں جا بسے اور پھر ہر موقع پر آپ کو تنگ کیا۔ آپ سے جنگ بھی کی۔ ❶ اور بالآخر آپ کی شہادت کا باعث بھی یہی جماعت بنی۔

مختلف علاقوں میں سبائیوں کی شورش پسندی:

واقعہ تحکیم کے بعد جہاں انھوں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ غداری کی اور ان کے احکام کی نافرمانی اور بے حرمتی کرنا شروع کی وہاں ان کے مقبوضہ علاقوں میں بھی عوام کو تاخت و تاراج کر کے ان کے مالوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ ان علاقوں کے لوگ جب دیکھتے کہ شام کے لوگ نہایت امن و امان سے اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں اور مصر کی شورش کے بعد اب وہاں بھی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گورنر سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وجہ سے لوگوں کی زندگی بڑے اچھے طریقے سے گزر رہی ہے اور ان کو اب کسی فتنہ و فساد کا خوف نہیں تو وہ بھی خفیہ طریقے سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے خط و کتابت شروع کر دیتے اور ان سے درخواست کرتے کہ خدارا ہمارے علاقے بھی اپنے زیرِ تصرف لے کر ہمیں ان سپاہیوں کی آئے روز کی فتنہ پردازیوں سے محفوظ و مصئون فرمایئے، ادھر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بھی ان سے تنگ آئے ہوئے تھے اور خلافت کی اس ذمہ داری سے دست بردار ہونا چاہتے تھے۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا بعض علاقوں پر قبضہ:

شروع شروع میں تو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کی عرض داشتوں کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا لیکن جب اصرار زیادہ ہوا تو آپ نے فیصلۂ تحکیم کے اگلے برس یعنی سنہ ۳۹ھ میں سیّدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، سفیان بن عوف، عبداللہ بن مسعدہ، ضحاک بن قیس وغیرہ کو تھوڑی تھوڑی فوج کے ساتھ ان علاقوں کے عوام کی جنھوں نے آپ کی خدمت میں عرض داشتیں بھیجی تھیں، تحقیق حال کے لیے بھیجا،

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۲۷۸/۷۔ تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۱۷۳/۱۔ ۱۷۴.

Marfat.com

چنانچہ جس جس علاقہ میں یہ لوگ گئے وہاں کے عوام کو پہلے سے منتظر پایا۔ ان بزرگوں کا پہنچنا تھا کہ وہاں کے لوگوں نے علوی گورنروں کو اپنے اپنے علاقوں سے نکال دیا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی طرف التفات نہ فرمایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سال کی قلیل مدت میں عین التمر، انبار، مدائن، تیما اور عجم کے کئی دوسرے علاقے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے قبضہ سے نکل کر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں آ گئے۔

سنہ ۴۰ھ میں آپ نے بسر بن ارطاۃ کو تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ حجاز و یمن کی طرف بھیجا۔ آپ سیدھے مدینہ منورہ پہنچے۔ وہاں سیّدنا ابوایوب انصاریؓ میزبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے گورنر تھے۔ آپ بسر کے مدینہ پہنچنے پر مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر کوفہ تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیرِ تصرف آ گیا۔ پھر بسر مکہ گئے۔ وہاں کے لوگوں نے بھی بخوشی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقبوضات میں آنا قبول کرلیا۔ پھر آپ یمن گئے۔ وہاں سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو خبر ہوئی تو وہ عبداللہ بن المدان کو اپنا قائم مقام بنا کر خود کوفہ چلے گئے۔ وہاں کے لوگ بھی چشم براہ تھے۔ انھوں نے بھی فوراً اطاعت قبول کرلی۔ غرض کہ ایک سال کی قلیل مدت میں علوی مقبوضات کا کافی علاقہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیرِ تصرف آ گیا۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ بسر بن ارطاۃ نے بہت ظلم و ستم کیے یہاں تک کہ یمن میں عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دو معصوم بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بسر بن ارطاۃ کے ظلم کی یہ تمام داستانیں وضعی اور گھڑنتو ہیں۔ چنانچہ مصر کے مشہور مؤرخ اور محقق اور پی ایچ ڈی کے استاذ الشیخ عبدالوہاب النجار نے لکھا ہے کہ

> ''حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ بسر نے شیعانِ علی رضی اللہ عنہ کی ایک بہت بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ یہ بات اگرچہ مؤرخین کے نزدیک بہت مشہور ہے لیکن ان واقعات کی صحت میرے نزدیک درست نہیں۔'' (فی صحته عندی نظر) ❶

مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بسر بن ارطاۃ کو حجاز کے علاقہ کا گورنر بنا کر بھیجا۔ جب وہ یمن پہنچا تو عبیداللہ بن عباس گورنر یمن سے ان کی مڈھ بھیڑ ہوئی۔ عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مقابلہ کی تاب نہ لاکر کوفہ چلے گئے۔ بعد میں بسر نے بہت مظالم کیے یہاں تک کہ عبیداللہ بن

❶ ابن اثیر ۳/۱۹۳ تعلیقه.

Marfat.com

عباس رضی اللہ عنہما کے دو بچوں عبدالرحمٰن اور قثم کو قتل کر دیا۔ بسر کے مقابلہ اور جوابی کارروائی کے طور پر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے جاریہ بن قدامہ کو روانہ کیا۔ جاریہ جب نجران پہنچے تو انہوں نے وہاں کے لوگوں کو آگ میں جلا ڈالا اور شیعانِ عثمان کو پکڑ کر قتل کر ڈالا۔ بسر اور اس کے ساتھی مکہ کی طرف بھاگ گئے۔ جاریہ نے ان کا مکہ تک تعاقب کیا۔ جلانے کی وجہ سے لوگوں نے جاریہ بن قدامہ کو ''محرق'' کہنا شروع کر دیا۔ ❶

جاریہ قتل و غارت کرتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے۔ اس زمانہ میں مدینہ میں سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسجدِ نبویؐ میں نماز پڑھایا کرتے تھے۔ جاریہ کے قتل و غارت کے بارے میں وہ پہلے ہی بہت کچھ سن چکے تھے اس وجہ سے وہ مدینہ سے بھاگ گئے۔ جاریہ کو جب آپ کے بھاگنے کی خبر پہنچی تو وہ کہنے لگے اگر میں ابو سنور (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) پر قابو پالیتا تو ان کی گردن مار دیتا۔ جاریہ نے سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے لیے اہلِ مدینہ سے بیعت لی پھر وہ کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب وہ مدینہ سے چلے گئے تو سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر نمازیں پڑھانا شروع کر دیں۔ ❷

اس قسم کے بے شمار واقعات تاریخ میں ملتے ہیں۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تاریخ کے اس قسم کے واقعات کی وجہ سے مطعون نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان تاریخی واقعات کی قرآن و حدیث کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام بہت بلند ہے۔ ان کی شخصیتوں کو ان بے سروپا روایات کے باعث مجروح نہیں کیا جا سکتا۔

محققین کے نزدیک بسر بن ارطاۃؓ کے مظالم کی یہ داستان فرضی اور موضوعی ہے، اسی وجہ سے انھوں نے اپنی تواریخ میں عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بچوں کو قتل کے واقعہ کو ذکر نہیں کیا۔ ❸

اور جن روایات میں بسر بن ارطاۃؓ کے مظالم کو ذکر کیا گیا ہے وہ روایات کذاب راویوں سے مروی ہیں۔ اسی وجہ سے شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:

---

❶ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: طبری: ٦/ ٨٠۔ تاریخ الاسلام ذهبی: ٢/ ٢١٤۔ مروج الذهب: ٣/ ٣١۔ اليعقوبی: ٢/ ١٩٩.

❷ طبرانی: ٦/ ٨١۔ البدايه والنهايه: ٧/ ٣٢٢.

❸ ملاحظہ ہو: طبقات ابن سعد تحت بسر بن ارطاة۔ تاريخ خليفه بن خياط تحت سنه ٤٠۔ الاصابه: ٢/ ٤٣۔ وغیرہ۔

Marfat.com

''یہ مؤرخین کی روایتیں تو عموماً بے سروپا ہوتی ہیں۔ نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے اور ان کی توثیق وتخریج کی خبر ہوتی ہے اور نہ اتصال وانقطاع سے بحث ہوتی ہے..... صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق قطعی اور متواتر نصوص اور دلائل عقلیہ ونقلیہ کی موجودگی میں اگر احادیثِ صحیحہ کی روایات موجود ہوتیں تو وہ بھی مؤول یا مردود قرار دی جاتیں چہ جائیکہ روایات تاریخ۔''❶

فریقین میں مصالحت:

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے اعوان وانصار سے تنگ آ چکے تھے اور آپ پر یہ عقدہ کھل چکا تھا کہ جمل وصفین کی خون ریزی ان لوگوں کی وجہ سے ہوئی۔ پھر ان کی غداریاں بھی آپ کے سامنے تھیں کہ جب تک انھوں نے اپنی سازشوں کو کامیاب ہوتے دیکھا، میرا ساتھ دیا اور اب جب کہ میں ان کی حقیقت سے آشنا ہو چکا ہوں اور ان کو اپنا مطلب حل ہوتا نظر نہیں آتا انھوں نے میرا حکم بھی ماننا چھوڑ دیا ہے اور میری ہر بات کے خلاف کرتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں اور شیعوں کی وفاداری اور اطاعت کیشی ان کے لیے باعثِ رشک اور باعثِ حسرت تھی۔❷ لہٰذا ان مسلسل خانہ جنگیوں سے گھبرا کر سنہ ۴۰ھ میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی اور جنگ بندی کا ایک معاہدہ فریقین میں طے ہوا جس میں یہ طے پایا کہ:

۱: عراق اور اس کے ملحقات سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے حکم کے تحت ہوں گے۔

۲: شام اور اس کے ملحقات سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے تحت ہوں گے۔

۳: فریقین ایک دوسرے پر فوج کشی نہیں کریں گے۔

۴: کوئی فریق بھی دوسرے فریق کے علاقے میں اپنی فوج نہیں بھیجے گا۔

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس معاہدہ کے گواہوں میں شامل تھے۔❸

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا گورنری سے استعفا:

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے۔ سنہ ۴۰ھ میں

---

❶ مکتوبات شیخ الاسلام ۱/۲٦٦.

❷ منهاج السنه: ۲/۲۰۲.

❸ طبری: ٦/۸۱۔ البدایه والنهایه: ۷/۳۲۲۔ ابن اثیر: ۳/۱۱۲.

Marfat.com

ابوالاسود دوئلی نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی شکایت کی کہ انھوں نے بیت المال سے کچھ رقم خورد برد کی ہے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں گورنر بصرہ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو لکھا۔ آپ نے جواب میں لکھا:

''میرے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب غلط ہے اور میرے پاس جو کچھ بیت المال کا روپیہ وغیرہ ہے، میں اس کی بہت اچھے طریقے سے حفاظت کر رہا ہوں۔ ان جھوٹی باتوں پر ہرگز کان نہ دھریئے۔''

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس خط کے جواب میں سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے تفصیل طلب فرمائی اور لکھا:

''مجھے بتلاؤ کہ تم نے کس قدر جزیہ اکٹھا کیا ہے اور کہاں کہاں سے لیا ہے اور کہاں کہاں خرچ کیا ہے؟''

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس خط سے سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بہت غصہ آیا اور آپ نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''اپنے جس گورنر کو آپ چاہیں یہاں بھیج دیجیے کیوں کہ میں گورنری چھوڑنے والا ہوں۔''[1]

یہ خط لکھ کر سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بصرہ چھوڑ کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔[2]

اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سیّدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما جیسے فاضل، ترجمان القرآن، فقیہ الامت اور ایک بہترین خیر خواہ اور ہمدرد سے محروم ہو گئے۔

❀❀❀❀

---

[1] ابن اثیر: ۱۹۴/۳.

[2] ابن اثیر: ۱۹۴/۳۔ البدایہ والنہایہ: ۳۲۲/۷.

Marfat.com

تاریخ کا نیا دھارا

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت:

جنگِ نہروان میں خارجیوں نے اگرچہ بڑی شجاعت اور پامردی سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج کا مقابلہ کیا اور باوجود اس کے کہ ان کے اعضاء کٹ کٹ کر الگ ہو جاتے لیکن پھر بھی وہ لڑتے رہتے اور میدان نہ چھوڑتے۔ [1] آپ کی فوج بھی مقابلہ پر ڈٹی رہی اور کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ بالآخر ایک خون ریز جنگ کے بعد خوارج کو شکستِ فاش ہوئی اور ان کے کافی سے زیادہ آدمی مارے گئے۔

خوارج کو ایک تو اپنے مقتولوں کا بدلہ لینا تھا۔ دوسرے اپنی دانست میں وہ سمجھتے تھے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ، سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ان تینوں نے ملتِ اسلامیہ کے امن اور سکون کو پارا پارا کر دیا ہے اور امتِ مسلمہ کی خیر خواہی کی خاطر وہ اس بات کو نہایت ضروری سمجھتے تھے کہ ان تینوں اشخاص کے بوجھ سے زمین کو ہلکا کر دیا جائے۔ علاوہ ازیں وہ نہ تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو حکومت کا اہل سمجھتے تھے اور نہ ہی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو۔ چنانچہ خوارج کی مجلس میں اتفاق رائے سے یہ پاس ہوا کہ ان تینوں آدمیوں کو شہید کر دیا جائے۔ تجویز یہ تھی کہ اس نیک کام کو رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں نماز کی حالت میں انجام دیا جائے۔ چنانچہ خوارج میں سے تین آدمیوں نے اس کام کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ عبدالرحمٰن بن ملجم نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو، برک بن عبداللہ نے جس کا اصلی نام حجاج بن عبداللہ تھا، سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اور عمرو بن بکر نے سیّدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ ابن ملجم نے اپنے ساتھ ایک اور شخص شبیب بن بجرہ اشجعی کو بھی شریک کر لیا۔ حافظ ابن کثیر نے ایک تیسرے شخص ''دردان'' کا نام بھی لکھا ہے۔ [2]

طبری اور مسعودی وغیرہ نے لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ملجم کا ایک عورت سے معاشقہ تھا۔ اس کا بھائی اور باپ جنگِ نہروان میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ اس لیے اس کے دل میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف سخت عناد تھا۔ ابن ملجم نے اس عورت سے نکاح کرنا چاہا تو اس نے تین ہزار

---

[1] ابن اثیر: ۱۷۵۔ اخبار الطوال، ص: ۲۱۰.

[2] البدایہ والنہایہ: ۳۲۶/۷.

Marfat.com

درہم، ایک غلام، ایک گانے والی لونڈی اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا سر حق مہر میں مانگا۔ ❶

فیصلہ یہ ہوا کہ تینوں حضرات کو ایک ہی روز نمازِ فجر کے وقت شہید کیا جائے تاکہ سازش کا انکشاف نہ ہو۔ اس پروگرام کے تحت تینوں اپنی مہم پر چل دیے۔ ۱۷ رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ کو نماز فجر میں تینوں حضرات پر زہر آلود خنجروں سے حملہ کیا گیا۔ اتفاق سے سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی طبیعت اس روز ناساز تھی، اس لیے انھوں نے اپنی جگہ خارجہ بن حذیفہ جو کہ ایک پولیس آفیسر تھے اور قبیلہ بنی عامر بن لوئی سے ان کا تعلق تھا، کو نماز پڑھانے کے لیے بھیج دیا۔ چنانچہ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بجائے عمرو بن بکر خارجی نے اندھیرے میں خارجہ بن حذیفہ پر وار کر دیا اور وہ شہید ہو گئے۔ ❷ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر قاتل کا وار اوچھا پڑا۔ اس وجہ سے زخم خفیف آیا۔ طبیب خاص کو بلا کر زخم دکھایا گیا۔ اس نے کہا کہ خنجر زہر آلود ہے اس لیے زخم کو داغنے سے فائدہ ہوگا، اور اگر داغا نہ جائے گا تو پھر ایسی دوا استعمال کرنا ہوگی جس سے تناسل کی قوت بالکل ختم ہو جائے گی۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں داغنے کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا، لہٰذا دوا ہی استعمال کروں گا۔ اب مجھے اولاد کی ضرورت نہیں۔ عبداللہ اور یزید ہی کافی ہیں۔ انھوں نے چند روز دوا پی اور شفایاب ہو گئے۔

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حملہ آور پکڑا گیا۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو میں تم لوگوں کو ایک خوش خبری دیتا ہوں۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''وہ خوش خبری کیا ہے؟'' کہنے لگا: ''میرے ایک ساتھی نے آج علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا ہے اور ان کو شہید کر دیا ہے۔'' اس حملہ آور برک بن عبداللہ تمیمی کو شر کے سدباب کے لیے قتل کر دیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حفاظتی طور پر اپنی نماز کے مقام پر مقصورہ تعمیر کرایا جس میں حفاظتی انتظامات کیے گئے۔ ❸

عبدالرحمٰن بن ملجم اور شبیب بن بجرہ اشجعی دونوں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی راہ گزر پر چھپ کر بیٹھ گئے۔ آپ جب نمازِ فجر کے لیے مسجد کی طرف تشریف لائے، ابن ملجم نے (اور ایک روایت کے مطابق دونوں نے) آپ پر حملہ کر دیا۔ زہر آلود خنجر آپ کی پیشانی پر لگا اور ایک کاری زخم ہو گیا۔ ❹

---

❶ طبری: ۸۳/۶۔ مروّج الذهب: ۴۱/۲۔ ابن اثیر: ۱۹۵/۳.

❷ البدایه والنهایه: ۳۲۹/۷، مجمع الزوائد: ۱۴۲/۹۔ ۱۴۴. ❸ ایضاً۔

❹ ہسٹری آف دی عربز، ص: ۱۴۶۔ طبری: ۸۴/۶۔ مروج الذهب: ۴۱/۲.

Marfat.com

خون سے آپ کی ریش مبارک تر بتر ہوگئی۔ مسجد قریب تھی۔ آپ نے آواز دی۔ لوگ دوڑتے ہوئے آئے۔ شبیب تو بھاگ گیا لیکن عبدالرحمٰن بن ملجم پکڑا گیا۔ آپ کو مسجد میں لایا گیا۔ نماز کی امامت کے فرائض آپ کے بھانجے جعدہ بن ہبیرہ نے ادا کیے اور آپ نے اس کی اقتداء میں نمازِ فجر ادا کی۔ نماز کے بعد ابن ملجم کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے اس سے چند سوال کیے۔ پھر فرمایا کہ اس کو آرام سے رکھیں اور کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے۔ ❶

بعض روایات میں ہے کہ نماز فجر کے بعد آپ کو اٹھا کر گھر لایا گیا۔ عبدالرحمٰن بن ملجم کو آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا: ''اگر میں زندہ رہا تو میں جو مناسب سمجھوں گا وہ اس سے معاملہ کروں گا اور اگر میں فوت ہوگیا تو اس کو قصاص میں قتل کر دینا۔ ❷

سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''قاتل سے قصاص لیتے وقت ایک ہی ضرب لگانا کیوں کہ اس نے مجھے ایک ہی ضرب لگائی ہے، اور اس کا مثلہ (ناک، کان وغیرہ کاٹنا) نہ کرنا کیوں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ❸

نصیحتیں:

زخم کاری لگا تھا۔ پھر خنجر بھی زہر آلود تھا لہٰذا علاج کے بعد بھی زہر کا اثر سارے جسم میں پھیل گیا۔ جندب بن عبداللہ اور دوسرے کئی ایک حضرات نے پوچھا کہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر فرما جائیں۔ بعض حضرات نے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کا نام لے کر کہا کہ آپ کے بعد کیا ہم ان کے ہاتھ پر بیعت کرلیں؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

((وما آمركم ولا انهاكم انتم ابصر .))

''نہ میں تمھیں اس بات کا حکم دیتا ہوں اور نہ ہی روکتا ہوں، تم اس بارے میں زیادہ سمجھتے ہو۔'' ❹

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ آپ نے لوگوں کے دریافت کرنے پر ارشاد فرمایا:

---

❶ طبقات ابن سعد: ٣/٢٤٠۔ ابن اثیر: ٣/١٩٦۔ البدایه والنهایه: ٧/٣٢٦.

❷ البدایه والنهایه: ٧/٣٢٦، ٣٢٧۔ طبقات ابن سعد: ٣/٢٢۔ مجمع الزوائد: ٩/١٣٩.

❸ طبری: ٦/٨٢۔ ابن اثیر: ٣/١٩٧۔ ابن خلدون: ٢/١١٣٣.

❹ ابن اثیر: ٣/١٩٦۔ طبری: ٦/٨٥۔ مروّج الذهب: ٢/٤٢٠.

Marfat.com

"نہیں بلکہ میں تمھیں اسی طرح چھوڑے جارہا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ تمھیں چھوڑ گئے تھے، اور اگر اللہ تعالیٰ کو تمھاری بھلائی منظور ہوگی تو تمھیں ایک بہترین آدمی پر جمع کردے گا جس طرح رسول اللہ ﷺ کے بعد تمھیں ایک بہترین شخصیت (سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ) پر جمع کردیا تھا۔"●

اپنی بصیرت اور لوگوں کے اطوار سے آپ کو معلوم ہوگیا کہ میرے بعد سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو خلافت کی ذمہ داریاں سپرد کی جائیں گی۔ اس وجہ سے آپ نے خلوت میں ان کو کچھ وصیتیں فرمائیں کیوں کہ آپ سمجھ رہے تھے کہ میری وفات کے بعد تاریخ ایک نیا موڑ مڑنے والی ہے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی انتظامی، فکری، نظری اور عملی صلاحیتوں سے آپ بخوبی آشنا تھے۔ ان خوبیوں اور صلاحیتوں کے پیشِ نظر اور عالمِ اسلامی میں ان کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو بھی آپ بصیرت کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ اپنے شیعوں اور ساتھیوں کی بے وفائی اور غداری اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کا اخلاص اور ان کی اطاعت کیشی بھی آپ کے سامنے تھی۔ اس وجہ سے آپ نے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو چند ضروری وصیتیں فرمائیں۔ آپ نے فرمایا:

۱: بیٹا! میرے بعد امت کو اتحاد و اتفاق کا سبق دینا اور کوئی ایسی بات نہ کرنا جس سے امت میں تشتت و انتشار کی فضا پیدا ہو کیوں کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾

"یعنی اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھو اور آپس میں تفرقہ پیدا نہ کرو۔"●

۲: پھر فرمایا: بیٹا! میری وفات کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ سے فوراً صلح کرلینا اور ان کے خلیفۃ المسلمین ہونے سے کراہت نہ کرنا کیوں کہ اگر تم نے ان کو بھی اپنے ہاتھ سے کھودیا تو پھر امت میں ایسا اختلاف و انتشار پیدا ہوگا جس کے تلخ ترین نتائج تمھیں بھی بھگتنے پڑیں گے۔●

بعض تواریخ میں ہے کہ یہ بات عام مسلمانوں کو فرمائی۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ صفین سے واپس لوٹ کر آپ نے حالات کا گہری نگاہ سے مطالعہ کرنے کے بعد فرمایا:

● البدایہ والنہایہ: ۱۳/۸، ۳۳۳/۷۔ السنن الکبریٰ بیہقی: ۱۴۶/۷۔ مروج الذہب: ۴۳/۲۔

● البدایہ والنہایہ: ۳۲۷/۷۔ طبری: ۸۵/۶۔ ● ابن ابی الحدید: ۳۶/۲۔ ازالۃ الخفاء: ۲۸۳/۲

Marfat.com

((ایها الناس! لا تکرهوا امارة معاویة فانکم لو فقدتموه رأیتم الرؤس تندر من کواهلها کانها حنظل .)) ❶

''اے لوگو! معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو ناپسند نہ کرنا کیوں کہ اگر تم نے ان کو کھو دیا تو تم دیکھو گے کہ شانوں پر سے سر حنظل کی طرح کٹ کٹ کر گریں گے۔''

وفات:

زہر لحہ بہ لحہ اپنے اثرات دکھا رہا تھا۔ چنانچہ ۱۷ رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ کو آپ پر حملہ ہوا اور تین روز موت و حیات کی کش مکش کے بعد ۲۱ رمضان المبارک بروز جمعہ کی رات آپ اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کی طرف انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

انتقال کے وقت آپ کی عمر ایک روایت کے مطابق ۵۸ سال اور بعض روایات میں ۶۳ سال مرقوم ہے۔ ❷ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ، سیّدنا محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے داماد اور بھتیجے سیّدنا عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات نے غسل دیا اور تین کپڑوں پر مشتمل کفن دیا جس میں قمیص نہیں تھی۔ ❸ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں پڑھیں۔ ❹ ابن اثیر اور حافظ ابن کثیر نے ۹ تکبیرات بھی نقل کی ہیں۔ ❺ لیکن ابن کثیر ہی کی ایک روایت میں چار تکبیرات بھی منقول ہیں اور یہی صحیح ہے۔ ❻ پھر ان کو دارالامارۃ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ ❼

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کوفہ میں ہوئی کیوں کہ سبائیوں کے کہنے پر آپ نے مدینہ منورہ کی سرزمین کو خیر باد کہہ کر اپنا دارالخلافہ کوفہ بنایا تھا۔ کوفہ میں اکثر و بیشتر شیعانِ علی ہی رہتے تھے۔ چنانچہ مشہور شیعہ عالم قاضی نور اللہ شوستری نے لکھا ہے:

((وبالجملہ تشیع اہل کوفہ حاجت باقامت دلیل ندارد، وسنی بودن کوفی الاصل خلاف اصل

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۱۳۱/۸۔ تاریخ الخلفاء، ص: ۱۹۴۔ تاریخ الاسلام ذہبی: ۲۶۶/۲۔ ۳۲۰.

❷ طبقات ابن سعد: ۲۵/۳۔ البدایہ والنہایہ: ۳۲۹/۷.

❸ طبقات ابن سعد: ۲۵/۳.

❹ طبقات ابن سعد: ۲۵/۳۔ مستدرک حاکم: ۱۴۳/۳.

❺ ابن اثیر: ۱۹۷/۳۔ البدایہ والنہایہ: ۳۲۹/۷.

❻ البدایہ والنہایہ: ۱۳/۸.

❼ طبری: ۱۶۶/۴۔ البدایہ والنہایہ: ۳۳۰/۷۔ ۴۴/۸.

Marfat.com

محتاج بدلیل است اگر چہ ابوحنیفہ کوفی باشد.)) ❶

''خلاصہ یہ کہ کوفہ والوں کا شیعہ ہونا کسی دلیل کا محتاج نہیں اور کسی کوفی کا اہلِ سنت ہونا خلافِ اصل اور دلیل کا محتاج ہے اگر چہ وہ ابوحنیفہ کوفی ہی کیوں نہ ہوں۔''

تواریخ میں لکھا ہے کہ پورے کوفہ میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے جنازہ میں شیعانِ علی میں سے ایک شخص بھی شریک نہیں ہوا تھا۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے سانحہ عظیم کی خبر پورے عرب اور دوسرے اسلامی شہروں میں آناً فاناً پھیل گئی اور ہر سننے والے کا دل خون کے آنسو رونے لگا۔ آپ کی شخصیت کوئی معمولی شخصیت نہیں تھی کہ جس کو فراموش کر دیا جاتا۔ ہر موافق اور مخالف کو اللہ کے اس ولی کی شہادت کا اس قدر صدمہ ہوا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔

آپ کی سیاسی فکر سے خواہ کسی کو کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو لیکن آپ کا تقویٰ، آپ کا فضل و کمال، عدل و مساوات، سلامتی طبع، امانت و دیانت ہر ایک کے نزدیک مسلّم تھی۔ عام نگاہوں میں بظاہر آپ کے سب سے زیادہ مخالف سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی تھے لیکن جب ان کو آپ کی شہادت جان کاہ کی خبر پہنچی تو آپ اس وقت اپنی اہلیہ سیّدہ فاختہ بنت قرظہ کے ہاں استراحت فرما رہے تھے۔ خبر سنتے ہی آپ فوراً اُٹھ بیٹھے اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور اس کے بعد زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ آپ کی اہلیہ نے کہا کہ کل تک تو آپ ان کے مخالف تھے اور آج آنسو بہا رہے ہیں؟ فرمایا:

''تو نہیں جانتی کہ علم و فضل اور فقہ اور فہم دین سے کس قدر لوگ محروم ہو گئے ہیں۔''

بعد میں آپ اکثر ان کا ذکر کر کے رویا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص ضرار، آپ کے پاس آیا۔ یہ شخص سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے حاشیہ نشینوں میں سے تھا، اس کو دیکھ کر آپ کو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی یاد آ گئی۔ فرمایا: ضرار! سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے کچھ اوصاف اور فضائل بیان کرو۔ اس نے پہلے تو انکار کیا کیوں کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس محبوب اور محترم ہستی کی یاد میں اپنے قلب کو نم ناک کریں، لیکن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے بھائی اور ساتھی کا تذکرہ سننے کا اشتیاق تھا، لہٰذا آپ نے اصرار فرمایا۔ آپ کے اصرار سے متاثر ہو کر ضرار نے آپ کی شخصیت کا ایسا نقشہ کھینچا جو شنیدنی ہے، کہا:

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۱۵/۸.

Marfat.com

حضرت! وہ نہایت بلند حوصلہ اور قوی تھے۔ نپی تلی بات کہتے تھے۔ عادلانہ فیصلہ کرتے تھے۔ سراپا علم بلکہ ہر سمت سے علم کا چشمہ پھوٹا ہوا تھا۔ حکمت کا دریا موج زن تھا۔ دنیا اور اس کی دل فریبیوں سے ایک گونہ تنفر تھا۔ رات کی تیرگی اور وحشت سے انتہائی انس تھا۔ آخرت کے لیے بہت فکرمند بلکہ ہر وقت اسی فکر میں ڈوبے رہتے تھے۔ لباس کی سادگی دیدنی تھی۔ کھانا تکلفات سے یکسر خالی، سادہ اور موٹا جھوٹا، ہم ہی کی طرح رہتے تھے، کچھ امتیاز نہیں تھا۔ جب ہم کچھ پوچھتے تو اس کا جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے، باوجودیکہ وہ ہم سے محبت کرتے تھے، اور ہم ان سے دل و جان سے نثار تھے۔ وہ ہم کو اپنے قریب رکھتے تھے اور خود ہمارے قریب رہتے تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کا رعب و داب اور آپ کی ہیبت اور وجاہت ہمارے دلوں پر اس طرح مستولی تھی کہ ہم آپ سے بات نہ کر سکتے تھے۔ متدین حضرات کی عظمت ان کے قلب میں تھی اور غرباء کو ہمیشہ اپنا مقرب بناتے تھے۔ ان کے سامنے طاقتور ناحق میں طمع نہیں کر سکتا تھا اور ضعیف و ناتواں عدل و انصاف سے کبھی مایوس نہیں ہو سکتا تھا۔ اکثر مواقع پر میں نے خود دیکھا ہے کہ کاروانِ شب رخت سفر باندھنے کو ہے، چاند اپنے سفر کی منزلیں طے کر کے اپنی منزل مقصود کی جانب رینگتا ہوا جا رہا ہے، جھلملاتے تارے چراغِ سحری کی طرح اپنے آخری سانسوں پر ہیں اور زاہدانِ شب زندہ دار دعائے نیم شبی کے لیے اپنے نرم و نازک بستروں پر کروٹیں لے رہے ہیں، لیکن وہ اپنی داڑھی مٹھی میں لے کر مارگزیدہ اور عاشق خواب نادیدہ کی طرح بے قرار اور اشک بار دنیا کو مخاطب کر کے فرما رہے ہیں:

> ''اے دنیا! اے فریب دینے والی دنیا! یہ فریب کسی اور کو دے، تو مجھ سے اپنی چاہت اور انسیت کا اظہار کر رہی ہے اور بڑے اشتیاق سے میری جانب لپک رہی ہے حالانکہ میں نے تجھے تین طلاقیں دی ہوئی ہیں اور تجھے ہمیشہ کے لیے اپنے اوپر حرام قرار دیا ہوا ہے۔ میں کبھی بھی تیری طرف آنے کا نہیں۔ تیری عمر قلیل اور تیرا مقصد ذلیل لیکن تیرا راستہ اور سفر طویل اور زاد بالکل حقیر و قصیر ہے۔''

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ سننا تھا تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں رواں ہیں اور آپ کی زبان پر یہ الفاظ ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ ابوالحسن (سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی کنیت) پر رحم فرمائے، واللہ! وہ ایسے ہی تھے، وہ

Marfat.com

ایسے ہی تھے۔"●

بعض روایات میں ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضرار سے پوچھا:

"اے ضرار! تیرا سیّدنا علی رضی اللہ عنہ پر غم کھانا کس نوعیت کا ہے؟ جواب دیا کہ میرا غمگین ہونا اس عورت کی طرح ہے جس کا بچہ اس کی گود میں ذبح کر دیا جائے۔"●

ضرار کے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کرنے اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا اس پر آب دیدہ ہونا یہاں تک کہ آپ کی داڑھی کا آنسوؤں سے تر ہو جانا، اس کو ابن ابی الحدید نے بھی اپنی شرح نہج البلاغہ میں ۱/۲۷۰ پر بھی لکھا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں بزرگوں میں اختلاف تھا مخالفت نہیں تھی۔ دونوں میں کوئی ذاتی عناد نہیں تھا اور دونوں ایک دوسرے کی فضیلت اور علمی مقام کے قائل تھے۔

نیا دھارا:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت نے تاریخ کا دھارا ہی بدل دیا کیوں کہ آپ کی شخصیت ایک جامع الصفات شخصیت تھی۔ آپ کے بلند مقام کی وجہ سے اچھے اچھے لوگوں کو آپ سے عقیدت اور وابستگی تھی۔ آپ کے علم و فضل اور آپ کی جلالت و منزلت کے پایہ کا اس زمانہ میں اور کوئی انسان نہیں تھا اور جو کوئی تھے ان میں سے کچھ تو مقابل پارٹی میں تھے اور کچھ غیر جانب دار تھے، لہٰذا ضروری تھا کہ خلافت کا مرکز اب بجائے کوفہ کے دمشق بنے اور لوگوں کی عقیدت کے رشتے اب سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے استوار ہوں، کیوں کہ اب اسلام میں اس پایہ اور ان فکری اور عملی قوتوں کا شاید ہی کوئی اور بطل جلیل ہو اور اگر کسی میں یہ اوصاف تھے بھی تو اس کی تجرباتی اور انتظامی زندگی صفر کے برابر تھی، لیکن آپ کی مسلسل بیس سالہ گورنری کے دور نے آپ کی انتظامی اور فکری صلاحیتوں کا سکہ ہر موافق و مخالف کے دل پر بٹھا دیا تھا اور مستقبل کے بیس سالہ دورِ خلافت نے اس کی پوری پوری تصدیق کر دی جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

خلافتِ حسنی اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو دفن کر کے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ جب واپس لوٹے تو سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو

● روضة النظره: ۲/۲۱۲.

● الاستیعاب معه الاصابه: ۳/۱۰-۱۱.

Marfat.com

خلافت کی دعوت دی۔ یہ دعوت کوفہ کے دارالامارۃ میں دی گئی۔ چنانچہ لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کرلی۔ ❶

بعض روایات میں ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے خود تو کسی کو خلیفہ مقرر نہیں فرمایا تھا بلکہ اس عظیم کام کی ذمہ داری شوریٰ پر ڈال دی کہ میرے بعد امت کا اجماع جس کو خلیفہ مقرر کرے وہی خلیفہ ہوگا۔ گویا سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس عمل نے یہ ثابت کردیا کہ شوریٰ والی خلافت بالکل درست اور صحیح ہوتی ہے کیوں کہ اگر وہ صحیح نہ ہوتی تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کبھی بھی سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کا مسئلہ لوگوں کے انتخاب پر نہ چھوڑ کر جاتے۔ خود آپ کی زندگی بھی اس بات پر شاہد ناطق ہے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب آپ کی بیعت سے انکار کردیا تو آپ نے ان کو ایک خط لکھا تھا جس میں اپنی خلافت کے درست اور صحیح ہونے کی دلیل ہی یہ دی تھی کہ میں مہاجرین وانصار کی طرف سے منتخب خلیفہ ہوں۔ چنانچہ اس خط کا ترجمہ یہ ہے جو آپ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''میری بیعت اس قوم نے اِنھی شرائط پر کی ہے جن شرائط پر انھوں نے ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمان رضی اللہ عنہم کی بیعت کی تھی۔ اب کسی حاضر یا غائب کو کوئی اختیار نہیں کہ اس بیعت کو ردّ کرے، اور شوریٰ صرف مہاجرین وانصار کا حق ہے۔ اگر وہ کسی شخص پر اتفاق کرلیں اور اس کو امام بنالیں تو اللہ تعالیٰ کو بھی وہی منظور ہوتا ہے۔ پھر جو شخص اس متفق علیہ خلیفہ کی اطاعت سے کسی طعن یا بدعت کی وجہ سے انحراف کرے تو اہلِ شوریٰ کا حق ہے کہ اسے خلیفہ کی اطاعت پر مجبور کریں اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ دینے پر اس سے لڑیں۔ ❷

ایک اور مقام پر اس مضمون کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

''اے لوگو! خلافت کا حق دار سب سے زیادہ وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ اس پر قابو رکھنے والا ہو اور اللہ کے حکم کو اس کے متعلق جانتا ہو۔ پھر اگر جھگڑنے والا جھگڑا کرے تو اس کو سمجھایا جائے، نہ سمجھے تو اس سے قتال کیا جائے اور قسم ہے اپنی جان کے مالک کی اگر امامت بغیر اس کے منعقد نہ ہو کہ تمام لوگ بیعت کریں تو اس کی کوئی سبیل نہیں بلکہ جو اس کام کے اہل ہیں وہ غائبین پر بھی حکم لگادیں گے، پھر نہ حاضر کو اختیار ہے کہ اس

---

❶ طبقات ابن سعد: ۳/۲۵۔ ❷ نہج البلاغہ: ۲/۸۔ اخبار الطوال، ص: ۵۷

Marfat.com

سے رجوع کرے اور نہ غائب کو اختیار ہے کہ کسی اور کو منتخب کرے۔'' ❶

ان اقتباسات سے یہ معلوم ہوا کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ خلافت کو منصوص من اللہ نہیں مانتے تھے بلکہ اس کو ارباب حل وعقد اور اصحاب مشورہ کے سپرد کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب سیّدنا علیؓ نے فرمایا کہ میں عنقریب اس دنیا سے کوچ کر جاؤں گا تو آپ کے ساتھیوں نے عرض کیا کہ حضرت! ہم پر کسی کو خلیفہ مقرر فرما دیں۔ آپ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ میں تم کو اسی طرح چھوڑ جاؤں گا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو چھوڑا تھا۔'' انھوں نے کہا کہ آپ اپنے رب کو کیا جواب دیں گے؟'' فرمایا: ''میں اپنے اللہ سے کہوں گا، اے اللہ! جب تک تو نے چاہا مجھے ان میں رکھا۔ جب تو نے مجھے موت دی، اب تو ان میں ہے۔ اب جیسے چاہے ان سے معاملہ کر، خواہ ان میں صلح وآشتی پیدا فرما اور خواہ ان میں فتنہ وفساد برپا فرما دے۔'' ❷

شقیق بن سلمہ رحمہ اللہ تابعی فرماتے ہیں کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا:

''کیا آپ ہم پر کسی کو خلیفہ مقرر فرمائیں گے؟'' انھوں نے فرمایا: ''رسول اللہؐ نے کسی کو خلیفہ مقرر نہیں فرمایا تھا تو میں کیسے مقرر کروں، اگر اللہ تعالیٰ تم سے بھلائی کا ارادہ فرمائیں گے تو میرے بعد تمھیں کسی بہترین آدمی پر مجتمع فرما دیں گے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کو ایک بہترین آدمی (سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) پر مجتمع فرما دیا تھا۔ یہ حدیث جید الاسناد ہے۔'' ❸

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ان اقوال سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی شخص کو خلیفہ مقرر نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ معاملہ امت کے ارباب حل وعقد پر چھوڑ دیا تھا، اور اہلِ حل و عقد نے متفقہ رائے سے اپنے میں سے بہترین شخص سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا تھا۔ ❹

مختصر یہ کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد وابستگان دامنِ مرتضویؓ نے متفقہ طور پر سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو مسندِ خلافت پر متمکن کر دیا، اور یہ اسلام کی تاریخ میں پہلی بار باپ کے بعد بیٹا

---

❶ نهج البلاغه: ۲٤۱/۱. ❷ مسند احمد بن حنبل: ۱۳۰/۱، ص: ۱٥٦.

❸ البدايه والنهايه: ۲٥۰/٥، ۲٥۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البدايه والنهايه: ۱۳/۸، ۱٤۔ سنن کبریٰ بیهقی: ۱٤۹/۸.

❹ اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء اور قرة العينين فی تفضيل الشيخين.

Marfat.com

مسندِ خلافت پر جلوہ نشین ہوا۔ تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے عہدۂ خلافت کو قبول کرنے سے پہلے یہ شرط لگادی تھی کہ مجھے ہر معاملہ میں کلی اختیار ہوگا کہ جس سے چاہوں صلح کروں اور جس سے چاہوں جنگ کروں۔ آپ کی یہ شرط قبول کرلی گئی۔ ❶

سب سے پہلے سیّدنا قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر تمام اہلِ کوفہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ چنانچہ آپ رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ کو باقاعدہ طور پر خلیفہ منتخب ہوگئے۔ ❷

سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو پہلے ہی آپ کے والد ماجد سیّدنا علی رضی اللہ عنہ یہ وصیت فرما چکے تھے کہ:

''میرے بعد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت تسلیم کرنے میں ذرا بھی ناگواری محسوس نہ کرنا ورنہ سر مونڈھوں سے حنظل کی طرح گریں گے۔'' ❸

یہ آپ نے ایک تو اس لیے فرمایا تھا کہ میرے ساتھیوں اور شیعوں نے جب میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے تو یقینی بات ہے کہ وہ تمھارے ساتھ بھی وفا نہیں کریں کیوں کہ اہلِ کوفہ کی سرشت میں وفا نہیں ہے۔ دوسرے آپ بخوبی جانتے تھے کہ اس وقت امت کی کشتی منجدھار میں ہچکولے کھا رہی ہے اور موجودہ لوگوں میں سوائے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اور کسی میں اتنی فکری صلاحیت اور عملی اہلیت نہیں ہے کہ وہ امت کی اس ہچکولے کھاتی ہوئی کشتی کو ساحلِ مراد تک پہنچا سکے، لہٰذا سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے بیعت کے بعد ایک مجمع عام میں بیعت کرنے والوں کو مخاطب کرکے صاف الفاظ میں اپنے ابا جان کی اس وصیت کا ان الفاظ میں اعلان فرمایا کہ میرے والد ماجد فرمایا کرتے تھے:

''معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت سے ناگواری محسوس نہ کرنا کیونکہ اگر تم نے ان کو بھی کھو دیا تو تم دیکھو گے کہ (امت میں اس قدر بدنظمی پیدا ہوجائے گی) لوگوں کے سر حنظل کی طرح شانوں سے کٹ کٹ کر گریں گے۔'' ❹

---

❶ طبری: ۹۳/۶۔ ابن اثیر: ۲۰۲/۳۔ البدایہ والنہایہ: ۱۷/۸۔ ابن خلدون: ۱۳۶/۲۔

❷ طبری: ۹۳/۶۔ البدایہ والنہایہ: ۱۴/۸، ۱۶۔

❸ ابن ابی الحدید: ۳۶/۳۔ البدایہ والنہایہ: ۱۴۱/۸۔ تاریخ الخلفاء، سیوطی، ص: ۱۹۴۔

❹ ابن ابی الحدید ۳۶/۳، تاریخ الاسلام ذہبی ۳۶۶/۲۔

Marfat.com

سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی مخالفت:

اس بات کا اعلان کرنا ہی تھا کہ تمام شیعان علی رضی اللہ عنہ ماہیٔ بے آب کی طرح تلملائے کیوں کہ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ اسلام کے خلاف جس سازش کا انھوں نے آغاز کیا تھا، سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی اس تدبیر سے اس کا یک قلم خاتمہ ہوجائے گا۔ انھوں نے سمجھا کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے شاید یہ وصیت ہمارے عدمِ تعاون اور بے وفائی کی وجہ سے فرمائی ہوگی، لہٰذا انھوں نے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ سے تعاون کا وعدہ فرمایا اور چند ہی روز میں کئی ہزار فوج آپ کے اردگرد جمع ہوگئی اور آپ کو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کے لیے بادلِ نخواستہ آمادہ کرلیا۔

جنگِ صفین کے اختتام کے بعد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مستقل طور پر دمشق ہی میں سکونت پذیر تھے اور یہاں سے آپ کسی بھی جنگ وغیرہ کے لیے باہر نہ نکلے تھے، لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں اور شیعوں نے آپ کے گرد ہالہ بنالیا ہے اور وہ ان کو جنگ پر اکسا رہے ہیں تو آپ نے بھی اپنی منتشر فوج کو اکٹھا کیا اور عراقیوں پر رعب ڈالنے کے لیے دمشق سے باہر نکل کر عین التمر اور مدائن کی جانب بڑھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ لڑنے کے لیے نہیں نکلے تھے بلکہ آپ صرف مدافعت کے لیے نکلے تھے کیوں کہ آپؓ ابتداء ہی سے جارحانہ پالیسی کے سراسر خلاف تھے اور اب بھی آپ کا مقصد جنگ کرنا نہیں تھا۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے قبل چالیس ہزار آدمیوں نے موت پر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی ہوئی تھی۔ جب سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو آپ کی نیت میں بالکل کسی سے لڑنا نہیں تھا۔ اگرچہ بعد میں آپ کی فوج کی اکثریت نے آپ سے بے وفائی کی۔ پھر بھی چالیس ہزار نفوس آپ کے لیے مرنے مارنے پر تیار تھے، لیکن آپ کو اندازہ ہوچکا تھا کہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے کام آئے بغیر کسی فریق کا غلبہ پانا مشکل ہے، لہٰذا آپ چند شرائط پر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست بردار ہوگئے۔ [1]

قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے جو آذربائیجان کے گورنر تھے، اصرار کیا کہ اہلِ شام سے لڑائی پھر چھیڑی جائے۔ آپ نے یہ سنتے ہی قیس رضی اللہ عنہ کو معزول کرکے عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ان کے

---

[1] تهذيب الاسماء: ۱/۱۵۹.

Marfat.com

بجائے آذربائیجان کا گورنر بنا دیا، لیکن آپ کے لشکری آپ کی رائے پر غالب آ گئے اور آپ کو جنگ کی تیاری کے لیے مجبور کر لیا۔ بادل نخواستہ آپ نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت ۱۲ ہزار لشکریوں کو مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے روانہ کیا اور خود ان کے پیچھے روانہ ہو گئے۔

جب آپ مدائن پہنچے تو آپ کی فوج میں کسی نے مشہور کر دیا کہ سیّدنا قیس رضی اللہ عنہ قتل کر دیے گئے ہیں۔ بس اس خبر کا اڑنا تھا کہ آپ کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ کچھ لوگوں نے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے خیمہ پر حملہ کر کے اسے لوٹ لیا اور جس فرش پر آپ تشریف فرما تھے اسے چھین لیا۔ ❶

ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کے جانے کے بعد آپ کے لشکر میں تفرقہ اور انتشار پیدا ہو گیا، اور کوئی آدمی بھی جنگ میں شریک ہونے کو تیار نہ تھا۔ آپ نے ان کو بہت وعظ و نصیحت کی اور ہر قسم کی ترغیب دی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ آخر کار عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر ڈانٹا۔ ان کے ڈانٹنے پر کچھ لوگ تیار ہوئے لیکن دوسرے ہی روز جب لشکر کے چلنے کا وقت آیا تو ان میں سے اکثر بھاگ گئے۔ یہ دیکھ کر سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ❷

> ''تم نے مجھے فریب دیا جس طرح تم نے اپنے پہلے امام کو فریب دیا، اور نہیں معلوم کہ میرے بعد تم کس امام سے مقاتلہ کرو گے۔'' ❸

اس سلسلہ میں عمار الدہنی کی روایت ہے کہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ مدائن تشریف لے گئے۔ آپ کے لشکر کے مقدمہ پر قیس بن سعدؓ حاکم اور امیر تھے۔ پھر اس کے بعد آپ انبار کے مقام پر پہنچے تو وہاں ان کے اپنے لشکر کے لوگوں نے نیزوں سے آپ کو زخمی کر دیا اور آپ کا سامان وغیرہ بھی لوٹ لیا۔ ❹

ابوحنیفہ الدینوری کا بیان ہے کہ ساباط پہنچ کر آپ کو اپنی فوج کی کمزوری (بزدلی اور منافقت) اور جنگ سے پہلوتہی کا اندازہ ہوا۔ یہ ایک نہایت خطرناک بات تھی لہٰذا آپ وہیں رک گئے اور فوج

---

❶ طبری: ٦/٩٢، البدایہ والنہایہ: ٨/١٤، ابن اثیر: ٣/٢١٣، تاریخ الاسلام ذہبی ٢/٢٠٨.

❷ جلاء العیون باب ٤ فصل ٥ ص ٣١٢.

❸ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے جو کچھ فرمایا تھا وہ بالکل صحیح نکلا۔ یہ مقاتلہ انھوں نے سنہ ۶۱ ھ میں سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ سے میدان کربلا میں کیا جس کا الزام دوسروں پر ٹھونس کر امت میں تشتت و افتراق کا ایسا بیج بویا جس کی فصل آج تک امت کاٹ رہی ہے۔

❹ سیر اعلام النبلاء ٣/٢٦٢، تاریخ بغداد ١/١٧٨.

Marfat.com

کو مخاطب کر کے تقریر فرمائی:

''لوگو! میں کسی بھی مسلمان کی طرف سے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا اور تم کو اسی نظر سے دیکھتا ہوں جس نظر سے اپنے آپ کو دیکھتا ہوں۔ میں تم لوگوں کے سامنے اپنی ایک رائے پیش کرتا ہوں۔ مجھے قوی امید ہے کہ تم میری اس رائے کو مسترد نہیں کرو گے۔ جس اتحاد و اتفاق اور یک جہتی کو تم ناپسند کرتے اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہو وہ اس تشتت و انتشار اور اختلاف و افتراق سے افضل اور بہتر ہے جسے تم چاہتے ہو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر لوگ جنگ سے پہلو تہی کر رہے ہیں اور کترا رہے ہیں اور کمزوری اور بزدلی کا اظہار کر رہے ہیں، اس لیے میں تم لوگوں کو تمھاری مرضی کے خلاف مجبور کرنا نہیں چاہتا۔''[1]

سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کی باہمی خون ریزی بالکل ناپسند تھی اور ذہنی طور پر آپ اس کے سخت مخالف تھے اور انھوں نے مختلف مواقع پر اپنے والد ماجد سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی روکا جس کا احساس سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو بعد میں ہوا، لیکن زمامِ خلافت آپ کے ہاتھ میں آئی تو اگرچہ انھوں نے اپنی فوج اور بعض امرائے سلطنت کے کہنے پر اپنے لشکر بھیجے لیکن یہ سب کچھ وقتی تقاضے کے تحت تھا۔ آپ کے لشکر کے بعض برگشتہ افراد نے آپ کی ایذاء رسانی کی اور آپ کے ساتھ برا سلوک کیا جس کی وجہ سے آپ کو سخت صدمہ پہنچا، لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ آپ مسلمانوں کی باہمی خون ریزی کے دل کے اتھاہ گہرائیوں سے مخالف تھے۔ اس وجہ سے آپ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے کا ارادہ فرمالیا۔

سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی منافقت:

اگرچہ آپ کو پہلے ہی سے اپنے شیعوں کی بے وفائی کا یقین تھا لیکن پھر بھی آپ ان کے یقین دلانے پر بلکہ اتمامِ حجت کے لیے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں آ گئے، مگر ابھی مقابلہ کی نوبت بھی نہ پہنچی تھی اور آپس میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا بھی نہیں ہوا تھا کہ آپ کے شیعوں اور ساتھیوں نے آپ کے ساتھ غداری اور بے وفائی کرنی شروع کر دی بلکہ یہاں تک کرنا شروع کر دیا کہ دن

[1] اخبار الطوال ص ۲۱۷، جلاء العیون ص ۳۱۳.

Marfat.com

میں آپ کے لشکر میں ہوتے اور رات سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں گزارتے۔

جیسا کہ بتایا جاچکا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ارادہ ہرگز جنگ کرنے کا نہیں تھا، اور اگرچہ جنگِ صفین ہو بھی چکی تھی پھر بھی آپ کے قلب میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اور خاندان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے افراد کا بھی اسی طرح احترام تھا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ آپ ہرگز یہ برداشت نہیں کرسکتے کہ اسلام میں فتنہ پھیلانے والے اور باہر سے حب علی اور اندر سے بغض علی کا مظاہرہ کرنے والے لوگ خاندان رسالت کو اس طرح ذلیل وخوار کریں کہ ان کا کوئی پرسانِ حال تک نہ ہو۔ چنانچہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی خیر خواہی اور اطلاع کے لیے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ حضرت! یہ لوگ جو آپ کے سامنے تو آپ کی محبت اور خیر خواہی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اپنی جان تک نچھاور کرنے کو تیار ہوتے ہیں، یہ رات میرے لشکر میں گزارتے ہیں اور میرے سپاہیوں کو آپ کے خلاف اکساتے ہیں۔ گویا کہ یہ لوگ آپ کے لیے مارِ آستین ہیں۔ آپ ان سے بچ کر رہیے اور ان کے دامِ فریب میں ہرگز نہ آیئے۔ یہ بات آپ نے اٹکل پچو سے نہیں کہی تھی بلکہ ایسے منافقین کے ناموں کی ایک مکمل فہرست بھی آپ کے پاس بھیج دی۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے:

> ''معاویہ رضی اللہ عنہ نے دوسرا خط امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور فہرست اسمائے منافقین اصحاب آنحضرت (سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ) جنھوں نے اسے (سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو) لکھا تھا اور اظہارِ اطاعت وانقیاد کیا تھا، اپنے نامہ میں ملفوف کرکے حضرت (حسن رضی اللہ عنہ) کے پاس بھیج دی اور لکھا کہ تمھارے اصحاب نے تمھارے باپ سے موافقت اور تعاون نہ کیا اور تم سے بھی موافقت وتعاون نہ کریں گے۔''[1]

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح پر آمادگی:

اپنے شیعوں اور لشکریوں کی نامساعدت اور عدمِ تعاون کو دیکھ کر آپ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے کا تہیہ کرلیا، لہٰذا آپ نے اپنے لشکریوں کو اس بارے میں آگاہ کیا، اور اپنے اس خطبہ کے آخر میں فرمایا:

> ''میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ جنگ سے پہلو تہی کررہے ہو، لہٰذا میں تمھاری مرضی کے

---

[1] جلاء العیون باب ٤ فصل ٥ ص ٣١٤.

Marfat.com

برعکس تمھیں مجبور نہیں کرنا چاہتا۔''❶

آپ کا یہ کہنا تھا کہ مجلس میں ایک ہل چل مچ گئی۔ سبائی ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے خلاف بلوہ کر دیا۔ شیعی مجتہد ملا باقر مجلسی کی زبانی اس واقعہ کو سنیے:

''جب منافقین نے یہ کلام حضرت سے سنا تو ایک دوسرے پر نظر کی اور کہا: ''اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح منظور ہے اور چاہتے ہیں کہ منصبِ خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دے دیں۔ پس سب اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا معاذ اللہ یہ شخص اپنے باپ (سیّدنا علی رضی اللہ عنہ) کی طرح کافر ہو گیا ہے۔ یہ کہہ کر بلوہ کیا اور آپ کا سب مال و اسباب لوٹ لیا یہاں تک کہ جائے نماز حضرت کے پاؤں کے نیچے سے کھینچ لی اور چادر دوشِ مبارک سے اتار لی۔ پس امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنا گھوڑا طلب کیا اور سوار ہوئے اور اہلِ بیت آنحضرت نے تھوڑے شیعوں کے ہمراہ حضرت کو درمیان میں لے لیا اور جب ساباط سے مدائن پہنچے تو جراح بن سنان اسدی شقی نے آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور خنجر ران مبارک پر مارا کہ ہڈی تک شگاف ہو گیا اور بروایت دیگر پہلو پر خنجر مارا اور کہا (معاذ اللہ) تم مثل اپنے باپ کے کافر ہو گئے ہو۔''❷

اگرچہ آپ پر خنجر کے وار کیے گئے اور آپ کا مال و متاع سب لوٹ لیا گیا لیکن آپ بھی اپنے عزم کے پکے تھے کیوں کہ ایک تو آپ کے ابا جان آپ کو وصیت کر گئے تھے کہ میرے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لینا۔ دوسرے آپ اپنی صلح جویانہ اور امن پسندانہ طبیعت کے پیش نظر جانتے تھے کہ مسلمانوں کی جمعیت پراگندگی سے بہتر ہے۔''❸

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کو آپ نے اپنے لشکر کے سامنے پہلے ایک تجویز کے طور پر پیش کیا کیوں کہ آپ اپنی اس تجویز کا ردّ عمل دیکھنا چاہتے تھے۔ اس سے قبل کے حالات آپ کے سامنے تھے کہ یہ لوگ معمولی معمولی باتوں پر آتش زیر پا ہو جاتے تھے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ

---

❶ جلاء العیون ص ۳۱۳، اخبار الطوال ص ۲۱۷.

❷ جلاء العیون باب ٤ فصل ٥ ص ۳۱۳، اخبار الطوال ص ۲۱۷.

❸ جلاء العیون باب ٤ فصل ٥ ص ۳۱۳.

Marfat.com

کے زمانہ میں انھیں اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتے تھے بلکہ کچھ عرصہ چلاتے بھی رہے۔ مدینہ طیبہ سے خلافتِ اسلامیہ کا دارالخلافہ کوفہ تبدیل کرنے پر انھیں مجبور کیا اور تبدیل کروا کر چھوڑا۔ اب اگرچہ مالک الاشتر، حکیم بن جبلہ، کنانہ بن بشر اور سبائی تحریک کے دوسرے قائدین کا خاتمہ ہو چکا تھا اور سبائیوں کا زور کافی حد تک ٹوٹ چکا تھا لیکن آپ نے پھر بھی حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے بطور تجویز اس صلح کو پیش کیا مگر اس پر بھی ایک شدید ردِّ عمل ظاہر ہوا۔ بعد میں آپ نے اپنی حکمت عملی سے اس پر قابو پالیا۔

زخم مندمل ہونے کے بعد آپ دوبارہ بعض لوگوں کے مجبور کرنے پر شامی فوج جو عبیداللہ بن عامر کی زیر قیادت مدائن کے قریب تھی، کے مقابلے کے لیے نکلے۔ اس درمیان میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی فوج لے کر انبار پہنچ چکے تھے۔ یہاں سیّدنا قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ پہلے سے موجود تھے۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں۔ ایک طرف سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اور عبید اللہ بن عامر اور دوسری طرف سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہ تھے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی شرافت ونجابت سے بھی بخوبی آشنا تھے اور عراقیوں کی منافقت اور غداری سے بھی واقف تھے۔ عراقیوں کی جنگ سے پہلوتہی اور سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ پر حملہ کی خبریں بھی آپ کے کانوں میں پہنچ چکی تھیں، لہٰذا آپ ہرگز یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ان منافقوں اور غداروں کے ہاتھوں سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی تذلیل اور رسوائی ہو۔ چنانچہ آپ نے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خیر خواہی اور عراقیوں کی کارروائیوں کی اطلاع کے لیے آپ کو ایک خط لکھا جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں کیا گیا ہے۔ آپ نے اس خط میں سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ یہ لوگ آپ کے لیے مارِ آستین ہیں۔ آپ ان سے بچ کر رہیں اور ان کے دامِ فریب میں نہ آیئے۔ آپ نے ان منافقین کے ناموں کی ایک فہرست بھی آپ کو بھیجی۔ [1]

اگرچہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو لشکر اور فوج تھی وہ غدار بھی تھی اور منافق بھی، لیکن قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر جمے رہے۔ ان کے ماتحت جو بارہ ہزار فوجی تھے، وہ کٹنے مرنے کے لیے تیار تھے، لیکن سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو کچھ تو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خطوط سے اور کچھ ان لوگوں کی کارروائیوں سے اپنی فوج کی غداری اور جنگ سے پہلوتہی کا پتہ چلا تو آپ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے کا عزم صمیم کر لیا۔

---

[1] جلاء العیون ص ٣١٤.

Marfat.com

احباب سے مشورہ:

چند روز بعد آپ نے اپنے تایا زاد بھائی سیّدنا عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے اس ارادہ کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

''بھیا! میں نے ایک رائے قائم کی ہے۔ اس بارے میں مَیں تم سے مشورہ لیتا ہوں۔ امید ہے کہ تم ضرور میری تائید کرو گے۔ دیکھیے، ملک میں فتنہ وفساد کی آگ برابر بڑھ رہی ہے۔ کشتیٔ ملت منجدھار میں ہچکولے کھا رہی ہے۔ جمل وصفین کے میدان مسلمانوں کے خون سے لالہ زار بن چکے ہیں۔ آپس کے تعلقات کا کوئی پاس نہیں رہا۔ راستوں سے امن وامان اٹھتا جا رہا ہے۔ سرحدیں بیکار ہو گئی ہیں، لہٰذا میں مسندِ خلافت کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ چلے جانا چاہتا ہوں۔''[1]

ان کے علاوہ اور کئی حضرات سے بھی آپ نے مشورہ کیا۔ ہر ایک نے یہی کہا کہ امیر المومنین! آپ ہم سے اس معاملہ میں بہتر جانتے اور سمجھتے ہیں کیوں کہ آپ کی طبیعت سے ہر ایک واقف ہے اور آپ کی اس روش سے بھی آشنا ہے جو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آپ کی تھی۔ آپ اس وقت بھی جنگ وقتال کے سخت خلاف تھے۔ آپ کی اس وقت بھی یہی پالیسی تھی کہ اختلافات کا فیصلہ جنگ وقتال کے بجائے باہمی بات چیت سے کیا جائے، لیکن اس زمانہ میں سبائی لیڈروں مالک الاشتر، کنانہ بن بشر اور حکیم بن جبلہ وغیرہ کی وجہ سے آپ کے مشورے درخور اعتنا نہیں سمجھے جاتے تھے۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ، سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جنگ کرنے کے لیے مدینہ سے باہر نکلیں یا مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنائیں۔ اب جب کہ اقتدار کی کلید آپ کے اپنے ہاتھ میں آئی ہے اور صلح وجنگ کے بھی اختیارات آپ کو تفویض ہوئے تو اپنے ان ارادوں کو جامۂ عمل پہنانا چاہتے تھے جو سبائی لیڈروں کی مزاحمت کی وجہ سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صرف تجاویز اور مشوروں کی حد تک رہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اور اسی طرح سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے ابا اور بھائی کو ہمیشہ یہی مشورہ دیتے تھے کہ جنگ وقتال چھوڑ دیا جائے (لیکن ان کی یہ بات نہیں مانی جاتی تھی) جب زمامِ حکومت آپ

---

[1] ابن عساکر: ۲/۲۱۲۔ تہذیب التہذیب: ۲/۲۹۹.

Marfat.com

کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے جنگ بندی کردی اور اللہ جل شانہ نے مسلمانوں کے آپس میں جنگ و جدل کرنے والے دو گروہوں کے درمیان ان کے ذریعے صلح کرادی، اور خود سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی آخر الامر اس بات کا پتہ چل گیا تھا کہ جنگ بندی کرنے میں (امت کے لیے) زیادہ بہتری ہے بجائے جنگ کرنے کے۔''❶

سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ سے مشورہ:

آپ نے اپنے بھائی سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ سے بھی اس بارے میں مشورہ فرمایا کہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنا چاہتا ہوں۔ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کو یہ بات بہت شاق گزری اور اپنے بھائی کا یہ ارادہ آپ کو درست نظر نہ آیا۔ آپ نے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ پر زور دیا کہ وہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام سے جنگ و قتال کریں لیکن سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے بھائی کی جلالی طبیعت سے بخوبی آشنا تھے اور یہ بھی سمجھ رہے تھے کہ یہ رائے ان کی اپنی نہیں بلکہ اور لوگوں کی ہے مگر نکل ان کے منہ سے رہی ہے۔ لہٰذا آپ نے اپنے بھائی سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((واللّٰہ! لقد هممت ان اسجنك فی بیت واطبق علیك بابه حتی افرغ من هذا الشانِ، ثم اخرجك، فلما رأی الحسین ذالك، سکت وسلّم.))❷

''بخدا! (اگر تم نے میرے اس ارادے کی مخالفت کی تو) میں تم کو گھر میں قید کردوں گا اور گھر کا دروازہ اس وقت تک تم پر بند رکھوں گا جب تک کہ میں معاویہ سے صلح سے فارغ نہ ہو جاؤں۔ پھر تمہیں باہر نکالوں گا۔ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے جب بھائی کا یہ عزم دیکھا تو خاموش ہو گئے اور بھائی کی رائے کو تسلیم کرلیا۔''

حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب ۲/۲۹۸ پر بھی سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی مخالفت کا ذکر کیا ہے جو انھوں نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے پر کی۔ ایسے ہی طبری: ۶/۹۳، ابن اثیر: ۳/۲۰۳، البدایہ والنہایہ: ۸/۱۶ پر بھی یہی کچھ مرقوم ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اور روایت بعض کتابوں میں مرقوم ہے کہ جب سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ

---

❶ منهاج السنه ۲/۲۴۳.

❷ البدایه والنهایه: ۸/۱۵۰، ابن اثیر: ۳/۲۰۳.

Marfat.com

سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپ نے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ سے کہا:

''کیا آپ اپنے باپ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی تکذیب اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کرنا چاہتے ہیں۔ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بخدا! میں نے جب بھی کسی کام کا ارادہ کیا تو تم نے ہمیشہ مخالفت کی۔ بخدا! میں تمھیں اس وقت تک گھر میں نظر بند رکھوں گا جب تک کہ میں اپنے ارادہ کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا دوں۔''❶

طبری اور ابن اثیر نے لکھا ہے کہ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''چپ رہ، اس معاملہ کو میں تم سے بہتر جانتا ہوں۔'' جب سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کے یہ تیور دیکھے تو فوراً کہا:

''آپ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں اور آپ کے جانشین اور خلیفہ بھی۔ ہماری بات آپ کی بات کے تابع ہے، لہٰذا آپ جو کچھ درست اور صحیح سمجھتے ہیں وہ کیجیے۔''❷

یہ تو انفرادی ردّعمل تھا لیکن فوج میں نہایت شدید ردّعمل ہوا۔ سیّدنا قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو بارہ ہزار فوجی تھے اور جو کٹ مرنے کے لیے تیار تھے، ان میں سے ایک شخص ابوعریق کا بیان ہے کہ ''شامیوں کے لیے ہماری تلواروں کی دھاریوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ جب ہم لوگوں کو صلح کی خبر ہوئی تو شدت غم سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہماری کمر ٹوٹ گئی ہے۔''❸

آپ کے ہمراہ جو فوج تھی اس میں بھی مؤرخین کے بیان کے مطابق چالیس ہزار کوفی ایسے تھے جو آپ کے ایک اشارۂ ابرو پر سر کٹانے کے لیے تیار تھے۔❹ لیکن آپ اس امت میں خون ریزی اور جنگ وقتال کو بالکل پسند نہیں فرماتے تھے، لہٰذا آپ نے حالات کا پورا جائزہ لیا اور اپنی مخالفتوں کے پہاڑ دیکھے۔ خود اپنے بھائی کو بھی اپنا مخالف پایا، لیکن آپ اپنے عزم کو بہرصورت پورا کرنا چاہتے

---

❶ تهذيب التهذيب ٢/٢٩٩، تهذيب ابن عساكر ٤/٢٢٤، سير اعلام النبلاء ٣/٢٦٥، على ونبوه، طه حسين ص ٢٠٣.

❷ تهذيب التهذيب ٢/٣٠٠، طبرى: ٦/٩٢، ابن اثير: ٣/٢٠٣، سير اعلام النبلاء ٣/٣٦٥، البدايه والنهايه: ٨/١٦ وغيرهم.

❸ الاستيعاب ١/٤٣.

❹ تهذيب ابن عساكر ٢/٢١٩.

Marfat.com

تھے اور سازشوں اور برے منصوبوں کی اس باڑھ کو توڑنا چاہتے تھے جو دشمنان اسلام نے دو مسلمان گروہوں کے ارد گرد لگا رکھی تھی۔ چنانچہ آپ نے نہایت غور و فکر کے بعد چند شرائط کے ساتھ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست برداری کا اعلان فرما دیا۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے صلح کی پیش کش:

اگر سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ صلح پر آمادہ تھے تو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھی یہی خواہش تھی کہ اہلِ اسلام کی یہ خون ریزی ختم ہو اور مسلمان جیسے پہلے محبت و راحت سے زندگی گزارتے تھے وہی دور پھر ان پر واپس آ جائے۔ ان کی باہمی کدورتیں اور رنجشیں ختم ہو جائیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ:

> ''سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جنگ کی ابتدا کرنے والے نہیں تھے بلکہ آپ اس بات کے سب سے زیادہ خواہاں تھے کہ جنگ نہ ہو، اور دوسرا گروہ (عراقی) جنگ کا خواہاں تھا۔'' ❶

اس بات کا ثبوت آپ نے جنگِ صفین کے موقع پر بھی دیا جب آپ نے مسلمانوں کی خیر خواہی کی خاطر قرآن حکیم کو اوپر اٹھاتے ہوئے کہا تھا کہ:

> ''یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمھارے درمیان ثالث اور حکم ہے۔ اہلِ شام کے نہ رہنے کے بعد شام کی سرحدات کی کون حفاظت کرے گا اور اہلِ عراق کے ختم ہو جانے کے بعد عراق کی سرحدوں کی کون حفاظت کرے گا۔'' ❷

اس سے قبل بھی آپ نے بہت کوشش کی کہ خون بہائے بغیر معاملہ کا تصفیہ ہو جائے لیکن آپ اس بارے میں مصالحت کی جو بات بھی کرتے، سبائی لیڈر اس کو نتیجہ خیز ثابت نہ ہونے دیتے، لیکن اب ماحول بالکل تبدیل ہو چکا تھا۔ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے سے پہلے ہی سبائی سرغنے اگلی دنیا میں جا چکے تھے۔ اب سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ سبائی لیڈروں کی اصلی حقیقت سے بخوبی آشنا ہو چکے تھے اور وہ خود سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کے خواہش مند تھے۔ اب بھی اگرچہ سبائی قائدین آپ کو جنگ پر مجبور کر رہے تھے لیکن سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ ان کی باتوں پر کان دھرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ چنانچہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اب پھر آتشِ جنگ کو سلگتے دیکھا تو آپ نے پھر صلح کی ایک اور پیش کش

---

❶ منهاج السنه: ۲/۲۱۹.

❷ ابن اثیر: ۳/۱۶۱.

Marfat.com

کی، لیکن اب ان کی اس مصالحتی پیش کش کے راستہ میں روڑے اٹکانے والا کوئی موجود نہیں تھا۔

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ سیّدنا حسن بصری رحمہ اللہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

''بخدا! سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں پہاڑوں کی طرح فوجیں لے کر آئے تھے۔ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ فوجیں ایسی دیکھ رہا ہوں جو اپنے برابر والوں کو جب تک ختم نہ کرلیں گی، پیچھے نہیں ہٹیں گی۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اگر انھوں نے ان کو مارا یا انھوں نے ان کو قتل کیا تو ان کے امور کا ذمہ دار کون ہوگا؟ اور ان کی عورتوں کی کون خبر گیری کرے گا؟ اور ساز و سامان کا کون ذمہ دار ہوگا؟ پس انھوں نے قریش کے دو آدمی جو بنی عبد شمس میں سے تھے، عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر کو سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور کہا کہ ان کے پاس جا کر صلح کی پیش کش کرو، اور جو وہ کہیں، تسلیم کرلو۔ پس یہ دونوں حضرات سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے گفتگو کر کے صلح کے طلب گار ہوئے۔ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہم عبدالمطلب کی اولاد ہیں اور ہمیں مال خرچ کرنے کی عادت ہوگئی ہے، اور ہمارے پاس جو یہ لوگ ہیں، یہ خون خرابہ کرنے میں طاق ہیں، (بغیر روپیہ دیے ماننے والے نہیں) انھوں نے کہا کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کو اتنا روپیہ ضرور دیں گے اور وہ آپ سے صلح چاہتے ہیں جو آپ چاہیں وہ منظور کرتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''اس کی ذمہ داری کون لیتا ہے؟'' ان دونوں حضرات نے کہا کہ ہم ذمہ دار ہیں۔ آپ نے جو کچھ فرمایا اس کے جواب میں انھوں نے کہا کہ ہم اس کا ذمہ لیتے ہیں۔ پس آپ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرلی۔''

سیّدنا حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا کہ میں سیّدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ (صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا اس حال میں کہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی لوگوں کی طرف دیکھتے اور کبھی سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی طرف، اور فرماتے تھے:

''میرا یہ بیٹا سردار ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو

Marfat.com

بڑے گروہوں کے مابین صلح کرائے گا۔''❶

اس حدیث سے کئی باتیں ثابت ہوئیں:

۱: ایک یہ کہ جنگِ صفین کی طرح اب بھی صلح کی پیش کش میں پہل سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی طرف سے ہوئی اور آپ ہی نے فوجوں کے ٹھٹھ دیکھ کر صرف مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کے تحفظ کے لیے صلح کی پیش کش کی اور اپنے دو آدمیوں کو سفیر بنا کر سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا اور جو جو شرائط آپ نے پیش کیں بلا تردد اور بلا ترمیم ان کو قبول کرلیا۔❷

سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ چونکہ پہلے ہی صلح کے خواہاں تھے، لہٰذا انھوں نے فوری طور پر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس پیش کش کو قبول کرلیا اور ربیع الاوّل سنہ ۴۱ھ میں کچھ شرائط پر دونوں حضرات کے درمیان ایک تحریری معاہدہ مرتب ہوا جس میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پوری مملکتِ اسلامیہ کے خلیفۃ المسلمین ہوگئے اور سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ خلافت سے دست بردار ہوگئے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں محدث ابن بطال کا قول نقل فرمایا ہے:

((هذا يدل على ان معاوية كان هو الراغب فى الصلح، وانّه عرض على الحسن المال ورغبه فيه وحثه على رفع السيف وذكره ما وعده به جده ﷺ من سيادته فى الاصلاح.))❸

''یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی (پہلے) صلح پر راغب تھے اور انھوں نے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ پر مال کی پیش کش کی اور اس مال کے قبول کرنے کی آپ کو ترغیب دی اور تلوار کے روکنے کو کہا، اور آپ کو آپ کے نانا کی وہ پیش گوئی یاد دلائی جس میں آپ کی سیادت میں اصلاح کے بارے میں فرمایا گیا تھا۔''

۲: دوسری بات اس حدیث سے یہ ثابت ہوئی کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح مومنِ کامل اور مسلمان تھے جس طرح سیّدنا علی رضی اللہ عنہ مومنِ کامل اور مسلمان تھے۔ چنانچہ اس بات کا اقرار خود سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ایک مراسلہ میں فرمایا ہے جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں کیا گیا

---

❶ بخاری ۱/۳۷۲۔ ۲/۱۰۵۳۔ ❷ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فتح الباری ۱۳/۵۴۔ ودیگر شروح وحدیث۔
❸ فتح الباری ۱۳/۵٤.

Marfat.com

ہے۔ ❶ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس مراسلہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ آپس کے باہمی اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کو مومن اور مسلمان ہی سمجھتے تھے اور سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ بھی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ابا کی طرح مومن ہی سمجھتے تھے۔ تبھی تو زمامِ خلافت ان کے سپرد کی اور خود دست بردار ہو گئے۔ یہ دونوں حضرات سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو مومن اور مسلمان کیوں نہ سمجھتے جب کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسلمان کہا فرمایا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ان ابنی هذا سید ولعل الله ان یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین .)) ❷

''بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے مابین صلح کرائے گا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جن دو گروہوں کے مابین سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ مصالحت کرائیں گے وہ دونوں مسلمان ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں پوری ہوئی جب کہ آپ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر کے مسلمانوں کو آپس میں کئی سالوں کی خانہ جنگیوں سے نجات دلائی اور ان لوگوں کو خائب و خاسر کر دیا جو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو مومن اور مسلمان نہیں سمجھتے اور ان پر لعنت کرتے ہیں۔ قرآن حکیم میں بھی ہے:

''اور اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں جنگ و قتال کرنے لگیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔ پھر اگر ان میں ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو اس سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔ پھر اگر رجوع کر لیا تو ان دونوں کے درمیان صلح کرا دو عدل کے ساتھ اور انصاف کا خیال رکھو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' (الحجرات : ۹)

---

❶ ملاحظہ ہو: نهج البلاغه : ۲/۱۱۸.

❷ بخاری ۱/۳۷۲، ۲/۱۰۵۳، ترمذی ۲/۲۴۱، البدایه والنهایه : ۸/۱۷، ۳۶، تهذیب ابن عساکر ۴/۲۱۱، مستدرك حاکم ۳/۱۷۵.

Marfat.com

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے دو گروہوں کی آپس کی ناچاقی خواہ نوبت خون ریزی تک ہی کیوں نہ پہنچ جائے، ان کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتی۔

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دونوں فریق باوجودیکہ ایک اجتہادی طور پر راہ صواب پر تھا اور دوسرا خطا پر، ملت اسلام پر ہی تھے، اور سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح اور اس پر آپ کا استقرار اور دوام اس بات کی دلیل ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح تھی۔'' (لمعات)

ایسا ہی آپ نے مشکوٰۃ کی فارسی شرح اشعة اللمعات: ۶۸۸/۴ پر لکھا ہے اور شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی منهاج السنه: ۲۴۲/۲ پر اس کی تائید کی ہے۔

شرائط صلح:

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر کو کلی اختیارات تفویض کر کے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تھا۔ ان دونوں حضرات نے آپ سے گفتگو کی اور سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ صلح پر راضی ہو گئے، لیکن شرائط کی منظوری کا ضامن طلب کیا۔ ان دونوں حضرات نے ضمانت دے دی۔ چنانچہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ایک کاغذ پر صلح کی شرائط لکھ کر ان دونوں حضرات کے ہاتھ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیں جو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فوراً قبول کر لیں۔ وہ شرائط مختلف تاریخوں میں مختلف بیان کی گئی ہیں، لیکن مستند تواریخ میں حسبِ ذیل شرائط درج ہیں:

۱: معاویہ رضی اللہ عنہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت خلفائے صالحین کے مطابق امور سلطنت انجام دیں گے۔

((صالحه علىٰ ان يسلم عليه ولاية امر المسلمين علىٰ ان يعمل فيهم بكتاب الله وسنة رسول الله ﷺ وسيرة الخلفاء الصالحين .)) ❶

مشہور شیعہ محدث اور مؤرخ علامہ علی بن عیسیٰ الاربلی نے کشف الغمہ: ۲/ ۴۵ میں

---

❶ بحار الانوار ۱۰/ ۱۲۴، جلاء العيون ص ۳۱۵، فتح الباری ۳/ ۵۳۱.

Marfat.com

''خلفائے صالحین'' ❶ کے بجائے ''خلفائے راشدین'' کا لفظ لکھا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ وہ شرائط ہیں جن پر حسن بن علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے مابین صلح ہوئی۔ ان میں اولین شرط یہ ہے کہ میں تمھیں مسلمانوں کی حکومت سپرد کرتا ہوں اس شرط پر کہ تم لوگوں میں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سیرت کی روشنی میں امورِ مملکت سرانجام دو گے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ تمھیں اس معاہدہ کے بعد کسی اور کے ساتھ ایسا معاہدہ کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

۲: کوفہ کے بیت المال کا کل روپیہ آپ کو دیا جائے۔ ❷

۳: دارابجرد کا کل خراج آپ کو دیا جائے۔ ❸

تواریخ میں ہے کہ دارابجرد کے لوگوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دست بردار ہونے کے بعد خراج دینا بند کر دیا، لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ شرائط میں یہ بات لکھ کر دے چکے تھے لہٰذا آپ اپنی شرط کے ایفا میں اس کے عوض اپنے پاس سے ساٹھ لاکھ درہم سالانہ اور اس کے علاوہ دوسرے تحائف اور ہدیے ادا کرتے رہے۔ ❹

---

❶ سیرۃ خلفائے صالحین کے الفاظ ملا باقر مجلسی نے ذکر کیے ہیں اور پھر اسی مؤرخ نے اپنی دوسری فارسی تصنیف جلاء العیون میں اس کا ترجمہ ''سیرۃ خلفائے شائستہ'' کے الفاظ میں کیا ہے۔ فتح الباری میں صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ محدث ابن بطال کے حوالہ سے نقل کیے گئے ہیں۔ ملا باقر مجلسی کے ''سیرۃ خلفائے صالحین کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافتوں کو بالکل درست اور صحیح سمجھتے تھے، اور ان کو خلفائے صالحین میں شمار کرتے تھے۔ صاحب کشف الغمہ علامہ علی بن عیسیٰ نے ''خلفائے راشدین'' کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ آپ نے یہ شرط اپنے جد امجد جناب ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کی اتباع میں رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا:

((علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین.))

''تم پر میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کی اتباع لازم ہے۔''

ترمذی ۲/۹۲۔ ابوداؤد: ۲/۲۷۹۔ ابن ماجه، ص: ۵۔ مسند احمد بن حنبل: ۴/۳۷، مستدرك حاكم: ۱/۹۵.

❷ طبری: ۷/۴، فتح الباری ۱۳/۴۰۳، البدایه والنهایه: ۸/۱۴، ۴۱.

❸ ایضًا.

❹ البدایه والنهایه: ۸/۴۱.

Marfat.com

۴: کسی عراقی کو پرانی عداوت کی وجہ سے نہ پکڑا جائے اور بلا استثناء سب کو امان دی جائے۔

۵: وظائف میں بنو ہاشم کو بنوامیہ پر ترجیح دی جائے۔

۶: سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کو دو لاکھ سالانہ وظیفہ دیا جائے۔

۷: اہلِ عراق کی بدزبانیوں کو برداشت کیا جائے۔ ❶

طبری نے پہلی تین شرطیں لکھی ہیں۔ پھر دوسری روایت یہ لکھی ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر لگا کر اور دستخط کر کے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا تھا کہ آپ جو شرطیں لکھ کر دیں گے، وہ مجھے منظور ہیں۔ چنانچہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اس بات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی شرطیں دوگنی لکھ کر بھیج دیں جن کو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبول نہ کیا۔ یہ روایت بالکل غلط ہے بلکہ یہ ایک افسانہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ اس میں ان حضرات کے کردار پر گند اچھالا گیا ہے۔

طبری اور ابن اثیر نے ایک شرط اور لکھی ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ پر برسرِ عام سب وشتم نہ کیا جائے، یہ شرط بھی کذب محض اور دروغ بافی ہے کیوں کہ نہ تو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں سب وشتم ہوتا تھا اور نہ ہی سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اس فعل بد کو برسرِ عام نہ کرنے کی شرط لکھوائی تھی۔ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اگر یہ شرط لکھواتے تو اس طرح لکھواتے کہ ''سیّدنا علی رضی اللہ عنہ پر مطلقاً سب وشتم نہ کیا جائے۔'' شرط میں ''برسرِ عام'' کی قید صاف بتا رہی ہے کہ یہ شرط خاص ذہنوں کی وضع کردہ ہے کیوں کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کی ہر شرط تسلیم کرنے کے لیے تیار تھے، اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دونوں سفیروں نے اس بارے میں آپ کو یقین بھی دلایا تھا۔

اس کے برعکس تاریخ کے رپورٹر یہ بتاتے ہیں کہ سبّ وشتم کا سلسلہ خود سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں جاری تھا۔ آپ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے ایک گشتی مراسلہ جاری فرمایا جس میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور اسلام میں ان کا مقام بتلا کر اپنے لشکریوں کو اس فعل بد سے منع کیا اور حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں کی جماعتیں "یسبون معاویة ویتبرؤن منه" سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کرتیں اور ان سے تبراء اور بیزاری کا اظہار کرتیں۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکری سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور ان کے

---

❶ اخبار الطوال، ص: ۲۳۱.

Marfat.com

دیگر رفقاء پر سبّ وشتم اور لعن طعن کرتے تھے۔

کتابوں میں یہ روایت موجود ہے کہ ایک مرتبہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی کہ حجر بن عدی اور عمرو بن الحمق سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سبّ وشتم کرتے ہیں۔ آپ نے ان دونوں کو ایک آدمی کی معرفت کہلا بھیجا کہ وہ ان باتوں سے اپنی زبان کو روکیں۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ پیغام سن کر وہ دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ امیر المومنین! کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''رب کعبہ کی قسم! یہ بالکل درست ہے۔'' انھوں نے کہا: پھر آپ ہمیں انھیں سبّ وشتم کرنے اور ان پر لعن طعن کرنے سے کیوں روکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''مجھے یہ ناپسند ہے کہ تم سب وشتم کرنے والے اور لعن طعن کرنے والے بن جاؤ، بلکہ ایسا کہا کرو کہ اے اللہ! ان کے اور ہمارے درمیان خون ریزی بند فرما اور ہمارے مابین الفت ومحبت پیدا فرما اور ان کو راہ ہدایت پر چلنے کی توفیق عطا فرما یہاں تک کہ وہ حق کو پہچان لیں اور گمراہی کی گہرائیوں سے نکل جائیں۔ ❶

بعض کتابوں میں یہ شرط بھی مرقوم ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے۔ یہ شرط بھی بعد کے ذہنوں کی پیداوار ہے۔ یعقوبی، طبری، ابن اثیر، ابن کثیر، مسعودی اور الدینوری وغیرہ مؤرخین نے اپنی کتابوں میں اس شرط کا کوئی تذکرہ نہیں کیا، بلکہ ملا باقر مجلسی نے اس کے خلاف لکھا ہے۔ ❷ آپ کے لشکریوں کی طرف سے آپ پر یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ آپ نے یہ شرط کیوں نہ رکھی۔ البتہ حافظ ابن عبد البر نے ''استیعاب'' میں لکھا ہے کہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ صرف معاویہ رضی اللہ عنہ زندگی ہی تک کے لیے ان کے حق میں دست بردار ہوئے ہیں۔ ❸ لیکن حافظ ابن عبد البر کا یہ بیان درست نہیں ہے، اس لیے کہ مسعودی، الیعقوبی وغیرہ مؤرخین نے بھی جو اپنی کتابوں میں ہر قسم کے رطب ویابس نقل کر دیتے ہیں، اس شرط کا کہیں تذکرہ نہیں کیا۔ صاحب کشف الغمہ نے بھی اس شرط کو نقل نہیں کیا۔ ❹

دوسری دلیل اس شرط کے صحیح نہ ہونے کی یہ ہے کہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت لینے کے لیے جب سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو کئی حضرات نے ان سے اس بارے میں اختلاف

---

❶ اخبار الطوال ص ١٦٥، نهج البلاغه ١/ ٤٢.
❷ جلاء العيون، ص: ٣٢٥.
❸ استيعاب تذكره سيّدنا حسن رضي الله عنه.
❹ كشف الغمه ٢/ ١٩٦.

Marfat.com

کیا لیکن کسی نے یہ بات نہیں کہی کہ آپ کی شرائط صلح میں ایک شرط یہ بھی تھی، لہٰذا آپ یزید کو کیسے ولی عہد بنا سکتے ہیں؟ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ چونکہ اب زندہ نہیں ہیں لہٰذا آپ کے بیٹے کے بجائے ان کی اولاد میں سے کسی کو خلیفہ ہونا چاہیے، لیکن یہ بات کسی نے نہیں کہی۔

اور جہاں تک سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید کو اپنا ولی عہد بنانے کا تعلق ہے تو اس بارے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا پہلے خیال تھا کہ وہ اپنی جانشینی کے لیے ایک شخص کو نامزد کرنے کے بجائے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرح چھ حضرات کو نامزد کر جائیں گے جن میں سے کسی ایک کو ارباب حل وعقد یا لوگوں کی اکثریت اپنی پسند سے منتخب کر لے گی۔ اس کام کے لیے آپ کے ذہن میں جو لوگ تھے، ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

۱: سیّدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ	۲: سیّدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ
۳: سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ	۴: سیّدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ
۵: سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما	۶: سیّدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما

لیکن ابن کثیر ہی کی ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طبیعت کا زیادہ رجحان ان سب میں سے سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو اپنا ولی عہد بنانے کا تھا کیوں کہ وہ صلح پسند تھے اور امتِ مسلمہ کے لیے اپنے دل میں خاص جذبات رکھتے تھے، اور ملت اسلامیہ میں نظم وضبط، یک جہتی اور اتحاد واتفاق کے خواہاں تھے، لیکن جب سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی ہی میں انتقال فرما گئے تو آپ نے ملکی حالات اور بنوامیہ کی عصبیت کے تحت یزید کو اپنا ولی عہد مقرر فرمایا جس میں سیّدنا معاویہؓ جیسے راشد، بردبار، حلیم الطبع، وسیع الظرف اور براعظم افریقہ ویورپ تک پھیلی ہوئی اسلامی مملکت کے ولی عہد ہونے کے جملہ اوصاف موجود تھے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

> ''جب سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ سے مصالحت کی تو آپ نے سیّدنا حسنؓ ہی کو ولی عہد بنانے کا عزم کیا، لیکن جب سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو سیّدنا معاویہؓ کا یزید کی طرف رجحان قوی ہو گیا کیوں کہ وہ سمجھتے تھے کہ وہ خلافت کی اہلیت رکھتا ہے اور یہ رائے باپ بیٹے کی شدید محبت کی وجہ سے تھی اور اس لیے بھی تھی کہ وہ یزید میں دنیوی شرافت اور شہزادوں کی سی خصوصیات جنگی فنون سے آشنائی، سلطنت کے نظم و

Marfat.com

ضبط اور اس کی ذمہ داری کے بار سے سبک دوش ہونے کی اہلیت دیکھتے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اولاد میں سے کوئی اس بارے میں بہتر انتظام نہیں کر سکے گا۔ اسی وجہ سے انھوں نے سیّدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا کہ میں ڈرتا ہوں کہ میں رعیت کو بکریوں کے ایک نشتر اور پراگندہ گلے کی طرح چھوڑ کر نہ چلا جاؤں جس کا کوئی راعی نہ ہو۔''❶

ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہی سرے سے غلط ہے اور یہ روایت مخالفین سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ثابت کرنے کے لیے وضع کی ہے۔ وہ اس طرح کہ جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ صرف سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے لیے خلافت سے دست بردار ہوئے تھے اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے خاندان میں حکومت لانا چاہتے تھے تو پھر ان دونوں مقدمات سے یہ نتیجہ نکل آتا ہے کہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے زہر دلوا کر شہید کروایا تھا اور یہ الزام ایسا مکروہ ہے جس سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ کے لیے طعن و تشنیع کا ہدف بن جاتے ہیں۔

روایات میں ہے کہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے جو شرطیں بھی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سفیروں کو بتائیں وہ ساری کی ساری سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبول کرلیں۔ یہاں پر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ان شرائط کے علاوہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی مختلف تحائف اور ہدیوں سے خاطر ومدارات کرتے رہتے تھے۔❷ چنانچہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دس لاکھ درہم دونوں بھائیوں کو دیتے اور ان کے بیٹے یزید بیس لاکھ درہم دیتے رہے۔ اتنی ہی رقم سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور سیّدنا عبد اللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو دی جاتی۔❸ ان سالانہ دس لاکھ درہموں کے علاوہ اور بہت سے ہدیے بھی سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بھیجے جاتے۔❹ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کبھی اکیلے اور کبھی اپنے بھائی سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہر سال سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے اور وہ ان کی بہت عزت افزائی کرتے اور بہت سے عطیات اور تحائف ان کو دیتے اور سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بھی ہر سال آپ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۸۰.
❷ البدایہ والنہایہ: ۸/ ٤١.
❸ شرح ابن ابی الحدید: ۲/ ۸۲۳.
❹ مقتل ابی مخنف، ص: ۷.

Marfat.com

کے پاس جاتے، وہ ان کو بہت سے عطیات وغیرہ دیتے اور ان کی بہت عزت افزائی کرتے۔ ❶ بلکہ ایک دفعہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو چالیس لاکھ درہم دیے، اور ایک دفعہ دونوں بھائیوں کو بیس بیس لاکھ درہم عطا کیے۔ ❷ اور ایک روایت میں ہے کہ کبھی کبھی چار چار لاکھ دیتے اور ایک لاکھ درہم تو بطور وظیفہ ہر سال دیتے تھے۔ ❸ اس قسم کی اور بھی بہت سی روایات تاریخ کی کتابوں میں ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اہلِ بیت نبوت کو آئے روز مختلف قسم کے عطیات اور تحائف سے نوازتے اور ان کے اخراجات اور ضروریاتِ زندگی کے لیے بڑی بڑی رقوم ہدیہ کے طور پر پیش کرتے۔

دست برداری کا اعلان:

صلح کی شرائط طے ہوجانے کے بعد سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے کمانڈر سیّدنا قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کو جو مدائن کے قریب سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوجوں کے مقابلہ میں ڈٹے ہوئے تھے، صلح کی اطلاع دی اور انھیں واپس مدائن آنے کا حکم دیا۔ انھوں نے وہ خط اپنی فوج کو پڑھ کر سنایا اور کہا کہ اب صرف دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ یا تو بغیر امام کے جنگ جاری رکھیں، اور دوسری یہ کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت قبول کرلیں۔ فوج نے بڑی دانش مندی کا ثبوت دیا اور دوسری بات کو قبول کرلیا اور سیّدنا قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ اپنی فوج کے ساتھ واپس مدائن آگئے اور سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ واپس کوفہ چلے گئے۔ آپ کے کوفہ تشریف لے جانے کے بعد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہاں آکر شرائط کی زبانی تصدیق بھی کردی۔

مصالحت کے تمام مراحل طے ہونے کے بعد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اب آپ ذرا زبانی بھی اس مصالحت کے بارے میں بیان فرمادیں گے تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ آپ اپنی خوشی سے مسندِ خلافت سے دست بردار ہوئے ہیں نہ کہ کسی جبر و اکراہ سے۔ آپ کو اس پر اعتراض بھی کیا ہوسکتا تھا۔ چنانچہ آپ فوراً اُٹھے اور حمد و ثنا کے بعد مندرجہ ذیل الفاظ میں اعلان فرمایا:

((اما بعد! فان اکیس الکیس التقی، وان اعجز العجز الفجور، الا وان هذا الامور الذی اختلفت فیه انا ومعاویة حق لامری کان

---

❶ البدایه والنهایه: ۸/ ۱۵۰۔۱۵۱.

❷ البدایه والنهایه: ۸/ ۱۳۷.

❸ البدایه والنهایه: ۸/ ۱۳۷.

Marfat.com

احق به منّی ، وان ادری لعلّه فتنة لکم ومتاع الیٰ حین .)) ❶

''امابعد، لوگو! دانائیوں میں سے سب سے بڑی دانائی تقویٰ ہے اور عجز میں سب سے بڑا عجز بداعمالیاں اور فسق و فجور ہیں۔ خلافت کا معاملہ جس میں مجھ میں اور معاویہ رضی اللہ عنہ میں اختلاف ہے، یہ حق صرف ایک ہی آدمی کا ہے یا تو معاویہ رضی اللہ عنہ مجھ سے زیادہ حق دار تھے یا میں زیادہ حق دار تھا، لیکن میں نے عام مسلمانوں کی بہتری اور انھیں خون ریزی سے بچانے کے ارادہ سے اس خلافت کو چھوڑ دیا ہے، اور میرا خیال ہے کہ یہ تمھارے لیے آزمائش اور چندروزہ سرمایہ ہے۔''

مشہور مؤرخ ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے نہ صرف خلافت سے دست برداری کا اعلان فرمایا بلکہ ایک مجمع عام کے سامنے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی فرمائی۔ چنانچہ وہ سیّدنا جعفر صادق کے حوالے سے لکھتا ہے کہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ اور سیّدنا قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ جب شام تشریف لائے تو:

((فاذن لهم معاوية واعدّلهم الخطباء فقال يا حسن! قم فبايع ، فقام فبايع ، ثم قال للحسين قم فبايع ، فقام فبايع ..... الخ .)) ❷

''سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں آنے کی اجازت فرمائی اور ان کی عزت افزائی میں خطیبوں کو بلایا اور سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اٹھیے اور بیعت فرمایئے۔ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اٹھے اور مجمع عام کے سامنے کھڑے ہوکر بیعت فرمائی۔ پھر سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کھڑے ہوکر سبقت فرمایئے، چنانچہ انھوں نے بھی کھڑے ہوکر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم بھی اٹھو اور بیعت کرو۔ سیّدنا قیس رضی اللہ عنہ نے سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا کہ سیّدنا حسینؓ اس بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں۔ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''قیس! وہ حسن رضی اللہ عنہ

---

❶ فتح الباری ۵۳/۳، اسد الغابه ۱٤/۲، مستدرك حاكم ۱۷۵/۳، تاريخ الاسلام ذهبی ۲۱۹/۲، سير اعلام النبلاء ۱۸۱/۲، بحار الانوار ملا باقر مجلسی: ۱٦٦/۱۰، السنن الكبرىٰ بيهقی ۱۷۳/۸، حلية الاولياء ۳۷/۲، وغيره.

❷ بحار الانوار ۱۲٤/۱۰.

Marfat.com

میرے امام ہیں۔ (آپ بھی) بیعت کرلیں۔ چنانچہ انھوں بھی بیعت کرلی۔"

الیعقوبی نے اپنے انداز میں اس صلح کا تذکرہ کیا ہے۔ لکھا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی طرف چند حضرات کو صلح کی خاطر بھیجا۔ وہ حضرات مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن ام الحکم تھے۔ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اس زمانہ میں مدائن کے جنگی محاذوں پر مقیم تھے۔ ان لوگوں نے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوکر صلح کے بارے میں گفتگو کی۔ جب یہ حضرات سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ سے گفتگو کرکے باہر تشریف لائے تو لوگوں کو سنا کر کہنے لگے کہ حق تعالیٰ شانہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کے ذریعے مسلمانوں کو باہمی خون ریزی سے محفوظ و مصئون فرمالیا ہے اور انھوں نے فتنہ کو ختم کرنے کے لیے صلح منظور کرلی ہے۔ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے لشکریوں کا اس بات کو سننا تھا کہ ان میں اضطراب پیدا ہوگیا اور جوش میں آکر سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کا مال و متاع لوٹ لیا۔

سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اندھیرے منہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوکر چل دیے، مگر جراح بن سنان الاسدی نے چھپ کر نیزہ مار کر آپ کی ران کو شدید زخمی کردیا اور آپ کو نہایت بے آبرو کیا۔ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زخمی حالت میں مدائن کی طرف لے جایا گیا۔ آپ کا جسم خون آلود تھا۔ آپ کی بیماری شدت اختیار کرگئی اور لوگ آپ سے علیحدگی اختیار کرنے لگے تو سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرلی۔ جب کچھ حالت بہتر ہوئی تو منبر پر تشریف لائے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

> "اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہمارے اول کے ساتھ تمھیں ہدایت نصیب فرمائی اور ہمارے آخر کے ساتھ تمھارے خون کی حفاظت کی یعنی تم لوگوں کو خون ریزی سے بچالیا۔ میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرلی ہے یعنی خلافت سے دست بردار ہوکر امر خلافت ان کے سپرد کردیا ہے۔" [1]

یہ مصالحت کب ہوئی؟ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ۵ ربیع الاول سنہ ۴۱ھ لکھا ہے اور ایک قول ربیع الآخر کا بھی ہے۔ [2] تاریخ کی عام کتابوں میں ہے کہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ "الانبار" کے نزدیک ارض السواد کے مسکن میں اکٹھے ہوئے اور دونوں حضرات نے خلافت کے معاملہ میں صلح

---

[1] الیعقوبی: ۲/۲۱۵۔

[2] البدایہ والنہایہ: ۸/۲۱۔

Marfat.com

کرلی اور امر خلافت ربیع الاول یا جمادی الاولیٰ سنہ ۴۱ھ میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرما کر خود اپنے خاندان کے ساتھ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ ❶

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے آپ کی یہ صلح جہاں آپ کے اصلاح بین المسلمین کے جذبہ کی توثیق کرتی ہے وہاں اس بات کی توثیق بھی کرتی ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے لیے بڑے شفیق اور رعیت کے لیے بڑے نرم دل تھے۔ اس کے علاوہ ملک کے انتظامی اور ترقیاتی معاملات میں بھی آپ بڑے دقیق النظر اور معاملات کے عواقب و انجام پر نگاہ رکھنے والے تھے۔ تبھی تو نواسۂ رسول سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے پوری ملت اسلام کی زمامِ کار آپ کے ہاتھ میں دے دی۔ اگر (معاذ اللہ) آپ ایسے تھے جیسا کہ دشمنان صحابہ کہتے ہیں تو نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی حرف آتا ہے کہ انھوں نے ایک غلط کار آدمی کے ہاتھ چند روپوں کے عوض پوری ملت اسلامیہ کے اختیارات کیوں دے دیے؟ چنانچہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی اس صلح کا ذکر کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ''اس بات (صلح) سے اصلاح بین المسلمین اور خصوصی طور پر مسلمانوں کی خون ریزی روکنے کی فضیلت ہے (اور سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کا یہ فعل) اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی رعیت پر بڑے نرم دل اور مسلمانوں پر بڑے شفیق تھے، اور تدبیر سلطنت پر بڑی گہری نگاہ رکھتے تھے۔ نیز معاملات کے عواقب پر ان کی نگاہ پہنچتی تھی۔'' ❷

ابونعیم اصفہانی اور امام بیہقی نے لکھا ہے کہ یہ صلح سنہ ۴۱ھ ماہِ ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ میں نخیلہ کے مقام پر ہوئی اور اس موقع پر سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

> ''میں نے یہ خلافت اہلِ اسلام کی بہتری اور مسلمانوں کے خون کی حفاظت کے لیے ترک کی ہے۔'' ❸

خلافت کی سپردگی کے لیے جو شرائط دونوں بزرگوں کے مابین طے ہوئی تھیں، سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پوری زندگی ان پر کاربند رہے حتیٰ ابوحنیفہ الدینوری کو یہ لکھنا پڑا کہ:

---

❶ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ خلیفہ بن خیاط ۱/۱۸۷، تاریخ بغداد ۱/۲۱۰ الاستیعاب تذکرہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، اسد الغابہ تذکرہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، مستدرک حاکم ۲/۱۷۴.

❷ فتح الباری ۱۳/۵۶.

❸ حلیۃ الاولیاء ۲/۳۷، سنن کبریٰ بیہقی ۸/۱۷۳.

Marfat.com

''سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے پوری زندگی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی بری بات نہ دیکھی اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان حضرات سے طے شدہ شرائط میں کسی شرط کو نہ توڑا اور نہ ہی کسی احسان اور بھلائی کی بات کو تبدیل کیا۔''❶

مدینہ منورہ واپسی:

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کے بعد سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے بھائی حسین بن علی رضی اللہ عنہ اور دیگر بھائیوں اور چچا زاد بھائیوں سیّدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ارضِ عراق سے مدینہ رسول آ گئے راستہ میں جب یہ حضرات اپنے حامیوں اور شیعوں کے قبائل کے پاس سے گزرتے تو بعض لوگ آپ کو خلافت سے دست برداری پر عار دلاتے اور نہایت سخت الفاظ سے یاد کرتے حالانکہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ ایک نہایت نیک طینت اور معاملہ فہم شخص تھے اور وہ لوگوں کے اس برے رویے سے اپنے اندر کوئی کمزوری اور خجالت محسوس نہ کرتے تھے بلکہ وہ اپنے اس مصالحت کے فعل پر نہایت مطمئن اور خوش تھے کیوں کہ انھوں نے تقاضائے امن وامان کے مطابق نہایت درست فیصلہ کیا تھا۔❷

مخالفت کا طوفان

سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ابھی اس صلح کا ارادہ ہی فرمایا تھا کہ آپ کے لشکریوں نے آپ کے خلاف مخالفت کا طوفان بدتمیزی اٹھالیا۔ آپ پر قاتلانہ حملے کیے گئے اور آپ کے خیمے کو لوٹ لیا گیا۔❸ ایک دفعہ نماز کی حالت میں ایک شخص نے آپ پر خنجر سے حملہ کیا جس سے ران میں ہڈی تک شگاف ہوگیا۔❹ اس زخم کے باعث آپ کئی ماہ تک صاحب فراش رہے۔ ایک روز منبر پر بیٹھ کر فرمایا: ''لوگو ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ ہم تمھارے امیر اور مہمان ہیں اور اللہ نے ہمارے بارے میں تمھیں نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ تمام مسجد میں لوگوں نے رونا شروع کردیا۔❺ لیکن جب آپ نے مجمع عام میں اپنی صلح کا اعلان فرمایا اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تو فوراً ہی آپ کے خلاف ایک شدید طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور آپ کے لشکری اور ساتھی آپ سے سخت

---

❶ اخبار الطوال ص ۲۲۵. ❷ البدایہ والنہایہ: ۱۹/۸. ❸ طبری: ۹۲/۶.
❹ الاخبار الطوال ص ۲۱۷، جلاء العیون ص ۳۱۳، سیر اعلام النبلاء ۲۷۰/۳.
❺ سیر اعلام النبلاء ۲۷۰/۳، طبرانی رقم ۲۷۶۱، مجمع الزوائد ۱۷۲/۹.

Marfat.com

ناراض ہوگئے یہاں تک کہ آپ کے خلاف مختلف قسم کے آوازے کسے جانے لگے اور آپ کے اس فعل کو مسلمانوں کے لیے شرم وذلت کا باعث قرار دینے لگے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

((فکان اصحاب الحسن یقولون: یا عار المومنین.)) ❶

''سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھی آپ سے کہتے تھے: ''اے مومنوں کے لیے باعث عار۔''

آپ اس کے جواب میں فرماتے:

((العار خیر من النار.))

''یہ عار اور شرم میرے لیے جہنم کی آگ سے بہتر ہے۔''

ابن اثیر اور علامہ ابوبکر ابن العربی نے ''مسود وجوہ المومنین'' (مومنوں کا منہ کالا کرنے والے) کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ ❷

ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ:

''شیخ کشی نے بسند معتبر امام محمد باقر رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ ایک روز امام حسن رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگاہ ایک سوار آیا۔ اسے سفیان بن لیلیٰ کہتے تھے۔ اس نے کہا: ''السلام علیکم، یا مذل المومنین! اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے! السلام علیکم۔'' ❸

امام ذہبی نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے آپ کو ''یا مذل المومنین!'' کہا۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: نہیں، بلکہ مجھے یہ بات ناپسند تھی کہ میں آپ لوگوں کو حکومت اور سلطنت کے لیے قتل کروں۔ ❹ اسی طرح کی ایک روایت حاکم نے ''المستدرک'' میں بھی نقل کی ہے

علامہ مجلسی نے اس سلسلہ میں کئی روایات نقل کی ہیں، ان میں سے ایک روایت احتجاج طبرسی سے نقل کی ہے:

---

❶ فتح الباری: ۱۳/۵۵۔ البدایہ والنہایہ: ۸/۴۱۔ تاریخ الاسلام: ۲/۲۰۸.

❷ ابن اثیر: ۳/۲۰۴۔ العواصم من القواصم، ص: ۱۹۷.

❸ جلاء العیون ص ۳۲۴، الاخبار الطوال ص ۲۲۱، تاریخ الخلفاء ص ۱۹۱، الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ ۱/۱۷۱، المصنف لابن ابی شیبہ ۱۰/۹۴، ابن عساکر ۷/۳۵.

❹ سیر اعلام النبلاء ۳/۲۷۲.

Marfat.com

''جب امام حسن رضی اللہ عنہ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی تو لوگ حضرت کی خدمت میں آئے اور بعضوں نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے کی وجہ سے طعن و تشنیع کی۔ حضرت نے فرمایا: ''تم پروائے ہو، تم نہیں جانتے کہ میں نے تمھارے لیے کیا کام کیا ہے۔ بخدا سوگند! جو کچھ میں نے کیا ہے میرے شیعوں کے لیے اس سے بہتر ہے کہ آفتاب جس پر طلوع ہوتا ہے۔''❶

اسی مجلسی نے اپنی دوسری کتاب بحار الانوار میں امام محمد باقر رحمہ اللہ کا ایک اسی طرح کا قول نقل کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

((والذی صنعه الحسن بن علی کان خیراً لهذه الامة مما طلعت علیه الشمس.))❷

''سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا وہ اس امت کے لیے بہتر ہے ہر اس شئے سے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے۔''

ایک شخص جسے ابومعید کہتے ہیں امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ آپ نے کیوں سستی کر کے معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی حالانکہ معلوم تھا کہ حق آپ کا ہے اور وہ ظالم اور باغی ہے۔❸

ملا باقر مجلسی بحوالہ احتجاج طبرسی لکھتے ہیں کہ:

''ایک شخص امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ ہماری گردنوں کو آپ نے ذلیل کیا اور ہم شیعوں کو آپ نے غلامان بنی امیہ بنایا۔ حضرت نے فرمایا: ''کیوں کر؟'' اس نے کہا: ''اس وجہ سے کہ خلافت آپ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو دے دی۔''

حضرت نے فرمایا:

''بخدا سوگند! میں نے کوئی یاور نہ پایا۔ اگر میں یاور پاتا تو رات دن معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کرتا یہاں تک کہ خدا میرے اور اس کے درمیان حکم کرتا۔ لیکن میں نے اہلِ کوفہ کو پہچانا اور امتحان کیا اور جان لیا کہ یہ لوگ میرے کام نہیں آئیں گے۔ ان کی زبانیں

---

❶ جلاء العیون ص ۳۲۲.
❷ بحار الانوار ۱۰/۱٦٤.
❸ جلاء العیون ص ۳۲۲.

Marfat.com

میرے ساتھ اور دل بنی امیہ کے ساتھ ہیں۔''[1]

پھر بروایت سید مرتضیٰ، علامہ مجلسی لکھتے ہیں:

''جب امام حسین رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی تو شیعہ آپس میں اظہار تاسف و حسرت کرتے تھے اور آرزوئے قتل رکھتے تھے۔ جب صلح کے بعد دو سال گزرے تو حضرت کی خدمت میں آئے اور سلیمان بن صرد خزاعی نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارا تعجب معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے سے برطرف نہیں ہوتا حالانکہ چالیس ہزار مردان کارزار اہلِ کوفہ آپ کے ہمراہ تھے کہ وہ آپ سے تنخواہ لیتے تھے اور اپنے گھروں میں تھے، اور اسی قدر ان کے فرزندان واتباع آپ کے ساتھ تھے، بغیر ان لشکروں کے جو بصرہ اور حجاز میں تھے۔ باوجود اس کے آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے پیمان محکم صلح نامہ میں نہ لیا اور بہرۂ کامل عطاء میں نہ لکھوالیا۔ اگر بروقت مصالحت اہلِ مشرق ومغرب کو آپ گواہ نہ کرتے اور نوشتہ اس سے لیتے کہ بعد اس کے خلافت آپ میں ہوتی۔ ہمارا کام آسان تھا، لیکن ان کے اور آپ کے درمیان چند عہد ایسے ہوئے کہ لوگ اس پر مطلع نہ ہوئے۔''[2]

حجر بن عدی نے بھی آپ کو اس صلح پر عار دلانے کی کوشش کرتے ہوئے آپ سے کہا:

''اے رسول اللہ کے نواسے! کاش کہ میں اس دن سے پہلے ہی مرگیا ہوتا۔ آپ نے ہمیں عدل وانصاف سے نکال کر ظلم وجور میں پھنسا دیا ہے اور اس وجہ سے ہم نے حق کو چھوڑ کر باطل کو جس سے کہ ہم بھاگتے تھے، اختیار کرلیا اور ہمیں خست ودنایت کا سامنا کرنا پڑا۔'' آپ نے فرمایا: ''میں لوگوں کے درمیان اس خانہ جنگی کو ناپسند کرتا تھا اور میں نے اپنے ساتھیوں کی بہتری اسی میں دیکھی۔''

اس کے بعد وہ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گئے اور انھیں بھی اسی طرح سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت سے عار دلانی شروع کی۔ آپ نے جواب میں فرمایا:

---

[1] جلاء العیون ص ۳۲۶.

[2] جلاء العیون ص ۳۲۵، الامامة والسیاسة ۱/ ۱۷۱۔۱۷۲.

Marfat.com

((انا قد بايعناه وعاهدنا ولا سبيل الىٰ نقض بيعتنا .)) ❶

''ہم نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت اور ان سے وفا کا عہد کرلیا ہے، لہٰذا نقضِ عہد کی کوئی راہ نہیں۔''

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ نہ صرف آپ کے شیعوں نے اس بارے میں آپ کی مخالفت کی بلکہ شروع میں تو آپ کے سگے بھائی سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی اس مصالحت کے سخت خلاف تھے اور انھوں نے بھائی سے صاف کہا کہ آپ قبر میں اپنے باپ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی تکذیب کرنا چاہتے ہیں اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق، سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ایک ہی جملہ سے انھیں خاموش کرادیا۔

آپ نے فرمایا:

((اسكت فانا اعلم بالامر منك .))

''حسین! چپ رہو، میں اس معاملہ کو تم سے بہتر جانتا ہوں۔''

چنانچہ جب صلح کے بعد سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تو سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بھی بے چون و چرا سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی۔ ❷

اعتراضات کے جوابات:

جب سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ پر ہر طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی اور ہر جانب سے آپ کے ساتھیوں اور شیعوں نے طعن و تشنیع شروع کردی تو آپ نے معترضین کے جواب میں مختلف خطبات ارشاد فرمائے ایک موقع پر فرمایا:

''بخدا سوگند! اس جماعت سے میرے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ بہتر ہے۔ یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم شیعہ (ساتھی) ہیں اور میرے قتل کا اِرادہ کیا، میرا مال لوٹ لیا۔ بخدا سوگند! اگر معاویہ سے عہد لوں اور خون حفظ کراؤں اور اپنے اہل و عیال میں ایمن ہو جاؤں۔ اس سے بہتر ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کردیں اور میرے اہل و عیال اور اعزاء و اقرباء ضائع

---

❶ الاخبار الطوال، ص: ٣٢٠.

❷ بحار الانوار ١٠/١٢٤، جلاء العيون ص٣٦٩، ناسخ التواريخ جلد ٦ كتاب ٤ ص ٧٦، مهيج الاحزان ص ٤٨.

Marfat.com

ہو جائیں۔"

"بخدا سوگند! اگر میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کروں تو یہی لوگ مجھے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دے دیں۔ بخدا سوگند! اگر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کروں اور عزیز رہوں، یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کے ہاتھ میں آ جاؤں اور وہ مجھے بخواری قتل کرے یا مجھ پر احسان کر کے چھوڑ دے اور تا روز قیامت بنو ہاشم میں یہ عار باقی رہے اور ہمیشہ فرزندانِ معاویہ ہمارے فرزندوں اور ہمارے مردوں اور زندوں پر احسان کریں۔ راوی نے کہا: "یا ابن رسول اللہ! اپنے شیعوں کو مثل ان گوسفندوں کے آپ چھوڑ دیتے ہیں جن کا کوئی محافظ نہ ہو۔" حضرت نے فرمایا: "کیا کروں میں اس کام کو تم سے بہتر جانتا ہوں جو ثقہ اور سچے لوگوں سے مجھے پہنچا ہے۔"[1]

اس خطبہ میں آپ نے صلح کرنے کی مصلحت صرف اپنی اور اپنے اہل و عیال کے ننگ و ناموس کی حفاظت بیان فرمائی، لیکن دوسرے مقام پر یوں مرقوم ہے:

"معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس امر میں جو مجھ سے مخصوص اور جس کا میں سزاوار تھا، منازعہ کیا اور جب میں نے کوئی یاور نہ پایا تو بخیال اصلاح و حفظ خون ہائے امت خود دست بردار ہو گیا۔"[2]

ایک اور مقام پر بروایت کلینی بسندِ معتبر امام محمد باقر لکھا ہے:

"امام حسن رضی اللہ عنہ کا سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنا اس امت کے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔"[3]

اس سلسلہ میں ابن حجر المکی نے اپنی کتاب "الصواعق المحرقہ" میں بڑی اچھی بحث کی ہے اہلِ علم وہاں ملاحظہ فرمالیں۔[4]

سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کا مخالفت کرنا:

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ اس بارے میں آپ کی مخالفت آپ کے عزیزوں نے بھی کی جن

---

[1] جلاء العیون ص ۳۲۳.
[2] جلاء العیون ص ۳۲۵.
[3] جلاء العیون ص ۳۱۶.
[4] الصواعق المحرقہ، ص: ۲۱۸،

Marfat.com

میں ایک سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ چنانچہ جب آپ کو پتہ چلا کہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے والے ہیں تو آپ نے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا آپ قبر میں اپنے باپ علی رضی اللہ عنہ کی تکذیب اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''بخدا! جب بھی میں نے کسی کام کا ارادہ کیا تم نے ہمیشہ مخالفت ہی کی۔ بخدا! میں تمھیں اس وقت تک گھر ہی میں نظر بند رکھوں گا جب تک کہ میں اپنے ارادے کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا دوں۔'' ❶

طبری اور ابن اثیر نے لکھا ہے کہ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((اسکت فانا اعلم بالامر منك .)) ❷

''چپ رہو، میں اس معاملہ کو تم سے بہتر جانتا ہوں۔''

جب سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کی ان غضب آلود نگاہوں کی طرف دیکھا تو عرض کی:

((انت اکبر ولد علی وانت خلیفته وامرنا لامرك تبع فافعل ما بدألك .)) ❸

''آپ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحبزادے ہیں اور ان کے جانشین بھی ہیں۔ ہماری بات آپ کی بات کے تابع ہے، لہٰذا جو کچھ آپ درست سمجھتے ہیں وہ کر گزریئے۔''

ان اقتباسات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ نے یہ صلح کی تو آپ کے ساتھیوں نے مخالفت کا ایک طوفان اٹھایا جس کو آپ نے اپنی حکمت عملی اور فراستِ ایمانی سے دبا دیا۔ یہ آپ ہی کا عزم تھا جس نے اس ساری مخالفت کا مقابلہ کیا اور آخر کار غالب آئے۔ ❹

---

❶ تهذيب التهذيب ٣/٢٩٩، على وبنوه، طه حسين ص ٢٠٣، تاريخ ابن عساكر ٤/٢٢٢.

❷ طبری: ٦/٩٢، ابن اثیر: ٣/٢٠٣. ❸ تهذيب التهذيب ٢/٣٠٠، ابن عساكر ٤/٢٢٢.

❹ شیعہ حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ ائمہ معصوم ہوتے ہیں بلکہ سب انبیاء سے افضل ہیں۔(حق اليقين ص ٨٥) اور اللہ کا دروازہ، اس کی زبان، اس کا منہ، اس کی آنکھ اور اس کے ہاتھ ہیں۔(اصول كافی ص ٩٤) ان کو رسول جیسی فضیلت حاصل ہے "جریٰ له من فضل ما جاء لرسول الله" (اصول كافی ص ١٥٨) اور "ما كان وما يكون" کے غیب جاننے والے ہیں۔(اصول كافی ص ١٥٩۔١٦٠) ایسے معصوم امام کبھی بھی.....⇦⇦⇦

Marfat.com

مسند خلافت سے دست بردار ہو کر سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سرزمینِ کوفہ کو خیر باد کہہ دیا اور مدینۃ النبی تشریف لے آئے اور بقیہ زندگی اپنے جدامجد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں بسر فرمائی۔(البدایہ والنہایہ: ۱۹/۸) کوفہ کو آپ نے صرف اس لیے چھوڑا کہ وہ سبائی تحریک کا مرکز تھا۔ وہاں آپ کو اپنی جان کے خطرہ کے ساتھ ساتھ اس بات کا اندیشہ بھی تھا کہ یہ سبائی لوگ پھر کہیں کوئی فتنہ برپا نہ کردیں۔

تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ جب سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل وعیال اور خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ سرزمینِ کوفہ کو چھوڑا تو کوفہ کے لوگ زاروقطار رو رہے تھے۔ کسی پوچھنے والے نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو جواب میں آپ نے فرمایا:

> ''میں نے دنیا کو ناپسند کیا اور کوفہ والوں کو ایک ایسی قوم پایا جس پر کبھی بھی کوئی شخص اعتماد نہیں کرسکتا، اور اکثر ان میں سے ایک کی رائے دوسرے سے موافقت نہیں کرتی۔ یہ برائی کے بجائے نیکی میں سست ہیں۔ میرے ابا کو ان سے بڑی اذیتیں پہنچیں، اور میرے بعد یہ کس سے اچھے سلوک سے پیش آئیں گے؟ اس وجہ سے یہ شہر بہت جلد تباہ وبرباد ہونے والا ہے۔''❶

چنانچہ آپ اپنے خاندان سمیت مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ آپ ربیع الاوّل سنہ ۴۱ھ میں مسند خلافت سے دست بردار ہوئے۔❷ اور رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ میں مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ اس لحاظ سے آپ ساڑھے پانچ ماہ مسند خلافت پر متمکن رہے۔ بعض روایات میں چھ ماہ اور کچھ روز اور بعض میں سات ماہ اور کچھ روز بھی آیا ہے۔❸ دست برداری کے سات سال بعد یعنی سنہ ۴۸ھ میں مدینۃ الرسول میں چالیس روز تک صاحب فراش رہ کر ہمیشہ کے لیے اس دارِ فانی سے

⇦ غلطی نہیں کرتے بلکہ جو کچھ ان سے سرزد ہوتا ہے، وہ صحیح اور حق ہوتا ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ جس سے امام معصوم صلح کرلے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرلے (بحار الانوار ۱۲۴/۱۰، جلاء العیون ص ۳۲۲) بلکہ دوسرے امام معصوم سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی بیعت فرمالیں، اس شخص سے بغض وعناد رکھنا اور اس پر لعنتیں بھیجنا کیا ائمہ معصومین کی تکذیب کرنا اور ان کے احکام سے روگردانی کرنا نہیں ہے؟

❶ ابن اثیر: ۲۰۴/۱۳۔ ❷ تہذیب التہذیب ۳۰۱/۲، ابن اثیر: ۲۰۴/۳۔

❸ ابن اثیر: ۲۰۴/۳، البدایہ والنہایہ: ۱۸/۸، اسد الغابہ ۳۴۷/۴۔

Marfat.com

رخصت فرما گئے۔ ❶ الدمیری نے بیماری کی مدت ۲ ماہ لکھی ہے۔ ❷

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو زہر دلوایا تھا جس سے آپ کی وفات واقع ہوئی۔ لیکن یہ بات سراسر غلط ہے اور نہ اس پر کوئی شرعی شہادت ہے۔ ❸

آپ کی وفات پر ہر آنکھ اشک بار تھی۔ اس روز سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا گیا کہ مسجد نبوی کے صحن میں بلند آواز سے کہہ رہے تھے کہ لوگو! آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب اس دنیا سے انتقال کر گیا لہٰذا خوب آنسو بہاؤ۔ ❹

جنازہ میں اس قدر ہجوم تھا کہ بقیع میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ نمازِ جنازہ گورنر مدینہ سیّدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور جنت البقیع میں اپنی والدہ سیّدہ فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا کے پہلو میں دفن کر دیے گئے۔ ❺

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایک خلیفہ کی حیثیت سے

سنہ ۱۸ھ میں سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو دمشق کی گورنری پر متعین فرما دیا تھا۔ سنہ ۱۸ھ سے سنہ ۴۱ھ تک متواتر آپ دمشق اور ملحقات کے گورنر رہے۔ سنہ ۴۱ھ میں سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بیعت فرمانے کے بعد آپ باقاعدہ طور پر پوری مملکت اسلامیہ کے امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین مقرر ہو گئے۔ امتِ مسلمہ کے کئی اصحاب جیسے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت، مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ، ابوامامہ رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ وغیرہم بلکہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جو اس زمانہ میں موجود تھے، یہ حضرات ہدایت کے روشن چراغ اور علمِ دین کے محفوظ رکھنے والے تھے اور کتاب اللہ کے معانی اور مفاہیم انھیں ازبر

---

❶ تاریخ الخمیس: ۲۲۶/۶۔ صفة الصفوة، ص: ۳۲۰۔

❷ حیاة الحیوان: ۶۶/۱۔

❸ ملاحظہ ہو: ابن خلدون: ۱۸۲/۲۔ منهاج السنه: ۲۲۵/۲۔ تهذیب التهذیب: ۳۰۱/۲۔ ابن اثیر: ۲۲۸/۳۔

❹ البدایه والنهایه: ۴۴/۸۔ تهذیب التهذیب: ۳۰۱/۲۔

❺ البدایه والنهایه: ۴۴/۸۔ الاستیعاب ترجمه حسن بن علی، اسد الغابه ترجمه حسن بن علی۔

Marfat.com

تھے، ان کے علاوہ کئی تابعین جیسے مسور بن مخرمہ، عبد الرحمٰن بن الاسود، سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر رحمہم اللہ جو اَب تک غیر جانبداری کی زندگی گزار رہے تھے، انھوں نے بھی اب باقاعدہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ ❶ کیوں کہ جب ربیع الاول سنہ ۴۱ھ میں نہر ''وجیل'' کے کنارے واقع شدہ موضع ''مسکن'' میں سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست برداری کا اعلان کیا اور ان کی باقاعدہ بیعت فرمالی تو ان حضرات نے بھی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین تسلیم کرتے ہوئے ان کی بیعت کرلی کیوں کہ اب پوری امت نے متفقہ طور پر ان کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کرلیا تھا، اور عراقی اور شامی سارے کے سارے ان کے حلقۂ بیعت میں آچکے تھے، لہٰذا انھوں نے بھی اب اپنے لیے شرعی طور پر ناگزیر سمجھا کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلیں۔ ❷

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ۲۳ سالہ گورنری کے بعد سنہ ۴۱ھ میں ایلیا (یروشلم) کے مقام پر خلیفۃ المسلمین منتخب ہوئے۔ ❸

اور جن لوگوں نے فیصلہ تحکیم سے قبل یا فیصلہ تحکیم کے بعد ان کا ''امیر المومنین'' ہونا لکھا ہے وہ سراسر غلط ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ غلط فہمی مدتوں سے اچھے اچھے ذہنوں میں چلی آرہی ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے تھے، اسی وقت سے وہ خلافت کے مدعی تھے بلکہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شروع سے لے کر سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بیعت فرمانے تک اپنے آپ کو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا گورنر اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ولی سمجھتے ہوئے ان کے قاتلوں سے قصاص کے طلب گار تھے۔ اس سے زیادہ نہ انھوں نے خود اپنی کوئی حیثیت جانی اور نہ ان کے ساتھیوں نے انھیں اس سے زیادہ کوئی حیثیت دی۔ انھوں نے خلافت کا اعلان سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے خلافت سے دست برداری اور ان کے بیعت فرمانے کے بعد کیا۔ یہی اہلِ سنت کا مسلک ہے۔

اجتماعِ امت:

سنہ ۴۱ھ کو عام الجماعۃ کہتے ہیں کیوں کہ ملت اسلامیہ نے پانچ چھ سال کے تشتت و انتشار کے

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۱۲۲/۸. ❷ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فتح الباری: ۴۵/۱۳، ۵۷.
❸ طبری: ۹۴/۶، مروّج الذہب: ۵۳/۳، البدایہ والنہایہ: ۱۶/۸، ۴۱.

Marfat.com

بعد اس سال ایک خلیفہ پر اجماع کیا تھا۔ ❶ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خارجی جنگوں اور اسلام کی نشر و اشاعت میں جو تعطل واقع ہو گیا تھا، اس سے پوری امت کو چھٹکارا مل گیا۔ آپس میں جو دلی منافرت پیدا ہو چکی تھی وہ کلیتہً جاتی رہی اور تمام مسلمان ایک پلیٹ فارم پر اسی طرح جمع ہو گئے جس طرح سیّدنا ابوبکر، سیّدنا عمر اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافتوں کے دور میں تھے۔ اسی لیے تو غیر مسلم مورخین تک نے لکھا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دولت اسلامیہ کے دوسرے مؤسس کبیر ہیں۔ آپ نے قرآن و سنت کی روشنی میں ایک بلند پایہ حقیقی اسلامی سلطنت قائم کی جو سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سلطنت کی طرح صوفیانہ بھی تھی اور سیاسیانہ بھی۔ یہ نوجوان جس نے اپنے مشہور تاجر باپ کی آغوش میں تربیت پائی تھی، اس کی قوت نظم مملکت پر یہ واضح دلیل ہے کہ حکومت اسلامیہ کے قیام اور عراق کے خلفشار کو دور کرنے، چوری قتل اور آگ لگانے کی روک تھام میں جو مشکلات سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو پیش آئیں، آپ نے نہایت خوبی کے ساتھ ان پر کنٹرول کیا حالانکہ اہلِ بصرہ اور اہلِ کوفہ ان چیزوں کے عادی تھے۔

پوری امت مجتمع ہو گئی۔ اختلاف بالکل ختم ہو گیا اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ متفقہ طور پر پوری ملت اسلامیہ کے امیر المومنین مقرر ہو گئے۔ مسلمانوں کی وہ قوت جو آپس کے جنگ و جدال میں ختم ہو رہی تھی، اب دشمنانِ اسلام کے خلاف صرف ہونے لگی۔

خاندان بنو ہاشم نے بھی نہایت خوش دلی کے ساتھ امیر المومنین سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عملی تعاون شروع کر دیا۔ چنانچہ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی چچا زاد بھائی سیّدنا قثم بن عباس رضی اللہ عنہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جہاد میں شرکت کے لیے خراسان تشریف لے گئے۔ پھر غزوۂ سمرقند میں سعید بن عثمان بن عفان کی ماتحتی میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ ❷ خود سیّدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہما کی زیرِ قیادت معرکہ قسطنطنیہ میں شرکت فرمائی جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔ ❸

---

❶ فتح الباری ۱۳/۵۳، طبری: ۶/۱۸۱، البدایہ والنہایہ: ۸/۱۲۱، اسد الغابہ ۴/۳۸۷، تاریخ الخلفا سیوطی ص ۱۹۴.

❷ طبقات ابن سعد ۷/۱۰۱، اسد الغابہ ۴/۱۹۷، سیر اعلام النبلاء ۳/۳۹۲، شرح نہج البلاغہ لابن میثم البحرانی ۵/۷۲.

❸ البدایہ والنہایہ: ۸/۱۵۰، تہذیب تاریخ ابن عساکر ۴/۳۱۱.

Marfat.com

جس طرح خاندان بنو ہاشم نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت سے تعاون کیا اسی طرح آپ کی حکومت نے بھی خاندان بنو ہاشم کے افراد سے نہایت اچھا سلوک کیا۔ مدینہ طیبہ میں ایک قاضی کی ضرورت تھی۔ سیّدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ نے ایک ہاشمی بزرگ سیّدنا عبداللہ بن الحارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کو مدینہ طیبہ کا قاضی مقرر کیا جو کہ بعض حضرات کے بقول مدینہ کے سب سے پہلے باقاعدہ قاضی تھے۔ ❶

مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا جس میں اپنی کم ہمتی اور کار خلافت کی دشواری کو واضح فرمایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ تم میں سے کئی ایسے ہیں جو مجھ سے بہتر ہیں جیسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما وغیرہما جو کہ علم و فضل کے ستون ہیں، لیکن شاید میں سلطنت اور حکومت کے معاملات میں تمھارے لیے مفید ہوسکوں اور تمھارے دشمنوں کے لیے زیادہ تکلیف دہ اور مالی اعتبار سے تمھارے لیے زیادہ سودمند ہوسکوں۔'' ❷

علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا:

''اے لوگو! بخدا! سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت کا اتباع کرنے سے بڑے بڑے پہاڑوں کو اپنے مقام سے ہلانا نہایت آسان ہے، لیکن میں تمھارے لیے ایسا طرز عمل اور طریقہ اختیار کروں گا جو میرے سے پہلے خلفاء سے تو کم درجہ میں ہوگا لیکن میرے بعد آنے والے اس کو نہیں پاسکیں گے۔'' ❸

حقیقت یہ ہے کہ آپ کی گورنری کے ۲۳ سالہ دور میں ہر متنفس آپ سے مطمئن تھا اور دور خلافت کے ۲۱ سالہ دور میں بھی کسی کو آپ کے خلاف شکایت کا کوئی موقع نہیں ملا۔ ہر ایک کا دل آپ سے مطمئن تھا۔ اپنے دور خلافت میں آپ نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے کہ امت کی پوری تاریخ میں آپ کا نام ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اسی وجہ سے زیادہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جیسے لوگ آپ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

---

❶ طبقات ابن سعد: ۱۳/۵۔ اسد الغابہ: ۲۶۹/۳.

❷ البدایہ والنہایہ: ۱۳۴/۸، تاریخ الاسلام ذہبی ۳۲۲/۲.

❸ انساب الاشراف ۱۱۲/۴.

Marfat.com

''میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ امور مملکت کے لائق اور کسی کو نہیں دیکھا۔''❶

ایسا ہی سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ امور مملکت میں ماہر اور کسی کو نہیں دیکھا۔ آپ سے کہا گیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ کو بھی، فرمایا: وہ سب حضرات معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل تھے لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ طریق جہاں بانی میں ان سے بہتر تھے۔''❷

ایسا ہی ایک قول سیّدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔❸

امور مملکت کے بارے میں آپ نہایت صاحب بصیرت اور نظر ثاقب کے مالک تھے۔ اسی لیے فاتح مصر سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جو خطابت، قدرت کلام اور فکر و نظر کے لحاظ سے ایک خاص امتیازی شان کے حامل تھے، سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

''میں عاجز آ گیا ہوں کہ یہ جان سکوں کہ آپ بزدل ہیں یا بہادر کیوں کہ جب آپ اقدام کرتے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ آپ نے قتل و قتال کا ارادہ کرلیا ہے اور پھر جب آپ پیچھے ہٹتے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ آپ نے فرار کا ارادہ کرلیا ہے۔''

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''بخدا! میں اقدام ہی اسی وقت کرتا ہوں جب کہ دیکھتا ہوں کہ یہ اقدام کا وقت ہے اور اسی وقت پیچھے ہٹتا ہوں جب دیکھتا ہوں کہ پیچھے ہٹنے کا مقام ہے۔''❹

یہ سب چیزیں آپ کے سیاسی ذہن، نظر ثاقب اور دُور بینی پر دلالت کرتی ہیں اور یہ ثمرات ہیں تقویٰ اور ایمان کے۔ اسی لیے حدیث میں مومن کی تعریف یہ آئی ہے کہ:

((المومن لا یخدع ولا یخدع .))

''کامل مومن (تقویٰ اور پاکیزگی میں اس قدر بلند مقام کا حامل ہوتا ہے کہ) کسی کو دھوکا نہیں دیتا اور (فراست ایمانی اور بصیرت میں کامل اور ماہر ہوتا ہے کہ) کسی سے دھوکا

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۱۴۵/۸۔ التاریخ الکبیر: ۳۲۷/۴۔ طبری: ۳۳۷/۵۔ ابن اثیر: ۳۶۳/۳.
❷ البدایہ والنہایہ: ۱۳۵/۸.
❸ ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ: ۱۳۵/۸.
❹ مروّج الذہب: ۷۶/۲.

Marfat.com

کھاتا نہیں۔"

بلکہ وہ تمام معاملات کے عواقب کو فراست ایمانی اور اللہ ربّ العزت کے ودیعت کردہ نور سے دیکھ لیتا ہے۔ ❶

اور اگر کسی سے ایک مرتبہ دھوکا کھا بھی لے اور کسی سوراخ سے ایک مرتبہ ڈسا بھی جائے تو دوسری مرتبہ اس سوراخ میں سے کبھی ڈسا نہیں جاتا۔ ❷

مختصر یہ کہ آپ کے دور خلافت میں سب لوگ شیر و شکر ہو گئے۔ کسی کے قلب میں کوئی کبیدگی، کدورت اور رنجش نہ رہی۔ آپس میں وہی محبت، وہی باہمی تعظیم و تکریم اور ایک دوسرے کے حقوق کا تحفظ اور جذبات کی وہی پاسداری پیدا ہو گئی جو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مبارک زمانوں میں تھی۔ جن لوگوں نے آپ کے خلاف سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگوں میں شرکت کی تھی، آپ نے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی اور نہ ہی کسی سے کوئی انتقام لیا اور نہ ہی کسی سے متعلق دل میں کوئی میل رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہلِ بیت نبوت اور دیگر حضرات کی محبت اور عقیدت کا مرکز صرف اور صرف آپ ہو گئے۔

شورشیں اور بغاوتیں

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ "خوارج" ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی اپنی ہی جماعت کے لوگ تھے لیکن آپ کے مسئلہ تحکیم کو قبول کرنے پر "ان الحکم الا للہ" کا نعرہ لگاتے ہوئے آپ سے الگ ہو گئے۔ ان کی تعداد بعض حضرات کے نزدیک سولہ ہزار اور بعض کے نزدیک بارہ ہزار تھی۔ ❸ اس گروہ کے سرکردہ لوگ عبداللہ بن وہب، ہرخوص بن زہیر، شریح بن اوفی، عروہ بن جریر، ابرک اور عبداللہ بن الکواء وغیرہ تھے۔ کوفہ کے علاقہ میں ایک مقام "حروراء" تھا۔ وہاں انھوں نے پہلے اپنا مرکز قائم کیا اور پھر جو لوگ ان کے ساتھی اور ہم نوا تھے وہ سب نہروان کے مقام پر اکٹھے ہو گئے اور ایک فرقہ کی شکل اختیار کر لی۔ یہ لوگ اپنے نظریات میں نہایت جری اور شدت پسند تھے۔ ❹

---

❶ ترمذی ۲/ ۱٤۰، تفسیر ابن کثیر ۲/ ٥٥٥.

❷ بخاری ۲/ ۹۰٥.

❸ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۷۹.

❹ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۸٦.

Marfat.com

اسی جماعت کے ایک فرد عبدالرحمٰن بن ملجم نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ ان لوگوں نے مملکتِ اسلامیہ میں شر و فساد پھیلانا شروع کر دیا اور راستوں پر ڈاکہ زنی اور خون ریزی اختیار کی اور شریعت کے محارم کو حلال کر ڈالا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہروان کے مقام پر ان کی جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں خارجیوں کے بہت سے لوگ مارے گئے۔ جنگ کے اختتام پر جب بے شمار خارجی قتل ہوئے تو بعض لوگوں کے دل میں شبہ پیدا ہوا تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان نقل کیا کہ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ بعض لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے، اور پھر واپس نہیں لوٹیں گے۔ ان لوگوں میں ایک سیاہ رنگ کا شخص ہوگا جس کا پستان عورتوں کی طرح بڑھا ہوا ہوگا اور اس کے گرد سات (۷) تل ہوں گے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس شخص کو تلاش کیا جائے وہ ضرور ان مقتولین میں ہوگا۔ چنانچہ اس شخص کو مقتولین میں تلاش کیا گیا تو وہ دوسرے مقتولوں کے نیچے دبا ہوا مل گیا۔ اس شخص کے ملنے پر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے زور سے فرمایا: " اللہ اکبر، صدق اللہ و رسولہ " آپ کے ساتھ دوسرے لوگوں نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا اور اس طریقہ سے ان لوگوں کو قتل کرنے کے جواز کے بارے میں جو شبہ تھا، وہ دور ہو گیا۔ ❶

یہ خارجی گروہ ظالم بھی بہت تھا۔ چنانچہ کتابوں میں ان کے ظلم کا ایک واقعہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی سیّدنا خباب بن الارت کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ دوران سفر چند خارجیوں نے ان کو پکڑ لیا، اور پوچھا کہ تم کون ہو؟ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی عبداللہ بن خباب الارت رضی اللہ عنہ ہوں اور یہ میری اہلیہ ہے جو کہ اُمید سے ہے۔ خارجیوں نے ان سے پوچھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے۔ جواب میں عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ چاروں بہترین لوگ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل قدر صحابی تھے۔ بس یہ کہنا تھا کہ خارجیوں نے انھیں ذبح کر ڈالا اور ان کی اہلیہ کا پیٹ چاک کر کے انھیں قتل کر دیا۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ میں ایک عورت ہوں مجھ پر یہ ظلم کر رہے ہو تمھیں کوئی اللہ کا خوف ہے؟" ❷

---

❶ مسند امام احمد بن حنبل ۱/۸۸، ۹۲.

❷ اسد الغابہ ۳/ ۱۵۰، الاصابہ ۲/ ۲۹۱.

Marfat.com

خوارج کی شورش کا قلع قمع:

اگرچہ آپ کے خلیفۃ المسلمین ہوتے ہی ہر طرف امن وسلامتی کا دور دورہ شروع ہوگیا اور مسلمانوں کی برسوں کی باہمی چپقلش محبت ومودت میں تبدیل ہوگئی۔ ادھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے سے سبائی تحریک بھی ظاہری طور پر نیم جان ہوگئی لیکن معاہدۂ تحکیم کے بعد خوارج کا زور بڑھتا گیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا ہوا تھا کہ یہ ایسے لوگ ہوں گے جو قرآن تو پڑھتے ہوں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ فرمایا:

> ''وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح کمان سے تیر۔ وہ اہلِ اسلام کو تو قتل کریں گے لیکن بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔''
>
> ((یقتلون اهل الاسلام ویدعون اهل الاوثان .)) ❶
>
> ''اگر میں نے انھیں پالیا تو انھیں اس طرح قتل کروں گا جس طرح قوم عاد کو قتل اور تباہ کیا گیا۔''

خارجیوں کی سرکوبی:

باوجودیکہ وہ اسلام سے نکلے ہوئے تھے اور ملتِ اسلامیہ سے انھوں نے اپنے آپ کو الگ کیا ہوا تھا۔ قریش کے خلاف ان کے دلوں میں نفرت تھی اور جمہور صحابہ پر لعن طعن کرتے تھے، لیکن پھر بھی قرآن پڑھتے تھے یہاں تک کہ ان کا نام ہی ''قراء'' پڑ گیا۔ نمازیں بہت طویل اور خشوع وخضوع سے پڑھتے تھے۔

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ جنگِ نہروان میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو خوب قتل کیا تھا اور قتل کے بعد ان کی لاشوں کو بے گور وکفن چھوڑ دیا گیا اور ان لوگوں کی نمازہ جنازہ بھی نہ پڑھی لیکن چونکہ ان لوگوں کو اسلام دشمنی ورثہ میں ملی تھی کیوں کہ یہ لوگ بھی اصل میں سبائی ہی تھے، اس لیے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بھی انھوں نے اپنی سرگرمیوں کو بدستور قائم رکھا۔ یہ لوگ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو گمراہ سمجھتے تھے اور ان کے حامیوں کو مباح المال والدّم تصور کرتے تھے۔

---

❶ بخاری ۲/۸۷۲.

Marfat.com

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان لوگوں نے بڑے زور شور سے سر اٹھایا اور سنہ ۴۱ھ میں ایک خارجی فروہ بن نوفل نے کوفہ کے قریب علمِ بغاوت بلند کیا۔ آپ نے اس کے مقابلہ کے لیے فوجیں بھیجیں لیکن انھیں شکست ہوئی۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یہ سمجھتے تھے کہ اس بغاوت میں کوفہ والوں کا ہاتھ ہے، لہٰذا انھوں نے کوفہ والوں کو دھمکی دی۔ اس دھمکی پر اہلِ کوفہ نے فروہ بن نوفل خارجی کو گرفتار کرلیا، لیکن اس کے گرفتار ہوتے ہی خارجیوں نے عبداللہ بن ابی الحوساء کو اپنا سردار بنالیا۔ اہلِ کوفہ نے اسے بھی قتل کردیا۔ اس کے بعد حوثر بن ذراع الاسدی سرداری کے عہدہ پر متمکن ہوگیا۔ غرض کہ سرداروں کے مرنے سے ان کی جانبازی میں کوئی فرق نہ پڑتا۔ ایک سردار مارا جاتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا، اور اس طرح ان کی شورش اور بغاوت کا ایک سلسلہ قائم ہوگیا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بعض روایات کے مطابق اس وقت خود کوفہ میں تھے۔ وہ ان کے اس سلسلہ میں ذرا پریشان ہوئے۔ آپ نے ان کی اس طاقت اور قوت کو توڑنے کے لیے سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جیسے بہترین مدبر کو کوفہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ آپ کی گورنری میں شبیب بن بجیرہ، معین بن عبداللہ اور ابی لیلیٰ وغیرہ نے سر اٹھایا، لیکن آپ نے ایک سال کے قلیل عرصہ میں ان کا زور توڑ دیا۔ پھر سنہ ۴۲ میں مستورد بن علقمہ خارجی نے ایک خفیہ سازش کی کہ عید الفطر کے موقع پر جب لوگ نماز کے لیے جائیں تو ان پر دفعتاً حملہ کردیا جائے۔ سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اس سازش کا علم ہوگیا۔ انھوں نے فوراً اس کا تدارک فرمایا اور جس گھر میں یہ سازش ہورہی تھی اس گھر کا محاصرہ کرلیا۔ مستورد خود تو فرار ہوگیا لیکن اس سازش میں شریک دوسرے لوگ گرفتار کرکے قتل کردیے گئے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرح سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی خیال تھا کہ خارجیوں کی اس شورش میں اہلِ کوفہ کا ہاتھ ہے، اس لیے انھوں نے مناسب سمجھا کہ اہلِ کوفہ کا علاج کیا جائے۔ آپ کی حکمت عملی میں تلوار سب سے آخری شئے تھی، لہٰذا آپ نے اہلِ کوفہ کو جمع کرکے ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔ جس میں فرمایا:

> ''لوگو! میں ہمیشہ تمھارے لیے امن و عافیت کا طلب گار رہوں اور مصائب کے لیے تمھارے راستہ میں رکاوٹ نہیں بننا چاہتا۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ میرے اس طرزِ عمل سے کچھ لوگ بدآموز نہ ہوجائیں، البتہ حلیم اور اہلِ عقل سے اس چیز کی امید نہیں ہے، بخدا! مجھے اندیشہ ہے کہ میں جاہل احمقوں کے ساتھ سنجیدہ اور ناکردہ گناہوں کے مواخذہ پر

Marfat.com

مجبور نہ ہو جاؤں۔ قبل اس کے کہ تم پر کوئی مصیبت آئے تم اپنے کم عقل آدمیوں کو روک لو۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ کچھ لوگ منافقت اور مخالفت کا بیج بو رہے ہیں۔ واللہ! وہ لوگ عرب کے جس قبیلے سے بھی متعلق ہوں گے، میں ان کو ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دوں گا اور ان کو ان کے بعد آنے والوں کے لیے عذاب اور عبرت کا نمونہ بناؤں گا۔''[1]

آپ کی اس تقریر کا بہت اثر ہوا۔ تقریر کے فوراً بعد ہی ایک کوفی سردار معقل بن قیس نے اٹھ کر کہا:

''آپ ایسے کم عقل لوگوں کا ہمیں پتہ بتائیں۔ ہم خود ان کا علاج کر لیں گے اور اگر وہ ہم میں سے نہیں ہوں گے تو ہم ان کے قبائل کو حکم دیں گے کہ وہ ایسے ناعاقبت اندیش لوگوں کو پکڑ کر آپ کے حوالہ کر دیں۔ سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایسے لوگوں کے ناموں سے آشنا نہیں ہوں۔ اس پر معقل بن قیس نے کہا کہ پھر ہر قبیلہ کا ذمہ دار آدمی اپنے اپنے قبیلہ کی ذمہ داری لے اور سب سے پہلے میں اپنے قبیلہ کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ اس معقول تجویز کو سب نے قبول کیا، لہٰذا تمام قبائل کے سرداروں کو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے اپنے قبیلوں کے ذمہ دار ہو، اور اگر کچھ گڑبڑ ہوئی تو اس کا خمیازہ تم لوگوں کو بھگتنا پڑے گا۔ اس دھمکی پر تمام سردارانِ قبائل نے اپنے اپنے قبیلہ کے ان ناعاقبت اندیش لوگوں کی روک تھام شروع کر دی۔ مستورد نے جب یہ حالات دیکھے تو وہ اپنے قبیلہ کو چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہر نکل گیا۔ سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے معقل بن قیس کی ماتحتی میں اس کے مقابلہ کے لیے فوجیں بھیجیں۔ دونوں میں کافی معرکے ہوئے لیکن میدان مستورد اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھ ہی رہا۔ آخر میں مستورد اور معقل بن قیس دونوں نے ایک دوسرے کا خاتمہ کر دیا۔''[2]

ان معرکوں میں خارجیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کام آئی اور جو بچ گئے وہ بھی منتشر ہو گئے جس سے مستورد اور اس کے ساتھیوں کا کافی حد تک زور ٹوٹ گیا۔

---

[1] ابن اثیر: ۳/۳۱۲۔ طبری: ۶/۱۰۶۔

[2] ابن اثیر: ۳/۲۱۷۔ البدایہ والنہایہ: ۸/۲۴۔۲۵۔

Marfat.com

بصرہ کی شورش:

عراق کا پورا علاقہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ماتحت تھا اور سبائی تحریک کا مرکز بنا ہوا تھا۔ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے جب امیر المومنین سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت فرمالی تو سبائیوں کو اس سے بہت دھچکا لگا۔ وہ ظاہری طور پر تو اب کچھ کر نہیں سکتے تھے البتہ اندرونی طور پر انھوں نے مختلف قسم کی شرارتیں اور سازشیں کرنا شروع کر دیں۔ کوفہ کی اس شورش کو تو مدبر اسلام سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اپنی حکمت عملی سے ختم کر دیا لیکن بصرہ کی حالت نہایت خراب تھی۔ یہاں کے گورنر سیّدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ کچھ غیر معمولی حلیم الطبع اور نرم خو واقع ہوئے تھے۔ وہ فسادیوں اور فتنہ پردازوں پر بھی سختی کو روا نہیں سمجھتے تھے۔ نتیجہ یہ ہو کہ بصرہ فتنہ وفساد کی آماجگاہ بن گیا۔

زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے جو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سوتیلے بھائی تھے، بصرہ کے گورنر عبداللہ بن عامر کو سختی کرنے کی ہدایت کی لیکن انھوں نے اس ہدایت پر عمل نہ کیا۔ یہاں کے حالات روز بروز بد سے بدتر ہو رہے تھے، اس لیے یہاں کے عوام نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے حالات کی درستی کی اپیل کی۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے کہ یہ سب کچھ گورنر کی نرمی کی وجہ سے ہو رہا ہے، اس لیے انھوں نے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے اس کی جگہ حارث بن عبداللہ ازدی کو گورنر مقرر فرمایا لیکن یہ بھی بصرہ کے حالات کو روبہ اصلاح نہ کر سکے۔ آخر ۴ ماہ کے بعد سنہ ۴۵ھ میں زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو وہاں کا گورنر مقرر کیا گیا، اور سچی بات یہ ہے کہ یہاں کے لوگوں کے لیے یہ نہایت موزوں آدمی تھے۔ یہ نہایت قادر الکلام مقرر اور شعلہ بیان خطیب تھے۔ انھوں نے آتے ہی ایک ایسی تقریر کی جو زور بیان اور الفاظ کے شکوہ کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھی۔ اس تقریر کے آخر میں آپ نے فرمایا:

> ''میرے اور قوم کے درمیان جو کینہ اور عداوت تھی وہ آج میں نے اپنے پاؤں تلے روند دی ہے۔ میں کسی سے محض دشمنی کی وجہ سے مواخذہ نہیں کروں گا اور نہ کسی کے عیوب کی پردہ دری کروں گا، مگر یہ کہ وہ خود میرے سامنے بے نقاب نہ ہو جائے۔ بے نقاب ہونے کے بعد بھی میں یہی کوشش کروں گا کہ اس سے چشم پوشی کروں۔ تم میں اگر کوئی محسن ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے احسان میں زیادتی ہی کرے اور اگر کوئی برا ہے تو اسے اپنی برائیوں سے یک قلم باز آ جانا چاہیے۔ تم لوگ اطاعت وفرماں برداری سے میرے

Marfat.com

ساتھ تعاون کرو، حق تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا۔ ❶ ابن اثیر نے "الکامل" میں یہ خطبہ کافی طویل نقل کیا ہے جو کہ فصاحت و بلاغت کا ایک شاہکار ہے۔" ❷

یہ تو زبانی فہمائش تھی لیکن یہ لوگ زبانی فہمائش سے سمجھنے والے نہیں تھے، لہٰذا آپ نے ساتھ ہی بصرہ میں رات کا کرفیو لگا دیا۔ پولیس کی بھاری جمعیت راتوں کو گشت کرتی اور وقت مقررہ کے بعد جو شخص باہر نظر آتا اسے گرفتار کر لیا جاتا۔ اس سختی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بصرہ کی حالت بہت جلد درست ہو گئی اور مملکتِ اسلامیہ میں کافی حد تک فتنہ پردازوں کا خاتمہ ہو گیا۔

زیاد بن ابی سفیان کے بارے میں بعض لوگوں کے ذہنوں میں بہت سی غلط فہمیاں پیدا کی گئی ہیں۔ بتایا یہ جاتا ہے کہ وہ بہت ظالم تھے، حالانکہ یہ غلط ہے۔ بصرہ اور کوفہ چونکہ سبائی مرکز تھے اور سبائی جہاں آئے روز خلافت اسلامیہ کے خلاف شورش برپا کرتے رہتے تھے، ان کی شورش کو انھوں نے اپنی منتظمانہ قابلیت سے فرو کیا، جس میں ہمیشہ کچھ سختی بھی کرنا پڑتی تھی، لہٰذا انھی لوگوں نے ان کو درشت مزاج، سنگ دل اور جلاد قسم کے الفاظ سے یاد کیا، حالانکہ تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ نہایت نیک دل اور زاہد شب زندہ دار شخص تھے۔ چنانچہ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ((کان یعد من الزهاد .)) ....."وہ زاہدوں میں شمار ہوتے تھے۔" ❸ یہ جنگِ جمل میں غیر جانب دار رہے:

((کان زیاد ممن اعتزل یوم الجمل ولم یشهد المعرکة وقعد فی بیت رافع بن الحارث .)) ❹

"زیاد ان لوگوں میں سے تھے، جو جنگِ جمل میں غیر جانب دار رہے تھے اور جنگِ جمل میں شریک نہ ہوئے اور رافع بن حارث کے گھر میں بیٹھے رہے۔"

سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے حالات کو بالکل درست کر دیا، لیکن سنہ ۵۰ ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اندیشہ تھا کہ کہیں پھر فتنہ پرداز اپنی خفیہ سازشوں کو بروئے کار نہ لے آئیں، لہٰذا ضروری تھا کہ سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جیسا مدبر ہی کوفہ کا گورنر بنایا جائے۔ زیاد بن

---

❶ اخبار الطوال، ص: ۲۱۹۔ ۲۲۰.
❷ ابن اثیر: ۳/ ۳۲۳.
❸ ابن عساکر: ۵/ ۴۰۶.
❹ تاریخ ابن عساکر: ۵/ ۴۰۸.

Marfat.com

ابی سفیان کے تدبر اور حکمت عملی کو سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی تسلیم کیا تھا۔ ❶ اور خود سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے تدبر اور ان کی عدل گستری کی وجہ سے سنہ ۳۹ھ میں ان کو فارس کا گورنر مقرر فرمایا۔ ❷ اس لیے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی گورنری بھی زیاد ہی کے سپرد فرمادی۔ اس لحاظ سے زیاد سب سے پہلے آدمی ہیں، جو بیک وقت کوفہ اور بصرہ دونوں صوبوں کے گورنر تھے۔ آپ چھ ماہ کوفہ میں رہتے اور چھ ماہ بصرہ میں۔ ❸

کوفہ کے لوگ چونکہ ان کے مزاج سے آشنا نہیں تھے، لہٰذا ان کے گورنر ہوتے ہی انھوں نے معمولی سی شورش برپا کی۔ زیاد بن ابی سفیان نے سختی سے ان کی شورش کو بالکل دبا دیا۔

بغاوتیں:

ان اندرونی شورشوں کے علاوہ متعدد مفتوحہ علاقوں میں معمولی بغاوتیں بھی ہوئیں، لیکن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان بغاوتوں پر جلد ہی قابو پالیا۔ آپ کے امیر المؤمنین ہونے کے ساتھ ہی سنہ ۴۱ھ میں ہرات، بلخ، بادغیس اور بوشنج وغیرہ علاقوں کے باشندوں نے بغاوت کی۔ مشرقی ممالک کے گورنر سیّدنا عبداللہ بن عامرؓ نے ان بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے قیس بن ہیثم کو خراسان کی گورنری پر مامور کیا۔ گورنر مقرر ہونے کے بعد قیس خراسان سے بلخ پہنچے اور یہاں کے باشندوں کی بغاوت کو فرو کیا اور بلخ کے مشہور آتش کدۂ نوبہار کو مسمار کیا، جس سے باغیوں کے قلوب پر بہت رعب پڑا۔ عبداللہ بن خازم نے ہرات اور دوسرے علاقوں کی بغاوتوں کو فرو کر کے انھیں زیر کیا۔ ❹

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں مسلمانوں نے کابل اور اس کے ملحقہ علاقوں کو بھی اپنے مقبوضات میں شامل کرلیا تھا، لیکن بعد میں مسلمانوں کی آپس کی چپقلش نے ان کو پھر سر اُٹھانے کا موقع دے دیا۔ چنانچہ سنہ ۴۳ھ میں یہاں کے باشندوں نے بغاوت کردی۔ سیّدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہما نے عبدالرحمٰن بن سمرہ کو سجستان کا والی بنا کر بھیجا اور کابل اور اس کے ملحقات کی بغاوت فرو کرنے کی خاص ہدایات دیں۔ آپ نے آتے ہی کابل کا محاصرہ کرلیا اور منجنیقوں کے ذریعے سنگ باری کر کے

---

❶ تاریخ ابن عساکر: ۵/ ۴۰۶، ۴۰۷۔ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۲۹.

❷ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۳۲۰.

❸ ابن اثیر: ۳/ ۲۲۸۔ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۳۳۔ کتاب الوسیط احمد الاسکندری، ص: ۱۱۷.

❹ ابن اثیر: ۳/ ۲۰۸.

Marfat.com

شہر کی فصیل کو شق کر دیا۔ عباد بن حصین ساری رات ان شگافوں کی نگرانی کرتے رہے کہ کہیں دشمن ان کو پر نہ کر دیں۔ شہر والوں نے جب اپنی رہائی کا کوئی چارہ نہ سمجھا تو شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کیا، لیکن مسلمانوں کی قوت کی تاب نہ لا کر شکستِ فاش کھائی۔ ❶ یعقوبی نے لکھا ہے کہ شہر پناہ کے دربان نے شہر کا پھاٹک کھول دیا تھا۔ ❷ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ابن اثیر: ۲/۲۱۷۔ تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۱/۱۶۰۔ فتوح البلدان، ص: ۴۰۳۔ الیعقوبی ۲/۲۱۷)

کابل کی فتح کے بعد اسلامی لشکر نے بست کا رُخ کیا اور وہاں بھی وہ حالات کو جلد اپنے قابو میں لے آئے۔ یہاں کے حالات پر قابو پانے کے بعد لشکر اسلام نے زران کا رخ کیا۔ یہاں کے لوگوں نے بغیر جنگ کے سپر ڈال دی اور خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر ہی شہر پر قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد طخارستان کو زیر کیا گیا اور پھر رنج پر قبضہ کرتے ہوئے اسلامی لشکر غزنہ پہنچا۔ اہلِ غزنہ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا، لیکن شکستِ فاش کھائی۔ اس طرح پورے باغی علاقے پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا اور بجستان سے لے کر غزنہ تک پورا علاقہ جو بغاوت کی وجہ سے مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا، دوبارہ مسلمانوں کی ماتحتی میں آ گیا۔ ❸

سنہ ۴۷ھ میں غوریوں نے بغاوت کی لیکن حکم بن عمرو غفاری نے اسے جلد ہی فرو کر دیا۔ ❹ غرض کہ جہاں بھی فتنہ و بغاوت کے آثار نظر آئے، فوراً ان کا تدارک کیا گیا، اور چار پانچ ماہ کے مختصر عرصہ ہی میں مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی سے ملک میں فساد اور بغاوت کی جو ہوائیں چلی تھیں، درشتی اور نرمی سے ان کے رخ کو پھیر دیا گیا اور حالات یہاں تک خوش گوار ہو گئے کہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانوں کی یادیں مسلمانوں کے ذہنوں اور نظروں کے سامنے پھرنے لگیں۔

فتوحات

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں بیرونی فتوحات کا سلسلہ یک قلم منقطع ہو چکا تھا، کیوں کہ مسلمانوں کو اپنی ان خانہ جنگیوں سے فرصت نہیں ملتی تھی، جو دشمنانِ اسلام نے ان کے مابین پیدا

---

❶ ابن اثیر: ۳/ ۲۱۷.
❷ ابن اثیر: ۳/ ۲۱۷.
❸ الیعقوبی: ۲/ ۲۵۸۔
❹ ابن اثیر: ۳/ ۲۲۶.

Marfat.com

کردی تھیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ بیرونی دشمن ایک دوسرے کو اُکساتے اور خلافتِ اسلامیہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہتے تھے، جس کی بنیاد سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رکھی تھی۔ چنانچہ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ جن دنوں جنگِ صفین ہو رہی تھی اِنھی دنوں قیصر روم نے اسلامی سرحدوں پر اپنی فوج کو جمع کرنا شروع کر دیا، تاکہ مسلمانوں کے اس انتشار اور خلفشار سے فائدہ اُٹھائے ہوئے ان پر اچانک حملہ کر دیا جائے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے اسی وقت قیصر روم کو ایک زبردست دھمکی آمیز خط لکھا:

((یالعین! واللّٰہ! لئن لم تنته وترجع الیٰ بلادك، لاصطلحن انا وابن عمّی علیك ولاخرجنك من جمیع بلادك، ولاضیقن علیك الارض بما رحبت.)) ❶

''اے لعین! بخدا! اگر تو اس کام سے باز نہ آیا اور اپنے لشکروں کے ساتھ اپنے شہروں میں واپس نہ چلا گیا تو میں اور میرا چچازاد بھائی (علی رضی اللہ عنہ) دونوں آپس میں تیرے خلاف صلح کر لیں گے اور تجھے تیرے تمام شہروں سے نکال باہر کریں گے اور زمین کو اس کی وسعت کے باوجود تجھ پر تنگ کر دیں گے۔''

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس جواب سے قیصرِ روم خوف زدہ ہو گیا اور اپنی فوجوں کو لے کر واپس چلا گیا، بلکہ صلح کے لیے ایک وفد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔

قیصر روم کو یہ جرأت صرف اس وجہ سے ہوئی کہ مسلمان باہمی خانہ جنگیوں کا شکار تھے اور بیرونی فتوحات کا سلسلہ بالکل معطل ہو چکا تھا۔ آخر پانچ چھ سال کے بعد جب زمامِ خلافت سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے فتوحات کا پھر وہی سلسلہ قائم کر دیا جو خلافت صدیقی، خلافت فاروقی اور خلافت عثمانی میں تھا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ؛

((الجهاد فی بلاد العدو قائم، وکلمة اللّٰه عالیة، والغنائم ترد الیه من اطراف الارض، والمسلمون معه فی راحةٍ وعدلٍ وصفحٍ وعفو.)) ❷

---

❶ البدایه والنهایه: ۸/ ۱۱۹.

❷ البدایه والنهایه: ۸/ ۱۱۹.

Marfat.com

''سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں دشمن کے ممالک میں جہاد کا سلسلہ جاری تھا اور اللہ کا کلمہ بلند ہو رہا تھا اور غنیمتیں زمین کے گوشے گوشے سے سمٹ کر آپ کے پاس آ رہی تھیں اور مسلمان آپ کے دورِ خلافت میں عدل و انصاف اور راحت و آرام سے اپنی زندگی کے دن گزار رہے تھے۔''

گویا کہ ہر جانب مُرفہ حالی کا دور دورہ تھا۔ سلطنت کی پہنائیوں اور حدود و ثغور میں ہر جانب اضافہ ہو رہا تھا۔ بحری بیڑا تو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت ہی میں آپ نے تیار کر لیا تھا۔ اب ملک کی بحریہ کو اچھی خاصی ترقی دی گئی، جس کے باعث سمندر پار کے علاقوں میں بھی اسلامی پھریرا لہرانے لگا۔ رعیت کی گرویدگی آپ کے ساتھ پوری طرح وابستہ تھی اور آپ کے حسنِ سلوک نے رعایا کے ہر فرد کے دل کو موہ لیا تھا۔ اسی لیے تو حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو کہنا پڑا:

''سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا رعایا سے حسن سلوک بہترین حکمرانوں کی طرح تھا، اور آپ کی رعایا کو آپ سے انتہائی محبت تھی اور بخاری اور مسلم کی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تمھارے بہترین امام اور حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، تم ان کے لیے دُعائیں کرو اور وہ تمھارے لیے دُعائیں کریں۔ اور تمھارے بدترین امام اور حکمران وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں، اور تم ان پر لعنتیں بھیجو اور وہ تم پر لعنتیں بھیجیں۔''

تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں، آپؓ نے جہاں بیرونی فتوحات کیں، وہاں اندرونِ ملک بھی پبلک اور رعایا کی بہتری کے لیے مختلف اصلاحات نافذ کیں، جن سے لوگوں کو دینی اور دنیوی دونوں لحاظ سے بہت فائدہ ہوا۔ جب رعایا خوش حال ہو تو بیرونِ ملک لوگ بھی یہ خواہش کرتے ہیں کہ ہم بھی اس عادل اور منصف حکمران کی رعایا بنیں۔ چنانچہ مشہور مؤرخ سیّد امیر علی نے لکھا ہے:

"On the whole Muawiyah's rule was prosperous and peaceful at home and successful abroad." ❶

---

❶ Syed Amir Ali, History of saracens. P: 82.

Marfat.com

''یعنی مجموعی طور پر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت اندرونِ ملک بڑی خوش حال اور پرامن تھی اور خارجہ پالیسی کے لحاظ سے بڑی کامیاب تھی۔''

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جنگی لحاظ سے بھی نہایت تجربہ کار شخص تھے اور کئی سالوں سے اسلامی لشکروں کی قیادت کر رہے تھے اور نہ صرف آپ بلکہ آپ کا پورا خاندان اسی میدان کا شہ سوار تھا، لہٰذا ملکی بغاوتوں اور شورشوں سے فراغت کے بعد آپ نے سلطنت اسلامیہ کی پہنائیوں اور حدود وثغور میں وسعت اور اضافہ کی طرف توجہ فرمائی اور اسلامی پرچم سمندروں کے سینوں کو چیرتے ہوئے جہازوں اور دشت وصحرا میں دوڑتے ہوئے گھوڑوں کی مدد سے بحر و بر میں لہرانے لگا۔

بخارا اور سمرقند وغیرہ کی فتح:

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی میں افریقہ اور خصوصی طور پر شمالی افریقہ کا کافی حصہ اسلامی حکومت میں شامل ہو چکا تھا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ چونکہ باہمی خانہ جنگیوں پر مشتمل تھا، جس کے نتیجہ میں بیرونی فتوحات یک قلم رُک گئی تھیں اور اسلامی حکومت کی حدود وثغور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جہاں تھیں، وہیں تک رُک گئیں، بعض نئے مفتوحہ علاقے بغاوت کی وجہ سے ہاتھ سے نکل گئے۔

لیکن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پھر سے اُسی طرح فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا، جس طرح سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانوں میں تھا، اور اسلام اور اس کے دشمنوں کے دلوں میں پھر سے اہلِ اسلام کی سطوت اور ان کا رعب اور دبدبہ بیٹھ گیا۔ اور افریقہ اور دوسرے دور دراز کے علاقوں میں اسلامی پھریرا اپنی پوری آب وتاب سے لہرانے لگا۔ اور ملک کی حدود وثغور میں پھر اضافہ ہونا شروع ہو گیا، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ جن جن مقامات پر شورش یا بغاوت نے سر اُٹھایا تھا اور لوگوں نے نقضِ عہد کر کے فتح کے اس معاہدے کو توڑا، جو اہلِ اسلام کے ساتھ ان کا ہوا تھا، سیّدنا معاویہؓ نے اس کا سخت نوٹس لیا اور اپنے جرنیلوں کے ذریعے ان لوگوں کی سخت گوش مالی کی۔ آپ بڑے مردم شناس تھے۔ جس علاقہ کے لیے جون سا شخص مناسب ہوتا اس کو وہیں متعین کیا جاتا۔ جیسے آپ نے سنہ ۴۵ ھ میں حارث بن عبداللہ الازدی کو بصرہ کا والی بنایا، لیکن صرف چار ماہ کے بعد اس کو وہاں سے ہٹا دیا اور اس کے بجائے زیاد بن ابی سفیان کو بصرہ کا والی مقرر کر دیا۔ جونہی زیاد نے بصرہ کا چارج سنبھالا تو

Marfat.com

اس نے صحابہ کی ایک جماعت سے تعاون حاصل کیا۔ چنانچہ سیّدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو بصرہ میں منصبِ قضا پر مقرر فرمایا اور سیّدنا الحکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کو خراسان کے علاقہ میں نائب مقرر کیا اور جہاد کا منصب بھی انھیں دیا۔ یوں انھوں نے اپنے اس منصب سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے جبل الاسل کے علاقہ میں جہاد کا سلسلہ شروع کیا اور مختلف علاقوں کو فتح کر کے بہت سا مالِ غنیمت حاصل کیا۔ اسی طرح سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ اور سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ زیاد بن ابی سفیان کے دورِ گورنری میں نیابت کے طور پر اسلامی خدمات انجام دیتے رہے۔

سنہ ۴۶ھ میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن سمرہؓ کو سجستان کی امارت سے تبدیل کر کے ان کی جگہ ربیع بن زیاد حارثی کو والی بنایا۔ بعض روایات میں ہے کہ زیاد بن ابی سفیان نے ربیع بن زیاد حارثی کو خراسان کا گورنر بنایا۔ انھوں نے بلخ کو صلحاً فتح کیا۔ پھر انھوں نے ماوراء النہر کے علاقہ میں سنہ ۵۱ھ میں جہاد کیا۔ ان سے قبل حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ دریائے جیحون کو عبور کر کے یہاں پہنچے تھے۔ ان کے بعد پھر ربیع ابن زیاد الحارثی اس علاقہ میں پہنچے اور ماوراء النہر کے علاقہ میں جہاد کیا اور بہت سا مال غنیمت حاصل کر کے واپس آئے۔ ❶ اس علاقہ کی جنگوں میں سیّدنا سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان نے بھی بہت حصہ لیا اور بخارا اور سمرقند کا علاقہ اِنھی کے ہاتھوں فتح ہوا اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں بخارا کا گورنر بھی مقرر کیا۔ ❷

مؤرخین نے لکھا ہے کہ خراسان کے علاقہ میں بے شمار جنگی مہمات پیش آئیں۔ اور اس دور میں کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان جنگوں میں شریک ہوئے۔ جن میں ایک سیّدنا قثم بن عباسؓ بن عبدالمطلب بھی تھے۔ سیّدنا قثم بن عباس رضی اللہ عنہ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کئی دفعہ اپنا ردیف بنایا۔ آپ کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہری مشابہت بھی تھی۔ ❸

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ مکہ کے گورنر رہے اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کی جنگی مہمات میں بھی شامل رہے۔ خراسان کے معرکہ میں سیّدنا سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کی قیادت میں اپنے جنگی جوہر دکھائے۔ پھر سمرقند کے معرکہ میں جامِ شہادت نوش فرمایا اور وہیں سمرقند میں ان کا

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۵۶.
❷ الیعقوبی، ص: ۴۱.
❸ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۲۹۲۔ الاصابہ: ۳/ ۲۱۸.

Marfat.com

مزار مرجعِ خاص و عام ہے۔ ❶

طبرستان کا علاقہ بھی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں فتح ہوا۔ عبداللہ بن عامر نے ان علاقوں کو فتح کیا۔ بعض روایات کے مطابق اس کے فاتح سیّدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ تھے، خلیفہ بن خیاط کی روایت کے مطابق مصقلہ نے اس علاقہ کو فتح کیا اور اس کے اردگرد کے تمام علاقہ جات خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں ان کے جرنیلوں نے فتح کیے۔

فتح سندھ:

سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آپ نے راشد بن عمرو الجدیدی کو حاکم مقرر کیا اور انھوں نے سندھ کی طرف پیش قدمی کی اور سندھ پر کئی حملے کیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فتح و نصرت کے پھریرے لہراتے ہوئے دور تک چلے گئے۔ پھر عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں اِنھی الجدیدی کو مکران کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اسی دوران میں سیّدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی مساعی سے کابل فتح ہوا اور وہاں مخالفین کے کئی لوگوں کو قیدی بنالیا گیا جو بعد میں بہت مشہور ہوئے، جیسے مکحول اور نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ۔

پھر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں سنہ ۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ نے سرزمینِ ہند کی طرف اقدام کیا اور قندابیل کے مشہور شہر تک جا پہنچے۔ پھر وہاں سے اہواز کی طرف پیش قدمی کی اور دشمنانِ اسلام کو شکست دیتے ہوئے اور غنائم کثیرہ حاصل کرتے ہوئے واپس لوٹے۔ کچھ دنوں کے بعد عبداللہ بن عامر نے عبداللہ بن سوار العبدی کو ہندوستان کی طرف بھیجا۔ انھوں نے بھی بہت سے علاقے کو فتح کیا اور بہت سے دوسرے مالِ غنیمت کے ساتھ ساتھ قیقانی گھوڑے بھی حاصل کیے۔ یہ ایک خاص نسل کے گھوڑے تھے، جو انھوں نے سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیے۔ بعد میں عبداللہ کی شہادت بھی قیقان کے علاقہ میں ہوئی۔ ❷

یہ سارا علاقہ بصرہ کی گورنری کے تحت آتا تھا۔ عبداللہ بن عامر کے بعد بصرہ کے گورنر زیاد بن

---

❶ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۲۹۲۔ الیعقوبی: ۲/ ۲۳۷.

❷ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۱/ ۱۹۱۔ تاریخ اسلام ذہبی: ۲/ ۲۱۰۔ ابن اثیر: ۳/ ۲۲۱۔ فتوح البلدان بلاذری، ص: ۱۲۸ وغیرہ۔

Marfat.com

ابی سفیان بنائے گئے تو انھوں نے سندھ کے علاقوں پر سنان بن مسلمہ الھذلی کو والی بنایا۔ سنان ایک باصلاحیت انسان تھے۔ انھوں نے مکران کو فتح کر کے وہاں مختلف آبادیاں قائم کیں اور کچھ عرصہ وہیں مقیم رہے۔ ❶

کچھ عرصہ کے بعد زیاد بن ابی سفیان نے المنذر بن جارود کو یہاں کا والی بنایا۔ انھوں نے البوقان اور القیقان کے علاقوں کو فتح کیا اور بہت سا مالِ غنیمت حاصل کیا۔ اس علاقہ کو پہلے مسلمان جرنیل سنان بن مسلمہ نے فتح کیا تھا، لیکن یہاں کے لوگ خلافت اسلامیہ کی اطاعت سے منحرف ہو گئے۔ اس وجہ سے دوبارہ المنذر بن جارود نے ان کے زیرنگین کیا۔ ❷

سنہ ۵۳ھ میں زیاد کا انتقال ہو گیا تو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ ان کے بیٹے عبیداللہ بن زیاد کو خراسان کا والی مقرر کیا۔ عبیداللہ بن زیادہ نے بخارا اور اس کے گرد و نواح کے عام علاقوں کو فتح کیا۔ اس دور میں یہ علاقہ ترکوں کے زیرنگین تھا۔ ابن زیاد نے دو سال تک خراسان میں قیام کیا اور یہاں کے تمام انتظامی اُمور کو درست کیا۔ ❸ عبیداللہ کی جگہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر کیا۔ انھوں نے جیسا کہ بتایا گیا ہے دریائے جیحون کو پار کر کے پیش قدمی کی اور تمام علاقوں میں سلسلۂ جہاد شروع کیا۔ انھوں نے بخارا اور سمرقند کے تمام علاقے فتح کیے۔ بخارا کی حکمران قبق نامی ایک خاتون تھی، اس نے سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ سے صلح کی پیش کش کی، لیکن اس کی عوام اس صلح پر راضی نہ ہوئی۔ چنانچہ سوا لاکھ آدمی اکٹھے ہو کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے نکلے۔ قبق جو صلح پر راضی تھی، اپنی فوج کا یہ نقشہ دیکھ کر وہ بھی صلح سے منحرف ہو گئی اور اپنی فوج سے مل کر مقابلہ کے لیے نکلی۔ چنانچہ دونوں طرف فوجوں کا سخت مقابلہ ہونا تھا، لیکن مقابلہ سے قبل ہی قبق کی فوج میں پھوٹ پڑ گئی۔ فوج کا یہ انتشار دیکھ کر قبق نے دوبارہ صلح کر لی اور اب کی دفعہ اس کی فوج بھی صلح پر رضامند ہو گئی۔ اس طریقہ سے لڑائی کے بغیر بخارا کا پورا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ قبق کے تعاون ہی سے مسلمانوں نے پھر سمرقند پر حملہ کیا۔ اہلِ شہر نے شہر بند ہو کر مقابلہ کیا جس میں سیّدنا سعید

---

❶ فتوح البلدان، ص: ۱۲۹.

❷ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فتوح البلدان، ص: ۴۳۹۔ تاریخ الاسلام ذھبی: ۲/ ۲۱۰۔ الیعقوبی: ۲۳۴.

❸ ابن اثیر: ۳/ ۲۴۷.

Marfat.com

بن عثمان رضی اللہ عنہ اور سیّدنا مہلب بن ابی صفرہؒ جیسے بہادر جرنیلوں کی ایک ایک آنکھ ضائع ہوگئی، لیکن مسلمان عزم کے ساتھ جمے رہے۔ کافی دِنوں کے بعد اہلِ شہر کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ مسلمان بغیر فتح کیے واپس نہیں جائیں گے۔ چنانچہ انھوں نے ساٹھ لاکھ درہم سالانہ پر صلح کرلی اور شرط یہ ٹھہرائی کہ مسلمان شہر کے ایک دروازہ سے داخل ہو کر دوسرے دروازہ سے نکل جائیں۔ اس کے بعد مسلمانوں نے ترمذ پر حملہ کیا۔ وہاں کے لوگوں نے لڑائی کے بغیر ہی صلح کرلی۔ ❶

افریقہ کی فتوحات:

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ بلادِ افریقہ تک پہنچ چکا تھا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں افریقہ کے شہروں کی طرف بھی خصوصی توجہ فرمائی۔ ان علاقوں کی فتوحات کے لیے آپ کو ایک بہترین کمانڈر میسر آ گیا، جن کا نام رویفع بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ تھا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ یہ مصر کی فتح میں بھی شریک تھے۔ مصر کے فتح ہونے کے بعد وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں ایک افریقی علاقہ کے لیے انھیں لشکر کا جرنیل مقرر فرمایا۔ چنانچہ ان کی زیرِ قیادت سنہ ۴۶ھ میں طرابلس فتح ہوا۔ بلادِ مغرب کی فتوحات میں انھوں نے بہت کام کیا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سیّدنا مسلمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہ کی جانب سے برقہ کے والی مقرر ہوئے اور سنہ ۵۶ھ میں آپ کا وہیں انتقال ہوگیا۔ ❷

عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ ایک بہترین جرنیل:

رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے علاوہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک اور بہترین جرنیل میسر آ گیا، جس نے افریقہ کے بہت بڑے علاقہ کو فتح کرکے وہاں دینِ اسلام کی شمع روشن کی۔ اس جرنیل کا نام نافع بن عقبہ الفہری تھا۔ یہ فاتح مصر سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ یہ صحابی نہیں بلکہ تابعی تھے، لیکن حق تعالیٰ شانہ نے سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی طرح ان کو بے شمار صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ یہ نہایت قابل اور تجربہ کار جرنیل تھے۔ صرف دس ہزار مجاہدین پر مشتمل لشکر

---

❶ فتوح البلدان، ص: ٤١٧، ٤١٨۔ تاریخ خلیفه بن خیاط: ١/ ٢١٢.

❷ البدایه والنهایه: ٨/ ٦١۔ تهذیب التهذیب: ٢/ ٢٩٩.

Marfat.com

لے کر افریقہ گئے اور ایک وسیع علاقہ فتح کیا، جس میں سوڈان، برقہ اور بربروں کا علاقہ بھی شامل تھا۔ ایک خالہ زاد بھائی سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر کو فتح کیا اور دوسرے خالہ زاد بھائی عقبہ بن نافع الفہری رضی اللہ عنہ بلادِ افریقہ کے فاتح تھے۔ ذٰلك فضل الله يوتيه من يشاء . ❶

عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے سنہ ۴۱ ھ میں شمالی افریقہ کی طرف لشکر کشی کی اور نورتہ اور زناتہ کے علاقوں کو فتح کیا۔ پھر سنہ ۴۲ ھ میں غدامس پر قبضہ کیا اور سنہ ۴۳ ھ میں سوڈان کے بعض علاقوں کو اسلامی حکومت میں شامل کرلیا۔ ❷

اسی زمانہ میں معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے افریقہ کے ایک ساحلی شہر نبرات کو فتح کیا۔ پھر سنہ ۴۵ ھ میں آپ نے دوبارہ بڑے اہتمام سے لشکر کشی کی۔ سیّدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، سیّدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عبدالملک بن مروان رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ اور اکابر قریش اس لشکر کے ہمراہ تھے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے سوسہ جبکہ عبدالملک بن مروان نے جلولاء فتح کیا۔ ❸

اسی دوران جب وہ مجاہدین کے لشکر کے ہمراہ ایک پہاڑ پر پہنچے تو وہاں انھیں شدید بارش کا سامنا ہوا۔ بارش اتنی زیادہ تھی کہ بعد میں اس پہاڑ کا نام ہی ''الجبل المطور'' مشہور ہوگیا۔ ❹ افریقی پہاڑی علاقہ میں اس قدر موسلا دھار بارشوں کے سلسلہ کا یہ منظر گویا اس صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک کرامت تھی۔

اِنھی صحابی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت، جو ایک بہترین سپہ سالار تھے، ایک سرسبز و شاداب سمندری جزیرہ صقلیہ کی طرف بھی پیش قدمی کی گئی۔ یہ جزیرہ صقلیہ پر ان کا پہلا حملہ تھا۔ اس کے بعد اور بھی کئی حملے کیے اور بالآخر اِسی جزیرہ کو فتح کرلیا گیا۔ علامہ اقبال مرحوم نے اسی جزیرہ کے بارے میں ایک نظم لکھی تھی، جس کا پہلا شعر یہ تھا:

رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خون نابہ بار
وہ نظر آتا ہے تہذیبِ حجازی کا مزار ❺

---

❶ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تاریخ ابن عساکر: ۱۱/ ۷۱۹۔ اسد الغابہ: ۳/ ۱۲۰۔ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۲۱۷.

❷ ابن اثیر: ۳/ ۲۰۹.

❸ المونس، ص: ۲۵.

❹ تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۱/ ۱۹۲.

❺ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فتوح البلدان، ص: ۲۴۴۔ تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۱/ ۱۹۲.

Marfat.com

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے اپنی فتوحات کے دوران اپنے ایک سپہ سالار عبدالملک بن مروان کو جلولاء کی فتح کے لیے بھیجا۔ جلولاء قیروان سے ۲۴ میل دور افریقہ کا ایک مشہور شہر تھا۔ یہ علاقہ نہایت زرخیز اور سرسبز و شاداب تھا اور مختلف قسم کے پھل، دریا، باغات، خوشبودار درخت اور چشمے نہایت کثرت سے تھے، جو زمین کی زرخیزی پر دلالت کرتے ہیں۔ عبدالملک بن مروان نے جلولاء کو فتح کیا تو اس کی فتح کی خوشخبری لے کر وہ سیّدنا معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ یہاں سے اتنا مالِ غنیمت حاصل ہوا کہ ہر مجاہد کو دو دو سو درہم حاصل ہوئے، جب کہ گھڑ سواروں کو چار سو درہم ملے۔ ❶

افریقہ میں سیّدنا معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کے کارنامے بہت مشہور ہیں۔ آپ یہاں مختلف غزوات میں کئی مرتبہ امیر بنائے گئے اور آخری بار سنہ ۵۰ ھ میں تو آپ امیر الجیش تھے۔ افریقہ کے بہت سے علاقوں کو فتح کر کے آپ مصر واپس آ گئے اور بالآخر سنہ ۵۲ ھ میں مصر ہی میں آپ کا انتقال ہوا۔

افریقہ میں ایک ایسی قوم آباد تھی، جس کو بربر کہتے تھے۔ یہ لوگ بڑے سرکش اور باغی تھے۔ وہ آئے روز بغاوت کرتے رہتے تھے۔ جب کوئی سخت گورنر آتا تو یہ امن پسند اور مسلمان ہو جاتے، لیکن جونہی وہ واپس جاتا تو پھر فتنہ پردازی شروع کر دیتے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنہ ۵۰ ھ میں سیّدنا عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کو ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ آپ مختلف باغی علاقوں میں گھس گئے اور جہاں جہاں بغاوت کے آثار نظر آئے، ان کا قلع قمع کیا اور آئندہ کے انسداد کے لیے وہاں ایک قیروان نامی شہر آباد کر دیا، جس میں ہر وقت مسلمان فوجیں باغیوں کی سرکوبی کے لیے موجود رہتی تھیں۔ اس شہر کی تفصیل دوسرے مقام پر بیان کی جائے گی۔ ❷

بلادِ افریقہ کی فتوحات کے لیے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک اور کمانڈر میسر آ گئے۔ ان کا نام حسان بن نعمان غسانی تھا۔ انھوں نے بھی بلادِ افریقہ کی فتوحات میں بڑا اہم کردار ادا کیا اور اس علاقہ میں عمدہ خدمات انجام دیں۔ آپ کی کوششوں سے اہلِ بربر نے مسلمانوں سے صلح کر لی اور حسان بن نعمان کو خراج دینا منظور کر لیا۔ ان کی بہترین خدمات کے صلہ میں سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے

---

❶ معجم البلدان: ٦/ ١٥٦۔ تاریخ خلیفه بن خیاط: ١/ ١٩٦.

❷ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فتوح البلدان، ص: ٢٣٦۔ ابن اثیر: ٣/ ٢٣٠.

Marfat.com

ان کو اس علاقہ کا والی مقرر کر دیا اور آپ وہاں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات تک جو کہ سنہ ۶۰ ھ میں ہوئی، اس علاقہ کے گورنر رہے۔ ❶

ساحل افریقہ کے قریب ایک قدیم شہر قرطاجنہ تھا۔ یہاں سنہ ۵۹ ھ میں ایک بزرگ دینار ابوالمہاجر کی زیر قیادت وہاں کے لوگوں سے سخت مقاتلہ ہوا، جس کے نتیجہ میں بہت سے لوگ مقتول بھی ہوئے اور زخمی بھی۔ اس مقابلہ کے دوران رات کو مسلمان مجاہدین افریقہ کے ایک نہایت عمدہ اور اہم شہر تیونس کی طرف ایک پہاڑ پر اکٹھے ہوئے اور صبح کو مخالفین اسلام سے پھر قتال شروع کر دیا۔ اس کے نتیجہ میں فریق مخالف نے اس چیز پر صلح کر لی کہ وہ اہلِ اسلام کے لیے جزیرہ خالی کر دیں گے۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مسلمان مجاہدین نے بلادِ غرب میں جنگ کے سلسلہ میں قریباً دو سال تک اقامت اختیار کی۔ اور افریقہ کی سرحد پر ایک شہر میلہ کو بھی فتح کیا۔ ❷

بلادِ روم کی فتوحات:

رومی شہروں کی فتوحات کا سلسلہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں شروع ہوا اور سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت تک جاری و ساری رہا، لیکن پھر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر آ کر یہ سلسلہ رُک گیا۔ سنہ ۴۱ ھ سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں یہ سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ بلادِ روم کے کچھ شہر نہایت سرد تھے، اس وجہ سے یہاں صیفی اور شتوی دو قسم کے غزوات ہوتے تھے۔ پھر رومیوں کا بحری بیڑا بھی اپنے وقت کا ایک بہت بیڑا تھا، جس کے مقابلہ میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کہنے پر اپنی بحریہ کی تشکیل کی تھی، لہٰذا سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رومیوں سے بحری لڑائیاں بھی ہوئیں۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے رومیوں کے خلاف جنگوں میں خاص توجہ کی اور رومیوں کے ساتھ اہلِ اسلام کا مختلف محاذوں پر بہت سخت مقابلہ بھی ہوا۔ رومی چونکہ عیسائی تھے، اس لیے ان کے پادری جنگوں میں صلیبیں اُٹھائے چلے آتے تھے اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے سپاہیوں کو مشتعل کرتے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں سنہ ۴۳ ھ میں بسر بن ارطاۃؓ نے بلادِ روم پر حملہ کیا اور

---

❶ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۱/ ۲۱۲۔ ابن عساکر: ٤/ ۲۹۵۔ معجم البلدان لیاقوت الحموی: ٥/ ٦١.

❷ تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۱/ ۲۱۵.

Marfat.com

شہروں پر شہر فتح کرتے قسطنطنیہ تک جا پہنچا۔

پھر سنہ ۴۴ھ اور ۴۵ھ میں سیّدنا عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم تحت ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ بلادِ روم میں مختلف محاذوں پر عیسائیوں سے جنگ جاری رکھی۔ مسلمان مجاہدین سردیوں میں بھی باوجود سخت سردی کے جنگ جاری رکھتے اور قیام بھی اِنھی علاقوں میں کرتے تھے، حالانکہ یہ گرم ملک کے باشندے تھے۔ اور گرم موسم میں تو جنگ کا سلسلہ بڑی تیزی کے ساتھ جاری رہتا۔ اس طریقہ سے انھوں نے رومیوں کے کئی علاقوں کو اسلامی سلطنت میں شامل کرلیا۔ ❶

بلادِ روم میں جنگوں کے لیے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قریباً سولہ لشکر مختلف لوگوں کی قیادت میں بھیجے۔ آپ موسم گرما میں ایک فوج کو بھیجتے جو سردیوں میں بھی اس علاقہ میں مقیم رہتی۔ پھر وہ فوج واپس آجاتی اور اس کی جگہ ایک اور فوج بھیج دی جاتی تھی۔ ❷

ایک بار موسم سرما میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر سیّدنا جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ارض روم کی طرف روانہ کیا۔ جب یہ حضرات وہاں پہنچے تو سردی اپنے زوروں پر تھی، جو ان لوگوں کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ سردی کی اس شدت کو دیکھ کر سیّدنا جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ لشکر کو واپس لے آئے۔ یہ دیکھ کر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ اس لشکر کو بغیر اجازت واپس کیوں لائے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اُس پر رحم نہیں کرتا۔'' مطلب یہ تھا کہ چونکہ وہاں سخت سردی تھی، لہٰذا ان کو وہاں رکھنا ان پر ظلم کرنے کے مترادف تھا۔ لہٰذا میں ان کو واپس لے آیا ہوں۔

سیّدنا جریر رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سن کر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا: ''جریر! کیا واقعی تم نے یہ فرمانِ نبوی خود سنا ہے۔'' انھوں نے کہا: ''ہاں! میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمان خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔'' ❸

---

❶ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ: ۸ / ۲۹۔ تاریخ الاسلام ذہبی: ۲/ ۲۱۰۔ ابن اثیر: ۳/ ۲۱۸.

❷ تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۱/ ۱۹۱۔ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۳۲۔ ابن عساکر: ۱۶/ ۷۲۲.

❸ مسند الحمیدی: ۲/ ۲۰۲.

Marfat.com

ارضِ روم میں جنگی مہمات کے سلسلہ میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بہت سے لشکر مختلف لوگوں کی زیر قیادت بھیجے، جنھوں نے موسم سرما اور موسم گرما دونوں میں ان مہمات کو جاری رکھا۔ کئی دفعہ بسر بن ارطاۃؓ کی زیر قیادت لشکر بھیجا۔ سنہ ۵۲ ھ میں سفیان بن عوف الازدی بھی بسر کے ہمراہ تھے اور سفیان بن عوف کا انتقال بھی ارضِ روم میں ہوا۔ پھر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنہ ۵۳ ھ میں عبدالرحمٰن بن اُمّ الحکم کو اور سنہ ۵۴ ھ میں محمد بن مالک کو، سنہ ۵۶ ھ میں عبداللہ بن سنان کو اور سنہ ۵۹ ھ میں عمرو بن مرہ کو موسم گرما اور موسم سرما کے غزوات میں امیر جیش بنا کر بھیجا۔ ان لوگوں نے ارضِ روم کے کافی علاقہ کو فتح کیا اور اپنے یادگار کارنامے انجام دیے۔ ❶

قسطنطنیہ پر لشکر کشی:

ویسے تو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی لشکر نے افریقہ اور بلادِ روم کے کئی مقامات پر لشکر کشی کی اور فتح و نصرت نے ہر مقام پر ان کے قدم چومے لیکن مدینۂ قیصر یعنی قسطنطنیہ پر لشکر کشی بہت اہمیت رکھتی ہے، کیوں کہ اس غزوہ کے بارے میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہت بڑی بشارت دی تھی۔

سیّدہ اُمّ حرام رضی اللہ عنہا زوجہ سیّدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے گھر میں حجۃ الوداع کے بعد ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا تناول فرمایا اور آپ استراحت کے لیے لیٹ گئے۔ سیّدہ اُمّ حرام رضی اللہ عنہا نے جو کہ رشتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ لگتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر دیکھنا شروع کیا۔ اتنے میں آپ کو نیند آ گئی۔ تھوڑی دیر بعد سیّدہ اُمّ حرام رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ سیّدہ اُمّ حرام رضی اللہ عنہا نے مسکرانے کا سبب پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ”میں نے خواب میں دیکھا کہ میری اُمت کے کچھ لوگ سمندر میں جنگ و جہاد کے ارادہ سے اس طرح سوار ہیں، جس طرح بادشاہ اپنے تختوں پر بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔“

سیّدہ اُمّ حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دُعا فرمائیں کہ میں بھی ان میں سے ہو جاؤں۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو ان میں سے ہے۔ آپؐ پھر آرام فرمانے کے لیے لیٹ

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۵۸۔ تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۱/ ۲۰۵۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ: ۸/ ۲۷۔ ابن اثیر: ۳/ ۲۱۸۔ اسد الغابہ: ٤/ ۲۸٤.

Marfat.com

گئے پھر یہ کچھ دیر کے بعد آپ پھر مسکراتے ہوئے اٹھے اور اسی خواب کا اعادہ فرمایا۔ سیّدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے پھر اپنی شرکت کے لیے دُعا کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''تم پہلی جماعت کے ساتھ ہو۔'' ❶

بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((اوّل جیش من إمتی یغزون البحر قد اوجبوا .)) ❷

''میری اُمت کا پہلا لشکر جو بحری لڑائی لڑے گا، اس پر جنت واجب ہوگئی۔''

" قد اوجبوا " کا مطلب ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھا ہے کہ: ''ان پر جنت واجب ہوگئی۔'' ❸

تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلا بحری لشکر جس نے سنہ ۲۸ھ میں سمندر کے سینے کو چیر کر سمندر پار کے علاقے قبرص پر اسلامی علم بلند کیا، وہ سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی قیادت میں تھا۔ ❹ اس لشکر میں سیّدہ اُمّ حرام رضی اللہ عنہا، سیّدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، سیّدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جیسے اکابر اُمت تھے۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

((وکان امیر ذالك الجیش معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فی خلافة عثمان ومعه ابوذر، وابو الدرداء وغیرهما من الصحابة .)) ❺

''یعنی خلافت عثمانی میں (جب یہ حملہ ہوا تو) اس لشکر کے سردار معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما تھے اور ان کے ساتھ ابوذر رضی اللہ عنہ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ (جیسے اکابر) اور کئی دوسرے صحابہ تھے۔''

واپسی پر سیّدہ اُمّ حرام رضی اللہ عنہا خچر پر سوار ہو رہی تھیں کہ خچر کے بدکنے سے نیچے گر پڑیں اور انتقال فرما گئیں۔ ❻

---

❶ بخاری، حدیث، رقم: ۲۷۸۸۔ ۲۷۹۹۔ ۲۸۷۷۔ ۲۸۹٤۔ ٦۲۸۲۔ ۷۰۰۱۔ مسلم: ۲/ ۱٤۲۔ زرقانی: ۳/ ٦٦۔ اصابه: ۸/ ۲۲۲ وغیره۔ ❷ بخاری: ۱/ ٤۰۹.

❸ فتح الباری: ٦/ ۷۹۔ عمدة القاری: ۱٤/ ۱۹۸.

❹ عمدة القاری: ٤/ ۱٦٥، ص: ۱۹۸۔ فتح الباری: ۷/ ۱۷۲. ❺ اسد الغابه: ٥/ ٥۷٥.

❻ اسد الغابه: ٥/ ٥۷٥۔ بخاری: ۱/ ۲۹۱، ۲/ ۹۲۹، ۹۳۰۔ عمدة القاری: ۱٤/ ۱۹۸۔ ارشاد والساری: ٥/ ۱۰٤۔

Marfat.com

چنانچہ ہشام بن الغاز کہتے ہیں:

((قبر أمّ حرام بنت ملحان بقبرص وهم يقولون هذا قبر المرأة الصالحة .)) ❶

''سیّدہ اُمّ حرام رضی اللہ عنہا کی قبر قبرص میں ہے اور وہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایک نیک اور پاک باز عورت کی قبر ہے۔''

قبرص کی یہ فتح سنہ ۲۷ یا ۲۸ ھ میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئی۔ اس لڑائی میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ((قد اوجبوا)) ''جنت ان پر واجب ہوگئی'' کے تحت اہلِ جنت میں شامل ہوگئے۔ یہ فضیلت کوئی معمولی فضیلت نہیں ہے، بلکہ جس طرح عشرہ مبشرہ کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت مل گئی تھی، اسی طرح اس لشکر کو بھی دنیا ہی میں جنت کی بشارت دے دی گئی، جنھوں نے قبرص کے اس معرکہ میں شمولیت فرمائی تھی۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کا پہلا حصہ تو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت میں پورا ہوا اور دوسرا حصہ دورِ خلافت میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ تاریخ کے اوراق کی ورق گردانی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بحری لڑائیاں تو درکنار اسلام میں بحریہ کا وجود ہی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قائم فرمایا تھا۔ سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے عہدِ خلافت میں بعض وجوہات کی بنا پر بحری لڑائیوں کا نیا محاذ کھولنے کی اجازت نہ دی۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آپ نے پھر اجازت چاہی۔ آپ نے چند شرائط کے تحت اجازت مرحمت فرمادی، جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں دی گئی ہے۔ ❷ اجازت ملنے پر آپ نے ایک بہت بڑا اسلامی بیڑا تیار کر کے اپنی قیادت میں قبرص پر حملہ کر دیا اور اس کو فتح کر لیا۔ ❸

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد زمام خلافت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی، لیکن آپ کے عہد خلافت میں مسلمان چونکہ باہمی خانہ جنگی میں مصروف رہے، اس لیے بیرونی فتوحات کا سلسلہ یک قلم بند رہا، مگر ربیع الاوّل سنہ ۴۱ ھ میں جب بارِ خلافت سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کاندھوں پر ڈالا گیا تو انھوں نے اسلامی بحریہ اور بری افواج کو بہت ترقی دی۔

---

❶ صفوة الصفوة: ۲/ ۲۸۔ اسد الغابه: ۵/ ۵۷۵.

❷ فتح الباری: ۶/ ۶۷۔

❸ فتوح البلدان، فتح قبرص.

Marfat.com

ملک کے ساحلی علاقوں میں جابجا جہاز سازی کے کارخانے قائم کیے۔ ❶ اسی ترقی یافتہ بحریہ کی مدد سے آپ نے بحر روم کو مسلمانوں کا بازی گاہ بنا دیا۔

بازنطینی حکومت اسلامی سرحدات پر آئے روز حملے کرتی رہتی تھی، اس لیے آپ نے ارادہ فرمایا کہ جس طرح سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے کسریٰ کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا تھا، میں قیصر کی سلطنت کا خاتمہ کر دوں گا۔ دوسرے آپ کے ذہن میں جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خواب بھی تھا جو سیّدہ اُمّ حرام رضی اللہ عنہا کے گھر میں آپؐ کو دکھایا گیا، جس میں آپؐ نے ان لوگوں کو مغفرت اور جنت کی بشارت دی تھی، جو سب سے پہلے مدینۂ قیصر (قسطنطنیہ) پر لشکر کشی کریں گے۔ آپؐ کی خواہش تھی کہ جس طرح سنہ ۲۸ھ میں حدیث کے حصہ اوّل کی بشارت کا مستحق ہوا ہوں، اسی طرح اللہ ربّ العزت نے اب مجھے موقع دیا ہے کہ حدیث کے دوسرے حصہ کی بشارت کا بھی میں ہی سزاوار بنوں۔ تیسرے یہ کہ قسطنطنیہ مشرقی یورپ کا قلب تھا۔ اس کی فتح سے مسلمانوں کے لیے یورپ کی فتوحات کا دروازہ کھلتا تھا۔ ان سب وجوہات کے پیش نظر آپ نے اپنے بیٹے یزید کی قیادت میں قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کی غرض سے ایک لشکر تیار کیا۔ یہی وہ پہلا جیش ہے، جس نے مدینۂ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کیا، جس کے بارے میں حدیث میں ارشاد فرمایا گیا:

((اوّل جیش من اُمتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم .)) ❷

''میری اُمت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا، اس کے لیے دربارِ الٰہی سے مغفرت (کا پروانہ) ہے۔''

مدینہ قیصر کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((یعنی القسطنطنیة .)) ❸

''اس سے مراد قسطنطنیہ ہے۔''

اور علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((لان المراد بها القسطنطنیة .)) ❹

---

❶ احسن المحاضرات، ص: ۱۹۹۔ فتوح البلدان، ص: ۱۴۴.
❷ بخاری: ۱/ ۴۱۰.
❸ فتح الباری: ۶/ ۷۸.
❹ عمدة القاری: ۱۴/ ۱۹۸.

Marfat.com

''اس سے مراد قسطنطنیہ ہے۔''

بخاری کی یہ روایت محدثین کے نزدیک بالکل صحیح ہے۔ چنانچہ امام بغوی رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

((وهذا حديث صحيحٌ .)) ❶

''اور یہ حدیث صحیح ہے۔''

ایسے ہی دوسرے محدثین نے اس پر کوئی جرح و نقد نہیں کی جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ روایت ان سب کے نزدیک صحیح ہے۔ ❷

اس نبویؐ بشارت کا مورد و مصداق ہونے کے لیے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے اس لشکر میں شرکت کی، جن میں سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، سیّدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور میزبانِ رسول سیّدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری قدس سرہ نے بخاری کے حاشیہ میں علامہ قسطلانی رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

''علامہ قسطلانی کہتے ہیں کہ مدینۂ قیصر پر سب سے پہلے یزید بن معاویہ نے لشکر کشی کی تھی اور اس کے ساتھ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت تھی، جیسے ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ وغیرہم اور وہیں سنہ ۵۲ ھ میں سیّدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔'' ❸

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یزید بن معاویہ رومیوں کے شہروں میں ان سے (سات سال تک) لڑتے رہے، حتیٰ کہ آپ قسطنطنیہ تک پہنچ گئے، اور آپ کے ساتھ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ وغیرہم تھے۔ چنانچہ سیّدنا

---

❶ شرح السنه: ١٣/ ٣١٢ـ ٣١٣.

❷ ملاحظہ ہو: البدايه والنهايه: ٨/ ٣٢، ٢٢٩ـ منهاج السنّه: ٢/ ٢٤٥.

❸ بخاری، ج: ١، ص: ٤١٠ تعليقه ـ ارشاد الساری: ٥/ ١٠٤ـ كامل ابن اثير: ٣/ ٢٢٧ـ

Marfat.com

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا انتقال بھی وہیں ہوا اور وہیں ان کی قبر بھی ہے۔'' ❶

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ بھی لکھتے ہیں:

((فسار معه خلق كثير من كبراء الصحابة .)) ❷

''بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بہت بڑی تعداد آپ کے ساتھ روانہ ہوئی۔''

ایسا ہی ذہبی رحمہ اللہ نے تاریخ الاسلام: ۳/۹۱ میں لکھا ہے۔

اس مبارک لشکر میں دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ سیّدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما بھی تھے، جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے:

((كان الحسين يفد الىٰ معاوية فى كل عام فيطيعه ويكرمه ، وكان فى الجيش الذين غزوا القسطنطنية مع ابن معاوية يزيد .)) ❸

''سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ ہر سال سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جایا کرتے تھے اور معاویہ ان کو انعام و اکرام سے نوازتے تھے اور حسین رضی اللہ عنہ اس لشکر میں بھی شامل تھے، جس نے قسطنطنیہ پر یزید بن معاویہ کی معیت میں حملہ کیا تھا۔''

ایسا ہی علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ابنِ عساکر کی تاریخ کے حوالہ سے لکھا ہے۔ ❹

اس لشکر میں سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شمولیت کو سیّد امیر علی نے بھی تسلیم کیا ہے، چنانچہ لکھا ہے:

" He (Husain) had served with honour against Christians in the siege of Constantinople." ❺

''یعنی سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ کے محاصرہ میں عیسائیوں کے خلاف بڑی شاندار خدمات سرانجام دیں۔''

ایسا ہی گبن (Gibbon) نے تاریخ عروج و زوال رومۃ الکبریٰ، ص: ۲۸۶ میں لکھا ہے کہ:

''ایسے عظیم الشان لشکر کی کمان جس میں اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ خود نواسۂ رسولؐ سیّدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما بھی شریک تھے، یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں تھی۔ اس پر

---

❶ عمدة القاری: ١٤/ ١٩٩۔ فتح الباری: ٦/ ٧٨.
❷ البدایه والنهایه: ٨/ ١٢٧۔ ١٣٢.
❸ البدایه والنهایه: ٨/ ١٥١.
❹ تاریخ الاسلام: ٣/ ١١.
❺ Amir Ali: History of Saracens. P: 84.

Marfat.com

قریباً تمام مؤرخین اور محدثین کا اتفاق ہے۔"

شارحین بخاری نے بھی یہی لکھا ہے کہ قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والے لشکر کی قیادت یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں تھی۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"صحیح ترین بات یہ ہے کہ قسطنطنیہ پر حملہ یزید بن معاویہ نے سنہ ۵۲ھ میں کیا تھا۔" ❶

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ:

"اور سنہ ۵۰ھ میں قسطنطنیہ کی جنگ ہوئی اور اس لشکر کے امیر یزید بن معاویہ تھے۔ اور ان کے ساتھ بڑے بڑے جلیل القدر لوگ تھے، جن میں سے ایک سیّدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔" ❷

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"سب سے پہلا لشکر جس نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا، اس کے امیر یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ تھے، اور جیش ایک عدد معین ہے، عدد مطلق نہیں اور مغفرت اس کے ہر فرد کو شامل ہے۔ یہی قوی ترین بات ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ مغفرت کی اس حدیث کی وجہ سے یزید نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا۔" ❸

ایسا ہی حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے البدایہ و النہایہ:۵۸/۸، طبری:۱۶/۴، العقد الفرید:۱۳۲/۳، الاستیعاب:۵/۱، ناسخ التواریخ، جلد:۲، کتاب:۲، صفحہ:۶۶ پر بھی لکھا ہے۔

پروفیسر ھٹی جو اس دور کا بہت بڑا مؤرخ تصور کیا جاتا ہے، اس نے بھی اپنی تاریخ میں یہی کچھ لکھا ہے:

" The First was in A.H.49 (699) under the leadership the crown prince Yazid." ❹

"یعنی (قسطنطنیہ پر) پہلا حملہ سنہ ۴۹ھ (مطابق ۶۶۹ء) میں ولی عہد یزید بن معاویہ کی زیر قیادت ہوا۔"

---

❶ عمدة القاری: ١٤/ ١٩٨۔ فتح الباری: ٦/ ٧٨. ❷ تاریخ الاسلام، ذهبی: ٣/ ٩١.
❸ منهاج السنّه: ٢/ ٢٥٢.

❹ Hitti: History of the Arabs. P: 204.

Marfat.com

سنہ ۵۲ھ میں اور بقول بعض سنہ ۴۹ھ میں ❶ اور بقول حافظ ذہبی سنہ ۵۰ھ میں ❷ امیر یزید کی قیادت میں مسلمانوں کا یہ بحری بیڑا بحیرۂ روم کی موجوں سے کھیلتا ہوا باسفورس میں داخل ہوا۔ مصر و شام وغیرہ ممالک اسلامیہ سے بھی الگ الگ دستے آئے ہوئے تھے۔ مصری فوج کے سرعسکر گورنر مصر عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ تھے۔ ایک دستہ فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں تھا اور ایک دستہ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت اس لشکر میں شریک ہونے کے لیے پہنچا تھا۔

قسطنطنیہ کا شہر مشرقی کلیسا کا مرکز ہونے کی وجہ سے بڑی اہمیت کا حامل تھا، اس لیے رومیوں نے پوری قوت اور طاقت سے اس کی مدافعت کی اور اپنی بہادری کے بڑے جوہر دکھائے۔ مسلمان بھی چونکہ جوشِ جہاد اور مغفرت و جنت کے شوق میں سر پر کفن باندھ کر آئے تھے، لہٰذا انھوں نے بھی بڑی گرمجوشی سے مقابلہ کیا۔ خصوصی طور پر یزید بن معاویہ نے بہادری اور شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ ان کو ''فتی العرب'' کا لقب حاصل ہوگیا۔ ❸ کتاب الاغانی میں ہے کہ یزید نے رومیوں کو پسپا کر کے شہر کے اندر محصور کر دیا اور خود اس کے جوش کا یہ عالم تھا کہ ہاتھ میں لوہے کا گرز لیے شہر کے دروازے پر زور زور سے مارتا، یہاں تک کہ وہ کئی جگہ سے پھٹ گیا۔ ❹

تواریخ میں ہے کہ کئی روز تک دونوں فوجوں میں خون ریز معرکے ہوتے رہے۔ قسطنطنیہ کی فصیل بہت اونچی تھی اور پتھروں کی بنی ہوئی تھی۔ رومی اس کے اوپر سے آگ کے گولے برسا رہے تھے۔ مسلمان نشیب میں تھے، اس وجہ سے کافی جانی نقصان اُٹھانا پڑا، لیکن اس قدر نقصان اُٹھانے کے باوجود بھی اُنھوں نے ہمت نہ ہاری اور ہر مجاہد شوقِ شہادت میں آگے بڑھ رہا تھا۔ ایک مجاہد عبدالعزیز بن زرارہ کلبی رضی اللہ عنہ شہادت کی تمنا میں بار بار دشمن کی طرف بڑھتے۔ آخر ایک مرتبہ تو بالکل فصیل کے قریب پہنچ گئے۔ رومیوں نے فوراً ہی نیزوں سے انھیں شہید کر دیا۔ جب ان کی شہادت کی خبر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی تو انھوں نے اس کے والد کو بلا کر فرمایا:

((واللّٰہ! ھلك فتی العرب .))

''بخدا! عرب کا بہادر ہلاک ہوگیا۔''

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۳۹/۸، ہسٹری آف دی عربز، صفحہ: ۲۰۴۔

❷ تاریخ الاسلام: ۹۱/۳۔

❸ ہسٹری آف دی عربز، ص: ۲۰۱۔

❹ الاغانی: ۳۳/۱۶۔

Marfat.com

عبدالعزیز بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے والد نے جواب دیا: ''میرا بیٹا یا آپ کا بیٹا؟'' سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تمھارا بیٹا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے۔'' ❶

میزبانِ رسول سیّدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اپنی عمر کی اَسّی (۸۰) سے زائد منزلیں طے کر چکے تھے۔ اسی جنگ کے دوران آپ زحیر (پیچش) کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے۔ مرض شدت اختیار کر گیا، یہاں تک کہ آپ کو یقین ہو گیا کہ اب میں چند گھنٹوں کا مہمان ہوں۔ آپ نے یزید بن معاویہ امیر لشکر کو بلا کر وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ دشمن کی سرزمین میں جتنی دور تک لے جا سکو، لے جا کر دفن کرنا۔ نیز فرمایا کہ ساتھ ہی مسلمانوں کو میرا سلام کہہ کر یہ حدیث نبوی سنانا جو میں نے آقائے دو جہاں ہادی کل ختم الرسول ﷺ سے خود سنی ہے کہ:

((من مات ولم یشرك باللّٰه شیئًا دخله اللّٰه فی الجنة .)) ❷

''جو شخص اس حالت میں مرا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔''

چنانچہ وصیت کے مطابق امیر لشکر یزید بن معاویہ نے سیّدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ خود پڑھائی۔ ❸ اور نمازِ جنازہ سے فراغت کے بعد آپ کے جنازہ کو اُٹھا کر دشمن پر حملہ کر دیا گیا اور قسطنطنیہ کی فصیل تک پہنچ کر فصیل کے بالکل نیچے آپ کو دفن کر دیا گیا۔ ❹

قیصر نے جب شہر کی فصیل سے دیکھا کہ مسلمان زمین کھود کر کوئی چیز دفن کر رہے ہیں تو اس نے قاصد کی معرفت اس بارے میں معلوم کیا۔ امیر یزید نے جواب دیا کہ یہ ہمارے رسولؐ کے صحابی کا جنازہ ہے۔ انھوں نے تمھارے ملک کے اندر لے جا کر دفن کرنے کی خواہش کی تھی۔ اب ہم ان کی اس خواہش کی تکمیل کر رہے ہیں، اگرچہ ہمیں اپنی جانیں ہی کیوں نہ دینی پڑیں۔ ❺ یہ سن کر قیصر نے کہا کہ تمھارے جانے کے بعد ہم ان کی لاش کو نکال کر کتوں کے آگے ڈال دیں گے۔ قیصر کی یہ بات سن کر یزید کو سخت غصہ آیا اور انھوں نے اسی غصے میں رومیوں کو مخاطب کر کے کہا:

---

❶ ابن اثیر: ۳/ ۲۲۷. ❷ البدایه والنهایه: ۸/ ۵۹. ❸ البدایه والنهایه: ۸/ ۵۸.
❹ عمدة القاری: ۱۴/ ۱۹۹۔ ارشاد الساری: ۵/ ۱۰۴۔ البدایه والنهایه: ۸/ ۵۸۔ ۵۹۔ ابن اثیر: ۳/ ۲۲۸۔ حاضر العالم الاسلامی، ص: ۲۱۵۔ ناسخ التواریخ، جلد: ۲، کتاب: ۲، ص: ٦٦.
❺ العقد الفرید: ۳/ ۱۳۳.

Marfat.com

''اے قسطنطنیہ کے باشندو! یہ صاحب ہمارے نبی جناب رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی ہیں، اور تم دیکھ رہے ہو کہ ہم نے انھیں جہاں دفن کیا ہے، اللہ کی قسم! اگر تم لوگوں نے ان کو کسی قسم کا ضرر پہنچایا تو ارض اسلام کے ہر کنیسہ کو منہدم کر دوں گا اور پھر سرزمین عرب میں کبھی ناقوس نہیں بجے گا۔((ولا یضرب ناقوس بارض العرب ابداً .)) ❶

قیصر روم نے جب امیر لشکر یزید کے منہ سے یہ تہدید آمیز کلمات سنے تو مبہوت ہو گیا اور اس کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اس صحابی کی نعش مبارک کی توہین کر سکے، بلکہ اس نے ان کی قبر پر ایک قبہ بنوا دیا۔ ❷ اور رومی ان کی قبر مبارک پر جا کر عہد کرتے اور قحط کے زمانہ میں ان کی قبر کے وسیلے سے دُعائیں مانگتے۔ ❸

امام محمد بن احمد السرخسی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سیّدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو جس رات میں دفن کیا گیا تو ''ان کی قبر سے ایک نور آسمان کی طرف بلند ہوا اور قریب رہنے والے مشرکین نے بھی اس نور کو دیکھا۔'' جب صبح ہوئی تو ان کا قاصد امیر لشکر کے پاس آیا اور کہا کہ ''جس شخص کو تم لوگوں نے رات دفن کیا ہے، وہ کون تھے؟'' مسلمانوں نے کہا:((صاحب لنبینا .)) .....''وہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کے ایک صحابی تھے۔''

میزبانِ رسول ﷺ کی یہ کرامت دیکھ کر بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ❹

اگرچہ قسطنطنیہ کا شہر اس وقت فتح نہ ہو سکا، لیکن اس کام کی ابتداء کا سہرا یزید بن معاویہ ہی کے سر ہے، اور اس حدیثِ نبویؐ کے حقیقی مورد بھی آپ ہی ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں محدث مہلب رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((قال المهلب فی هذا الحدیث منقبة لمعاویة لانّه اول من غزا

---

❶ ناسخ التواریخ، ج: ۲، کتاب: ۲، ص: ٦٦۔ الاستیعاب: ۲/ ٦٣٨۔ العقد الفرید: ۳/ ۱۳۳.

❷ العقد الفرید: ۳/ ۱۳۳.

❸ عمدة القاری: ١٤/ ١٩٩۔ طبقات ابن سعد: ۲/ ٥٠۔ البدایه والنهایه: ۸/ ٥٩۔ ابن اثیر: ۳/ ۲۲۸۔ حاضر العالم الاسلامی، ص: ۲۱٥.

❹ شرح السیر الکبیر: ۱/ ۱٥۷.

Marfat.com

البحر، ومنقبة لولده يزيد لانّه اوّل من غزا مدينة قيصر.)) ❶

"محدث مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت بیان کی گئی ہے، کیوں کہ انھوں نے سب سے پہلے بحری جنگ لڑی تھی، اور اس میں ان کے فرزند یزید کی منقبت بھی ہے، کیوں کہ انھوں نے سب سے پہلے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا۔"

بعد میں سلطان محمد فاتح نے جن کا تعلق بوسنیا سے تھا، اس شہر کو فتح کیا۔ فتح کے بعد ترکانِ عثمانی نے سیّدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار پر ایک مقبرہ اور اسی کے ساتھ ایک مسجد بنوادی جو آج تک زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ خلفائے دولت عثمانیہ کی رسم تاج پوشی بھی اسی مسجد میں ہوتی تھی۔

بحری غزوات:

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں نہ صرف بری اور زمینی لڑائیاں لڑیں، بلکہ بحری اور سمندری غزوات کا سلسلہ بھی آپ کے عہدِ حکومت میں جاری و ساری رہا۔ سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کے بعد سنہ ۴۴ھ میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بسر بن ارطاۃ کو بحری غزوات کا امیر مقرر فرمایا اور تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اس بارے میں اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیے۔ ❷

بعدازیں آپ کے حکم سے فضالہ بن عبید الانصاری رضی اللہ عنہ نے امیر البحر کے فرائض انجام دیے اور انھوں نے اپنی کوششوں سے بہترین نتائج برآمد کیے اور بحریہ کی قوت میں بھی بہت اضافہ ہوا۔ اسلام کی اس بحری طاقت سے قیامت تک کے لیے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام روشن کر دیا۔ اور جب بھی کوئی اسلام کی تاریخ لکھے گا، بحریہ کی ایجاد کا سہرا سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سر باندھنے پر مجبور ہوگا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ: ۸/۴۵۔ ابن اثیر: ۳/۲۲۸۔ تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۱/۲۰۵۔)

روڈس کی فتح:

بحری لڑائیوں میں صرف قسطنطنیہ ہی کا حملہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بحریہ کا شاندار کارنامہ نہیں بلکہ آپ نے روڈس، ارواڈ اور بعض دوسرے یونانی جزیروں کو فتح کیا۔ چنانچہ علامہ خیرالدین زرکلی اپنی

---

❶ فتح الباری: ٦/ ٧٨۔ شرح ابن بطال: ٥/ ١٠٧.

❷ البدایہ والنہایہ: ٨/ ٢٧.

Marfat.com

مشہور کتاب " الاعلام " میں لکھتے ہیں:

((هو اوّل مسلم ركب البحر للغزو وفى ايامه فتح كثير من جزائر يونان والدر دنيل .)) ❶

" وہ سب سے پہلے مسلمان ہیں، جنھوں نے بحر روم کو جنگ کے لیے اپنے جہازوں کی بازی گاہ بنایا اور آپ کے عہد خلافت میں یونان کے بے شمار جزیرے اور درۂ دانیال وغیرہ علاقے فتح ہوئے۔"

صاحب "فتوحاتِ اسلامیہ" لکھتے ہیں:

" جزیرہ قبرص، روڈس اور بعض دوسرے جزائرِ یونان کی فتح سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اہم کارنامے ہیں۔" ❷

مؤرخین نے لکھا ہے کہ سنہ ۵۳ ھ بحری جنگوں میں جنادہ بن اُمیہ الازدی کو امیر البحر مقرر کیا گیا۔ اِنھی کی زیر قیادت روڈس پر حملہ کیا گیا اور بڑی جدوجہد کے بعد اس کو فتح کیا گیا۔ جنادہ بن اُمیہ نے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو یہاں پر مستقل طور پر آباد کیا۔ مسلمان سمندر میں کافروں کے راستوں کو منقطع کرتے اور ان کی کشتیوں اور جہازوں کو اپنی تحویل میں لے لیتے۔ اس وجہ سے کفار پر مسلمانوں کا اس جزیرہ میں قیام نہایت گراں تھا، لیکن مسلمان ہر مصیبت اور مزاحمت کا مقابلہ کرتے ہوئے بھی وہاں مقیم رہے، اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان حضرات کو بہت سے وظائف اور عطیات سے نوازتے رہتے تھے، تاکہ مالی طور پر ان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ ❸

مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ جزیرہ قریباً ساٹھ میل طویل تھا اور نہایت سرسبز و شاداب ہونے کی وجہ سے اس میں مختلف قسم کے پھل پیدا ہوتے تھے۔ اس جزیرہ کا پانی بھی نہایت شیریں تھا اور پیداوار کے لیے نہایت مفید تھا۔ ❹

روڈس بحر روم اناطولیہ کے قریب جنوب مغرب میں واقع تھا اور یہاں زیتون، انگور اور قسم قسم کے عمدہ پھل اور مختلف قسم کی لکڑی کے درخت پائے جاتے تھے۔ جنگی لحاظ سے اس جزیرہ کی ایک بہت

---

❶ الاعلام: ۸/ ۱۷۳.

❷ الفتوحات الاسلامیه: ۲/ ۹۸، ۱۰۳ ملخصًا.

❸ البدایه والنهایه: ۸/ ۹۱.

❹ فتوح البلدان بلاذری، ص: ۲۴۴.

Marfat.com

بڑی اہمیت تھی، اس لیے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو اسلامی نوآبادی بنادیا۔
(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: معجم البلدان، یاقوت حموی، ذکر روڈس، فتوح البلدان، صفحہ: ۲۴۴۔ ابن اثیر: ۲۴۶/۳۔ البدایہ والنہایہ: ۶۱/۸، معاویہ بن ابی سفیان لابی نصر، صفحہ: ۶۹۔)

ارواڈ کی فتح:

روڈس کی فتح کے اگلے سال یعنی سنہ ۵۴ ھ میں سیّدنا جنادہ بن اُمیہ الازدی رضی اللہ عنہ اور مجاہد بن جبر دونوں نے مل کر ارواڈ کے جزیرہ پر حملہ کیا جو قسطنطنیہ کے قریب واقع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام کو فتح عطا فرمائی۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہاں بھی مسلمانوں کی نوآبادی قائم فرمائی۔ اس جزیرہ کو اسلامی اقتدار کے زیر اثر لانے کے بعد آپ نے بحری حملوں کے لیے اس مقام کو صدر مقام قرار دیا۔ ❶

اسی زمانہ میں آپ کے لشکر نے جزیرۂ صقلیہ پر بھی حملہ کیا۔ وہ فتح نہ ہوسکا۔ بعد میں عباسیوں نے یہاں فتح کا پھریرا نصب کیا۔

بحری غزوات میں سیّدنا جنادہ بن اُمیہ الازدی رضی اللہ عنہ کا ایک بہت بڑا حصہ ہے۔ یہ وہ بزرگ شخصیت ہیں، جنھوں نے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے متعدد مواقع پر ملاقات کی۔ اور سیّدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے بھی بہت کچھ سیکھا۔ یہ سیّدنا عثمان کے دور سے لے کر یزید بن معاویہ کے دور تک بڑی محنت و جانفشانی سے بحری غزوات میں شریک رہے۔ درمیان میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین مشاجرت کے ایام میں دونوں سے الگ رہے۔ پھر جب سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین ہوئے تو آپ پھر اپنے عہدہ پر واپس آ گئے۔ سنہ ۵۹ ھ میں شتوی بحری غزوات میں بھی شامل رہے۔ بالآخر سنہ ۸۰ ھ میں شام میں انتقال فرمایا۔ ❷

مختلف قلعوں کی فتوحات:

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مختلف قلعے بھی فتح کیے گئے، جن میں ایک قلعہ کمخ بھی ہے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ اس قلعہ کی فتح کا سہرا ایک بزرگ عمیر بن حباب السلمی کے سر ہے، جو ایک نہایت بہادر اور جرأت مند فوجی جوان تھے۔ وہ نہایت ہوشیاری سے قلعہ کمخ کی فصیل پر چڑھ گئے

---

❶ معجم البلدان ذکر ارواڈ۔ فتوح البلدان، ص: ۲۴۴۔ معاویہ بن ابی سفیان لابی نصر، ص: ۶۹.
❷ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۹۴۔ الاستیعاب معہ الاصابہ: ۱/ ۲۴۴.

Marfat.com

اور مقابلہ کر کے رومیوں کو اپنے مقام سے ہٹا دیا اور اپنی فوج کو قلعہ میں داخل کیا، جس کی وجہ سے قلعہ فتح ہو گیا۔ وہ ہمیشہ اپنے اس کارنامہ پر فخر کیا کرتے تھے۔ ❶

اسی طرح ایک اور قلعہ کا ذکر بھی کتابوں میں ملتا ہے۔ اس قلعہ کا نام ''قلعہ ساسمۃ'' تھا۔ عطیہ بن قیس الکلابی اس دستہ میں شامل تھے۔ فرماتے ہیں کہ اس قلعہ کو فتح کرنے والے غازیوں میں مَیں خود بھی شامل تھا۔ اس وقت ہمارے دستہ کی تعداد ۴۰ ہزار تھی۔ ہم نے اس قلعہ پر حملہ کیا اور اس کو فتح کیا۔ اس فتح میں ہمیں دو سو دینار فی سپاہی مالِ غنیمت ملا۔ اس فوجی دستہ کے امیر عبیدہ بن قیس عقیلی تھے۔ ❷

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں مختلف شہروں اور جزیروں کو فتح کیا اور مؤرخین نے ان کی حکومت کی وسعت کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں اسلامی مملکت کی حدود و ثغور سمرقند و بخارا سے لے کر اقصائے مغرب میں قیروان تک اور یمن سے لے کر قسطنطنیہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ علاوہ ازیں حجاز و شام، مصر، عراق، الجزیرہ، آرمینیہ، روم، فارس، خراسان اور ماوراء النہر وغیرہ تمام علاقے اسلامی حکومت کے زیرِ اقتدار تھے۔ ❸

آپ نے اپنی تمام سلطنت میں دینی تعلیم کا انتظام، احکامِ شرعی کی ترویج، صوم و صلوٰۃ کی پابندی، عوام کی معاشی اور اقتصادی حالت کی بہتری، عمومی تعلیم کے فروغ اور لوگوں کی تربیت کی طرف خاص توجہ دی اور حالت یہ تھی کہ عوام ان کی سلطنت میں اتنا ہی خوش تھے، جتنا خلافت راشدہ کے دور میں خوش و خرم تھے اور یہی ایک سربراہِ مملکت کی کامیابی ہوتی ہے۔

مالیات

ایک اسلامی ریاست کی آمدنی اور محاصل کی جو مدات ہوتی ہیں، سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کے محاصل کی بھی وہی مدات تھیں۔ چنانچہ تاریخی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی حکومت کی آمدنی کی حسب ذیل مدات تھیں، لیکن اس سے قبل اس خزانہ کا بتانا بھی ضروری ہے جس میں حکومت کی آمدنی کو اکٹھا کیا جاتا ہے۔

---

❶ ابن اثیر: ۳/ ۲۰۹.
❷ کتاب المعرفة والتاریخ: ۲/۲۹۸ تحت عطیه بن قیس کلابی.
❸ دول الاسلام: ۱/ ۲۸.

Marfat.com

بیت المال:

بیت المال ایک اسلامی ریاست کا نہایت اہم ادارہ ہے۔ یہ ادارہ حکومت کے آمد وصرف اور عوام کی معاشی خوش حالی کے لیے قائم کیا جاتا ہے۔ جس طرح ایک اسلامی ریاست میں حاکمیت کا تصور اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ ہے اور اسلامی ریاست کا صدر یا امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کی حیثیت سے کام کرتا ہے، یہی تصور بیت المال پر بھی لاگو ہوتا ہے کہ بیت المال کا حقیقی مالک تو اللہ تعالیٰ ہے اور اسلامی ریاست کا صدر اس کا امین اور کسٹوڈین ہوتا ہے، اور ایک امین کی حیثیت سے اس امانت کی حفاظت اور نگہداشت کرتا ہے اور اس میں سے جو اخراجات کیے جاتے ہیں، ان کو بھی نہایت سوچ سمجھ کر خرچ کرتا ہے، تاکہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو ہو سکے۔

بیت المال کا لفظی معنی تو "دولت کا گھر" ہے، لیکن شریعت کی اصطلاح میں یہ اسلامی ریاست کے خزانہ کو کہتے ہیں۔ ایک اسلامی ریاست میں بیت المال کا وجود نہایت ضروری ہے۔ چونکہ اس میں مال جمع ہوتا ہے، لہٰذا اس کا کسی محفوظ مقام پر ہونا نہایت ضروری ہے۔ کبھی کبھی بیت المال کا اطلاق ایک اسلامی ریاست کے پورے مالی نظام پر بھی ہوتا ہے، لیکن عام اصطلاح میں یہ ایک مرکزی خزانہ ہوتا ہے، جس کو موجودہ اصطلاح میں اسٹیٹ ٹریژری (State Treasurey) یا اسٹیٹ بنک (State Bank) کہا جاسکتا ہے۔ مرکزی بیت المال کی صوبہ وار شاخیں بھی ہوتی ہیں اور ضلعی ضروریات کے لیے ضلعی شاخیں ہونا بھی ضروری ہیں۔

بیت المال کی آمدنی کے ذرائع:

بیت المال کی آمدنی کے ذرائع درج ذیل ہیں:

(۱) زکوٰۃ	(۲) عشر	(۳) جزیہ	(۴) خراج
(۵) صدقات	(۶) فئے	(۷) خمس	(۸) ضرائب
(۹) لگان	(۱۰) عشور	(۱۱) اوقات	(۱۲) اموال فاضلہ

ان مدات کی اجمالی تشریح حسب ذیل ہے:

۱ زکوٰۃ:

زکوٰۃ ارکانِ اسلامی میں سے ایک رکن ہے اور کسی خلیفہ کے لیے اس کی وصولی کے معاملہ میں

Marfat.com

سستی دکھانا درست نہیں۔ اگر کوئی شخص اس کی ادائیگی سے انکار کرے تو خلیفۂ وقت ایسے لوگوں کے خلاف جنگی کارروائی کرسکتا ہے۔ ایسے لوگوں کا شمار کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والے، باغی اور امیر کی اطاعت سے نکل بھاگنے والوں میں ہوگا، اور اس وجہ سے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مانعینِ زکوٰۃ سے جنگ کی تھی اور ایک مشہور ملفوظ ارشاد فرمایا تھا کہ: ''اللہ کی قسم! جو شخص بھی نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا، میں اس سے جنگ کروں گا، اس لیے کہ زکوٰۃ مال میں اللہ کا حق ہے۔'' بخدا! اگر یہ لوگ مجھے بکری کا ایک بچہ بھی زکوٰۃ میں دینے سے انکار کردیں، جسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے، تو میں اس کے لیے بھی ان سے جنگ کروں گا۔'' ❶

گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہیں لی تھی، البتہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی زکوٰۃ نفلی صدقہ کے طور پر لی تھی، نہ کہ مقررہ فرض کے طور پر۔ چنانچہ اس کے ذیل میں یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ شام کے کچھ متقی لوگ امیر شام سیّدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہنے لگے: ''ہمارے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ لیجیے۔'' انھوں نے انکار کیا اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ لکھا۔ انھوں نے بھی انکار کیا۔ اس پر وہ لوگ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''گھوڑے اور غلام ہی ہمارے اموال ہیں، اس لیے ان کی زکوٰۃ لیجیے۔'' سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

> ''میں تم سے وہ چیز نہیں لے سکتا جو مجھ سے قبل دونوں حضرات یعنی سرکارِ دو عالمؐ اور سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نہیں لی۔ پھر آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اگر وہ اپنی خوشی سے اپنے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ دیں تو ٹھیک ہے بشرطیکہ یہ جزیہ کی شکل اختیار نہ کرلے کہ آپ کے بعد بھی ان سے وصول کی جاتی رہے۔'' ❷

۲ عشر:

یعنی پیداوار کا دسواں حصہ مسلمانوں کی ان زرعی پیداوار سے لیا جائے گا، جو بارش کے پانی سے

---

❶ بخاری۔ مسلم۔ موطا امام مالک۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابو داؤد۔ المصنف لابن ابی شیبہ: ۱/ ۱۳۱۔ المصنف عبدالرزاق: ۳/ ۴۳۴۔ محلّی لابن حزم: ۵/ ۲۷۲۔

❷ مصنف عبدالرزاق: ۷/ ۳۵۔ مؤطا امام مالک: ۱/ ۲۷۷۔ محلّی ابن حزم: ۵/ ۲۲۷۔ کتاب الاموال: ۴۶۵۔ بدائع الصنائع: ۲/ ۳۴۔

Marfat.com

سیراب ہوئی ہو، یا جس کی سیرابی تالاب، چشمہ، دریا یا نہروں کے ذریعے اس طرح ہوئی ہو کہ کاشت کار کو اس پر نا قابلِ لحاظ مصارف نہ اُٹھائے پڑے ہوں اور نہ ہی کوئی سخت محنت کرنی پڑی ہو۔ اسے صرف اتنا کرنا پڑا ہو کہ دریا یا نہر سے ایک نالی کے ذریعے پانی اپنے کھیت تک لے آئے۔ ایسی زمینوں کی پیداوار سے عشر یعنی کل پیداوار کا دسواں حصہ اسلامی ریاست کے بیت المال کو دینا ہوگا، لیکن اگر کاشت کار نے زمین کو اپنی محنت سے سیراب کیا ہو، یعنی کنویں وغیرہ سے پانی کھینچ کر سیراب کیا ہو تو پھر زکوٰۃ کی شرح پانچ فی صد یعنی کل پیداوار کا بیسواں حصہ (نصف عشر) دینا ہوگا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ردّ المحتار: ۲/۶۶، ۶۷۔ کتاب الخراج، ص: ۶۹)

۳ خراج:

خراج اسلامی ریاست کی آمدنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے، جو اسلامی فتوحات کے نتیجہ میں پیدا ہوا۔ خراج مال یا زمین کی پیداوار کی اس معین مقدار کو کہتے ہیں، جو مفتوحین کی زمینوں پر بطورِ محصول عائد کردی ہو، چنانچہ زمین دو قسم کی ہوتی ہے:

(۱) عشری (۲) خراجی

۱: عشری زمین وہ ہے جس کے مالک اس پر قابض رہتے ہوئے بغیر جنگ کے اسلام لائے ہوں یا جن کو امام یا خلیفہ نے غنیمت میں حصہ کے طور پر کسی فرد کی ملکیت میں دیا ہو۔ یا جو پہلے افتادہ (موات) رہی ہوں، لیکن اب احیاء کے ذریعے یا خلیفہ کے بطورِ جاگیر عطا کرنے پر کوئی فرد ان کا مالک ہوا ہو۔ ان زمینوں کی پیداوار میں سے عشر یا نصف عشر واجب ہے۔ [1]

۲: خراجی زمینیں وہ ہیں، جن کے غیر مسلم مالکوں سے صلح کرلی گئی ہو یا جن کو بزورِ قوت فتح کرنے کے بعد خلیفہ نے ان کے سابق مالکوں کے قبضہ میں رہنے دیا ہو۔ ان زمینوں پر ان شرحوں کے مطابق محصول (خراج) وصول کیا جائے گا، جو از روئے معاہدہ طے پائی ہوں یا جو خلیفہ نے مقرر کردی ہوں۔ [2]

خراج کی آسان لفظوں میں یہ تعریف ہے کہ خراج اس کرایہ کا نام ہے جو اسلامی ریاست اپنی

---

[1] کتاب الاموال، ص: ۵۱۲.

[2] کتاب الاموال، ص: ۵۵۔ ۶۸.

Marfat.com

مملوکہ زمین پر وصول کرتی ہے۔ ❶

کرایہ دار کی حیثیت عام کرایہ داروں جیسی بھی ہوسکتی ہے اور موروثی کاشت کاروں جیسی بھی۔ جو غیر مسلم کاشت کار اپنی زمینوں کے مالک نہ ہوں بلکہ اسلامی حکومت کی مملوکہ زمین پر کرایہ دار یا موروثی کاشت کار کی حیثیت سے کاشت کر رہے ہوں، ان سے حکومت اس زمین کا کرایہ وصول کرے گی، جسے خراج کہا جاتا ہے۔ اس کرایہ کی کوئی شرح شریعت نے متعین نہیں کی ہے، بلکہ مختلف زمانوں میں زمین کی کیفیت کے لحاظ سے حکومت خراج کی مختلف شرائط اور شرحیں متعین کرسکتی ہے۔ البتہ اس شرح کے تعین میں کاشت کار کی ضروریات اور زمین کی کیفیت کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔

جو غیر مسلم فوجی کشمکش کے بعد اسلامی اقتدار کے تحت آئے ہوں، ان کی زمینیں ان کی ملکیت نہیں رہ جاتیں، بلکہ اسلامی ریاست کی ملکیت میں داخل ہوجاتی ہیں۔ خراج کا تعلق اصلاً ایسی ہی زمینوں سے ہے۔ ❷

چنانچہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے جب خیبر فتح کیا تو وہاں کے یہودیوں نے کہا کہ ہم ان زمینوں کے مالک ہیں، ان کو کاشت کرنا ہم تم لوگوں سے زیادہ بہتر جانتے ہیں، لہٰذا تم ان کو ہمارے قبضہ ہی میں رہنے دو اور ہمارے ساتھ بٹائی پر معاملہ کرو۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان کی یہ درخواست منظور فرمالی اور نصف پیداوار پر معاملہ طے ہوگیا۔ اسی طرح فدک کے لوگوں نے بھی بٹائی پر آپ سے معاملہ طے کیا۔ رسول اللہ ﷺ کا ان سے یہ معاملہ مزارعت کی قسم کا ہے، جسے اہلِ مدینہ "مساقات" کہتے ہیں۔ سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیّدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے خیبر کی پیداوار کا تخمینہ چالیس ہزار وسق لگایا تھا۔ ❸

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہد خلافت میں ان لوگوں کے ساتھ یہی معاملہ کیا۔ ❹

آپ کے عہدِ خلافت میں عراق اور شام کے جو علاقے فتح ہوئے، ان پر سرسری طور پر کچھ رقم مقرر کردی گئی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسی زمینوں پر دونوں طرح سے معاملہ ہوسکتا ہے۔ بٹائی کے ذریعہ سے بھی اور ایک مقدار معین کرکے بھی، لیکن یہ حکم اسی صورت میں ہے، جب زمین بزورِ شمشیر

---

❶ الخراج فی الدولة الاسلامیه، ص: ١٥٦.

❷ کتاب الاموال، ص: ٢٨۔ ٢٧٩. الخراج فی الدولة الاسلامیه، ص: ١١١۔ ضیاء الدین الریس.

❸ کتاب الاموال، ص: ٢٠٨۔ کتاب الخراج لابی یوسف، ص: ٥٠.

❹ کتاب الخراج، ص: ٥٠.

Marfat.com

فتح کی گئی ہو اور وہ مسلمانوں کے مابین تقسیم نہ کی گئی ہو۔

۴ جزیہ:

ذمیوں (اسلامی ریاست کے غیر مسلموں) سے ان کی جان و مال کی حفاظت کا ایک ٹیکس وصول کیا جاتا ہے، جس کو ''جزیہ'' کہتے ہیں۔ یہ جزیہ صرف ایسے مردوں پر لگایا جاتا ہے، جو فوجی خدمت کے قابل ہوں، اس لیے عورتیں، بچے اور بوڑھے اس سے مستثنیٰ ہیں، اور وہ تمام لوگ جیسے مسکین، غریب اور اپاہج وغیرہ بھی جو مال نہیں رکھتے وہ بھی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ نادار اور مذہبی پیشواؤں کو بھی اس سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ یہ ٹیکس لوگوں کی حیثیت کے لحاظ سے لگایا جاتا ہے۔

جزیہ پر غیر مسلموں کی رضامندی کا اظہار اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے اپنے علاقہ پر اسلام کی سیادت کو تسلیم کرلیا ہے، لیکن اگر انھوں نے جزیہ دینے سے انکار کردیا تو ان کے خلاف جنگ جائز ہوگی۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں فرمایا تھا: ''جو لوگ تمھیں جزیہ دیں ان سے جزیہ قبول کرو اور جو لوگ جنگ پر اُتر آئیں ان سے جنگ کرو۔'' ❶

جزیہ اور خراج دونوں غیر مسلموں سے وصول کیے جاتے ہیں، لیکن ان دونوں میں فرق ہے۔ خراج زمین کا ٹیکس ہے، چنانچہ بعد میں اگر مالکِ زمین اسلام بھی قبول کرلے پھر بھی اس کی زمین خراجی ہی رہتی ہے۔ لیکن جزیہ فرد کا ٹیکس ہے جو اس کی جان و مال کی حفاظت کے عوض لیا جاتا ہے۔ چنانچہ جزیہ ادا کرنے والے ذمی کو فوجی خدمت سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے، لیکن اگر ذمی فوجی خدمت کے لیے تیار ہوں اور ریاست ان پر اعتماد کرسکتی ہو تو ان کو جزیہ سے بری کیا جاسکتا ہے۔ ❷

اگر کوئی ذمی مسلمان ہوجائے تو جزیہ اس سے ساقط ہوجائے گا، جب کہ خراج ساقط نہیں ہوگا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ خراج سنت سے ثابت ہے، قرآنِ حکیم میں اس کا کوئی ذکر نہیں جب کہ جزیہ کا ذکر خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں کیا ہے:

> ''اہلِ کتاب میں سے جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے نہ روزِ آخرت پر، اور نہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں اور نہ ہی وہ دینِ حق کے تابع ہوتے ہیں، ان سے اس وقت تک جنگ جاری رکھو، تاآنکہ وہ ماتحتی قبول کرتے

---

❶ سنن سعید بن منصور: ۲/ ۲٦٤.

❷ الخراج والدولة الاسلامیه، ص: ۱۱۱.

Marfat.com

ہوئے خود آ کر جزیہ دیں۔'' (۹:۲۹)

جزیہ کی اسلام میں کوئی شرح متعین نہیں ہے، اس لیے وہ سربراہِ مملکت یا فوج کے سربراہ کی صواب دید پر ہے۔ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں بھی اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بھی اس کی کوئی شرح متعین نہیں کی گئی تھی۔ چنانچہ عہد صدیقی میں حیرہ صلحاً فتح ہوا، اس لیے خراج تو ان پر نہ لگا، البتہ سیّدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے فی کس درہم کے حساب جزیہ وصول کر کے مدینہ طیبہ روانہ کر دیا۔ [1]

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ یمن پر ان کی مالی حالت کا لحاظ رکھتے ہوئے ایک دینار فی کس جزیہ مقرر فرمایا، کیوں کہ وہ لوگ خوش حال اور مال دار تھے۔ (ایضاً)

بہرحال جزیہ کی شرح ذمیوں کی مالی حالت دیکھ کر ہی متعین کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

''ذمیوں کے مالوں میں سے اتنا ہی لیا جائے گا، جو ان کی ضرورت سے زائد ہو۔'' [2]

جزیہ کی تقسیم انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح سے ہوتی ہے۔ انفرادی جزیہ وہ ہوتا ہے جو ہر اُس ذمی پر فرض ہوتا ہے جو اس کی شرائط کو پورا کرتا ہو۔ اس سے ایک خاص مقدار میں رقم لی جائے گی۔ اور جہاں تک اجتماعی یا مشترکہ جزیہ کی صورت ہے تو وہ کسی بستی یا شہر والوں پر خاص اندازے کے تحت مخصوص رقم کے وصول کرنے سے تکمیل پذیر ہوتا ہے۔ بعدازیں وہ خود اپنے افراد کے مابین اس کی تقسیم کے مختار ہوتے ہیں اور اس کی مثال عہد نبوی میں آپ نے اہلِ اذرح سے ہر رجب سو دینار پر صلح کی ہے۔ [3] اور اکثریتی اور اجتماعی جزیہ عصر اموی میں اسی قسم کا ہوتا تھا۔ [4]

اس لحاظ سے جزیہ کی تین قسمیں بنتی ہیں۔ (۱) نقدی جزیہ، (۲) عینی جزیہ، (۳) مشترک جزیہ اور ان تمام قسموں کا سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران اور عصر اموی میں معمول رہا تھا۔ اس سے باہر کسی حوالہ سے کوئی اشارہ نہیں ملتا، اور خاص کر صرف اسلامی شریعت صلح کے فیصلوں کی پابندی کرنے اور ان کے پورے کرنے کا تقاضا کرتی ہے، لیکن بعض اوقات ان شرعی ضابطوں سے بعض

---

[1] کتاب الاموال، ص: ۲۷.
[2] کتاب الخراج لابی یوسف: ۱۲۳.
[3] فتوح البلدان، ص: ۷۱.
[4] التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۶۷.

Marfat.com

گورنر تجاوز کرنے کی کوشش کرتے، لیکن انھیں روک دیا جاتا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تاریخ بلاد الشام الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۲۹۴۔ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۱۷۱ المغنی والشرح الکبیر ۲/۴۳۴، کتاب الاموال لابی عبید ص ۳۷۲ الوثائق السیاسیہ والاداریہ العائدہ للعصر الاخوی ص ۴۲۶ النظم الاسلامیہ انور الرفاعی ص ۸۶، الاحکام السلطانیہ ص ۱۷۵ کتاب الخراج لابی یوسف ص ۲۷۳، تہذیب تاریخ دمشق ۱/۱۸۴)

۵ غنیمت اور فئے:

ایک اسلامی ریاست کی آمدنی کا بڑا ذریعہ غنیمت اور فئے بھی ہیں۔ غنیمت وہ مال ہے جو حالت جنگ میں مخالف فوج سے حاصل ہو۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے یا جنگ ختم ہوجانے کے بعد دشمن سے جو مال (خراج وغیرہ کے طور پر) حاصل ہو، اسے غنیمت قرار نہیں دیا جاتا۔ علامہ ابوعبیدہ فرماتے ہیں:

> ''غنیمت اور فئے میں یہی فرق ہے کہ جو کچھ اہلِ شرک سے جبراً چھین لیا جائے، اس وقت جب کہ جنگ عملاً قائم ہو، وہ غنیمت ہے جس کا پانچواں حصہ (خمس) الگ کر کے باقی سارا مال مخصوص طور پر اِنھی فوجیوں کو دیا جاتا ہے، دوسرے لوگوں کو نہیں ملتا۔ جو مال جنگ بند ہونے کے بعد اور اس ملک کے اسلامی ملک بن جانے کے بعد مفتوح لوگوں سے حاصل ہو، وہ فئے ہے جو سارے لوگوں کے لیے ہوتا ہے اور جس میں سے پانچواں حصہ الگ نہیں کیا جاتا۔ یہی نوعیت اس مال کی ہے جو جنگ شروع ہونے سے قبل دشمن سے مل جائے۔''[1]

اہلِ حرب سے غنیمت کے علاوہ جو مال حاصل ہو، اسے فئے کہتے ہیں۔ جنگ شروع ہونے سے قبل اور جنگ ختم ہونے کے بعد جو اموال حاصل ہوں یا جو مال بغیر جنگ یا فوج کشی کے حاصل ہوجائیں، وہ اموال فئے قرار پاتے ہیں۔ صلح کے نتیجہ میں مفتوح ملک سے حاصل ہونے والا مال بھی فئے میں شامل ہے۔ نیز مفتوحہ ممالک کی وہ ساری زمینیں جن کے مالک جنگ سے پہلے اسلام نہیں لاچکے تھے، فئے میں داخل کی جاتی ہیں۔ فئے کا حکم قرآنِ حکیم کی سورۃ الحشر، آیت نمبر: ۶ تا ۱۰ میں ذکر

---

[1] کتاب الاموال، ص: ۲۵٤، التطور الاقتصادی فی العصر الاموی ص ۸۰.

Marfat.com

کیا گیا ہے۔ یہ آیات مدینہ طیبہ کے ایک یہودی قبیلے بنونضیر کی جلاوطنی کے موقع پر نازل ہوئی تھیں۔ ان کی بدعہدی اور فتنہ انگیزی کے نتیجہ میں اسلامی فوج نے ان کا محاصرہ کرلیا۔ بنونضیر نے محاصرہ کی تاب نہ لاتے ہوئے ہتھیار ڈال دیے اور جنگ کی نوبت نہ آئی۔ نبی اکرم ﷺ نے ان لوگوں کی جلاوطنی کا فیصلہ فرمایا۔ ان لوگوں نے جو مال و املاک چھوڑے ان کے بارے میں سورۃ الحشر کی ان آیات میں یہ حکم نازل ہوا کہ ان کو اسلامی ریاست اپنی تحویل میں لے لے۔ چنانچہ یہ مال محاصرہ کرنے والوں کے درمیان تقسیم نہیں کیا گیا، بلکہ پورے کا پورا مال جس میں غیر منقولہ املاک، اشیائے استعمال اور نقدی وغیرہ شامل تھا، بیت المال میں داخل کرلیا گیا۔ جب شام و عراق کے ممالک فتح ہوئے تو ان کی زمینوں کے بارے میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طریقہ پر عمل کیا کہ مفتوح ممالک کی ساری زمینیں اور فتح کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی غیر منقولہ املاک ریاست کی ملکیت قرار دی گئیں، خواہ وہ فوج کشی کی وجہ سے فتح حاصل ہوئیں یا جنگ کے بعد ہوئیں یا بغیر جنگ کے ہوئیں۔

۶ جاگیریں:

اسلامی ریاست کی آمدنی کا ایک ذریعہ جاگیر بخشی بھی ہے۔ عہدِ نبوت میں بھی اس کا رواج تھا اور اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کسی شخص کو زمین کا ایک ٹکڑا اس شرط پر دیتے تھے کہ وہ اس کو آباد کرے گا اور اس کی آمدنی کا ایک حصہ بیت المال میں داخل کرے گا۔ [1] چنانچہ علامہ ماوردی رحمہ اللہ نے احکامِ سلطانیہ میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی ایک جاگیر بخشی کا ذکر کیا ہے کہ آپ نے قبیلہ مزینہ کے جن لوگوں کو ایک جاگیر عطا فرمائی، ان لوگوں نے اسے قابل کاشت بنانے کی زحمت گوارا نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ دوسرے لوگوں نے اس پر کاشت کاری کرلی۔ اب مزینہ والوں نے اس زمین کو پھر واپس لینا چاہا۔ معاملہ سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس پیش ہوا۔ آپؓ نے جو فیصلہ فرمایا وہ یہ تھا کہ: ''جو شخص تین برس کسی زمین کو یونہی چھوڑے رکھے تو پھر کوئی دوسرا شخص اس کو آباد کرلے، تو یہ دوسرا شخص جس نے اس کو آباد کیا ہے، اس زمین کا زیادہ حق دار ہوگا۔'' [2]

---

[1] کتاب الاموال، ص: ۲۷۲.

[2] الاحکام السلطانیه، ص: ۱۵۱۔ کتاب الخراج، یحییٰ بن آدم، ص: ۹۱۔ کتاب الخراج لابی یوسف، ص: ۷۷.

Marfat.com

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہد خلافت میں اس طریقہ کو اسی طرح قائم رکھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمامہ کے ایک شخص مجاعہ کو ان کی درخواست پر اپنے ایک خصوصی فرمان کے ساتھ کچھ زمینیں عطا فرمائی تھیں، اور اس فرمان میں یہ بھی لکھا تھا کہ: ''اگر کوئی شخص تم سے جھگڑا کرے تو میرے پاس آنا۔'' سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد مجاعہ بن مرارہ رضی اللہ عنہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مزید ایک قطعہ زمین کی درخواست کی تو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خضرامہ نامی زمین اس کو عطا فرمادی۔ ❶

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سیّدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو ایک جاگیر عطا فرمائی۔ وہ جاگیر کا قبالہ لے کر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے اس پر دستخط کرنے کے لیے کہا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دستخط کرنے سے انکار کردیا اور فرمایا: ''کیا اور لوگوں کو چھوڑ کر یہ ساری زمین تمہی کو ملے گی؟'' سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ کلمات سن کر غصہ آ گیا۔ اسی حالت میں سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آ کر کہا: ''بخدا! میں نہیں جانتا کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمر رضی اللہ عنہ؟'' سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''خلیفہ تو عمر رضی اللہ عنہ ہی ہیں لیکن انھوں نے اسے (منصبِ خلافت کو) قبول نہیں کیا۔'' ❷

اسی طرح کی اور بھی کئی جاگیروں کا پتہ کتابوں سے چلتا ہے۔ لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ عہدِ نبوتؐ اور خلفائے اربعہ اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں جو جاگیریں یا زمین کے بڑے بڑے قطعات لوگوں کو دیے جاتے تھے، وہ ان کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتے تھے، بلکہ ان کے دینے کا مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ وہ لوگ ان قطعات اراضی کو قابل کاشت بنا کر یا اگر وہ پہلے ہی قابل کاشت ہیں تو ان پر کاشت کاری کر کے خود بھی فائدہ اُٹھائیں اور ان کی آمدنی یا پیداوار کا ایک حصہ بیت المال میں بھی جمع کرائیں تاکہ دوسرے لوگ بھی اس سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ لیکن اگر کوئی ان زمینوں کو بے کار چھوڑ دیتا تھا تو وہ اس سے واپس لے لی جاتی تھیں اور کسی اور کو دے دی جاتیں۔ علامہ ابوعبید رحمہ اللہ نے اس بارے میں اپنی کتاب الاموال میں تفصیل سے لکھا ہے۔

☆ دفینے:

زمین میں جو دفینے مدفون ہوں ان کے ملتے ہی ان کا پانچواں حصہ (خمس) بیت المال میں

---

❶ کتاب الاموال، ص: ۲۸۱۔ ❷ کتاب الاموال: ۲۷۲۔ المغنی لابن قدامہ: ۵/ ۵۶۷۔

Marfat.com

داخل کیا جائے گا۔ ان کے خمس کے بارے میں حدیث میں ہے کہ یہ خمس رسول اللہ ﷺ نے خود مقرر فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((فی الرکاز الخمس .)) ❶

''رکاز یعنی دفینہ میں پانچواں حصہ واجب ہے۔''

۸ عطایا اور اوقاف:

اسلامی ریاست کی آمدنی کا ایک اور ذریعہ ان کے افراد کے عطیے ہیں۔ ایک طرف تو افراد اسلام کی ہدایات کے مطابق اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں اور مختلف اجتماعی کاموں مثلاً دفاع، جہاد فی سبیل اللہ، اشاعت اسلام اور دوسرے کارہائے خیر کے لیے اسلامی ریاست کو مالی امداد بہم پہنچاتے رہتے ہیں، اور دوسری طرف وقت کی ضرورت پر ریاست کے افراد سے اپیل کر کے بھی مال جمع کرتے ہیں۔ تاکہ نقد رقوم کے علاوہ دوسرے اموال و املاک بھی ہبہ، وصیت اور وقف کے ذریعے ریاست کو منتقل ہو سکیں۔

سرکارِ دو عالم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے اور آپ نے معاشرہ کی معاشی تنظیم شروع کی تو سب سے اہم مسئلہ مکہ سے آنے والے مہاجرین کی آبادکاری کا تھا۔ انصارِ مدینہ نے بڑی فراخ دلی سے مدینہ کی تمام قابل تعمیر خالی زمینیں آپ کی خدمت اقدس میں پیش کر دیں۔ ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ آپ چاہیں تو ہمارے رہائشی مکانات بھی حاضر ہیں، لیکن آپ نے مکانات لینا پسند نہ فرمایا۔ آپ نے انصار کے دیے ہوئے قطعات اراضی اور مدینہ طیبہ کی افتادہ اور غیر مملوکہ زمینوں پر مہاجرین کو مکان بنانے اور آباد ہونے کا موقع دیا۔ ❷

۹ عشور:

محصول یا کسٹم ڈیوٹی کو فقہ کی اسلامی اصطلاح میں ''عشور'' کہتے ہیں۔ یہ وہ محصول ہے جو دار الحرب اور دار الاسلام کے درمیان تجارتی کاروبار رکھنے والوں سے لیا جاتا ہے، خواہ وہ تاجر مسلمان ہو یا ذمی یا کافر حربی۔ اس محصول میں مسلمان، ذمی اور کافر حربی کے درمیان مقدار میں فرق ہے۔ یہ

---

❶ کتاب الاموال: ۳۳۶، متفق علیه. دراسات فی حضارة الاسلام ص ٤٦.

❷ انساب الاشراف: ۱/ ۲۷۰.

Marfat.com

محصول مسلمان کے مال تجارت سے چالیسواں حصہ لیا جاتا ہے، ذمی کے مال سے بیسواں حصہ اور حربی کے مال سے دسواں حصہ لیا جاتا ہے۔ ❶

ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ ایک شہر سے دوسرے شہر سامان تجارت لے کر جانے والے تاجروں سے حکومت جو کچھ وصول کرتی ہے، وہ تجارتی عشر ہوتا ہے۔ ❷

عشور اگرچہ عشر کی جمع ہے، لیکن واحد بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کی جمع عشورات بھی آتی ہے۔

اسلامی دورِ حکومت میں سب سے پہلے عشور (تجارتی عشر) سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عائد کیا۔ ❸ اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ اہلِ بنج اور بحر عدن کے اس پار کے لوگوں نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ اپنا سامانِ تجارت لے کر سرزمین عرب میں داخل ہوا کریں گے اور مسلمانوں کو عشر (کل مال کا دسواں حصہ) دیا کریں گے۔ اس پر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور سب نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔ چنانچہ اس طرح سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تجارتی عشر وصول کیا۔ ❹ لیکن اس مشورہ کے باوجود سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ بھی پتہ چلایا جائے کہ مسلمان تاجر غیر مسلم ریاستوں میں برائے تجارت داخل ہوتے ہیں تو ان سے کتنا ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔ جب پوچھا گیا تو مسلمان تاجروں نے بتایا کہ غیر مسلم حکومتیں ان کے سامانِ تجارت کا دسواں حصہ ان سے لے لیتی ہیں۔ چنانچہ آپ نے بھی فیصلہ فرمایا کہ جو کچھ وہ ہم سے لیتے ہیں وہی کچھ ہم ان سے لیں گے۔ ❺ ابوعبید نے لکھا ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ذمیوں سے پانچ فیصد، اہلِ حرب سے دس فی صد اور مسلمانوں سے اڑھائی فیصد عشر وصول کیا تھا۔ ❻ ایک روایت میں بجائے اہلِ حرب کے ایسے غیر ملکی تاجروں کا لفظ ہے، جو ذمی نہ ہوں اور ملکی ضرورت کے پیش نظر اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی، مثلاً سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں گیہوں اور زیتون کا تیل مکہ یا مدینہ درآمد کرنے والوں پر یہ ٹیکس دوسرے علاقوں کے مقابلہ میں نصف کر دیا گیا تھا۔ ❼ ایسا اس لیے کیا گیا کہ مدینہ میں یہ اشیاء وافر مقدار میں پہنچتی رہیں۔

---

❶ کتاب الاموال، ص: ٥٣٤۔ کتاب الخراج لابی یوسف، ص: ١٣٢۔ ❷ المغنی: ٨/ ٥١٧.

❸ کتاب الاموال، ص: ٥٣٤۔ مصنف عبدالرزاق: ١٠/ ٣٣٤.

❹ مصنف عبدالرزاق: ٦/ ٩٧۔ ١٠/ ٣٣٥.

❺ مصنف عبدالرزاق: ٦/ ٩٨. ❻ کتاب الاموال، ص: ٥٣٣.

❼ تفسیر قرطبی: ٨/ ١١٣۔ کتاب الاموال، ص: ٥٣٣.

Marfat.com

زریق مولیٰ بن فزارہ سے مروی ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں لکھا تھا کہ جو ذمی تاجر تمھارے پاس سے گزریں، ان سے ان کے اموالِ ظاہرہ پر یعنی ان مالوں پر جن سے وہ تجارت کرتے ہیں، پر بیس (۲۰) دینار پر ایک دینار وصول کریں۔ ❶ اموالِ ظاہرہ کہنے سے یہ مراد ہے کہ اگر تاجر اپنا کوئی مال چھپالیں تو عشر وصول کرنے والا اس کی تفتیش نہ کرے۔ چنانچہ زیاد بن حدیر سے مروی ہے کہ مجھے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عشور کے لیے بھیجا اور حکم دیا کہ میں کسی کی تفتیش نہ کروں۔ ❷

ایک روایت اس بارے میں یہ بھی ہے کہ گورنر بصرہ سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ''مسلمان تاجر جب دارالحرب میں تجارت کی غرض سے جاتے ہیں تو دارالحرب کی حکومت ان سے دس فی صد ٹیکس وصول کرتی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ ہم بھی دارالحرب کے تاجروں سے اس قسم کا ٹیکس وصول کیا کریں۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا: ''تم بھی دارالحرب کے تاجروں سے دس فی صد ٹیکس لے لیا کرو، اور اہلِ ذمہ کے مال سے پانچ فی صد اور مسلمانوں کے مال تجارت سے اڑھائی فی صد لے لیا کرو۔'' ❸

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حربی، ذمی اور مسلمان تاجر کے درمیان عشور کی مقدار میں فرق رکھا۔ چنانچہ آپ نے سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام تحریر کیا کہ مسلمانوں سے دوسو پر پانچ لے لو اور پھر ہر چالیس پر ایک درہم وصول کرو۔ ❹ سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے عشور وصول کرنے کے لیے بھیجا اور مجھے فرمان لکھ کر دیا کہ مسلمان تاجروں سے اموال تجارت لانے لے جانے پر ربع عشر یعنی اڑھائی فی صد وصول کروں اور ذمیوں سے نصف عشر اور حربیوں سے عشر وصول کروں۔ ❺

ایسی ہی ایک روایت زیاد بن حدیر سے مروی ہے۔ ❻ زیاد بن حدیر اسلام میں سب سے پہلے عشور وصول کرنے والے ہیں۔ ❼ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت میں عشور وصول

---

❶ مصنف ابن ابی شیبه: ۱/۱۲۸.
❷ مصنف ابن ابی شیبه: ۱/ ۱۲۸۔ کتاب الخراج، ص: ۱٤٤.
❸ بنایه شرح هدایه: ۱/ ۱۲۲۰.
❹ کتاب الخراج یحییٰ، ص: ۱۷۲۔ مصنف ابن ابی شیبه: ۱/ ۱۳۱۔ بدائع الصنائع: ۲/ ۲۵.
❺ کتاب الخراج لابی یوسف، ص: ۱٦۱۔ سنن کبریٰ بیهقی: ۹/ ۲۱۰۔ محلّی: ٦/ ۷۲۔ ۱۱۵۔ المصنف عبدالرزاق: ٤/ ۸۸۔ ٦/ ۹۵.
❻ کتاب الخراج لابی یوسف، ص: ۱۳٤.
❼ کتاب الاموال، ص: ۵۲۸.

Marfat.com

کرتے تھے، لیکن کسی معاہد اور مسلم سے عشور وصول نہیں کرتے تھے۔ عبداللہ بن خالد عبسی نے پوچھا کہ پھر تم کس سے عشور وصول کرتے تھے یا انھوں نے جواب دیا: ''اہلِ حرب تاجروں سے جن کے یہاں جب ہم جاتے تھے تو وہ ہم سے عشر وصول کرتے تھے۔'' ❶

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمان تاجروں سے اور ذمی تاجروں سے وہ مقدار وصول نہیں کرتے تھے جو اہلِ حرب کے تاجروں سے وصول کرتے تھے، کیوں کہ جو کچھ اہلِ حرب سے لیا جاتا تھا وہ اپنے مزاج کے لحاظ سے اس سے مختلف تھا، جو مسلمان ذمی تاجروں سے لیا جاتا تھا۔

خلاصہ یہ کہ ایک اسلامی حکومت کے محاصل میں سے یہ بھی ایک محصول ہے۔

۱۰ لقطہ:

اس سے مراد وہ مال ہے جس کا مالک نہ مل سکے۔ اس میں گری پڑی چیزوں کے علاوہ وہ تمام اموال بھی شامل ہیں، جو کبھی مملوکہ رہے ہوں، لیکن اب ان کے مالک لاپتہ ہوں۔ جس شخص کے ہاتھ میں ایسا کوئی مال آئے، اس کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس کے مالک کا پتہ لگانے کی کوشش کرے اور اس کے بعد مناسب طریقہ پر اعلان کرے۔ پانے والے کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ اس کا مالک بن بیٹھے۔ چنانچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لقطہ حلال نہیں، لہٰذا جو کوئی کسی شئے کو اُٹھالے اسے چاہیے کہ ایک سال تک اس کا اشتہار کرے۔ اب اگر اس کا مالک آجائے تو یہ مال اس کے حوالہ کردے، اور اگر نہ آئے تو اسے صدقہ کردے۔'' ❷ امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسے بیت المال میں داخل کرادے۔ ❸

علماء نے لکھا ہے کہ وہ مال جو کسی مسلمان مالک کا ہو، لیکن اب اس کے مالک یا اس کے ورثاء کا پتہ نہ چل سکے تو اسے ریاست کی ملکیت میں داخل کرلیا جائے گا۔ ❹

۱۱ لاوارث ترکے:

ایسے تمام ترکے جن کا کوئی شرعی وارث موجود نہ ہو، نہ مالک نے وصیت کے ذریعے انھیں کسی

---

❶ مصنف عبدالرزاق: ٦/٩٩۔ ١٠/٣٧٠۔ المحلّی لابن حزم: ٦/١٦۔ کتاب الاموال، ص: ٥٢٨.

❷ بدائع الصنائع: ٦/ ٢٠٢.

❸ بدایة المجتهد: ٢/ ٣٠٦.

❹ السیاسة الشرعیه فی احوال الراعی والرعیة، ص: ٤٠.

Marfat.com

کی طرف منتقل کیا ہو، اسلامی ریاست کی ملکیت قرار پاتے ہیں۔ چنانچہ سرکارِ دو عالمؐ نے ارشاد فرمایا:

((انا وارث من لا وارث له ارثه واعقل عنه .)) ❶

''یعنی جس کا کوئی وارث نہ ہو، اس کا وارث میں ہوں، میں اس کا ترکہ پاؤں گا اور اس کی طرف سے دیت ادا کروں گا۔''

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایک اثر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسی اصول پر عمل کرتے تھے کہ لاوارث ترکے بیت المال میں داخل کر دیتے تھے۔ چنانچہ ابن عبدالحکم نے لکھا ہے:

''سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ گورنر مصر نے سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مصر کے ایسے راہبوں کے بارے میں لکھا جو بغیر کوئی وارث چھوڑے مرجاتے ہیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں جواب میں لکھا کہ ان میں سے جس کے پیچھے ان کی نسل میں سے کوئی ان کا وارث ہو تو اس کی میراث اس کے حوالہ کر دی جائے، اور جس کے پیچھے اس کی نسل میں سے کوئی نہ ہو، اس کا مال مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دیا جائے، کیونکہ اس کی ولایت مسلمانوں کو پہنچتی ہے۔'' ❷

اسی طرح سنت میں مجرم کے مال کا ایک حصہ ضبط کر لینے کی نظیریں بھی ملتی ہیں۔ چنانچہ اسلام سے مرتد ہو جانے والے کا مال بھی بحقِ ریاست ضبط کر لیا جائے گا۔

''ارتداد کی ذیلی سزا مرتد کے مال کی ضبطی ہے۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کی رائے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں رائج رائے یہ ہے کہ مرتد کا سارا مال بحق ریاست ضبط کر لیا جائے۔'' ❸

سنن ابی داؤد میں ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''چرنے والے اونٹوں میں سے ہر چالیس اونٹوں پر اونٹ کا ایک ایسا بچہ جو دو سال پورے کر چکا ہو، واجب ہے۔ اونٹوں کو زکوٰۃ کا حساب بگاڑنے کے لیے ادھر ادھر نہیں کیا جائے گا۔'' ابن العلا نے کہا ہے کہ جو اس کے ذریعے اجر آخرت حاصل کرنے کی

---

❶ کتاب الاموال، ص: ۲۲۱.

❷ فتوح مصر واخبارها، ص: ۹۰.

❸ التشریع الجنائی، عبدالقادر عودة: ۱/ ۶۶۲.

Marfat.com

خاطر اسے دے گا تو اسے اس کا اجر ملے گا اور جس نے اس کے ادا کرنے سے گریز کیا تو ہم اس سے وصول کر کے رہیں گے اور اس کے آدھے اونٹ اور لے لیں گے۔ یہ ہمارے پروردگار کا قطعی فیصلہ ہے۔'' ❶

جو شخص سرکاری چراگاہ کی گھاس کاٹتے ہوئے پایا جائے، اس کو مارو اور اس کے پاس جو کچھ ہے، وہ چھین لو۔ ❷

چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس پر عمل بھی کیا گیا اور انھوں نے اپنے دو بیٹوں عبداللہ اور عبیداللہ رضی اللہ عنہما کے آدھے اونٹ صرف اس بنا پر ضبط کر لیے کہ انھوں نے ان کے لیے سرکاری چراگاہ کو استعمال کیا تھا۔ ❸

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بحرین کا گورنر مقرر کیا۔ جب وہ وہاں سے واپس آئے تو سرکاری مال کے علاوہ دس ہزار درہم خود اپنا مال بھی ساتھ لائے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب طلب کیا۔ انھوں نے بتایا کہ یہ مال ان کی اپنی کمائی کا ہے، لیکن ان کے جواب سے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ مطمئن نہ ہوئے اور آپ نے ان کا یہ تمام مال بحق سرکار ضبط کر لیا۔ ❹

اسی طرح اسی بنیاد پر آپ نے سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا آدھا مال بحق سرکار ضبط کر لیا۔ ❺

یہ ہیں اسلام میں ریاستی بیت المال کے چند محاصل جن کی آمدنی سے ایک اسلامی ریاست کا خزانہ بھرتا ہے اور لوگوں کی بہتری اور بہبودی کے لیے مال اکٹھا ہوتا ہے۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان تمام ذریعوں سے حکومت کے محاصل اکٹھے کیے جاتے، لیکن آپ کے بعد عہد اموی میں بتایا یہ جاتا ہے لوگوں نے زکوٰۃ کی ادائیگی میں کچھ کمی کر دی، کیونکہ بعض اموی خلفاء کے عہد میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے اس کی وصولی اور تقسیم کے کام کی ذمہ داری گورنروں کو دینے سے انکار کر دیا تھا ماسوائے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عہد کے۔ جب

---

❶ ابو داؤد، باب زکوٰۃ السائمہ. ❷ فتوح البلدان، ص: ٢٣.

❸ سراج الملوك، ابوبكر محمد بن محمد طرطوسي، ص: ١١٦.

❹ فتوح مصر، ابن عبدالحكم، ص: ١٤٨.

❺ فتوح مصر، ص: ١٤٦۔ كتاب الاموال، ص: ٢٦٩۔ طبقات: ٤/ ٢٨٢.

Marfat.com

لوگوں نے ان کے بارے میں سنا کہ مسندِ خلافت ان کے سپرد کردی گئی ہے تو لوگوں نے فوراً زکوٰۃ مملکت کے حوالے کردی۔ ❶ اس طرح سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں زکوٰۃ عام آمدنی کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہوگیا۔

یہ چونکہ اموی اقتصادیات کے دو اہم ذرائع میں سے حاصل کی جاتی تھی، یعنی ایک تجارت اور دوسرا زراعت۔ ❷ اور اسی طرح ایک خاص محکمے کا وجود بھی عمل میں آیا، جس کا نام دیوان الصدقات یعنی صدقات کا محکمہ تھا۔ ❸ اور یہ ایسا محکمہ تھا جو ان زکوٰۃ وصدقات کے امور پر نظر رکھتا تھا، جو صاحبِ استطاعت اور مال دار لوگوں سے مالی شکل میں وصول کیے جاتے تھے، تاکہ ان کی تقسیم قرآن وحدیث میں بیان کردہ صحیح ضابطوں کی روشنی میں ان کے مستحق افراد پر ہوسکے۔ ❹

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، صفحہ:٦٦)

صوبوں کی آمدنی:

آمدنی کی متذکرہ الصدر مدّات سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو مملکت کے مختلف صوبوں سے مندرجہ ذیل آمدنی ہوتی تھی:

(۱) عراق اور اس کے ملحقات	٦٥٥ ملین درہم
(۲) سواد اور اس کے ملحقات	۱۳۰ ملین درہم
(۳) صوبہ فارس	۷۰ ملین درہم
(۴) اہواز اور اس کے ملحقات	۴۰ ملین درہم
(۵) یمامہ اور بحرین	۱۵ ملین درہم
(٦) کورد جلہ	۱۰ ملین درہم
(۷) نہاوند، دینور اور ہمدان	۴۰ ملین درہم

---

❶ عمر بن عبدالعزیز لابن جوزی، ص: ١٠٤۔ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی۔ عصام الحضری، ص: ٦٥.

❷ کتاب الخراج، ص: ٢٧١.

❸ النظم الاسلامیة انور الرفاعی، ص: ٨٢۔ ٨٣.

❹ الدواوین فی العصر الاموی۔ نجم المسعودی، ص: ٦١.

Marfat.com

(۸) رے اور اس کے ملحقات	۳۰ ملین درہم
(۹) حلوان	۳۰ ملین درہم
(۱۰) موصل اور اس کے ملحقات	۴۵ ملین درہم
(۱۱) آذربائیجان	۳۰ ملین درہم
(۱۲) مصر	۳۰ ملین درہم
(۱۳) فلسطین	۴۵۰ ہزار دینار
(۱۴) اُردن	۱۸۰ ہزار دینار
(۱۵) دمشق	۴۵۰ ہزار دینار
(۱۶) حمص	۳۵۰ ہزار دینار
(۱۷) قنسرین اور اس کے ملحقات	۴۵۰ ہزار دینار
(۱۸) الجزیرہ	۵۵ ملین درہم
(۱۹) یمن	۱۲ لاکھ دینار [1]

❀❀❀❀

[1] الیعقوبی: ۲/ ۲۷۷۔ ۲۷۸.

Marfat.com

نظام اخراجات

یہ تو محاصل حکومت تھے جن کو گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے۔اب نظام اخراجات کیا تھا؟ اس کی کئی مدات تھیں۔

(۱) عسکری اخراجات:

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں سلطنت کی پہنائیوں میں بہت اضافہ ہوا۔فتوحات کا ایک بہت بڑا سلسلہ قائم ہوگیا۔اسلامی دعوت افریقہ کے آخری کونوں تک پہنچ گئی۔اس وجہ سے ایک بہت بڑی فوج کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ سلطنت کے محاصل کا ایک بہت بڑا حصہ فوجی اور عسکری اخراجات پر صرف ہوتا تھا۔کتابوں میں لکھا ہے کہ اُموی مملکت نے اپنے ذمہ ایک اہم مہم لی ہوئی تھی جس میں دنیا کے مختلف اطراف اور گوشوں میں اشاعت اسلام کو آگے بڑھایا جاتا تھا اور دعوتِ اسلام کو اوّلیت دی جاتی تھی۔اسی وجہ سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں اسلامی سلطنت کے حدود و ثغور میں بہت زیادہ اضافہ ہوا۔اس کے ساتھ کئی فتنے اور داخلی خلفشار بھی دیکھنے میں آئے جن میں ایک سب سے بڑا فتنہ خوارج کا تھا۔ان کے قلع قمع اور بیخ کنی کے لیے بہت زیادہ اخراجات درکار تھے۔ چنانچہ اُموی دور میں عسکری اخراجات،فوجی ضروریات اور جنگی آلات خریدنے پر ایک بہت بڑی رقم خرچ ہوتی تھی۔[1]

ا: فوج کی تنخواہیں:

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فوجی اخراجات میں فوج کی تنخواہیں بھی تھیں۔فوج کی تنخواہیں سب سے پہلے سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مقرر کی تھیں۔[2] فوج کے لیے چونکہ زراعت،تجارت اور دوسرے کام ممنوع قرار دیے گئے تھے،لہٰذا ان کی تنخواہیں اتنی مقرر کی گئیں جن سے وہ اپنی تمام ضروریات زندگی پوری کرسکیں، چنانچہ ایک فوجی کی کم سے کم تنخواہ دوسو درہم تھی جو بعد میں تین سو درہم کردی گئی۔افسروں کی تنخواہ سات ہزار سے دس ہزار تک تھی۔بچوں کی تنخواہ پہلے تو دودھ چھوڑنے کے بعد شروع ہوتی تھی

[1] التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۹۷. [2] طبقات ابن سعد ۱/۲۱۳، الیعقوبی ۲/۱۴۳.

Marfat.com

لیکن بعد میں حکم دے دیا کہ پیدائش کے روز ہی سے شروع کردی جائے بعد میں جب فتوحات میں اضافہ ہوا اور روپیہ کثرت سے آنا شروع ہوگیا تو اب سپاہی کو بہت کچھ ہاتھ آجاتا تھا۔ چنانچہ جنگ جلولاء میں نو نو ہزار اور جنگ نہاوند میں چھ چھ ہزار درہم ایک ایک سوار کے حصہ میں آئے۔ تنخواہ کی اس زیادتی کی وجہ سے لوگوں کا زیادہ تر رجحان فوج کی طرف ہوگیا۔

تنخواہوں کی تقسیم کے مسئلہ کو بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بہت آسان اور منظم بنایا ہوا تھا۔ بھتہ اور تنخواہ وغیرہ کی تقسیم کے اوقات مختلف رکھے ہوئے تھے۔ محرم کے شروع میں تنخواہ، فصل بہار میں بھتہ اور فصل کی کٹائی کے وقت خاص خاص جاگیروں کی آمدنی تقسیم ہوتی تھی۔ ❶ اور تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ کار یہ تھا کہ فوج میں دس سپاہیوں پر ایک افسر ہوتا تھا جس کو "امیر الاعشار" کہتے تھے۔ اور ہر قبیلے کے ساتھ ایک کمانڈنگ آفیسر ہوتا تھا جس کو "عریف" کہتے تھے۔ حکومت کی طرف سے تنخواہ "امراء الاعشار" کو دے دی جاتی اور وہ "عریف" کے حوالے کرتے تھے اور عریف اپنے اپنے قبیلہ کے سپاہیوں کے حوالے کرتے۔ ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم ہوتی تھی۔ ان تمام حضرات کو بڑی سخت تاکید تھی کہ تنخواہوں کی تقسیم میں خاص احتیاط سے کام لیں، اور رجسٹر کے مطابق ہر شخص کو اس کی تنخواہ وقت پر دیں۔ عراق میں بعض "امراء الاعشار" نے تنخواہوں کی تقسیم میں کچھ بے احتیاطی سے کام لیا تو بارگاہِ خلافت سے ان کی سخت گوشمالی کی گئی اور ان لوگوں کی آفیشل تحقیقات سعید بن عمران اور مشغلہ بن عمران وغیرہ سے کروائی گئیں، پھر ان کی رپورٹ کی روشنی میں لوگوں کے عہدے اور ان کی تنخواہیں مقرر کی گئیں اور پھر دس دس فوجیوں پر افسر کی جگہ سات سات فوجیوں پر افسر مقرر کیا گیا۔ ❷ فوج کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں کچھ اور بھی چیزیں ہوئیں جو ان سے قبل فوج میں نہیں ہوتی تھیں، اور ان کی ایجاد کا سہرا آپ کے سر ہے، اور کچھ چیزیں ایسی بھی تھیں جو گزشتہ ادوار سے چلی آرہی تھیں۔ آپ نے ان کو قائم رکھا اور ان میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہ کی کیوں کہ وہ چیزیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قائم کردہ تھیں۔

طبری نے روایت کیا ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دستور ہوگیا تھا کہ دشمن کے بالمقابل صف آراء ہونے کے بعد آپ سورۃ انفال کی آیات تلاوت فرماتے تھے۔ یہ دستور آپ

---

❶ طبری: ۱۴۳/۶۔ ❷ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: طبری، مقریزی، فتوح البلدان اور البدایہ والنہایہ

Marfat.com

کے بعد بھی قائم و دائم رہا، بلکہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں یہ اہتمام بھی ہوتا تھا کہ چند ایسے حضرات لشکر کے ساتھ بھیجے جاتے تھے جو اپنی ولولہ انگیز تقریروں اور قرآن حکیم کی جہاد سے متعلق تلاوت سے مجاہدین اسلام میں جوش اور ولولہ پیدا کرتے تھے۔ چنانچہ شام کی جنگ کے موقع پر یہ خدمت سیّدنا ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی۔ ان کے علاوہ قرآن حکیم کی تلاوت سیّدنا مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کرتے تھے۔ یہ عہدہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہدِ خلافت میں قائم رکھا اور ان کے بعد والے خلفاء نے بھی جن میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں، اس عہدہ کو قائم رکھا۔ اور ہر جنگ میں لوگوں میں جوش اور ولولہ پیدا کرنے کے لیے ''وعظ گو'' رکھے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ فوج میں اور بھی کئی عہدے رکھے گئے تھے۔ چنانچہ ہر فوج کے ساتھ ایک افسر خزانہ، ایک محاسب، ایک قاضی اور کئی مترجم ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ زخمیوں اور بیماروں کے علاج کے لیے طبیب اور جراح یعنی فزیشن اور سرجن بھی ہوتے تھے۔ فوج میں ان عہدوں کے قیام کا سہرا سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سر ہے اور یہ سارے عہدے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی تھے اور ان کی تنخواہیں سرکاری خزانے سے ملتی تھی۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے عہدِ خلافت میں فوج کی معاشی حالت کی بہتری اور حالات کے تقاضوں کے تحت قبائل کے حالات کا جائزہ لیتے رہتے تھے اور اس کو اپنی سیاست کا ایک اہم حصہ سمجھتے تھے تاکہ یمنی قبائل اور قیسی قبائل کے مابین توازن کو قائم رکھا جاسکے۔ آپ نے مصر میں ہر عربی قبیلہ کے لیے ایک شخص مقرر کر رکھا تھا جو ہر صبح لوگوں کی مجلسوں اور محفلوں میں جاتا اور ان سے دو اہم سوالات پوچھتا۔ ایک یہ کہ کیا تم میں کوئی نیا بچہ پیدا ہوا ہے؟ اور دوسرا یہ کہ کیا تمھارے پاس باہر سے یا کسی اور قبیلے سے کوئی شخص یا خاندان آیا ہے؟ اگر جواب دیا جاتا کہ فلاں شخص کے ہاں بچہ یا بچی پیدا ہوئی ہے تو پھر اس کا نام بمع جملہ کوائف کے لکھ لیا جاتا۔ اگر کہا جاتا کہ اہلِ یمن میں سے ایک شخص اپنے اہل وعیال کے ساتھ آیا ہے تو وہ اس کا نام اور اس کے اہل وعیال کے تمام کوائف نوٹ کر لیتا، اور جب تمام قبائل کے احوال معلوم کر کے فارغ ہوتا تو محکمہ میں واپس آ کر یہ تمام کوائف وہاں لکھواتا۔ [1] اس محکمہ کا مرکزی دفتر تو دمشق میں تھا جب کہ ملک کے مختلف صوبوں جیسے کوفہ، بصرہ،

---

[1] حسن المحاضرة للسيوطي: ١/٦٥۔ الدواوين في العصر الاموي، ص: ٣٧.

Marfat.com

فسطاط وغیرہ کے دارالحکومتوں میں اس کے ذیلی دفتر تھے۔ ❶

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں فوج کی تنخواہیں درج ذیل ترتیب کے ساتھ تھیں: تنخواہوں کے کئی گریڈ تھے۔ ایک فوجی کی تنخواہ ۲۰۰۰ درہم، ایک خاندان کا وظیفہ تین سو درہم، دوسرا خاندان ایک ہزار درہم، تیسرا خاندان پندرہ سو درہم اور غلام بھی وظیفہ میں شامل تھے۔ ❷ آپ کے عہد میں فوج کی تنخواہوں کے کل اخراجات یوں تھے:

مصر کے علاقہ میں:

فوج کے محکمہ میں رجسٹرڈ سپاہیوں کی تعداد ۴۰،۰۰۰ تھی جن میں چار ہزار کی تنخواہیں گریڈ اے (شرف العطا) کے مطابق تھیں۔ ❸ ان کی تنخواہوں کا تخمینہ ۸۰ لاکھ درہم تھا۔ اور باقی رجسٹرڈ فوجیوں کی تعداد ۳۶ ہزار تھی اور ڈیوٹی کے حساب سے سپاہی کی تنخواہ تین سو درہم تھی، اور ان کی تنخواہوں کا اجمالی تخمینہ ایک کروڑ آٹھ لاکھ درہم تھا۔ ❹

شام کے علاقے میں:

شام میں محکمہ افواج میں رجسٹرڈ فوجیوں کی تعداد ساٹھ ہزار تھی۔ ہر سپاہی کی سالانہ آمدنی ایک ہزار تھی۔ اس لیے شام کی فوج کے خرچہ کا تخمینہ ساٹھ ملین درہم تک پہنچ جاتا تھا۔ ❺

عراق میں:

عراق میں مثال کے طور پر ہم بصرہ کا محکمہ سامنے رکھتے ہیں جہاں رجسٹرڈ فوجیوں کی تعداد اسّی (۸۰) ہزار تھی۔ ❻ اور ان کی تنخواہیں زیاد بن ابی سفیان کے عہد میں ۳۶ ملین تک پہنچ گئی تھیں۔ جب ان کو ہم مصر کے محکمہ پر قیاس کرتے ہوئے دس فی صد رجسٹرڈ فوجیوں کو گریڈ اے (شرف العطاء) کے لیے نکالتے ہیں تو ۲۰ ملین ہوتے ہیں۔ اس حساب سے بصرہ کے محکمہ افواج کے ہر فوجی کی اوسط آمدنی ۲۷۸ درہم ہوتی ہے، اور اسی پر عراق کے باقی محکموں کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ ❼

---

❶ الجیش والاسطول فی العصر الاموی، ص: ٥٣٥.

❷ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ٩٨.

❸ دیوان الجند للسلومی ص ١٤٩، التطور الاقتصادی فی العصر الاموی ص ٩٩.

❹ الخطط، مقریزی ١/٢٨.

❺ الخراج والنظم المالیه للریس، ص: ٩٤.

❻ التطور الاقتصادی، ص: ٩٩.

❼ التطور الاقتصادی، ص: ١٠٠.

Marfat.com

اموی عہد میں مملکت میں فوج کے محکمہ کی بہتری کا کام بھی کیا گیا، وہ اس کی فوج کی تنخواہوں اوراس کے باقی اخراجات کے حوالہ سے درج ذیل بتایا گیا ہے۔

۱: سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک نمائندہ مقرر کیا گیا جس کی یہ ذمہ داری تھی کہ شہر میں خود جا کر ہر شخص کا وظیفہ ڈائریکٹ اس کے ہاتھ میں دے کر آئے جب کہ پرانے نظام میں وظیفہ اور تنخواہ مانیٹرز کو دے دیا جاتا تھا، لیکن وہ مانیٹرز نہ تو کسی کو غیر حاضر اور نہ ہی مردہ ظاہر کرتے تھے۔ ❶

۲: سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں عراق پر ان کے گورنر زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو فوج کے محکمے کے انتظامی اخراجات کم کرنے کے لیے مقرر کیا گیا تو وظیفہ اور تنخواہ تقسیم کرنے کے فرائض ادا کرنے والے مانیٹرز کی تعداد بہت کم ہوگئی یہاں تک کہ ہر قبیلہ کے لیے ایک مانیٹر (عریف) رہ گیا۔ ❷

سامان حرب کے اخراجات:

سامانِ حرب کے اخراجات کی واضح تفصیلات نہ ہونے کے باوجود کتابوں میں جو اشارات ملتے ہیں، ان سے واضح ہوتا ہے کہ یہ اخراجات ہر زمانہ میں بڑھتے رہے کیوں کہ سلطنت کی حدود و ثغور میں جوں جوں اضافہ ہوتا تھا، ان اخراجات میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اموی مملکت کے اہتمام کا محور بحری بیڑے کی ترقی تھی کیوں کہ بحری بیڑے کے بانی خود سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اسلامی بحری بیڑہ ابتداء میں دو سو جہازوں پر مشتمل تھا۔ ❸ لیکن بعد میں بحریہ نے اس طور ترقی کی کہ سلیمان بن عبدالملک کے عہدِ خلافت میں بحریہ کے جہازوں کی تعداد ایک ہزار آٹھ سو تک پہنچ گئی۔ ❹

انتظامی اخراجات:

انتظامی اخراجات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ملازمین حکومت کی تنخواہیں اور دوسرے انتظامی ضروریات کے اخراجات، دوسری قسم کے اخراجات انتہائی محدود تھے۔ وہ صرف موم اور لکھنے کے لیے

---

❶ ديوان الجند، ص: ١٦٩، التطور الاقتصادى فى العصر الاموى، ص: ١٠٢.
❷ الادارة فى العصر الاموى، ص: ٣٢٠.
❸ تاريخ الاسكندريه وحضارتها فى العصر الاسلامى، ص: ١١٥.
❹ التطور الاقتصادى، ص: ١٠٦.

Marfat.com

استعمال ہونے والے کاغذات ہی تھے۔ ان اشیاء پر ان اخراجات کی نسبت جو آج کل کی حکومتوں میں ہوتے ہیں، بہت کم تھے۔ اس کے باوجود سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا دور عام مال کے حوالے سے انتہائی حساس رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے عہد میں تمام زمانوں کی نسبت انتہائی کم اخراجات تھے۔ ❶ لیکن اگر صرف ملازمین کی تنخواہوں پر بات کو مرکوز رکھا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ ملازمین حکومت (انتظامیہ) کی تنخواہیں صوبے کے گورنر کے حوالے سے تھیں، جو وہ اپنے لیے اور صوبہ کی انتظامیہ کے لیے مقرر کرتا تھا۔ اس عدم مرکزیت کے باعث بعض صوبوں میں تنخواہوں کی شرح بہت زیادہ تھی، کیوں کہ جب ہم سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں تنخواہوں کی شرح کو سامنے رکھتے ہیں تو وہ عہدِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت سے بہت کم تھیں۔ گورنر عراق زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی ماہانہ تنخواہ بیس ہزار درہم تک پہنچ چکی تھی۔ ❷ پھر اس تنخواہ کے ساتھ کئی اضافی بونس بھی تھے۔ اسی زیاد بن ابی سفیان نے انتظامیہ کے بعض افسران کی تنخواہ کے ساتھ سالانہ ایک لاکھ درہم بونس کے بھی رکھے ہوئے تھے۔ ❸ اس سے انتظامیہ کی تنخواہوں اور دوسری مراعات کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

غالب رائے یہ ہے اموی عہدِ حکومت میں ایک سپاہی کی زیادہ سے زیادہ تنخواہ ایک لاکھ درہم تک پہنچتی تھی۔ ❹ اموی دورِ حکومت اور عباسی دور کے کچھ حصے یعنی مامون الرشید کے عہد تک ملازمین حکومت کی تنخواہوں کی آخری حد ۳۶ سو درہم سالانہ تھی اور کم سے کم ۷۲۰ درہم سالانہ تھی۔ ❺ یہ تنخواہ عام ملازمین کی تھی۔

قاضیوں کی تنخواہیں ان کی تمام ضروریات زندگی پر مشتمل ہوتی تھیں کیوں کہ وہ تمام وقت عدالتوں میں گزارتے تھے۔ ❻ یہ تنخواہیں بیت المال سے ادا کی جاتی تھیں اور اس کی کم از کم حد ایک ہزار دو سو درہم سالانہ تھی۔ ❼ جب کہ زیادہ سے زیادہ تین ہزار درہم سالانہ تک پہنچ جاتی تھی۔ ❽

یہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی تھی۔ ان کی فکر یہ کہتی تھی کہ جب اسلام میں قاضی کو اتنے اختیارات

---

❶ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۱۰۶.

❷ الادارة فی العصر الاموی، ص: ۳۱۰.

❸ الادارة فی العصر الاموی، ص: ۳۱۰.

❹ الادارة فی العصر الاموی، ص: ۳۱۸.

❺ الادارة فی العصر الاموی، ص: ۳۱۰.

❻ الادارة فی العصر الاموی، ص: ۳۳۱.

❼ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۱۰۷.

❽ فتوح مصر واخبارها، ص: ۲۳۶.

Marfat.com

دیے گئے ہیں کہ خلیفہ وقت بھی اس کی عدالت میں اس طرح حاضر ہوگا جس طرح ایک عام آدمی حاضر ہوتا ہے، تو خطرہ یہ ہوتا ہے کہ وہ رشوت کا مرتکب نہ ہو جائے، اور عدلیہ جب راشی ہو جاتی ہے تو پھر ملک میں انصاف بکتا ہے اور غریب آدمی جو انصاف خرید نہیں سکتا انصاف حاصل کرنے سے یک قلم محروم ہو جاتا، اور بڑے بڑے جاگیردار، وڈیرے اور متمول لوگ انصاف خرید کر معاشرہ کے چھوٹے لوگوں پر ظلم و تعدی کر کے ان کا خون چوستے بھی ہیں اور ان کا خون بہاتے بھی ہیں۔ اسلام نے نہ صرف قاضی کو رشوت لینے سے منع کیا بلکہ ہدیہ اور تحفہ لینے سے بھی روکا۔ ہدیہ کا اصل مادہ ''ھدی'' ہے۔ یہ لفظ جوڑنے اور ملانے پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ عربی میں کہتے ہیں "اھدی الرجل امرأته" یعنی مرد نے اپنی دلہن کو اپنے پاس بلایا اور اس سے ملا۔ اس کی جمع ''ھدایا'' آتی ہے۔ جب کہ اہلِ مدینہ کی لغت میں ''ھداوی'' ہے۔ صحاح جوہری میں ہے کہ "مھدی" (میم کی زیر کے ساتھ) سے مراد تھالی یا طباق اس وقت ہوگا جب کہ ہدیہ دی ہوئی چیز اس کے اندر موجود ہو۔ حدیث میں ہے: "تھادوا اتحابوا" ایک دوسرے کو ہدیے دیا کرو اس سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ [1]

قاضیوں (ججز) کو رشوت اور ہدایا سے روکنے کے لیے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک تو عدلیہ اور انتظامیہ کو ایک دوسرے سے الگ الگ کر دیا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ قاضی انتظامیہ کے رعب میں نہیں آتا تھا کیونکہ انتظامیہ کی بعض شخصیات کا رعب قاضی کو بعض دفعہ صحیح فیصلہ کرنے سے روک دیتا ہے اور وہ ''نظریۂ ضرورت'' کی آڑ لے کر غلط فیصلہ کر دیتا ہے جس کا خمیازہ بعض دفعہ پوری قوم اور ملک کو بھگتنا پڑتا ہے۔ عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کرنے کے بعد اس بات کا شدید خطرہ تھا کہ قاضیوں میں کہیں رشوت کا چلن نہ ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے اس کو روکنے کے لیے مندرجہ ذیل بندشیں اور قدغنیں (Restrictions) عائد کیں۔

۱: قاضیوں کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر کیں تاکہ انھیں بالائی آمدنی کی ضرورت ہی محسوس نہ ہو کیوں کہ جب آمدنی کم ہو اور گھر کے جائز اخراجات زیادہ ہوں تو پھر آدمی بالائی آمدنی کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ چنانچہ سلمان ربیعہ الباہلی رضی اللہ عنہ اور قاضی شریح رضی اللہ عنہ کی تنخواہ پانچ پانچ سو درہم ماہانہ تھی اور یہ تنخواہ اس زمانہ کے حالات کے مطابق بہت بڑی تھی۔ ایسے ہی دوسرے

---

[1] صحاح جوھری: ۲/۲۴-۲۵.

Marfat.com

قاضیوں کی تنخواہیں تھیں۔

۲: اس سلسلہ میں دوسری بات آپ نے یہ کی کہ قاضی صرف ان لوگوں کو مقرر کیا جو کہ دولت مند تھے اور معاشرہ میں معزز تھے، آپ کا خیال تھا کہ دولت مند ہونے کی وجہ سے ایسا قاضی رشوت نہیں لے گا، اور معزز ہونے کی وجہ سے کسی کے دباؤ میں آ کر فیصلہ نہیں کرے گا۔

۳: تیسرا اقدام رشوت وغیرہ کو روکنے کا آپ نے یہ اختیار فرمایا کہ قاضی کے لیے تجارت اور خرید و فروخت کو ممنوع قرار دے دیا جو آج بھی پوری دنیا میں رائج ہے، چنانچہ سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو آپ نے ایک خط میں لکھا:

"فصل مقدمات کے وقت خرید و فروخت نہ کرو اور نہ خرید و فروخت کی کوئی بات طے کرو، نہ کسی کی جائیداد (پراپرٹی) کی دلالی کرو۔ نہ رشوت اور نہ غصہ کی حالت میں دو آدمیوں کے مقدمہ کا فیصلہ کرو۔" ❶

سوشل سیکورٹی کے اخراجات:

اموی مملکت میں اجتماعی سیکورٹی کے اخراجات کی نوعیت تبدیل ہوگئی تھی۔ وہ عینی صورت میں ہوتی تھی۔ اس کی مثال کچھ یوں ہے کہ حجاز اور عراق میں ۴۵ھ سے ۵۳ھ کے عرصہ کے دوران فقراء ایک خاص قسم کا کارڈ رکھتے تھے جس میں ہر شخص کے لیے ان میں عینی مدد اور اعانت کی مخصوص کمیت ہوتی تھی۔ ❷ بعد ازیں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں نقدی اور عینی دونوں اخراجات ہوتے تھے اور نقدی اعانت کی مثال کسی کا قرضہ ادا کرنا یا کسی ایسے شخص کی شادی کرانا جس کے پاس کچھ مال نہ ہو اور وہ شادی میں رغبت رکھتا ہو۔ ❸ اور عینی اخراجات کی مثال کے طور پر یہ حکم تھا کہ ہر نابینے کے لیے ایک گائیڈ اور پانچ یتیموں کے لیے ایک نوکر ہو۔ ❹ اور مزید یہ کہ غیر مسلموں کی اجتماعی سیکورٹی کے بھی متعدد اخراجات تھے۔ ❺ پھر صورت حال تبدیل ہوگئی یہاں تک کہ اجتماعی سیکورٹی کے اخراجات مملکت کے عام اخراجات کی مدّات میں سب سے اہم مدّ کی نمائندگی کرنے لگے۔ اس کی

---

❶ کنز العمال: ۲۶۸/۳.
❷ الادارة فی العصر الاموی، ص: ۳۳۵.
❸ کتاب الاموال لابی عبید، ص: ۲۳۴۔۲۳۵.
❹ سیرة عمر بن عبد العزیز ابن جوزی: ۱۸۳.
❺ الوثائق السیاسة والادارية للعصر الاموی، ص: ۴۴۳.

Marfat.com

مثال یہ ہے کہ عراق میں ۱۲۰ھ سے ۱۲۶ھ کے عرصہ کے دوران سالانہ عام اخراجات کی مدات کے ضمن میں مبلغ دس ہزار درہم ❶ حادثات کے لیے اور غلاموں کی رہائی کے لیے مخصوص تھے۔

اصلاحات

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتوحات کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا کیوں کہ مسلمانوں کو اپنی ان خانہ جنگیوں ہی سے فرصت نہیں ملتی تھی جو دشمنانِ اسلام نے ان کے درمیان پیدا کر دی ہوئی تھیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ بیرونی دشمن ایک دوسرے کو اکساتے اور اسلام کی اس خلافت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہتے تھے جس کی بنیاد سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رکھی تھی۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں مسلمانوں کی ان شکر رنجیوں کو ختم کیا اور دشمن کے ممالک میں جہاد کا سلسلہ شروع کیا۔ سلطنتِ اسلامیہ کی حدود و ثغور میں اضافہ کیا۔ ہر محاذ جنگ پر مسلمانوں کو کامیابی نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہوا۔ غنیمتیں چہار دانگ عالم سے سمٹ کر آپ کے پاس آنے لگیں۔ عدل و انصاف کا علم بلند ہوا اور مسلمان نہایت راحت و آرام اور امن و سکون کے ساتھ اپنی زندگی کے دن گزارنے لگے۔ دلوں کی تلخیاں محبتوں میں تبدیل ہو گئیں اور باہمی اتحاد و اتفاق سے زندگی کے ہر گوشہ میں ترقی اور خوش حالی کا دور دورہ شروع ہو گیا اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ لکھنا پڑا:

> ''سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا رعایا سے سلوک اچھے اور بہترین حکمرانوں کی طرح تھا، اور آپ کی رعایا کو آپ سے انتہائی محبت تھی۔ اور بخاری و مسلم کی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمھارے بہترین امام وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں۔ تم ان کے لیے دعائیں کرو اور وہ تمھارے لیے دعائیں کریں، اور تمھارے بدترین امام وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں، اور تم ان پر لعنتیں بھیجو اور وہ تم پر لعنتیں بھیجیں۔'' ❷

---

❶ الاحکام السلطانیہ للماوردی، ص: ۱۷۵۔۱۷۶۔

❷ منہاج السنہ ۱۸۹/۳۔

Marfat.com

علم التعمیرات :-

رفاہِ عامہ کے کام

آپ نے لوگوں کی بہتری اور ان کے معیارِ زندگی کو بلند کرنے کے لیے بہت سے کام کیے لیکن اس معاملہ میں وہ بھی فاروقی اور عثمانی اصولوں پر عمل کرتے رہے۔ رعایا کے بچوں کی پرورش کے لیے وظائف سب سے پہلے سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مقرر فرمائے تھے اور انھوں نے دنیا میں سب سے پہلے اسلامی فلاحی مملکت قائم کی تھی۔ خلافت عثمانی میں بھی اسی طرح عمل ہوتا رہا، مگر وقتاً فوقتاً اس میں کچھ تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ آپ نے بھی اپنے زمانے میں اس چیز کو قائم رکھا البتہ اس میں یہ تبدیلی اور ترمیم فرمائی کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تو بچہ پیدا ہوتے ہی وظیفہ شروع ہو جاتا تھا، لیکن آپ نے دودھ چھڑوانے کے بعد اس کا وظیفہ جاری کیا۔ ❶ لیکن بعد میں آپ نے بھی بچہ پیدا ہوتے ہی اس کا وظیفہ جاری کرنے کا حکم فرمایا۔ علاوہ ازیں آپ نے متعدد سرکاری کارکن مقرر فرمائے جو روزانہ قریہ بہ قریہ اور شہر بہ شہر پھر کر اس بات کا پتہ چلاتے بلکہ یہاں تک خبر رکھتے کہ کسی کے ہاں کون مہمان آیا ہے اور کہاں سے آیا ہے، اور ان سب حالات سے حکومت کو روزانہ باخبر رکھتے۔

مساجد کی تعمیر

آپ نے اپنے عہدِ خلافت میں کثرت سے نئی مساجد تعمیر کروائیں اور بہت سی پرانی مساجد کو شہید کر کے از سرِ نو تعمیر کروایا۔ چنانچہ زیاد بن ابی سفیان نے بصرہ کی جامع مسجد کو جو بہت پرانی تھی اور چھوٹی بھی، شہید کر کے از سرِ نو اینٹ اور چونے سے بہت وسیع اور خوبصورت بنوایا اور اس کی چھت ساگوان کی بنوائی۔ ❷

عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں کابلی طرز کی ایک مسجد تعمیر کروائی۔ مصر کی مساجد میں میناروں کا بالکل کوئی رواج نہ تھا۔ سیّدنا مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ نے تمام مساجد کے مینار تعمیر کروائے۔ ❸

قبرص میں جس کو خلافت عثمانی میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی نے بحری لڑائی میں فتح کیا تھا، بہت سی مساجد تعمیر کروائی گئیں۔ ❹ سیّدنا عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے قیروان میں ایک بہت بڑی جامع مسجد تعمیر

---

❶ فتوح البلدان، ص: ٤٦٤.
❷ البدایہ والنہایہ: ٨/١٣٤.
❸ ملاحظہ ہو: فتوح البلدان بلاذری، ص: ٥٥۔ معجم البلدان: ٤/٣٢٣۔٣٢٤.
❹ الاصابہ: ٤/٢١٩۔ تذکرہ مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ۔
❺ فتوح البلدان، ص: ١٦٠.

Marfat.com

کروائی۔ ❶

مصر میں مسجدوں کے میناروں کا رواج بھی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا ❷ اور عراق کی بصرہ مسجد میں بھی زیاد بن ابی سفیان نے سب سے پہلے پتھر کے مینار بنوائے۔ ❸

غلاف کعبہ:

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانوں میں بیت اللہ پر معمولی قسم کا غلاف چڑھایا جاتا تھا۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں قیمتی غلافوں کا چڑھانا شروع کیا، لیکن آپ نے ایک تو خانہ کعبہ کی خدمت کے لیے متعدد غلام مقرر کیے، دوسرے دیبا اور حریر کا بہترین غلاف بیت اللہ پر چڑھایا۔ ❹

غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ:

مسلمان تو مسلمان آپ نے غیر مسلموں کے حقوق کی بھی پوری طرح حفاظت فرمائی۔ ان کے معاہدات اور جذبات کا پورا پورا احترام کیا اور ان کے جان و مال کی اچھے طریقے سے حفاظت فرمائی۔ چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یوحنا کے گرجے کے پاس ایک مسجد بنائی گئی تھی۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں مسجد کو وسیع کرنے کے خیال سے گرجا کو بھی مسجد میں شامل کرنا چاہا لیکن عیسائی گرجا کی زمین دینے پر راضی نہ ہوئے لہٰذا آپ نے مسجد کی وسعت کا ارداہ ترک فرمادیا اور زبردستی گرجا کو مسجد میں داخل نہ کیا تاکہ ان کے جذبات کو ٹھیس نہ لگے۔ ❺

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں ہر ممکن کوشش کی کہ غیر مسلموں کے جان و مال کی پوری پوری حفاظت ہو اور ان کے گورنروں اور حکام کے ہاتھوں کسی غیر مسلم کی جان و مال کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچے۔ چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مصر کا گورنر مقرر فرمایا۔ وہ مصر کے ایک گاؤں میں اپنا رہائشی مکان بنوانا چاہتے تھے۔ اس غرض کے لیے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں ایک ہزار جریب زمین دی۔ انھوں نے ایک غیر آباد زمین اس مقصد کے لیے

---

❶ ملاحظہ ہو: فتوح البلدان، ص: ٢٠٤۔ معجم البلدان، ذکر قیروان.

❷ فتوح البلدان، ص: ٣٥٦.

❸ مقریزی ٢/٢٤٨.

❹ فتوح البلدان، ص: ٣٣١.

❺ الیعقوبی ٢/٢٨٣.

Marfat.com

منتخب فرمائی۔ آپ کے خادم نے کہا:

''حضرت! یہ جگہ غیر آباد ہے۔ مکان کی تعمیر کے لیے یہ کوئی اچھی جگہ نہیں ہے۔ اس لیے آپ کوئی عمدہ قطعہ زمین منتخب فرمایئے۔ سیّدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کیوں کہ میں نہیں چاہتا کہ کسی ذمی کی زمین اس کے قبضہ سے نکال کر اپنا مکان تعمیر کراؤں۔''[1]

احتساب

ایک اسلامی حکومت میں سب سے نمایاں چیز عہدیدارانِ حکومت کا احتساب ہے۔ حکومت کے نظم ونسق کو درست کرنے کے لیے عہدیدارانِ حکومت کا احتساب ایک نہایت ضروری چیز ہوتی ہے۔ احتساب کے بارے میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے ایک محکمہ قائم کیا جس کا سربراہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ کارکنان حکومت سے محاسبہ کے بارے میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کبھی نہیں چُوکے۔ وہ خود بھی اپنے آپ کو عوام کے سامنے احتساب کے لیے پیش کرتے تھے اور رعایا کا ہر شخص ہر وقت ان کا محاسبہ کرتا تھا۔ عامل حکومت کے تقرر کے وقت اسے پروانہ دے دیا جاتا تھا جس میں اس کے اختیارات وفرائض کی تفصیل وتصریح ہوتی تھی۔ آپ سمجھتے تھے کہ حکومت کے عہدے دار اگر پر تکلف زندگی گزارنے لگیں اور عوام سے دور ہو جائیں اور عوام اور ان کے درمیان کوئی رکاوٹ پیدا ہو جائے تو وہ اس صورت میں ان کی خدمت نہیں کرسکیں گے۔ چنانچہ آپ کے حکم سے ایک گورنر کو اپنے گھر (گورنر ہاؤس) کو دروازہ لگانے کی اجازت نہ تھی۔ گورنروں کو نہایت سادہ زندگی گزارنے کا حکم تھا۔ وہ باریک کپڑے نہیں پہن سکتے تھے، دروازہ پر دربان نہیں رکھ سکتے تھے۔ ضرورت مندوں کے لیے ان کا دروازہ ہر وقت کھلا ہونا لازمی تھا۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں احتساب کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ تمام گورنروں کو یہ حکم تھا کہ وہ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ حاضر ہوں اور اعلان کیا جاتا کہ اگر کسی شخص کو کسی گورنر کے خلاف کوئی شکایت ہو تو وہ بغیر کسی ڈر خوف کے اپنی شکایت بیان کرے۔ چنانچہ لوگ اپنی شکایات پیش کرتے اور آپ اس کا تدارک فرماتے۔ اگر آپ کو پتہ چل جاتا کہ کسی گورنر نے کسی پر کوئی زیادتی کی ہے تو اسے مجمع عام میں

---

[1] مقریزی: ۱/۴۰۸.

Marfat.com

سزا دی جاتی۔

سیّدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم کے جلیل القدر صحابی اور مصر کے ایک علاقہ کے عامل تھے۔ بارگاہ فاروقی میں شکایت پہنچی کہ وہ باریک کپڑا پہنتے ہیں اور گھر کے باہر دربان مقرر ہے۔ اطلاع کا پہنچنا تھا کہ بارگاہِ خلافت سے احتساب شروع ہوا۔ فوراً محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ افسر تحقیقات کو تحقیقات کے لیے بھیجا اور حکم دیا کہ اگر یہ اطلاع درست ہو تو عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کو فوراً بارگاہ خلافت میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ مصر پہنچے اور عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کے گھر گئے۔ دیکھا کہ واقعی دروازہ پر دربان ہے، اور عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ باریک کپڑے پہنے گھر میں بیٹھے ہیں۔ سیّدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ عامل مصر کو اسی ہیئت اور لباس میں لے کر مدینہ میں آئے۔ سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کا باریک کرتہ اتروا دیا اور بالوں کا موٹا کرتہ پہنا کر جنگل میں بکریاں چرانے کا حکم دیا۔ عیاض رضی اللہ عنہ کو انکار کی مجال نہ تھی۔ بار بار یہی کہتے تھے کہ اس سے مرجانا بہتر ہے۔ سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ تو تمھارا آبائی پیشہ ہے، اس میں عار کیوں ہے؟''

عیاض نے دل سے توبہ کی اور پھر جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی اور احسن طریقہ سے انجام دیتے رہے۔ [1]

اسی طرح سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ رشتہ میں سرکار دو عالم رضی اللہ عنہ کے ماموں [2] اسلام میں چھٹے یا ساتویں مسلمان، غزوۂ بدر، غزوۂ احد، فتح مکہ، غزوۂ طائف، غزوۂ حنین، غزوۂ تبوک اور دیگر غزوات کے جان باز مجاہد، عشرہ مبشرہ کے اہم فرد، فاتح ایران، اتنی صفات کے حامل، لیکن بتانے والے نے جب بتایا کہ انھوں نے کوفہ میں ایک محل تعمیر کرلیا ہے جس میں ایک ڈیوڑھی بھی ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو گورنر تک پہنچنے میں رکاوٹ ہونے کا اندیشہ ہے تو آپ نے اسی وقت سیّدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ اس بات کی تحقیق کریں۔ اگر واقعی ڈیوڑھی بنی ہوئی ہے تو وہ ''قصر سعد'' نہیں ''قصر فساد'' ہے۔ اسی وقت اسی ڈیوڑھی کو آگ لگا دیں، چنانچہ سیّدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کے حکم کی تعمیل میں کوفہ پہنچ کر ڈیوڑھی کو آگ لگا دی اور سیّدنا سعد رضی اللہ عنہ اور منظر کو خاموشی سے دیکھا کیے۔

---

[1] کتاب الخراج، ص: ٦٦۔ طبری: ٣/٢٠٧۔

[2] اسد الغابہ: ٢/٢٩١۔

Marfat.com

اس قسم کے احتساب کے واقعات آپ کی کتاب زندگی میں اس قدر ہیں کہ ایک پوری کتاب ان سے مرتب ہوسکتی ہے۔ آپ اپنے خطبات میں اکثر یہ فرمایا کرتے تھے:

''اے اللہ! میں ان گورنروں کے بارے میں جن کو میں نے مختلف شہروں میں مقرر کیا ہوا ہے، تجھے گواہ بناتا ہوں۔ اے اللہ! میں نے ان کو اس لیے گورنر بنا کر بھیجا ہے تاکہ یہ لوگوں کو ان کا دین سکھائیں اور ان کو نبی ﷺ کی سنت کی تعلیم دیں اور ان کا مال ان پر تقسیم کریں اور انصاف کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں، اور اگر کسی معاملہ میں انھیں کوئی مشکل پیش آئے تو میری طرف رجوع کریں۔''[1]

عمال کا یہ محاسبہ اس وجہ سے تھا کہ وہ مملکت اسلامیہ کے ایک ایک گوشے میں عدل و انصاف قائم کرنا چاہتے تھے اور اس سلسلہ میں وہ اپنے آپ کو، اپنے ضمیر کو اللہ کے سامنے جواب دہ سمجھتے تھے یعنی اگر ان کے کسی عامل اور گورنر نے کوسوں دور بھی کسی شخص پر ظلم کیا تو گویا خود انھوں نے اس شخص پر ظلم کیا۔ ایک روز حاضرین سے فرمایا: ''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اگر میں نے اپنے علم کے مطابق ایک بہترین آدمی عامل مقرر کر کے اسے عدل و انصاف کا حکم دے دیا تو میں اپنے فرض سے عہدہ برآ ہوگیا؟'' لوگوں نے کہا: ''جی ہاں۔'' فرمایا: ''نہیں، یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک میں یہ نہ دیکھ لوں کہ جو کچھ میں نے حکم دیا تھا اس پر عمل کیا جارہا ہے کہ نہیں۔'' اسی لیے وہ ان گورنروں کا محاسبہ اتنی شدت سے کرتے تھے۔

آج کل کے اس مغرب زدہ دور میں جب کہ تمام انسانی اقدار تبدیل ہوچکی ہیں، کوئی شخص زبانِ اعتراض دراز کرسکتا ہے کہ گورنروں پر اس قدر سختی اچھی نہیں، لیکن ملک میں کرپشن کو روکنے کا یہی ایک ذریعہ ہے کہ ارکانِ حکومت اور عہدہ داران سلطنت سادگی اختیار کریں۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے اور یہ بالکل درست ہے کہ ''الناس علی دین ملوکھم' لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ حکومت کے وزراء اور سیکرٹریوں کو لوگ جو کرتا دیکھتے ہیں خود بھی اسی طرح کی زندگی گزارنا شروع کردیتے ہیں۔ حکومت کے اعضاء و جوارح اگر سادہ زندگی گزاریں گے تو لوگ بھی اسی طرح کی سادہ زندگی کی عادت بنالیں گے، لیکن اگر وہ ان کو عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے دیکھیں گے تو عوام کے دلوں میں بھی عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کی امنگ پیدا ہوگی۔ بھارت کی مثال ہمارے

---

[1] محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ: ۹/۲.

Marfat.com

سامنے ہے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ارکانِ سلطنت پر سختی کی لیکن عوام الناس کو اس بارے میں کچھ نہیں کہا۔ چنانچہ حکومت کے عمال کی سادگی نے عوام کے طرز معاشرت میں بھی سادگی پیدا کر دی، لیکن جہاں آپ نے دیکھا کہ عمال حکومت کا بڑے سروسامان سے رہنا سیاسی مصلحت کا تقاضا ہے، وہاں آپ نے بالکل کوئی تعرض نہیں کیا جیسا کہ بیت المقدس کے دورہ کے وقت آپ نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اچھا لباس پہنے ہوئے دیکھا تو پہلے تو آپ کو ان کی اس ہیئت کذائی کو دیکھ کر غصہ آیا لیکن جب انھوں نے کہا کہ ہمارا یہاں رومیوں سے ہر وقت سابقہ پڑتا رہتا ہے، اور ان کی نظر میں اس کے بغیر سلطنت کا رعب و داب قائم نہیں رہ سکتا تو پھر آپ خاموش ہو گئے اور ان سے کوئی تعرض نہ فرمایا۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی آپ کا یہی معاملہ رہا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ شام تشریف لے جا رہے تھے دیکھا کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک شاندار جلوس کے ساتھ چلے آ رہے ہیں۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے گھوڑے سے اتر کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو سلام کیا لیکن فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جواب دیے بغیر آگے بڑھ گئے۔ سیّدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کم از کم آپ ان سے بات تو کر لیتے۔'' اب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''یہ شاندار جلوس تمھارا ہے؟'' انھوں نے کہا: ''جی ہاں''۔ فرمایا: ''افسوس ہے تم پر ایسا کیوں ہے؟'' سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''ہمارے ملک میں دشمن کے جاسوس بہت ہیں۔ اگر ہم اس شان و شوکت سے نہ رہیں تو دشمن ہمیں کمزور سمجھ کر ہم پر ٹوٹ پڑے گا، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میں آپ کا گورنر ہوں۔ آپ گھٹائیں گے تو گھٹ جاؤں گا، بڑھائیں گے تو بڑھ جاؤں گا اور روک دیں تو رک جاؤں گا۔'' سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا: ''معاویہ! میں جب تم سے باز پرس کرتا ہوں تو تم صاف بچ کر نکل جاتے ہو۔''

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت بھی فاروقی حکومت کے اصولوں پر مبنی تھی، لہٰذا یہ بھی اپنے گورنروں اور عمال و حکام کا سختی سے محاسبہ کرتے تھے اور ایک اچھے حکمران اور بیدار مغز خلیفہ کے لیے ضروری ہے کہ اپنے عمال و حکام پر عقابی نظر رکھے اور ان کی غلط اور خلاف قانون باتوں پر گرفت کرے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں اسی طرح محاسبہ ہوتا تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے عمال کا محاسبہ کرتے تھے (ان معاویة کان یحاسبهم) ایک بار فلسطین سے ان کے ایک عامل ابو راشد الازدی رضی اللہ عنہ ان

Marfat.com

کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود ان سے محاسبہ کیا۔ دوران محاسبہ ابو راشد الازدی رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ کے رونے کی کیا وجہ ہے؟ ابوراشد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں اس محاسبہ کی وجہ سے نہیں رو رہا بلکہ مجھے تو قیامت کے روز کا حساب و کتاب یاد آ گیا جس کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس کے اس جواب سے بہت متاثر ہوئے لہٰذا اُنھیں چھوڑ دیا۔

ابوراشد الازدی رضی اللہ عنہ کا رویہ ان کی آخرت رُخی زندگی (Akherat Oriented Life) کی غمازی کر رہا تھا۔ جس شخص کے ذہن میں آخرت رخی زندگی کا تصور بیٹھ جائے اور وہ اس بات سے باخبر ہو جائے کہ دنیا میری منزل نہیں بلکہ آخرت منزل ہے اور دنیا صرف اس منزل تک پہنچنے کا راستہ ہے تو اس کے جینے اور عمل کی سطح یک قلم بدل جاتی ہے۔

زراعت اور اس کے وسائل میں ترقی:

آپ نے زراعت اور اس کے وسائل کی طرف بھی خاص توجہ فرمائی۔ چنانچہ آپ نے زراعت کی ترقی کے لیے نہریں کھدوائیں جن سے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں ایکڑ زمین سیراب ہوتی تھی جس سے ملک کی زراعت میں بہت ترقی ہوئی۔ چنانچہ مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں نہر کظامہ، نہر ارزق اور نہر شہداء وغیرہ متعدد نہریں کھدوائیں۔ [1] زیاد بن ابی سفیان نے نہر معقل کو جو کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سیّدنا معقل رضی اللہ عنہ نے کھدوائی تھی اور یہ نہر انھوں نے دریائے دجلہ کو کاٹ کر نکالی تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد مٹی بھرنے کی وجہ سے اس کو دوبارہ کھدوا کر گہرا کروایا جس سے پانی کے بہاؤ میں زیادتی ہوگئی۔ [2] بخارا کے کوہستان سے عبیداللہ بن زیاد نے بھی ایک نہر کھدوائی۔ [3]

نہروں کی کھدوائی کے علاوہ پہاڑوں کی گھاٹیوں کے گرد بند بندھوا کر بڑے بڑے تالاب بنوائے گئے جن میں موسم برسات میں پانی جمع ہوتا اور ضرورت کے وقت آب پاشی اور دیگر کاموں میں استعمال کیا جاتا۔ [4]

پانی کی اس فراوانی سے ملک کی زرعی حالت میں کافی حد تک ترقی ہوئی، چنانچہ صرف مدینہ

---

[1] وفاء الوفاء للسمهودی: ۲/۱۱۷۔ خلاصة الوفاء، ص: ۱۳۶.
[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تاریخ ابن عساکر ۷/۱۶۱.
[3] فتوح البلدان، ص: ۳۶۶.
[4] وفاء الوفاء ۲/۳۲۱.

Marfat.com

منورہ کے قرب و جوار میں نہروں سے ڈیڑھ لاکھ وسق کھجوریں اور ایک لاکھ وسق گندم پیدا ہوتی تھی۔ ❶

زراعت کے لیے پانی کی فراہمی:

زراعت کے لیے پانی کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ زمینوں کو پانی وافر ملے تو وہ بہت جلد زرخیز ہو جاتی ہیں بلکہ سونا اگلنے لگتی ہیں۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں زراعت کے لیے اور لوگوں کے پینے کے لیے وافر پانی فراہم کیا۔ آپ نے مختلف علاقوں میں نہریں کھدوائیں اور پانی ذخیرہ کرنے کے لیے بڑے بڑے تالاب بنوائے اور عراق کے علاقہ میں ایک نہر بنوائی۔ روایات میں ہے کہ آپ نے زیاد بن ابی سفیان کو نہر کی کھدوائی کا حکم دیا اور بعض روایات کے مطابق یہ کام سیّدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے ذریعے سرانجام دیا۔ جب نہر کی کھدوائی مکمل ہوگئی تو پانی کے اجراء کے لیے زیاد نے صحابی رسول سیّدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کو زحمت دی تاکہ وہ اس نہر کا افتتاح فرمائیں۔ یہ شاید وہی نہر تھی جو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں سیّدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے کھدوائی تھی لیکن بعد میں مٹی بھرنے کی وجہ سے اس کا پانی کم ہوگیا اور اس کی دوبارہ کھدوائی کر کے اس کو گہرا کیا گیا۔ جب یہ نہر گہری ہوگئی تو اس کا افتتاح سیّدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں کرایا گیا۔ ❷

مدینہ منورہ میں بھی اس دور کی ضرورت کے تحت ایک نہر کھودی گئی جب اس نہر کی کھدائی میدان احد میں سے ہوئی کیوں کہ اس نے یہاں سے گزرنا تھا، تو حکومت کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ جن لوگوں کے اقرباء یہاں مدفون ہیں وہ انھیں کسی دوسری جگہ منتقل کر لیں۔ چنانچہ بعض حضرات نے اپنے اعزاء و اقرباء کے مزارات کو کھولا تو دیکھا کہ ان شہداء کے جسم بالکل اسی طرح تروتازہ ہیں حالانکہ انھیں وہاں دفن ہوئے چالیس سال سے زائد کا عرصہ ہوگیا تھا۔ سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قدم مبارک کو کوئی چیز لگنے سے خون جاری ہوگیا۔ ❸

مدینہ طیبہ سے قریباً بیس میل دور چوپایوں اور مویشیوں کو پانی پلانے کے لیے آپ نے اپنے

---

❶ وفاء الوفاء ۲/۳۳۷.

❷ فتوح البلدان، ص: ۳٦٦.

❸ البدایہ والنہایہ ٤/٤٣، دلائل النبوۃ، بیہقی ۳/۲۹۱، المصنف لابن ابی شیبہ ۱۱/۳۹٤، ٤۰٦، مصنف عبد الرزاق ۳/۵۱۷، کتاب التمہید لابن عبد البر ۳/۱٤۲.

Marfat.com

عہدِ خلافت میں ایک تالاب بنوایا جس میں بارش کا پانی جمع ہوتا تھا یہ ایک نشیبی علاقہ میں تھا۔ لوگ اس سے اپنے مویشیوں کو پانی پلاتے اور وہ اس کو "سد معاویہ" کے نام سے پکارتے تھے۔ ❶

حکومت کی طرف سے زراعت کا اہتمام

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اموی مملکت کی ابتداء ہی سے بڑی بڑی زرعی ملکیتیں دیکھنے میں آئی ہیں اور یہ دراصل اس میدان میں گورنر اور خلفاء کی طرف سے شمولیت تھی۔ اسی وجہ سے انھوں نے صوافی زمینوں (فئے والی زمینوں) اور دوسری مفتوحہ زرخیز زمینیں وغیرہ جو مردہ ہو چکی تھیں، ان کے دوبارہ زندہ کرنے کا اہتمام کیا۔ اس حوالے سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عراق کے خراج پر مقرر گورنر نے اس کی ریتلی زمین کو آباد کیا جہاں اس نے اس میں پانی چھوڑا اور اسے خشکی سے آبادی کی طرف لے آیا، اور اس کا غلہ پانچ ملین درہم تک پہنچ گیا۔ ❷

اور یہ چیز اس کی عظیم مساحت پر دلیل فراہم کرتی ہے۔ ❸ اس زمین کو انھوں نے اپنے بعد والے لوگوں کے لیے وراثت نہیں بنایا تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ زمین جسے بعد میں حجاج نے عبدالملک کے لیے آباد اور زندہ کیا تھا، وہ وہی زمین تھی جسے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے زندہ کیا تھا لیکن یہ دوبارہ مردہ شکل میں آ گئی تھی کیوں کہ اس میں پانی زیادہ ہو گیا تھا۔ ❹ اور شرعی نقطۂ نظر سے زمین کو آباد و زندہ کرنا جائز ہے، بلکہ اس کا آباد کرنا اس کی ملکیت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ اور اس بارے میں کئی احادیث آئی ہیں، اور یہ عمومی طور پر جائز ہے جس میں حاکم و محکوم دونوں برابر ہیں، لیکن حاکم کے بارے میں مناسب یہ ہے کہ اس کے لیے چند اضافی شرائط ہوں جن میں چند ایک حسب ذیل ہیں:

۱: حاکم کو اپنی حاکمیت و منصب کی وجہ سے زمین نہیں لینی چاہیے بلکہ زمین کو آباد اور زندہ کرنے میں عام لوگوں کی طرح شامل ہو جانا چاہیے۔

۲: آباد اور زندہ کرنے کے عمل میں سب مسلمانوں کے اموال کو استعمال نہ کیا جائے بلکہ اسے

---

❶ بلاد العرب، ص: ٤٠١۔ كتاب مناسك الحج، ص: ٣٣٠.

❷ فتوح البلدان، ص: ٢٩١۔ الخراج والنظم الماليه للدولة الاسلاميه، ص: ١٨٧.

❸ الحياة الاقتصاديه والاجتماعيه، ص: ١٣٥.

❹ الخراج والنظم الماليه للدولة الاسلاميه للريس، ص: ٢١٤.

Marfat.com

اپنے خاص مال سے زندہ اور آباد کیا جانا چاہیے۔

۳: آباد اور زندہ کرنے کی وجہ سے زمین کی ملکیت انفرادی اور اجتماعی طور پر مسلمانوں کے لیے ضرور تکلیف کا باعث نہ ہو اور یہی صورت ہوگی اس شخص کے بارے میں بھی جس کے پاس حکومت کی کوئی بھی ذمہ داری ہے۔ ❶

آپ کے زمانہ میں زراعت کا کام کرنے والے لوگوں کو ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں منتقل کر کے ان سے زراعت کے کام کو بڑھایا جاتا۔ چنانچہ زیاد بن ابی سفیان نے کوفہ اور بصرہ سے زرعی تجربہ رکھنے والے پچاس ہزار خاندان خراسان کی طرف اس کی تعمیر و ترقی کے لیے منتقل کیے۔ ❷ اس کے ساتھ ساتھ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت میں سیرابی کے بڑے بڑے چشموں اور نالابوں کی تیاری، ان کی حفاظت اور ان کی صفائی کے کام کی ذمہ داری بھی ریاست کے سپرد تھی۔ جیسے کنوؤں سے مٹی کھودنا، نہروں کی گزرگاہوں اور شگافوں کا روکنا وغیرہ۔ بڑے بڑے زمیندار بھی کبھی کبھار بڑے بڑے کھالوں کی صفائیوں میں شریک ہو جاتے تھے۔ ❸ تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ جتنا ممکن ہو سکا اموی حکام نے ان زمینوں میں بڑے پیمانے پر زرعی پیداوار کے حصول کے لیے کام کیا، اور خاص کر شام کے ابتدائی دنوں میں اس کی زمینوں کی اصلاح، پانیوں کی حفاظت اور اس کے لیے سیرابی کے ذرائع کا اہتمام کیا۔ ❹ یہاں تک کہ صحرا میں امویوں کے محلات زرعی سرمایہ کاری کے اہم مراکز بن چکے تھے جہاں ان کے اردگرد سیرابی کے لیے کھالے اور چھوٹے نالے وغیرہ تھے اور انھوں نے زمینوں کی آبادی کو کثرت سیرابی کی وجہ سے وسعت دی۔ ❺ اور تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ زراعت کے بڑھانے اور اس کی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لیے بہت اہتمام کیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے سیرابی کے تمام ذرائع کی ترقی اور زمینوں کے آباد کرنے کے لیے لوکل شہریوں اور تجربہ کار لوگوں کی معاونت سے اس شعبہ میں بہت کام کیا۔ ❻

---

❶ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۱۷۸.

❷ مقدمہ فی التاریخ الاقتصادی العربی للدوری، ص: ۲۷.

❸ تاریخ بلاد الشام الاقتصادی، عاطف رجال، ص: ۱۳۵.

❹ التنظیم الاقتصادی فی صدر الاسلام، ص: ۸۲.

❺ تاریخ بلاد الشام الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۱۳۶.

❻ النزعات الماویہ۔ حسین مروہ: ۱/۴۷۶۔ تاریخ بلاد الشام الاقتصادی، ص: ۱۳۶.

Marfat.com

اسی طرح یزید بن معاویہ نے جو انجینئر کے لقب سے مشہور تھا، زرعی امور میں اپنے اہم تجربے اور سیرابی کے اصولوں کی اصلاح کے حوالے سے اپنے اہتمام کے پیش نظر ایک نہر (نہر یزید) کے کھودنے کا حکم دیا اور اس کی توسیع اور گہرائی میں بہت کام کیا۔ اس وجہ سے اس کے پانی کے بہاؤ کی تیزی کے اسباب تیار کیے۔ ❶ شام کی اکثر و بیشتر زمین اپنی سیرابی میں بارش کے پانی پر اعتماد کرتی تھی، مگر یہ کہ زمینیں بہت وسیع تھیں جنھیں نہروں کے پانیوں کی اشد ضرورت تھی۔ اسی طرح اور بھی بہت زمینیں تھیں جنھیں ان آلات کے ذریعے سیراب کیا جاتا تھا جو نہروں کی گہرائی سے ان کی بلندیوں تک لے جاتے تھے۔ ❷ اور چشموں کا پانی زرعی زمینوں کی سیرابی میں بہت اہم تصور کیا جاتا تھا کیوں کہ شام کے اطراف میں زمینوں کا ایک بہت بڑا حصہ جو سیراب کیا جاتا تھا اس وجہ سے غلہ بہت ہوتا تھا جیسے گندم، جو، چاول، تیل، کھجور، انگور، انجیر، پھل، کپاس اور گنا وغیرہ۔ ❸

نئے شہروں کی تعمیر:

زراعت میں فروغ اور پیداوار میں زیادتی سے ملکی آبادی میں بھی اضافہ ہوا جس کی وجہ سے اسلامی نو آبادیاں قائم کی گئیں کیوں کہ زمین کے مزروعہ ہونے سے رہائشی زمین کم ہوگئی۔ چنانچہ ۴۴ھ میں انطاکیہ میں ایک نو آبادی قائم کی گئی۔ ❹ روڈس اور کئی دوسرے جزیروں میں بھی جہاں غیر مسلم آباد تھے، اہلِ اسلام کو بسایا گیا۔ ❺ علاوہ ازیں کئی ویران شدہ شہروں کو دوبارہ آباد کیا گیا جیسے شام کا ویران شدہ شہر مرعش۔ اس کے علاوہ کئی نئے شہر بھی آباد کیے گئے جیسے افریقہ میں ایک نیا شہر قیروان بسایا گیا۔ اس شہر کی تعمیر کی وجہ تاریخ کے اوراق میں یہ بیان کی جاتی ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے سیّدنا عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ افریقہ کے گورنر تھے۔ ان سے قبل سیّدنا معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے افریقہ کے ان علاقوں کو فتح کیا تھا اور یہاں کی بربر قوم کو مطیع و منقاد بنایا تھا۔ اہلِ اسلام کی اس زبردستی کو دیکھ کر بربر زیردست تو ہوگئے اور وقتی طور پر انھوں نے اسلام کا حلقہ بھی اپنی گردن میں ڈال لیا لیکن جونہی مسلمانوں کا لشکر وہاں سے ہٹا وہ سارے لوگ جو مسلمان ہوئے تھے، مرتد ہوگئے اور اسلامی لشکر

---

❶ تهذيب تاريخ دمشق: ١/٢٤٥.

❷ مفاتيح العلوم، خوارزمی، ص: ٤٦ ـ تاريخ بلاد الشام الاقتصادی، ص: ١٤١.

❸ تاريخ بلاد الشام الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ١٤٧ـ١٥٦.

❹ فتوح البلدان، ص: ١٥٤.

❺ فتوح البلدان، ص: ٢٤٤.

Marfat.com

کے رہے سہے مسلمانوں کو تاخت وتاراج کرنا شروع کر دیا۔ سیّدنا معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کے بعد سیّدنا عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ وہاں کے گورنر مقرر ہوئے۔ انھوں نے بربروں کی اس آئے روز کی غارت گری سے اہلِ اسلام کو بچانے کے لیے وہاں ایک چھاؤنی قائم کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن جس جگہ شہر اور چھاؤنی بنانا مقصود تھا، وہاں میلوں میں گھنا جنگل تھا اور اس میں نہایت موذی قسم کے سانپ اور جنگلی درندے رہتے تھے، اور انسانی فکر میں یہ ممکن نہیں تھا کہ ان سانپوں اور درندوں سے اس گھنے جنگل کو خالی کرا کر وہاں شہر آباد کیا جائے۔ بربر لوگ مسلمانوں کے اس منصوبے کو حیرت واستعجاب کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کی تکمیل کو بالکل ناممکن خیال کرتے تھے۔ ایک روز سیّدنا عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ گورنر افریقہ نے جنگل کے ایک کنارے پر کھڑے ہو کر ان جنگلی جانوروں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((ایتھا الحیات والسباع! نحن اصحاب رسول اللہ ﷺ، ارحلوا عنّا فانا نازلون، ومن وجدناہ بعد ذالك قتلناہ.)) ❶

''اے سانپو اور درندو! ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابی اور نام لیوا ہیں تم یہاں سے چلے جاؤ کیوں کہ ہم اس جنگل کو اپنا ٹھکانا بنانا چاہتے ہیں، اور اس کے بعد ہم جس جانور کو اس جنگل میں دیکھ لیں گے اس کو موت کے گھاٹ اتاریں گے۔''

اس روز ایک نہیں ہزاروں لوگوں نے دیکھا کہ جنگل کے وہ سانپ اور درندے اور دوسرے تمام موذی جانور اپنے بچوں کو چمٹائے اس جنگل کو چھوڑ رہے ہیں اور اسی روز وہ جنگل ان موذی جانوروں سے یک قلم خالی ہو گیا۔ یہ دیکھ کر بربروں کی ایک کثیر تعداد خلوص دل سے مسلمان ہو گئی۔ ❷

جنگل خالی ہونے کے بعد وہاں ''قیروان'' نامی ایک شہر آباد کیا گیا اور ایک وسیع وعریض جامع مسجد تعمیر کی گئی۔ لوگوں نے بھی اپنے مکانات تعمیر کیے اور اپنے محلوں میں مساجد تعمیر کرائیں جس سے ان کو پانچ وقت نماز میں سہولت ہو گئی۔ شہر کی وضع اس طرز کی تھی کہ شہر کے عین وسط میں دارالامارۃ تھا اور اس کے اردگرد چاروں طرف مسلمانوں کے محلے بنائے گئے۔ اس شہر کی تکمیل ۵۵ھ میں ہوئی۔ یہ شہر صرف اس لیے بسایا گیا تھا تاکہ افریقی بربروں کو مطیع ومنقاد رکھا جا سکے کیوں کہ وہ ایک ایسی قوم

---

❶ ابن اثیر: ۳/ ۳۳۰.

❷ ابن اثیر ۳/ ۳۳۰۔ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۴۵۔ معجم البلدان: ۷/ ۱۹۴۔ ہسٹری آف سیرا سنز، انگریزی، ص: ۷۹.

Marfat.com

تھے کہ جب تک ان کے سروں پر فوجی طاقت مسلط نہ ہوتی وہ بغاوت سے باز نہ آتے تھے۔ یہاں ایک فوجی چھاؤنی بھی قائم کی گئی۔ اس شہر نے بعد کے زمانہ میں اس قدر ترقی کی کہ یہ شہر افریقہ کا ایک بہت بڑا شہر بن گیا۔

نقل وحمل کا انتظام:

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نقل وحمل (Communication) کا بھی خاطر خواہ انتظام تھا اور خصوصی طور پر ڈاک کے لیے ''البرید'' کے نام سے ایک مستقل محکمہ بنایا گیا تھا کیوں کہ اس سے قبل ڈاک رسانی کے لیے کوئی باقاعدہ محکمہ نہیں تھا، ❶ اس کا نظام اور طریقہ یہ تھا کہ بارہ بارہ میل کے فاصلہ پر چوکیاں قائم کی گئیں جہاں تیز رفتار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے۔ علامت کے طور پر ان گھوڑوں کی دموں کو تھوڑا سا کاٹ دیا جاتا تھا تاکہ گھوڑے کو دیکھتے ہی لوگ سمجھ لیں کہ ڈاک جا رہی ہے۔ گھوڑوں کی گردنوں میں گھنٹیاں بندھی ہوتی تھیں تاکہ چوکی پر پہنچنے سے قبل ہی چوکی کے ہر کارے کو پتہ چل جائے کہ ڈاک آ رہی ہے۔ اس طرح سے سرکاری ہرکارے منزل بہ منزل ڈاک اور خبروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لاتے اور لے جاتے۔ ❷

رعایا سے سلوک:

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنی رعایا سے بھی بہت اچھا سلوک تھا۔ رعایا اس اچھے سلوک کی وجہ سے ان پر اپنی جان چھڑکتی تھی۔ آپ نے بیت المال کا منہ رعایا اور اس کے آرام وآسائش کے لیے کھول دیا ہوا تھا اور ہر حاجت مند وہاں سے اپنی حاجت اور ضرورت کے مطابق لے سکتا تھا، خصوصی طور پر اہلِ بیت نبوت پر تو ہر وقت داد و دہش ہوتی رہتی تھی (جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے) چنانچہ دس دس لاکھ درہم سالانہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ، سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور سیّدنا عبد اللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو دیا جاتا تھا۔ ❸ اس کے علاوہ ان بزرگوں کو عطیات اور ہدیوں کی شکل میں بھی بہت کچھ دیا جاتا تھا۔ ❹ بلکہ ایک دفعہ تو سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو چالیس لاکھ درہم دیے اور ایک دفعہ دونوں بھائیوں کو بیس بیس لاکھ درہم دیے۔ ❺ بیت المال کے سابق مصارف کو اسی طرح قائم رکھا۔ اکابر

---

❶ النظم الاسلامیه، ص: ٢٥٤.
❷ شرح ابن ابی الحدید: ٨٢٣/٢.
❸ الفخری، ص: ٩٧.
❹ مقتل ابی مخنف، ص: ٧۔ البدایه والنهایه: ١٣٧/٨، ١٥٠، ١٥١.
❺ البدایه والنهایه: ١٣٧/٨.

Marfat.com

جس طرح دوسرے تمام خلفائے راشدین امہات المومنین رضی اللہ عنہا کی خدمت کو اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے تھے، سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اس سعادت سے محروم نہ رہے۔ چنانچہ اکثر ایسا اتفاق ہوا کہ انھوں نے کئی کئی لاکھ کی رقم سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دوسری امہات المومنینؓ کی خدمت میں پیش کی۔ ❶ اگرچہ آلِ ابی طالب اور دوسرے کئی اعیان و اشراف آپ کے خلاف رہے تھے لیکن آپ کی فیاضی کا ابر ان پر بھی برستا رہا۔ ❷ ایک مرتبہ سیّدنا عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو جو کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی تھے۔ چالیس ہزار درہموں کی ضرورت تھی۔ وہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انھوں نے فوراً اُن کی مطلوبہ رقم ان کو دے دی۔ ❸ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو کسی زمانہ میں سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ہونے کی وجہ سے آپ کے مخالف تھے، ہمیشہ آپ کی تعریف کے گن گایا کرتے تھے کہ ''لوگ معاویہ رضی اللہ عنہ سے بحر بے کراں کی طرح مستفیض ہوتے ہیں۔ ❹

اس کے علاوہ بیت المال کی آمدن کو ملک کے دفاعی، زرعی اور رفاعی کاموں میں صرف کیا جاتا، مثلاً بحریہ کو ترقی دی گئی، فوج کی تعداد میں اضافہ کیا گیا، قلعے تعمیر کروائے گئے، ڈاک کا محکمہ قائم کیا گیا، نہریں کھدوائی گئیں، تالاب بنائے گئے، مساجد تعمیر کرائی گئیں، اسلامی نو آبادیات قائم کی گئیں جس سے ملک مستحکم، رعایا خوش حال اور ملک کا دفاع مضبوط ہوا۔

بعض حضرات نے بیت المال کے سلسلہ میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر بہت سے الزامات لگائے ہیں اور لکھا کہ وہ بیت المال کی اکثر و بیشتر آمدنی اپنی ذات پر صرف کرتے تھے یہ بات بالکل غلط اور حقیقت کے خلاف ہے۔ آپ اگرچہ مکہ کے رئیس ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے لیکن آپ کی زندگی بالکل سادہ تھی، آپ منبر پر بھی پھٹی ہوئی قمیص سے خطبہ ارشاد فرماتے۔ ❺ بلکہ دمشق کے بازاروں میں بھی پھٹے ہوئے لباس سے جاتے۔ ❻ آپ کا یہی پھٹا ہوا اور پیوند لگا ہوا لباس لوگ تبرک کے طور پر لے جاتے۔ پھر جب وہ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن کر لوگ مدینہ طیبہ میں آتے تو یہاں کے لوگ

---

❶ مستدرك حاكم: ١٢٥/٣.

❷ الفخرى، ص: ٥٥.

❶ اسد الغابه لابن اثير ترجمه عقيل بن ابى طالب.

❷ طبرى: ١٨٨/٦.

❸ كتاب الزهد۔ امام احمد بن حنبل، ص: ١٧٢.

❹ البدايه والنهايه: ١٣٤/٨.

Marfat.com

بڑی بڑی رقمیں دے کر ان کپڑوں کو خرید لیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ صحابیٔ رسول سیّدنا ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ ایک نہایت بوسیدہ چادر اوڑھے ہوئے مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ آپ روضۂ نبویؐ اور منبر نبویؐ کے درمیان نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوالحسن البراد نے آپ پر اوڑھی ہوئی چادر کو دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی چادر ہے۔ ابوالحسن نے ان کو ایک عام آدمی سمجھتے ہوئے ان سے وہ چادر خریدنی چاہی اور تین سو دینار تک ان کو دینے چاہے لیکن سیّدنا ضحاک رضی اللہ عنہ نے وہ رقم نہ لی اور ابوالحسن البراد کو مفت ہی دے دی اور فرمایا:

''بدترین ہے وہ آدمی جو تبرک میں ملی ہوئی شے کو فروخت کرے، لو تم اسے پہن لو۔''[1]

آپ کی سادگی اور لباس کی یہ بوسیدگی صاف صاف بتا رہی ہے کہ آپ بیت المال کی آمدنی اپنی ذات پر مطلق صرف نہیں فرماتے تھے۔ اگر ایسا کرتے تو کم از کم اپنا لباس تو اچھا بنواتے۔ دراصل یہ دشمنانِ صحابہ کی پھیلائی ہوئی باتیں ہیں۔

عدالت وقضاء

اللہ جل شانہ نے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا ایک مقصد یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ وہ دنیا میں عدل و انصاف کو فروغ دیں تاکہ ظلم و جور میں پسے ہوئے لوگوں کو سکھ اور امن و چین کا سانس لینا نصیب ہو۔ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ نے سیّدنا داؤد علیہ السلام کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

''اے داؤد! ہم نے تمھیں زمین میں خلیفہ (حاکم) بنایا ہے۔ پس تم لوگوں میں حق و انصاف سے فیصلہ کرتے رہنا اور نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرنا (کیوں کہ اگر تم ایسا کرو گے) وہ تمھیں اللہ کے راستہ سے بھٹکا دیں گی، بے شک جو لوگ اللہ کے راستہ سے بھٹکتے ہیں ان کے لیے سخت اور شدید عذاب ہے، اس لیے کہ وہ روز حساب کو بھولے ہوئے ہیں۔'' (ص:۲۶)

اس آیت کی تفسیر میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''یعنی خدا نے تم کو زمین میں اپنا خلیفہ اور نائب بنایا لہٰذا اس کے حکم پر چلو اور معاملات

---

[1] ابن عساکر: ۷/ ٦.

Marfat.com

کے فیصلے عدل و انصاف کے ساتھ شریعت الٰہی کے موافق کرتے رہو۔ کبھی کبھی کسی معاملہ میں خواہشِ نفسانی کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ آنے پائے کیوں کہ یہ چیز آدمی کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دینے والی ہے اور جب انسان اللہ کی راہ سے بہکا تو پھر ٹھکانہ کہاں؟''

عموماً خواہشاتِ نفسانی کی پیروی اس لیے ہوتی ہے کہ آدمی کو حساب کا دن یاد نہیں رہتا۔ اگر یہ بات مستحضر رہے کہ ایک روز اللہ کے سامنے جانا اور ذرہ ذرہ عمل کا حساب دینا ہے تو آدمی کبھی اللہ کی مرضی پر اپنی خواہش کو مقدم نہ رکھے۔ ممکن ہے کہ ''یوم حساب'' کا تعلق ''لھم عذاب شدید'' کے ساتھ ہو ''نسو'' کے ساتھ نہ ہو یعنی اللہ کے احکام بھلا دینے کے سبب سے ان پر سخت عذاب ہوگا حساب کے دن۔''[1]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سیّدنا داؤد علی نبینا وعلیہ السلام کو خلافتِ الٰہی کی ذمہ داریاں سپرد کرنے کے ساتھ ہی سب سے پہلا فرض جو ان پر عائد فرمایا وہ عدل کا قیام ہے یعنی لوگوں کے مابین حق و انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک اسلامی ریاست کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ ملک میں اسلامی نظام عدل کو قائم کرے اور اسلامی اصولوں کے مطابق ایک ایسی عدلیہ قائم کرے جو لوگوں کے مابین عدل و انصاف کے قیام میں مدد و معاون ہو۔ یہ چیز ایک اسلامی ریاست کے سربراہ کے لیے تو فرض عین کا درجہ رکھتی ہے لیکن عوام کے لیے فرضِ کفایہ کا درجہ رکھتی ہے۔ اگر ملک میں لوگوں کو عدل و انصاف مہیا کرنے کے لیے عدالتیں قائم نہ ہوں یا قائم تو ہوں لیکن اسلامی عدل و انصاف کے مطابق فیصلے نہ کر رہی ہوں، اور لوگوں کو انصاف مہیا نہ کر رہی ہوں تو پوری امت گنہگار ہوگی۔

دنیا میں عدل و انصاف مہیا کرنے کا دعویٰ تو سبھی لوگ کرتے ہیں لیکن حقیقی عدل اور پورا انصاف صرف اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کی نازل کردہ شریعت میں ہے۔ جو لوگ وحی الٰہی کی راہ نمائی سے ہٹ کر عدل و انصاف کو قائم کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اپنے دعویٰ میں راست باز اور سچے نہیں ہیں کیوں کہ انسان اپنے ناقص خیالات اور وہم و گمان کی بنیاد پر کبھی بھی حقیقی عدل و انصاف کا صحیح ادراک نہیں کر سکتا اور نہ ہی حقیقی عدل و انصاف قائم کر سکتا ہے۔

لوگوں میں عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے اور مختلف قسم کے جرائم کو بیخ و بُن سے اکھاڑنے

---

[1] فوائد عثمانی، ص: ٦٠٦.

Marfat.com

کے لیے محکمہ قضاء (عدلیہ) کا قیام از حد ضروری ہے بلکہ بقول علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرض ہے تاکہ وہ عدل گستری کے فریضہ کو بطریق احسن ادا کر سکے۔ محکمہ قضاء (عدلیہ) کے ذمہ یہ فرض ہے کہ وہ عدل کو پھیلائے، ظلم و جور کو مٹائے، لوگوں کو حق سے تجاوز کرنے سے روکے، حدود شریعت کی حفاظت کروائے اور لوگوں کو سنت کے طریقہ پر چلنے کی تلقین کرے۔ قضاء کا معنی شریعت میں یہ ہے کہ کسی حاکم عدالت کا وہ فیصلہ جو اس نے کسی ایسے معاملہ میں دیا ہو جو اس کے نزدیک ثابت ہو چکا ہو۔ چنانچہ جو یہ فیصلے کرتا ہے اس کو ''قاضی'' کہتے ہیں اور منصب قضاء کا مطلب ہے ''مقدمات کا نپٹانا'' لوگوں کے مابین جھگڑوں کو ختم کرنا۔ چنانچہ فقہاء کے نزدیک قضا سے مراد دو یا دو سے زیادہ فریقوں کے مابین اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اور شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلہ کرنا اور فریقین میں جھگڑا ختم کرا دینا۔ ❶

نظام قضاء کی ضرورت:

ایک اسلامی حکومت میں نظام قضاء کی اشد ضرورت ہے کیوں کہ یہ ارشاد خداوندی کے مطابق ایک محکم فریضہ اور ایک ایسی سنت ہے جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین عمل پیرا ہوتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نظامِ قضاء کو نہایت مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم کیا۔ وہ آزادی اور مساوات سے بے حد محبت کرتے تھے جس کا آسان سا ثبوت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کو کمزوروں اور محتاجوں کی سطح پر رکھتے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلا خطبہ جو انھوں نے مسجدِ نبویؐ میں لوگوں کے سامنے دیا، اس میں واضح اور صاف لفظوں میں فرمایا:

> ''خدا کی قسم! تمھارا ہر کمزور آدمی میرے نزدیک سب سے قوی ہے تا آنکہ اس کے لیے اس کا حق وصول نہ کرلوں، اور تمھارا ہر طاقت ور آدمی میرے نزدیک سب سے کمزور ہے تا آنکہ میں اس سے حق وصول نہ کرلوں۔''

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ میں نظامِ قضاء کی اہمیت اور غرض و غایت بھی بیان کر دی گئی ہے۔ چنانچہ جب تک نظام قضاء قائم رہے گا اس وقت تک زمین و آسمان بھی قائم رہیں گے۔ حکومتیں بھی اسی وجہ سے قائم رہتی ہیں کیوں کہ کفر اور حکومت جمع ہو سکتی ہے لیکن حکومت اور ظلم اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ ہر حکومت میں اور خصوصی طور پر ایک اسلامی حکومت اور مسلمان حکومت

---

❶ تبصرة الاحکام: ۱/۱۲.

Marfat.com

میں نظام قضا نہایت مضبوط بنیادوں پر استوار ہو اور اس محکمہ کے کارندوں اور قاضیوں میں وہ تمام صفات موجود ہوں جو اسلام کا تقاضا ہے۔ چنانچہ سرکارِ دوعالمؐ نے قاضی کے منصب کو ان نعمتوں میں سے قرار دیا ہے جس کے حصول کے لیے کسی پر رشک کیا جاسکتا ہے۔ بخاری میں سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''صرف دو چیزیں ایسی ہیں جن میں حسد (رشک) کیا جاسکتا ہے۔ ایک شخص جس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مال و دولت دیا ہو اور اس کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائی ہو اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت و دانش سے نوازا۔ وہ اس کے مطابق فیصلے بھی کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم بھی دیتا ہے۔''

نظامِ قضاء کی حکمتیں:

نظامِ قضاء میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

۱: اس نظام سے ملک میں بدنظمی اور افراتفری کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔

۲: لوگوں کو عدل وانصاف ملتا ہے۔

۳: ظالموں اور دوسروں کا حق چھیننے والوں کا قلع قمع ہوجاتا ہے۔

۴: مظلوموں اور مجبوروں کی مدد ہوتی ہے۔

۵: باہمی تنازعات اور باہمی مقدمہ بازی ختم ہوجاتی ہے۔

۶: لوگوں کے مصائب اور مشکلات دور ہوتے ہیں۔

۷: اس کے ذریعے لوگوں کو اچھائیوں اور نیکیوں کا موقع فراہم ہوتا ہے۔

۸: ملک میں برائیوں کی نشر واشاعت اور تشہیر رک جاتی ہے۔

قاضیوں کا تقرر:

چونکہ نظام قضا کا قیام فرض کفایہ ہے اور حق تعالیٰ شانہ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (النساء: ۵۸)

''بے شک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہلوں کے سپرد کرو اور جب تم

Marfat.com

لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔''

اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اپنے عہد مبارک میں مختلف لوگوں کو قاضی بنا کر بھیجا۔ کتب حدیث میں ''کتاب الاقضیہ'' کے عنوان سے جو ابواب ہیں، ان کی احادیث و روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے قاضی کے فرائض و واجبات، عہدہ کے شرائط و آداب اور شہادت کے احکام وغیرہ نہایت تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔ اگرچہ معاملات حکومت میں آخری فیصلہ آپ ہی کا نافذ ہوتا تھا لیکن مملکت میں توسیع کے باعث ہر معاملہ اور ہر مقدمہ کا آپ خود فیصلہ نہیں فرما سکتے تھے، اس لیے اپنی جانب سے مختلف علاقوں میں قاضی بھی مقرر فرما دیتے تھے اور ان کو اس سلسلہ میں خاص ہدایات ارشاد فرماتے تھے۔ چنانچہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو جب یمن کا قاضی مقرر فرمایا تو انھوں نے عرض کیا کہ میں تو کم عمر ہوں اور مجھ کو قضا کا نہ کوئی علم ہے اور نہ تجربہ تو رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

((اللهم ثبت لسانه واهد قلبه .)) ❶

''اے اللہ! اس کی زبان کو استواری عطا فرما اور اس کے قلب کو راہِ ہدایت دکھا۔''

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم دو آدمیوں کا جھگڑا چکانے بیٹھو تو جس طرح تم نے ایک فریق کی بات سنی ہے اسی طرح جب تک دوسرے فریق کی بات نہ سن لو، کوئی فیصلہ نہ کرو۔ یہی طریقہ ہے جس سے تمھارے لیے فیصلہ کرنا آسان ہوگا۔ ❷

اسی طرح سیّدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب قاضی بنا کر یمن بھیجا تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان سے پوچھا:

''جب تمھارے پاس مقدمات آئیں تو تم کیوں کر فیصلہ کرو گے؟'' انھوں نے عرض کی: ''میں کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ کروں گا'' فرمایا! ''اگر کتاب اللہ میں تم اس کا حکم نہ پاؤ تو؟'' عرض کی: ''پھر میں سنت رسول ﷺ کی روشنی میں فیصلہ کروں گا''۔ اب سوال کیا: ''اگر سنتِ رسولؐ میں بھی تم اس کا جواب نہ پاؤ؟'' سیّدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''ایسی صورت میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوتاہی نہ ہونے دوں گا۔'' سیّدنا معاذ رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ نے خوشی اور

---

❶ البدایہ والنہایہ ۵/۱۰۷، بحوالہ مسند احمد. ❷ سنن ابی داؤد:

Marfat.com

مسرت سے اس کے سینے پر پیار سے ہاتھ مارا اور فرمایا: ''سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے رسول اللہ ﷺ کے رسول کو اس بات کی توفیق دی جو رسول اللہ ﷺ کی پسندیدہ ہے۔''[1]

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ، سیّدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیّدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سیّدنا زید بن ثابتؓ وغیرہ کو قضاء کی خدمت پر مامور فرمایا۔ بعض روایات میں ہے کہ سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ عہدِ صدیقی میں قاضی القضاء کے عہدہ پر فائز رہے اور اہم معاملات کا فیصلہ آپ ہی فرماتے تھے۔ ابن اثیر نے الکامل میں لکھا ہے:

((وفیھا استقضٰی ابوبکر عمر بن الخطاب وکان یقضی الناس خلافته کلھا.))

''اور اس سال سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو قاضی مقرر فرمایا اور وہ خلافت صدیقی میں قضا کا کام کرتے رہے۔''

جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو قاضی تو آپ تھے لیکن صوبوں کا انتظام، حکومت کے وسیع معاملات اور اعلیٰ سیاست نے انھیں ان تمام ذمہ داریوں سے غافل کر رکھا تھا۔ چنانچہ آپ نے جلد ہی محسوس کرلیا کہ وہ اپنی تمام ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو رہے جن کے بارے میں اپنی بیعت کے روز انھوں نے عوام سے وعدہ کیا تھا۔ عراق و شام کے اسلامی لشکروں کی خبریں ان کی بہت سی توجہ اور ان کا بہت سا وقت لے لیتی ہیں، اور ریاست کے مختلف حصوں میں ان کے گورنر کیا کچھ کر رہے ہیں، ان کے بارے میں بھی وہ سوچتے رہتے تھے۔ پھر مدینہ منورہ کی آبادی بڑھنے اور وہاں مال و دولت کی افراط اور ریل پیل سے اہلِ مدینہ کے مفادات میں الجھنیں اور پیچیدگیاں پیدا ہوتی چلی جارہی تھیں، اور ادھر فتوحات کی زیادتی اور اسلامی ریاست کی حدود و ثغور کی وسعت اور مقبوضہ علاقوں کا نظم و نسق اس امر کا متقاضی تھا کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی ذمہ داریوں کو مختلف معاونین کے سپرد کریں جو عوامی مفادات کے لیے اس طرح کام کریں کہ اس سے حکومت کا مفاد متاثر نہ ہو۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے انھوں نے یہ کیا کہ مدینہ طیبہ کے عدالتی فرائض سے سبک دوش ہو کر یہ خدمت

---

[1] سنن ابی داؤد: ۲/۱۴۹۔ سنن الدارمی: ۲/۷۸، مسند احمد: ۵/۲۳۰۔ سنن کبریٰ بیھقی: ۱۰/۱۱۴۔

Marfat.com

سیّدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمادی اور انھیں قاضی کے نام سے موسوم کردیا تاکہ لوگ اگر اپنے مقدمات اور خصومات ان کے پاس لائیں تو وہ ان کا فیصلہ کتاب وسنت اور اپنے اجتہاد کی روشنی میں کریں۔ بعض روایات میں ہے کہ جب سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ تنازعات اور خصومات کے فیصلے کریں اور جنگی اور عسکری امور سے علیحدگی اختیار کرلیں۔ ❶

اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

''سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہوتے ہی مدینہ منورہ کا قاضی سیّدنا علی بن ابن طالب رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور ملک شام کے لیے اپنا نائب سیّدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔''

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ لوگوں کے لیے قاضی اور مفتی تھے لیکن ان کے اپنے تنازعات اور خصومات کے لیے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ خود قاضی تھے بلکہ قاضی القضاۃ تھے۔ چنانچہ بخاری میں ہے کہ:

''سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ دونوں نے اموال فئے اور اموال بنونضیر کے بارے میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں اپنا تنازعہ پیش کیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس جائیداد وغیرہ کو آپ لوگوں میں مالکانہ حقوق دے کر تقسیم نہیں کیا جائے گا، البتہ اس کی آمدنی آپ حضرات کے مابین عہدِ نبویؐ کے دستور کے مطابق تقسیم ہوتی رہے گی، اور باقاعدہ جاری رہے گی۔ اور اگر آپ لوگوں کے درمیان اس کی نگرانی بھی قابل نزاع ہورہی ہے تو یہ نگرانی کے حقوق مجھے واپس کردیں، میں خود نگرانی کا انتظام کروں گا اور اس کی آمدنی آپ حضرات کو باقاعدہ حاصل ہوتی رہے گی۔'' ❷

اسی طرح ایک مرتبہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک غلام کے متروکہ اموال کا تنازعہ پیدا ہوگیا۔ وہ دونوں اس مقدمہ کو سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عدالت میں لے گئے۔ چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس مقدمہ کا فیصلہ سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا۔ ❸

---

❶ سیرة عمر بن الخطاب لابن جوزی، ص: ١١٦. ❷ بخاری: ١/٤٣٥، ٢/٨٠٦۔ مسلم: ٢/٨١.

❸ مصنف عبد الرزاق: ٩/٣٥، ٤٥۔ کنز العمال: ٧٦.

Marfat.com

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اَجلّہ قضاۃ میں سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا شمار کیا جاتا ہے۔ جن کے بارے میں سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((ما عرفناه حتى علمنا زيد بن ثابت .))

''امور قضا کو ہم نے نہیں سمجھا جب تک زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ہمیں نہیں سمجھایا۔''

نافع کہتے ہیں کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو منصب قضا پر مقرر فرمایا اور ان کی باقاعدہ تنخواہ مقرر فرمائی۔ ❶

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے مابین ایک باغ کے معاملہ میں تنازعہ پیدا ہو گیا۔ دونوں حضرات قاضی مدینہ سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے۔ سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنی جگہ سے ہٹ کر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ امیر المومنین یہاں تشریف رکھیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''زید! تم نے ابتداء ہی ظلم سے کی، تم مجھے میرے فریق کے ساتھ بٹھاؤ۔'' چنانچہ دونوں فریق مقدمہ سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سامنے بیٹھ گئے۔ سیّدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اپنا دعویٰ پیش کیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس دعویٰ سے انکار کیا۔ سیّدنا زید رضی اللہ عنہ نے سیّدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے گواہ طلب کیے۔ انھوں نے کہا: ''میرے پاس گواہ نہیں''۔ اب سیّدنا زید رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''آپ کو حلف اٹھانا ہوگا'' اور پھر سیّدنا ابی رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا: ''ابی! امیر المومنین سے حلف نہ اٹھواؤ۔'' سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''کیا سبھی لوگوں کے مقدمات میں تم اسی طرح فیصلہ کرتے ہو؟'' سیّدنا زید رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو حلف اٹھانے کا حکم دیا تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''جس چیز کو کھانے میں حرج نہیں محسوس کرتا کیا اس پر حلف اٹھانے میں حرج محسوس کروں گا؟'' اس اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! میری اس زمین پر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا کوئی حق نہیں ہے؟'' اس طرح اس مقدمہ کا فیصلہ ہوا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا اور یہ واقعہ قضاۃ کی تربیت کے لیے ایک بہترین مثال ہے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((لا يدرك زيد القضاء حتى يكون عمر ورجل من اعرض المسلمين عنده سواء .)) ❷

---

❶ اخبار القضاة للوكيع: ١/١٠٨.

❷ اخبار القضاة: ١/١٠٩.

Marfat.com

مدینہ طیبہ کے علاوہ ملک کے دوسرے شہروں میں بھی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قاضی مقرر فرمائے تاکہ لوگوں کے مقدمات اور خصومات کا فیصلہ ہو کر ان کو عدل وانصاف مل سکے۔ قاضی بھی قابل ترین لوگ مقرر فرمائے جو کتاب وسنت اور اپنے اجتہاد کی روشنی میں آزادانہ فیصلے کرتے تھے اور انتظامیہ کا ان پر کوئی دباؤ نہیں ہوتا تھا۔

عہدِ عثمانیؓ میں فتوحات کا دائرہ وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ نظام قضاء کی وسعت بھی عمل میں آئی۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ خود بھی فیصلے کرتے تھے لیکن ان کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ جب فریقین مقدمہ لے کر ان کے پاس حاضر ہوتے تو وہ ایک فریق سے فرماتے کہ جاؤ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلا لاؤ اور دوسرے کو سیّدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ، سیّدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلانے کے لیے بھیج دیتے۔ پھر فریقین کی بات سن کر ان حضرات سے رائے طلب کرتے۔ اگر ان حضرات کی رائے سے آپ کو اتفاق ہوتا تو اس کے مطابق فیصلہ فرماتے ورنہ بعد میں اس پر غور فرماتے۔ ❶

باب قضا میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا ایک اہم مقام تھا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے قضاء کے کام میں ممتاز بنایا تھا۔ اور "اقضاهم علی" کا امتیاز بارگاہِ نبوت سے حاصل کیا تھا۔ کتنی گتھیوں کو ان کی ذہانت نے سلجھایا۔ افسوس کہ انھیں سکون سے کام کرنے کا موقع نہ ملا۔ بہر حال سیّدنا علیؓ کے عہدِ خلافت میں بھی مختلف قضاۃ فیصلے کرتے رہے۔ خود سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا قاضی شریح رضی اللہ عنہ کی عدالت میں حاضر ہو کر ایک یہودی کے خلاف انصاف چاہنا اور قاضی شریح کا امیر المومنینؓ کے خلاف فیصلہ کرنا نہایت مشہور ہے۔ ❷

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں عدل وانصاف کے ذریعے ظلم وجور سے رعایا کی دادرسی کی گئی، اور عدل وانصاف کو ہر ممکن طریق سے قائم کیا گیا۔ آپ بیس سال تک شام کے گورنر رہے۔ اس عرصہ میں آپ خود کرسیٔ عدالت پر بیٹھ کر لوگوں کو عدل وانصاف فراہم کرتے، لیکن جب آپ منصب خلافت پر متمکن ہوئے تو پھر یہ کام آپ کے لیے مشکل ہو گیا، لہٰذا آپ نے مختلف لوگوں کو قاضی مقرر فرمایا۔ ❸ اس زمانہ میں بھی عدلیہ بالکل آزاد تھی۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت چوں کہ

---

❶ اخبار القضاة: ۱/ ۱۱۰.
❷ اخبار القضاة: ۱/ ۹۱.
❸ تاریخ القضاء فی الاسلام، ص: ۱۶۶-۱۶۷.

Marfat.com

خلفائے راشدین کی خلافت کا ایک تسلسل تھا اس وجہ سے اکثر و بیشتر وہی حضرات مختلف صوبوں میں قاضی تھے جو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانوں میں قاضی تھے بلکہ قاضی شریح رضی اللہ عنہ تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے قاضی چلے آ رہے تھے۔

سیّدنا فضالہ بن عبید کو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد گورنری ہی میں شام کا قاضی مقرر کیا تھا۔ یہ سیّدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی جگہ قاضی مقرر ہوئے تھے۔ یہ نہایت قابل شخص تھے اور اپنی آخری سانس تک شام کے قاضی رہے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت ہی میں سنہ ۵۳ھ میں وفات پائی۔ ان کے جنازہ میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خود بھی حاضر ہوئے اور ان کے جنازہ کو کاندھا بھی دیا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جب بھی دمشق سے باہر تشریف لے جاتے تو انھیں اپنا قائم مقام بنا کر جاتے۔ چنانچہ جب آپ جنگ صفین کے لیے نکلے تو انھی فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بنایا۔ ❶

سیّدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد مشہور انصاری صحابی سیّدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو ان کی جگہ قاضی بنایا گیا۔ وہ سنہ ۶۴ھ میں حمص کے قریب انتقال فرما گئے۔ ❷

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مدینہ منورہ کے قاضی مقرر ہوئے، ان کا شمار اس زمانہ کے مشہور قضاۃ میں سے ہوتا ہے۔ وہ عرصہ تک مدینہ منورہ کے قاضی رہے۔ ان کا ایک مشہور فیصلہ ہے کہ ایک مقروض شخص جو نہایت مفلس اور نادار ہو چکا تھا، قرض خواہ نے اس کے خلاف یہ درخواست دی کہ اسے عدم ادائیگی قرض کی وجہ سے جیل بھیج دیا جائے۔ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ درخواست مسترد کر دی اور فرمایا:

((ولا احسبه لك، ولكن ادعه يطلب لك ولنفسه ولعياله.)) ❸

''میں اسے تمھارے قرض کے لیے قید نہیں کروں گا بلکہ آزاد کرتا ہوں تاکہ وہ تمھارا قرض ادا کرنے کے لیے، اپنے لیے اور اپنے اہل و عیال کے لیے روزی کمائے۔''

سیّدنا مروان بن حکم رضی اللہ عنہ کے بھائی حارث بن حکم جو کہ گورنر مدینہ کے بھائی تھے، سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر ان کے تکیہ کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور اس

---

❶ قضاة دمشق لابن طولون، ص: ٤١٣۔ تاريخ القضاء فى الاسلام، ص: ١٩٦.

❷ تاريخ القضاء فى الاسلام، ص: ١٩٩.

❸ اخبار القضاة: ١/١١٤.

Marfat.com

نے حارث بن حکم کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا۔ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فوراً حکم دیا اور حارث کو اٹھا کر اس کے فریق دعویٰ کے ساتھ بٹھا دیا جائے۔ پھر مقدمہ سنا اور فیصلہ فرمایا۔ ❶

اسی عہد میں عبداللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب بھی مدینہ منورہ میں قاضی تھے۔ یہ گورنر مدینہ مروان بن حکم رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں پہلے قاضی مقرر ہوئے اور انھوں نے آپ کے خلاف پہلا فیصلہ سنایا۔ ان کے پاس گورنر مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ کے بہنوئی عبداللہ بن خطب کا مقدمہ پیش ہوا۔ انھوں نے اس کے خلاف فیصلہ دیا۔ مروان نے کہلا بھیجا کہ آپ نے عبداللہ کے خلاف فیصلہ میں جلدی کی ہے۔ سیّدنا عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اس کے خلاف میرے فیصلے سے قبل اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ ❷ ان کی وفات سنہ ۸۴ھ میں ہوئی اور یہ نہایت نیک اور فقیہ النفس شخص تھے۔ ❸

مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف کو بھی مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ نے سنہ ۵۳ھ میں قاضی مقرر کیا تھا۔ یہ قضاء کے معاملہ میں بڑے سخت تھے اور مدینہ میں جو لوگ جرائم کے مرتکب ہوتے تھے، ان کو آڑے ہاتھوں لیا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد یزید نے عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو مدینہ کا گورنر بنایا تو انھوں نے طلحہ بن عبداللہ بن عوف کو جو سخاوت میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے، مدینہ کا قاضی بنایا۔ ان کو ''طلحہ الجواد'' بھی کہا جاتا ہے۔ ❹

اسی طرح بصرہ میں بھی بہت سے قاضی تھے جو لوگوں کو انصاف فراہم کرتے۔ جن میں عمیرہ بن یثری بھی تھے۔ ان کو عبداللہ بن عامر بن کریز نے جو بصرہ پر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے گورنر تھے، قاضی مقرر کیا تھا۔ یہ سنہ ۴۵ھ تک یہاں قاضی رہے۔ بعد میں زیاد بن ابی سفیان جب بصرہ کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے انھیں معزول کر کے عمران بن حصینؓ کو قاضی مقرر کیا لیکن انھوں نے عہدۂ قضاء سے معذرت کر لی۔ چنانچہ بعد میں عبداللہ بن فضالہ پھر ان کے بھائی عاصم بن فضالہ اور پھر زرارہ بن اوفیٰ کو قاضی مقرر کیا گیا۔ ❺

---

❶ اخبار القضاة: ۱/۱۱۲.
❷ اخبار القضاة: ۱/۱۱۴.
❸ اخبار القضاة: ۱/۱۱۰۔۱۱۴.
❹ تاریخ القضاء فی الاسلام، ص: ۲۰۱.
❺ اخبار القضاة: ۲/۳۔ تاریخ القضاء فی الاسلام، ص: ۲۰۴.

Marfat.com

کوفہ کی قضا پر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں قاضی شریح رضی اللہ عنہ کو قاضی مقرر تھا۔ انھوں نے طویل مدت فرائضِ قضا کو انجام دیا۔ اتنے طویل عرصہ تک کوئی قاضی اپنے عہدہ پر قائم نہیں رہا۔ یہ قریباً ۳۵ سال تک کوفہ کے قاضی رہے۔ پھر سنہ ۷۸ھ میں انھوں نے استعفا دے دیا۔ ❶

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مسروق بن الاجدع الھمدانی بھی زیاد بن ابی سفیان کی گورنری کے زمانہ میں قاضی مقرر ہوئے۔ یہ بہت فاضل شخص تھے۔ ❷

سیّدنا ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیّدنا مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیّدنا طلحہ بن عبداللہ بن عوف رضی اللہ عنہ، نوفل و مساحق العامری اور ابان بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ وغیرہ اَجلّہ علماء اس زمانہ میں مدینہ منورہ کے قاضی مقرر ہوتے رہے۔ سیّدنا ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے وہ مقدمات پیش ہوئے جن کا فیصلہ قبل ازیں سیّدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کر چکے تھے۔ سیّدنا ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کو لکھا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ عبدالملک نے جواب دیا:

> ''ہم عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں پر تنقید نہیں کرتے۔ ہمیں ان کے سیاسی عمل سے اختلاف ہے۔ میرا یہ خط موصول ہوتے ہی ان کے تمام فیصلوں کو نافذ کر دو۔ سابق فیصلوں کو ردّ کرنا دشواریوں کو جنم دے گا۔'' ❸

ان قاضیوں کے علاوہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خود بھی دربارِ خلافت میں جانے سے قبل روزانہ مسجد میں جا کر کمزور، ناتواں، نادار اور لاوارث بچوں تک کی شکایتیں سنتے اور ان کا تدارک کرتے، بلکہ اشراف و اعیان تک کو یہ ہدایت دی گئی تھی کہ جو لوگ کسی وجہ سے مجھ تک نہیں پہنچ سکتے، ان کی ضروریات مجھ سے بیان کیا کریں۔ ❹

سیّد امیر علی نے عوام کی شکایات سننے کے لیے مسجد میں جانا ظہر کا وقت لکھا ہے۔ ❺

---

❶ اخبار القضاة ۲/ ۱۸٤۔ تاریخ القضاء فی الاسلام، ص: ۲۰۷.

❷ تاریخ القضاء فی الاسلام، ص: ۲۰۷.

❸ اخبار القضاء: ۱/ ۱۳۰.

❹ مروج الذهب: ۲/ ۷۱.

❺ هسٹری آف سیر سنز انگریزی، ص: ۸۲.

Marfat.com

اس کا اثر یہ ہوا کہ مفلس اور تونگر، کمزور اور طاقتور اور چھوٹے اور بڑے سب کی ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہوگئیں اور آپ کو نہ کسی اندرونی خطرے کا اندیشہ رہا اور نہ بیرونی کا اور ملک کا نظام گزشتہ سیاسی بحران کے باوجود نہایت خوش اسلوبی سے چلنے لگا۔

عدلیہ کو بالکل آزاد رکھا گیا یہاں تک کہ ایک قاضی امیر المومنین کو بھی عدالت میں طلب کر سکتا تھا۔ قاضی حضرات کتاب وسنت کی روشنی میں اپنا کام کرتے تھے۔ اس دور کے قاضی ہر قسم کے غلط لوازمات سے پاک، متقی، عالم و فاضل اور مجتہد تھے اور حدود اللہ کے قیام اور صحیح فیصلہ کرنے میں بڑے سے بڑے افسر سے بھی مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ منصب قضاء اکثر و بیشتر صحابہ کرامؓ اور بڑے بڑے تابعین کے سپرد تھا۔ ❶

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فضالہ بن عبید اللہ الانصاریؓ کو اور ان کے بعد ابوادریس الخولانی کو محکمہ قضاء کا انچارج مقرر فرمایا تھا۔ ❷

عسکری نظام

(سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اندرون ملک ہی رفاہی امور کی طرف توجہ دی بلکہ ایک بہترین عسکری نظام بھی قائم کر کے ملک کے دفاع کو مضبوط سے مضبوط تر بنا دیا جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے۔ سپہ سالاری کا عہدہ کئی پشتوں سے بنی امیہ میں چلا آ رہا تھا۔ خود آپ کے والد سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ ساری عمر فوج کے سپہ سالار رہے اور آپ نے بھی کئی مواقع پر فوج کی سپہ سالاری کے فرائض انجام دیے۔ آپ کے بڑے بھائی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بھی ایک بہت بڑے جرنیل اور سپہ سالار تھے۔ اس وجہ سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں فوج کے صیغہ میں کافی ترقی اور پیش رفت ہوئی۔)

بری فوج:

بری فوج کا انتظام سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی سے بڑا مضبوط اور مستحکم تھا۔ عہدِ فاروقی میں فتوحات کی وسعت نے ایک تو مال غنیمت میں بے پناہ اضافہ کیا اور دوسری طرف جزیہ اور خراج

---

❶ النظم الاسلامیہ، ص: ٢٣٤.
❷ ابن الاثیر ٣/ ٢٦٢.

Marfat.com

کی بے شمار رقوم مدینہ منورہ پہنچنے لگیں۔ مسلمان عراق و ایران اور شام و مصر کے جس علاقے پر قبضہ کرتے ان کے باشندوں سے جزیے کی شرط پر صلح کر لیتے جو اوسطاً دو دینار فی کس سالانہ کے حساب سے ہوتا تھا۔ یہ آمدنی اس خراج کے علاوہ تھی جو زمیندار اپنی زمینوں کے بدلہ میں ادا کرتے تھے۔ خراج کا ایک معتد بہ حصہ مقامی اصلاح و انتظام پر خرچ کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد جو رقم بچتی تھی وہ مدینہ منورہ بھیج دی جاتی تھی۔ اس سے پہلے کہ ایران کی فتح مکمل اور مصر پر حملہ کا آغاز ہو، آمدنی کے اس شعبہ میں دولت کی وہ ریل پیل ہوئی کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اس نوزائیدہ اسلامی سلطنت کے مالی اور فوجی نظام مرتب کرنے کے بارے میں سوچنے لگے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس موضوع پر کیسے سوچنا شروع کیا؟ مؤرخین نے اس بارے میں بہت سی روایات نقل کی ہیں، لیکن مشہور روایت اس بارے میں یہ ہے کہ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو بحرین کے گورنر تھے، ایک مرتبہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کا حال دریافت کرنے کے بعد ان سے پوچھا: ''کیا لائے ہو؟'' جواب دیا: ''پانچ لاکھ'' سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سمجھے کہ وہ مبالغہ سے کام لے رہے ہیں، اس لیے پھر وہی سوال کیا اور جب ان سے وہی پہلا جواب سنا تو فرمایا: ''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! تمھیں گنتی آتی ہے؟'' سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہاں'' یہ کہہ کر پانچ دفعہ لاکھ لاکھ کہا۔ آپ نے فرمایا: ''تمھیں نیند آ رہی ہے، اپنے گھر جا کر سو رہو، کل صبح میرے پاس آنا۔ دوسرے روز سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بارگاہِ خلافت میں پہنچے تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یقین دلایا کہ وہ واقعی پانچ لاکھ درہم لائے ہیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا تو مجلس شوریٰ منعقد کی اور فرمایا ''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہمارے پاس بڑی دولت لے کر آئے ہیں، اگر تم کہو تو گن کر تم میں تقسیم کی جائے اور کہو تو وزن کر کے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ، سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مختلف تجاویز پیش کیں۔ ولید بن ہشام بن مغیرہ نے کہا کہ ''میں ملک شام گیا ہوں اور وہاں کے بادشاہوں کو دیکھا ہے کہ انھوں فوج کا ایک دفتر بنا رکھا ہے۔ پس آپ بھی ایک دفتر بنا کر فوج کو منظّم کیجیے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ولید کی یہ بات پسند آئی اور آپ نے اس پر عمل کیا۔ [1]

چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فوج کا ایک محکمہ بنایا اور فوج کے رجسٹر مرتب کیے اور ان کی تنخواہ مقرر کی

---

[1] ملاحظہ ہو: مقریزی: ۱/۹۲۔ فتوح البلدان، ص: ٤٤٩.

Marfat.com

تا کہ ایک باقاعدہ فوج تیار کی جا سکے اور اس فوج کو ماہانہ بنیادوں پر تنخواہ ملتی رہے۔

دیوان ایک فارسی لفظ ہے جسے معرب کر لیا گیا اور اس کے معنی ہیں وہ ''رجسٹر'' جس میں فوجیوں اور وظیفہ خواروں کے نام درج کیے جائیں۔ چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فوجی اور غیر فوجی دونوں کے الگ الگ رجسٹر مرتب کروائے۔

جن جن لوگوں کے ناموں کا اندراج رجسٹر میں ہوا اگرچہ وہ سب صیغہ فوج سے تعلق رکھتے تھے لیکن ان فوجیوں کی دو قسمیں قرار دی گئیں۔

۱: وہ فوجی جو ہمہ وقت فوجی اور جنگی مہمات میں مصروف رہتے تھے۔ گویا یہ باقاعدہ فوج کے سپاہی تھے۔

۲: دوسرے وہ فوجی تھے جو عموماً اپنے گھروں میں رہتے تھے لیکن ضرورت کے وقت طلب کیے جاتے تھے۔ جن کو آج کل کی اصطلاح میں ریزرو فوج (Reserve Force) کہتے ہیں۔

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافتوں کے زمانے میں بھی یہی دستور چلتا رہا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بنیادی طور پر تو صیغہ فوج میں کوئی تبدیلی نہ کی البتہ اس میں بہت سے اضافے کیے۔ فوجیوں کی تنخواہوں کو دگنا کر دیا گیا اور تنخواہوں کی ادائیگی میں خاص تاریخ کا تعین کر دیا گیا۔ [1] فوج دو حصوں میں تقسیم کر دی۔ تنخواہ دار فوج اور رضا کار۔ آپ نے رضا کار فوج کو بھی باقاعدہ تنخواہ دار فوج میں منتقل کر دیا۔ [2]

آپ کے عہد میں باقاعدہ فوج کی تعداد دو لاکھ بیس ہزار تھی جو کہ حسب ذیل چھاؤنیوں میں رہتی تھی۔

۱:	کوفہ کی چھاؤنی میں	۶۰ ہزار
۲:	بصرہ کی چھاؤنی میں	۸۰ ہزار
۳:	مصر کی چھاؤنی میں	۴۰ ہزار
۴:	شام کی چھاؤنی میں	۶۰ ہزار [3]

---

[1] الاسلام والحضارة العربيه: ۱۵۸/۲. [2] الاسلام والحضارة العربيه: ۱۵۸/۱.

[3] التمدن الاسلامی، جرجی زیدان: ۱۲۶/۱۔ ۱۲۸.

Marfat.com

موسموں اور ملکوں کے اختلاف کے باعث فوج کو دو حصوں میں منقسم کر دیا گیا تا کہ فوجی مہموں میں کوئی مزاحمت پیش نہ آئے۔

۱: شتائیہ (سرمائی فوج)

۲: صائفہ (گرمائی فوج)

علاوہ ازیں ایک ریزرو (Reserve) فوج کی تشکیل بھی کی گئی۔ اس فوج کے سپہ سالار سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خصوصی مشیر تھے۔ ریزرو فوج کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔

۱: بری (زمینی فوج)

۲: بحری (بحری فوج)

فوج میں زیادہ تر دو قبیلوں کے لوگ تھے۔ (۱) یمنی اور (۲) قیسی

یمنیوں کو بحری ریزرو فورس میں اور قیسیوں کو بری ریزرو فورس میں شامل کیا گیا۔ بعد ازاں ان دونوں کو یک جا کر دیا گیا۔ ❶

فوج کے اسلحہ میں بھی اضافہ کیا گیا اور منجنیق (ایک توپ جس میں پتھر استعمال ہوتا تھا) کا استعمال تو سب سے پہلے آپ ہی کی فوج نے کیا۔ چنانچہ کابل کے محاصرہ میں اسی منجنیق کے ذریعے سنگ باری کر کے شہر پناہ کو مسمار کیا گیا۔ ❷

اسلامی بحریہ:

بحری بیڑے کی تشکیل اگرچہ خلافتِ عثمانیؓ میں آپ ہی نے کی تھی لیکن اپنے دور خلافت میں آپ نے اس میں بہت اضافہ کیا۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت ہی میں پانچ سو جہازوں کے بحری بیڑے کے ساتھ آپ نے قبرص پر حملہ کیا تھا لیکن اس زمانہ میں مسلمانوں کا بحری بیڑا اس قدر طاقتور ہو چکا تھا کہ بازنطینی بیڑا بھی جو اس وقت دنیا کا سب سے بڑا بحری بیڑا سمجھا جاتا تھا، اس کے سامنے بالکل گرد تھا۔ چنانچہ روڈس اور ارواڈ وغیرہ جزائر کی مہمات پر اسلامی بحریہ سترہ سو (۱۷۰۰) جہازوں پر مشتمل تھی۔ ❸

---

❶ التمدن الاسلامی: ۱۲۶/۱۔

❷ ابن الاثیر: ۱۲۷/۳۔ الیعقوبی: ۲۵۸/۲۔

❸ الاسلام والحضارة العربية: ۱۵۸/۲۔

Marfat.com

مسلمانوں نے بحریہ کا مرکز بحر روم کو ٹھہرایا۔ بحری فوج میں شامی، افریقی اور اندلسی مسلمان شریک ہوئے۔ اسلامی بحری کشتیاں بازنطینی کشتیوں سے ضخیم ہوتی تھیں لیکن رفتار میں ان سے کم تھیں۔ ہر جنگی جہاز کا ایک قائد ہوتا تھا جسے ''مقدم'' کہا جاتا تھا۔ ❶

جہاز سازی کے کارخانے:

جب اسلامی بحریہ کو تشکیل دیا گیا تو اس کے لیے ضروری تھا کہ بحریہ کی ترقی کے پیش نظر ملک کے ساحلی علاقوں میں جہاز سازی کے متعدد کارخانے قائم کیے جاتے۔ چنانچہ پہلا کارخانہ سنہ ۵۴ھ میں مصر میں قائم کیا گیا۔ ❷

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی عسکری حس اور عبقری فکر یہ بتاتی تھی کہ بازنطینی سلطنت کے ساتھ ان کے بحری معرکے ہوتے رہیں گے۔ یہ احساس آپ کے دل میں تیزی سے کروٹیں لیتا رہا اور اس میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ چنانچہ ''ذات الصواری'' کے معرکہ میں بازنطینی حکومت کے پانچ سو جہاز تھے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے کہ رومی بحری بیڑے کو اس وقت تک شکست نہیں دی جاسکتی جب تک مسلمانوں کی بحری قوت اس کے قریب یا اس سے زیادہ نہ ہو۔ جب معرکہ صواری میں رومیوں کو شکست فاش ہوئی تو اب سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی نگاہیں بازنطینی دارالسلطنت قسطنطنیہ پر تھیں۔ لیکن قسطنطنیہ پر حملہ کے لیے بحری قوت کی ضرورت تھی۔ چنانچہ آپ نے مصر اور شام میں جہاز سازی کے بڑے بڑے کارخانے قائم کیے۔ پہلا کارخانہ اگرچہ مصر میں قائم کیا گیا لیکن پھر جلد ہی شام میں بھی ایک بہت بڑا کارخانہ قائم کیا گیا کیوں کہ وہاں جہاز سازی کے لیے صنوبر، بلوط، عرعر اور دیگر تمام اقسام کی لکڑی ملتی تھی جو جہاز سازی کے لیے موزوں تھی۔ ایسے ہی مصر میں بھی اس قسم کی لکڑی ملتی تھی جس سے نہایت اعلیٰ قسم کے جہاز تیار ہو سکتے تھے۔ ❸ ان تمام سہولیات کے پیش نظر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے گورنرِ مصر سیّدنا مسلمہ بن مخلد الانصاری رضی اللہ عنہ کو جزیرہ ''الروضۃ'' میں سنہ ۵۴ھ میں جہاز سازی کا کارخانہ قائم کرنے کا حکم دیا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۲٤٦، کتاب الولاۃ والقضاۃ للکندی، ص: ۳۸.)

---

❶ النظم الاسلامیہ، ص: ۲٤۹.

❷ حسن المحاضرۃ: ۱۹۹/۲.

❸ تاریخ الدولۃ العربیہ، ص: ۳۱۲.

Marfat.com

اسی بحریہ کی مدد سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جزیرہ قبرص، روڈس وغیرہ کو فتح کیا اور وہاں مسلمانوں کی بستیاں تعمیر کیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اب بازنطینی بحری بیڑا جو پہلے بحر روم وغیرہ کو کنٹرول کیے ہوئے تھا، اب اسلامی بیڑے کے سامنے بھاگتا پھرتا تھا۔ اب اس کو اسلامی بحری بیڑے سے بچنے کے لیے کوئی پناہ نہیں تھی۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الامویون والبیزنطیون، ص: ٦٨، ٨٢، العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ٢٤٨)

علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ پہلا جہاز سازی کا کارخانہ سنہ ۵۴ھ میں مصر میں قائم ہوا جبکہ مقریزی کا بیان ہے کہ سب سے پہلا جہاز سازی کا کارخانہ سنہ ۵۲ھ میں جزیرہ ''روضہ'' میں قائم ہوا۔ ❶ بعد ازاں اردن میں عکا کے مقام پر ایک عظیم الشان کارخانہ قائم ہوا۔ ملک کے تمام بڑھئی اور کاریگر جمع کر کے ان کو تمام ساحلی مقامات پر بسایا گیا تا کہ ان کارخانوں کے لیے لیبر (مزدوروں) کی کوئی دقت نہ رہے۔ ❷

عبداللہ بن قیس الحارثی اور جنادہ بن امیہ امیر البحر ہونے کے علاوہ ان کارخانوں کے نگرانِ اعلیٰ بھی تھے۔

قلعوں کی تعمیر:

ملکی دفاع کو اور زیادہ مضبوط اور مستحکم بنانے کے لیے بہت سے قلعے تعمیر کرائے گئے۔ شام کے علاقہ کو جس پر بازنطینی حکومت کے حملہ کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا، قلعوں کی تعمیر سے مضبوط کیا گیا۔ چنانچہ وہاں کئی نئے قلعے تعمیر کیے گئے اور کئی پرانے اور ویران قلعوں کو از سر نو آباد کیا گیا۔ رومیوں کے پرانے قلعے ''جبلہ'' کو جو فتح شام کے وقت ٹوٹ گیا تھا، دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ روڈس میں ایک قلعہ بنوایا گیا جو قریباً سات سال تک فوجی مرکز رہا۔ ❸

مدینہ طیبہ میں ''قصر خل'' کے نام سے ایک قلعہ تعمیر کرایا گیا۔ ❹ نیز افطرطوس، مرقیہ اور بلنیارس میں کئی نئے قلعے تعمیر کرائے گئے۔ ❺

---

❶ الخطط ٢/ ١٩٠، النظم الاسلامیه، ص: ٢٥٠.

❷ فتوح البلدان، ص: ١٢٤.

❸ فتوح البلدان، ص: ٢٤٤.

❹ فتوح البلدان، ص: ١٦٠.

❺ فتوح البلدان، ص: ١٤٠.

Marfat.com

کمانڈر انچیف کا عہدہ:

بحریہ میں اس سے قبل امیر البحر کا عہدہ نہیں ہوا کرتا تھا۔ خلافت عثمانی میں بحری اور بری فوج کا سپہ سالار ایک ہی فرد ہوا کرتا تھا لیکن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسلامی بحریہ کی ترقی کے پیشِ نظر بحریہ کے لیے امیر البحر کا الگ عہدہ قائم کیا۔ سب سے پہلے امیر البحر سیّدنا عبد اللہ بن قیس الحارثی رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے۔ آپ نے کم وبیش پچاس لڑائیوں میں حصہ لیا اور خوبی یہ ہے کہ ان پچاس لڑائیوں میں ایک بھی مسلمان شہید نہیں ہوا۔

سیّدنا عبد اللہ بن قیس الحارثی کے بعد جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کو امیر البحر مقرر کیا گیا۔ یہ خلافتِ عثمانی سے دور یزید بن معاویہ تک برابر بحری لڑائی میں مصروف ومشغول رہے۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہدِ خلافت بحری لڑائیوں کے عروج کا زمانہ تھا۔ اس زمانہ میں جس قدر بحری لڑائیاں لڑی گئیں، ان کی نظیر تاریخ کے اوراق میں بہت کم ملتی ہے۔

تجارت کی ترقی کا اہتمام

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل دو سپر پاورز (Super Powers) تھیں۔ ایک ایرانی سلطنت اور دوسری بازنطینی حکومت۔ ان دونوں کے ہاں سرمایہ دارانہ نظام معیشت رائج تھا جس میں امیر روز بروز امیر تر اور غریب دن بدن غریب تر ہوتا جاتا تھا۔ انبیاء اور رسولوں کی آواز عرصہ سے دب چکی تھی۔ جن چراغوں کو ان حضرات نے ان اپنے خونِ جگر سے روشن کیا تھا وہ اس جاہلیت کی آندھی میں تو بجھ چکے تھے یا اس طرح ٹمٹما رہے تھے کہ ان کی روشنی سے چند ایسے خدا شناس دل روشن تھے جو آبادی کو چھوڑ کر ویرانوں میں اور دیر وکلیسا کو چھوڑ کر صحراؤں اور ریگستانوں کی تنہائیوں اور خلوتوں میں یا پہاڑوں کی غاروں میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ ان دونوں سلطنتوں کی معاشی زندگی کے بارے میں حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

> ''جب ایرانیوں اور رومیوں کو مختلف اقوام پر حکومت کرتے صدیاں گزر گئیں اور انھوں نے دُنیوی تعیش ہی کو اپنا مقصد زندگی بنالیا اور وہ عیش وعشرت کے اسباب میں منہمک ہو گئے اور ان میں ہر شخص مال ودولت، سرمایہ داری اور تموّل پر فخر کرنے لگا اور آخرت

Marfat.com

کے تصور اور محاسبہ کو یک قلم فراموش کر دیا۔ یہ دیکھ کر دنیا کے مختلف گوشوں سے ایسے ماہرین اکٹھے ہو گئے جو بے جا عیش پسندوں کو داد عیش دینے کے لیے عیش پسندی کے نت نئے طریقے ایجاد کرنے اور ان کے لیے سامان عیش مہیا کرنے کے لیے عجیب و غریب نکتہ آفرینیوں اور دقیقہ سنجیوں میں مصروف نظر آنے لگے، اور قوم کے بڑے لوگ اس جدوجہد میں منہمک رہنے لگے کہ اسباب تعیش میں کس طرح وہ دوسروں پر سبقت لے جاسکیں اور ایک دوسرے پر فخر و مباہات کر سکیں۔ سرمایہ پرست علماء کا یہ حال ہو گیا تھا کہ جس کسی کے پاس ایک لاکھ درہم سے کم قیمت کا پٹکا ہوتا یا کلاہ ہوتا تو اسے بخیلی اور کنجوسی سے متہم کیا جاتا۔

ایسے ہی لوگوں نے عالی شان اور سر بفلک محل، اعلیٰ درجہ کے آب زن، نفیس حمام، نظر افروز پائیں باغ، سواری کے نمائشی جانور، خدمت کے لیے خوب صورت غلام اور حسین وجمیل باندیاں اور کنیزیں اپنی زندگی کے لوازم بنا لیے، اور مقصد حیات یہ سمجھ لیا کہ شام و پگاہ عیش ونشاط کی محفلیں ہوں جن میں طرح طرح کے کھانے وسیع دستر خوان پر چنے ہوئے ہوں اور وہ لباسِ فاخرہ زیبِ تن کیے ان پر بیٹھے ہوں۔

بادشاہوں اور امیروں کی اس عیاشانہ زندگی سے بہت خطرناک معاشی اور معاشرتی امراض سے نہ تو کوئی شہری محفوظ رہا اور نہ کوئی دیہاتی، نہ امیر اور نہ غریب۔ اس ہمہ گیر مصیبت کا سبب یہ تھا کہ یہ سامانِ تعیش کثیر مال وزر صرف کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تھا، اور ظاہر ہے کہ یہ مال کثیر کاشت کاروں اور تاجروں پر نئے ٹیکس لگانے اور پہلے سے لگے ہوئے ٹیکسوں میں متعدبہ اضافہ کیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر دوسری مصیبت یہ کہ گراں بار ٹیکس ادا نہ کرنے یا ٹیکس ادا کرنے سے انکار کرنے پر ان کے خلاف فوجی کارروائی کی جاتی۔ اس معاشی اور اقتصادی بدحالی کا نتیجہ یہ نکلتا کہ ٹیکس ادا کرنے اور اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے سوا لوگ کسی اور بات کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے تھے چہ جائیکہ سعادتِ اخروی اور اپنی نجات کے بارے میں کچھ غور وفکر اور سوچ بچار کریں۔ بسا اوقات پورے ملک میں ایک فرد بشر بھی ایسا نہ ملتا جس کو اپنے دین کی فکر

Marfat.com

ہوتی۔اس ''فاسد معاشی نظام'' کا ایک مکروہ پہلو یہ بھی تھا کہ جن صنعتوں پر نظام عالم کی بنیاد قائم ہے وہ اکثر و بیشتر یک قلم متروک ہوگئیں اور امراء و رؤساء کی مرضیات و خواہشات کی تکمیل ہی سب سے بڑی خدمت اور سب سے بہتر حرفہ شمار ہونے لگا۔

''جمہور کی یہ حالت تھی (جیسا کہ آج کل کی جمہوریت میں جمہور کی ہے، کہ ان کی تمام زندگی بد اخلاقیوں کا نمونہ بن گئی اور ان میں سے اکثر و بیشتر کا گزارہ بادشاہوں کے خزانوں سے کسی نہ کسی طرح وابستہ ہوگیا تھا (جیسا کہ آج کل کے وزیروں کا ہے)۔''

''خلاصہ یہ کہ اس معاشرہ میں کسب معاش کے بہترین طریقوں کا فقدان تھا اور ایک بہت بڑی جماعت چاپلوسی، خوشامد، چرب بیانی اور درباداری کو ذریعہ معاش بنانے پر مجبور ہوگئی تھی، اور یہ ایک ایسا فن بن گیا تھا جس نے ان کے افکار عالیہ اور ذہنی نشوونما کی تمام خوبیاں مٹا کر پست وارذل زندگی گزارنے پر قانع کردیا تھا۔ جب یہ فاسد مواد وبا کی طرح پھیل گیا اور لوگوں کے دلوں میں سرایت کرگیا تو ان کے نفوس دنایت و خست سے بھر گئے اور ان کی طبائع اخلاق صالحہ سے نفرت کرنے لگیں..... یہ سب کچھ اس معاشی اور اقتصادی نظام کی وجہ سے پیش آیا جو عجم اور روم کی حکومتوں میں کار فرما تھا۔''[1]

اس عبارت میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سرمایہ دارانہ نظام کی کچھ جھلکیاں بیان کی ہیں جو اس زمانہ میں قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں میں رائج تھا۔ موجودہ زمانہ میں بھی یہ عیش و عشرت کی زندگی، سربفلک عمارات اور نفیس اور بیش قیمت کاریں سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے برگ و بار ہیں۔

اس زمانہ میں جزیرہ نمائے عرب ہی ایک مقام تھا جو اس سرمایہ دارانہ نظام سے محفوظ تھا کیوں کہ ان لوگوں کی خصلتیں سرمایہ دارانہ نظام کے بالکل خلاف تھیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ اس میں لوگوں میں مال کی انتہا درجہ محبت کی وجہ سے بخل اور شح ہوتا ہے جو عربوں میں نہیں تھا۔ ان کے ہاں تو یہ دستور تھا کہ رات کے وقت وہ اونچے اونچے ٹیلوں پر

---

[1] حجة الله البالغه، باب اقامة الارتفاقات واصلاح الرسوم: ۱/۱۰۴.

Marfat.com

آگ جلا دیا کرتے تھے تاکہ اگر رات کے وقت کسی مسافر کا وہاں سے گزر ہو تو وہ اس آگ کو دیکھ کر یہاں کے لوگوں کے خیموں تک پہنچ جائے اور جب کوئی بھولا بھٹکا مسافر رات کے وقت ان کے ہاں پہنچ جاتا تو وہ ان کی خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھتے۔

ان حالات میں سرکار دو عالم ﷺ کی بعثت ہوئی۔ آپؐ تمام علوم کے جامع تھے۔ آپ نے دنیا کو نہ صرف عبادات کی تعلیم دی بلکہ دنیا میں رہنے کے طریقے بھی سکھائے آپؐ کی ایک ہی درس گاہ اور ایک ہی تعلیم گاہ تھی۔ اس میں سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ، سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیّدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ وغیرہ مکہ کے قریشی طالب علم تھے۔ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور انیس تہامہ کے غفاری قبیلہ کے طالب علم، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ دوس قبیلہ کے متعلّم، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل یمن سے تعلق رکھتے تھے۔ ضماد رضی اللہ عنہ کا تعلق ازد قبیلہ سے تھا، بلال رضی اللہ عنہ حبش سے تھا اور صہیب رضی اللہ عنہ روم سے تعلق رکھتے تھے۔

انھی میں سے ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ جیسے بہترین حکمران بھی پیدا ہوئے، خالد بن ولیدؓ اور ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جیسے بہترین جرنیل پیدا ہوئے، جنھوں نے فتوحات سے دنیا میں اپنی دھاک بٹھا دی۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک طرف عرب کے تاجروں کی ایک جماعت تیار کی جنھوں نے کاروباری دنیا میں ایک دھاک بٹھا دی لیکن یہ تجارت اور بیوپار انھیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر سکا۔ سیّدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ ایک بہت بڑے تاجر تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی بشارت بھی آپ کو تجارتی سفر ہی میں ملی تھی، لیکن اس کے ساتھ زراعت کا شغل بھی تھا اور یہ نہایت وسیع پیمانے پر تھا۔ آپ کے عراق عرب میں کئی زراعتی فارم تھے۔ ان میں قناۃ اور سراۃ نہایت مشہور تھے۔ ❶

اسی طرح سیّدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا پیشہ بھی تجارت تھا۔ حالت یہ تھی کہ آپ جس کام کو ہاتھ لگاتے اس میں کبھی خسارہ نہ ہوتا۔ ❷ سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی ایک تاجر پیشہ انسان تھے۔

---

❶ طبقات ابن سعد ۱۵۸/۳، معجم کبیر طبرانی، رقم: ۱۹۶، حلیة الاولیاء ۸۸/۱، مجمع الزوائد ۱۴۸/۹.

❷ الاستیعاب: ۲۱۸/۱.

Marfat.com

انھوں نے تجارت میں بہت سا مال کمایا۔ مکہ مکرمہ میں بھی آپ تجارت کرتے تھے لیکن ہجرت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی تجارت میں بہت برکت دی۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں پتھر بھی اٹھاتا ہوں تو اس کے نیچے سے بھی سونا نکل آتا ہے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے سیّدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے:

((كان عامة ماله من التجارة .)) ❶

''یعنی ان کا اکثر مال تجارت کا تھا۔''

ویسے تو مکہ مکرمہ کے لوگ زیادہ تر تاجر پیشہ تھے کیوں کہ زراعت کے لیے وہاں کی سرزمین سازگار نہ تھی جس کو قرآن حکیم نے ''وادی غیر ذی زرع'' کہا ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تجارتی شغف کو دیکھ کر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تجارت کا شوق پیدا ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجارت کی طرف رغبت خاندانی تھی کیوں کہ آپ کے سارے بزرگ تاجر پیشہ تھے۔ آپ کے خاندانی بزرگوں میں ایک بزرگ قصی تھے۔ انھوں نے بیرونی دنیا میں اپنے سیاسی روابط قائم کیے۔ یہ ایک تجارت پیشہ شخص تھے۔ تجارت کی وجہ سے انھوں نے ڈھیروں دولت کمائی اور پھر اس کو اپنی قوم کی فلاح و بہبود پر بھی خرچ کیا۔ قصی کے چار بیٹے تھے۔ عبدالدار، عبدمناف، عبدالعزیٰ اور عبدالقصی۔ ❷

قصی کے چاروں لڑکے تجارت پیشہ تھے۔ عبدمناف اپنی غیر معمولی سخاوت، ذہانت، سیاسی بصیرت اور معاملہ فہمی کے باعث اپنے والد کے بعد اپنی قوم کے سردار مقرر ہوئے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عبدمناف کا نام مغیرہ بتایا ہے اور لکھا ہے کہ یہ نہایت حسین و جمیل تھے اور لوگ انھیں ''قمر البطحاء'' (سنگستان کا چاند) کہتے تھے۔ ❸

عبدمناف کے بھی چار بیٹے تھے۔ ان چاروں نے تجارت کو اپنا پیشہ بنایا۔ شام کے غسانی بادشاہ سے ہاشم نے، حبش کے بادشاہ سے عبدشمس نے، یمنی امراء یعنی شاہان حمیر سے مطلب نے اور عراق اور فارس کی حکومتوں سے نوفل نے تجارتی مراعات اور سفر میں حفاظت کے پروانے حاصل کیے۔ اسی وجہ سے چاروں بھائی ''متجرین'' (تجارت پیشہ) کے نام سے مشہور ہو گئے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان

---

❶ الاصابه: ١١١/٦۔ سير اعلام النبلاء: ٧٩/١۔ كنز العمال: ٣٦٦٧٩۔ طبرانی، رقم: ٢٦٥.

❷ طبقات: ٣٩/١.

❸ زرقانی: ٧٣/١۔ الروض الانف: ٦/١.

Marfat.com

چاروں بھائیوں کی قبریں مختلف ملکوں میں ہیں۔ ہاشم کی غزہ (شام) میں، عبد شمس کی مکہ میں، نوفل کی عراق میں اور مطلب کی یمن میں۔ یہ تجارت کے سلسلہ میں باہر گئے اور وہیں انتقال کر گئے۔ ❶

مکہ مکرمہ میں غلہ پیدا نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی وہاں باغات تھے کہ وہاں کے لوگوں کو پھل میسر آئیں۔ چنانچہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ:

''لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل فرما دیا جائے اور ان کو پھلوں میں سے رزق عطا فرمایا جائے۔''

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اہلِ مکہ بڑے افلاس اور تکلیف میں رہے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہاشم نے قریش کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ دوسرے ملکوں میں جا کر تجارت کریں۔ موسم گرما میں ملک شام میں اور موسم سرما میں ملک یمن میں تجارتی سفر کریں۔ اس لیے قریش سال میں دو بڑے تجارتی سفر کرتے۔ سردیوں میں یمن جیسے گرم علاقہ کی طرف اور گرمیوں میں شام جیسے ٹھنڈے علاقہ کی طرف سفر کرتے جو سرسبز و شاداب تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عمر کی ۲۵ منزلیں طے کر کے عنفوان شباب میں تھے کہ آپ نے میدان تجارت میں قدم رکھا جو آپ کے آباء و اجداد کا پیشہ تھا۔ تجارت کے میدان میں آپ کی آمد کا مقصد دولت اکٹھا کرنا نہ تھا جیسا کہ عام تجار کا مقصد ہوتا ہے بلکہ آپ کا مقصد دنیا کو تجارت کے اصول سکھانا تھا۔ چنانچہ عبد اللہ بن سائب رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں زمانۂ جاہلیت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا شریک تجارت تھا۔ میں جب مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے پہچانتے ہو؟'' میں نے عرض کیا: ''کیوں نہیں''۔

((كنت شريكي فنعم الشريك لا تداري ولا يماري.)) ❷

''آپ تو میرے بہترین شریک تجارت تھے، نہ کسی بات کو ٹالتے اور نہ کسی بات پر جھگڑا کرتے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خلیفہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ایک تاجر تھے۔ مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد آپ نے تجارت کو چھوڑ دیا اور ملک کے انتظامی امور کی طرف پوری توجہ مبذول کر دی۔ رسول

---

❶ انسان العیون: ۱/۵۔ ❷ خصائص کبریٰ: ۱/۹۱۔ اسد الغابہ: ۵/۲۳۱۔

Marfat.com

اللہ ﷺ کے دوسرے اور تیسرے خلفاء سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی تجارت کرتے تھے۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ تو مکہ کے بہت بڑے تاجروں میں سے ایک تھے۔

وسائل معیشت میں افضل ترین وسیلہ ''تجارت'' ہے، اس لیے سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی احادیث میں تجارت کی بڑی تعریف کی، اور آپ نے خود بھی تجارت کی اور تجارت کو پسند فرمایا۔ اس وجہ سے تجارت اسلامی نظام معیشت کا جزو اعظم ہے، لہٰذا ایک اسلامی حکومت کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ تجارت کی حوصلہ افزائی کرے اور اس کی توسیع کی ہر ممکن کوشش کرے۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ نہ صرف تاجر تھے بلکہ قریش کے تجارتی سفروں میں ان کے قافلوں کے رئیس اور قائد ہوتے تھے۔ چنانچہ جنگ بدر سے قبل قریش کا جو بڑا تجارتی قافلہ شام گیا تھا اس کے قائد بھی سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے۔ اس تجارتی قافلہ میں قریش کے ہر مرد اور ہر عورت کا مال شامل تھا۔ ❶ اس تجارتی قافلہ کے سامان کی کل مالیت آج کل کے حساب سے دس کروڑ تھی۔ قریباً ہر قبیلے کا نمائندہ اس قافلہ میں شریک ہوا۔ اس طرح صرف سربراہوں کی تعداد چالیس اور ایک روایت کے مطابق ستر تھی۔ ❷ ان ستر آدمیوں پر جو رئیس تھے وہ سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو تجارت میں ایک خاص مہارت حاصل تھی اور وہ ایک نہایت تجربہ کار تاجر تھے جو تجارت کے نشیب و فراز سے آشنا تھے۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ انہی ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے۔ آپ کو بھی تجارت سے ایک خاص شغف تھا۔ آپ نے خود بھی تجارت کی اور اپنے عہدِ خلافت میں تجارت کرنے کو فروغ بھی دیا۔ آپ کے عہد میں ایک طرف سے چین اور ہندوستان وغیرہ کے ساتھ قریبی تعلقات تھے تو دوسری طرف بازنطینی حکومت کی سرحدیں بھی آپ کی ریاست کے ساتھ لگتی تھیں، اس لیے اس زمانہ کے اصولوں کے مطابق اہم تجارتی روابط ان دونوں حکومتوں کے ساتھ مربوط تھے۔ ❸ اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مسند نشین خلافت ہونے کے بعد تو حالات میں اور بھی بہتری آ گئی، اور داخلی تجارت جس طرح ان سے پہلے تھی، اس میں اور تیزی کا رجحان پیدا ہو گیا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے تاجروں کے حوالے سے کئی

---

❶ طبقات ابن سعد: ۷/۲.

❷ درّ منثور: ۱٦٤/۳.

❸ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۲۱۵.

Marfat.com

اصلاحات کا اہتمام کیا اور تجارت کا دائرہ کار بڑھانے پر اپنی تمام تر کوششیں صرف کر دیں۔

اہلِ شام تجارت کے کاروبار میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے اور انھوں نے مغربی یورپ کے ساتھ تجارتی روابط قائم کیے اور اسلامی بحری بیڑے سے بھر پور فائدہ اٹھایا اور ان اسباب میں سے جنھوں نے لمبی چوڑی تجارت کی تحریک چلانے میں مدد فراہم کی اور جس سے حکام اور ان کا حاشیہ بردار طبقہ امیر و کبیر ہو گیا، وہ ان کے دلوں میں آسودہ زندگی کی محبت کا جذبہ تھا۔ دوسری بات یہ کہ ان کے ہاں اعلیٰ قسم کی مصنوعات تیار کرنے کا رجحان بڑھا تو وہ بہت گراں قیمت تجارتی سامانوں کو خریدنے کی طرف متوجہ ہوئے جس نے تاجروں کی مصروفیات اور تجارت کے بڑھانے میں مدد فراہم کی۔ ❶

بنوامیہ کا عالمی تجارت میں ایک بہت نمایاں کردار رہا ہے خصوصاً سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ قریش کے بڑے تاجروں میں ایک مشہور اور نامور تاجر تھے، اور جس طرح خود سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جب سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ملک شام کے گورنر تھے تو اپنے تجارتی قافلوں کو عربی جزیرے کے پایہ تخت کی طرف روانہ کرتے رہتے تھے۔ ❷

تاجروں کو اموی دور میں ایک اہم معاشرتی مقام حاصل تھا اور وہ تجارت کو فروغ دینے کی خاطر کمپنیوں کی بنیادیں رکھتے تھے۔ جہاں وہ کمپنی میں مال دیتے تو اس میں کام کرنے کی کوشش بھی کرتے، تو جب صاحب مال دوسرے کے لیے اپنے مال کو پیش کرتا تاکہ وہ اس سے تجارت کرے تو وہ متفق علیہ نفع سے حصہ حاصل کرتے تھے۔ اس طریق کار کا نام ''مضاربہ'' رکھا جاتا تھا۔ ❸ ان مضاربہ کی کمپنیوں نے بہت ترقی کی اور تجارتی کام میں وہ ایک اہم ذریعہ بن گئیں۔ (ایضاً) اور علاقائی تجاری منڈی اپنی سرگرمیوں سے بھری پڑی تھی۔ مملکت کا دارالخلافہ دمشق ایک اہم تجارتی سنٹر بن گیا تھا کیوں کہ وہاں نئی نئی سیاسی پیش رفتیں دیکھنے میں آ رہی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان سیاسی نشیب و فراز اور پیش رفتوں کی وجہ سے تجارت کی تحریک میں کئی تبدیلیاں وجود میں آئیں اور اس طرح تجارت کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ پرانے زمانے کے تجارتی طریقے تبدیل ہو گئے اور اموی خلافت کا دارالخلافہ

---

❶ تاریخ بلاد الشام الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ١٦٨.

❷ تاریخ بلاد الشام، ص: ١٧٢.

❸ تاریخ بلاد الشام، ص: ١٧٤.

Marfat.com

دمشق مشرقی تجارت کا محور اور مرکز بن گیا۔ ❶ اس کے ساتھ دمشق مختلف جہات میں مختلف سامانوں کی تقسیم کا مرکز بھی بن گیا۔ بعد ازاں وہ قافلے جو مشرقی سامانوں کو لیے ہوئے ہوتے تھے، ڈائریکٹ شام کے شمالی ساحل انطاکیہ کی طرف متوجہ ہوتے۔ خود دمشق کی مارکیٹوں میں بھی تجارت کی بہت اہمیت تھی کہ اس کے بازاروں میں ملکی اور غیر ملکی دونوں قسم کے سامان موجود ہوتے تھے۔ چنانچہ یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ یہ بات ناممکن اور محال ہے کہ کوئی چیز دمشق کی مارکیٹوں سے طلب کی جائے اور وہ وہاں موجود نہ ہو۔ بیش قیمت تجارتی اشیاء جو دنیا کے ترقی یافتہ علاقوں اور مارکیٹوں سے درآمد کی جاتی تھیں، وہاں اچھی قیمت پر فروخت ہوتی رہتی تھیں۔ ❷ دمشق دیہات کے رہنے والے لوگوں کے لیے بھی شاندار محل وقوع کی وجہ سے ایک اہم تجارتی مرکز بن گیا تھا جس میں ہر دیہاتی اور صحرا میں مقیم شخص آ کر اپنی ضروریات زندگی خرید سکتا تھا۔ ❸

اگرچہ شام کے مختلف شہروں جیسے حلب، رصافہ، حمص، رملہ، قدس اور انطاکیہ وغیرہ اپنی کثرتِ تجارت کی وجہ سے اس زمانہ میں بہت اہم سمجھے جاتے تھے اور ہر وقت وہاں گاہکوں اور تاجروں کا ہجوم لگا رہتا لیکن شام کا دارالخلافہ دمشق ان تمام تجارتی کاروانوں اور قافلوں کا مرکز اور محور تھا، جو مشرق سے وہاں آتے تھے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ کوفہ، بصرہ، موصل اور حجاز کے شہر اور نجد وغیرہ میں تجارتی سرگرمیاں بہت زیادہ تھیں، لیکن شام کے شہروں میں ان سے بھی بہت زیادہ تھیں، اور یہ بہت بڑے تجارتی مراکز اور اہم مارکیٹوں میں سے متصور ہوتے تھے۔ جس طرح وہ موسمی بازار جو شام کے مختلف شہروں میں لگتے تھے اور ان میں مختلف سامانوں کی کثرت سے نمائش ہوتی تھی کیوں کہ وہ سامان شہروں اور دیہاتوں میں رہنے والے لوگوں کی تمام ضروریات زندگی کو فراہم کرتے تھے، اسی طرح یہ بازار بھی ان تاجروں کے لیے بہت اہمیت رکھتے تھے۔ اس لیے ہر جگہ سے لوگ ان چیزوں کی خرید و فروخت کے لیے آتے تھے۔ ان بازاروں میں کچھ وہ بازار تھے جو بازنطینی دور میں بھی لگتے تھے لیکن اموی دور میں ان کا قیام طویل ہوتا تھا۔ چنانچہ ان میں ایک بصری بازار تھا جو تیس سے چالیس روز تک لگا رہتا تھا۔ اور اسی طرح وہاں ایک ''اذرعات بازار'' تھا۔ اور یہ بازار اُموی دور کے

---

❶ تاریخ بلاد الشام الاقتصادی، ص: ۱۸۳.

❷ معجم البلدان: ۲/۴۶۵.

❸ تاریخ بلاد الشام الاقتصادی، ص: ۱۸۳.

Marfat.com

بعد بھی جاری رہا۔[1]

جہاں تک سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کے عہدِ خلافت میں بیرونی تجارت کا تعلق ہے، وہ بازنطینی سلطنت کے ساتھ بہت بڑھ چکی تھی اور اس میں کافی استحکام پیدا ہو چکا تھا۔ اس باہمی تجارتی کے اضافے میں کئی اسباب شامل تھے جن میں چند ایک حسب ذیل ہیں:

۱: اموی مملکت کے مشرقی علاقے میں جنگوں اور خلفشاریوں کی کثرت کے باعث ان کے اور مشرقی ممالک کے درمیان باہمی تجارت کا حجم بہت کم پڑ گیا تھا جب کہ مغرب میں بازنطینی مملکت کے ساتھ باہمی تجارت کا حجم کافی بڑھ گیا تھا۔

۲: اموی مملکت میں پر امن ماحول نے کئی مال دار اور سرمایہ دار لوگوں کو مشرق کے خلفشار اور بدامنی والے علاقوں سے شام کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تا کہ وہ پر امن ماحول میں تجارتی سرمایہ کے ذرائع تلاش کر سکیں۔

۳: دونوں مملکتوں میں سے ہر مملکت کا دوسری پر اس اہم میدان میں کلی اعتماد تھا کیوں کہ بازنطینی اسٹیٹ بردی (ایک قسم کا پودا جس کی چھال کو قدماءِ مصر کتابت کے لیے استعمال کرتے تھے) اوراق کے حوالے سے اعتماد کرتی جب کہ اموی حکومت بازنطینی حکومت سے درآمد کرنے والے نقدی سونے پر اعتماد کرتی تھی۔

اور وہ علامات جو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد اور اس کے بعد طرفین کے درمیان تجارت کے حجم کے بڑھانے پر دلالت کرتی ہیں، وہ یہ تھیں:

ا: بازنطینی سونے کے دیناروں کی قیمت جو ہمہ وقت اموی حکومت کے اندر موجود رہتی تھی اور اس سے معمول کے داخلی کام ہوتے تھے۔

ب: بازنطینی طرز پر مصر کے اندر بردی پیداوار کی فیکٹریوں کا قیام، جن سے وہ اس کو باہر کے ممالک میں برآمد کرتے تھے۔ یہ سلسلہ عبدالملک بن مروان کے عہد تک جاری وساری رہا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تاریخ بلاد الشام الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۱۸۷، التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۲۰۹۔۲۱۰.)

---

[1] تاریخ بلاد الشام الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۱۸۷.

Marfat.com

صنعت وحرفت:

اموی دورِ حکومت میں پیشے اور صنعت وحرفت بھی وہاں موجود اقتصادی ماحول سے متاثر ہوئی، اس میں کوئی شک نہیں کہ شام ایک زرعی علاقہ ہے اس لیے وہاں بنیادی سرگرمی تو زرعی سرگرمی تھی۔ اسی وجہ سے صنعت وحرفت میں بھی زرعی چیزوں کے حوالے سے ترقی ہوئی، جیسے کپڑے کی صنعت، جوس نچوڑنے کی مشینیں اور آٹا پیسنے کی چکیاں وغیرہ۔ اسی طرح اس دور میں تعمیرات کے حوالے سے بھی بہت ترقی ہوئی۔ جب تعمیرات کو ترقی حاصل ہوئی تو تعمیرات کے لوازمات کی صنعت نے بھی ترقی کی۔ اس کے ساتھ ساتھ عسکری فضا کی وجہ سے جو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں غالب رہی، اس سے متعلقہ صنعت نے بھی بہت ترقی کی کیوں کہ وہاں تجارتی جہازوں کی صنعت بہت آگے بڑھ رہی تھی۔ ❶

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جنگی بحری بیڑے کی ترقی کا بہت اہتمام کیا گیا اگرچہ بحری بیڑا سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت ہی میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے قائم ہو گیا لیکن دورِ علوی میں اس کی ترقی رک گئی تھی۔ اب زمامِ خلافت آپ کے اپنے ہاتھ میں تھی، اس وجہ سے آپ نے اس کو بڑے پیمانے پر ترقی دینے کی کوشش کی تاکہ وہ بازنطینی بحری بیڑے کا مقابلہ کر سکے جو ہر وقت اسلامی مملکت کے مغربی کناروں کی سلامتی کو چیلنج کرتا رہتا تھا۔ اسی وجہ سے آپ کے عہدِ خلافت اور آپ کے بعد بھی جنگی بحری جہازوں کی صنعت نے بہت ترقی کی اور ملک کے کئی علاقوں میں اس کے بڑے بڑے کارخانے قائم کیے گئے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کی ابتداء میں بحری جہازوں کی پیداوار ان جہازوں پر منحصر تھی جو سنہ ۴۹ھ تک مصر میں تیار ہوتے تھے۔ اس وقت تک مصر کو اس صنعت میں ایک منفرد اور ممتاز مقام حاصل تھا۔ پھر جب سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے شام کے شہر ''عکا'' میں جہازوں کی صنعت کا کارخانہ قائم کرنے کا حکم فرمایا تو مصر کے ماہرین اس نئے صنعتی مرکز میں استفادہ کی خاطر آیا کرتے تھے۔ اس مرکز میں جو جہاز تیار ہوتے تھے اس کی لکڑی لبنان کے پہاڑوں سے آتی تھی۔ ❷

---

❶ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۲۳۵.

❷ خطوط الشام ۳۷/۵۔ النظم الاسلامیه ابراهیم العدوی، ص: ۳۵۵۔ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۲۳۹.

Marfat.com

بعدازاں اس صنعت نے مزید ترقی کی اور مصر میں ایک نیا صنعتی علاقہ قائم کیا گیا جو صرف جنگی بحری جہازوں اور اس کی مصنوعات کے لیے مخصوص تھا۔ یہ صنعتی یونٹ سنہ ۵۴ھ میں قائم کیا گیا تھا۔ ❶

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بحری جہازوں کی صنعت کے حوالہ سے بہت نمایاں رہا یہاں تک کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد بھی جو اموی خلفاء آئے انھوں نے اس صنعت کو بہت ترقی دی اور اس صنعت کے مراکز کے علاقے بہت شان دار بنائے۔ یہ علاقے اور انڈسٹریل اسٹیٹ بڑی سرمایہ کاری کے علاقے بن گئے اور وہاں بڑے بڑے ہوٹل، فیکٹریاں اور چکیاں بنانے کے کارخانے قائم کیے گئے۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں صنعت وحرفت میں انتہائی نظم ونسق سے کام لیا گیا، اس لیے اس کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ ان صنعتی یونٹس کو نظم ونسق سے چلانے کے لیے ایک عہدہ قائم کیا گیا جس کو ''متولی الصناعۃ'' کا نام دیا گیا جس کو آج کل ڈائرکٹر آف انڈسٹریز (Director of Industries) کہا جاتا ہے، اور اس کی اہم ذمہ داریوں میں سے انسانی فنی طاقتوں یعنی صاحبِ فن لوگوں یا ٹرینڈ کاریگروں کو اکٹھا کرنا تھا جو اپنے فن میں ماہر ہوں، جیسے بڑھئی، لوہار اور مزدور وغیرہ۔ چاہے وہ صنعتی مراکز کے قریبی علاقوں میں رہتے ہوں یا دور کے صوبوں میں سکونت پذیر ہوں۔ ان کی ایک ذمہ داری یہ بھی تھی کہ فیکٹریوں کے لیے خام مال حسب ضرورت مہیا کیا جائے جیسے خشک لکڑی، بارود اور نیزے وغیرہ جو صنعتی مراکز کی ضروریات ہوتی تھیں۔ موجودہ دور میں صنعتی پیداوار کا جو ڈھانچہ قائم ہے وہ اموی عصر اور خصوصی طور پر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد کے نظم ونسق کی نقل ہے جس میں موجودہ زمانے کے تقاضے کے مطابق ردو بدل کیا گیا ہے اور ردّ و بدل بھی کوئی زیادہ نہیں معمولی کیا گیا ہے کیوں کہ اس زمانہ میں بھی کارخانوں اور فیکٹریوں میں کام کرنے والے مزدوروں اور کاریگروں کی اجرت متعین تھی اور ان کے لیے ضرورت کی غذائی اشیاء کی فراہمی بھی کی جاتی تھی، ان کے آرام وسکون کے ذرائع بھی فراہم کیے گئے تھے، اور ملازمین پر ہر قسم کی زیادتی کا ازالہ اور کاریگروں کے لیے ہوسٹل اور رہائشی مکان بھی مہیا کیے گئے تھے جن کو آج کل رہائشی کالونی کہا جاتا ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: النظم الاسلامیہ للعدوی، ص: ۳۵٤۔ ۳۵۵.)

بحری صنعت کی اس ترقی کی وجہ سے بحری بیڑے کے حجم میں انتہائی حیران کن ترقی ہوئی ❷

---

❶ تاریخ الحضارۃ الاسلامیہ والفکر الاسلامی، ص: ۱٦٦. ❷ التطور الاقتصادی، ص: ۲٤۱.

Marfat.com

سمندری میدان میں بازنطینی حکومت کو اسلامی حکومت پر فوقیت حاصل تھی۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحریہ کی قوت کو دگنا کرنے کے لیے مناسب وسائل و ذرائع کا اہتمام کیا۔ اس بارے میں امت کے قائدین اور عمالِ حکومت کے لیے ایک بہت بڑا سبق ہے کہ وہ دشمن کی قوت کے عوامل کو پہچانیں اور پھر ان کے برابر کے نقطے پر پہنچنے کے لیے پوری کوشش کریں۔ بعدازاں دشمنوں پر فوقیت حاصل کریں، یہ فوقیت ہر میدان میں ہو خواہ وہ عسکری میدان ہو یا سیاسی، خواہ اقتصادی میدان یا میڈیا کا میدان۔ ہر میدان اور ہر رنگ میں دشمن پر فوقیت حاصل کرنا ضروری ہے، یہی قرآن وسنت کی تعلیم ہے اور یہی کچھ ہمارے اکابر نے کیا۔ جس چیز پر ہمیں غور کرنا ہے وہ حیران کن عسکری اور فوجی قوتیں ہیں جن کی بنا پر ہمارا دشمن امتیاز رکھتا ہے خواہ وہ قوت ایٹمی ہو یا فضائی، بحری یا میدانی اسلحے کے انداز کی ہو۔ امت پر شریعت کی رو سے واجب ہے کہ وہ ان چیزوں کا حل تلاش کرے یہاں تک کہ اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہو اور اللہ کا دشمن اور مسلمانوں کا دشمن اس قوت سے مرہوب اور مرعوب ہو جائے اور امت کے علماء، دانش وَر اور مفکرین پر بھی یہ ضروری ہے کہ وہ اس نفسیاتی، سیاسی اور میڈیائی پریشر میں نہ آئیں بلکہ امت کے سامنے اس کا حل پیش کریں اور یہ بات بھی ان پر واجب اور لازم ہے کہ نیوکلیر اور مہلک اسلحے کے بارے میں احکامِ خداوندی پوری طرح واضح کریں کیوں کہ اسی مہلک نیوکلیر اسلحے کے زور پر ہمارا دشمن ہمارے عقائد، ہماری ثقافت اور ہمارے دین میں الحاد کے جراثیم پیدا کرنے پر زور دیتا رہتا ہے۔ اس وجہ سے ہمارے اوپر لازم ہے کہ اس قسم کے اسلحہ کو ہم بھی اپنے پاس رکھیں تاکہ ہم اپنے دین اور ملکی امن وسلامتی کو قائم رکھ سکیں۔ دنیا میں عدل قائم ہو اور ظلم کا خاتمہ ہو۔

ان صنعتوں میں جو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد والے اموی خلفاء میں مشہور ہوئیں وہ تجارتی جہازوں کی صنعت ہے، اور جنگی جہاز تجارتی جہازوں سے کوئی زیادہ مختلف نہیں تھے۔ لیکن ان کی صنعتوں کے علاقے مختلف رکھے گئے تھے، چنانچہ بحرین کا علاقہ باقی دوسرے علاقوں سے تجارتی جہازوں کی پیداوار میں زیادہ مشہور تھا۔ جب کہ مصر، عکا اور تیونس وغیرہ جنگی جہازوں کی صنعت میں مشہور تھے، بحرین خلیج عرب میں ایک ایسے مقام پر واقع ہے جہاں سے مشرق ومغرب کے درمیان بحری تجارتی مواصلات مختلف ذرائع سے ملتے ہیں اور اس کی بڑی اہمیت بھی ہے۔ اس وجہ سے یہاں

Marfat.com

کے لوگوں کے پاس ہندو چین کی فرموں کی طرح ملاحی کا بھی بہت بڑا تجربہ تھا۔ اس لیے یہاں پر تجارتی جہازوں کا کارخانہ بنایا گیا۔ ❶ اور جہازوں کی صنعت صرف بحرین ہی میں نہ تھی بلکہ یہ عراق کے شہر واسط تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور اس صنعت نے بالخصوص حجاج کے عہد میں بہت ترقی کی۔ ❷ اس نے تجارتی جہازوں کی صنعت میں بہت بہتری پیدا کی اور اس میں بہت سی اچھی قسم کی تبدیلیاں لائی گئیں تا کہ وہ سمندر کی چوڑائی میں اچھے طریقے سے چلیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے ان کے حجم کو بڑھانے کا حکم دیا اور ان کو مضبوط کرنے کے لیے میخیں استعمال کی گئیں۔ ❸

وہ جہاز اور کشتیاں جو عراق کے شہر واسط میں بنائی جاتی تھیں، انھیں ''واسطی'' کا نام دیا گیا تھا۔ اور کئی چھوٹی چھوٹی کشتیاں بھی تیار کی گئیں جو ان کی بڑی صنعتوں کے لیے واسط اور بصرہ کے درمیان تجارتی سامان کو منتقل کرنے کا کام دیتی تھیں اور عام لوگوں کے سفر کرنے کے کام میں بھی لائی جاتی تھیں۔ ❹

نظم مملکت

نظم مملکت کے بارے میں آپ نے سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی اور آپ کافی حد تک اس پر چلنے میں کامیاب بھی ہوئے۔ ❺

چنانچہ اپنوں ہی کو نہیں بلکہ بیگانوں کو بھی یہ کہنا پڑا کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار پھر اسلامی مملکت کا نظم ونسق فاروقی بنیادوں پر استوار کیا جو مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کے باعث درہم برہم ہو چکا تھا۔ ❻ سیادت اور امارت میں آپ نے اِنھی اصولوں کی پیروی کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے وضع کیے تھے۔ آپ نے مصلحت اُمت اور ضرورتِ تامہ کے سوا کہیں بھی ان اصولوں سے انحراف نہیں کیا۔ ❼

---

❶ البحرين في صدر الاسلام، عبد الرحمن نجم، ص: ٨٤.

❷ العلاقات بين دول الخليج وبلدان الشرق الاقصى، ص: ١٠١.

❸ التطور الاقتصادى فى العصر الاموى، ص: ٢٤٢.

❹ الحجاج بن يوسف الثقفى، هزاع الشمرى، ص: ٥٩.

❺ الاسلام والحضارة العربية: ٢/ ١٤٦.

❻ تاريخ اقوام مسلم براكلمن، ص: ٧٣.

❼ الاسلام والحضارة العربية: ٢/ ١٤٦.

Marfat.com

اسلام کی تاریخ میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں، جنھوں نے ایک اسلامی فلاحی مملکت کی بنیاد رکھی۔ آپ کا ذہن وسیع، ظرف اعلیٰ اور بلند جبکہ نگاہ نہایت دُور رس اور دُور بین تھی۔ آپ نے اپنے عہدِ خلافت میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھا کہ رعایا اور حکمران دونوں قانون کا احترام اور اس کی پاسداری کریں۔ جو حکم نافذ ہو اس کی تنفیذ اور اطاعت میں کسی قسم کا تساہل اور تکاسل نہ ہو۔ آپ جس طرح اپنے گرد و نواح میں بسنے والے اہلِ مدینہ پر نظر رکھتے تھے، اسی طرح اسلامی ریاست کے بعید ترین گوشوں میں رہنے والوں پر بھی آپ کی نگاہ رہتی تھی۔ قوانین کی کثرت کی ضرورت ہوتی ہے یوں نہ کوئی فائدہ بلکہ اصل شئے قوانین کا نفاذ، ان کا احترام اور اس کی پابندی ہوتی ہے۔ حیلے بہانوں سے قوانین کو غیر مؤثر بنانے اور ان کی پابندی نہ کرنے والوں اور حریص لوگوں کے ہتھکنڈوں کے دروازے بند کر دیے جائیں تو حکم عدولی اور غیر قانونی حرکتوں کا خاتمہ بہ آسانی کیا جا سکتا ہے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں اسلامی ریاست کی حدود میں جو بے انتہا وسعت ہوئی وہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی راہ سے بھٹکا نہ سکی اور ان کی زندگی میں وہی سادگی رہی جو پہلے تھی۔ انھوں نے انتظامِ حکومت کے لیے مسجدِ نبوی کو چھوڑ کر الگ ایوان نہیں بنایا۔ مسجدِ نبویؐ کچی اینٹوں کی دیواروں اور کھجور کے پتوں کی چھت پر مشتمل تھی۔ یہ تھا اس شخص کا ایوان حکومت جس نے اپنی حکمت عملی سے قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

جب دنیا کی پرانی تہذیبیں دم توڑ رہی تھیں تو اس کرۂ ارضی پر ایک نئی تہذیب وجود میں آ رہی تھی۔ اس تہذیب کو وجود میں لانے والا درویش سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نہایت سادگی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس کے ایمان نے دنیا کو اس کی نگاہ میں بے اصل بنایا ہوا تھا۔ مدینہ میں جس وقت مال و دولت کے انبار لگے ہوئے تھے اور قیصر و کسریٰ کے خزانے مالِ غنیمت میں مدینہ میں آ رہے تھے، اس وقت سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں سے اتنا ہی حصہ لیا، جتنا ایک عام مسلمان کا ہوتا تھا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ: ''بیت المال کا مال میرے لیے ایسا ہے، جیسا کسی یتیم کا مال، ضرورت نہیں ہوتی تو ہاتھ نہیں لگاتا اور حاجت ہوتی ہے تو بقدر احتیاج لے لیتا ہوں۔''

آپ میں خود احتسابی کی عظیم صفت بھی پائی جاتی تھی۔ یہ ایک بہت بڑی اخلاقی خوبی ہے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ محاسبہ کے وقت سب سے پہلے اپنا محاسبہ کر لو اور اعمال کا ترازو لگنے سے

Marfat.com

قبل خود اپنے اعمال کا وزن کرلو۔ ایسا طرزِ عمل اختیار کرلو گے تو کل حساب میں آسانی ہوگی اور اللہ کے حضور بڑی پیشی کے لیے اپنے آپ کو اچھی طرح تیار کرلو گے۔

اپنی خلافت کے زمانہ میں آپ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے جارہے تھے۔ آپ کے ساتھ کوئی خیمہ نہیں تھا۔ راستہ میں آپ نے کوئی خیمہ نہیں لگایا۔ دھوپ سے بچنے کے لیے کسی جھاڑی کی اوٹ میں بیٹھ جاتے۔ چمڑے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ساتھ تھا۔ کبھی اس کا سایہ کرلیتے۔ عرب کے تپتے ہوئے ریگستان میں وہ سایہ کیا حیثیت رکھتا تھا۔ آپ اس بات سے خائف تھے کہ اپنے لیے کوئی ایسا سایہ فراہم کریں، جس کا مہیا کرنا رعایا کے ہر فرد کے لیے ممکن نہ ہو۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں پر از حد مہربان تھے اور دینی اور دنیوی ہر معاملہ میں ان کے لیے اس طرح آسانیاں تلاش کرتے تھے، جیسے ایک مہربان اور شفیق باپ اپنی اولاد کے لیے کرتا ہے۔ اگرچہ سخت کوش اور جفاکش تھے، لیکن لوگوں کے لیے آسانی چاہتے تھے۔ اپنی سخت کوشی کا ڈھنڈورا کبھی نہ پیٹتے۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قائم کردہ اصولوں پر نظمِ مملکت کو چلاتے تھے، لیکن حالات کے بدلنے سے انھیں کچھ معاملات میں ترمیم کرنا پڑی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کوئی اندرونی فتنہ نہیں تھا، جب کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خوارج اور سبائیوں کے دو بڑے فتنے اُٹھے جن کا مقصد اُمت میں تشتت و افتراق کی تخم ریزی تھا اور ملک کے امن وسکون کو تباہ و برباد کرنا تھا، لیکن اس کے باوجود سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُمورِ مملکت میں ہمیشہ نرمی اور بردباری کے وسائل سے کام لیا۔ جب نرمی اور بردباری کے تمام وسائل ناکام ہوجاتے تو پھر طاقت کا استعمال فرماتے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:

> ''جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے، وہاں میں تلوار کام میں نہیں لاتا، اور جہاں میری زبان کام دیتی ہے، وہاں میں اپنا کوڑا کام میں نہیں لاتا۔ اگر میرے اور لوگوں کے درمیان ایک بال برابر رشتہ بھی قائم ہو تو میں (ہر ممکن طریق سے) اس کو بھی نہیں توڑتا۔ پوچھا گیا: امیر المؤمنین! یہ کس طرح؟ فرمایا: وہ اس طرح کہ جب وہ اس کو کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل دے دیتا ہوں، اور جب وہ ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں۔''[1]

---

[1] الاسلام والحضارة العربیه: ۲/ ۱۵۰۔ یعقوبی: ۲/ ۲۳۸.

Marfat.com

ایک اور موقع پر فرمایا:

((انی لا احول بین الناس والسنتهم مالم یحولوا بیننا وبین ملکنا .)) ❶

''میں لوگوں اور ان کی زبانوں کے درمیان اس وقت تک حائل نہیں ہوتا، جب تک وہ ہمارے اور ہماری سلطنت کے درمیان حائل نہ ہوں۔''

ملکی نظم ونسق کی بہتری کے لیے ہی آپ نے باہمی مشورے کے لیے ایک پارلیمنٹ (Parliament) بنائی اور صوبوں میں بھی اسمبلیوں کا انتظام کیا اور حکومت کو مشورہ کی بنیاد پر چلانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ❷

محکمہ جات:

آپ نے ملک کو مختلف محکموں میں تقسیم کیا تھا اور ہر محکمہ کا ایک سیکرٹری مقرر کیا۔ سرجون رومی چیف سیکرٹری تھے۔ سرجون کا والد شام کی فتح سے قبل ہرقل کا وزیر مال تھا۔ اس نے شام کی فتح کے سلسلہ میں مسلمانوں کی بہت مدد کی تھی۔ ❸ چنانچہ اس خاندان نے حکومت میں ایک خاص مقام حاصل کیا اور سرجون بن منصور رومی کی خداداد قابلیت کے پیش نظر آپ نے اس کو چیف سیکرٹری مقرر کر دیا۔ ❹

دوسرے محکموں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) محکمہ مال کے سیکرٹری — عبیداللہ بن اوس غسانی

(۲) محکمہ خاتم کے سیکرٹری — عبداللہ بن محمد حمیری

ان کے علاوہ عبدالرحمٰن بن دراج، جبیر بن حی، مرداس سلیمان بن سعید جائنٹ سیکرٹری تھے۔ ❺

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مراسلات پر مہر لگانے کا طریقہ بھی جاری کیا گیا۔ اس سے قبل اس کا رواج نہیں تھا۔ آپ کی مہر کا نقش '' ولا قوة الا بالله ''تھا۔ ❻

اس کی ضرورت اس طرح پیش آئی کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ ایک شخص کے حق میں

---

❶ ابن اثیر: ۳/ ۲٦۳۔ طبری: ٥/ ۳۳٦.

❷ قوافل العروبه ومواكبها، ص: ٥٤.

❸ الحضارة العربيه: ۲/ ۱٥۸.

❹ ابن اثیر: ۳/ ۲٦۲.

❺ كتاب الوزراء، الجشيارى، ص: ۲٥۔ ۲٦.

❻ ابن عساكر: ۱٦/ ۷۱۸۔ الدولة الاموية المفترى عليها، ص: ٤۳۳.

Marfat.com

ایک لاکھ درہم یا دینار دینے کا حکم تحریر کیا۔ اس شخص نے اس تحریر میں تصرف کر کے دو لاکھ سرکاری دفتر سے وصول کر لیے۔ جب یہ حساب کا مسئلہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے اس کی گرفت کی اور محاسبہ کیا تو معلوم ہوا کہ اصل حکم نامہ میں تصرف کیے جانے سے دو لاکھ ادا ہو گئے۔ اس کے بعد سرکاری تحریر پر مہر لگا کر بند کرنے کا حکم جاری کیا گیا تا کہ اصل حکم میں کوئی تصرف نہ کر سکے۔ ❶ بعض روایات میں تحریر میں تصرف کرنے والے عمرو بن زبیر تھے۔ چنانچہ ان سے وہ ایک لاکھ واپس لیا گیا جو ان کے بھائی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ادا کیے۔

قاضی کے فیصلوں کو رجسٹرڈ کرنا:

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں قاضی حضرات کے فیصلوں کو رجسٹرڈ کیا جانے لگا، تا کہ ضرورت کے وقت اس فیصلہ کی نقل قاضی کے دفتر سے لی جا سکے۔ سب سے پہلے مصر کے قاضی سُلَیم بن عنز التجیبی نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں احکام کو رجسٹرڈ کرنا شروع کیا۔ ہوا یہ کہ کچھ لوگ آپ کے پاس میراث کی تقسیم کے سلسلہ میں فیصلہ کے لیے آئے۔ آپ نے ان کا فیصلہ کیا۔ پھر وہ ایک مدت تک غائب رہے۔ پھر ایک روز وہ دوبارہ قاضی صاحب کے پاس آئے اور معاملہ توڑ مروڑ کر قاضی صاحب کے سامنے فیصلہ کے لیے پیش کیا۔ قاضی صاحب کو پہلا واقعہ یاد آ گیا اور انھوں نے ان لوگوں کو بتایا کہ اصل معاملہ تو یہ ہے جو تم نے پہلے پیش کیا تھا۔ اب اس میں اختلاف کیوں ہے؟ ان لوگوں نے اپنی غلط بیانی کا اعتراف کر لیا۔ چنانچہ قاضی صاحب نے فیصلوں کو رجسٹرڈ کرنے اور ان پر گواہوں کے دستخط کرنے کو ضروری قرار دیا۔ چنانچہ اس پر پورے ملک میں عمل کیا جانے لگا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: القضاء فی الاسلام، صفحہ: ۱۸۰۔)

صیغۂ پولیس:

سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے ملک میں پولیس کا اتنا اچھا انتظام کیا، جو اس سے قبل نہیں تھا۔ اگرچہ محکمہ پولیس کے بانی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ہیں، کیونکہ جب انھوں نے ملک میں عدالتی نظام قائم کیا، تو اس کے لیے پولیس کی بھی اشد ضرورت تھی، ورنہ قاضیوں کے فیصلوں پر عمل درآمد نہایت مشکل

---

❶ تاریخ الخلفاء سیوطی، ص: ۱۴۰۔ الادارۃ فی العصر الاموی، ص: ۲۸۷۔ مرویات خلافۃ معاویہ، ص: ۷۵.

Marfat.com

ہو جاتا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے تو پولیس کا کوئی محکمہ قائم نہیں فرمایا تھا۔ جب کے انتقال کے بعد سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو پولیس کا مستقل محکمہ انھوں نے بھی قائم نہ کیا، اور قائم اس لیے نہ کیا کہ ضرورت نہیں تھی۔ وہ خیر القرون کا زمانہ تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اوّل تو کوئی جرم کرتے ہی نہیں تھے، لیکن اگر کوئی جرم بشری تقاضے کے تحت ان سے سرزد ہو جاتا تو وہ خود حاضر ہو کر اس کا اقرار کر لیتے۔ ان کو پکڑنے کے لیے پولیس کی ضرورت ہی نہ ہوتی تھی، جیسا کہ سیّدنا ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ نے دربارِ نبوت میں حاضر ہو کر اپنے جرم کا اقرار کیا۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں اگر پولیس کی ضرورت پیش آ جاتی تو فوری طور پر چند بہادر لوگوں کو اس کام پر مامور کر دیا جاتا۔ چنانچہ جیشِ اُسامہ رضی اللہ عنہ کی مدینہ سے روانگی کے بعد بعض قبائل کی طرف سے مدینہ پر حملے کا خطرہ پیدا ہوا تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ کام اپنے ذمہ لیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہدِ خلافت میں پولیس کا کوئی جداگانہ محکمہ تو قائم نہیں کیا، لیکن زنا اور سرقہ وغیرہ کے بعض مقدمات قاضیوں کے ہاں فیصل ہوئے تو اس کی ابتدائی کارروائیوں کے لیے پولیس کی ضرورت پڑی۔ اس وجہ سے پولیس کا محکمہ خود بخود قائم ہو گیا۔ اس وقت اس کا نام ''الاحداث'' تھا۔ چنانچہ پولیس افسران کو بطور پولیس کمشنر مقرر فرمایا تھا اور پولیس کے تمام اختیارات انھیں دیے۔

چنانچہ لوگوں کے احتساب کے بارے میں جو کام تھا وہ اس کے انچارج تھے، جیسے کم تولنا، دھوکہ دینا، فراڈ کرنا، جانوروں پر ظلم کرنا، سڑکوں اور گلیوں میں تجاوزات کرنا، ان سب کی روک تھام اس محکمہ کے سپرد تھی۔ اس لیے ہر جگہ ''صاحب الاحداث'' مقرر کیے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو بازار کی نگرانی کے لیے مقرر فرمایا۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں پولیس کے محکمہ میں نظم و نسق پیدا کیا اور اس کو ایک باقاعدہ محکمہ کی شکل دی جو اس سے پہلے نہیں دی گئی تھی۔ پولیس کو ایک لحاظ سے عدلیہ کے ماتحت رکھا۔ کیوں کہ ان کا ایک اہم فریضہ قاضیوں کے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانا تھا۔ جرائم کی روک تھام، سماج دشمن عناصر کی سرکوبی، حکومت کے احکام کے نفاذ میں تعاون اور حدودِ الٰہیہ کا قیام بھی پولیس کے فرائض میں شامل تھا۔ ❶

---

❶ التمدن الاسلامی، جرجی زیدان: ۱/ ۱۹۱.

Marfat.com

طبری وغیرہ نے لکھا ہے کہ خوارج کے اس منصوبہ اور پلاننگ کے بعد جس میں انھوں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ، سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو شہید کرنے کا عزم کیا تھا اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اس کارروائی میں شہید ہو گئے اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ وار اوچھا پڑنے کی وجہ سے شدید زخمی ہوئے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پولیس کے چند حضرات اپنے ساتھ حفاظت کے طور پر رکھ لیے، کیوں کہ خوارج کی شورش پوری طور پر ختم نہ ہوئی تھی۔ یہ حفاظتی گارڈ ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے، حتیٰ کہ جب آپ نماز کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے تو یہ سپاہی آپ کے ساتھ ہوتے تھے، کیوں کہ وقت تقاضا یہی تھا کہ امیر المؤمنین کی دہشت گردوں اور شورش پسندوں سے حفاظت کی جائے۔ ❶

بعض تواریخ میں ہے کہ اس حفاظتی دستہ کا موالی میں سے ایک شخص کو آپ نے افسر اعلیٰ مقرر کیا، اس کا نام المختار اور بقول بعض مالک تھا اور اس کی کنیت ابوالمخارق تھی، اور یہ شخص قبیلہ الحمیر کے غلاموں میں سے تھا اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں، جنھوں نے اپنی حفاظت کے لیے حفاظتی دستہ رکھا۔ ❷

کوفہ میں بھی جب سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو گورنر بنایا گیا تو انھوں نے بھی سماج دشمن عناصر کی سرکوبی اور امن و امان کے لیے پولیس کے محکمہ کو فروغ دیا۔ کیوں کہ کوفہ تو سماج دشمن عناصر اور شورش پسندوں کی آماجگاہ تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ خوارج ایک مکان میں ملک کے امن و امان کو تباہ کرنے کے لیے میٹنگ کر رہے تھے۔ سیّدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے پولیس سپرنٹنڈنٹ کو حکم دیا کہ اس مکان کا محاصرہ کر لیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے محاصرہ کر کے سب شورش پسندوں کو پکڑا اور جیل بھیج دیا۔

اسی طرح بصرہ میں بھی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو گورنر بنایا۔ پھر سنہ ۴۵ھ میں انھیں معزول کر کے زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو وہاں کا گورنر مقرر فرمایا۔ اس وقت شورش پسندوں اور دہشت گردوں نے بصرہ کے امن و امان کو تباہ کرنے کی کوشش کی۔ زیاد نے ایک زبردست خطبہ دیا، جس میں متنبہ کیا کہ دہشت گردی کو کسی صورت برداشت نہیں کیا جائے گا، خطبہ کے الفاظ سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ زیاد امن و سکون اور نظم و ضبط کا مصمم ارادہ کیے ہوئے تھے۔ ❸

---

❶ طبری: ٦/ ٦٥۔ الشرطة فی العصر الاموی، ص: ٣٦.

❷ البدایه والنهایه: ٨/ ١١٥.

❸ الشرطة فی العصر الاموی، ص: ٣٨.

Marfat.com

بلاذری نے لکھا ہے کہ زیاد کے زمانہ گورنری میں بصرہ میں امن وامان کی فضا کیسے قائم کی گئی۔

زیاد نے ایک روز چند لوگوں کے رونے دھونے کی آواز سنی تو ان سے اس رونے کا سبب پوچھا۔ انھوں نے بتایا کہ چند چوروں نے لوگوں کا مال ومتاع لوٹ لیا ہے اور وہ بھاگ گئے ہیں، جب کہ پولیس اس وقت موجود نہیں تھی۔ ❶ اگلے روز زیاد نے حکم دے دیا کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس نمازِ عشاء کے بعد تمام راستوں پر ناکے لگائے اور چوروں اور لٹیروں کو پکڑے۔ بلاذری کا بیان ہے پولیس نے تھوڑے ہی عرصہ میں قریباً پانچ سو ڈاکوؤں کو موت کے گھاٹ اُتار کر بصرہ میں نہایت پرامن فضا پیدا کر دی۔ ❷ بعض کتابوں میں ہے کہ اس کے بعد زیاد نے یہ اعلان کر دیا کہ بصرہ میں کوئی شخص رات کو دروازہ بند کر کے نہ سوئے۔ اگر اس کی چوری ہو جائے تو اس کی قیمت مجھ سے آ کر لے لے، لیکن زیاد کے دور میں پھر بصرہ میں کوئی چوری نہ ہوئی۔

زیاد نے بصرہ میں پولیس کی نفری کو چار ہزار تک بڑھایا۔ اس نے پولیس سے دو کام لیے۔

ایک تو داخلی امن وامان قائم کرنا اور دوسرے لوگوں کے مال ودولت کی حفاظت۔ چنانچہ زیاد کہا کرتا تھا کہ اگر میرے اور خراسان کے درمیان ایک رسی بھی ضائع یا گم ہو جائے تو مجھے پتہ ہوتا ہے کہ وہ کس نے لی ہے۔ ❸ اسی وجہ سے طبری وغیرہ نے لکھا ہے کہ زیاد پہلا شخص ہے جس نے قانون کو نہایت سختی سے نافذ (Implement) کیا اور لوگوں کو قانون کی اطاعت (Law Abiding) بنایا، اور جرم کرنے والوں کو سزا دی اور لوگوں میں اس کی حکومت میں ایک خوف سا طاری تھا، اور لوگ بالکل امن وسکون کی زندگی گزارنے لگے۔ یہاں تک کہ اگر کسی مرد یا عورت کی چیز گر جاتی تو اس کو کوئی اُٹھاتا نہیں تھا حتی کہ خود اس چیز کا مالک آتا اور اس کو اُٹھاتا۔ عورتیں رات کو دروازہ بند کیے بغیر سوتی تھیں۔

زیاد کے اسی حکومتی نظم وضبط کو دیکھ کر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بصرہ کے ساتھ کوفہ بھی اس کی گورنری کی تحویل میں دے دیا، کیوں کہ کوفہ کی امن وامان کی حالت بھی بہت خراب تھی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الشرطة فی العصر الاموی، صفحہ: ۴۱)

---

❶ انساب الاشراف: ٤/ ١٧١. ❷ انساب الاشراف، بلاذری: ٤/ ١٧١.

❸ نظام الحکم فی الشریعة والتاریخ والاسلام: ٢/ ١٣٩.

Marfat.com

مصر کی حالت دوسرے صوبوں سے امن و امان کے لحاظ سے مختلف تھی۔ یہ دُور ہونے کی وجہ سے خوارج کی شورشوں سے محفوظ و مصئون تھا، لہٰذا یہاں پولیس کی کوئی خاص کارکردگی نظر نہیں آتی۔ سیّدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ گورنر مدینہ نے مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بیک وقت دو عہدے دیے۔ ایک قاضی مدینہ اور دوسرے سپرنٹنڈنٹ پولیس۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں انھوں نے یہ دو عہدے دیے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ مصعب مجرموں اور قانون توڑنے والوں کے لیے نہایت سخت تھے۔ ❶ مصعب نے گورنر مروانؒ سے استدعا کی کہ پولیس کی نفری میں اضافہ کر دیا جائے، اگر آپ مدینہ میں نہایت امن و سکون کی فضا کے خواہش مند ہیں۔ سیّدنا مروان رضی اللہ عنہ نے دو سو سپاہیوں کا اضافہ کر دیا۔ اور سیّدنا مصعبؒ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات تک مدینہ کے سپرنٹنڈنٹ پولیس رہے۔ ❷

پولیس کے فرائض میں سے حدودِ شرعیہ کو نافذ کرنا بھی ہوتا تھا۔ جس کا فیصلہ قاضی کرتا اور ان تمام جرائم کی سزا کو نافذ کرنا بھی ہوتا تھا جو معاشرہ میں فساد پھیلانے کا باعث ہوتے۔ حدودِ شرعیہ تو قرآن و سنت میں بیان کی گئی ہیں۔ چنانچہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین ان حدود کی تنفیذ کا حکم فرماتے، کیوں کہ اکثر و بیشتر قاضی اِنھی میں سے ہوتے تھے اور اگر وہ قاضی نہ بھی ہوں پھر بھی ان کی بات کی قدر و منزلت کی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک غلام نے تھوڑی سی کھجوریں چوری کر لیں۔ وہ چوری اس غلام پر ثابت ہوگئی۔ مروان بن حکم رضی اللہ عنہ نے اس غلام کو قید کرنے کا حکم دے دیا اور ان کا ارادہ غلام کا ہاتھ کاٹنے کا تھا، کیوں کہ چوری کا جرم اس پر ثابت ہو چکا تھا۔ غلام کا مالک سیّدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے اس کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے بتایا کہ انھوں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا قطع فی ثمر ولا کثر .))

''میوے کے چرانے میں یا کھجور کا گابھہ چرانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سننے کے بعد اب اس شخص نے سیّدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کو

---

❶ الشرطة فی العصر الاموی، ص: ٤٣ ـ طبقات ابن سعد: ٥/ ١٥٨.

❷ الشرطة فی العصر الاموی، ص: ٤٣.

Marfat.com

پوری بات سنائی کہ مروان بن حکم رضی اللہ عنہ نے میرے غلام کو چوری میں پکڑا ہوا ہے اور وہ اس کا ہاتھ کاٹنا چاہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ اس کے پاس چلیں اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنائیں۔ صحابی رسولؐ سیّدنا رافع رضی اللہ عنہ اس شخص کے ساتھ مروان بن الحکمؓ کے پاس گئے اور کہا کہ کیا آپ نے اس کے غلام کو پکڑا ہوا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ فرمایا کہ آپ اس کے ساتھ کیا کرنے والے ہیں؟ مروان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس کا ہاتھ کاٹنا چاہتا ہوں، کیوں کہ اس نے چوری کی ہے اور اس کی حد اور سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ اب سیّدنا رافع نے فرمایا: ''میں نے خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپؐ نے فرمایا: ((لا قطع فی ثمر ولا کثر .)) یہ فرمانِ نبویؐ سنتے ہی سیّدنا مروان رضی اللہ عنہ نے اس غلام کی رہائی کا حکم دے دیا۔''❶

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے صاحبانِ اقتدار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کی باتوں کا احترام کرتے تھے۔

مختصر یہ کہ چونکہ ملک میں امن و امان قائم رکھنے اور حکومت کا نظم و نسق چلانے اور حدودِ الٰہیہ کے قیام کے لیے پولیس کی اشد ضرورت ہوتی ہے، اس لیے سیّدنا معاویہ نے رضی اللہ عنہ پولیس کے صیغہ کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور نہایت اعلیٰ طریقہ سے اس کی تنظیم کی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں پہلے قیس بن حمزہ کو پھر زمل بن عمرو کو انسپکٹر جنرل پولیس مقرر کیا گیا۔❷

حاجب:

مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے دفتری نظم و نسق کے لیے حاجب (دربان) کا بھی انتظام کیا ہوا تھا اور حاجب کے عہدہ پر ایک غلام ابوایوب کو متعین فرمایا تھا، بعض حضرات کے نزدیک اس حاجب کا نام سعد تھا۔❸

بعض کتابوں میں ہے کہ حاجب وہ ہوتا ہے جو قاضی کے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے تاکہ مقدمہ کے دوران فالتو آدمیوں کو اندر آنے سے روکے۔ بعض کہتے ہیں کہ حاجب وہ ہوتا ہے جو قاضی کے پیچھے کھڑا ہوتا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تاریخ القضاء فی الاسلام: ۱۸۔

---

❶ غریب الحدیث: ۳/ ۲۴۷. ❷ ابن اثیر: ۳/ ۲۶۲۔ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۲۱.

❸ تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۱/ ۲۱۸۔ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۴۵.

Marfat.com

امرائے حج:

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہر سال مختلف لوگ امیر حج بن کر گئے۔ سنہ ۴۱ھ میں آپ کی طرف سے آپ کے بھائی عتبہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما امیر حج بنا کر بھیجے گئے۔ سنہ ۴۲، ۴۶ اور ۴۷ھ میں بھی یہی امیر حج تھے اور آپ نے مکہ میں حج کے انتظامات کیے۔ ❶ سنہ ۴۴، ۵۰ اور ۵۱ھ میں آپ خود امیر الحج بن کر گئے۔ سنہ ۴۹، ۵۲ اور ۵۳ھ میں سیّدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ الاموی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے امیر الحج مقرر ہوئے اور انھوں نے حج کے متعلقہ انتظامات کی تکمیل کی۔ اسی طرح باقی سالوں میں بھی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مختلف لوگ امیر حج بنا کر مکہ مکرمہ بھیجے گئے اور انھوں نے وہاں کے انتظامات کیے۔

ڈیفنس رولز:

خوارج اور سبائی عناصر کی اگرچہ ظاہری طور پر سرکوبی ہو چکی تھی، لیکن یہ دونوں تحریکیں اندرونِ ملک مخفی طور پر برابر چل رہی تھیں۔ ان میں سے اکثر و بیشتر افراد دہشت گردی کو بھی پسند کرتے تھے۔ امن و امان کے قیام کے لیے تمام مشتبہ افراد کے نام تھانوں میں درج کیے گئے اور ان کی نگرانی کے لیے مختلف صوبوں میں نگران مقرر کیے گئے۔ چنانچہ سیّدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو صوبۂ شام کا نگران مقرر کیا گیا۔ اسی سلسلہ میں زیاد بن ابی سفیان نے جعد بن قیس تمیمی کو عراق میں اس محکمہ کا ڈائریکٹر جنرل مقرر کیا گیا۔ ❷

صیغۂ عدالت:

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں صیغۂ عدالت، حکام اور اربابِ اقتدار کے رعب و اثر سے بالکلیہ آزاد تھا اور کتاب و سنت کی روشنی میں اپنا کام کرتا تھا۔ اس دور کے قاضی لوازماتِ دنیا سے پاک، متقی، عالم اور مجتہد تھے اور حدود اللہ میں کسی سے مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ ❸ چنانچہ آپ نے فضالہ بن عبید الانصاری رضی اللہ عنہ کو اور ان کے بعد ابوادریس الخولانی رضی اللہ عنہ کو محکمہ قضاء کا انچارج مقرر فرمایا۔ ❹

---

❶ تاریخ یعقوبی: ۲/ ۲۳۹۔ تاریخ خلیفه بن خیاط: ۱/ ٤١.

❷ الادب المفرد، ص: ٢٣٤.

❸ النظم الاسلامیه، ص: ٢٣٤.

❹ البدایه والنهایه: ۸/ ۲۱.

Marfat.com

ٹکسال:

زیاد بن ابی سفیان کی تحریک پر دارالضرب (ٹکسال) کا قیام عمل میں آیا، جہاں دینار، درہم اور فلوس بنائے جاتے تھے۔ دینار سونے کا، درہم چاندی کا اور فلوس سونے کا ہوتا تھا، جن پر ٹکسال کا نام اور تاریخ کے علاوہ قرآنی الفاظ بھی کندہ ہوتے۔ ❶ صوبوں کی ٹکسال صرف درہم بنانے کی مجاز تھی۔

تقریر وتحریر کی آزادی:

آپ کے زمانہ میں تحریر وتقریر کی پوری پوری آزادی تھی اور تعمیری تنقید کو ہر لحہ خوش آمدید کہا جاتا تھا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ؛

''میں لوگوں اور ان کی زبانوں کے درمیان اس وقت تک حائل نہیں ہوتا، جب تک وہ میرے اور میری سلطنت کے درمیان حائل نہ ہوں۔'' ❷

اظہارِ حق میں ایک گورنر تک اس قدر بے باک تھا کہ وہ خلیفۂ وقت کے حکم کو ٹھکرانے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتا تھا، جب کہ اسے اس کے خلافِ حق ہونے کا یقین ہو جاتا۔ چنانچہ جب آپ نے گورنرِ مصر کو لکھا کہ ہر قبطی پر جزیہ میں ایک قیراط اضافہ کر دیا جائے تو گورنر نے جواباً تحریر کیا کہ میں ان کے جزیہ میں اضافے کا مجاز نہیں ہوں، جب کہ معاہدہ میں عدمِ اضافہ کی شق موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر گورنر اپنے صوبہ کی اصلاح میں آزاد تھا اور نہایت دیانت داری اور بے باکی سے اپنے فرائضِ منصبی انجام دیتا تھا۔ ❸

اس سلسلہ میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیّدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کسی ضرورت سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے خلوت میں دریافت کیا: ''اے مسورؓ! آپ حکومت کے حکام اور عمال پر تنقید اور طعن کیا کرتے تھے، مجھے فرمایئے کہ اب وہ کس طرح ہیں؟'' سیّدنا مسور رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''امیر المؤمنین! اس بات کو رہنے دیجیے۔ میں جس مقصد کے لیے آیا ہوں، اس کے بارے میں مجھے بتایئے۔'' سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے

---

❶ خلافت، ولیم میور، صفحہ: ۳۳۹۔

❷ ابن اثیر: ۳/ ۳٦۳۔ الاسلام والحضارة العربية: ۲/ ۱٤۷.

❸ الاسلام والحضارة العربيه: ۲/ ۱٥۱.

Marfat.com

کہا: ''نہیں، بلکہ آپ جو طعن اور تنقید فرمایا کرتے تھے اور خود میری ذات پر جو عیب لگاتے تھے، ان کے بارے میں مجھے ضرور بتائیں۔''

سیّدنا مسور رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان پر جو عیب لگایا کرتا تھا، وہ میں نے ان کے سامنے کھول کر بیان کر دیا۔ اس پر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نقائص اور گناہوں سے برأت کا دعوے دار نہیں ہوں۔'' سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا مسور رضی اللہ عنہ سے مزید کہا: ''کیا تمھارے بھی کچھ ایسے گناہ ہیں، جنھیں اللہ تعالیٰ اگر معاف نہ فرمائیں تو تم ہلاکت کا خوف رکھتے ہو؟'' سیّدنا مسور رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہاں، میرے بھی کئی گناہ ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف نہ فرمایا تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔''

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''کس بنا پر تم مجھ سے حق تعالیٰ کی مغفرت کے زیادہ حق دار ہو؟ جب کہ اللہ کی قسم! میں لوگوں کے درمیان اصلاح کرتا ہوں۔ اقامت حدود، جہاد فی سبیل اللہ اور دینی اور ملی اہم کام انجام دیتا ہوں، جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ یہ سب چیزیں ان عیوب و ذنوب سے جن کا تم ذکر کر رہے ہو، کثیر تعداد میں ہیں، اور میں اللہ جل شانہ کے دین پر ہوں، جس میں اللہ تعالیٰ نیکیوں کو قبول فرماتے ہیں اور خطاؤں سے درگذر فرماتے ہیں۔ واللہ! اس بارے میں مجھے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے خلاف اختیار دیا گیا ہے تو میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو پسند کرتا ہوں اور اس کے سوا ہر شے کو ترک کر دیتا ہوں۔''

سیّدنا مسور رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر میں نے غور کیا تو مجھے پتہ چلا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھے موردِ الزام ٹھہرایا ہے اور مجھ پر اس گفتگو میں غالب رہے ہیں۔

اس کے بعد سیّدنا مسور رضی اللہ عنہ جب کبھی بھی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر فرماتے تھے تو ان کے حق میں دُعا اور خیر کے کلمات ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ [1]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ناقد کو بھی اظہارِ رائے کے لیے پوری آزادی دیتے تھے اور اعترافِ حق میں انھیں کوئی ہچکچاہٹ نہ تھی، لیکن تعمیری تنقید کی آپ بہت زیادہ حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

---

[1] البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۳۳۔ سیر اعلام النبلاء تحت ترجمہ معاویہؓ۔ الاستیعاب تحت ترجمہ معاویہؓ.

Marfat.com

آثارِ حرم اور آثارِ نبویؐ کا تحفظ

ایک مسلمان کے لیے دنیا میں سب سے محترم چیز اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہے۔ ان کے بعد ہر وہ شئے ہمارے لیے باعث صد احترام ہو جاتی ہے، جس کی نسبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہو جائے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ خاص امتیاز حاصل ہے کہ انھوں نے معالم حرمین کا تحفظ کیا۔

مکہ مکرمہ میں اُمّ المؤمنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا ایک گھر تھا، جس میں آپ سیّد دوعالم ﷺ کے ساتھ سکونت پذیر رہی تھیں۔ اس گھر کو ''دارِ خزیمہ'' کہا جاتا تھا۔ اسی مکان میں آپ کی ساری اولاد پیدا ہوئی اور یہی وہ مکان تھا، جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سجدوں کے نشان پیوست تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی تو سیّدنا عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے، اس گھر پر قبضہ کر لیا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اس مقدس مقام کو خرید کر اس پر ایک مسجد تعمیر کروادی اور لوگ اس میں نمازیں پڑھنے لگے۔ بعد میں اس کو ''مولد فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا'' کے نام سے یاد کیا جانے لگا، کیونکہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اسی مکان میں پیدا ہوئی تھیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ کے مواضعات میں مسجد الحرام کے بعد یہ افضل ترین جگہ ہے۔ ((هُو افضل موضع بمكة بعد المسجد الحرام .)) [1]

مکہ مکرمہ کے مکانات کے لیے اس سے قبل کوئی حفاظتی دروازے نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ اہلِ عراق، اہلِ شام اور دوسرے غیر مقامی لوگ اپنے اپنے علاقوں سے جب مکہ مکرمہ آتے تو ان مکانات میں داخل ہو کر سکونت اختیار کرتے، لہٰذا ضرورت تھی کہ ان مکانات کو دروازے لگائے جائیں۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان مکانات کو دروازے لگانے کا اہتمام کیا۔ [2]

اس کے علاوہ آپ نے گورنرِ مدینہ سیّدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اگر صحابیِ رسولؐ سیّدنا

---

[1] تاريخ الخميس: ١/ ٣٠١.

[2] البدايه والنهايه: ٨/ ١٣٩، المصنف لعبد الرزاق: ٥/ ١٤٧.

Marfat.com

کرز بن علقمہ رضی اللہ عنہ زندہ ہوں تو ان کی نشاندہی پر ان آثار کو صحیح کر کے مکمل کریں، تاکہ اہلِ اسلام ان سے برکت حاصل کریں۔ ❶

مکہ مکرمہ میں سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ایک جگہ تھی، جس کو دار الندوہ کہتے تھے۔ اس میں بیٹھ کر قریش باہمی اہم امور کے بارے میں مشورے کیا کرتے تھے۔ یہ جگہ ابتداء سے قبیلہ بنی عبدالدار کی تحویل میں چلی آ رہی تھی۔ پھر اسی خاندان کے ایک فرد نے جس کا نام عکرمہ بن عامر تھا، سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اسے فروخت کر دیا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی مرمت کروا کر اس کا نام ''دار الامارۃ'' رکھ دیا۔ اس دار الامارۃ میں حکام اور گورنر حضرات اقامت پذیر ہوتے اور مختلف امور پر مشورہ وغیرہ کرتے۔ ❷

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ دار الندوہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کرنے والے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ تھے، جو کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھائی کے بیٹے تھے۔ چنانچہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ''سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں سیّدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے دار الندوہ کو ایک بہت بڑی رقم یعنی ایک لاکھ اور دوسری روایت کے مطابق چالیس ہزار دینار کے عوض سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ سیّدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے سیّدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ نے قریش کی عزت و شوکت کو فروخت کر دیا ہے۔ جواب میں سیّدنا حکیم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے میرے بھتیجے! سابقہ مکارم کی چیزیں اب رُخصت ہو چکی ہیں۔ اب تو عز و شرف صرف تقویٰ اور پرہیزگاری میں ہے۔ یہ ''دار الندوہ'' قریش کا ''دار العدل'' تھا۔'' ❸

اسی طرح حویطب بن عبدالعزیٰ کی مکہ مکرمہ میں ایک حویلی تھی۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ حویلی چالیس ہزار دینار میں خرید لی۔ لوگوں نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس حویلی کی یہ

---

❶ فتوح البلدان، ص: ٦١۔ طبقات ابن سعد: ٥/ ٣٣٨۔ الاصابه: ٣/ ١٧٥.

❷ فتوح البلدان، ص: ٥٩.

❸ البدايه والنهايه: ٨/ ٦٩۔ اسد الغابه: ٢/ ٤١.

Marfat.com

قیمت بہت زیادہ ہے۔ آپ نے فرمایا: ''حویطب رضی اللہ عنہ کا کنبہ پانچ افراد پر مشتمل ہے، لہٰذا ان کی ضروریات کے پیش نظر یہ رقم کچھ زیادہ نہیں۔'' ❶ اسی طرح اور کئی چیزیں آپ نے خرید کر آثارِ حرم کو محفوظ فرمالیا۔

مکہ مکرمہ کی طرح مدینہ منورہ میں بھی آپ نے آثارِ نبوی کا تحفظ کیا۔ چنانچہ گورنرِ مدینہ سیّدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے کوشش کی کہ یہاں کے مقاماتِ متبرکہ کے بارے میں آشنائی حاصل کی جائے۔ لہٰذا سیّدنا مروان رضی اللہ عنہ نے ابوقتادہ الانصاری رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور ان سے کہا کہ مجھے سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مواقف بتلائیں۔ ❷

سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جب اس دنیا سے انتقال فرما رہے تھے، تو انھوں نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور اپنی صاحبزادی اُمّ المؤمنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ میری فلاں جائیداد فروخت کر کے میرا تمام قرض ادا کیا جائے۔ چنانچہ اس جگہ کو آپ کے انتقال کے بعد فروخت کر دیا گیا، جسے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس دور کی وقتی ضروریات کے لیے خرید لیا۔ پھر اس کو ایک مسجد میں منتقل کر دیا۔ اس جگہ کا نام ''دارالقضاء'' تھا۔ ❸

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ جب اس دنیا سے رُخصت ہو رہے تھے تو انھوں نے خلافت کے لیے چھ اشخاص کو نامزد فرمایا کہ یہ حضرات آپس میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ چنانچہ تین شب و روز بیٹھ کر انھوں نے مشورہ کیا۔ یہ مشورہ کی جگہ سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا مکان تھا، جو ان چھ حضرات میں سے ایک تھے۔ چنانچہ سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کا فیصلہ بھی اسی مکان میں ہوا۔ سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد آپ کی اولاد نے اس مکان کو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ یہ مکان چونکہ تاریخی حیثیت کا حامل تھا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مکان کے تحفظ کے لیے اس میں سرکاری دفاتر اور بیت المال قائم کر دیا۔ ❹

آپ نے مدینہ منورہ کے لوگوں کے لیے منتخب قسم کے قلعے تعمیر کروائے، جن میں ''قصر خل'' زیادہ مشہور ہے۔ یہ محل یا قلعہ چونکہ راستہ پر واقع تھا، اس لیے اس کا نام ''قصر خل'' رکھا گیا۔ یہ قصر

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۷۰.
❷ الاصابہ: ٤/ ١٥٨.
❸ وفاء الوفاء سمہودی: ۲/ ٦٩٨.
❹ تاریخ المدینۃ المنورۃ لابن ابی شیبہ: ۱/ ۲۳۳.

Marfat.com

گورنرِ مدینہ سیّدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ نے مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیّدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے تعاون سے مکمل کروایا۔

ایک اور قصر بنوایا گیا، جس کا نام ''قصر الدارمین'' تھا۔ یہ قصر جس زمین پر بنایا گیا، وہ جگہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی صفوان بن المعطل رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمائی تھی۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے خرید کر لوگوں کے لیے قصر کی شکل میں تعمیر کروایا۔

چاروں خلفاء کے زمانے میں مسجدِ نبویؐ کے اردگرد کا علاقہ بالکل کچا تھا۔ بارش کے دنوں میں وہاں کیچڑ پھیل جاتا تھا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں اس پر پتھروں کا فرش لگوا کر اس کو پختہ کروایا۔ آپ نے گورنر مدینہ سیّدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مسجد نبویؐ کے گردونواح میں جتنی بھی گلیاں ہیں، ان کو پتھروں کے فرش سے پختہ کیا جائے۔ چنانچہ گورنر مدینہ نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔

اسی طرح آپ نے اُمّ المؤمنین سیّدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کا حجرۂ مبارک خرید لیا، جو سیّدہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ضرورت کے تحت سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم میں فروخت کیا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے مرتبہ و مقام کی رعایت فرماتے ہوئے انھیں ایک کثیر رقم پیش کر دی۔ [1]

اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنا ایک مکان سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کیا، جو آپ نے ایک لاکھ اَسّی ہزار درہم میں خریدا۔

شاعرِ دربارِ نبوت سیّدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس کھجوروں کا ایک نہایت عمدہ باغ تھا جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مرحمت فرمایا تھا۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سیّدنا حسان رضی اللہ عنہ نے وہ باغ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ مالِ کثیر کے عوض فروخت کیا۔

تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں حرمین شریفین کی بہت خدمت کی اور اس کے بہت سے آثار کو محفوظ فرما دیا۔

بنو ہاشم سے تعلقات اور سلوک

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سنہ ۱۸ھ سے سنہ ۴۱ھ تک دمشق اور اس کے ملحقات کے گورنر رہے۔ پھر سنہ

---

[1] وفاء الوفاء سمهودی: ۲/ ٤٦١.

Marfat.com

۴۱ھ میں سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بیعت فرمانے کے بعد آپ باقاعدہ طور پر پوری مملکت اسلامیہ کے خلیفۃ المسلمین اور امیر المؤمنین بن گئے۔ اور ۲۲ رجب سنہ ۶۰ھ کو ۷۸ سال کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اس حساب سے آپ کا عہدِ خلافت قریباً بیس سال پر محیط ہے۔ آپ اس عرصہ میں فرائض خلافت نہایت عمدہ اور اَحسن طریق سے سرانجام دیتے رہے اور اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک آپ کی حکمت عملی نہایت کامیاب رہی، یہاں تک کہ مؤرخ سیّد امیر علی کو بھی یہ اقرار کرنا پڑا کہ:

"مجموعی طور پر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت اندرونی طور پر بڑی خوش حال اور پُر اَمن تھی اور خارجہ پالیسی کے لحاظ سے بہت کامیاب تھی۔" ❶

اس بیس سالہ دورِ خلافت میں جہاں اور لوگوں سے آپ کے تعلقات اور رویہ بڑا اچھا رہا، وہاں اہلِ بیت نبوت اور بنو ہاشم سے بھی آپ بڑی ملاطفت اور نیک دلی سے پیش آتے رہے اور سب کو عطائے جزیل سے نوازتے رہے۔ چنانچہ ان کے پورے زمانۂ خلافت میں بنو ہاشم کے کسی فرد نے کبھی ان کے بارے میں کوئی شکایت نہ کی، بلکہ سیّدنا عقیل بن ابی طالبؓ جو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی تھے، اپنے بھائی سے اختلاف کر کے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے آئے۔ ❷

لیکن بعض حضرات نے ان کی شخصیت کا ایسا گھناؤنا نقشہ پیش کیا ہے کہ جیسے یہ ہر وقت بنو ہاشم کے ساتھ برسرِ پیکار رہتے تھے، حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اہلِ بیت نبوت اور تمام بنو ہاشم ان کے نہ صرف وظیفہ خوار تھے بلکہ مدح خوان بھی تھے اور آپس میں یہ سب حضرات شیر و شکر ہو کر رہتے تھے۔ آپ چونکہ اُموی تھے اور بنو امیہ کے بارے میں بعض مؤرخین نے یہ لکھا ہے کہ ان کے اور بنو ہاشم کے مابین شروع ہی سے عداوت چلی آ رہی تھی اور جنگِ صفین اور جنگِ کربلا اسی پرانی عداوت کا نتیجہ ہیں، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد بنو ہاشم اگر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تو ان سے زیادہ تعداد میں بنو اُمیہ نے دعوتِ اسلام پر لبیک کہا، لیکن بنو ہاشم نے قومی اور قبائلی عصبیت کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ حمایت کی تھی۔ ❸

تاریخ اسلام کے اوراق میں آپ کو بنو اُمیہ کے ایسے افراد بکثرت ملیں گے، جنھوں نے اسلام

---

❶ ہسٹری آف سارا سنز انگریزی، صفحہ: ۸۲۔ ❷ عمدة الطالب في انساب آل ابي طالب، ص: ۲۱.

❸ محاضرات تاريخ الامم الاسلاميه: ٤/ ٤٧٠.

Marfat.com

کی خاطر اپنا وطن، مال و اولاد، گھر بار اور اعزاء و اقرباء چھوڑ دیے۔ چنانچہ ہجرتِ حبشہ میں بنو ہاشم سے زیادہ بنو اُمیہ کے لوگ اور ان کے حلیف تھے، جب کہ بنو ہاشم میں صرف سیّدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔ ❶ اور بنو اُمیہ اور ان کے حلفاء میں سے جن حضرات نے ہجرت کی، ان کی تعداد گیارہ ہے۔

علاوہ ازیں اسلام کی مالی خدمت جتنی بنو اُمیہ نے کی ہے، بنو ہاشم نے مل کر بھی اتنی نہیں کی، کیونکہ بنو ہاشم اکثر غریب تھے، سوائے سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کے، لیکن انھوں نے مالی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی مدد نہیں کی۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی دادو دَہش اور بئر رومہ کی خریداری اور تبوک کے مجاہدین کے لیے ساز و سامان مہیا کرنا آج بھی ہر شخص کی زبان پر ہے۔

یہ درست ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے سوائے بدر کے باقی تمام جنگوں میں قریش کے لشکر کی قیادت کی۔ لیکن یہ ان کا ایک قبائلی اور قومی فریضہ تھا، کیونکہ قریش کی طرف سے سپہ سالاری کا عہدہ انھیں تفویض ہوا تھا، لیکن تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت بھی دیتے ہیں کہ وہی ابوسفیان جب حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تو پھر اسلام کے لیے پہلے سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ اہلِ کفر کے ساتھ لڑے۔ چنانچہ طائف کے محاصرہ میں انھوں نے اپنی ایک آنکھ اللہ کے راستہ میں میدانِ جنگ میں قربان کی۔ ❷ اور دوسری آنکھ کی قربانی سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جنگ یرموک میں دے دی۔ ❸

اگر بنو اُمیہ بنو ہاشم کے ساتھ شروع ہی سے بغض و عناد رکھے ہوتے تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چار میں سے تین صاحبزادیاں بنو اُمیہ کے افراد کے حبالۂ عقد میں نہ دیتے، اور چوتھی صاحبزادی سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جو بنو ہاشم کے فرد سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دی تو وہ بھی سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کی بارگاہِ نبوت میں خواست گاری کی۔ ❹ پھر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جہیز اور شادی کے لیے روپیہ بنو اُمیہ ہی کے ایک شخص سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو دیا جو کہ چار سو درہم تھا۔ ❺ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اس کارِ خیر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بہت

---

❶ ملاحظہ ہو: انساب الاشراف: ۱/ ۱۹۸۔ سیرة ابن هشام: ۱/ ۲٤۰.

❷ الاستیعاب: ۲/ ۱۷۰۔ سیرتِ حلبیه: ۳/ ۱۳۲.

❸ اسد الغابه: ٥/ ۲۱٦.

❹ جلاء العیون، ص: ۱۲۱.

❺ کشف الغمه فی معرفة الائمه: ۱/ ۳٥۹.

Marfat.com

دُعائیں دیں۔ ❶

اپنی سب سے بڑی صاحبزادی سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا تو آپ نے سیّدنا ابوالعاص اموی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دی، لیکن ان سے چھوٹی دو صاحبزادیاں سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیّدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا یکے بعد دیگرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اُموی کے ''حبالہ'' عقد میں دیں۔ ❷

دوسری طرف بنواُمیہ کے سردار سیّدنا ابوسفیان کی صاحبزادی سیّدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر کے آپ نے بنواُمیہ سے اپنی قرابت داری کا اظہار فرمایا۔ ❸ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس وقت اگرچہ حلقۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، لیکن آپ نے اس شادی کی تحسین فرمائی۔ اس کے مقابلہ میں نزولِ وحی سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے چچا ابوطالب کو جس کے بیٹے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کفالت میں لیا ہوا تھا، اس کی بیٹی ہند جس کی کنیت بعد میں اُمّ ہانی ہوئی، سے نکاح کا پیغام دیا تھا۔ آپ کے پیغام کے ساتھ ہبیرہ بن ابووہب المخزومی نے بھی ابوطالب کو پیغام دیا۔ ابوطالب نے بنومخزوم کے ہبیرہ بن ابووہب کو اپنی بیٹی بیاہ دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کا اپنے بارے میں یہ رویہ دیکھ کر فرمایا:

((یا عم! أتزوجت هبيرة وتركتني؟))

''چچا جان! آپ نے ہبیرہ کو تو بیٹی بیاہ دی اور مجھے چھوڑ دیا؟''

یہ سن کر ابوطالب نے کہا:

''بھتیجے! ان لوگوں کے تو ہم سے رشتے ناطے ہوتے چلے آئے ہیں۔ معزز لوگوں کے ہم کفو معزز اور ذی حیثیت لوگ ہی ہوتے ہیں۔'' ❹

اس بات کو قریباً ہر مؤرخ نے بیان کیا ہے کہ ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شادی کے پیام کو ردّ کر کے بنومخزوم کے ہبیرہ بن ابی وہب کے ساتھ اپنی بیٹی اُمّ ہانی کا نکاح کر دیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا کے اس جواب سے اتنا رنج اور

---

❶ كشف الغمه: ١/ ٣٥٩۔ زرقانی علی المواهب: ٢/ ٣.

❷ ملاحظہ ہو: حیات القلوب: ٣/ ٣٣٠۔ نهج البلاغه: ٢/ ٣٢٢.

❸ اصفة الصفوة: ٢/ ٢٣.

❹ الاصابه: ٣/ ٥٠٣۔ كتاب المحبّر، ص: ٩٨۔ طبقات ابن سعد: ٢/ ١٥٢.

Marfat.com

صدمہ ہوا کہ آپؐ نے اس پر خفگی کا اظہار فرمایا۔ ❶

ابوطالب نے جو کہ بنی ہاشم کے سردار تھے، اپنے سگے بھتیجے، رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر ہبیرہ بن ابی وہب المخزومی سے اپنی بیٹی کیوں بیاہ دی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ بنومخزوم کا قبیلہ اس وقت قریش میں دولت وثروت، اثر ورسوخ اور عددی قوت کے لحاظ سے ایک ممتاز اور مقتدر قبیلہ سمجھا جاتا تھا۔ اس قبیلہ کے پاس منصب العدل بھی تھا۔ تمول اور دریا دلی، لیاقت وصلاحیت وغیرہ میں بھی یکتا سمجھا جاتا ہے۔ ❷

اب مقابلہ کیجیے ایک اموی سردار کا اور ایک ہاشمی سردار کا۔ ہاشمی سگا چچا بھی ہے، لیکن پھر بھی اس نے اپنی لڑکی رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں نہیں دی۔ پھر یہ کہنا کہ بنواُمیہ خاندانِ بنوہاشم کے دشمن تھے، میں سمجھتا ہوں جہالت پر مبنی ہے۔

بنواُمیہ کی اِنھی باتوں کی وجہ سے فتح مکہ کے روز سرکارِ دو عالم ﷺ نے ابوسفیان سردارِ بنی اُمیہ کے گھر کو ایک عظیم درجہ دے دیا۔ فرمایا:

((من دخل دار ابی سفیان فھو آمن .))

''جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا، وہ بھی امن میں رہے گا۔'' ❸

ان سب واقعات کے پیش نظر یہ کہنا کہ بنواُمیہ بنوہاشم کے دشمن تھے، حقائق کا منہ چڑانے کے مترادف ہے۔ یہ دونوں قبیلے آپس میں باہم شیر وشکر تھے۔ ان کی آپس میں رشتہ داریاں بھی ہوتی تھیں اور دونوں بھائیوں کی طرح آپس میں رہتے تھے، کیونکہ یہ ایک ہی درخت کی دو شاخیں تھیں، لیکن اسلام لانے کے بعد تو ان کی حالت ہی کچھ اور ہوگئی۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا جب مسلمان ہو رہی تھیں تو حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ وہ اپنے بت کو اُٹھا کر توڑنے لگیں اور اس سے کہا کہ ایک مدت سے ہم تیری وجہ سے فریب خوردہ رہے۔ پھر خود کہتی ہیں کہ میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام کی دولت سے مشرف ہوئی اور آپ کی بیعت کی۔ ❹

---

❶ الاصابه: ٣/ ٥٠٣. ❷ كتاب نسب قريش، ص: ٣٠.

❸ مسلم: ٢/ ١٠٢ـ مسند احمد، رقم: ٧٩٠٩ـ ابن خلدون: ٣/ ٥٠ـ تهذيب التهذيب: ٤/ ٤١١.

❹ تاريخ ابن عساكر تراجم النساء تحت ترجمه هند بنت عتبه.

Marfat.com

ایک موقع پر خود فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی برکت سے کفر کی دھوپ سے نکل کر اسلام کے سایہ میں آ گئی ہوں۔ (ایضاً)

بنواُمیہ نے کبھی بھی بنوہاشم کی عظمت وشرافت کا انکار نہیں کیا۔ خود سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی ایک موقع پر کھلے لفظوں میں بنوہاشم کی سیادت وعظمت کا اقرار کیا۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ تم بنواُمیہ عزت وشرافت میں زیادہ ہو یا بنوہاشم؟ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس اہم سوال کی وضاحت یوں فرماتے ہوئے جواب دیا:

> ''ہم دونوں قبائل صاحب عظمت وشرافت تھے، لیکن بنوعبدمناف میں ہاشم جیسا کوئی شخص نہیں۔ جب ہاشم انتقال کر گئے تو ہمارے قبیلے کا عدد زیادہ تھا تو ہم بنواُمیہ عدد و شرف میں اکثر تھے، لیکن عبدالمطلب جیسا ہم میں کوئی شخص نہیں تھا۔ جب عبدالمطلب فوت ہو گئے تو پھر ہم عدد اور شرف میں اکثر تھے۔ ہم اسی حال میں تھے کہ بنوہاشم نے کہا کہ ہم میں نبی مبعوث ہوئے ہیں۔ پس ایسے نبی تشریف لائے کہ اوّلین وآخرین نے ان جیسا نہیں سنا، اور وہ محمد ﷺ ہیں۔ پس اس شرف اور فضیلت کو کون حاصل کر سکتا ہے؟ (یعنی کوئی نہیں حاصل کر سکتا۔) ❶

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اس بیان میں بنوہاشم کی فضیلت اور تفوق کا صاف لفظوں میں اقرار کیا ہے اور سیّد دو عالم ﷺ کی ذات اور شخصیت کے بارے میں صحیح ریمارکس دیے ہیں۔ اب بھی کوئی یہ کہے کہ بنواُمیہ بنوہاشم کے تفوق کو نہیں مانتے تھے۔ اس وجہ سے انھوں نے آخر وقت تک ان کا مقابلہ کیا، تو ایسے شخص کو اپنے دماغ اور فکر کی اصلاح کرانی چاہیے۔

بنوہاشم اور بنواُمیہ کی باہمی محبت والفت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ زمانۂ جاہلیت اور زمانۂ اسلام دونوں میں ان کی آپس میں رشتہ داریاں قائم ہوئیں۔ چنانچہ اس بات کا اعتراف ایک موقع پر خود سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے کیا۔ انھوں نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط میں لکھا:

((لم یمنعنا قدیم عزنا ولا عادیٰ طولنا علیٰ قومك، ان خلطناکم بانفسنا فنکحنا وانکحنا فعل الاکفاء.)) ❷

---

❶ البدایه والنهایه: ۸/ ۱۳۸.

❷ نهج البلاغه: ۲/ ۳۳.

Marfat.com

''(اے معاویہ!) آپ کی قوم پر ہماری دیرینہ عزت نے ہمیں اس بات سے منع نہیں کیا کہ ہم آپ لوگوں کو اپنے میں ملائیں۔ پس ہم نے تمھاری عورتوں کے ساتھ نکاح کیے اور تم نے ہماری عورتوں سے نکاح کیے، جیسا کہ ہم کفو لوگ آپس میں رشتے ناطے دیتے لیتے ہیں۔''

سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں خاندانوں میں ابتداء ہی سے باہمی رشتہ داری کے تعلقات قائم تھے، اور یہ آپس میں ایک دوسرے کو ہم کفو سمجھ کر رشتے دیتے لیتے تھے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا خواجہ عبدالمطلب سردار بنی ہاشم نے اپنی صاحبزادی اُمّ حکیم البیضاء کا نکاح کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس اموی سے کیا تھا اور اُمّ حکیم البیضاء سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی سگی نانی تھیں۔

زمانۂ اسلام میں یہ دونوں خاندان پہلے سے بھی زیادہ آپس میں محبت سے رہنے لگے، کیونکہ اسلام نے ہر قبیلے کی گزشتہ تمام رنجشوں کو یک قلم ختم کر دیا، جیسے اوس اور خزرج انصار کے یہ دونوں خاندان کتنی مدت تک آپس میں برسرِ پیکار رہے، لیکن جونہی دونوں دولتِ اسلام سے سرفراز ہوئے تو سگے بھائیوں سے زیادہ محبت و پیار سے رہنے لگے۔ اور اسلام تو ہے ہی صلح و آشتی کا دین، اس نے تو مہاجر و انصار کے درمیان جو مواخات قائم کی تھی، اس کی مثال ڈھونڈے سے نہیں ملتی، حالانکہ ان دونوں میں نہ کوئی وطنی تعلق تھا اور نہ برادری اور قبیلہ کا، لیکن جب لسانِ نبوت نے ان سے فرما دیا کہ تم آپس میں بھائی بھائی ہو، تو انھوں نے اس بھائی چارے کو ایسا نبھایا کہ سگے بھائیوں کو بھی اس پر رشک آنے لگا۔

اگر ان دونوں خاندانوں کے مابین کوئی رنجش یا عداوت ہوتی، جس کو بعض لوگ صرف اپنی روٹی کمانے کے لیے اپنے وعظوں میں اور اپنی تحریروں میں ظاہر کرتے ہیں تو ان دونوں خاندانوں کے اہم افراد میں اسی طرح کی باہمی رشتہ داری قائم ہوتی؟ یہ تو ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چار میں سے تین بیٹیاں بنو اُمیہ کے افراد کے حبالۂ عقد میں دیں۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی دو صاحبزادیاں سیّدنا مروان رضی اللہ عنہ کے بیٹوں معاویہ بن مروان اور عبدالملک بن مروان کے نکاح میں دیں۔ [1] خود

---

[1] جمرة انساب العرب، ص: ٨٧۔ البداية والنهاية: ٩/ ٦٩.

Marfat.com

سرکارِ دو عالم ﷺ نے بنوامیہ کے سردار سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیّدہ رملہ رضی اللہ عنہا کو جو اُمّ حبیبہ کی کنیت سے مشہور تھیں، اپنے حبالۂ عقد میں لاکر اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کا رتبہ عطا فرمایا۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی بھی ہاشمی عورت سے شادی نہیں کی۔

خاندانِ عثمانی سے بنوہاشم کی رشتہ داریاں:

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا تعلق بھی بنواُمیہ سے تھا۔ ان کے خاندان سے بھی بنوہاشم کی بہت سی رشتہ داریاں تھیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں خاندانوں کے درمیان کوئی قبائلی اور خاندانی رنجش اور چپقلش نہ تھی۔ اور اگر کوئی تھی بھی تو اسلام نے اس رنجش کو اسی طرح اخوت میں تبدیل کردیا، جس طرح انصار کے دونوں قبیلوں کی سوسال سے زائد لڑائیوں پر مشتمل عداوت کو اُخوت میں تبدیل کردیا تھا۔

رشتۂ اول:..... سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خاندان سے ایک رشتہ بنوہاشم کا یہ تھا کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سگی نانی اُمّ حکیم البیضاء جو کہ خواجہ عبدالمطلب کی بیٹی اور رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی تھیں، ان کا نکاح کریز بن ربیعہ اُموی سے ہوا۔ اس نکاح سے ایک لڑکی اروٰی پیدا ہوئیں، جو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ اس لحاظ سے رسول اللہ ﷺ اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سگے ماموں زاد بھائی تھے اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ❶

دوسرا رشتہ:..... سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا خاندان بنوہاشم سے دوسرا رشتہ یہ تھا کہ آپ سرکارِ دو عالم ﷺ کے داماد تھے اور آپؐ نے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیاں ان کے حبالۂ عقد میں دیں۔ ان میں سے سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی اولاد بھی ہوئی، اور ایک صاحبزادہ عبداللہ نامی پیدا ہوا، جس کے نام پر آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ مسعودی نے دو لڑکوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک عبداللہ الاکبر اور دوسرے عبداللہ الاصغر۔ ❷

تیسرا رشتہ:..... خاندان عثمانی اُموی کا بنوہاشم سے تیسرا رشتہ یہ ہے کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا پوتا عبداللہ بن عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ سیّدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ کا داماد تھا۔ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی

---

❶ ملاحظہ ہو: کتاب المحبر لابی جعفر، ص: ؟؟۔ مستدرك حاكم: ٣/ ٩٦۔ طبقات ابن سعد: ٨/ ٤٢۔ اسد الغابه: ٥/ ٩١.

❷ مروّج الذهب: ٢/ ٣٣١.

Marfat.com

سیّدہ فاطمہ بنت حسین بن علی رضی اللہ عنہما ان کے نکاح میں تھیں۔ گویا دادا دامادِ رسول ﷺ اور پوتا داماد حسین رضی اللہ عنہ۔ ❶

چوتھا رشتہ: ..... خاندان بنو ہاشم سے چوتھا رشتہ سیّدنا عثمان اُموی رضی اللہ عنہ کا یہ تھا کہ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیّدہ سکینہ رضی اللہ عنہا سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پوتے زید بن عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ سیّدہ سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہما پہلے سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نواسے مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کے حبالۂ عقد میں تھیں۔ ان کی شہادت کے بعد ان کا نکاح عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے ہوا۔ اس کے بعد ان کی تیسری شادی سیّدنا زید بن عمرو بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما سے ہوئی۔ ❷

معلوم ہوتا ہے کہ خاندانِ عثمانی سے سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بہت محبت تھی، تبھی تو انھوں نے اپنی دو صاحبزادیاں سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیّدہ سکینہ رضی اللہ عنہا سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پوتوں کے نکاح میں دیں۔

پانچواں رشتہ: ..... پانچواں رشتہ خاندانِ بنو ہاشم سے یہ تھا کہ سیّدنا حسن بن علیؓ کی پوتی کی شادی سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پوتے مروان بن ابان بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ ❸

چھٹا رشتہ: ..... چھٹا رشتہ بنو ہاشم سے یہ تھا کہ سیّدنا جعفر بن طیار رضی اللہ عنہ کی پوتی سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابان رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں تھیں۔ اس صاحبزادی کا نام اُمّ کلثوم تھا۔ ❹

ساتواں رشتہ: ..... ساتواں رشتہ یہ تھا کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک صاحبزادی سیّدہ عائشہ تھیں۔ اِن سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پہلے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کا نکاح ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد پھر سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ سے ان کی شادی ہوئی۔ ❺

آٹھواں رشتہ: ..... ایک رشتہ ان دونوں خاندانوں میں یہ ہے کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک پڑپوتی سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بنت عمر بن عاصم بن عثمان کی شادی سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے اسحٰق بن عبداللہ بن علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے ہوئی۔ ❻

---

❶ مقاتل الطالبين، ص: ٢٠٣۔ طبقات ابن سعد تذكره فاطمه بنت حسينؓ۔ المعارف لابن قتيبه، ص: ٨٦.

❷ طبقات ابن سعد: ٨/ ٤٧٥۔ تذكره سكينه بنت حسين۔ كتاب نسب قريش: ٤/ ١٠٢۔ كتاب المعارف، ص: ١٨٧.

❸ نسب قريش: ٢/ ٥٣۔ كتاب المحبر، ص: ٤٣٨۔ جمرة أنساب العرب: ١/ ٨٥.

❹ المعارف لابن قتيبه، ص: ٨٦۔ ٩٠. ❺ مناقب آل ابى طالب: ٤/ ٣٩۔ ٤٠۔ قم ايران۔

❻ جمرة انساب العرب، ص: ٤٧۔ كتاب نسب قريش، ص: ٦٥.

Marfat.com

ان رشتوں سے ان دونوں خاندانوں کے بہتر اور خوش گوار تعلقات کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی دشمنی اور عداوت کی داستانیں فرضی اور من گھڑت ہیں۔

خاندانِ معاویہ رضی اللہ عنہ سے بنو ہاشم کی رشتہ داریاں:

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے ساتھ بھی بنو ہاشم کے بڑے قریبی تعلقات اور رشتہ داریاں تھیں، جو کہ حسب ذیل ہیں:

رشتہ اوّل: ..... بنو ہاشم سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خاندان کی پہلی رشتہ داری یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ سیّدہ اُمّ حبیبہ اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھیں۔ اسی رشتہ سے سیّدنا ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ آپؐ کے برادر نسبتی ہوئے۔ ❶

رشتۂ دوم: ..... دوسرا رشتہ خاندان بنو ہاشم سے آپ کا یہ تھا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف تھے، یعنی اُمّ المؤمنین سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی ایک بہن قریبۃ الصغریٰ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، لیکن ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ ❷

رشتۂ سوم: ..... تیسرا رشتہ بنو ہاشم سے آپ کا یہ تھا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائیوں کی اولاد میں سے حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کی اہلیہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ہند بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا تھیں۔ اس نکاح سے اولاد بھی ہوئی، جن میں سے ایک لڑکے کا نام محمد تھا۔ ❸

رشتۂ چہارم: ..... اس سلسلہ میں ایک خاص رشتہ خاندانِ معاویہ رضی اللہ عنہ کا بنو ہاشم سے یہ تھا کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بھانجی سیّدہ لیلیٰ سیّدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی زوجۂ محترمہ تھیں اور سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحبزادے علی اکبر رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ اس رشتہ کی تفصیل یہ ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک ہمشیرہ سیّدہ میمونہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا تھیں۔ میمونہ رضی اللہ عنہا کی شادی سیّدنا عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے مرّہ سے ہوئی۔ اس شادی کے نتیجہ میں ایک لڑکی پیدا ہوئی، جس کا نام لیلیٰ بنت مرہ رضی اللہ عنہا تھا۔ اس لیلیٰ کا نکاح سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ سے ہوا اور سیّدہ لیلیٰ بنت مرہ رضی اللہ عنہا

---

❶ کتاب المحبر، ص: ۸۸۔ المناقب ابن شہر آشوب: ۱/ ۱۶۰۔ منتخب التواریخ، ص: ۲۲.

❷ کتاب المحبر، ص: ۱۰۲.

❸ الاصابہ: ۳/ ۵۸۔ تہذیب التہذیب: ۵/ ۱۸۱۔ طبقات ابن سعد: ۵/ ۲۴.

Marfat.com

سے سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے علی اکبر پیدا ہوئے، جو میدانِ کربلا میں شہید ہوگئے۔ اس لحاظ سے لیلیٰ بنت مرہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سگی بھانجی اور یزید بن معاویہ کی سگی پھوپھی زاد بہن شہیدِ کربلا سیّدنا علی اکبر رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ ❶

رشتۂ پنجم: ..... خاندانِ معاویہ رضی اللہ عنہ اور خاندانِ بنو ہاشم کی ایک اہم رشتہ داری جس کے بارے میں بہت کم لوگ آشنا ہیں، یہ تھی کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے بھتیجے سیّدنا عبداللہ بن جعفر طیار کی بیٹی اُمّ محمد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے یزید بن معاویہ کے نکاح میں تھیں۔ ❷ یہ عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی اور ان کے بہنوئی تھے، کیوں کہ آپ کی بڑی ہمشیرہ سیّدہ زینب بنت علی رضی اللہ عنہا جو کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں، ان کے نکاح میں تھیں۔ اس لحاظ سے سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ یزید بن معاویہ کی اہلیہ اُمّ محمد کے ماموں ہوتے تھے اور یزید بن معاویہ علی اکبر کے ماموں لگتے تھے۔

(ملاحظہ ہو: رشتہ چہارم)

رشتۂ ششم: ..... ایک رشتہ داری ان دونوں خاندانوں میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کی پوتی سیّدہ لبابہ بنت عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی شادی ولید بن عتبہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے ہوئی تھی۔ ❸

رشتۂ ہفتم: ..... ایک رشتہ اس سلسلہ میں یہ ہے کہ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی عباس بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما جن کو ''عباس علم بردار'' بھی کہا جاتا ہے، ان کی پوتی سیّدہ نفیسہ بنت عبیداللہ بن عباس کی شادی یزید کے پوتے عبداللہ بن خالد بن یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہما سے ہوئی۔ اور ان سے دو صاحبزادے علی اور عباس پیدا ہوئے۔ ❹

رشتۂ ہشتم: ..... سیّدنا عبداللہ بن جعفر طیار کی صاحبزادی جو سیّدہ زینب بنت علیؓ کے بطن سے تھیں، ان کا نکاح سیّدنا ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ سیّدہ زینب بنت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اس

---

❶ منتهى الآمال: ١/ ٥٤١۔ منتخب التواريخ، ص: ١٢٣۔ ايران، كتاب نسب قريش، ص: ٥٧۔ تاريخ خليفه بن خياط: ١/ ٢٥٥.

❷ جمرة الانساب، ص: ٦٢.

❸ كتاب المحبر، ص: ٤٤١۔ نسب قريش، ص: ١٣٣.

❹ جمرة انساب العرب، ص: ١٠٣۔ كتاب نسب قريش، ص: ٧٩.

Marfat.com

صاحبزادی کا نام اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا تھا اور یہ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی حقیقی بھانجی تھیں۔ ❶

ایسا ہی سیّدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ الاموی کے خاندان کے ساتھ بنو ہاشم کی بہت تعلقات اور رشتہ داریاں تھیں۔ جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

یہ تو ہم نے صرف چند رشتوں کا ذکر کیا ہے، وگرنہ جنگِ صفین اور معرکۂ کربلا کے بعد بھی ان دونوں خاندانوں میں بڑی اہم رشتہ داریوں نے جنم لیا، اور یہ دونوں خاندان آپس میں بھائیوں کی طرح زندگی بسر کرتے رہے۔ اس زمانہ میں کسی کو بھی پرانی رنجش اور عداوت کا پتہ نہیں تھا، لیکن ان لوگوں کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد لکھنے والوں نے لکھ دیا کہ جنگِ صفین اور معرکۂ کربلا ان دونوں خاندانوں کی پرانی رنجش کا نتیجہ تھے۔ (العیاذ باللہ)

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں بنو ہاشم کے ساتھ اپنے اس رشتۂ مودّت و محبت کو قائم رکھا۔ چنانچہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ سے تو آپ کو خصوصی محبت تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ:

''میرے نزدیک سب سے زیادہ گفتگو کرنے والے سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما ہیں۔ ہماری خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ گفتگو کرتے رہیں اور ہم سنتے رہیں۔''

ایک اور موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا:

''میں نے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ سے ایک بار کے سوا کوئی فحش کلمہ نہیں سنا، اور وہ فحش کلمہ کیا تھا؟ وہ یہ کہ ایک مرتبہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عمرو کے درمیان ایک قطعۂ اراضی کے بارے میں کچھ تنازعہ ہوگیا۔ رفع نزاع کے لیے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ایک تجویز پیش کی، جس سے سیّدنا عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ نے اتفاق نہ کیا۔ اس وقت سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اظہارِ ناراضی کے طور پر فرمایا: ''ہمارے پاس اس کے سوا کچھ نہیں، اس کی ناک خاک آلود ہو۔ بس یہی فحش کلمہ تھا جو ہم نے پوری زندگی میں ان کی زبان سے سنا۔'' ❷

سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ جب تک زندہ رہے، سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں مختلف اوقات میں گراں قدر

---

❶ جمرة انساب العرب، : ٦١۔ كتاب نسب قريش، ص: ٨٣۔ المعارف، ص: ٩٠.

❷ تاريخ اليعقوبى: ٢/ ٢٢٧.

Marfat.com

عطیات دیے، تاکہ ان کی جود وسخا میں کوئی فرق نہ پڑے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی تو اس وقت کوفہ کے خزانہ میں ایک روایت کے مطابق پچاس لاکھ اور دوسری روایت کے مطابق ستر لاکھ درہم تھے۔ آپ نے یہ سارا مال سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ اسی طرح ''دارابجرد'' کے علاقہ کی ساری آمدنی سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کرتے اور سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ بغیر کسی تردّد کے اس کو قبول کرتے۔'' ❶

ایک دفعہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ ایک لاکھ درہم کے مقروض ہوگئے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو اسی وقت تین لاکھ درہم بھیج دیے اور کہا کہ ان تین لاکھ میں سے ایک لاکھ آپ کے قرض کی ادائیگی کے لیے، ایک لاکھ آپ کے اعزاء و اقرباء کے لیے اور ایک لاکھ آپ کی خاص ذات کے لیے۔ چنانچہ آپ نے اس رقم کو نہایت خوش دلی سے قبول اور وصول کرلیا۔ ❷

ایک مرتبہ آپ نے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ کے نزدیک ایک گاؤں مرحمت فرمایا جو بعد میں انھوں نے زینب بنت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے حق مہر میں دے دیا۔ ❸

یہی الفت اور محبت بلکہ شفقت آپ کو سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ سے بھی تھی۔ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ مزاج کے لحاظ سے اپنے بھائی سے بہت مختلف تھے، یوں سمجھیے کہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ جمالی تھے تو سیّدنا حسین جلالی، لیکن پھر بھی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان سے روابط بہت اچھے تھے۔ اور آپ انھیں بڑی قدر اور شفقت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے جب خلافت سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی تو ابتداء میں سیّدنا حسینؓ نے بھائی کی اس تجویز سے ذرا سا اختلاف کیا، لیکن سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((اسکت انا اعلم بالامر منك .)) ❹

''خاموش رہو، میں اس معاملہ میں تم سے بہتر جانتا ہوں۔''

سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے جب بھائی کی ان غضب آلود نگاہوں کو دیکھا تو فوراً عرض کیا:

''آپ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں اور ان کے جانشین بھی۔

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۴۱. ❷ انساب الاشراف بلاذری، ص: ۸۴۔ تذکرۃ سیّدنا معاویہؓ.
❸ ناسخ التواریخ: ۵/ ۲۸۰. ❹ طبری: ۶/ ۹۲۔ ابن اثیر: ۳/ ۲۰۳.

Marfat.com

ہماری بات آپ کی بات کے تابع ہیں، لہٰذا جو کچھ آپ صحیح سمجھتے ہیں، وہ کیجیے۔''❶

چنانچہ آپ نے بھی سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت فرمالی، لیکن کوفہ کے لوگوں کو فریقین کی یہ صلح ایک آنکھ نہ بھاتی تھی، لہٰذا اندر ہی اندر انھوں نے کوشش کرنی شروع کردی کہ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ، سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ دیں، لیکن سیّدنا حسنؓ کی زندگی میں تو یہ ممکن نہ تھا۔ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد اہلِ کوفہ نے بیعت توڑنے کی تحریک تیز کردی۔ چنانچہ اب کثرت سے اہلِ عراق کے خطوط سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نام آنے لگے کہ آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ دیں، لیکن آپ نے فرمایا:

''معاویہ رضی اللہ عنہ اور میرے مابین صلح کا معاہدہ اور بیعت کا عقد ہو چکا ہے، لہٰذا میں اس عہد کو توڑنے کو جائز نہیں سمجھتا، یہاں تک کہ اس کی مدت ختم ہو جائے۔''❷

ایک اور مؤرخ ابوحنیفہ الدینوری نے بھی لکھا ہے کہ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اہلِ کوفہ سے یہی کہا کہ:

''ہم سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں اور صلح کا معاہدہ کر چکے ہیں، لہٰذا اب نقضِ بیعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''❸

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نہایت زیرک اور مدبر حکمران تھے۔ ان کے علم میں تھا کہ اہلِ کوفہ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر حکومت کے خلاف خروج پر اُکسا رہے ہیں، لیکن آپ بالکل خاموش رہے۔ گورنر کوفہ بھی کوفیوں کی کارروائیوں سے واقف تھے، چنانچہ ایک مرتبہ انھوں نے امیر المؤمنین کو لکھا کہ بعض لوگ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کو حکومت کے خلاف اقدام پر اُکسا رہے ہیں۔ آپ نے اس کے جواب میں والیٔ مدینہ کو لکھا کہ:

''آپ حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ فکر نہ کریں اور نہ ان سے کوئی تعرض کریں، انھوں نے میری بیعت کر رکھی ہے، اور وہ اپنی بیعت کو ہرگز نہیں توڑیں گے اور نہ ہی اپنی ذمہ داری کے عہد کو ختم کریں گے۔''❹

یہ جواب تو آپ نے گورنرِ مدینہ کو دیا، لیکن اس کے ساتھ ایک خط میں سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ:

---

❶ تهذيب التهذيب: ٢/ ٣٠٠۔ ابن عساكر: ٤/ ٢٢٢.
❷ الارشاد، شيخ مفيد، ص: ١٨٢.
❸ الاخبار الطوال، ص: ٢٢٠.
❹ اخبار الطوال، ص: ٢٢٤.

Marfat.com

''آپ کے بارے میں کچھ ایسی اطلاعات مجھے پہنچی ہیں جو آپ کی شان کے لائق اور مناسب نہیں، اس لیے کہ جس شخص نے اپنے دائیں ہاتھ سے بیعت کا عہد کیا تو یہ بات ایفا کرنے کے لائق ہے۔ آپ پر حق تعالیٰ شانہ کی رحمت ہو، خیال رکھیے کہ آپ کو خفیف العقل لوگ جو فتنہ انگیزی کو پسند کرتے ہیں کہیں مضطرب اور پریشان نہ کر دیں۔ والسلام!'' ❶

سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کو جب امیر المؤمنین سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ مکتوب پہنچا تو آپ نے اس کے جواب میں ان کو ایک خط لکھا، جس میں یہ تحریر کیا کہ؛

((وما ارید حربك ولا الخلاف علیك .)) ❷

''(امیر المؤمنین!) نہ تو میرا آپ سے جنگ کرنے کا کوئی ارادہ ہے اور نہ ہی آپ کی مخالفت کی کوئی خواہش۔''

یہاں ایک بات قابلِ غور ہے اور وہ یہ کہ اہلِ عراق کا کبھی کوئی خط سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو نہیں آیا تھا، حالانکہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ عراق میں خلیفة المسلمین رہے تھے۔ اہلِ عراق سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کو کیوں خط لکھتے تھے؟ اس کی دو وجوہات ہیں:

۱: پہلی وجہ یہ ہے کہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ ان عراقیوں کی فطرت سے اچھی طرح آشنا تھے اور ان کو معلوم تھا کہ انھیں اسلام اور اہلِ بیعتِ نبوت سے کوئی ہمدردی نہیں، بلکہ یہ سب کچھ وہ عبداللہ بن سبا کی پلاننگ کے تحت کرتے ہیں، اس وجہ سے انھیں کبھی جرأت نہیں ہوئی کہ وہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو کوئی خط لکھ سکیں۔

۲: دوسرے سیّدنا حسن اور سیّدنا حسین رضی اللہ عنہما دونوں بھائیوں کی طبیعت اور مزاج میں بہت فرق تھا۔ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نہایت ٹھنڈے دماغ کے انسان تھے۔ نہایت دُور اندیش، دُور بین اور مستقبل کے پردوں میں جھانکنے والے۔ دوست اور دشمن کو پہچاننے والے، مستقل مزاج اور صاحبِ فکر ونظر تھے۔ اسی دور اندیشی اور معاملہ فہمی کی وجہ سے آپ نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی ان کے دورِ خلافت میں کئی مفید مشورے دیے، لیکن سیّدنا علیؓ نے ان کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا لیکن بعد میں ان

---

❶ الاخبار الطوال، ص: ٢٢٤.
❷ الاخبار الطوال، ص: ٢٢٥.

Marfat.com

مشوروں پر عمل نہ کرنے پر افسوس کا اظہار فرمایا۔

اس کے برعکس سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ تھوڑے سے جلالی مزاج تھے۔ خود فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خطبہ کے دوران میں نے آپ سے کہہ دیا کہ: ''میرے نانا کے منبر سے اُتر جایئے اور اپنے ابا کے منبر پر چلے جایئے۔'' سیّدنا فاروقِ اعظمؓ نے یہ سن کر نہایت تحمل اور بردباری سے جواب دیا کہ: ''میرے ابا کا تو کوئی منبر نہیں ہے۔'' پھر انھوں نے مجھے پکڑ کر اپنے پاس منبر پر بٹھالیا۔ خطبہ کے اختتام پر مجھے اپنے ساتھ گھر لے گئے اور فرمانے لگے: ''میرے بیٹے! یہ تو بتاؤ کہ یہ بات تمھیں کس نے سکھائی تھی؟'' میں نے کہا: ''یہ بات مجھے کسی نے نہیں سکھائی تھی۔'' ❶

اسی طرح ایک مرتبہ یمن سے ایک قافلہ بہت سا مال و اسباب سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق لے جارہا تھا کہ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے وہ سارا مال و اسباب چھین لیا اور اپنے گھر والوں پر تقسیم کردیا اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھ دیا کہ ہم نے ایسا کردیا ہے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کو جواباً لکھا:

> ''میرے بھتیجے! میرے خیال میں تمھارے دماغ میں جوش بھرا ہوا ہے اور تم جذبات کی رَو میں بہہ رہے ہو۔ میرے زمانے میں تو تمھارا ایسا معاملہ درگذر کیا جاسکتا ہے، لیکن مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد تمھارا واسطہ کسی ایسے شخص سے نہ پڑ جائے جو ایسے معاملات میں تمھارا بالکل لحاظ نہ کرے۔'' ❷

یہ تو معمولی واقعات تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے تھوڑے ہی عرصہ بعد عراق کے سبائیوں نے سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آنا جانا شروع کردیا، کیوں کہ وہ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے مزاج کی اس کمزوری سے بخوبی آشنا تھے۔ ملا باقر مجلسی کا بیان ہے کہ سیّدنا مروان رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت مدینہ طیبہ کے گورنر تھے، سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس بات کی مکمل رپورٹ دی کہ:

> ''ایک گروہ عراقی و حجازی امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آمد و رفت رکھتا ہے اور ان کو طمع

---

❶ الاصابه: ۱/ ۳۳۲۔ تاریخ الاسلام وطبقات المشاهیر والاعلام، ص: ۹.

❷ ناسخ التواریخ، کتاب: ۲، ص: ۸۲.

Marfat.com

خلافت دلاتا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں فتنہ برپا نہ ہو جائے۔ اب مجھے جو حکم ہو اس کی تعمیل کروں۔'' ❶

اس رپورٹ کے جواب میں امیر المؤمنین سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا مروان رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ:

''تمھارا خط میرے پاس پہنچا۔ جو کچھ اس میں لکھا تھا معلوم ہوا۔ تم ہرگز حسینؓ سے تعرض نہ کرنا، اور جب تک وہ تم سے تعلق نہ رکھیں تم بھی ان سے علاقہ نہ رکھنا کہ جب تک وہ میری بیعت سے وفا کریں گے، میں ان سے تعرض نہ کروں گا۔'' ❷

ناسخ التواریخ میں اس خط کے مضمون میں ایک فقرہ یہ بھی لکھا ہے کہ:

''ما در ہیچ امرے معترض حسین رضی اللہ عنہ نیستم مادام کہ معترض سلطنت ما نیست، پس پوشیدہ دار خاطر خود چنداں کہ آشکارا نہ کردہ است مخاطرات خود را از برائے تو۔'' ❸

''ہم کو کسی امر میں حسین رضی اللہ عنہ سے تعرض نہیں جب تک کہ وہ ہماری حکومت کے ساتھ تعرض نہ کریں۔ پس تم بھی خاموش رہو، جب تک کہ وہ اپنے خیالات کو تمھارے سامنے ظاہر نہ کریں۔''

اس کے علاوہ امیر المؤمنین سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک خط براہِ راست سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ:

''آپ کے بارے میں کئی امور کا مجھے پتہ چلا ہے۔ اگر وہ صحیح اور درست ہیں تو لازم ہے کہ انھیں ترک کیجیے، اس لیے کہ جس نے اللہ تعالیٰ سے عہد و پیمان کیا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے عہد پر وفا کرے، اور جو کچھ میں نے سنا ہے اگر غلط ہے تو اس تہمت سے اپنے کو بری الذمہ جانیے۔'' ❹

ایک اور خط میں آپ نے سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کو یہ لکھا:

''اور جب آپ عہد شکنی کریں گے میں بھی عہد شکنی کروں گا، اور آپ اگر بمقام غدر آئیں گے تو میں آپ سے غدر کروں گا۔ پس آپ اس امت کی جمعیت کو پراگندہ نہ کیجیے گا اور فتنہ کا باعث نہ بنیے گا، کیونکہ آپ پہلے لوگوں کو پہچانتے ہیں اور ان کا امتحان

---

❶ جلاء العیون، باب: ٥، فصل: ٥، ص: ٣٦٩.
❷ ایضًا۔
❸ ناسخ التواریخ: ٢/ ٧٦.
❹ ایضًا۔

Marfat.com

کر چکے ہیں (اور کسی نے بھی آپ کا ساتھ نہیں دیا) پس آپ اپنے اوپر اور اپنے دین اور اپنے نانا کی اُمت پر رحم فرمایئے اور بے عقل اور احمقوں سے دھوکہ نہ کھایئے۔'' ❶

ان اقتباسات سے اندازہ فرمائیں کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کس قدر دل سوزی اور قلب کی اتھاہ گہرائیوں سے سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کو یہ نصیحت فرما رہے ہیں، کیونکہ ان کی بصیرت بتا رہی تھی کہ اہلِ عراق ان کو حکومت اسلامیہ سے ٹکرا کر ملک میں تشتّت و انتشار کی فضا پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

بہر حال سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں سبائیوں کے اُکسانے کے باوجود بالکل کوئی تعرض نہ کیا اور ہر معاملہ میں برابر امیر المؤمنین کے ساتھ تعاون کرتے رہے، یہاں تک کہ سنہ ۴۹ ھ میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فرزند یزید کی قیادت میں جہاد قسطنطنیہ میں شرکت بھی فرمائی۔ ❷ لیکن سبائی برابر آپ کے پاس آتے جاتے اور ترغیب و تحریص سے آپ کو امیر المؤمنین کی مخالفت پر اُکساتے رہتے، چنانچہ ایک روز ان سبائیوں نے آپ کو لکھا کہ:

''ہم معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت سے معزول کر کے آپ سے بیعت کرتے ہیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس وقت موافقت ان کی اصلاح وقت نہ جانی اور حکم بہ صبر فرمایا۔'' ❸

لیکن ان باتوں کے باوجود سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ باقاعدہ ہدایا اور عطیات کے ذریعے سے ان کی مالی امداد فرماتے رہے۔ کسی وقت بھی ان کو انھوں نے مالی مشکلات میں مبتلا نہیں ہونے دیا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''جب سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ ہر سال سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آتے اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان کا اعزاز و اکرام فرماتے اور عطیات پیش کرتے۔'' ❹

کبھی ان دونوں بھائیوں کو دس دس لاکھ، کبھی بیس لاکھ اور کبھی چالیس لاکھ درہم تک عطا فرمائے۔ ❺

---

❶ جلاء العیون، ص: ۳٦۹۔ ناسخ التواریخ: ۲/ ۷٦.

❷ تاریخ الاسلام ذہبی: ۳/ ۱۱۔ ہسٹری آف دی سیر سنز انگریزی، سیّد امیر علی، ص: ۸٤۔ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۵۱۔ مختصر تاریخ ابن عساکر: ٤/ ۳۱۱.

❸ جلاء العیون، ص: ٤۳۲.

❹ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۵۱.

❺ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۵۰۔ ابن ابی الحدید: ۸/ ۸۳۸.

Marfat.com

ذہبی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''اس مرتبہ میں آپ کو اتنا بڑا عطیہ دوں گا کہ نہ اس سے قبل آپ کو کسی نے دیا ہوگا اور نہ بعد میں کوئی اتنا بڑا عطیہ دے گا۔ چنانچہ آپ نے انھیں چالیس لاکھ عطا کیے۔ ❶

سیّدنا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے علاوہ ان کے اور جتنے بھی متعلقین تھے، سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی بھی بھرپور مالی مدد فرماتے۔ چنانچہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ:

''معاویہ رضی اللہ عنہ زمین میں سب سے پہلے آدمی ہیں، جنھوں نے دس دس لاکھ درہم لوگوں کو بطورِ عطیہ دیے۔ آپ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ ہر ایک کو ہر سال دس دس لاکھ درہم عطا فرماتے اور اسی طرح سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور سیّدنا عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو بھی اتنی ہی رقم دیتے۔'' ❷

سیّدنا عقیل رضی اللہ عنہ بن ابی طالب تو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو دل و جان سے چاہتے تھے۔ چنانچہ وہ اپنے بھائی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق چلے گئے اور جنگِ صفین میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے۔ ❸

سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ انھیں بھی مختلف مواقع پر گراں قدر عطیات و ہدایا سے نوازتے بلکہ ایک موقع پر تو ایک لاکھ درہم عطا فرمائے۔ ❹

غرض یہ کہ جس جس شخص کا بھی خاندانِ نبوت سے تعلق تھا سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی اپنے عہدِ خلافت میں اس کے مقام اور مرتبہ کے مطابق قدر کی، چنانچہ اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہؓ کے بارے میں انھوں نے ایک مرتبہ فرمایا:

((ان من الناس من لا یرد علیه امره وان عائشة منهم .)) ❺

''یعنی بعض لوگوں کی عظمت کا یہ مقام ہے کہ ان کی بات کو ردّ نہیں کیا جاسکتا، اور سیّدہ

---

❶ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۲٦۹۔ مصنف ابن ابی شیبه: ۱۱/ ۹٤.

❷ ابن ابی الحدید: ۳/ ۷۰۵.

❸ عمدة الطالب، ص: ۳۱.

❹ تاریخ الاسلام ذهبی: ۲/ ۲۳۳.

❺ تاریخ کبیر بخاری: ۳/ ۲۲۰.

Marfat.com

عائشہ رضی اللہ عنہا ان میں سے ایک ہیں۔"

روایات میں آتا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی بعض مواقع پر کئی کئی لاکھ درہم عطیہ اور ہدیہ کے طور پر دیے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۱/۹۹، ۶/۹۰۔ مستدرک حاکم: ۱/۱۳۔ البدایہ والنہایہ: ۸/۱۳۶۔)

گویا خاندانِ نبوت سے تعلق رکھنے والا ہر شخص اس بحرِ بے کراں سے فیض یاب ہوا۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گورنر

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کا دار الخلافہ اور ہیڈ کوارٹر دمشق تھا اور تمام اقتصادی امور یہیں طے ہوتے تھے۔ البتہ جو صوبوں کے اندرونی امور ہوتے تھے، ان کو مقامی گورنر طے کرتے تھے اور وہ اس صوبہ کی حکمت عملی کے تحت لاگو کرتے، لیکن کوئی امر بھی بنیادی انسانی حقوق کے خلاف نہ ہوتا تھا، کیونکہ اگرچہ گورنروں کو صوبائی پالیسیاں بنانے کا اختیار مرکز کی طرف سے ملا ہوا تھا، لیکن وہ ہر امر کے بارے میں مسئول ہوتے تھے اور اگر وہ اسلامی روح کے خلاف ہوتا تو مرکز کی طرف سے ان کا محاسبہ بھی کیا جاتا تھا۔

اہلِ شام سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی اچھی اور عوام الناس کے مفاد میں بہترین پالیسیوں کی وجہ سے ان کے دل و جان سے گرویدہ تھے۔ ویسے بھی انھوں نے قریباً ۲۰ سال وہاں گورنری کے فرائض انجام دیے اور بیس سال خلافت کے بارگراں کو اُٹھایا۔ اس وجہ سے وہاں کے لوگ بنواُمیہ اور خصوصی طور پر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بڑے حامی تھے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شروع سے یہ پالیسی رہی تھی کہ شام کے قبائل میں ایک توازن کی فضا قائم کی جائے، خصوصی طور پر یمنی اور قیسی قبائل میں باہمی ہم آہنگی اور توازن ہونا چاہیے۔ چنانچہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں بڑی کوششیں کیں اور بلادِ شام میں اپنی ان کوششوں میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے ہاں قبیلہ قیس کے اشراف ہر وقت حاضرِ خدمت رہتے اور آپ ان کو بڑے بڑے عہدوں سے بھی نوازتے، جیسے ضحاک بن قیس الفہریؓ، حبیب بن مسلمہ الفہری وغیرہ۔ اسی طرح یمنی قبائل کے بھی اکثر و بیشتر حضرات آپ کے حسنِ سلوک کے مرہونِ منت تھے، جیسے مالک بن ہبیرہ السکونی، شرحبیل بن سمط الکندی اور

Marfat.com

حسان بن بحدل الکلبی وغیرہ۔ چنانچہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اس حکمت عملی کے باعث اپنے زمانۂ گورنری اور زمانۂ خلافت دونوں میں ان سے فائدہ اُٹھایا۔ یہ دونوں قبائل آپ پر جان چھڑکتے تھے اور وہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار رہتے تھے۔ دنیا کی کوئی طاقت ان کو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف نہیں کرسکتی تھی۔ ❶

بعض مؤرخین کے نزدیک سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اموی عزیز و اقارب سے بھی حکومت چلانے میں بہت مدد لی۔ جیسے عنبسہ بن ابی سفیان، عتبہ بن ابی سفیان، ولید بن عتبہ بن ابی سفیان، سعید بن العاص بن اُمیہ، مروان بن الحکم اور ان کے صاحبزادے عبدالملک بن مروان اور عمرو بن سعید بن العاص وغیرہ۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ بھی ایک بہت بڑی خواہش تھی کہ کاروبارِ خلافت چلانے کے لیے انھیں تجربہ کار حضرات کا تعاون حاصل ہو۔ جیسے سیّدنا عبداللہ بن عامر بن کریزؓ، سیّدنا مغیرہ بن شعبہؓ، سیّدنا نعمان بن بشیر انصاریؓ اور مسلمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ یہ وہ لوگ تھے جن میں سے اکثر نے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافتوں کے زمانہ میں اہم خدمات انجام دی ہوئی تھیں، اور شام اور دوسرے علاقوں کی فتوحات میں انھوں نے گراں قدر کارنامے انجام دیے تھے۔ آپ نے کوشش کی کہ صوبوں کے اہم عہدوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو متعین کیا جائے۔ اپنے اس مقصد میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں نہ صرف مسلمان رعایا خوش حال تھی بلکہ غیر مسلم رعایا نے بھی حکومت سے خوب فائدہ اُٹھایا اور وہ حکومت کے کئی محکموں میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے۔ مصر، شام اور مغرب میں انتظام حکومت وہی رکھا گیا جو بازنطینی اور قبطی حکومت کے زمانہ میں تھا، البتہ ان میں سے غیر اسلامی چیزوں کو نکال دیا گیا۔ ایسے ہی عراق اور خراسان میں فارسی حکومت کا نظم قائم رکھا گیا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا طبیب خاص اثال تھا جو غیر مسلم تھا۔ ❷ اسی طرح سرجون بن منصور رومی ان کا مالی مشیر تھا۔ ❸ ایسے ہی ابن سینا اور ابن النضیر غیر مسلم ہونے کے باوجود بڑے بڑے عہدوں پر متمکن تھے۔ ان کے حسنِ سلوک کو دیکھ کر ان میں سے بعض نے تو اسلام قبول کرلیا اور

---

❶ خلافة معاویه بن ابی سفیان، عقیلی، ص: ۷۰۔ ۷۳.

❷ تاریخ الیعقوبی: ۲/ ۲۲۳.

❸ تاریخ خلیفه، ص: ۲۲۸.

Marfat.com

دوسرے غیر مسلم ہی رہے، لیکن آپ نے ان سے کوئی تعرض نہیں فرمایا، کیونکہ ایک اسلامی حکومت میں انھیں حریت تامہ اور فکر ونظر کی پوری پوری آزادی تھی۔ اسی طرح سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم انجینئروں سے بھی ریاست کے مختلف کاموں میں ان سے تعاون حاصل کیا۔ چنانچہ دمشق کے قصرِ خضراء کی تعمیر میں غیر مسلم انجینئروں سے بہت کام لیا گیا۔ یہ قصر پہلے اینٹ اور گارے کا تھا اب اسے پتھروں سے بنایا گیا۔ ❶

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ریاست کے مختلف محکموں میں غلاموں کو بھی بڑے بڑے عہدے دیے گئے۔ چنانچہ عبداللہ بن دراج کو کوفہ کا خراج کلکٹر بنایا گیا۔ یہ سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے عہد گورنری میں تھے۔ ایسے ہی عتبہ بن ابی سفیان کے عہد ولایت میں وردان مصر کا خراج اکٹھا کرنے پر مقرر تھے۔ ❷ ایسے ابوالمخارق مالک مولی الحمیر، مھران مولیٰ زیاد بن ابی سفیان اور ابوالمہاجر دینار مولیٰ مسلمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہ بھی حکومت کے مختلف محکموں میں اہم عہدوں پر فائز کیے گئے۔ ❸

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایک نہایت وسیع سلطنت کے حکمران تھے۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لے کر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت تک سلطنت کی پہنائیوں میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا۔ پھر سیّدنا علیؓ کے زمانہ میں چند سالوں کے لیے فتوحات کا سلسلہ رک گیا۔ لیکن جب زمامِ خلافت سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آئی تو فتوحات کا سلسلہ پھر جاری ہوگیا۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی میں افریقہ اور خصوصی طور پر شمالی افریقہ کا کافی علاقہ اسلامی حکومت میں شامل ہوگیا، لیکن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے جرنیلوں نے سلطنت کی حدود وثغور میں بے پناہ اضافہ کیا، جس کا تذکرہ فتوحات کے عنوان سے گزشتہ صفحات میں کیا گیا ہے۔ آپ نے اپنی سلطنت کے مختلف صوبوں میں مختلف اوقات میں مختلف لوگوں کو گورنر مقرر فرمایا۔ بصرہ میں بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ، زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمرو بن غیلان الثقفی اور عبیداللہ بن زیاد کو گورنر مقرر فرمایا۔ کوفہ میں سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ،

---

❶ انساب الاشراف: ٤/ ١٤٧.

❷ الادارة فی العصر الاموی، خماش، ص: ٣٤٧.

❸ انساب الاشراف: ٤/ ٥٤۔ ٦٣۔ معجم البلدان: ٤/ ١٢۔ خلافة معاویه، عقیلی، ص: ٨٢۔ تاریخ خلیفه، ص: ٢١٢.

Marfat.com

زیاد بن ابی سفیان، عبداللہ بن خالد بن اسید، ضحاک بن قیس الفہری، عبدالرحمٰن بن عبداللہ الثقفی اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ مختلف سالوں میں گورنر مقرر کیے گئے۔ مدینہ منورہ میں سیّدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ، سعید بن العاص رضی اللہ عنہ، سعید بن عتبہ بن ابی سفیان، مکہ میں خالد بن العاص بن ہشام رضی اللہ عنہ، مصر میں سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، عتبہ بن ابی سفیان، عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ اور مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر کیا گیا۔ ان گورنروں میں سے جو زیادہ مشہور ہیں، ان کے اجمالی طور پر حالاتِ زندگی بیان کیے جاتے ہیں، تاکہ ان کے مقام و مرتبہ کا لوگوں کو علم ہو سکے۔

سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ:

سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق کے سال سنہ ۵ ھ میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قیام فرمایا۔ [1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت تھی۔ چنانچہ غزوۂ حدیبیہ میں جب صلح کی گفتگو کے لیے عروہ بن مسعود ثقفی آیا تو عرب کے عام قاعدہ کے مطابق دورانِ گفتگو بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتا تھا۔ مسلمان اس گستاخانہ طریقہ تخاطب کے عادی نہ تھے۔ سیّدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کو جو اس وقت مسلح ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کی جانب کھڑے تھے، یہ اندازِ گفتگو ناگوار گزرا۔ یہ ہر مرتبہ تلوار کے قبضہ کی طرف ہاتھ لے جاتے۔ آخر جب ضبط نہ ہو سکا تو ڈانٹ پلا دی کہ خبردار ہاتھ قابو میں رکھو۔ عروہ نے پہچان کر کہا: ''او دغا باز! کیا میں نے تیری دغا بازی کے معاملہ میں تیری طرف سے کوشش نہیں کی تھی۔'' بات یہ تھی کہ زمانۂ جاہلیت میں مغیرہ نے چند آدمیوں کو قتل کر دیا تھا۔ مسعود ثقفی نے ان کی دیت ادا کی تھی۔ یہ واقعہ بخاری میں ہے۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کے وقت موجود تھے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جسدِ اطہر کو قبرِ انور میں رکھ کر نکلے تو انھوں نے جان بوجھ کر اپنی انگوٹھی قبر مبارک میں گرا دی۔ پھر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے نکالنے کی اجازت طلب کی۔ انھوں نے فرمایا: ''نکال لو۔'' چنانچہ یہ قبرِ انور میں اترے اور آپ کے قدم مبارک کو ہاتھ سے مس کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا مٹی گرا دو۔ جب تھوڑی سی مٹی ڈالی گئی تو انگوٹھی لے کر باہر نکلے۔ اس بات سے ہمیشہ لوگوں سے فخریہ کہا کرتے تھے کہ میں تم سب سے آخر میں رسول

---

[1] الاستیعاب: ۱/ ۲۵۸.

Marfat.com

اللہ ﷺ سے جدا ہونے والا ہوں۔'' ❶

خلافتِ صدیقی اور خلافتِ فاروقی میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ رستم کے دربار میں سفیر بن کر بھی گئے اور رستم کے تخت پر جا کر بیٹھ گئے۔ ایرانیوں کو یہ بات بڑی ناگوار گزری۔ سیّدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ایرانیوں سے فرمایا: ''ہم عرب ہیں، ہمارے ہاں یہ دستور نہیں ہے کہ ایک شخص خدا بنے اور دوسرے لوگ اس کی پرستش کریں۔ ہم سب ایک دوسرے کے برابر ہیں۔ ایرانی اس مساوات سے ناآشنا تھے۔ سیّدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کے یہ خیالات سن کر دنگ رہ گئے۔ ❷ یہ قادسیہ کی مشہور جنگ میں بھی شریک تھے۔ ❸

جنگ نہاوند میں بھی اسلامی لشکر کی طرف سے سفارت کا فریضہ انجام دیا اور مردان شاہ ایرانی جرنیل کو اپنی گفتگو سے بہت مرعوب کیا۔ جب نوبت لڑائی تک پہنچی تو ایرانیوں کو شکست فاش کا منہ دیکھنا پڑا۔ ❹

بصرہ آباد ہونے کے بعد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں یہاں کا گورنر مقرر فرمایا۔ انھوں نے اپنے عہدِ گورنری میں بہت سے نئے انتظامات کیے۔ باقاعدہ ایک دفتر کھولا جہاں سے فوجیوں کو تنخواہیں، وظیفہ خواروں کو وظیفہ اور وثیقہ پانے والوں کو وثیقے ملتے تھے۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب ان کے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے اختلافات شروع ہوئے تو یہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے حامی اور طرف دار تھے۔ ایک روز انھوں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کی خلافت مستحکم کرنے کے لیے ان کو نہایت مخلصانہ مشورہ دیا جو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے نہ مانا۔ سیّدنا مغیرہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہما کے جواب سے ان سے بدظن ہو گئے۔ ❺ اب سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنی طرف مائل کر لیا۔ ❻ چنانچہ سیّدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے مخالف۔ ❼ سیّدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حمایت نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بڑی سیاسی مدد پہنچائی اور بڑی بڑی اہم گتھیاں انھوں نے اپنے ناخنِ تدبیر سے حل کیں۔

---

❶ طبقات ابن سعد: ۲/ ۷۷.
❷ طبری: ۳/ ۱۷۷.
❸ مستدرك حاكم: ۳/ ٤٤٧.
❹ فتوح البلدان، ص: ۳۱۳.
❺ الاستيعاب: ۱/ ۲۵۹.
❻ الاصابه: ٦/ ۱۳۲.
❼ مستدرك حاكم: ۳/ ٤٥٠.

Marfat.com

زیاد دہاۃ عرب میں سے تھا اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے فارس کا گورنر تھا۔ یہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا سخت ترین دشمن تھا۔ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دست برداری کے بعد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ ساری سلطنت اسلامیہ کے گورنر ہو گئے تھے لیکن زیاد ان کی خلافت کو تسلیم نہ کرتا تھا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کو مطیع کرنے کی ازحد کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر سیّدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کا تدبر کام آیا اور انھوں نے زیاد کو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا مطیع بنا کر ایک بڑے خطرہ سے معاویہ رضی اللہ عنہ کو بچالیا۔ ❶

سیّدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ ایک مدبر اور فوجی شخص تھے، ساتھ ہی دینی علوم سے بھی حظِ وافر حاصل تھا اور علمی حیثیت سے نہایت ممتاز تھے، ان کی ۱۳۳ روایات کتابوں میں موجود ہیں۔ علمی طور پر ایک ممتاز حیثیت رکھنے کے باوجود ان کی عظمت کا علم سیاست میں گڑا ہوا تھا اور یہی ان کے کمال کا حقیقی مظہر تھا۔ ان کا شمار دہاۃ عرب میں ہوتا ہے، اور اپنے غیر معمولی دل و دماغ کی وجہ سے وہ ''مغیرۃ الرائے'' کہلاتے تھے۔ ❷

قبیصہ بن جابر کا بیان ہے کہ میں ایک طویل عرصہ تک سیّدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا۔ وہ تدبیر و سیاست کے آدمی تھے۔ اگر کسی شہر کے آٹھ دروازے ہوں اور ان میں ایک میں سے بھی بغیر ہوشیاری کے گزرنا مشکل ہو تو مغیرہ رضی اللہ عنہ آٹھوں دروازوں سے نکل جاتے۔ ❸ اہم امور کی گتھیاں سلجھانے میں ان کو خاص امتیاز حاصل تھا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مغیرہ کی فراست کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں انھیں بحرین کا گورنر بنایا گیا تھا۔ رعایا نے ان کی شکایت کی اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو گورنری سے معزول کر دیا۔ جب وہ بحرین سے واپس مدینہ جا رہے تھے تو بعض شرارت پسند لوگوں نے آئندہ واپسی کے خطرہ کو روکنے کے لیے ایک تدبیر کی کہ یہاں کے ایک زمیندار نے ایک لاکھ کی رقم جمع کر کے بارگاہِ خلافت میں پیش کی اور کہا کہ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے سرکاری محاصل سے یہ رقم خرد برد کر کے ہمارے پاس جمع کرائی تھی۔ معاملہ بڑا گھمبیر تھا، لہٰذا سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بڑی سختی سے باز پرس کی۔ رقم موجود تھی، سیکڑوں گواہ ساتھ آئے تھے۔ معاملہ پریشان کن تھا لیکن سیّدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے دماغی توازن

---

❶ ابن اثیر: ۳/ ۱۶۸.
❷ الاصابه والاستیعاب تذکرة مغیره بن شعبه رضی اللہ عنہ۔
❸ مستدرك حاکم تذکره مغیره بن شعبه رضی اللہ عنہ۔ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۳۰.

Marfat.com

برقرار رکھا اور نہایت اطمینان سے فرمایا: میں نے دو لاکھ جمع کیے تھے، ایک لاکھ اس نے دبا لیا ہے۔ یہ سن کر زمیندار پریشان ہو گیا اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو صاف بتایا کہ یہ ان کو بدنام کرنے کی ایک تدبیر تھی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے حقیقت منکشف ہو گئی۔ آپ نے سیّدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے دو لاکھ کا کیوں اقرار کر لیا۔ فرمایا: انھوں نے تہمت لگائی، لہٰذا اس کے سوا بدلہ لینے کی کوئی صورت نہ تھی۔ ❶

آخر کار سنہ ۵۰ ھ میں کوفہ میں طاعون کی وبا سے انتقال فرمایا۔ وفات کے وقت عمر ۷۰ سال تھی۔ ❷

سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ:

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے جلیل القدر صحابہ میں سے تھے۔ ان کا تعلق بنو سہم سے تھا۔ یہ قبیلہ زمانۂ جاہلیت ہی میں بہت معزز چلا آتا تھا۔ فصلِ مقدمات کا عہدہ اسی خاندان کے پاس تھا۔ ابتداء میں تو یہ مسلمانوں کے سخت خلاف تھے، لیکن حبشہ سے واپسی کے بعد ان کی دشمنی میں کمی آ گئی۔ غزوۂ خندق کے بعد وہ اسلام سے متاثر ہونے لگے۔ چنانچہ غزوۂ خندق سے واپسی کے بعد یہ اور سیّدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اکٹھے مدینہ طیبہ جا کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ قبولِ اسلام کے بعد مکہ لوٹ گئے، پھر چند ہی روز کے بعد ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے۔ ❸

قبولِ اسلام کے بعد متعدد غزوات میں شرکت فرمائی اور مختلف سرایا ان کی زیر قیادت بھیجے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد فتنۂ ارتداد میں بڑا کام کیا۔ فتوحاتِ شام میں بھی بہت حصہ لیا۔ شام کا فیصلہ ہونے کے بعد بھی سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بلند حوصلے پورے نہ ہوئے، کیونکہ شام کی فتوحات میں سیّدنا خالد رضی اللہ عنہ اور سیّدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی قوتوں کو زیادہ دخل تھا، اس لیے ان کو ایسے میدان کی تلاش ہوئی، جہاں تنہا اپنی تلوار کے جوہر دکھائیں، چنانچہ انھوں نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مصر کی جانب پیش قدمی کی اجازت چاہی، جو دے دی گئی۔ آپ نے مصر میں اپنی بہادری اور تلوار کے جوہر دکھائے اور تھوڑے ہی عرصہ میں مصر کو فتح کر لیا۔ آپ مصر کی فتح کے بعد مغرب کی طرف بڑھے اور برقہ کو فتح کر لیا۔ ❹

---

❶ الاصابہ: ٦/ ١٣٢۔ سیر اعلام النبلاء: ٣/ ٢٦.
❷ الاصابہ: ٦/ ١٣٢.
❸ مسند احمد: ٤/ ١٩٨.
❹ معجم البلدان برقہ.

Marfat.com

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر کا گورنر مقرر فرما دیا۔ پھر ۳۶ھ میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو مصر کی گورنری سے معزول کر دیا اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو ان کی جگہ وہاں کا گورنر بنا دیا۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب سبائیوں کے فتنہ نے سر اُٹھایا تو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان سے ہر معاملہ میں مشورہ کرتے تھے۔ گورنرز کانفرنس میں بھی انھیں بلایا، حالانکہ یہ اس وقت گورنر نہیں تھے۔ تمام اراکین سے مشورہ کے بعد جب ان سے مشورہ لیا گیا تو آپ نے کہا:

''امیر المؤمنین! آپ ضرورت سے زیادہ نرمی کرتے ہیں۔ گرفت کے موقعوں پر چشم پوشی کر جاتے ہیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ آپ نے لوگوں کو آزادی دے رکھی ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ ملکی انتظام میں اپنے پیش رووں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے نقشِ قدم پر چلیے اور نرمی کے موقع پر نرمی اور سختی کے موقع پر سختی سے کام لیجیے۔'' ❶

مصر کی گورنری سے معزولی کے بعد سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہو کر فلسطین میں سکونت اختیار کر لی اور گاہے گاہے مدینہ طیبہ آتے تھے۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے محصور ہونے کے وقت مدینہ طیبہ ہی میں موجود تھے، لیکن جب دیکھا کہ فتنہ و فساد کے شعلے قابو سے باہر ہو گئے ہیں تو یہ کہہ کر کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں جس کا ہاتھ ہوگا اس کو خدا ذلیل کرے گا۔ جو شخص ان کی مدد نہ کر سکتا ہو اس کو مدینہ چھوڑ دینا چاہیے۔ چنانچہ وہ مدینہ چھوڑ کر شام چلے گئے۔

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد طرفین نے جنگی تیاریاں شروع کیں تو سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ شامی فوج کے امیر العسکر مقرر ہوئے۔ پھر معاہدۂ تحکیم میں وہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حکم مقرر ہوئے، مصر اور شام پر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مستقل تسلط کے بعد ان میں اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ میں مصر کے معاملہ میں شکر رنجی ہوگئی لیکن معاویہ بن خدیجؓ نے درمیان میں پڑ کر صلح کرا دی اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو چند شرائط کے ساتھ مصر کا والی بنا دیا۔

سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعض لوگوں کے ذہنوں میں بڑی غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ عام لوگ ان کو ایک سیاسی شخصیت سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کی ایمانی قوت کا خود زبان رسالت نے اعتراف کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ((اسلم الناس وآمن عمرو بن العاص .)) ❷ اور

---

❶ طبری: ٥/ ٢٢٨.

❷ مسند احمد بن حنبل: ٤/ ١٥٥.

Marfat.com

واقعات آپ کے اس فرمان کی لفظ بہ لفظ تصدیق کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا بھیجا کہ لباس بدل کر ہتھیار لگا کر آئیں۔ یہ حسب الحکم حاضرِ خدمت ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت وضو فرما رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اُٹھا کر دیکھا۔ پھر نظر نیچی کر کے فرمایا کہ میں تم کو امیر بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں۔ ان شاء اللہ تم محفوظ و مصئون رہو گے اور مالِ غنیمت بھی ہاتھ آئے گا۔ اس سے تم کو بھی وافر حصہ ملے گا۔ عرض کی: ''یا رسولؐ اللہ! میں مال کی طمع میں اسلام نہیں لایا، بلکہ اس کو دلی رغبت کے ساتھ قبول کیا ہے۔'' فرمایا: ''مال صالح مرد صالح کے لیے بہتر ہے۔'' ❶ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، قریش کے صالح اشخاص میں سے ہیں۔ عبداللہ اور ابوعبداللہ (عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) کیا اچھے گھرانے کے لوگ ہیں۔'' ❷

عقل و دانش اور تدبیر و سیاست کے لحاظ سے سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا شمار ان چند مخصوص اشخاص میں تھا جو اس زمانہ کے عربوں میں اربابِ تدبیر و سیاست کہلاتے تھے۔ ❸ ان کی اصابت رائے کا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اعتراف فرمایا کہ تم اسلام میں صائب الرائے آدمی ہو۔ ❹ سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جیسا مدبر آپ کے بارے میں کہا کرتا تھا کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حکومت کے لیے موزوں ہیں اور جب کسی خام کار اور ضعیف الرائے شخص کو دیکھتے تو تعجب سے فرماتے اس شخص اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا خالق ایک ہے۔'' ❺

آپ نے یکم شوال سنہ ۴۳ھ میں وفات پائی اور نماز عید الفطر کے بعد آپ کے صاحبزادے عبداللہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور مقطم میں سپردِ خاک کیے گئے۔ ❻

سیّدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما:

سیّدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما اپنے والد سے قبل مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ❼ آپ دربارِ نبوت میں اکثر حاضر رہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت سے جو وقت بچتا تھا وہ تمام تر یادِ حق میں صرف ہوتا تھا۔ دن عموماً روزوں میں صرف ہوتا اور رات عبادت میں گزر جاتی۔ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

---

❶ مسند احمد: ٤/ ١٩٧.
❷ کنز العمال: ٦/ ١٨٦ فضائل عمرو بن العاصؓ.
❸ تهذيب التهذيب: ٨/ ٥٧۔ اسد الغابه۔ الاستيعاب تذكره عمرو بن العاصؓ.
❹ کنز العمال: ٦/ ١٨٦.
❺ الاصابه: ٥/ ٣.
❻ اسد الغابه: ٤/ ١١٧۔ مستدرك: ٣/ ٤٥٤.
❼ اسد الغابه: ٣/ ٢٢٣.

Marfat.com

نے بارگاہِ نبوتؐ میں ان کی اس راہبانہ زندگی کی شکایت کی تو آپ نے ان کو بلا کر اپنے والد کی اطاعت کی تاکید کی اور فرمایا: ''عبداللہ روزے رکھو اور افطار کرو، نمازیں پڑھو اور آرام کرو، نیز بیوی بچوں کا حق ادا کرو۔ یہی میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقہ سے اعراض کرے وہ میری اُمت میں سے نہیں ہے۔'' ❶

اگرچہ واقعۂ صفین میں سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرف دار تھے۔ والد نے آپ کو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج میں شریک ہونے پر مجبور کیا، لیکن دراصل وہ اس خانہ جنگی سے سخت متنفر تھے۔ چنانچہ آپ نے جنگ میں عملاً کوئی حصہ نہیں لیا۔ ❷

یکم شوال سنہ ۴۳ ھ کو سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ گورنر مصر کی وفات ہوئی۔ تو ان کے صاحبزادے سیّدنا عبداللہ نے گورنری کا چارج سنبھال لیا اور نمازوں اور وصولی خراج میں ان کی نیابت شروع کر دی، تاکہ نظامِ حکومت میں خلل نہ پڑے۔ ❸ جب سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کی وفات کی خبر ملی تو انھوں نے ذی قعدہ کے مہینہ میں ان کی جگہ عتبہ بن ابی سفیان کو مصر کا گورنر کر کے بھیجا۔ ❹ لہٰذا سیّدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے پاس مصر کی گورنری دو ماہ سے زیادہ نہیں رہی۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ان کے والد ان سے قریباً گیارہ سال بڑے تھے۔ یہ اپنے والد کے اسلام لانے سے قبل حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا اصل نام ''عاص'' تھا۔ جب اسلام لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام تبدیل کر دیا۔

عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ:

عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ بھی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ۴۵ ھ تا ۴۸ ھ مصر کے گورنر رہے۔ ❺ یہ علمی طور پر بھی ایک خاص مقام کے حامل تھے۔ عالم، قاری، فقیہ اور فصیح و بلیغ انسان تھے۔ بہت بڑے شاعر بھی تھے۔ قرآنِ حکیم بڑی خوب صورت آواز میں پڑھتے تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اُن سے قرآن سنا تو رو پڑے۔ یہ صحابیٔ رسولؐ تھے اور اصحابِ صفہ میں سے تھے۔ ❻

---

❶ مسند احمد: ۲/ ۱۹۸.
❷ تذکرة الحفاظ: ۳/ ۳٦.
❸ ولاة مصر الکندی، ص: ۵۷.
❹ ایضًا.
❺ الاستیعاب، رقم الترجمه: ۱۸۹۸۔ الاصابه: ٤/ ۵۲۱.
❻ سیر اعلام النبلاء: ۲/ ٤٦۸.

Marfat.com

ان کی وفات سنہ ۵۸ھ میں ہوئی۔

سیّدنا مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ:

یہ سنہ ۱ھ میں پیدا ہوئے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مصر پر فوج کشی ہوئی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے مصر بھیجا۔ اور ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہیں۔ فتح مصر کے بعد سیّدنا مسلمہ رضی اللہ عنہ نے مصر ہی میں اقامت اختیار کر لی۔ پھر مدینہ آئے اور جنگ صفین میں انصار میں دو آدمی ایک یہ اور دوسرے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرف دار تھے۔ ❶

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایامِ خلافت میں انھیں عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کے بجائے مصر کا گورنر مقرر کیا اور عقبہ کو لکھا کہ آپ امیر البحر ہیں۔ جزیرہ روڈس پر حملہ کریں۔ مصر اور افریقہ اب تک جداگانہ دو صوبے تھے اور ان پر دو والی حکومت کرتے تھے۔ سیّدنا مسلمہ رضی اللہ عنہ دونوں صوبوں کے امیر بنائے گئے۔ سیّدنا مسلمہ رضی اللہ عنہ نے نظامِ حکومت از سرِ نو مرتب کیا۔ سائب بن ہشام کو پولیس کا افسر اعلیٰ بنایا۔ ان کے بعد ۴۹ھ میں عابس بن سعید مرادی کو اس عہدہ پر فائز کیا۔

سنہ ۶۰ھ میں سیّدنا مسلمہ رضی اللہ عنہ کسی ضرورت سے اسکندریہ گئے تو دار الامارۃ فسطاط پر عابس بن سعید کو اپنا جانشیں بنایا۔ اسی سنہ میں ماہِ رجب میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا تو یزید اُن کا جانشیں ہوا۔ مسلمہ اس وقت اسکندریہ میں تھے۔ خبر ملی تو عابس کو خط لکھا کہ رعایا سے یزید کی بیعت لے لو۔ چنانچہ سب رعایا نے یزید کی بیعت کی۔ کچھ دنوں کے بعد مسلمہ اسکندریہ سے واپس آئے تو عابس کو پولیس کے ساتھ قضاء کا محکمہ بھی تفویض کر دیا۔ ۱۵ سال چار ماہ حکومت کرنے کے بعد سیّدنا مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ۲۵ رجب سنہ ۶۲ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اس وقت ان کی عمر ۶۲ سال تھی۔ وفات کے وقت کاروبار حکومت عابس بن سعید کے سپرد کیا۔ ❷ شمالی افریقہ کی فتوحات میں ان کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ ❸

---

❶ یعقوبی: ۲/ ۲۱۹.

❷ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ٤٢٦.

❸ مصر فی العصر الاموی، ص: ۸۳.

Marfat.com

سیّدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ:

سیّدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سنہ ۱ھ میں پیدا ہوئے۔ بنی اُمیہ سے تعلق تھا۔ ان کے آباؤ اجداد بڑے دبدبہ اور شکوہ کے مالک تھے۔ ان کے والد جنگ بدر میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ عہدِ نبویؐ اور عہدِ صدیقی میں بچے تھے اور عہدِ فاروقی کے آخر میں عنفوان شباب تھا۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بھرپور جوان تھے۔ ان کا گھر چونکہ ریاست وحکومت میں بہت ممتاز تھا، اس لیے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں سنہ ۲۹ھ میں ولید بن عقبہ کی جگہ کوفہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ گورنر مقرر ہونے کے ساتھ ہی جرجان اور طبرستان پر فوج کشی کی۔ سعید رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیّدنا حسن، سیّدنا حسین، سیّدنا عبداللہ بن عباس، سیّدنا عبداللہ بن عمر اور سیّدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہم تمام نوجوانانِ قریش تھے۔ ❶ طبرستان اور جرجان کی فتح کے بعد آپ نے آذربائیجان کی بغاوت فرو کی۔

سنہ ۳۴ھ میں اہلِ کوفہ کی شکایت پر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں معزول کر دیا۔ سنہ ۳۵ھ میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحہ پیش آ گیا۔ اس کے نتیجہ میں جمل اور صفین کی خون ریز لڑائیاں ہوئیں، لیکن سعید رضی اللہ عنہ ان میں خانہ نشین رہے۔ استقرار حکومت کے بعد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں مدینہ کا گورنر مقرر فرمایا، لیکن پھر کچھ دنوں کے بعد انھیں معزول کر کے ان کی جگہ سیّدنا مروان کو گورنر مقرر کر دیا۔ ❷

سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ نہایت عاقل وفرزانہ تھے اور ان کے بہت سے حکیمانہ مقولے ضرب المثل ہو گئے تھے۔ ❸ شجاعت اور شہامت کے ساتھ ساتھ فیاضی بھی خمیر میں داخل تھی۔ ہر جمعہ کی شب کو مسجد کوفہ میں غلام کے ہاتھوں دیناروں سے بھری ہوئی تھیلیاں نمازیوں میں تقسیم کراتے تھے۔ اس وجہ سے شب جمعہ کو مسجد میں نمازیوں کا بڑا ہجوم ہوتا تھا۔ ❹ کبھی کوئی سائل دروازہ سے خالی واپس نہ جاتا تھا۔ اگر روپیہ پاس نہ ہوتا تو ایک تحریری یادداشت دے دیتے کہ جب روپیہ آ جائے تو سائل وصول کر لے۔ ❺

---

❶ ابن اثیر: ۳/ ۸٤.
❷ الاستیعاب: ۲/ ٥٥٦.
❸ الاصابه: ۲/ ۹۸.
❹ اسد الغابه: ۲/ ۳۱۰.
❺ الاستیعاب: ۲/ ٥٥٦.

Marfat.com

اس فیاضی کی وجہ سے لوگ ان کے ساتھ لگے رہتے تھے۔ مدینہ کی گورنری سے معزولی کے زمانہ میں ایک روز مسجد سے آ رہے تھے کہ ایک آدمی ساتھ ہولیا۔ پوچھا: ''کوئی کام ہے؟'' اس نے کہا: ''نہیں، آپ کو تنہا دیکھ کر ساتھ ہو گیا۔ کہا: کاغذ قلم لاؤ اور میرے فلاں غلام کو لیتے آؤ۔ اس شخص نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے بیس ہزار کا سرخط لکھ دیا، اور کہا کہ جب ہمارا وظیفہ ملے گا تو یہ رقم تم کو مل جائے گی۔ لیکن ادائیگی سے قبل آپ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد وہ شخص ان کا وہ سرخط لے کر ان کے صاحبزادے عمرو کے پاس گیا۔ انھوں نے وہ رقم ادا کر دی۔ ❶

علامہ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ لوگ انھیں ''عکۃ عسل'' یعنی شہد کا برتن کہا کرتے تھے۔ اسی فیاضی کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کو ''اکرم العرب'' کہا گیا۔ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چادر لائی اور عرض کی کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ یہ چادر اس شخص کو دوں جو ''اکرم العرب'' ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: ''اس لڑکے یعنی سعید بن العاص کو دے دو۔'' ❷

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

''ہر قوم کا ایک کریم ہوتا ہے اور ہمارا کریم سعید بن العاص رضی اللہ عنہ ہے۔'' ❸

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

''وہ سردار تھے، شریف اور جواد (سخی) تھے، لوگوں کے ممدوح تھے، حلیم اور باوقار تھے، سوجھ بوجھ کے حامل اور صاحبِ عقل و دانش تھے اور خلیفہ بننے کے اہل تھے۔'' ❹

قبائلی عصبیت بالکل نہیں تھی، ان کے والد عاص جنگ بدر میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عاص کے ہم نام اپنے ماموں کو قتل کیا تھا، اس لیے اشتراک نام کی وجہ سے دھوکا ہوتا تھا کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سعید کے والد کو قتل کیا ہے۔ ایک دفعہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے فرمایا کہ میں نے تمھارے والد کو نہیں بلکہ اپنے ماموں عاص کو قتل کیا تھا۔ آپ نے یہ سن کر کہا کہ اگر آپ نے میرے والد کو بھی قتل کیا ہوتا تو کیا برا کیا تھا۔ آپ حق پر تھے اور

---

❶ الاستیعاب: ۲/ ۵۵۶.
❷ تهذیب التهذیب: ٤/ ٤٩.
❸ تهذیب التهذیب: ٤/ ٤٨.
❹ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۲۹٤.

Marfat.com

وہ باطل پر۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس حق پسندی پر بڑی حیرت ہوئی۔ ❶ بالآخر سنہ ۶۹ ھ میں وفات پائی۔

سیّدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہما:

سیّدنا عبداللہ بن عامر بن کریز ۴ ھ یا ۵ ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ماموں زاد بھائی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی اُمّ حکیم البیضاء کے پوتے تھے، کیونکہ عبداللہ بن عامر کے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی البیضاء کے سگے بیٹے تھے۔ اس وجہ سے ان کا سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں سے قریبی تعلق تھا۔ ❷

پیدائش کے تھوڑا عرصہ بعد عمرۃ القضاء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حصولِ برکت کے لیے پیش کیے گئے۔ آپؐ نے فرمایا: یہ ہمارا بیٹا ہے اور تم سب میں ہم سے زیادہ مشابہ ہے۔ ❸

ایک اور روایت میں ہے کہ جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منہ میں لعاب دہن ڈال کر دعا فرمائی۔ سیّدنا عبداللہ اس لعاب دہن کو آبِ حیات سمجھ کر نگل گئے۔ اس کے ساتھ آپ نے فرمایا: ''یہ ''مسقی''، یعنی سیراب کرنے والا ہوگا۔ ❹ اس دُعا کا یہ اثر ہوا کہ آپ جب بھی زمین پر محنت کرتے تو فوراً پانی ظاہر ہو جاتا۔ ❺

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں آپ کی عمر ۲۵ سال تھی۔ اس عہد میں آپ نے بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ آپ نہایت کریم النفس انسان تھے، اس لیے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں ۲۹ ھ میں سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی جگہ بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ سیّدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ان کی صلاحیتوں سے بخوبی آشنا تھے، چنانچہ آپ نے اہلِ بصرہ سے فرمایا:

> ''تمھارے پاس قریش کا ایک ایسا نوجوان آ رہا ہے جو تم پر دولت کی بارش کرے گا۔ اس کی دادیاں، خالائیں اور پھوپھیاں بڑی کریم النفس ہیں۔'' ❻

حکومت کی باگ ڈور سنبھالتے ہیں آپ نے عجم میں فتوحات کا دروازہ کھول دیا۔ اور ایران کے ان علاقوں کی طرف پیش قدمی فرمائی جو ابھی فتح نہیں ہوئے تھے۔ ❼

---

❶ اسد الغابہ: ۶/ ۳۱۱۔ ❷ اسد الغابہ: ۳/ ۱۹۱۔ کتاب المعارف، ص: ۱۳۹۔
❸ طبقات ابن سعد: ۵/ ۳۱۔ ❹ اسد الغابہ: ۳/۱۹۱۔ الاصابہ: ۳/۱۶۵۔ مستدرک حاکم: ۳/۶۳۹۔
❺ اسد الغابہ: ۳/ ۱۹۱۔ تنقیح المقال: ۲/ ۱۹۱۔ ❻ طبری: ۳/ ۳۲۱۔
❼ اسد الغابہ: ۳/ ۱۹۱۔ فتوح البلدان، ص: ۴۱۰۔ تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۱/ ۱۴۰۔

Marfat.com

اتنی وسیع فتوحات کے بعد آپ نے شکرانے کا حج ادا کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ انھوں نے نیشاپور سے عمرے کا احرام باندھا اور مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے۔ حج بیت اللہ ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ آئے اور اہلِ مدینہ میں بہت سا مال تقسیم کیا۔ ❶ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیس درہم اور پارچات پیش کیے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوش ہو کر فرمایا: ''یہ قریش کے نوجوانوں کا سردار ہے۔'' ❷

وسیع فتوحات کی وجہ سے بہت سا مالِ غنیمت بھی ہاتھ آیا۔ اس وجہ سے نہایت متمول شخص تھے۔ دو مرتبہ بصرہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ اس میں کافی وظیفہ ملا۔ لہٰذا کافی زمینیں اور باغات تھے۔ ❸ اس قدر مال و دولت کے باوجود عرب کے مشہور ممدوح فیاضوں میں سے تھے۔ ❹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''مسقی'' ہونے کی دعا فرمائی تھی لہٰذا انھوں نے عرب کی خشک سرزمین میں کثرت کے ساتھ پانی جاری کر کے اسے زرخیز و شاداب بنایا۔ عرفات میں حاجیوں کے لیے بڑے بڑے حوض اور تالاب بنوائے اور ان میں نہروں کے ذریعے پانی ڈلوایا۔ ❺

مملکت اسلامیہ میں مختلف جگہوں پر بہت سے کنویں بھی کھدوائے۔ ❻

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے فضائل میں لکھا ہے کہ:

> ''آپ میں بے شمار خوبیاں تھیں اور عوام کے دلوں میں آپ کی اتنی محبت تھی کہ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔'' ❼

آپ کی اِنھی خوبیوں کی وجہ سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں ۴۱ھ میں بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد انھیں معزول کر کے حارث بن عبداللہ الازدی کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا۔ یہ ۴۵ھ کا واقعہ ہے۔ پھر چار ماہ بعد ان کو بھی معزول کر کے زیاد کو بصرہ کا گورنر بنایا گیا۔ ❽

زیاد بن ابی سفیان:

زیاد کی والدہ کا نام سمیہ تھا اور اس کے باپ کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ کچھ زیاد

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۸۰.
❷ طبقات ابن سعد: ۵/ ۵٦.
❸ اسد الغابہ: ۳/ ۱۹۲.
❹ اسد الغابہ: ۳/ ۱۹۲.
❺ اسد الغابہ: ۳/ ۱۹۲۔ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۸۸۔ طبقات ابن سعد: ۵/ ۳٤.
❻ مستدرک حاکم: ۳/ ٦۳۹۔ نسب قریش، ص: ۱٤۸.
❼ منہاج السنہ: ۵/ ۲۷٤.
❽ طبری: ٦/ ۱۳۳.

Marfat.com

بن سمیہ لکھتے ہیں، کچھ زیاد بن عبید کہتے ہیں۔ ❶ کچھ انھیں زیاد الامیر لکھتے ہیں۔ ❷ کچھ زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، اکثر حضرات انھیں زیاد بن ابیہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ❸ یہ سب اس وجہ سے ہے کہ اس کے باپ کے بارے میں مؤرخین کو شک ہے۔ ❹

زیاد دہاۃ عرب میں سے تھا اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے فارس کا گورنر تھا۔ یہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا سخت ترین دشمن تھا۔ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دست برداری کے بعد اگرچہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تمام عالمِ اسلام کے خلیفہ ہو گئے تھے لیکن زیاد ان کی خلافت کو کسی صورت تسلیم نہ کرتا تھا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سختی سے بھی انھیں اپنی خلافت تسلیم کرانے کی کوشش کی لیکن سختی بھی بے کار ثابت ہوئی۔ سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اپنے تدبر سے زیاد کو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا مطیع بنا دیا۔ ❺

زیاد کو اللہ تعالیٰ نے فکر و نظر کی بہت سی صلاحیتوں سے نوازا ہوا تھا۔ وہ ایک بہت بڑا ادیب تھا۔ کتابوں میں اس کے خطبات ایک خاص ادبی مقام رکھتے ہیں۔

طبری میں ہے کہ ایک مرتبہ ضبہ نامی ایک شخص نے سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے خلاف سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہِ خلافت میں کچھ شکایات پیش کیں، جن میں سے ایک شکایت یہ تھی کہ سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عنانِ حکومت زیاد بن سمیہ کے سپرد کر دی ہے اور وہی سیاہ و سفید کا مالک ہے۔ جب یہ شکایات سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچیں تو آپ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ طلب کر کے باقاعدہ تحقیقات کی۔ زیاد کے بارے میں انھوں نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ جواب دیا کہ زیاد صاحب تدبیر و سیاست ہے، اس لیے میں نے اس کو اپنا مشیر کار بنایا ہوا ہے۔ سیّدنا عمرؓ نے زیاد کو بلا کر اس کا امتحان لیا تو انھوں نے محسوس کیا کہ وہ حقیقت میں قابل آدمی ہے۔ اس لیے انھوں نے خود حکامِ بصرہ کو ہدایت جاری کی کہ زیاد کو مشیر کار بنائیں۔

جاحظ وغیرہ نے زیاد کے بہت سے خطبات نقل کیے جو ادبی شاہکار شمار ہوتے ہیں۔ ❻

---

❶ طبری: ٦/ ١٣١۔ العواصم من القواصم، ص: ٣١. ❷ طبقات ابن سعد: ٧/ ٩٩.
❸ طبقات خلیفه بن خیاط، ص: ١٩١۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: زیاد بن ابیه ودوره فی الحیاة العامه، للرواضیه، ص: ٣١، ٣٢۔ ❹ الوافی بالوفیات: ١٥/ ٣٢.
❺ ابن اثیر: ٣/ ١٦٨۔ طبری: ٦/ ٩٤۔ زیاد بن ابیه ودوره فی الحیاة العامة، ص: ٧٥۔ ٨١.
❻ البیان والتبیین: ٢/ ٢٣٠۔ طبری: ٦/ ١٣٦.

Marfat.com

زیاد سنہ ۴۵ ھ میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ کا گورنر بنایا گیا۔ گورنر بنتے ہی اس نے بڑی ضروری اور اہم اصلاحات کیں اور بہت سے قوانین حکومت کے استحکام اور نظم وضبط کے لیے بنائے۔ پھر یہی قوانین اس نے کوفہ میں بھی نافذ کیے، جب اسے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بصرہ اور کوفہ دونوں شہروں کا والی بنایا۔ ❶ زیاد سنہ ۵۰ ھ سے ۵۳ ھ تک دونوں شہروں کا والی رہا۔ اس نے بصرہ میں ایک ''دارالرزق'' بھی بنایا، جسے ہمارے زمانہ میں یوٹیلٹی سٹور کہا جاتا ہے۔ بصرہ کے لوگ وہاں سے ضروریاتِ زندگی خریدتے۔ پھر بعض لوگوں کو ان پر کنٹرولر مقرر کیا، جن میں عبداللہ بن حارث بن نوفل اور وردّاد بن ابی بکرہ مشہور ہیں۔ پھر معد بن قیس النمری کو بازار کا نگران مقرر کیا، تاکہ ضروریاتِ زندگی گراں نہ ہوں۔ اگر کبھی چیزوں کی قیمتیں بڑھ جاتیں تو تاجروں کو قرض یا ''سب سڈی'' دی جاتی، تاکہ ضروریاتِ زندگی عوام کو ارزاں نرخوں پر ملتی رہیں۔ ❷

زیاد نے مختلف اصحابِ رسول کو مختلف عہدوں پر متعین کیا۔ چنانچہ عمران بن حصین الخزاعی رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا قاضی بنایا۔ حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کو خراسان کا والی بنایا۔ اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو مختلف موقعوں پر قضا کے عہدوں پر متعین کیا۔ ❸

زیاد نے بصرہ میں بہت سی مساجد بھی تعمیر کیں، جیسے مسجد بنی عدی، مسجد بنی مجاشع، مسجد الاساورۃ۔ ❹ ابن الفقیہ کہتے ہیں کہ زیاد نے بصرہ میں سات مساجد بنائیں اور بصرہ کی جامع مسجد میں بڑی توسیع کی۔ اس کو اینٹوں اور چونے سے بنایا۔ اس کی چھت ساگوان کی اور منارہ پتھروں کا بنوایا۔ ❺

زیاد نے شہر کی صفائی کی طرف بھی خصوصی توجہ کی اور بعض افراد کو گھروں کی صفائی کا ذمہ دار بنایا۔ بارش کے بعد اگر کسی شخص کے گھر کے باہر کیچڑ ہوتا تو گھر والے سے مواخذہ ہوتا۔ گلی کوچوں سے گندگی اُٹھانے اور ان کی صفائی نہ کرنے پر بھی مواخذہ کیا جاتا۔ ❻

---

❶ خلافة معاویه بن ابی سفیان، عقیلی، ص: ۸٦۔ انساب الاشراف: ٤/ ۳۱٤.

❷ انساب الاشراف: ٤/ ۲۱۲۔ ۲۱۷۔ ۳۱٤۔ ۲۳۷۔ خلافة معاویه، ص: ۸۷.

❸ ملاحظہ ہو: تقریب لابن حجر، ص: ٤۲۹۔ ۱۷۵۔ ۳۱۷۔ ۲۱۵.

❹ کتاب البلدان، ص: ۱۹۱. ❺ فتوح البلدان، ص: ۳٤٦۔ ۳٤۷۔ خلافة معاویه، ص: ۸۹.

❻ انساب الاشراف: ٤/ ۲۰٦۔ الادارة فی العصر الاموی، ص: ۲۱٤.

Marfat.com

زیاد بصرہ پر سنہ ۵۰ھ تک والی رہا۔ پھر سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد کوفہ کا انتظام بھی اس کی تحویل میں دے دیا گیا۔ زیاد سنہ ۵۳ھ میں انتقال کر گیا۔ ❶ زیاد کی موت سے ذرا پہلے عبداللہ بن خالد بن اسید کوفہ کے والی بنے۔ انھوں نے ہی زیاد کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ وہ اس سے قبل زیاد کی جگہ فارس کے والی تھے۔ ❷ پھر سنہ ۵۵ھ میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن خالد بن اسید کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر کے ان کی جگہ ضحاک بن قیس الفہری رضی اللہ عنہ کوفہ کا گورنر بنا دیا۔ ❸

سنہ ۵۸ھ میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضحاک بن قیس الفہری کو معزول کر کے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبداللہ بن عثمان بن ربیعہ الثقفی کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ یہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن اُمّ الحکم کے صاحبزادے تھے۔ پھر سنہ ۵۹ھ میں عبدالرحمٰن بن اُمّ الحکم کو معزول کر کے ان کی جگہ نعمان بن بشیر الانصاری رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔

❀❀❀❀

---

❶ طبری: ٦/ ٢٠٦.

❷ نسب قریش زبیری، ص: ١٨٧.

❸ طبری: ٦/ ٣١٨.

Marfat.com

یزید کی ولی عہدی

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی زندگی کی آخری منزلوں میں تھے کہ سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے جو کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے نہایت بلند مقام کے حامل تھے، یہ تحریک پیش کی کہ امیر المومنین اپنی اس حیات مستعار ہی میں ولی عہد کا انتظام فرما جائیں کیونکہ حالات کی کروٹیں اور زمانے کے نشیب و فراز بتا رہے ہیں کہ آسمان خلافت پر بڑے گہرے بادل چھانے والے ہیں۔ چنانچہ ولی عہد کی تحریک پیش کرنے کے بعد انھوں نے خود ہی یزید کا نام پیش کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ امیر المومنین! شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد کی خون ریزی آپ کے سامنے ہے، اس لیے میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی ہی میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت لے لیں تا کہ آپ کی آنکھیں بند ہونے کے بعد اہلِ اسلام کے پاس ایک سہارا موجود ہو، اور امت اختلاف اور فتنہ وفساد کی آگ کی لپیٹ میں نہ آ جائے۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی، خال المومنین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہونے کے ساتھ ساتھ حالات و واقعات کا بڑی گہری اور دوربین نگاہ سے مطالعہ کرنے والے تھے۔ وہ سیاسی اور روحانی افکار کے حامل تھے، اس لیے وہ کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتے تھے جس پر مسلمان متفق نہ ہوں۔ آپ یہ سمجھ رہے تھے کہ سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی تجویز بالکل درست ہے اور حالات ایسے ہی ہیں کہ امت سوائے اموی کے اور کسی کو خلیفہ قبول کرنے پر تیار نہیں، لیکن وہ یہ سب کچھ "وامرھم شوریٰ بینھم" کے قرآنی حکم کے تحت کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں اس معاملہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتا جب تک تمام ولایتوں اور صوبوں کے نمائندے اور اربابِ حل وعقد مل کر کوئی فیصلہ نہ کریں۔ سیّدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر واپس کوفہ تشریف لے گئے۔ یہ بیان اکثر مؤرخین کا ہے اور مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اپنی معزولی سے بچنے کے لیے یزید کی ولی عہدی کی تجویز پیش کی تھی، لیکن اس روایت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت مؤرخین کی اندھا دھند تقلید کا نتیجہ ہے کیوں کہ سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی وفات تو سنہ ۵۱ھ میں ہو چکی تھی جب کہ یزید کی ولی عہدی کا معاملہ سنہ ۵۶ھ میں

Marfat.com

پیش آیا۔ وہ اپنی وفات کے پانچ سال بعد یعنی سنہ ۵۶ھ میں اپنی معزولی سے بچنے کے لیے یہ تجویز پیش کرنے کے لیے کیسے تشریف لے آئے؟ چنانچہ حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں سنہ ۵۱ھ کے واقعات کے تحت ان کی وفات کا ذکر کیا ہے۔

اور یہ لکھا ہے کہ:

''یعنی آپ (سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ) کوفہ کے آخری وقت تک امیر رہے حتیٰ کہ اس سنہ یعنی ۵۱ھ میں مشہور قول کے مطابق آپ کی وفات ہوگئی۔ محمد بن سعد وغیرہ کا یہی قول ہے اور خطیب نے لکھا ہے کہ لوگوں کا اسی پر اجماع ہے۔''

ابن قتیبہ نے اپنی کتاب المعارف میں بھی یہی لکھا ہے۔ ❶

پھر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا استعفا نامنظور کرنا اس چیز کا بین ثبوت ہے کہ سیّدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ قبل از وفات ہی گورنری کے باردوش سے سبک دوش ہونا چاہتے تھے لیکن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ انھیں استعفا واپس لینے پر مجبور کرتے رہے۔ چنانچہ تاریخ کی تمام مشہور کتابوں میں سیّدنا مغیرہ کے استعفا کا ذکر ہے جس کا متن حسب ذیل ہے:

((اما بعد! فانی قد کبرت سنّی ودق عظمی وشنئت لی قریش، فان رایت ان تعزلنی فاعزلنی.)) ❷

میری عمر بڑی ہو چکی ہے، ہڈیاں کمزور پڑ گئی ہیں اور قریش مجھ سے بغض رکھنے لگے ہیں اگر مجھے معزول کرنا مناسب سمجھیں تو معزول کر دیجیے۔''

اس سے تاریخ کی اس روایت کا غلط ہونا صاف ظاہر ہو جاتا ہے جس میں لکھا ہے کہ سیّدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی معزولی سے بچنے کے لیے یہ تجویز پیش کی تھی۔ گویا کہ یہ روایت دو لحاظ سے غلط ہے:

ایک یہ کہ سیّدنا مغیرہ کی وفات سنہ ۵۱ھ میں ہو چکی تھی اور یزید کی ولی عہدی کا معاملہ سنہ ۵۶ میں ہوا۔

دوسرے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یزید کی ولی عہدی کے وقت سیّدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ زندہ تھے تو پھر بھی یہ روایت غلط ہے کیوں کہ انھوں نے خود استعفا پیش کیا تھا لیکن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے قبول

---

❶ المعارف، ص: ۲۹۵.
❷ طبری: ۳۳۱/۵.

Marfat.com

نہیں فرمایا۔

بہرحال کسی اور نے یزید کی ولی عہدی کی تجویز سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بتائی یا سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذہن میں خود آئی۔ آپ ماضی میں امت کی باہمی خانہ جنگی کے پیش نظر اپنی خداداد بصیرت سے یہ نہایت مناسب سمجھتے تھے کہ اپنے انتقال سے قبل ہی وہ کسی کو اپنا ولی عہد مقرر کر جائیں تاکہ جمل وصفین کی طرح امت کی تلواریں پھر بے نیام نہ ہو جائیں۔ گویا یہ آپ کی امت مسلمہ پر نہایت شفقت تھی لیکن آپ اپنا ولی عہد خود تجویز کرنے کے بجائے اس معاملہ کو امت کے اربابِ حل وعقد کے سپرد کرنا چاہتے تھے۔

اگرچہ تمام ولایتوں کے نمائندوں کا ولی عہد کی نامزدگی میں کوئی اختیار نہیں تھا کیوں کہ اربابِ حل وعقد کا مرکز صرف دمشق تھا۔ جب تک مدینہ طیبہ خلافت کا مرکز رہا، خلیفہ کے تقرر کی ذمہ داریاں وہاں کے اربابِ حل وعقد کے ذمہ تھی۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جب مدینہ منورہ کے بجائے کوفہ کو مرکزِ خلافت ہونے کا شرف حاصل ہوا تو نصبِ امام کی ذمہ داری اہلِ کوفہ پر تھی۔ چنانچہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو کوفہ کے ارباب حل عقد نے ہی خلیفہ مقرر کیا۔ اسی طرح جب سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں دمشق مرکزِ خلافت بنا تو چاہیے تو یہ تھا کہ صرف دمشق کے لوگوں کی رائے سے ولی عہد کا تقرر کر لیا جاتا لیکن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بڑی فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے یہ کہا کہ جب تک تمام صوبوں کے نمائندے کسی کو ولی عہد تجویز نہ کریں اس وقت تک میں اس کو نامزد نہیں کر سکتا۔

مملکتِ اسلامیہ کے گوشوں سے وفود مرکز خلافت میں حاضر ہوئے۔ عراق جو کہ سبائی تحریک کا مرکز تھا، وہاں سے بھی احنف بن قیس کی زیر قیادت ایک وفد دربار خلافت میں حاضر ہوا۔ [1] عراقیوں ہی نے یزید کا نام ولی عہدی کے لیے تجویز کیا تھا۔ مخالف اور موافق سب قسم کی تقریریں ہوئیں اور سب نے بلا جھجک مخالف اور موافق دلائل پیش کیے لیکن اکثریت یزید کے حق میں تھی۔

امیر المومنین سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کان میں کہیں سے بھنک پڑی تھی کہ اہلِ مدینہ میں سے کچھ لوگ یزید کے ولی عہد ہونے کے خلاف ہیں، اس لیے آپ نے فرمایا کہ جب تک مدینہ طیبہ کے

---

[1] مروج الذهب: ٣/٣٦.

Marfat.com

باشندے بھی متفق نہ ہوں، میں ولی عہد کے لیے یزید کے نام کا ہرگز اعلان نہیں کرسکتا۔ چنانچہ اس کے لیے آپ نے گورنر مدینہ سیّدنا مروان بن الحکم کو لکھا کہ:

''اب ضعیفی اور ناتوانی نے مجھے آلیا ہے۔ معلوم نہیں کب اس دنیا سے آخرت کے سفر پر چلا جاؤں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میرے بعد اُمت پھر اختلاف اور فتنہ وفساد کا شکار نہ ہوجائے، لہٰذا مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنی زندگی ہی میں کسی کو ارباب حل وعقد کے مشورے سے اپنا جانشین مقرر کرجاؤں۔ اس معاملہ میں تمھارا مشورہ ضروری ہے۔ اس بات کو مدینہ طیبہ کے اربابِ حل وعقد پر پیش کرو۔ باہمی اتفاق سے جو وہ جواب دیں، وہ مجھے لکھو۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الاشراف فی منازل الاشراف لابن ابی الدنیا، ص: ۱۳۱۔ طبری: ۲۲۰/۶۔ تاریخ الاسلام ذھبی، ص: ۲۷۲۔ حوادث: ۶۱، ۸۰۔ مواقف المعارضه فی خلافة یزید بن معاویه، ص: ۸۴، ۸۷۔ نظام الحکم فی الشریعة والتاریخ الاسلامی: ۱/ ۱۸۹۔ الشهب اللامعة فی السیاسة النافعة، ص: ۴۵۸۔ دراسة فی تاریخ الخلفاء الامویین، ص: ۱۰۴۔ الشعر والشعراء لابن قتیبه: ۴۵۵/۱۔ مختصر تاریخ دمشق: ۳۸۶/۳ وغیرهم.)

سیّدنا مروان رضی اللہ عنہ نے بڑے بڑے لوگوں کو اکٹھا کرکے ان کے سامنے یہ بات پیش کی اور یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر چھیڑا۔ پورے اجتماع میں سے صرف سیّدنا عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کوئی چبھتی ہوئی بات کہی جس سے مروان کو غصہ آ گیا اور سیّدنا عبدالرحمٰن اس اجتماع کو چھوڑ کر چلے گئے۔ ❶

سیّدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے وہ کیا بات کہی تھی، بخاری نے اس کو نقل نہیں کیا، لیکن خضری، مسعودی اور طبری وغیرہ نے لکھا ہے کہ مروان رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر عبدالرحمٰن نے کہا تھا کہ ''یہ تو قیصر وکسریٰ کی سنت ہے جو معاویہ رضی اللہ عنہ دنیا میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔'' لیکن بات یہ معلوم نہیں ہوتی کیوں کہ اس اجتماع میں کوئی معمولی قسم کے لوگ نہیں تھے بلکہ سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سیّدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ، سیّدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر جلیل القدر صحابہ

---

❶ بخاری: ۲۱۵/۲.

Marfat.com

کرام رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔ اگر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ واقعی قیصر و کسریٰ کی سنت کو جاری کرنا چاہتے تھے تو سب حضرات سیّدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی تائید کرتے لیکن بخاری کی روایت کے مطابق پورے اجتماع میں سوائے سیّدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے اور کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید کی ولی عہدی کے لیے نام پیش کرنا قیصر و کسریٰ کی سنت نہیں تھی، اور اگر تھی بھی تو عشرہ مبشرہ اور اصحاب بدر اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی مخالفت میں زبان کیوں نہ کھولی؟ جب ولی عہدی کے لیے یزید کے نام کی تحریک قیصر و کسریٰ کی سنت نہیں تھی اور یقیناً نہیں تھی تو سیّدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ جیسا پختہ کار آدمی ایسی کچی بات ہرگز نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کوئی اور چبھتی ہوئی بات کہی تھی جس سے مروان کو غصہ آ گیا۔ باقی خضری، مسعودی اور طبری وغیرہ نے جو باتیں لکھی ہیں وہ سرتاپا خلافِ عقل اور درایت کے لحاظ سے سراسر غلط ہیں۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے محتاط آدمی کے نزدیک پورے اجتماع میں ایک آواز کا اٹھنا بھی بہت تھا، لہٰذا آپ نے خود مدینہ طیبہ کا سفر کیا تاکہ بذاتِ خود ان حضرات سے ملاقات کی جائے۔ چنانچہ مدینہ طیبہ میں پھر آپ کی موجودگی میں دوبارہ اجتماع ہوا جس میں سیّدنا معاویہؓ نے خود اس معاملے کو سارے مالہ و ماعلیہ کے ساتھ پیش کیا۔ تمام اجتماع نے اس بات کا خیر مقدم کیا اور حالاتِ حاضرہ اور مصالحِ امت کے تحت اس تجویز کو منظور کرلیا۔ غرضیکہ اس طرح شورائی نظام کے تحت یزید بن معاویہ کی ولی عہدی کے لیے نامزدگی ہوئی اور پوری امت اور سب اربابِ حل و عقد نے اس تحریک سے اتفاق کیا جو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے پیش کی تھی، اور اس معاملہ میں یزید کو یہ خاص شرف حاصل ہے کہ جیسا استصواب رائے اس کی خلافت پر ہوا، اس سے قبل کبھی نہیں ہوا۔

طبری، ابن اثیر اور مسعودی وغیرہ نے یہاں بڑی بڑی بے سروپا باتیں لکھی ہیں مثلاً یہ کہ ان پانچ حضرات نے یزید کی ولی عہدی سے اختلاف کیا۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حسین بن علی رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جب خود مدینہ تشریف لائے تو یہ پانچوں حضرات مکہ مکرمہ چلے گئے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ وہاں ان کے پیچھے پہنچے، پہلے تو ان سب کو حسنِ خلق اور خاطر و مدارات سے مائل کرنے کی کوشش کی۔ جب یہ کوشش ناکام ہوتی نظر آئی تو قرابت داری اور صلہ رحمی کا واسطہ دیا۔ جب یہ کوشش بھی کارگر ثابت نہ ہوئی تو دھمکی دی کہ

Marfat.com

اگر تم نے اس بات کی مخالفت کی تو تلوار سے کام لیا جائے گا۔ چنانچہ یہ پانچوں حضرات اس ایک ہی دھمکی سے خاموش ہوگئے۔ اندر تو ان کو اس طرح دھمکایا اور باہر آ کر اعلان کر دیا کہ ان پانچوں بزرگوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے۔ لوگ پہلے ہی ان کے فیصلے کے منتظر تھے۔ یہ سنتے ہی سب نے یزید کی بیعت کر لی۔ بعد میں لوگوں کو اصل واقعہ کا علم ہوا، لیکن پھر بھی کسی نے مخالفت نہ کی۔ ❶

اب جن لوگوں نے یہ واقعات گھڑے ہیں انھوں نے صرف سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت ہی کو مجروح نہیں کیا بلکہ ان پانچوں بزرگوں کا سارا تانا بانا بھی امت کے سامنے بکھیر کر رکھ دیا کہ وہ اتنے بہادر تھے کہ صرف ایک دھمکی ہی سے ایک خلافِ حق بات پر خاموش ہوگئے اور رضا مندی کا اظہار کر دیا۔ صاف ظاہر ہے کہ نہ تو یہ بزرگ ایسے پست ہمت تھے اور نہ ہی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایسے پست اخلاق تھے۔ اصل میں یہ سارے واقعات دشمنانِ صحابہؓ اور خصوصی طور پر دشمنان بنوامیہ نے وضع کر کے مسلمانوں کے دلوں میں ان کی محبت اور عقیدت کو کم کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے، اور آج بعض لوگ ان روایات کو پیش کر کے ''خلافت وملوکیت'' پر کتابیں لکھ دیتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ اس قسم کی سب روایات عباسیوں نے وضع کروائیں کیوں کہ وہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور بنوامیہ کے سخت خلاف تھے۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ مامون الرشید عباسی نے اس امر کی منادی کرائی تھی کہ جو شخص معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کلمات خیر کہے گا تو حکومت پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں یعنی حکومت کے ذمہ اس کی کوئی حفاظت نہیں۔ ❷

علامہ شبلی نعمانی نے بھی اس بارے میں لکھا ہے:

> ''اسلامی تاریخ کے مؤرخین عموماً بنی عباس کے زمانہ میں ہوئے ہیں، اور یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ عباسیوں کے عہد میں بنوامیہ کے محاسن ومناقب ذکر کرنے کی کسی شخص میں جرأت نہیں تھی کیوں کہ اگر کسی سے بنوامیہ کی خوبی کی کوئی چیز اتفاقاً صادر ہو جاتی تو اس شخص کو کئی قسم کی ایذاؤں کا سامنا کرنا پڑتا، اور ہتک عزت کے علاوہ ناموافق انجام سے بھی دوچار ہونا پڑتا تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں اس قسم کی کئی مثالیں موجود ہیں۔'' ❸

---

❶ ابن اثیر: ۳/ ۲۵۱.
❷ دول الاسلام، ذهبی، ص: ۹٤۔ مروج الذهب: ٤/ ٤٠.
❸ الانتقاد علی تمدن الاسلامی، ص: ۲٤.

Marfat.com

جب حالات یہ ہوں تو پھر تواریخ مدوّن کرنے والے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مثالب و معائب اور نقائص و مطاعن ہی درج کریں گے۔ ایسے مؤرخین سے ان کے مناقب وفضائل کی امید رکھنا عبث ہے۔ پھر تاریخی واقعات کو نقل کرنے میں رواۃ کے ذہنی رجحانات اور فکری نظریات کو بڑا دخل ہے۔ رافضی اور شیعہ ذہن رکھنے والے رواۃ اپنے ذہنی رجحانات کو روایت کرتے ہیں، تاریخ کے اصل واقعات کو روایت نہیں کرتے۔ اس وجہ سے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مؤرخین نے سیّدنا معاویہؓ کے حق میں اپنے غیر محتاط رویے اور فکری نظریات کی وجہ سے ان کے خلاف بہت سا مواد تاریخ میں جمع کر دیا ہے اور ان غلط روایات کی وجہ سے بعد کے مؤرخین نے ان پر اعتراضات کیے ہیں۔

یہ اجتماعات جو یزید کی ولی عہدی کے سلسلہ میں ہوئے، ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جن کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اب ان اجتماعات میں کیڑے نکالے جاتے ہیں۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ امت پر سختی کر کے یہ رائے لی گئی۔ اگر سختی ہی سے لوگوں کو ساتھ ملانا تھا تو اجتماع کے بغیر بھی سختی سے لوگوں کو ساتھ لگایا جا سکتا تھا۔ پھر یہ اجتماعات کرنے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کا کیا مطلب تھا؟ پھر وہ لوگ جن کو امت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام سے یاد کرتی ہے نہ تو اتنے پست ہمت تھے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی صرف ایک دھمکی سے کلمۂ حق کہنے سے ڈر جائیں اور نہ وہ اتنے پست اخلاق تھے کہ لالچ میں آ کر باطل کو حق اور حق کو باطل کہہ دیں۔ وہ بدر و اُحد کے مجاہد اور احزاب و حنین کے شاہ سوار، وہ عشرہ مبشرہ کے سند یافتہ کیا (معاذ اللہ) معاویہ رضی اللہ عنہ کی صرف ایک ہی دھمکی سے ڈر جانے والے تھے؟ اور کیا یہ اتنے بزدل ہو چکے تھے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھ کر یہ کہہ دیں کہ یہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، یہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، یہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور یہ حسین بن علی رضی اللہ عنہما متفقہ طور پر یزید کی ولی عہدی کے حق میں ہیں، اور یہ سب حضرات موت کے خوف سے دم بخود بیٹھے رہیں اور اتنی بات بھی منہ سے نہ کہہ سکیں کہ ہم اس بات سے متفق نہیں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب روایات ان لوگوں کی وضع کی ہوئی ہیں جن کے دلوں میں اسلام اور صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذرہ برابر بھی محبت نہ تھی اور صرف اسلام دشمنی کے لیے ان روایات کو گھڑا گیا تھا یا پھر بنو عباس کو خوش کرنے کے لیے یہ روایات وضع کی گئی تھیں، وگرنہ ایک طرف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عادل قرار دینا اور دوسری طرف ان کے کریکٹر میں کیڑے نکالنا

Marfat.com

تضاد بیانی نہیں تو اور کیا ہے؟ قرآن وحدیث کی نصوص صحیحہ وقطعیہ کی تاریخ کی غلط سلط اور واہی تباہی روایات سے تنسیخ کرنا ہے جو کسی صورت بھی جائز نہیں، کیوں کہ قرآن وحدیث تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا سرٹیفکیٹ عطا فرماتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ "رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ" یعنی اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے اور یہ رضا اللہ تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے صفت حادثہ نہیں کہ زائل ہوجائے۔ اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ

"من رضی اللہ عنہ لم یسخط علیہ ابداً ان شاء اللہ تعالیٰ۔"

"اللہ تعالیٰ جس سے راضی ہوگیا اس سے پھر کبھی ناراض نہ ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔"

اب ایسے حضرات کو دنیا کا بندہ قرار دینا اور یہ کہنا کہ وہ جو کچھ کرتے تھے دنیا طلبی کے لیے کرتے تھے، صحابہ کرام کے دامن خیریت وعفت اور رضا کو داغ دار کرنا ہے۔ اس لیے ہر وہ تاریخی روایت جو قرآن وحدیث کی نصوص سے ٹکرائے گی، ناقابلِ اعتبار ٹھہرائی جائے گی اور ردّی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل ہوگی۔

اس سلسلہ میں دوسری بات یہ ہے کہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہر بات دین میں موجب نجات اور حجت ہے۔ اسی لیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔))

"میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی پیروی اور اقتدا کرو گے نجات پاجاؤ گے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اسی حیثیت کو حافظ ابن تیمیہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

((جعلھم اللہ بمنزلۃ النجوم یھتدی بھم فی ظلمات البر والبحر، وقد اجمع المسلمون علیٰ ھدایتم ودرایتھم۔)) [1]

"اللہ تعالیٰ نے ان کو ستارے بنایا جن سے بحر و بر کی تاریکیوں میں ہدایت حاصل کی جاتی ہے، اور تمام مسلمان ان کی ہدایت اور درایت پر متفق ہیں۔"

اور خطیب بغدادی نے فرمایا:

---

[1] رفع الملام عن الائمۃ الاعلام، ص: ٢٦.

Marfat.com

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عادل ہونا یقینی طور پر ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعدیل کی اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کی خبر دی اور انھیں قرآن کی نص کے مطابق اس نے اپنے نبی کی صحبت کے لیے چن لیا ہوا ہے۔'' ❶

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ ایک ''صاع'' کی بحث میں لکھتے ہیں:

((وكان الصحابة فى زمن معاوية متوافرين لايجوز عليهم الغلط فى مثل هذا.)) ❷

''اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کثیر تعداد میں تھے، لہٰذا یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ اس قسم کے دینی فیصلہ میں غلطی کر جائیں۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں حافظ ابوزرعہ الدمشقی امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرماتے ہیں:

''سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت بہت سے صحابہ کرام نے پائی۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سیّدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، سیّدنا مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ، سیّدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، سیّدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ، سیّدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ، سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ، اور جتنے نام لیے گئے ہیں، ان سے کئی گنا زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ یہ سب ہدایت کے روشن چراغ، علم کے بڑے بڑے ظروف جو قرآن کے نازل ہونے کے وقت کے حاضرین تھے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآنِ حکیم کے معانی اور مطالب پانے والے تھے۔'' ❸

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہر بات دین میں حجت ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کی صحبت کے لیے چن لیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو آگے پہنچانے کے لیے ان کو منتخب کیا۔ سو ان کے اخلاق اور طریقوں کو اپناؤ وہ سب صراطِ مستقیم پر تھے۔ ❹

اور امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تو قسم کھا کر بیان کرتے ہیں اور اِنھی کے عمل کو صراطِ مستقیم ٹھیراتے

---

❶ الكفايه، ص: ٤٦.
❷ التمهيد: ١٣٦/٤.
❸ تاريخ ابى زرعه: ٢٠٩/١.
❹ شرح السنه بغوى: ٢١٤/١.

Marfat.com

ہیں۔فرماتے ہیں:

''ان کے اخلاق اور طریقوں کو اپناؤ۔ ربّ کعبہ کی قسم! صحابہ سب صراطِ مستقیم پر تھے۔'' ❶

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

((انهم ائمة الاعلام، وقادة الاسلام، ويقتدى بهم فى عصرهم وبعدهم.)) ❷

''بے شک وہ (صحابہ رضی اللہ عنہم) مرکزی پیشوا ہیں، اور یہی حضرات کاروانِ اسلام کے قائد ہیں۔ان کے اپنے زمانے میں بھی اور ان کے بعد بھی ان کی پیروی کی جائے گی۔''

ایک طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ مقام تھا۔ دوسری طرف سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے قبل پانچ خلفاء گزرے تھے۔ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، سیّدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ، سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ۔ ان پانچوں کا خلیفہ کے تقرر میں الگ الگ طریقہ تھا۔ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تقرر ہنگامی حالات میں ہوا۔ سقیفہ بن ساعدہ میں بحث مباحثہ ہو رہا تھا۔ قریش کہہ رہے تھے کہ "منا امير ومنكم امير" یعنی ایک امیر ہم سے ہو اور ایک تم سے ہو۔ ❸ اسی ہنگامہ میں سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ یہ سننا تھا کہ پورے مجمع نے اس کو قبول کرلیا۔ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نامزد فرمایا۔ چنانچہ آپ نے اپنے وصیت نامہ میں لکھا:

((انى استخلفت عليكم عمر بن الخطاب.)) ❹

''میں تم پر عمر بن خطاب کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔''

سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے درخواست کی گئی کہ آپ بھی کسی کو نامزد فرمادیں جس طرح کہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو نامزد فرمایا تھا۔ اس کے جواب میں آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ نامزدگی تو اسلام میں جائز نہیں بلکہ یہ فرمایا کہ اگر آج ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو میں ان کو تمھارے اوپر

---

❶ فتح الملهم: ١/٤٨.

❷ نووى شرح مسلم: ١/٢٨٢.

❸ بخارى: ١/٢٢٧ـ الامامة والسياسة: ١/٧ـ العواصم من القواصم، ص: ٤٠ تعليقه.

❹ الامامة والسياسة: ١/١٩ـ العواصم من القواصم، ص: ٥١.

Marfat.com

خلیفہ نامزد کر جاتا کیوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور میری امت کا امین ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ہے۔ اگر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ نامزد کر جاتا کیوں کہ میں نے آپ ﷺ سے سنا ہے کہ معاذ قیامت کے روز علماء کے آگے آگے ہوں گے اور اگر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کر جاتا کیوں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ خالد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں، لیکن چونکہ وہ لوگ آج زندہ نہیں ہیں، لہٰذا میں ایسے چھ آدمیوں کو تم پر نامزد کر جاتا ہوں جن سے رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے جاتے وقت راضی تھے اور وہ چھ آدمی یہ ہیں:

۱: سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

۲: سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

۳: سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

۴: سیّدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ

۵: سیّدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ

۶: سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

اور فرمادیا کہ خلیفہ ان چھ میں سے ہو۔ ❶

چنانچہ انھی چھ میں سے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کمیٹی نے خلیفہ مقرر کیا جس کمیٹی کو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ مقرر کر گئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی دراصل سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی کے نامزد کردہ خلیفہ تھے۔ پھر شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے تین روز بعد باہمی مشورہ سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا گیا۔ ❷ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے بعد بھی شوریٰ کے ذریعہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا گیا۔ ❸ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ لوگوں سے فرما گئے تھے کہ میرے بعد حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا۔ ❹ اب زمام خلافت سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آتی ہے اور تمام امت کا اتفاق ہے کہ سیّدنا حسن خلیفۂ راشد

---

❶ الامامة والسیاسة: ۲۳/۱۔ منهاج السنه: ۱۶۸/۳۔ العواصم من القواصم، ص: ۱۹۳.

❷ الامامة والسیاسة: ۴۶/۱.

❸ البدایه والنهایه: ۲۵۰/۵۔ ۳۲۳/۷۔ ۱۳/۸۔ سنن کبریٰ بیهقی: ۱۴۹/۸.

❹ کافی کتب التواریخ.

Marfat.com

تھے، اور خلیفہ راشد کا قول اور فعل حجت ہوتا۔ اور شیعہ حضرات کے نزدیک تو وہ ائمہ معصومین میں سے تھے جن کا ہر قول اور ہر فعل خطاء سے مبرا ہوتا ہے۔ اب سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے خود اپنی مرضی سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرما دیا۔ گویا یہ بھی ایک نامزدگی تھی حالانکہ آپ کے تمام ماننے والوں نے اس کی سخت مخالفت کی۔ خود آپ کے بھائی سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بھی بڑے سخت الفاظ میں آپ کے اس عمل کی مخالفت کی جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا جاچکا ہے لیکن آپ نے کسی کی نہ سنی اور خود منصبِ خلافت سے دست بردار ہوکر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کردیا۔ آپ کے اس کے عمل سے معلوم ہوا کہ ایک خلیفہ دوسرے کو اپنی زندگی میں خلیفہ نامزد کرسکتا ہے۔

ان پانچ خلفاء کے عمل سے یہ معلوم ہوا کہ خلیفہ کا تقرر دو طریقوں سے ہوسکتا ہے۔ ایک تو اہل حل وعقد کی باہمی مشاورت سے اور دوسرے خلیفہ کی نامزدگی سے۔ ان دونوں طریقوں کا اسلام میں ایک ہی مقام ہے۔ یہ نہیں کہ نامزد خلیفہ کی حیثیت اسلام میں کم ہے اور شوریٰ کے منتخب کردہ کی زیادہ۔ اگر سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کرنے سے وہ صحیح خلیفہ ہوجاتے ہیں اور سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کرنے سے پوری امت ان کو خلیفہ مان لیتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے یزید کو خلیفہ نامزد کرنے سے یزید کی خلافت کو صحیح نہیں مانا جاتا؟ بلکہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی اعتراضاتِ واہیہ کا ہدف بنایا جاتا ہے۔ (جب کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو خود نامزد نہیں کیا تھا بلکہ استصواب رائے سے اس کو ولی عہد مقرر کیا تھا)۔

اسلام کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی مرضی سے یزید کو نامزد نہیں کیا تھا بلکہ خلافتِ اسلامیہ کے تمام صوبوں کے اربابِ حل وعقد کے باہمی مشورہ سے اس کو ولی عہد مقرر کیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ ایک دو نے اس بات کی مخالفت بھی کی ہو (حالانکہ کسی نے بھی مخالفت نہیں کی تھی) لیکن اگر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اہلِ حل وعقد کے بیعت نہ کرنے کے باوجود خلیفہ ہوسکتے ہیں [1] تو ایک دو حضرات کی مخالفت کرنے پر یزید خلیفہ کیوں نہیں ہوسکتے؟

خلیفہ کی اہلیت:

ہوسکتا ہے کہ کوئی یہ کہہ دے کہ خلیفہ کے لیے اہلیت شرط ہے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اہل تھے اور

---

[1] ازالة الخفاء: ٢/٢٧٦.

Marfat.com

یزید اہل نہیں تھا، تو یہ اعتراض بھی غلط ہے۔ آخر اہلیت ہے کیا شے؟ اہلیت نام ہے سیرت میں استقامت، شریعت کی حرمت اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا، اور لوگوں کے درمیان عدل وانصاف اور ان کی مصالح پر نگاہ رکھنے کا، ان کے دشمن کے ساتھ جہاد کرنے اور آفاقِ عالم میں ان کی دعوت کی نشر واشاعت کرنے اور ان کے ساتھ انفرادی اور جماعتی دونوں لحاظ سے نرمی سے پیش آنے کا، اور اگر تاریخ کے اوراق پر گہری نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے اگر تمام نہیں تو اکثر و بیشتر خوبیاں یزید میں رکھی ہوئی تھیں۔ بہادری میں ''فتی العرب'' ''عرب کا بہادر'' کا لقب حاصل کیا ہوا تھا۔ ❶ علم وفضل کا کوئی کمال ایسا نہیں تھا جو یزید کی ذات میں نہ ہو۔ نیکوکاری اتنی کہ خود سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((ان ابنه یزید لمن صالحی اهله .)) ❷

''(معاویہ رضی اللہ عنہ) کا بیٹا یزید اپنے خاندان کے صالحین میں سے ہے۔''

علم وفضل میں یہ مقام تھا کہ ایک دفعہ ترجمان القرآن سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور اس مجلس میں یزید بن معاویہ بھی آ کر بیٹھ گئے۔ جب یزید اٹھ کر چلے گئے تو سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

((اذ ذهب بنو حرب ذهب علماء الناس .)) ❸

''بنو حرب جب اٹھ گئے تو لوگوں کے صاحب علم اُٹھ جائیں گے۔''

صاحب الامامة والسیاسة نے سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک اور قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر سن کر حسب ذیل الفاظ میں اظہار تعزیت فرمایا:

''وہ ایک پہاڑ تھا جو ہلا پھر سینے کے بل آ رہا۔ کیا واقعی ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنے پہلوں جیسے نہ تھے، اور اب تک ان کے بعد ان جیسا بھی کوئی نہیں ہوا، واللہ ان کا بیٹا ان کے گھرانے میں بہتر ہے۔'' ❹ (والله ان ابنه لخیر اهله)

---

❶ ہسٹری آف دی عربز، انگریزی، از ہٹی ص ۲۰۱.

❷ کتاب الانساب والاشراف، ص: ١٥٦۔ بلاذری الجز الرابع، قسم ثانی، ص: ٤۔ الامامة والسیاسة، جلد: ١۔ ص: ٢١٣.

❸ البدایه والنهایه: ٨، ص: ٢٢٨.

❹ الامامة السیاسة، ص: ٢١٣.

Marfat.com

اتباع سنت، نیکی کی لگن اور صوم وصلوٰۃ کی پابندی پر سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ کی گواہی کافی ہے۔ جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے داعی عبداللہ بن مطیع اپنے ساتھیوں کے ساتھ محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور ان کو یزید کی بیعت توڑنے کے لیے کہا تو محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر عبداللہ بن مطیع نے کہا کہ حضرت! آپ اس کی بیعت کیوں نہیں توڑتے؟ حالانکہ یزید شراب پیتا ہے اور نماز کا تارک ہے اور کتاب کے احکام کو توڑتا ہے۔ اس کے جواب میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((ما رأيت منه ما تذكرون، وقد حضرته واقمت عنده فرأيته مواظبًا علىٰ الصلاة، متحريا للخير، يسئال عن الفقه، ملازماً للسنة.)) ❶

''جو کچھ کہتے ہو میں تو وہ باتیں یزید میں نہیں دیکھتا۔ میں اس کے پاس گیا اور اس کے ہاں (کئی روز تک) قیام بھی کیا ہے۔ میں نے اس کو نماز کی پابندی کرنے والا، نیکی کا متلاشی، مسائلِ فقہ پر گفتگو کرنے والا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر پابندی سے عمل کرنے والا دیکھا ہے۔''

عبداللہ بن مطیع اور ان کے ساتھی کہنے لگے: ''حضرت! وہ یہ سب کچھ آپ کو دکھانے کے لیے کرتا ہوگا۔'' آپ نے فرمایا: ''اسے مجھ سے خوف اور کس قسم کا لالچ تھا، جو وہ میرے سامنے اس طرح خشوع وخضوع کا اظہار کرتا۔ تم جو شراب کی بات کرتے ہو تو کیا اس نے تمھیں دکھا کر شراب پی تھی؟ اگر دکھا کر پی تو تم بھی برابر اس گناہ میں اس کے ساتھ شریک ہو اور اگر تمھیں دکھا کر نہیں پی تو جس شے کا تمھیں علم نہیں، اس کے بارے میں تمھیں شہادت دینی جائز نہیں۔'' انھوں نے کہا: ''حضرت! اگرچہ ہم نے اس کو شراب پیتے نہیں دیکھا لیکن یہ بات ہے درست۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ شہادت والوں کی یہ بات تسلیم نہیں کرتا۔ ''الّا من شهد بالحق وهم يعلمون'' (ہاں جو گواہی دیں وہ علم ویقین کے ساتھ دیں) (الزخرف: ۸۶) اور میں تمھاری کسی بات میں شریک نہیں ہوں۔ انھوں نے کہا کہ ''شاید آپ اس بات کو ناپسند فرماتے ہیں کہ حکومت کسی اور کو ملے، تو آیئے ہم آپ

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۲۳۳/۸۔ تاریخ الاسلام ذہبی: ۹۳/۳.

Marfat.com

کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''میں تمھارے مقصد کے لیے جنگ کرنا جائز نہیں سمجھتا، نہ کسی کا تابع ہو کر اور نہ متبوع ہو کر۔'' انھوں نے کہا: ''اگر آپ شریک جنگ نہیں ہونا چاہتے تو اپنے دونوں صاحبزادوں ابوالقاسم اور قاسم ہی کو حکم فرما دیجئے کہ وہ ہمارے ساتھ مل کر جنگ کریں۔'' فرمایا: ''اگر انھیں حکم دوں تو یہ بھی تو خود جنگ کے مترادف ہے۔ انھوں نے کہا ''تو پھر ہمارے ساتھ مل کر دوسروں کو جنگ وقتال پر آمادہ ہی کیجئے۔'' آپ نے فرمایا: ''سبحان اللہ! کیا میں لوگوں کو اس چیز کا حکم دوں جس کو نہ تو میں خود کرنا چاہتا ہوں اور نہ ہی پسند کرتا ہوں، اس طرح تو میں اللہ کے بندوں کو نصیحت کرنے والا نہیں ہوں گا، اور کہوں گا کہ لوگو! اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے اس کی مخلوق کو راضی کرنے کی ہرگز کوشش نہ کرنا۔ پھر آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ ❶

محمد بن الحنفیہ خاندانِ اہلِ بیت کے ایک ممتاز فرد تھے۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ:

((الحسن والحسین افضل منی وانا اعلم منهما.)) ❷

''حسن اور حسین رضی اللہ عنہما مجھ سے افضل ہیں لیکن میں علم میں ان دونوں سے زیادہ ہوں۔''

ایسے ممتاز فرد کی یہ شہادت یزید کی زندگی کے تمام گوشوں کو اجاگر کر دیتی ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ کی کتابوں میں بھی مرقوم ہے کہ ہر قابل تعریف خصلت یزید میں پائی جاتی تھی۔ شجاعت و بہادری، حسن المعاشرت اور مملکت کے انتظامی امور میں نہایت صائب الرائے اور علم و عمل کی ہر خوبی اس میں پائی جاتی تھی۔

یہ درست ہے کہ یزید کی موجودگی میں بہت سے صحابہ اور صحابہ زادے موجود تھے جو یزید سے افضل تھے۔ چاہیے تھا کہ انھیں ولی عہد بنایا جاتا، لیکن یہ بات اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ کاروبارِ حکومت چلانے کی اہلیت اور شئے ہے اور تقویٰ اور پاکیزگی دوسری چیز۔ اس وقت صحابہ کرامؓ اور ان کی اولاد میں سے جتنے لوگ بھی موجود تھے، ان میں ایسا کوئی بھی نہیں تھا جو کاروبار حکومت چلانے میں اتنا ماہر اور پختہ کار ہو جتنا یزید ماہر تھا۔ مؤرخین کے بیان کے مطابق متواتر سات سال تک بازنطینی حکومت کے خلاف بحری اور بری جنگوں میں اس نے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ کریم النفس، حلیم الطبع،

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۲۳۳/۸، ۲۱۸۔ انساب الاشراف بلاذری: ۱۱۸/۳.

❷ الاعلام زرکلی: ۱۸۲/۷۔ عمدة الطالب فی المناقب آل ابی طالب، ص: ۳۴۷.

Marfat.com

انتظامی امور میں فکری اور ذہنی خوبیوں کا حامل تھا۔ خاندانی نجابت، ذہنی اور عملی شرافت اس کی خاص صفات میں سے تھیں۔ ماں کے پیٹ سے چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوا۔ آنکھ کھولی ہی تھی کہ باپ کو شام جیسے سرحدی صوبے کا والی اور گورنر پایا۔ خود باپ میں سیادت و سرداری کی صفات سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے زیادہ تھیں۔ ❶ باپ نے حسنِ تربیت سے وہ ساری خوبیاں بیٹے میں پیدا کیں جو ایک منتظم اور حکمران کے لیے ہونی ضروری ہیں۔ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کتنے بزرگ صحابی ہیں، سنتِ نبوی کی اتباع میں اپنی مثال آپ تھے۔ علم و فضل کے لحاظ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ''شیخ الصحابۃ'' کے لقب سے مشہور تھے لیکن انتظامی امور میں وہ ملکہ نہیں تھا جو ہونا چاہیے۔ یہی حال دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔ یہ سب لوگ یزید سے افضل تھے لیکن علماء نے افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ الماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مفضول کی امامت افضل کے ہوتے ہوئے جائز ہے اور اس کی بیعت درست ہے۔ لیکن اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ مفضول میں امامت کی شروط میں کوتاہی نہ پائی جائے۔'' ❷ علامہ الماوردی مزید لکھتے ہیں کہ:

> ''اگر منصب یافتہ شخص امامت کی صفات کا حامل ہو تو عہدہ دینا جائز ہے اگرچہ وہ باپ ہو یا بیٹا، کیوں کہ کسی کو صرف عہدہ عطا کر دینے سے وہ عہدیدار نہیں بن جاتا بلکہ وہ اسی وقت عہدیدار کہلانے کا حق دار ہوگا جب مسلمان اسے اس عہدہ کے لیے قبول کریں۔'' ❸

حکومت کے لیے زاہد و متقی کی اتنی ضرورت نہیں (اگرچہ خلیفۂ وقت میں زُہد و اتقاء کا پایا جانا بھی ضروری ہے) جتنی انتظامی امور کی صلاحیت اور عزم و شجاعت کی اہلیت کی۔ یہی وجہ تھی کہ اگرچہ امت میں سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے زیادہ زاہد شب زندہ دار، صائم الدہر اور سنت نبوی کے متبع موجود تھے لیکن کاروبار خلافت چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو خوبیاں ان میں ودیعت کی تھیں وہ نہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جیسے شب زندہ دار میں تھیں اور نہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جیسے متبع سنت میں، نہ ابن عباس رضی اللہ عنہما جیسے ترجمان القرآن میں، اور نہ قرآن کو بہترین انداز میں پڑھنے والے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ میں، نہ ابوعبیدہ جیسے امین الامت میں تھیں اور نہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے ''سیف من سیوف اللہ'' میں۔ کاروبار خلافت

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۸/۱۳۵.

❷ الاحکام السلطانیہ، ص: ۹.

❸ الاحکام السلطانیہ، ص: ۹.

Marfat.com

چلانے میں "اشدھم فی امر اللہ عمر" کی ضرورت تھی۔ خود سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آپ سے افضل صحابی موجود تھے لیکن نظامِ حکومت چلانے میں جن صفات کی ضرورت تھی، وہ کسی اور میں نہیں تھی۔ چنانچہ انھوں نے نہایت احسن طریق سے ایک ہی علاقہ میں بیس سال گورنری کے فرائض انجام دیے اور بیس سال پوری اسلامی مملکت میں خلافت کے فرائض انجام دیے اور کوئی شخص ان کی حکومت کے بارے میں انگلی نہیں اٹھا سکا۔ یہی وجہ تھی کہ جب سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے کاروبارِ حکومت ان کو سونپ دیا تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جن میں عشرہ مبشرہ کے حضرات بھی شامل تھے اور بیعت عقبہ اور بیعتِ شجرہ کے سند یافتہ بھی، بے چون و چرا ان کی بیعت فرمالی اور کسی نے ان پر ایک معمولی سا اعتراض بھی نہیں کیا۔ خود سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اس کمزوری کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا بلکہ آپ نے خلیفہ کی صفاتِ ضروریہ کا اظہار بھی فرمادیا۔ فرمایا:

> ''اے لوگو! میں تم سب سے بہتر نہیں ہوں بلکہ تم میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما جیسے کئی حضرات مجھ سے افضل ہیں، لیکن امید ہے کہ میں حکومت کے اعتبار سے ان سے زیادہ سودمند ثابت ہوں گا، اور آپ کے دشمنوں کے لیے زیادہ تکلیف دہ اور مالی لحاظ سے بھی زیادہ نفع بخش ثابت ہوں گا۔'' ❶

معلوم ہوا کہ حکومت چلانے کے لیے الگ صفات ہیں جو بعض دفعہ بڑے بڑے صاحب تقویٰ بزرگوں میں بھی نہیں پائی جاتیں۔ سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کا زُہد و تقویٰ میں کس قدر بلند مقام ہے۔ آپ کی زاہدانہ زندگی کو دیکھ کر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

((من سره ان ينظر الىٰ زهد عيسىٰ فلينظر الىٰ ابى ذر.)) ❷

''جو زہدِ عیسیٰ کو دیکھنا چاہتا ہے وہ ابوذر رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔''

آپ کی یہی زاہدانہ زندگی آخری لمحات تک رہی اور اس میں کوئی فرق نہ آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے انتقال کے بعد بہت سے لوگوں میں کئی تبدیلیاں پیدا ہوگئیں لیکن سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ شروع سے آخر تک ایک ہی رنگ پر قائم رہے۔ ❸

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۱۳۴/۸۔ تاریخ الاسلام ذہبی: ۳۲۲/۲.

❷ طبقات ابن سعد: ۲۲۸/۴۔ اسد الغابہ: ۱۸۷/۵۔ الاستیعاب تذکرۃ ابی ذرؓ. ❸ الاصابہ: ۶۲/۷.

Marfat.com

ابواسماء فرماتے ہیں کہ میں اس زمانہ میں سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا جب وہ ربذہ میں مقیم تھے۔ اس وقت ان کی اہلیہ نہایت خستہ حالت میں ان کے پاس موجود تھیں۔ آپ نے فرمایا تم دیکھتے ہو یہ مجھے کیا حکم دیتی ہے کہ میں عراق جاؤں۔ اگر میں عراق جاؤں تو عراق والے میرے سامنے دنیا پیش کریں گے اور میرے دوست (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ سے فرمایا تھا کہ جہنم کے پل کے سامنے ایک راستہ ہے جو قدموں کو پھسلا دیتا ہے، اور ہمیں اس پر سے گزرنا ہے۔ اس وجہ سے ہمیں دنیا کے بکھیڑوں کے باردوش سے سبک دوش رہنا چاہیے۔ ❶

علم کا یہ حال تھا کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ جیسے علم و فضل کے مجمع البحرین آپ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے ابوذر رضی اللہ عنہ نے اتنا علم محفوظ کرلیا ہے کہ لوگ اس کے حاصل کرنے سے عاجز ہیں اور اس ہتھیلی کو اس طرح بند کردیا کہ اس میں سے کچھ بھی کم نہ ہوا۔ ❷

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کا علم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے برابر ہے۔ ❸ اور وہ خود اپنے متعلق فرماتے تھے کہ ''ہر شئے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کرتا تھا حتیٰ کہ کنکری کے متعلق بھی پوچھتا تھا۔'' ❹ لیکن یہی ابوذر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ امارت کی خواہش کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں: ''ابوذر! امارت کا بار بہت بھاری ہے اور تم کمزور و ناتواں ہونے کی وجہ سے اس کے متحمل نہیں ہوسکتے جس سے قیامت کے روز سوائے رسوائی اور ذلت کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ❺

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''ابوذر! میں دیکھتا ہوں کہ تو بہت کمزور ہے اور میں تیرے لیے بھی وہی کچھ پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں۔ اگر دو آدمیوں پر بھی تمھیں امیر مقرر کیا جائے تو اسے قبول نہ کرنا، اور کسی یتیم کے مال کا متولی بھی نہ بننا۔'' ❻

اس ساری بحث کا ماحصل یہ ہے کہ یزید اگرچہ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیّدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہم سے زہد و تقویٰ اور نیکی میں کم تھا لیکن حکمرانی اور جہاں بانی کی

---

❶ سیر اعلام النبلاء: ۲/۷۳۔ مسند احمد: ۵/۱۹۵، رجاله ثقات.

❷ الاستیعاب: ۲/۶۶۵.

❸ تذکرة الحفاظ ذهبی: ۱/۱۵.

❹ مسند احمد: ۵/۱۶۳.

❺ طبقات ابن سعد: ۴/۱۷۰.

❻ تاریخ الاسلام ذهبی: ۲/۱۱۱.

Marfat.com

صفات اس میں دوسروں کے مقابلہ میں شاید زیادہ ہی تھیں کیوں کہ بچپن ہی میں امارت کے سایے میں تربیت حاصل کی تھی اور کئی سال تک تجرباتی میدان میں سرگرمِ عمل رہا۔ یہی وجہ تھی کہ جب ولی عہدی کے لیے اس کا نام تجویز کیا گیا تو سب نے بلا اختلاف اس کو قبول کرلیا اور بقول علامہ ابن خلدون یزید کی ولی عہدی کے اتفاقی مسئلہ سے اگر کسی نے اختلاف کیا تو وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما تھے، اور اجماع و اتفاق کے مقابلہ میں ایک شخص کے اختلاف کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ ❶

اور حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جس اہتمام سے یزید کی بیعت لوگوں نے بغیر کسی اختلاف کے کی اس اہتمام سے کسی ماقبل خلیفہ کی بیعت آج تک نہیں ہوئی۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

((فالتقت البیعة لیزید فی سائر البلاد و وفدت الوفود من سائر الاقالیم الیٰ یزید..... .)) ❷

''حکومت اسلامیہ کے تمام شہروں میں یزید کی بیعت بلا اختلاف کی گئی اور ملک کے تمام صوبوں سے (بیعت کے لیے) یزید کے پاس وفود آئے.....الخ''

چنانچہ دمشق کے لوگوں کے علاوہ تمام صوبوں سے مختلف قبائل کے سرداروں کے وفود آئے۔ بلادشام سے ضحاک بن قیس الفہری، ثور بن معن السلمی ❸ عبداللہ بن عضاۃ الاشعری اور عبداللہ بن مسعدہ الفزاری، عبدالرحمٰن بن عثمان الثقفی، حسان بن مالک بن بحدل الکلبی ❹ وغیرہ اور مدینہ طیبہ سے عمرو بن حزم الانصاری، اہلِ بصرہ سے احنف بن قیس التمیمی وغیرہ اپنے وفود کے ساتھ آئے اور یزید کی بیعت کی۔ ان اکابر نے نہ صرف بیعت کی بلکہ اس بات کی تحسین کی کہ مسلمانوں کو خون ریزی سے بچانے اور مسلمانوں میں الفت و محبت کے جذبات پیدا کرنے کا یہ بہترین طریقہ اور ذریعہ ہے۔ ❺

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک کثیر تعداد نے جو حجاز، شام، بصرہ اور کوفہ میں تھی، نہ از خود یزید کے خلاف خروج کیا اور نہ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر جنگ کی حالانکہ اس زمانہ میں صحابہ کے علاوہ خود اہلِ بیت نبوت کے گھر کے کئی حضرات ایسے تھے جنھوں نے اپنی آنکھوں سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

❶ مقدمه ابن خلدون، ص: ٢٤١.
❷ البدایه والنهایه: ٨/ ٨٠.
❸ مختصر تاریخ دمشق: ٣٨٦/٣.
❹ مواقف المعارضة فی خلافة یزید، ص: ٨٩.
❺ مواقف المعارضة فی خلافة یزید، ص: ٩٠.

Marfat.com

رُوئے انور کی زیارت کی تھی، لیکن سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کا کسی نے ساتھ نہ دیا، نہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے، نہ محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ نے اور نہ ہی عمر بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے۔

چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے:

((وقد كان فى ذالك العصر كثير من الصحابة بالحجاز والشام والبصرة والكوفة ومصر وكلهم لم يخرج على يزيد ولا وحده ولا مع الحسين .)) ❶

''اس زمانہ میں صحابہ کی ایک کثیر تعداد شام، حجاز، بصرہ، کوفہ اور مصر میں موجود تھی۔ ان میں سے کسی نے بھی یزید کے خلاف آواز نہ اٹھائی نہ تو از خود اور نہ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی معیت میں۔''

البتہ اس زمانے میں ایک صحابی ایسے تھے جو جہاں بانی کے اصولوں سے بخوبی آشنا تھے اور وہ تھے سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح ایران، لیکن وہ ان دنوں اپنی زندگی کی بالکل آخری منزلوں میں تھے، اور سیاسی دنیا سے یک قلم ریٹائرڈ ہو کر گوشہ نشین ہو چکے تھے۔

بیٹے کی نامزدگی:

ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اوّل تو اسلام میں ولی عہدی ہے ہی نہیں، اور اگر ہے بھی تو بیٹے کو ولی عہد مقرر کرنا تو بالکل جائز نہیں؟ اسلام میں ولی عہدی تو جائز ہی ہے بلکہ اسلام میں خود اپنے لیے امارت کا عہدہ مانگنا بھی سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے عمل سے جائز معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ روایات میں ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی تدفین کے بعد خود سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اپنی بیعت کی طرف دعوت دی اس پر لوگوں نے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔

((ثم انصرف الحسن بن على من دفنه فدعا الناس الىٰ بيعته فبايعوه .)) ❷

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ باپ کے بعد بیٹا بھی خلیفہ ہو سکتا ہے۔ باپ اگر نہ بھی بیٹے کو ولی عہد

---

❶ طبقات ابن سعد: ٣/٢٥.

❷ طبری: ٦/٨٥۔ ابن اثیر: ٣/١٩٦۔ مروج الذهب: ٣/٤٢.

Marfat.com

مقرر کرے بیٹا پھر بھی اپنی مرضی سے اپنے لیے بیعت لے سکتا ہے جیسا کہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے لی۔
روایات میں ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ جب زخمی حالت میں تھے اور لوگوں کو ان کے جانبر ہونے کی امید نہ تھی تو کئی ایک حضرات نے ان سے پوچھا کہ آپ کے بعد کس کو خلیفہ بنائیں؟ بعض حضرات نے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کا نام لے کر کہا کہ آپ کے بعد کیا ہم ان کے ہاتھ پر بیعت کرلیں؟ آپ نے یہ نہیں کہا کہ باپ کے بعد تو بیٹا خلیفہ نہیں ہوسکتا، بلکہ جواب میں ارشاد فرمایا:

((وما امرکم ولا انهاکم انتم ابصر.)) ❶

''میں نہ تم کو اس بات کا حکم دیتا ہوں اور نہ ہی (سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے سے) روکتا ہوں۔ تم اس بارے میں زیادہ بہتر جانتے ہو۔''

اس سے معلوم ہوا کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی باپ کے بعد بیٹا خلیفہ ہوسکتا تھا، وگرنہ وہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کی تجویز کو مسترد فرما دیتے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا اسلام میں ولی عہدی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب علامہ ابنِ خلدون نے اپنے شہرۂ آفاق مقدمہ تاریخ میں دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

''امام ولی امت ہوتا ہے اور اس کا امین بھی، جو اپنی پوری زندگی میں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا لحاظ رکھتا ہے، اور اس کے مرنے کے بعد جو حالات پیش آنے والے ہوتے ہیں، ان کا انتظام بھی حسب طاقت وہ اپنی زندگی ہی میں کر جاتا ہے۔ وہ یہ کہ مثلاً امت کی غور و پرداخت کے لیے ایک ایسا جانشین مقرر کر جاتا ہے جس پر امت کو ایسا ہی اعتماد اور بھروسا ہوتا ہے جس طرح اس پر تھا اور شریعت میں اجماع امت سے اس عمل (ولی عہد مقرر کرنے) کا جواز ثابت ہے کیوں کہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتماع میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین اور ولی عہد مقرر فرمایا تھا۔ جس کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جائز رکھا اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اطاعت و پیروی اپنے اوپر لازم قرار دی۔ اسی طرح سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل ولی عہدی کے مسئلہ کے متعلق فرمایا کہ عشرہ مبشرہ میں سے مسلمانوں کے لیے کوئی بھی امام منتخب کرلیں.....
اب جس مجمع میں یہ مسئلہ انتخاب طے پایا اس میں وہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے

Marfat.com

جو شیخین سے بیعت کر چکے تھے۔ ان میں سے کسی نے اس مسئلہ ولی عہدی اور جانشینی پر اعتراض نہیں کیا بلکہ خاموش رہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ باتفاق رائے اس طریق جانشینی کے جواز کے قائل تھے اور اس کی مشروعیت کو پہلے ہی سے جانتے تھے۔''[1]

علامہ ابن خلدون کے اس اقتباس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ کہنا کہ ''اسلام میں ولی عہدی ہے ہی نہیں''، اسلام سے جہالت کی دلیل ہے۔

اب رہا دوسرا مسئلہ کہ ''بیٹے کو ولی عہد مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟'' اس کا جواب بھی مؤرخ اسلام علامہ ابن خلدون اندلسی ہی سے سنیے۔ علامہ فرماتے ہیں:

''اب اگر امام اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر کر دے تو ہم اس پر بدگمانی نہیں کر سکتے، اور اس معاملہ میں اس کو متہم نہیں کر سکتے کیوں کہ جب وہ اپنی زندگی میں سارے امور اور معاملات میں قابل اعتماد مانا گیا ہے تو وہ اپنی زندگی کے بعد کے معاملات میں بھی جو فیصلے دے گیا ہو، ان میں بھی کچھ ہم کو اس پر بدگمانی نہیں کرنی چاہیے اور اس پر کوئی اتہام نہیں لگانا چاہیے۔ یہ بات ان لوگوں کے مذہب کے خلاف ہے جو کہتے ہیں کہ امام کا اپنے باپ یا بیٹے کو ولی عہد مقرر کرنا باعثِ اتہام ہے، یا جو صرف بیٹے کو ولی عہد بنانا اتہام کا سبب جانتے ہیں، اور حقیقت میں یہ عمل بدگمانی اور بدظنی سے بہت دور ہے خصوصاً جب کہ کوئی خاص مصلحت اس کی داعی ہو یا کسی خاص فتنہ وفساد سے تحفظ کے لیے یہ کیا گیا ہو تو ایسے وقت تو بدظنی کی سرے سے گنجائش نہیں ہوتی جیسا کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنایا تو ان کے اس فعل پر بنی امیہ کے اربابِ حل وعقد کا اتفاق ان کے لیے کافی حجت تھا، اور پھر ان کو یوں بھی متہم نہیں کیا جا سکتا کہ ان کا یزید کو ترجیح دینا امت میں اتحاد واتفاق قائم کرنے کی مصلحت کے پیشِ نظر تھا، اور یہ حقیقت ہے کہ بنوامیہ اس وقت یزید کے سوا اور کسی کی ولی عہدی پر متفق نہیں ہو سکتے تھے کیوں کہ اہلِ حل وعقد عموماً بنوامیہ میں سے تھے اور بنوامیہ اس وقت اپنے سے باہر کسی اور کی خلافت پر راضی نہیں ہو سکتے تھے اور وہ قریش

---

[1] مقدمہ ابن خلدون، ص: ۲۴۰.

Marfat.com

اور تمام مسلمانوں کی عصبیت اپنی پشت پناہی میں رکھتے تھے۔ خود بھی باشوکت تھے اور دوسروں پر بھی بااثر، انھی نزاکتوں کے پیشِ نظر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اور بہتر لوگوں کو چھوڑ کر خلافت کے لیے یزید کا انتخاب کیا اور افضل و بہتر کو چھوڑ کر مفضول کو مسندِ خلافت پر لائے تاکہ مسلمانوں کا باہمی اتفاق واتحاد اور ان کی رائے میں یک جہتی کہیں ہاتھ سے نہ جاتی رہے جس کی بقا کو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت سی اہمیت دی ہے۔ قطع نظر اس کے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں کوئی بدگمانی نہیں کی جاسکتی کیوں کہ آپ کی صحابیت اور صحابیت کا مسلمہ لازمہ عدالت ہر قسم کی بدگمانی سے مانع ہے۔ مزید برآں آپ کے اس فعل کے وقت اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی اور ان کا ان کے بارہ میں مکمل سکوت اس بات کی بین دلیل ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہر قسم کی بدگمانی سے مبرا ہیں اور ان کی نیت میں کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ نہ تو صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کی وہ شخصیتیں ایسی تھیں کہ حق کے اظہار سے خاموش رہتے اور کسی قسم کی چشم پوشی کے روادار ہوتے، اور نہ ہی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس مزاج کے تھے کہ وہ عزت اور شان مملکت کی خاطر حق کو قبول کرنے سے باز رہتے۔ ان بزرگوں کی عدالت اور شان ایسی کمزوریوں سے بہت بلند تھی..... یزید کی ولی عہدی کے اتفاقی مسئلہ سے اگر کسی نے اختلاف کیا تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما تھے، مگر اجماع اور اتفاق کے مقابلہ میں شاذ و نادر اختلاف کو ظاہر ہے کہ کوئی وقعت حاصل نہیں ہوتی۔'' ❶

حقیقت یہ ہے کہ اربابِ نظر کی بصیرت یہ کام کرتی ہے کہ اگر یزید کے علاوہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کسی اور کو ولی عہد مقرر فرما دیتے تو مسلمانوں کا پچاس سالہ قصرِ خلافت یک قلم زمین بوس ہو جاتا۔ اس کے لیے ایک دفعہ پھر ابن خلدون کو نقل کیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اسی طرح سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو اپنا ولی عہد بنایا، لیکن اگر وہ ایسا نہ کرتے تو پوری خلافتِ اسلامیہ میں ایک شورش برپا ہو جاتی کیوں کہ بنوامیہ اپنے خاندان سے خلافت کے منتقل ہونے کو کسی قیمت پر گوارا کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اگر سیّدنا

---

❶ مقدمہ ابن خلدون، ص: ۲۴۰۔۲۴۱.

Marfat.com

معاویہ رضی اللہ عنہ کسی اور کو ولی عہد بناتے تو بنوامیہ خود ان پر پلٹ پڑتے، گو ان کے ساتھ پہلے سے جس قدر بھی حسن ظن ہوتا اور ان کی خوبی میں کسی کو شبہ اور شک نہ ہوتا وگرنہ اس کے برعکس سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی اور خیال کرنا عدل و انصاف کا خون کرنا ہے۔''❶

ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں:

''لہٰذا اگر معاویہ رضی اللہ عنہ عصبیت کے تقاضے کے خلاف یزید کے علاوہ کسی اور کو مسندِ خلافت پر لاتے تو ان کی خلافت کو کون قبول کرتا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ بالکل ختم ہو جاتی اور ملت اسلامیہ جس اختلاف کا شکار ہوتی، وہ بھی ارباب بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔''❷

مشہور مؤرخ علامہ محمد الخضری اس بارے میں فرماتے ہیں:

''یزید کو ولی عہد بنانا اور خلافت کو بنی امیہ میں محدود کر دینا اصلاح امت کے لیے ناگزیر تھا تاکہ امت فتنہ و فساد اور خون خرابے کا شکار ہونے سے بچ جائے کیوں کہ حلقہ انتخاب جس قدر وسیع ہوتا ہے اتنے ہی امیدوار بھی زیادہ ہوتے ہیں، اور جہاں امیدواروں کی کثرت ہو وہاں اختلاف کا رونما ہونا لازمی امر ہے۔''❸

خلاصہ یہ کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا وہ بالکل درست کیا اور مصلحتِ وقت کا تقاضا بھی یہی تھا۔ اسی وجہ سے تمام اہلِ سنت نے یزید کی خلافت کو شرعی نقطۂ نظر سے بالکل درست کہا ہے۔❹

یزید پر فسق و فجور کے اتہامات:

یزید پر فسق و فجور کے جو اتہامات لگائے جاتے ہیں وہ سراسر غلط ہیں۔ یہ سب چیزیں کچھ تو سبائی تحریک کے ورکروں نے مشہور کیں بلکہ ان لوگوں نے نہ صرف یزید بلکہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر بھی شراب نوشی کا الزام لگا دیا اور کچھ اتہامات سیّدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے دعویٰ خلافت کے وقت ان کے داعیوں نے یزید کی پوزیشن اور وقار کو ہلکا کرنے کے لیے پھیلائیں۔ یہ صرف اتہامات تھے اور

---

❶ مقدمه ابن خلدون، ص: ٢٣٥.

❷ مقدمه ابن خلدون، ص: ٢٤١.

❸ محاضرات تاريخ الامم الاسلاميه: ٤/٥٠٢.

❹ شرح فقه اكبر، ملا على قارى، ص: ٨٤۔ منهاج السنه: ٢/٢٤٠۔ جمرة الانساب، ص: ١٠٣.

Marfat.com

حقیقت سے ان باتوں کا کوئی تعلق نہیں جیسا کہ سیّدنا علیؓ کے صاحبزادے سیّدنا محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے قبل ازیں ذکر کیا جاچکا ہے۔ پھر بعد کے راویوں نے نہلے پر دہلے کا کام کیا اور ایسی غلط باتیں بیان کیں کہ الامان والحفیظ (ملاحظہ ہو: کتاب الاغانی ۱۳/ ۶۱) لیکن کسی نے بھی ان کی ان برائیوں کو جو ان کی طرف منسوب کی گئیں کسی شاہد کے حوالہ سے بیان نہیں کیا بلکہ "ایسا سنا گیا ہے" کے الفاظ کہے گئے جسے ان سبائی راویوں نے بیان کیا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے داعی یزید کو شراب پینے سے متہم کیا کرتے تھے لیکن اپنے ذاتی علم سے نہیں بلکہ کسی سنی سنائی باتوں سے۔ (ملاحظہ ہو: انساب الاشراف ٤/ ٢١)

یزید کے نیک سیرت ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم مثلاً سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، سیّدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، سیّدنا انس بن مالک، سیّدنا عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب (شوہر سیّدہ زینب بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا) عقبہ بن نافعؓ، عمرو بن ابی سلمہؓ (اُمّ المومنین سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے) عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ، سیّدنا سلمہ بن الاکوعؓ، سیّدنا کعب بن عمرو الانصاری رضی اللہ عنہ، سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، سیّدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، سیّدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا مالک بن الحویرث (رضی اللہ عنہم اجمعین) وغیرہم نے ان کی بیعت کی تھی۔ اگر یزید کا ذاتی کردار وہی ہوتا جو تاریخ کے سبائی راویوں کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے، اور یہ راوی خود فسق و فجور اور کذب و افتراء کی زندگی گزار رہے تھے، تو اتنے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کبھی بھی ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت نہ کرتے اور کبھی بھی ان کو قرون مشهود لها بالخير میں خلیفۃ المسلمین نہ بننے دیتے، اور سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور سیّدنا محمد بن الحنفیہ کبھی بھی اس کو نیک لوگوں اور صالحین میں سے شمار نہ کرتے۔ ❶ اور سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے حقیقی تایا زاد بھائی سیّدنا عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ جو اپنے تقویٰ اور پرہیزگاری میں بے مثل تھے۔ چنانچہ سنہ ۸۰ھ میں مدینہ میں وفات پائی تو اُموی گورنر ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں سے غسل دے کر کفن پہنایا اور جنازے کو کندھا دیا۔ جب جنازہ جنت البقیع کی طرف چلا تو سارے مدینہ میں کہرام مچ گیا۔ غلام گریبانوں کے ٹکڑے اڑا رہے تھے، اور عوام ہر طرف سے جنازہ پر ٹوٹے پڑتے تھے، ❷ یہ کبھی بھی اپنی صاحبزادی ام محمد کو یزید

---

❶ کتاب الانساب والاشراف: ٤/ ٤۔ الامامة السياسة، ص: ٢١٣۔ البدايه والنهايه: ٨/ ٢٢٣.

❷ اسد الغابه: ٣/ ١٣٤.

Marfat.com

کے نکاح میں نہ دیتے۔ ❶ اور خود سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ اس کی زیر قیادت جہاد قسطنطنیہ میں شمولیت نہ فرماتے۔ ❷ اور میدانِ کربلا میں سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ اس کی بیعت کرنے کے لیے تیار نہ ہو جاتے اور اس کے لیے ''امیر المومنین'' کے الفاظ استعمال نہ کرتے۔ ❸

اور پھر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی کتاب ''الزہد'' میں یزید کے بہت سے اقوال سنداً پیش نہ کرتے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے:

''جب کوئی تم میں سے بیمار پڑ جائے اور پھر صحت یاب ہو جائے تو اسے غور و فکر کرنی چاہیے کہ اس نے کون سا اچھا عمل کیا ہے۔ پس چاہیے کہ وہ اس کو لازم جانے اور یہ بھی دیکھے کہ اس نے کون سا برا عمل کیا تھا۔ پس اس کو چھوڑ دے۔'' ❹

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کر کے قاضی ابوبکر بن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''یہ بات اس کی دلیل ہے کہ امام احمد بن حنبل کے نزدیک یزید کی بہت قدر و منزلت تھی یہاں تک کہ انھوں نے اس کو زہاد صحابہ و تابعین کے زمرہ میں شامل کیا ہے جن کے اقوال کی اقتداء اور پیروی کی جاتی ہے، اور ان کے نصائح اور مواعظ سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے، اور انھوں نے تابعین کے تذکرہ سے قبل ہی صحابہ کے زمرہ میں اس کو شامل فرمایا ہے۔''

اس کے بعد قاضی ابوبکر بن العربی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

((فاینِ هذا من ذكر المؤرخون له فی الخمر وانواع الفجور، الا تستحیون؟ .)) ❺

''پس کہاں ہیں اس کے سامنے شراب اور فسق و فجور کے اتہامات جن کا ذکر مؤرخین کرتے ہیں؟ کیا ان لوگوں کو (ایسی غلط باتیں کہتے) شرم نہیں آتی۔''

---

❶ جمرة الانساب لابن حزم، ص: ٦٢.

❷ البدایه والنهایه: ١٥١/٨۔ هسٹری آف سیرا سنز انگریزی، امیر علی سیّد، ص: ٤٨۔ تاریخ زوال دومة الکبریٰ، ص: ٢٨٦ وغیره.

❸ کتاب الارشاد، شیخ مفید، ص: ٢١٢.

❹ العواصم من القواصم ص ٢٣٣.

❺ العواصم من القواصم، ص: ٢٣٣.

Marfat.com

نیکی اور صالحیت کا یہی جذبہ تھا جو اس کے رگ و ریشہ میں پیوست تھا اور حکومت کا نشہ بھی اس کو اس راستہ سے ہٹا نہ سکتا تھا۔ سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی حکومت کے حالات اور خدمتِ خلق کا جذبہ اپنے معاصرین سے سنا ہوا تھا اور دل میں خواہش تھی کہ اگر کبھی زمامِ خلافت میرے ہاتھ میں آئی تو میں بھی اسی آئیڈیل (Ideal) کی عادلانہ اور صالح حکومت چلاؤں گا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ باپ بیٹا بیٹھے ہوئے تھے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیٹے سے پوچھا: ''بیٹا! اگر تمھیں والی بنا دیا جائے تو تم کس طرح حکومت کرو گے؟ باپ کا یہ سوال صرف بیٹے کی قلبی گہرائیوں میں جھانکنے کے لیے تھا، اور یہ معلوم کرنے کے لیے تھا کہ بیٹے کے قلب میں قیصر و کسریٰ کی اتباع کا جذبہ ہے یا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی پیروی کا۔ باپ کا یہ سوال سن کر یزید نے فوراً جواب دیا:

> ''ابا جان! بخدا! میں بھی وہی کروں گا جو سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے (امت کے ساتھ) کیا تھا۔'' سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بیٹے! سبحان اللہ! بخدا میں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی اتباع کی کوشش کی لیکن اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا، پھر کہاں تم اور کہاں سیرۃ عمر رضی اللہ عنہ کی اتباع۔''

یہ جواب یزید کی قلبی صفائی اور نیک نیتی کی غمازی کرتا ہے اور ان لوگوں کی پرزور تردید کرتا ہے جو آپ پر شراب پینے اور فسق و فجور میں مبتلا ہونے کے اتہامات لگاتے ہیں۔

یہاں پر میں حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی وہ رائے بھی نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو انھوں نے یزید کے بارے میں ظاہر کی ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''یزید نہ کافر تھا نہ زندیق اور نہ ہی کبائر کا مرتکب تھا بلکہ صاحب شجاعت و بسالت اور اصول جہاں بانی و حکمرانی اور تدبیر و سیاست کا علم رکھتا تھا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تدبیر ملک و سلطنت میں اس کا مشورہ قبول کرتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ جو اس کے خلاف کوئی الزام ہو سکتا ہے تو وہ یہ کہ یزید آرام پسند تھا اور شکاری کتے پالتا تھا۔ اگر یزید کے زمانہ میں واقعہ کربلا پیش نہ آتا تو وہ لوگوں کی نظروں میں اتنا نہ گرتا۔''

وفات

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی عمر کی اٹھتر (۷۸) کے قریب منزلیں طے کر چکے تھے اور طبیعت میں

Marfat.com

کافی ضعف آ چکا تھا، لیکن اس کے باوجود آپ نے مکہ مکرمہ کا سفر اختیار کیا۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ جب آپ مقام ابواء پر پہنچے تو آپ پر مرض لقوہ کا حملہ ہوا لیکن مرض کی پروا نہ کرتے ہوئے آپ اسی حالت میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ مرض کا حملہ شدید تھا لہٰذا کچھ روز آرام فرمایا اور جب طبیعت ذرا سنبھلی تو خطبہ ارشاد فرمایا جس میں روزِ آخرت کا ذکر تھا:

''لوگو! انسانوں پر مصائب آتے ہیں اور وہ آزمائشوں میں مبتلا کیے جاتے ہیں تاکہ انھیں صبر پر اجر عطا ہو، بعض پر کسی گناہ اور معصیت کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے گرفت کی جاتی ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے آقا اور مالک کو راضی کر سکے.....

میں اس مرض میں مبتلا ہوا ہوں اور مجھ سے قبل بھی صالحین اور اچھے لوگ مرض میں مبتلا ہوئے اور میں امید کرتا ہوں کہ میں بھی ان میں سے ہو جاؤں گا، اگر مجھے معاف کر دیا جائے تو مجھ سے پہلے بھی لوگوں کو معاف کر دیا گیا اور میں معافی یافتہ لوگوں میں سے ہونے سے ناامید نہیں ہوں۔''[1]

کچھ روز مکہ مکرمہ میں قیام کرنے کے بعد آپ دمشق واپس تشریف لے گئے اور حکومت کی مصروفیات میں لگ گئے لیکن طبیعت میں اضطراب روز بروز بڑھ رہا تھا۔ چنانچہ ایک روز پھر دنیا کی بے ثباتی اور امور خلافت کے بارے میں خطبہ ارشاد فرمایا:

''لوگو! ہماری مثال ایک کھیتی کی ہے جو بوئی گئی اور پھر پکنے پر کاٹ لی گئی۔ میں تم پر ایک مدت تک حاکم اور والی رہا ہوں۔ مجھ سے پہلے والے امراء اور خلفاء مجھ سے بہتر تھے اور میرے بعد بہتر حاکم آنے کی امید نہیں (کیوں کہ زمانہ عہد نبوت سے دور ہوتا جا رہا ہے) اور کہا جاتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنا پسند کرتا ہے حق تعالیٰ شانہ بھی اس کی ملاقات کو پسند فرماتے ہیں۔'' پھر فرمایا: ''اے اللہ! میں تیری ملاقات کو پسند کرتا ہوں تو بھی میری ملاقات کو پسند فرما۔''[2]

---

[1] انساب الاشراف ٤/ ٢٤، تطهير الجنان، ص: ٢٤.

[2] البدايه والنهايه: ٨/ ١٤١.

Marfat.com

طبیعت روز بروز کمزور اور مضمحل ہو رہی تھی اور آپ سمجھ رہے تھے کہ اب موت کا بلاوا آنے ہی والا ہے۔ اسی روز کے لیے آپ نے کچھ تبرکات رکھے ہوئے تھے۔ ان میں کچھ تو سرکار دو عالم ﷺ کے موئے مبارک تھے جو آپ نے تبرک کے طور پر رکھے ہوئے تھے۔ یہ شاید ان میں سے تھے جو آپ نے ایک دفعہ سرکار دو عالم ﷺ کے مشقص کے ساتھ کاٹے تھے۔ ❶ کچھ سرور دو عالم ﷺ کے ناخن مبارک رکھے ہوئے تھے۔ ❷

آپ نے وصیت فرمائی کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ناخنوں کے تراشوں اور موئے مبارک کو میرے منہ، ناک، آنکھوں اور کانوں میں ڈال دیا جائے۔ ❸

ایک مرتبہ آپ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے اور حضور ﷺ کو وضو کروانے کی سعادت آپ نے حاصل کی۔ خود فرماتے ہیں کہ آپؓ نے ازراہِ شفقت و محبت سے ارشاد فرمایا:

> ''معاویہ رضی اللہ عنہ میں تمھیں ایک قمیص نہ پہناؤں؟'' فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی: ''میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، ضرور عنایت فرمائیں۔ چنانچہ آپؓ نے مجھے اپنی قمیص مبارک اتار کر پہنائی۔ میں نے وہ قمیص کچھ دیر پہنی اور پھر اس کو اپنے پاس سنبھال کر رکھ لیا۔'' ❹

یہ قمیص آپ نے اس روز کے لیے ہی سنبھال کر رکھی ہوئی تھی، لہٰذا وصیت فرمائی کہ یہ قمیص جو میرے پاس محفوظ ہے اس کو میرے کفن کے اندر رکھ دیا جائے اور یہ میرے جسم کے ساتھ لگی ہوئی ہو۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے مجھ پر رحم فرمائیں گے۔

یہاں غور کرنے کا مقام ہے کہ جس شخص کو سرکار دو عالم ﷺ کی ان چیزوں سے اتنی محبت ہو کہ ان کو اپنی بخشش کا ذریعہ سمجھ رہا ہو تو کیا اس شخص کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے متعلقین سے محبت نہ ہوگی؟ یقیناً ہوگی اور تھی بھی، لیکن ایک خاص گروہ نے صدیوں سے ان کے خلاف اتنا پراپیگنڈہ کیا کہ حقیقت خرافات میں کھو گئی بلکہ اب تو بعض نام نہاد سنی بھی اس گروہ کے ہم نوا ہو گئے ہیں۔

---

❶ بخاری: ۲۳۳/۱، رقم: ۱۷۳۰. ❷ انساب الاشراف: ۱۳۱/٤.
❸ تهذيب الاسماء واللغات للنووی: ۱۰۲/۲۔ تاریخ الاسلام ذهبی: ۳۲۳/۲۔ طبری: ٤۲٥/٦.
❹ انساب الاشراف: ۱۳۱/٤۔ تاریخ الاسلام: ۳۲۳/۲.

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب چیزوں کی بابت ذوق وشوق اور عقیدت کے بارے میں علمائے تراجم نے لکھا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے عہد مبارک میں ایک مشہور شاعر کعب بن زہیر تھے۔ اسلام لانے سے قبل انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی ایک ہجو لکھی تھی۔ اس زمانہ میں شعر و شاعری آج کل کے میڈیا کا کام کرتی تھی۔ شاعر کسی کی تعریف یا ہجو لکھتا تو اس کو قریہ قریہ جا کر سناتا اور اس کے منہ سے کسی کی تحسین یا ہجو سن کر لوگ اس کے بارے میں اپنی رائے قائم کرتے۔ زمانۂ کفر میں کعب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجو کی تھی لیکن جب وہ مشرف بہ اسلام ہوئے تو پھر ایک قصیدہ لکھ کر حضور ﷺ کی خدمت میں لائے اور آپؐ کو سنایا۔ آپؐ نے کمال شفقت فرماتے ہوئے کعب بن زہیر کو اپنی وہ چادر عطا فرمائی جو اس وقت آپ نے اوڑھی ہوئی تھی۔ یہ چادر سیّدنا کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھی۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں اسے دس ہزار درہم میں خریدنے کی بڑی کوشش کی لیکن کعب نے یہ مبارک چادر فروخت کرنے سے یک قلم انکار کر دیا۔ جب سیّدنا کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو اس وقت سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ چادر ان کے ورثاء سے بیس ہزار درہم میں خرید لی۔ یہ وہی چادر تھی جس کو خلفائے بنی امیہ اور پھر خلفائے بنی عباس تبرک کے طور پر عیدین اور دوسرے کئی اہم موقعوں پر اوڑھتے تھے۔ ❶

اس سے بھی زیادہ محبت کا واقعہ مؤرخین نے نقل فرمایا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک شخص کابس بن ربیعہ السامی بصرہ میں رہتے تھے۔ ان کی شکل سرکار دو عالمؐ کے مشابہ تھی۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب اس شخص کی اس خصوصیت کا علم ہوا تو فوری طور پر بصرہ کے گورنر عامر عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ کابس بن ربیعہ کو فوری طور پر میرے پاس بھیج دیں۔ چنانچہ انھوں نے کابس کو بطور وفد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ کابس جب سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو آپ نے نہایت احترام کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور فرطِ عقیدت سے اپنی مسند سے نیچے اترے اور اس کی پیشانی کو نہایت محبت و تکریم سے بوسہ دیا۔ کچھ روز اپنے پاس رکھا۔ پھر اس کے لیے مرو کے علاقہ میں ایک قطعۂ اراضی عطا فرمایا جس کو ''المرغاب'' کہتے تھے تاکہ وہ نہایت اچھے طریقے سے اپنی گزر اوقات کر سکے۔ ❷

---

❶ سيرة حلبيه: ٢/٢٤٢۔ الاصابه: ٣/٢٧٩۔ اسد الغابه: ١/٢٤١.

❷ كتاب المجرلابى جعفر، ص: ١٦، ١٧۔ نسيم الرياض شرح الشفاء: ٣/٤٦٢.

Marfat.com

اس کے بعد حکومت کے بارے میں کچھ وصیتیں فرمائیں، خصوصی طور پر رومیوں کے بارے میں فرمایا:

''رومیوں کے گلے کو خوب دبا کر رکھنا اور ان پر خوب کنٹرول رکھنا کیوں کہ اس سے دوسری اقوام پر نظم وضبط قائم رکھا جا سکے گا۔'' ❶

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ساری زندگی اسلام کی ترقی اور احیاء کے لیے صرف کی تھی اور ایک وسیع علاقے میں اسلامی حکومت قائم کی تھی جو بقول حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ خراسان سے لے کر مغرب میں بلاد افریقہ تک اور قبرص سے لے کر یمن تک پھیلی ہوئی تھی۔ ❷ اس کو بغیر وصیت کے کیسے چھوڑ سکتے تھے۔ پھر اپنے ولی عہد یزید کو وصیت فرمائی، تاریخ میں رقم ہے کہ یزید اس وقت دمشق میں موجود نہیں تھا بلکہ کسی فوجی مہم پر تھا۔ لہٰذا ضحاک بن قیس الفہری اور پولیس انسپکٹر جنرل مسلم بن عقبہ المری دونوں کو بلا کر یزید کے بارے میں وصیتیں کیں جن میں حجاز، شام اور عراق کے لوگوں کے بارے میں بھی وصیتیں تھیں اور سیّدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ، سیّدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، سیّدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں خصوصی وصیتیں فرمائیں کہ ان سب حضرات کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کرنا۔ ان کی زیادتیوں کو بھی برداشت کرنا اور سیّدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربت کا خاص طور پر لحاظ رکھنا۔ اگرچہ عراق کے لوگ جنھوں نے ان کے والد کو شہید کیا اور ان کے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کو رسوا کیا، وہ ہوسکتا ہے کہ انھیں تمھارے خلاف ابھاریں گے، ہوسکتا ہے کہ وہ برسرِ پیکار بھی ہو جائیں۔ اگر تمھیں ان پر قدرت حاصل ہو تو عفو و درگزر سے کام لینا۔ ❸

اس بارے میں کچھ اور بھی وصیتیں ہیں جن کو طبری وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ ❹

بیماری کے دوران بعض اوقات غنودگی طاری ہو جاتی۔ پھر کچھ افاقہ ہوا تو جو لوگ اس وقت موجود تھے، ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا۔ جس شخص نے تقویٰ اختیار کیا اللہ تعالیٰ اس کو بڑے بڑے حادثات سے بچا لیتا ہے، اور جو اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہو گیا اس کے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ ❺

---

❶ تاریخ خلیفه بن خیاط: ۱/ ۲۲۰. ❷ منهاج السنه: ۳/ ۱۸۶.

❸ طبری: ۶/ ۲۴۱۔ الوصیة السیاسة فی العصر العباسی، حقی اسماعیل، ص: ۴۶.

❹ طبری: ۶/ ۲۴۱. ❺ البدایه والنهایه: ۸/ ۱۴۲.

Marfat.com

ایک وصیت آپ نے یہ بھی فرمائی کہ میرے ذاتی اموال کا نصف بیت المال میں داخل کر دیا جائے، کیوں کہ سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آخری وقت میں اپنا مال تقسیم کر دیا تھا۔ ❶

تمام وصایا اور ہدایات دینے کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ آپ کی طبیعت کچھ زیادہ ہی مضمحل اور کمزور ہو رہی ہے۔ لمحہ بہ لمحہ کمزوری اور نقاہت بڑھ رہی تھی، موت ہر ایک کو آنی ہے اور اس کا وقت بھی مقرر ہے۔ چنانچہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا وقت مقرر بھی آ پہنچا۔ آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور آپ فرما رہے تھے۔ ''اے اللہ! تو نے اپنی کتاب قرآنِ حکیم میں فرمایا ہے کہ ''بے شک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کے ساتھ شرک کرے اور بخشتا ہے اس کے نیچے نیچے کے گناہ جس کے چاہے۔'' (النساء:۴۸) اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے کر دے جن کی تو بخشش فرماتا ہے۔'' ❷ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس وقت یہ دعا کی ''اے اللہ! میں تیری ملاقات کو پسند کرتا ہوں تو بھی میری ملاقات کو پسند فرما۔ ❸ یہ دعا مانگ رہے تھے کہ یہ کوہ استقامت اور عزم و ہمت کا پیکر حاضرین کی موجودگی میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون رحم اللہ معاویہ رضی اللہ عنہ۔

صحابی رسول سیّدنا ضحاک بن قیس الفہری رضی اللہ عنہ آپ کے معتمدین میں سے تھے۔ آپ کفن ہاتھ میں لیے باہر نکلے اور لوگوں کو بتایا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ آپ تمام عرب کے لیے شہر پناہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کو ختم کیا اور بہت سے ممالک ان کی زیر قیادت و سیادت فتح ہو کر اسلامی قلم رو میں داخل ہوئے۔ اب ہم ان کو اس کفن میں دفن کریں گے۔'' ❹

یہ سننا تھا کہ لوگوں پر ایک بجلی سی کوند گئی۔ ہر آنکھ اشک بار اور ہر دل غم زدہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ سیّدنا ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ نے اسی وقت ایک قاصد کے ذریعے یزید کو اطلاع بھجوائی اور جلدی دار الخلافہ پہنچنے کے لیے کہا، کیوں کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے بھی ایک وصیت فرمائی تھی۔ یزید اس وقت دار الخلافت سے باہر ''حوارین'' میں تھا آپ نے سیّدنا

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۱۴۱/۸۔ ابن اثیر: ۲۶۰/۳۔ انساب الاشراف: ۲۲/۴.

❷ البدایہ والنہایہ: ۱۴۲/۸.

❸ تاریخ ابن خلدون: ۲۱/۲.

❹ البدایہ والنہایہ: ۱۴۲/۸۔ طبری: ۱۸۲/۶.

Marfat.com

ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ اور مسلم بن عقبہ کو فرمایا تھا کہ یہ وصیت یزید تک پہنچا دی جائے۔

وصیت کے مطابق آپ کی تجہیز و تکفین کی گئی اور تمام تبرکات (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک، ناخن مبارک کے تراشے اور آپ کی قمیص مبارک) کفن میں شامل کیے گئے۔ تجہیز و تکفین کے بعد سیّدنا ضحاک بن قیس الفہری رضی اللہ عنہ نے نماز ظہر کے بعد دمشق کی جامع مسجد میں آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور دمشق کے دارالامارۃ میں اور بقول حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ باب الجابیہ اور باب صغیر کے درمیان دفن کیا گیا، لیکن جمہور مؤرخین کے نزدیک آپ کو بابِ صغیر کے قریب قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ ❶

تاریخ وفات میں مؤرخین کے نزدیک اختلاف ہے۔ زیادہ مشہور ۲۲ رجب سنہ ۶۰ھ ہے۔ ❷

وفات کے وقت عمر مبارک ۷۸ سال تھی۔ ❸

گورنری کی مدت ۲۴ سال اور مدت خلافت ۱۹ سال ۴ ماہ اور بقول یعقوبی ۱۹ سال آٹھ ماہ تھی۔ ❹

خلیفہ بن خیاط نے مدتِ خلافت ۱۹ سال ۳ ماہ اور ۲۰ دن بیان کی ہے۔ ❺

عامر بن مسعود الجہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم مسجد میں تھے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر ہمیں پہنچی۔ ہم اسی وقت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ اس وقت بیٹھے ہوئے تھے اور دستر خوان بچھ چکا تھا اور چند اشخاص بھی اس وقت آپ کے پاس موجود تھے، لیکن ابھی تک کھانا نہیں رکھا گیا تھا۔ ہم نے کہا: ''ابن عباس! آپ کو اس خبر کا علم ہے؟'' فرمایا: ''کون سی؟'' ہم نے کہا کہ ''معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا ہے۔'' یہ خبر سنتے ہی آپ نے فرمایا: ''دستر خوان اٹھا لو اور پھر کچھ دیر ساکن و ساکت گردن نیچے جھکائے بیٹھے رہے۔ پھر فرمایا: ''وہ ایک پہاڑ تھا جو اپنی جگہ سے ہلا اور ریزہ ریزہ ہو کر سمندر میں گر گیا۔'' ❻

آپ کی انگوٹھی کا نقش تھا "کل عمل ثواب" اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ "لا قوۃ الا باللہ" تھا۔

ازواج و اولاد:

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے متعدد شادیاں کیں لیکن اولاد صرف دو بیویوں سے ہوئی۔ ایک میسون

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۱۴۳/۸.

❷ تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۳۱۵/۱۔ الاصابہ: ۱۵۵/۶.

❸ طبری: ۲۴۳/۶۔ الاصابہ: ۱۵۱/۶.

❹ الیعقوبی: ۲۳۸/۲.

❺ الیعقوبی: ۳۱۶/۱.

❻ تنزیہ خال المومنین معاویہ بن ابی سفیان، ص: ۱۱۳.

Marfat.com

بنت بحدل سے جس سے یزید ایک روایت کے مطابق ۲۲ھ میں ❶ اور دوسری روایت کے مطابق سنہ ۲۵ھ میں پیدا ہوا۔ ❷ میسون بنت بحدل سے آپ کی دو اولادیں اور بھی ہوئیں اور وہ دونوں لڑکیاں تھیں۔ ایک کا نام ''امۃ رب المشارق'' تھا جو بچپن ہی میں فوت ہوگئیں ❸ اور دوسری کا نام رملہ تھا۔ رملہ کا نکاح سیّدنا عثمان بن عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا جن سے ایک لڑکا زید پیدا ہوا۔ جس کا نکاح سیّدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی صاحبزادی سیّدہ سکینہ بنت الحسین رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ دوسرے لفظوں میں سیّدۃ سکینہ بنت الحسین رضی اللہ عنہ سیّدہ رملہ بنت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہو تھیں۔ ❹

میسون بن بحدل عرب کے مشہور قبیلہ بنو کلب سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ بنو کلب کے سردار بحدل بن انیف الکلبی کی صاحبزادی تھیں۔ حسن و جمال اور عقل و دانش میں نہایت ممتاز تھیں۔ دین داری رگ و ریشہ میں سرایت کیے ہوئے تھی۔ غرضیکہ عقل و شکل اور دین کی تمام صفات سے حق تعالیٰ نے نوازا ہوا تھا۔ ❺

شام کی گورنری کے ایام میں نرینہ اولاد کی خاطر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کیا تھا کیوں کہ آپ کی خواہش تھی کہ کسی ایسی عرب دوشیزہ سے نکاح کیا جائے جو تمام نسوانی صفات سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ نجیب بھی ہو تا کہ اس سے نجیب الطرفین اولاد ہو۔ اسی کے بطن سے یزید پیدا ہوا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بڑے بھائی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے نام پر (جنھوں نے شام کی فتوحات میں سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافتوں کے زمانہ میں نہایت نمایاں کردار ادا کیا، اور دمشق کی گورنری تک انھوں نے سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے حاصل کی) اس لڑکے کا نام ''یزید رکھا''۔

حافظ ابن کثیر نے بعض مؤرخین کے حوالے سے لکھا ہے کہ یزید کی والدہ جب حمل سے تھیں تو انھیں خواب آیا کہ ان کی کوکھ سے ایک چاند برآمد ہوا ہے۔ اس خواب کی تعبیر یہ بتائی گئی کہ ان کے ہاں ذکی، تیز فہم اور عظیم المرتبت لڑکا پیدا ہوگا۔ ❻

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۱۵۲/۷۔ ابن اثیر: ۱۹/۳۔
❷ البدایہ والنہایہ: ۱۵۱/۷۔ ابن اثیر: ۴۴/۳۔
❸ کتاب المعارف لابن قتیبہ، ص: ۹۴۔
❹ البدایہ والنہایہ: ۲۳۷/۸۔
❺ طبری: ۲۴۶/۶۔
❻ البدایہ والنہایہ: ۱۴۵/۸۔

Marfat.com

میسون بنت بحدل ایک نہایت دین دار خاتون تھیں اور آپ کی دین داری کے قصے کتابوں میں درج ہیں۔ آپ ایک بہترین شاعرہ بھی تھیں۔ بعض مستشرقین مثلاً ھٹی، نکلسن وغیرہ نے ان کے بارے میں بڑی غلط قسم کی روایات درج کی ہیں، مثلاً یہ کہ وہ عیسائی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دے دی۔ (ملاحظہ ہو: ہسٹری آف دی عزیز، ھٹی ص ۱۹۵، لٹریری ہسٹری آف دی عربز، ص ۱۹۶) سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ سیّدہ نائلہ بھی اسی قبیلہ بنو کلب سے تعلق رکھتی تھیں۔ اسی قبیلہ کے ایک فرد امراء القیس بن عدی کلبی جو کہ مذہباً عیسائی تھے اور سنہ ۱۰ھ میں کندہ (حضرموت) کے وفد کے ساتھ مدینہ آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے، قبولِ اسلام کے بعد پھر واپس وطن چلے گئے۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب عرب کے قبائل میں ارتداد کی وبا پھیلی تو امراء القیس کا پورا قبیلہ مرتد ہو گیا۔ اس میں کندہ کے رئیس اشعث بن قیس بھی جو سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے خسر تھے، مرتد ہو گئے۔ امراء القیس نے انھیں بہت سمجھایا لیکن وہ نہ سمجھے۔ امراء القیس کا دل جوش ایمانی سے موجزن تھا چنانچہ وہ اس کو قتل کرنے کے لیے بڑھے۔ چچا نے کہا: ''کیا تم چچا کو بھی قتل کرو گے؟'' امراء القیس نے کہا: ''بے شک آپ میرے چچا ہیں لیکن اللہ عزوجل میرا رب ہے۔''[1] اسی امراء القیس کی تین صاحبزادیاں محیاۃ، سلمٰی اور رباب تھیں۔ ان سے علی الترتیب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ، سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا۔ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیّدہ سکینہ اسی ارباب کے بطن سے تھیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: کتاب المعارف، انساب الاشراف اور جمرۃ الانساب لابن حزم کی طرف رجوع کریں۔)

میسون بنت بحدل کے علاوہ آپ کی دوسری بیوی کا نام فاختہ بنت قرظہ بن عبد عمرو بن نوفل بن عبد مناف تھا۔ اس سے آپ کے دو صاحبزادے عبد اللہ اور عبد الرحمٰن پیدا ہوئے۔ عبد اللہ تو امیر المومنین کی وفات تک زندہ تھے۔ بعد کے حالات سے تاریخ کے اوراق خاموش ہیں۔ ان کی کنیت ابوالخیر تھی۔ لیکن عبد الرحمٰن بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔[2]

آپ کی ایک زوجہ محترمہ کنود بن قرظہ تھیں۔ یہ فاختہ بنت قرظہ کی بہن تھیں۔ قبرص کی فتح کے

---

[1] الاستیعاب: ۱/۴۹۰.

[2] طبری: ۶/۱۴۷.

Marfat.com

موقع پر یہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھیں۔ ❶

نائلہ بنت عمارہ الکلبیہ سے بھی آپ نے نکاح فرمایا۔ ان سے ایک صاحبزادی رملہ پیدا ہوئی جس کا نکاح عمرو بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ ❷ اور ایک اور صاحبزادی پیدا ہوئی جس کا نام ہند بنت معاویہ تھا اور جس کا نکاح عبداللہ بن عامر سے ہوا۔ ❸ اس کے علاوہ تین صاحبزادیوں کا اور بھی حال ملتا ہے جن کے نام عائشہ، عاتکہ اور صفیہ تھے۔ ❹

صفات خاصہ

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جامع العلوم والکمالات تھے۔ ''آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری'' کا مصداق تھے۔ جو شخص بھی آپ کے قریب آیا وہ اپنے اپنے مذاق کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے حظِ وافر حاصل کرتا رہا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی آپؐ کے کاتبانِ وحی میں سے تھے اور ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے لہٰذا آپ نے سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے جو کچھ حاصل کیا ان میں سے چند خصوصیات حسب ذیل ہیں:

ا: علم وفقہ:

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں علم اور تربیت حاصل کی اور آپ سے احادیث روایت کیں۔ چنانچہ بخاری اور مسلم نے بھی آپ کی روایات نقل کی ہیں جب کہ وہ اپنی روایت کے اصولوں کے مطابق ثقہ، صادق اور ضابطہ روایوں سے روایات حدیث نقل کرتے ہیں۔ پھر آپ کے فقیہ ہونے کی شہادت تو خود بخاری میں سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی دی ہے۔ جب آپ سے یہ پوچھا گیا کہ کیا آپ کو علم ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایک وتر پڑھتے ہیں؟ آپ نے جواب میں فرمایا:

((اصاب انّه فقيه .)) ❺

''وہ درست ہیں کیوں کہ وہ ایک فقیہ ہیں۔''

---

❶ البدايه والنهايه: ٢٤٨/٨.
❷ البدايه والنهايه: ٢٤٨/٨.
❸ البدايه والنهايه: ٢٤٨/٨.
❹ دراسته فی تاريخ الخلفاء الامويين، ص: ١٢٩.
❺ بخاری، رقم: ٣٧٦٤، ٣٧٦٥۔ حماة الاسلام: ١٦٥/١.

Marfat.com

بخاری کے شارحین نے لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مجتہد تھے اور مجتہد کے لیے بہت بڑا صاحب علم ہونا ضروری ہے۔ ہر شخص مجتہد نہیں ہوسکتا۔

بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ انھوں نے نماز عشاء کے بعد ایک رکعت نماز پڑھی۔ مولی ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے اس بات کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا: ''معاویہ رضی اللہ عنہ! کو چھوڑو، انھوں نے رسول اللہ کی صحبت اٹھائی یعنی وہ صحابیٔ رسولؐ ہیں۔ لہٰذا ان کی کسی بات پر تنقید نہیں کی جاسکتی۔ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ ریمارکس بڑا وزن رکھتے ہیں کیوں کہ یہ فضلائے صحابہ میں سے تھے ''حبر الامۃ''، ''ترجمان القرآن'' اور ''بحر'' وغیرہ کے القابات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مشہور تھے۔ یہ سارے القابات ان کی وسعتِ علمی پر دلالت کرتے ہیں۔ پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے علم وحکمت کی دعا بھی فرمائی ہوئی تھی، اور وہ دعا قبول بھی ہوئی۔

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی علمی وسعت کے باعث سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے خواص میں سے تھے اور آپ کے دشمنوں کے سخت خلاف۔ چنانچہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں خوارج سے مناظرہ کے لیے بھیجا اور انھوں نے اپنی ساری حجتیں ان پر ختم فرمادیں، یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنی شقاوت کی وجہ سے ان کے دلائل و براہین سے متاثر نہ ہوئے اور اپنا خوارج والا عقیدہ نہ چھوڑا۔

دوسری طرف سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایک نہایت باوقار اور صاحبِ علم بزرگ تھے۔ ایک وقت میں آپ میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی خصوصیات ودیعت فرما رکھی تھیں۔ حلم و بردباری آپ کا خاصہ تھا، آپ بیک وقت ایک بہترین کاتب، ایک بہترین شاعر، ایک بہترین مدبر، ایک بہترین گورنر، ایک بہترین خلیفہ اور ایک بہترین خطیب تھے۔ شجاعت و بسالت آپ کے گھر کی لونڈی اور علم وحکمت ایک زرخرید غلام۔ آپ کی انھی خوبیوں اور انتظامی صلاحیتوں نے ہی مسلمانوں کی سالوں کی آویزش کو آمیزش میں تبدیل کردیا اور چند ہی روز میں مسلمان پھر شیر وشکر ہوکر رہنے لگے۔ آپس میں ایک دوسرے کے بارے میں وہی جذبات پیدا ہوگئے جو چند سال قبل تھے اور مملکت اسلامیہ کی ترقی و بہبود کے لیے اپنا اپنا فریضہ انجام دینے لگے۔ اس لحاظ سے آپ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد سلطنت اسلامیہ کے

Marfat.com

دوسرے مؤسس کبیر ہیں۔

ایسے شخص کے بارے میں سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ شہادت کہ وہ مجتہد ہیں اور اپنے آزاد کردہ غلام کو انھوں نے یہ کہہ کر غلط فہمی سے روک دیا کہ ''وہ صحابہ میں سے ہیں۔''[1]

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ جواب بڑا حکیمانہ ہے کیوں کہ کمالات انسانی دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو نیچے سے اوپر آئیں، ان کو ارتقاء کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جو اوپر سے نیچے آئیں، ان کا نام عطا ہے۔ صحابیت کا مقام عطائے خداوندی ہے کیوں کہ یہ مقام ان کو ان کے اعمال کی وجہ سے نہیں ملا۔ جب یہ مقام ان کے عملوں پر انھیں ملا تو ان کے اعمال سے بحث نہیں ہو سکتی، ان سے محبت بھی ان کے اعمال کی وجہ سے نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ آپ نے خود فرمایا:

((من احبّهم فبحبی احبّهم .))

''جو ان سے محبت کرے وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرے۔''

آپ کی اِنھی علمی اور فقہی صلاحیتوں کا نتیجہ تھا کہ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جب ایک فقہی مسئلہ کے بارے میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شکایت کی گئی تو آپ نے جواب فرمایا: "انــــه فـقـيــه" یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ فقیہ ہیں۔[1] مطلب یہ تھا کہ جو کچھ انھوں نے کیا وہ علم و فقہ کی وجہ سے کیا ہوگا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے جواب میں فرمایا:

((انه قد صحب رسول الله ﷺ .))[2]

''معاویہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ ہیں۔ (اس وجہ سے ان پر اعتراض بے جا اور بے معنی ہے)۔''

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ان الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحبت یافتہ ہونا ہی اتنا بڑا شرف اور اتنی بڑی فضیلت ہے کہ دنیا کی اور کوئی فضیلت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

اسی طرح ایک بار سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام سیّدنا کریب رضی اللہ عنہ نے آپ سے شکایت کے لہجہ میں کہا کہ ''معاویہ رضی اللہ عنہ نے وتر کی تین رکعتوں کے بجائے ایک رکعت پڑھی ہے۔

---

[1] الناهيه عن طعن امير المومنين معاويه، ص: ٤١٠.

[2] البدايه والنهايه: ٨/١٢٣.

[3] بخاری: ١/٥٣١۔ الاصابه: ٣/٤١٣.

Marfat.com

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا:

((اصاب ای بنی لیس احد منا اعلم من معاویه .)) ❶

''اے بیٹے! جو کچھ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کیا، صحیح کیا کیوں کہ ہم میں سے معاویہ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔''

معلوم ہوا کہ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ کے علم و تفقہ سے بہت متاثر تھے۔ حالانکہ وہ خود ترجمان القرآن اور صاحب علم و حکمت تھے۔

مفتی حرمین شریفین احمد بن عبداللہ بن محمد الطبری نے اپنی کتاب '' خلاصة السیر '' میں لکھا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبان وحی تیرہ تھے: سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ، سیّدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ، سیّدنا عبد اللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ، سیّدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، سیّدنا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ، سیّدنا خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ، حنظلہ بن الربیع رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ۔ ان تیرہ کاتبان وحی میں سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ یہ دو حضرات تھے جو ہر وقت بارگاہ رسالت پناہ میں رہتے تھے اور ان سب کاتبان میں ان کو ایک خصوصی مقام حاصل تھا۔ ❷

فقہ میں آپ کی پختگی کا یہ عالم ہے کہ فقہاء ان کے اجتہاد پر اعتماد کرتے ہوئے دوسرے فقہاء صحابہ کی طرح ان کا مذہب بھی اپنی کتابوں میں ذکر کرتے ہیں، جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ سیّدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ اور سعید بن المسیب کا یہ مذہب ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے۔ ایسے ہی اور بھی کئی مسائل ہیں جن میں ان کے اجتہاد کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مجتہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔

سیّدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کو نہیں دیکھا مگر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو جن کی نماز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ اور مطابق ہوتی تھی۔ ❸ سیّدنا

---

❶ سنن کبریٰ بیهقی: ۲۶/۳۔ الاصابه: ۳۱۳/۳.

❷ الناهیه عن طعن امیر المومنین معاویهؓ، ص: ٤١.

❸ رواه الطبرانی ورجاله رجال الصحیح۔ مجمع الزوائد: ٤٣٨/٩۔ منهاج السنه: ١٨٥/٣.

Marfat.com

معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کو تعلیم دین دینے کے معاملہ میں بڑے حریص تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ منبر پر تشریف فرما تھے تو مؤذن نے اذان دینا شروع کی۔ آپ نے موذن کے کلمات کا جواب دیا۔ جب موذن نے اذان ختم کی تو آپ نے حاضرین سے فرمایا: اے لوگو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذان کے جواب میں ایسا ہی کہتے ہوئے سنا ہے۔ ❶

آپ نہ صرف خود فقیہ تھے بلکہ لوگوں کو بھی فقہ کی ترغیب دیتے تھے۔ چنانچہ حمید روایت کرتے ہی کہ میں نے سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ جس شخص سے خیر کا ارادہ فرماتا ہے اس کو تفقہ فی الدین کی دولت سے نواز دیتا ہے۔'' ❷

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی وقتاً فوقتاً لکھتے رہتے کہ جو کچھ تم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے وہ مجھے بھی بتایئے۔ چنانچہ سیّدنا مغیرہ بن شعبہ کے آزاد کردہ غلام وراد بیان کرتے ہیں کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد کیا پڑھتے تھے یہ مجھ کو لکھ کر بھیجیں۔ سیّدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو املا کروایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے بعد یہ پڑھتے ہوئے سنا:

((لا اله الا الله وحده لا شريك له ، اللهم لا مانع لما اعطيت ، ولا معطى لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد .)) ❸

''جب سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ خط موصول ہوا تو راوی کا بیان ہے کہ میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کلمات نماز کے بعد پڑھنے کے لیے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کو حکم فرما رہے تھے۔''

حلم وعفو:

حلم اور بردباری کے لحاظ سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو دوسرے صحابہ کی نسبت ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی یہاں تک کہ اس بارے میں آپ کی مثالیں دی جاتی تھیں، اس بارے میں حافظ ابن ابی الدنیا

---

❶ فتح الباری: ٤٦٢/٢.
❷ فتح الباری: ٣٠٦/١٣.
❸ فتح الباری: ٥٢١/١١.

Marfat.com

اور ابوبکر بن عاصم وغیرہ نے مستقل تصانیف لکھی ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تاریخ الاسلام ذہبیؒ: ۳۲۲/۲)

الفخری ص ۱۴۵، العقد الفرید ۳۴۸/۲ اور المسعودی ۴۱۰/۵ پر بھی آپ کی اس امتیازی صفت کی بہت تعریف کی گئی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((معاویة احلم امتی واجودها.)) ❶

''معاویہ میری امت میں سب سے زیادہ صاحب حلم، بردبار اور جود وسخا کا حامل ہے۔''

ایک مرتبہ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا تھا کہ معاویہ بن ابی سفیانؓ لوگوں میں بہت حلیم ہیں۔ لوگوں نے پوچھا:

''اے ابوعبدالرحمٰن! کیا سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ؟ فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر اور افضل تھے لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ بہت حلیم ہیں۔'' ❷

سیّدنا قبیصہ بن جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہا ہوں۔ میں نے ان سے زیادہ حلیم، جہالت سے دور رہنے والا اور زیادہ بردبار اور کسی کو نہیں دیکھا۔'' ❸

حافظ ابن کثیر نے بھی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نہایت عمدہ سیرت کے حامل، بہترین بردبار اور درگزر کرنے والے اور لوگوں کی خطاؤں اور عیوب پر پردہ پوشی کرنے والے تھے۔'' ❹

علامہ بلاذری نے آپ کی اس صفت کے بارے میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ:

''ایک مرتبہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک انصاری بزرگ کو پانچ سو دینار عطا کیے۔ اس بزرگ نے اس رقم کو قلیل سمجھتے ہوئے اپنے بیٹے کو قسم دی کہ اس رقم کو لے جا کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے منہ پر مار دے۔ صاحبزادے اپنے والد کی ہدایت کے مطابق سیّدنا

---

❶ حماة الاسلام: ۱۶۵/۱.
❷ ابن عساکر: ۷۳۲/۱۶.
❸ تاریخ الاسلام ذهبی: ۳۲۳/۲۔ الاصابه: ۲۵۶/۳.
❹ البدایه والنهایه: ۱۲۶/۸.

Marfat.com

معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا: ''امیر المومنین! میرے والد نے غصہ کی حدت اور شدت سے مجھے قسم دے کر یہ رقم آپ کے منہ پر مارنے کے لیے کہا ہے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یہ بات سن کر غصے میں نہیں آئے اور اپنے ہاتھوں کو اپنے چہرے پر رکھ کر اس انصاری لڑکے سے کہا کہ اپنے باپ کی قسم پوری کر لے، لیکن اپنے چچا کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ بعد میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے شفقت فرماتے ہوئے یہ رقم دگنی کر دی یعنی ایک ہزار دینار دے دیا۔'' ❶

اسی قسم کا ایک اور واقعہ الماوردی نے اپنی کتاب '' الدنیا والدین ''ص۲۲ پر نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے ایک چادر جو کہ (مال غنیمت میں سے) اس کے حصہ میں آئی تھی اور اس کو وہ پسند نہ آئی، وہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سر پر دے ماری اور آپ خاموشی سے دیکھتے رہے۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

((لا حلم الّا لتجارب.)) ❷

''صفت حلم تجربات ہی سے حاصل ہوتی ہے۔''

ایک مرتبہ احنف بن قیس سے کسی نے پوچھا کہ بردبار کون ہے؟ آپ یا معاویہ رضی اللہ عنہ؟ کیوں کہ احنف خود بھی بہت بردبار صاحب حلم بزرگ تھے۔ آپ نے فرمایا:

''بخدا! میں نے تم سے بڑا جاہل کوئی نہیں دیکھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ قدرت رکھتے ہوئے بھی حلم و بردباری سے کام لیتے ہیں اور میں قدرت نہ رکھتے ہوئے بردباری کرتا ہوں، لہٰذا میں ان سے کیسے بڑھ سکتا ہوں یا ان کے برابر کیسے ہو سکتا ہوں؟'' ❸

اس سلسلہ میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

''کوئی جرم میرے عفو سے بڑا نہ ہو، اور کوئی اکھڑ پن میری بردباری سے زیادہ نہ ہو، اور کوئی عیب ایسا نہ ہو جس کی میں پردہ پوشی نہ کر سکوں، یا کوئی برائی ایسی نہ ہو جو میرے احسان سے زیادہ ہو۔'' ❹

---

❶ انساب الاشراف: ۱/ ٦١. ❷ المصنف لابن ابی شیبه: ۱۱/ ۹۱.

❸ العقد الفرید: ۱/ ١٦٥۔ طبری: ٦/ ١٨٧. ❹ طبری: ٦/ ٣٣٥.

Marfat.com

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا:

((ما من شئی الذّ عندی من غیظ اتجرعه .)) ❶

''میرے نزدیک غصہ پی جانے سے زیادہ لذیذ اور کوئی چیز نہیں۔''

ایک دفعہ ایک شخص نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے منہ پر بہت برا بھلا کہا اور اُن کے ساتھ بڑی سختی سے پیش آیا۔ کسی نے کہا کہ ''آپ اس پر حملہ کیوں نہیں کرتے؟'' سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((انی لاستحي من الله ان یضیق حلمی عن ذنب احد من رعیتی .)) ❷

آپ کے حلم وعفو کے بارے میں تاریخ کے اوراق میں بہت سی حکایات بکھری پڑی ہیں جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ بہت وسیع القلب اور وسیع الظرف انسان تھے۔ آپ نے تو ان ہاشمیوں کو بھی یک قلم معاف کر دیا تھا جنھوں نے ایک مرتبہ ان الفاظ میں آپ کو خطاب کیا تھا:

''واللہ! وہ دل جن سے ہم آپ کے ساتھ بغض رکھتے ہیں، ہمارے پہلو میں ہیں، اور وہ تلواریں جن کے ذریعے ہم آپ سے لڑے، ہمارے کاندھوں پر ہیں۔ اگر آپ غداری سے ایک بالشت بڑھیں گے تو ہم شر کے ساتھ تیری طرف گز بھر بڑھیں گے، اگرچہ گلا کاٹ دیا جائے اور ہمیں جان سے مار دیا جائے۔ یہ باتیں سن کر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بجائے غصہ کرنے کے نہایت حلم اور وقار سے فرمایا: ''یہ سچی باتیں ہیں انھیں لکھ لو۔'' ❸

آپ ہر معاملہ کو پہلے نرمی اور بردباری سے سلجھانے کی کوشش کرتے اور اس وقت تک سختی نہ کرتے جب تک آپ سختی کے لیے مجبور نہ ہو جاتے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:

''جہاں میرے کوڑے سے کام نکلتا ہے وہاں میں تلوار کام میں نہیں لاتا، اور جہاں میری زبان کام دیتی ہے وہاں میں کوڑا کام میں نہیں لاتا، اور اگر میرے اور لوگوں کے

---

❶ طبری: ٦/٣٣٥.

❷ البدایه والنهایه: ٨/١٣٥.

❸ ابن خلدون: ٣/ ٤.

Marfat.com

درمیان بال برابر بھی رشتہ قائم ہو تو میں اس کو نہیں توڑتا۔''

جب پوچھا گیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے تو فرمایا:

''جب لوگ اسے کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل دے دیتا ہوں اور جب ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں۔'' ❶

ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ سے بہت زیادہ سخت کلامی کی۔ لوگوں نے ازراہِ تعجب کہا کہ ''حضرت! آپ ایسی باتوں میں بھی بردباری سے کام لیتے ہیں؟'' آپ نے فرمایا:

''میں اس وقت تک لوگوں اور ان کی زبانوں کے درمیان حائل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ میرے اور میری سلطنت کے درمیان حائل نہ ہوں۔'' ❷

اللہ تعالیٰ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو حلم و درگزر کی صفتِ محمودہ سے نواز اٹھا۔ کئی مخالفین اور اجڈ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور بدتہذیبی سے مختلف قسم کے سوالات کرتے لیکن آپ نہایت عفو و درگزر سے کام لیتے۔ اس سلسلہ درج ذیل واقعہ نہایت عجیب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سیّدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ حضرموت کے بادشاہ کے صاحبزادہ تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دولت اسلام سے مشرف ہونے کے لیے حاضر ہوئے۔ اسلام لانے کے بعد کچھ روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اقامت پذیر رہے۔ جب وہ واپس ہونے لگے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ضرورت کی وجہ سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ کر دیا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پیدل تھے اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہ اونٹ پر سوار تھے۔ سیّدنا وائل رضی اللہ عنہ چونکہ شہزادے تھے اور ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ اس لیے شہزادگی کی خو بو ابھی باقی تھی۔ اس وجہ سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اونٹ پر بٹھانا ان کو گوارا نہ ہوا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی کچھ نہ بولے، لیکن آپ کچھ دور تو سیّدنا وائل رضی اللہ عنہ کے اونٹ کے ساتھ پیدل چلتے رہے، لیکن صحرائے عرب کی تپش اور گرمی نے انھیں پریشان کر دیا۔ آخر انھوں نے سیّدنا وائل رضی اللہ عنہ سے گرمی اور پاؤں کے جھلسنے کی شکایت کی اور عرض کی کہ مجھے اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیں، لیکن سیّدنا وائل رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا

---

❶ الاسلام والحضارة العربيه: ١٤٧/٢۔ اليعقوبى: ٢٨٣/٢.

❷ طبرى: ٢٣٦/٥۔ ابن الاثير: ٣٦٣/٣۔ الاسلام والحضارة العربيه: ١٤٧/٢.

Marfat.com

کہ اچھا آپ مجھے اپنے جوتے ہی دے دیں، لیکن انھوں نے اس سے بھی انکار کر دیا اور کہا کہ تمھارے لیے صرف اتنا شرف کافی ہے کہ میری اونٹنی کا جو سایہ زمین پر پڑتا ہے اس پر پاؤں رکھ کر چلتے رہو۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی رئیسِ مکہ کے صاحبزادے تھے لیکن سیّدنا وائل رضی اللہ عنہ کی بات کو اپنے حلم سے برداشت کر گئے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم کی اطاعت میں ان کے ساتھ چلتے رہے۔

یہی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی خلافت کے دوران تشریف لائے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ انھیں پہنچانتے بھی تھے اور آنکھوں میں ماضی کا وہ سارا واقعہ گھوم بھی گیا، لیکن آپ نے عفو و درگزر اور حلم و بردباری سے وہ سب کچھ بھلا کر ان کی خوب مہمان داری کی اور ان کے ساتھ انتہائی عزت و احترام کا برتاؤ کیا۔ ہوسکتا ہے کہ سیّدنا وائل رضی اللہ عنہ اپنے اس سلوک پر نادم ہوں لیکن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں اس بارے میں کوئی یاد دہانی نہیں کروائی۔

بڑے لوگوں کی باتوں کو تو سب برداشت کرتے ہیں لیکن غریبوں اور ناداروں کی ملامت اور سختی کو برداشت کرنا ہر ایک کا کام نہیں۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو کسی راہ چلتے آدمی یا کسی بوڑھی عورت نے بھی اگر کوئی سخت سست لفظ کہہ دیا تو آپ نے نہایت بردباری سے اسے برداشت کیا۔ چنانچہ ایک روز اروٰی بنت حارث آئیں اور کہا: ''معاویہؓ! تو نے کفرانِ نعمت کیا اور اپنے چچازاد بھائی سے اچھا سلوک نہ کیا اور ایسا لقب اختیار کیا جس کا تو اہل نہ تھا۔'' آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ پچھلے گناہوں کو بخشتا ہے، اپنی ضروریات کا اظہار کیجیے۔'' وہ بولیں: ''مجھے دو ہزار دینار کی ضرورت ہے کہ ایک زرخیز زمین میں ایک جاری چشمہ خرید سکوں تاکہ وہ فقرائے بنی حارث بن عبدالمطلب کے کام آئے۔ دو ہزار دینار اور چاہئیں تاکہ بنو حارث کے فقراء کی شادی کر سکوں، اور دو ہزار دینار اور مطلوب ہیں کہ خود زمانے کے مصائب سے بچ سکوں۔'' آپ نے اسی وقت چھ ہزار دینار دینے کا حکم فرمایا اور وہ لے کر چلی گئیں۔ [1]

ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک شخص نے آ کر کہا:

''اے معاویہؓ! بخدا! خود بخود درست ہو جاؤ وگرنہ ہم آپ کو درست کر دیں گے۔''

آپ نے فرمایا: ''کس کے ساتھ درست کرو گے؟''

جواب میں اس شخص نے کہا: ''لاٹھی کے ساتھ۔''

---

[1] ابوالفداء: ۱/۱۹۵.

Marfat.com

یہ سن کر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہایت خندہ پیشانی سے فرمایا:

اذاً نستقیم تب ہم درست اور ٹھیک ہو جائیں گے۔ ❶

آپ کے حلم اور بردباری پر یہ واقعہ بھی شہادت کے لیے کافی ہے کہ ایک مرتبہ جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے آپ نے فرمایا:

''بیت المال کا مال ہمارا مال ہے اور مال فئے بھی ہمارا ہے۔ جس شخص سے چاہیں ہم مال کو روک لیں۔''

آپ کی اس بات کا کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوسرے جمعہ کو بھی آپ نے اسی طرح فرمایا۔ پھر بھی کوئی شخص جواب دینے کے لیے نہ اٹھا، لیکن جب تیسرے جمعہ کو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہی بات دہرائی تو ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہا: ''امیر المومنین! بات اس طرح نہیں ہے بلکہ بیت المال کا مال ہمارا مال ہے اور فئے کا مال بھی ہم سب کا ہے، اور جو شخص اس بارے میں ہمارے درمیان حائل ہوگا ہم اپنی تلواروں سے اس شخص کا فیصلہ کریں گے اور اس کو اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچا دیں گے۔

امیر المومنین سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہایت بردباری اور حلم سے اس کا جواب سنا۔ خطبہ ختم ہونے کے بعد آپ قصرِ خلافت پر تشریف لے گئے اور اس شخص کو بلا بھیجا۔ لوگوں نے خیال کیا کہ اس کی گوش مالی ہوگی، لیکن جب اور لوگ قصرِ خلافت پہنچے تو دیکھا کہ وہ شخص امیر المومنین کے ساتھ بڑے باعزت طریقے سے بیٹھا ہوا ہے۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس شخص نے گویا مجھے زندہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو حیاتِ دراز ارزانی فرمائے۔ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''عنقریب میرے بعد امراء ہوں گے۔ جو کچھ وہ کہیں گے اس کا کوئی ردّ نہیں کر سکے گا۔ وہ جہنم میں گریں گے۔''

میں نے گزشتہ جمعہ کو ایک بات کہی کسی نے اس کا ردّ نہ کیا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کا ذکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ پھر دوسرے جمعہ بھی مجھے کسی نے ٹوکا تو مجھے خیال ہوا کہ شاید میں ان میں سے ہوں گا، لیکن جب تیسرے جمعہ کو میں نے پھر وہی بات کہی تو اس شخص نے کھڑے ہو کر مجھے ٹوکا اور صحیح بات میرے سامنے کہہ دی، تو گویا اس نے مجھے زندہ کر دیا۔

---

❶ کتاب المجتبیٰ، ص: ٤١۔ تاریخ الاسلام ذهبی: ٣/٣٢٢۔ سیر اعلام النبلاء: ٣/١٠٢.

Marfat.com

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے زندہ وسلامت رکھے۔ ❶

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بلاذری نے بھی نقل کیا ہے کہ مدینہ طیبہ میں کچھ آباد زمین تھی۔ اس پر ان کا ایک وکیل جس کا نام ''النضیر'' تھا، متعین تھا۔ اس زمین کے ساتھ ہی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بھتیجے عبدالرحمٰن بن زید رضی اللہ عنہ بن خطاب کی زمین تھی۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے وکیل اور عبدالرحمٰن بن زید رضی اللہ عنہ کے مابین اس زمین کے بارے میں کچھ تنازعہ ہوگیا۔ وکیل کا موقف تھا کہ یہ قطعہ اراضی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہے جب کہ سیّدنا عبدالرحمٰن بن زید رضی اللہ عنہ اس کو اپنا حق بتاتے تھے۔ جب یہ تنازعہ طول اختیار کر گیا تو سیّدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اس کو نپٹانے کے لیے خود شام سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے اور وہاں اس تنازعہ کی تفصیلات ذکر کیں۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ ساری تفصیلات سن کر فرمایا کہ قاضی فضالہ بن عبید الانصاریؓ اس بارے میں جو فیصلہ دیں وہ منظور ہے۔ چنانچہ دونوں حضرات کے بیانات قاضی عبید رضی اللہ عنہ کے پاس ہوئے۔ ہر ایک نے تفصیل سے اپنا اپنا موقف بیان کیا۔ بیانات سن کر قاضی صاحب نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اور سیّدنا عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہایت خوش دلی سے قاضی صاحب کا فیصلہ سن کر فرمایا:

''ہم آپ کا فیصلہ قبول کرتے ہیں۔'' ❷

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بلاذری ہی نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ کے گورنر سیّدنا مروان نے سیّدنا صہیب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کا وظیفہ اس وجہ سے بند کر دیا کہ اس نے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں مخالفانہ رویہ اختیار کیا تھا۔ جب اس معاملہ کی اطلاع سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انھوں نے سیّدنا مروان رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا جس کے ایک ایک لفظ سے حب نبوی ٹپکتی ہے۔ آپ نے لکھا:

''مروان! تم نے صہیب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کے باپ کی بات عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں یاد رکھی لیکن تم نے اس کا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق اور معیت یک قلم فراموش کر دی۔ پس صہیب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کا وظیفہ فی الفور جاری کیا جائے، اور اس کی عزت وتکریم اور اس سے اچھا سلوک کیا جائے۔'' ❸

---

❶ تاریخ الاسلام ذهبی: ۳/۳۲۲.

❷ انساب الاشراف: ٤/١١٠.

❸ انساب الاشراف: ٤/٩٠.

Marfat.com

مشہور تابعی عروہ کہتے ہیں کہ میں نے گورنر مدینہ مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''لوگو! امیر المومنین سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے تمھارے وظائف وعطیات پورے پورے ادا کرنے کا حکم دیا ہے، اور یہ بھی کہا ہے کہ ان میں کوئی کمی نہ کی جائے لیکن سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے تمھاری خاطر اس سلسلہ میں پوری کوشش کی ہے مگر موجودہ مال چونکہ تمام وظائف وعطیات کی ادائیگی کے لیے ناکافی ہے اور اس میں ایک لاکھ کی رقم کم ہے، لہٰذا امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ یمن سے اموال صدقات آنے پر یہ کمی پوری کردی جائے گی۔''

یہ سننا تھا کہ لوگ گھٹنوں کے بل کھڑے ہوگئے۔ سیّدنا عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کی طرف دیکھا تو وہ یہ کہہ رہے تھے کہ ہم صدقات کے اموال میں سے ایک درہم بھی نہیں لیں گے۔ کیا ہم دوسروں کا حق لیں؟ یمن کے صدقات تو یتامیٰ اور مساکین کا حق ہیں اور وظائف وعطیات جزیہ کے مال سے ادا کیے جاتے ہیں۔ آپ امیر المومنین کو لکھیں کہ وہ ہمارے بقیہ وظائف وہاں سے ارسال فرمائیں۔ چنانچہ سیّدنا مروان رضی اللہ عنہ نے یہ بات امیر المومنین سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھی تو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے وظائف وعطیات کے بقایا جات اپنے ہاں سے روانہ کردیے۔ ❶

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص آپ کے زمانہ میں اپنے مافی الضمیر کے اظہار میں آزاد تھا۔ کسی پر کوئی پابندی نہیں تھا اور نہ ہی کوئی مواخذہ تھا اور ہر شخص کے حقوق کی رعایت رکھی جاتی تھی۔

ایک مرتبہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو سیّدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''کوئی ضرورت اور حاجت ہو تو ارشاد فرمایے؟'' سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ آزاد شدہ لوگوں کے وظائف اور عطیات جاری کیے جائیں، اور ساتھ ہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنایا کہ:

> ''میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود دیکھا ہے کہ جب آپ کے پاس اموال آتے تو آپ آزاد شدہ لوگوں کو پہلے دیتے تھے۔'' ❷

---

❶ کتاب الاموال لابی عبید القاسم، ص: ۲۵۹.

❷ کتاب المنتقی لابن جارود نیشاپوری، ص: ۲۷۶.

Marfat.com

اس طرح کے اور بے شمار واقعات محدثین اور مؤرخین کی کتابوں میں مرقوم ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے زمانہ میں ہر شخص اپنی بات کہنے میں آزاد تھا اور کسی شخص کی تقریر وتحریر پر کوئی قدغن اور پابندی نہ تھی، علاوہ ازیں لوگوں کے حقوق کی رعایت بھی پورے طریقے سے کی جاتی تھی۔ یہ بھی کتاب حلم کا ایک باب ہے اور دوسروں کی تنقید کو برداشت کرنا اور اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا اور سچی بات کہنے والے سے کوئی مواخذہ نہ کرنا۔ وگرنہ حلم اور عفو کے بغیر دوسروں کی تنقید برداشت نہیں کی جاسکتی۔

سنہ ۵۹ھ میں جب سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو مدینہ منورہ کے گورنر سیّدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کو ان کے انتقال کی خبر دی تو جواب میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا:

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ورثاء کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ ان پر دس ہزار درہم خرچ کیے جائیں۔ ان کی امان اور ذمہ داری کو بطریق احسن ملحوظ رکھا جائے اور ان کے ساتھ اچھا معاملہ کیا جائے۔''[1]

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے:

((افضل الناس من اذا اعطی شکر، واذا ابتلی صبر، واذا غضب کظم، واذا قدر غفر، واذا وعد انجز، واذا اساء استغفر.))[2]

''سب سے بہترین شخص وہ ہے کہ جب ملے تو شکر کرے اور جب مصیبت میں مبتلا ہو تو صبر کرے، جب غصہ آئے تو پی جائے اور جب قدرت حاصل ہو تو معاف کرے، جب وعدہ کرے تو پورا کرے اور جب کوئی برائی کرے تو معافی مانگ لے۔''[3]

اسی وجہ سے سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آپ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

''وہ اپنے پوشیدہ اسرار سے بلند ہوا اور اپنے اظہار سے اس نے غلبہ پایا۔ اظہار کے ذریعے اسرار تک پہنچا اور اسے پالیا۔ اس کا حلم اس کے غضب پر غالب ہے اور اس کی سخاوت اس کے بخل پر غالب ہے۔ صلہ رحمی کرتا ہے قطع رحمی نہیں کرتا، ملاتا ہے جدا نہیں

---

[1] البدایہ والنہایہ: ۸/۱۱۵.
[2] البدایہ والنہایہ: ۸/۱۴۱.
[3] انساب الاشراف: ۵/۲۳۶.

Marfat.com

کرتا، لہٰذا اس کے سب معاملات درست رہے، اور وہ اپنی انتہاء کو پہنچ گیا۔''[1]

عرب کا مشہور شاعر اخطل آپ کے بارے میں کہتا ہے ؎

وطرت لنا دین النبی محمداً

بحلمك اذا هرت سفاهاً كلابها

''یعنی آپ نے محمد ﷺ کے دین کو اپنی بردباری اور حلم سے آسان کر دیا جب کہ بیوقوفی سے کتے بھونکتے رہے۔''[2]

اموی خلفیہ عبدالملک بن مروان آپ کے حلم اور بردباری کی باتوں پر تعجب کیا کرتے تھے اور اس کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب وہ آپ کی قبر کے پاس سے گزر رہے تھے، کسی نے پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ آپ نے فرمایا:

((قبر رجل كان والله ينطق عن علم، ويسكت عن حلم، كان اذا اعطىٰ اغنى واذا حارب افنى.))[3]

''یہ قبر اس شخص کی ہے کہ بخدا! جب وہ بات کرتا تو علمیت سے بات کرتا اور حلم سے خاموش رہتا، جب عطا کرتا تو غنی اور مال دار کر دیتا، اور جب لڑتا تو نیست و نابود کر دیتا۔''

آپ کی حلم و بردباری کی یہ صفت قریباً سب اموی خلفاء نے اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کی اور وہ کافی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوئے۔ چنانچہ عرب کا مشہور شاعر قیس بن رقیات بنوامیہ کے بارے میں کہتا ہے ؎

وما نقموا من بنی امیة الّا

انهم يحلمون ان غضبوا

''یعنی لوگ بنوامیہ سے صرف اس وجہ سے بغض رکھتے ہیں کہ وہ غضب کے وقت بردبار اور حلیم ہوتے ہیں۔''

---

[1] العقد الفريد: ٢/٢٣٥.

[2] العقد الفريد: ١/٨.

[3] التاريخ الاسلامي والحضارة العربيه: ٢/٣٤۔ ابن اثير: ٤/٥۔ الفخرى لابن طباطبا، ص: ۔ معاويه انيس ذكريا نصومى، ص: ٦٥.

Marfat.com

تدبیر وسیاست:

تدبیر وسیاست کی استعداد آپ میں فطری تھی۔ سپہ سالاری کا عہدہ مدتوں سے آپ کے خاندان میں چلا آرہا ہے۔ سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور سیّدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی زیر تربیت آپ نے سیاست کی گتھیوں کو سلجھانا سیکھا۔ علاوہ ازیں علمی اور فنی کمالات نے اس کو اور بھی چمکایا۔ آپ کی اسی تدبیرِ مملکت اور سیاستِ سلطنت کا ہی نتیجہ تھا کہ اہلِ شام آپ پر جان چھڑکتے تھے اور آپ کے ہر حکم کی دل و جان سے تعمیل کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکریوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

> ''کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اکھڑ جاہلوں کو بلاتا ہے تو وہ بغیر عطیہ اور داد و دہش کے اس کی تابعداری اور پیروی کرتے ہیں اور سال میں دو تین بار جدھر چاہے ادھر لے جاتا ہے، اور میں تمھیں بلاتا ہوں حالانکہ تم لوگ عقل مند ہو اور عطیات پاتے رہتے ہو، مگر تم میری نافرمانی کرتے ہو۔ میرے خلاف کھڑے ہو جاتے ہو اور میری مخالفت کرتے رہتے ہو۔''[1]

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے ایک افسر قیس بن ہیثم نے ایک مرتبہ اہلِ عراق کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

> ''میں نے اہلِ شام کو دیکھا کہ وہ سردار شام (سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) کی بات خوشی خوشی مانتے ہیں اور ہم لوگ موسم گرما کے غزوات میں ہوتے ہیں اور ایک آدمی کے پاس ہزار اونٹ ہوتے ہیں مگر شامیوں کے سردار کے پاس صرف ایک گھوڑا ہوتا ہے اور وہ اس پر بھی ایک اور آدمی کو پیچھے بٹھالیتا ہے۔''[2]

لشکر کی فرمان برداری اور ملک میں امن و امان کی کیفیت آپ کے تدبیر و سیاست میں ماہر ہونے کی بین شہادتیں ہیں اور یہ بھی آپ کے مدبر ہونے کی ایک واضح دلیل ہے کہ حکومت اسلامیہ کے قائم کرنے، عراق کے خلفشار کو دور کرنے، فتنۂ خوارج کی سرکوبی کرنے اور دیگر جرائم کی روک تھام میں جو مشکلات سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو پیش آئیں، آپ نے نہایت احسن طریق

---

[1] طبری ۱۴۸/۵۔ معاویہ، انیس ذکریا نصوصی، ص: ۴۲۔ [2] ایضاً۔

Marfat.com

سے ان پر کنٹرول کیا حالانکہ اہلِ بصرہ وکوفہ ان چیزوں کے عادی تھے۔

تدبیر وسیاست کے بارے میں ایک امتیازی نشان آپ میں یہ تھا کہ جب تک آپ کسی بات کو اچھی طرح اپنے دل میں پختہ نہیں کر لیتے تھے، کسی کو اس بارے میں حکم نہیں فرماتے تھے۔ سختی کے موقع پر سختی کرتے اور نرمی کے موقع پر نہایت نرمی سے کام لیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا:

''میں عاجز آ گیا ہوں کہ یہ جانوں کہ آپ بزدل ہیں یا بہادر، کیوں کہ جب آپ اقدام کرتے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ آپ نے قتل وقتال کا ارادہ کر ہی لیا ہے، اور پھر آپ پیچھے ہٹتے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ آپ نے فرار کا ارادہ کر ہی لیا ہے۔''

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ بات سن فرمایا:

''بخدا میں تو اسی وقت اقدام کرتا ہوں جب کہ دیکھتا ہوں کہ اقدام کا موقع ہے، اور اسی وقت پیچھے ہٹتا ہوں جب دیکھتا ہوں کہ پیچھے ہٹنے کا مقام ہے۔''

آپ کی حسنِ سیاست کی گواہی سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی دی۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے اہلِ عرب کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((تذکرون کسریٰ وقیصر ودهاء هما وعندکم معاویة .)) ❶

''تم کسریٰ اور قیصر کی سیاست وتدبر کو یاد کرتے ہو حالانکہ تم میں معاویہ رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔''

آپ کا روزمرہ کا معمول تھا کہ رات کے ایک تہائی حصے تک اخبار عرب، ایام عرب وعجم وملوک عجم اور ان کی سیاست، پادشاہان عالم کی جنگوں، مکاریوں اور گزشتہ امتوں کے حالات اور ان کا انجام وغیرہ کا مطالعہ کرتے رہتے۔ ان کے سامنے ایسی کتابیں پڑھی جایا کرتی تھیں جن میں بادشاہوں کے سوانح اور ان کی عادات وحالات ہوتے۔ اس خدمت پر کچھ لوگ متعین تھے، وہ پڑھتے اور آپ سنتے۔ اس طرح ہر رات سیر اور آثار وسیاست سے آپ کو نئی نئی باتیں معلوم ہوتیں۔ ❷

---

❶ طبری: ۵/ ۳۳۰۔ اسد الغابہ: ۳/ ۲۲۳۔ معجم کبیر طبرانی: ۵/ ۳۳۰.

❷ المسعودی: ۲/ ۵۱۔۵۲.

Marfat.com

اس بات کو تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ آپ کا شمار عرب کے پانچ مشہور زیرکوں اور سیاست دانوں میں ہوتا ہے۔ ❶ لیکن آپ زیرکی اور سیاست میں ان سب سے زیادہ تھے کیوں کہ آپ ان سب پر غالب تھے۔

شجاعت و بسالت:

ان تمام خوبیوں اور اوصاف کے ساتھ ساتھ آپ شجاعت و بہادری میں بھی ممتاز تھے۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب کو، جس نے سرکار دو عالم ﷺ کے زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، ایک روایت کے مطابق آپ ہی نے قتل کیا۔ ❷ علاوہ ازیں عہدِ فاروقی میں خود امیر المومنین سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ کو قیساریہ کی مہم پر متعین فرمایا اور یہ مہم اس قدر سخت تھی کہ اس میں لشکر اسلام اسّی (۸۰) ہزار آدمیوں کو خاک و خون میں تڑپا کر کامیاب ہوا تھا۔ رومیوں نے سر دھڑ کی بازی لگادی تھی۔ اس مہم کی اہمیت کے پیش نظر امیر المومنین سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خود ان کا تقرر فرمایا۔ آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا:

> ''میں تمھیں قیساریہ کی مہم کا جرنیل مقرر کرتا ہوں۔ آپ اس مہم پر چلے جائیں، اللہ تعالیٰ سے نصرت طلب کریں اور "لا حول ولا قوۃ الاّ باللّٰہ" کثرت سے پڑھیں۔'' ❸

بلاذری کی روایت کے مطابق سنہ ۱۹ھ میں جب سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے قیساریہ کے فتح ہونے کا اعلان فرمایا تو اہلِ اسلام نے اس مژدۂ جاں فزا پر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

((وكانت حوصرت سبع سنين وفتحها معاوية .)) ❹

''قیساریہ کا محاصرہ سات سال تک رہا اور آخر کار سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے فتح کیا۔''

بیروت، عرفہ اور صیداء وغیرہ کی مہمات کی فتوحات بھی آپ ہی کی شجاعت و بہادری کی مرہونِ منت ہیں۔ ❺

---

❶ البدايه والنهايه: ۱۰۱/۸.

❷ البدايه والنهايه: ۱۱۷/۸.

❸ خطط الشام: ۱۲۳/۱.

❹ فتوح البلدان، ص: ۱۴۷.

❺ فتوح البلدان، ص: ۱۳۳.

Marfat.com

مؤرخین نے لکھا ہے کہ:

((كان (معاوية) مدكًا مهيبًا شجاعًا جواداً حليمًا .)) ❶

''معاویہ رضی اللہ عنہ باہیبت، عزم واستقلال، شجاعت وبسالت، صاحب جوداور حلم وبردباری کا مجسمہ تھے۔''

سپہ گری:

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جنم ہی ایک ایسے خاندان میں لیا تھا جو مدتوں سے سپہ گری میں مشہور چلا آرہا تھا۔ گویا آپ ''سو سال سے ہے پیشہ آباء سپہ گری'' کا مصداق تھے۔ چنانچہ آپ نے عسکری ماحول میں اور ایک سپہ سالار باپ اور ایک سپہ سالار بھائی کی زیر تربیت پرورش پائی۔ اس لیے سپہ گری اور عسکریت آپ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ قیساریہ، قبرص، قسطنطنیہ کی جنگیں آپ کی عسکری ذہنیت کی غمازی کرتی ہیں۔ قیساریہ کے علاوہ آپ غزوۂ حنین اور طائف وغیرہ میں بھی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں شریک ہوئے اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی عسکری خدمات سے بہت متاثر ہوئے۔ چنانچہ حنین کے مال غنیمت سے انھیں سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی گئی۔ ❷

علاوہ ازیں آپ کے زمانہ کی فتوحات کی کثرت اور افریقہ اور ملک کے دوسرے حصوں میں مناسب مقامات پر چھاؤنیوں کا قیام بھی آپ کی سپہ گری اور عسکری سپرٹ کی بین دلیل ہے۔

خطابت:

سب سے بڑی بات جو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میں دلوں کو موہ لینے والی، دشمنوں کو دوست بنانے والی، اور نفرت کرنے والوں کو اپنا بنانے والی تھی، وہ یہ تھی کہ آپ ایک اچھے خاصے خطیب تھے۔ اس بات کی شہادت اسلامی تاریخ کے اکثر مؤرخین دیتے ہیں۔ بنابریں آپ اپنے اسرار کسی پر کھلنے نہ دیتے تھے۔ آپ بڑے فصیح و بلیغ تھے اور نہایت اچھی دلیل سے بات کرتے تھے۔ میدانِ سیاست میں اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے جو آپ نے اپنے متعلق خود بیان فرمائی ہے۔ فرمایا:

''میں نے جو اچھے نتائج حاصل کیے وہ اپنی قوتِ بیان کی بدولت حاصل کیے ہیں۔ اس

---

❶ دول الاسلام: ٤/١.

❷ طبقات ابن سعد: ١٢٨/٧.

Marfat.com

زمانہ میں پانچ بہترین اور چوٹی کے خطیب تھے۔ آپ ان میں سے ایک تھے۔''❶

آپ کی خطابت اور فصاحت و بلاغت کے بارے میں مشہور شیعہ مورخ ابن طقطقی لکھتا ہے کہ:

((كان (معاوية) حكيمًا، فصيحًا، بليغاً.)) ❷

''معاویہ رضی اللہ عنہ بڑے صاحب حکمت اور فصیح و بلیغ انسان تھے۔''

عوام کی حاجتوں سے باخبر ہونا:

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عوام کی ضرورتوں اور حاجتوں سے پوری طرح باخبر رہتے اور ہر شخص ان کے پاس جا کر اپنی حاجتوں کو پیش کر سکتا تھا۔ چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ کی عادت یہ تھی کہ ایک خاص آدمی (جس کو قاص کہا جاتا ہے) عوام الناس اور ملک کے ضروری احوال آپ کی خدمت میں پیش کرتا۔ آپ مسجد میں ایک مخصوص جگہ پر تشریف لے جاتے اور وہاں کچھ دیر قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے۔ اس کے بعد آپ گھر تشریف لے جاتے اور اوامر و نواہی کی حسب ضرورت تلقین فرماتے۔ پھر چار رکعت نماز ادا کرتے اور باہر تشریف لا کر مجلس میں بیٹھ جاتے اور خاص خاص لوگوں سے ملاقات کرتے اور ان کے ساتھ ضروری بات چیت فرماتے، اسی دوران آپ کے اعیانِ حکومت اور وزراء حاضر ہو کر اس دن کے متعلق ضروری گفتگو کرتے اور آپ انھیں مناسب ہدایات دیتے۔❸

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ گھر سے باہر تشریف لاتے اور مسجد میں مقصورہ کے پاس خادم سے کرسی منگوا کر تشریف فرما ہوتے۔ اس کے بعد آپ حکم فرماتے کہ جو کمزور اور ناتواں لوگ اور بادیہ نشین کسی ضرورت کے لیے آئے ہوئے ہوں، وہ باری باری حاضر ہوں۔ لوگ حاضر ہو کر جو کچھ عرض کرتے تو آپ اسی وقت اس کی حاجت اور ضرورت کو پورا کرتے۔ اگر کوئی کہتا کہ مجھ پر ظلم ہوا ہے تو آپ اس کی دادرسی کا حکم فرماتے۔ اس طرح سے تمام حاضرین اور حاجت مندوں کی ایک ایک ضرورت اور حاجت کو پورا کیا جاتا۔ یہاں تک کہ کوئی ضرورت مند باقی نہ رہتا۔❹

مسعودی نے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ جب آپ مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو ارشاد فرماتے کہ ''جو لوگ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے ان کی ضروریات اور حوائج کو پیش کیا جائے۔ آپ کے اس

---

❶ (Encyclopeadia of Islam, Vol.3, P.619)

❷ الفخری، ص: ۱۷۳.

❸ مروج الذهب: ۳/۳۹.

❹ مروج الذهب: ۳/۳۹.

Marfat.com

فرمان کے بعد ایک شخص حاضر ہو کر عرض کرتا کہ فلاں شخص فلاں جنگ میں شہید ہو گیا ہے۔ آپ اس کی اولاد کے لیے وظیفہ مقرر کرنے کا حکم فرماتے۔ پھر ایک اور شخص اٹھ کر کہتا کہ فلاں شخص گھر سے غائب ہے یعنی کسی ضرورت کے لیے گھر سے باہر گیا ہے۔ آپ حکم فرماتے کہ اس کے اہلِ خانہ کی نگہداشت کی جائے اور اس کے اہلِ خانہ کی ضروریات کو پورا کیا جائے، اس طرح سے لوگ ان لوگوں کی حاجتوں کو پیش کرتے جو آپ تک کسی وجہ سے پہنچ نہ پاتے۔ پھر آپ کی خدمت میں صبح کا ناشتہ پیش کیا جاتا جس میں مجلس میں موجود تمام لوگ شریک ہوتے۔ اسی دوران آپ کا منشی آپ کے احکام لکھتا جاتا یہاں تک کہ تمام حاجت مندوں کی ضروریات کو پورا کر دیا جاتا۔ ❶

جب کوئی شخص مسجد میں کثرت سے رہے تو بعض دفعہ احترامِ مسجد کے خلاف بھی کچھ باتیں ہو جاتی ہیں۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی اگر غلطی سے کوئی بات خلاف آداب مسجد ہو جاتی تو جب تک اس کا ازالہ نہ فرما لیتے چین نہ آتا۔ یہی حال دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔ چنانچہ بعض روایات میں ہے اگرچہ وہ روایات بھی زیادہ جید نہیں ہیں کہ ایک مرتبہ آپ نے طبعی ضرورت کے تحت مسجد میں تھوک دیا۔ چوں کہ تھوکنا بے خیالی سے تھا۔ اس وجہ سے آپ بے خیالی ہی میں گھر تشریف لے آئے۔ کچھ دیر کے بعد انھیں اپنی اس غلطی کا احساس ہوا۔ غلطی اور گناہ کا احساس ہونا ہی سب سے بڑی چیز ہے جو آدمی کو آرام سے نہیں بیٹھنے دیتا۔ لہٰذا آپ بھی فوراً مسجد میں تشریف لائے۔ اس تھوک کو تلاش کیا اور اس پر مٹی ڈال کر اس کو دفن کر دیا۔ ❷

عہد و پیمان کی پابندی:

ایک مسلمان کے لیے عہد و پیمان کو پورا کرنا نہایت ضروری ہے۔ حدیث میں یہ علامت منافق کی بتائی گئی ہے کہ وہ اپنے عہد اور وعدہ کو پورا نہیں کرتا۔ پھر ایک مسلمان حکمران کے عہد و پیمان کو پورا کرنا اور بھی ضروری ہے کیوں کہ اگر وہ عہد کو پورا نہیں کرے گا تو اس کی کابینہ اور اس کی جماعت کے لوگ بھی وعدہ کر کے اس کو توڑنے والے ہو جائیں گے۔ کیوں کہ بقول سعدی شیرازی اگر کوئی بادشاہ ظلم سے رعایا کا ایک انڈا کھا لے گا تو اس کے سپاہی اور فوجی رعایا کی مرغیوں ہی کو سیخوں پر چڑھا لیں

---

❶ مروج الذهب: ٣/٣٩-٤٠.

❷ تاريخ المدينه المنورة ١/٢٧- ابوزيد عمر بن شبه النميرى.

Marfat.com

گے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کتابوں میں ہے کہ ایک مرتبہ رومیوں اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک متعین عرصہ تک جنگ بندی کا معاہدہ ہوا۔ بعد میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کسی وجہ سے اہلِ روم کے خلاف اقدام کی تیاریوں میں مصروف ہوگئے تاکہ معاہدہ ختم ہوتے ہی رومیوں پر حملے کا آغاز کردیا جائے۔ یہ دیکھ کر ایک بزرگ صحابی تیز رفتار گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے فوج کے پیچھے پہنچے اور وہ زور سے پکار رہے تھے: "اللہ اکبر، اللہ اکبر وخا. ولا غدر" یعنی وفاء سے کام لیا جائے بدعہدی نہ کی جائے اور عہد و پیمان کو نہ توڑا جائے۔ یہ صاحب کون تھے؟ جو اتنی اونچی آواز سے عہد و پیمان کو نہ توڑنے کی تاکید کر رہے تھے۔ جب غور سے دیکھا گیا تو وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی سیّدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ تھے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں پوچھا یہ آپ کیا بات فرما رہے ہیں۔ ہم نے کون سی بے وفائی کی ہے اور کون سا عہد و پیمان توڑا ہے؟ اس پر سیّدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث سنائی۔ فرمایا:

> ''میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے آپؐ فرماتے تھے کہ جس شخص یا قوم کے درمیان کوئی معاہدہ ہو تو اس معاہدہ کی مدت اختتام سے قبل معاہدہ کے خلاف کوئی اقدام کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ مدت معاہدہ پوری نہ ہو جائے یا ان کی طرف سے معاہدہ کو توڑ دیا جائے۔ جونہی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنی تو آپ فوراً اپنے فوجیوں کے ساتھ واپس تشریف لے آئے۔''[1]

اسی طرح کا ایک اور واقعہ البلاذری نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ رومیوں نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے معاہدہ کیا کہ رومی مسلمانوں کو اتنا مال ادا کریں گے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے چند آدمی ضمانت کے طور پر اپنے پاس رکھ لیے اور ان کو بعلبک کے مقام پر رکھا۔ معاہدہ کے بعد رومیوں نے نقضِ عہد کیا اور مال ادا کرنے سے یک قلم انکار کر دیا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ اکابر اہلِ اسلام نے ان سے بدعہدی کا بدلہ لینے کے بجائے ان سے وفا کرنا بہتر سمجھا۔ جو رومی اس وقت ان کی تحویل میں تھے، ان کے قتل کو حلال اور جائز نہیں سمجھا۔[2]

---

[1] ابوداؤد: ۲/۲۱۔ المصنف لابن ابی شیبہ: ۱۲/۱۵۹۔ ابن حبان: ۸/۱۸۲.

[2] فتوح البلدان، ص: ۱۹۵۔۱۹۶.

Marfat.com

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر:

قرآن حکیم میں ایک اسلامی حکومت کا فریضہ یہ بتایا گیا کہ ''جب ہم ان کو زمین میں حکومت عطا فرماتے ہیں تو وہ اقامتِ نماز، ادائے زکوٰۃ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔'' سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دورِ حکومت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض انجام دیے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایک مکان میں داخل ہوئے، وہاں سیّدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پہلے سے موجود تھے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس مکان میں تشریف لانے پر سیّدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ تو احتراماً کھڑے ہوگئے لیکن سیّدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیٹھے رہے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو کھڑے ہوتے دیکھ کر فرمایا کہ بیٹھ جایئے کیوں کہ میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کو لوگوں کا اس کے سامنے کھڑے رہنا پسند ہو، وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے۔ ❶

امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر کا فریضہ بھی آپ نے ہر لمحہ ادا کیا۔ جب بھی کسی برائی کو دیکھا اس کو فوری طور پر روکنے کی پوری پوری کوشش کی۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور آپ کو بتایا گیا کہ یہاں کی بعض عورتوں میں کچھ بنی اسرائیل کی عورتوں کی طرح کے بالوں کے بارے میں کچھ مفاسد پیدا ہوگئے ہیں۔ یہ سن کر آپ منبر پر تشریف لائے اور ایک خطبہ ارشاد فرمایا: آپ نے فرمایا:

> ''اے اہلِ مدینہ! تمھارے علماء کہاں گئے ہیں؟ کہ وہ ان منکرات اور مفاسد سے تمھیں منع نہیں کرتے۔ پھر اپنے پاس سے بالوں کا ایک گچھا پیش کر کے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں اسی طرح بالوں کی بناوٹ بناتی تھیں۔ جس کے نتیجہ میں وہ قوم ہلاک ہوئی۔ پھر فرمایا کہ میں نے اس بارے میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وعید سنی ہے۔ آپ بالوں کی اس قسم کی ساخت سے منع فرماتے تھے، لہٰذا مسلمان خواتین میں یہ بری رسم نہیں ہونی چاہیے۔ ❷

---

❶ المصنف لابن ابی شیبہ: ۲۹۸/۸۔ مسند احمد: ۹۲/٤، ۱۰۰۔ ترمذی: ۱۰۰/۲.

❷ ترمذی، ص: ۱۰۲۔ مسند احمد: ۹۷/٤۔ سنن کبریٰ بیہقی: ۲۹۰/٤۔ مسند الحمیدی: ۲۷۲/۲.

Marfat.com

اس بارے میں اہلِ علم حضرات بخوبی آشنا ہیں کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

''اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو سوئی کے ساتھ گودنے والی، اپنے جسم میں نشانات گاڑنے والی اور بنوانے والی ہیں۔ نیز وہ عورتیں جو ابرو کے بالوں کو باریک بنواتی ہیں یا بناتی ہیں اور وہ عورتیں جو دانتوں کو باریک بنواتی یا بناتی ہیں۔''[1]

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک خطبہ نقل کیا ہے جس میں آپ نے اوامر و نواہی کو بڑے اچھے طریقے سے بیان فرمایا: آپ نے جمعہ کے روز دمشق میں منبر پر یہ خطبہ دیا جس میں آپ نے فرمایا:

''اے لوگو! میری بات نہایت غور سے سنو اور یہ سمجھ لو کہ میں امور دنیا و آخرت کے بارے میں تم سے زیادہ واقف و آشنا ہوں۔

نماز میں اپنے رخ ٹھیک رکھو اور صفوں کو درست رکھو وگرنہ اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے دلوں میں ٹیڑھ اور کجی پیدا کر دیں گے۔

اپنی قوم میں سے خفیف العقل لوگوں پر کنٹرول کرو، ورنہ اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر دشمن کو مسلط کر دیں گے اور وہ تم کو برے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں صدقہ کرتے رہو اور کوئی یہ نہ کہے کہ کم مال رکھتا ہوں کیوں کہ کم مال رکھنے والے کا صدقہ غنی اور زیادہ مال رکھنے والے سے افضل اور بہتر ہے۔

عفیف اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے بچو اور اس سے بھی بچو کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے یہ بات سنی ہے یا مجھے پہنچی ہے کیوں کہ کسی عورت پر تہمت لگانا اتنا سخت گناہ ہے کہ اگر کسی شخص نے عہد نوح میں بھی کسی عورت پر تہمت لگائی ہو تو وہ بھی قیامت کے روز مسئول ہوگا۔''[2]

عبدالرحمٰن بن ہرمز کہتے ہیں کہ عباس بن عبداللہ نے اپنی بیٹی کا نکاح عبدالرحمٰن بن حکم سے کر دیا اور عبدالرحمٰن نے اپنی بیٹی کا نکاح عباس سے کر دیا اور اس باہمی تبادلے ہی کو دونوں نے مہر

---

[1] ابن عساکر: ١٦/٦٧٥.

[2] البدایہ والنہایہ: ٨/١٣٤.

Marfat.com

قرار دے دیا۔ جب سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو آپ نے سیّدنا مروان رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر ان دونوں میں تفریق کروانے کا حکم دیا اور ساتھ ہی خط میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ یہ نکاح شغار ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ ❶

خشیت الٰہی:

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میں خشیت الٰہی کا جذبہ بہت زیادہ تھا۔ ہر وقت فکر آخرت میں متوجہ رہتے اور بعض واقعات پر نہ صرف آنکھیں نم ناک ہوتیں بلکہ زار و قطار روتے رہتے۔

روایات میں ہے کہ ایک روز سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث بیان ہوئی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز تین شخص (عالم، مجاہد اور متمول) سے باز پرس ہوگی اور وہ لوگ اپنی غلط نیتوں اور غلط ارادوں کے پیش نظر اس محاسبہ میں ناکام رہیں گے۔ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان تینوں شخصوں کے بارے میں واقعہ سنا کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھٹنے پر ہاتھ مار کر فرمایا:

> ''ابو ہریرہ! ان تین قسم کے لوگوں کو قیامت کے روز دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جلایا جائے گا۔'' ❷

جب یہ روایت آپ کی مجلس میں سنائی گئی تو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ زار و قطار رونے لگے اور ایسا گمان کیا جانے لگا کہ شاید اس سے ان کی جان ہلاک ہو جائے گی۔ جب ذرا طبیعت سنبھلی تو اپنے چہرے سے آنسو پونچھے اور فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا پھر آپ نے سورہ ہود کی ۱۵۔۱۶ آیات پڑھیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک صحابی ابو مریم الازدی رضی اللہ عنہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان کی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ''جس شخص نے کسی حاجت مند کے لیے اپنا دروازہ بند کر لیا اور اس کی حاجت روائی نہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کا دروازہ آسمانوں پر بند فرما دیں گے۔''

---

❶ ابو داؤد، رقم: ۲۰۷۵۔ ❷ رواہ الترمذی: ۲/۶۱۔ مستدرک حاکم: ۳/۱۴۲۔

Marfat.com

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ حدیث سنی تو اوندھے منہ گر کر رونے لگے۔ پھر اپنے دربان کو بلایا اور ابو مریمؓ صحابی سے فرمایا کہ یہ نبوی فرمان اس کو بھی سناؤ۔ چنانچہ انھوں نے اس دربان کو وہ حدیث سنائی۔ اس کے بعد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے دربان سے فرمایا:

''یہ معاملہ میں نے اپنی گردن سے اتار کر تیری گردن میں ڈال دیا ہے، اور حکم دیا کہ جب بھی کوئی حاجت مند آئے تو اسے میرے پاس پہنچا دیا جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ میری زبان سے اس کے حق میں جو فیصلہ چاہیں گے، جاری کرائیں گے۔'' ❶

فضل وکمال

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ علمی اعتبار سے بھی نہایت اونچے مقام کے حامل تھے۔ ابتداء ہی سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے، چنانچہ ظہورِ اسلام کے وقت پورے عرب میں صرف ۱۷ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان میں سے ایک تھے۔ آپ کی اس علمی برتری کی بنا پر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنا کاتبِ وحی مقرر فرمایا تھا، جس کا اقرار ابن ابی الحدید نے ان الفاظ میں کیا ہے:

((كان (معاوية) احد كتّاب رسول الله ﷺ .)) ❷

''سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے ایک تھے۔''

آپ صرف کاتب وحی ہی نہ تھے، بلکہ صاحب علم وافتاء صحابہ میں بھی شمار ہوتے تھے۔ اور تفقہ فی الدین اور قرآن وحدیث کی تفسیر وتاویل میں بھی آپ کا ایک خاص مقام تھا۔ ❸ ۱۶۳ احادیث نبویہ آپ سے مروی ہیں، جن کو بعد میں عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ اور حمید بن عبدالرحمٰن وغیرہ تابعین نے روایت کیا ہے۔ چار احادیث متفقہ طور پر صحیحین میں موجود ہیں۔ امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری کا یہ فقرہ حدیث میں آپ کی ثقاہت کے لیے ایک کھلی شہادت ہے۔

((كان لا يتهم فى الحديث عن رسول الله ﷺ .)) ❹

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کی روایت میں آپ کو متہم نہیں کیا جا سکتا۔''

---

❶ جامع الاصول ابن اثیر ٤/ ٤٤٥، طبقات ابن سعد ٧/ ١٥٠.

❷ ابن ابی الحدید: ١/ ٣٣٨.

❸ اعلام الموقعین: ١/ ١٣.

❹ التاریخ الکبیر، بخاری: ٤/ ٣٢٨.

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ سے روایت کا سلسلہ فتح مکہ کے بعد شروع ہوا، کیونکہ فتح مکہ کے بعد آپ اکثر و بیشتر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہی رہتے تھے۔ اور فتح مکہ کے وقت آپ کی عمر قریباً ۱۸ سال تھی۔ ❶

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الاصابہ: ۳/ ٤٣٤۔ الدولة الاموية المفترى عليها، ص: ١٤٥۔)

علماء نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بہت سے فضائل ذکر کیے ہیں جو کہ قرآن اور حدیث دونوں میں موجود ہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ حنین میں شرکت فرمائی اور جن لوگوں نے غزوۂ حنین میں شرکت کی، ان کے بارے میں قرآنِ حکیم میں ہے:

﴿ ثُمَّ أَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۖ وَأَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۖ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكَافِرِيْنَ ۝ ﴾

(التوبة: ٢٦)

''پھر اللہ نے اپنے رسولؐ پر طمانینت قلب (سکینہ) نازل فرمائی، اور ایمان والوں پر (بھی) اور اس نے ایسے لشکر اُتارے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے۔''

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہیں، جنھوں نے غزوۂ حنین میں شرکت فرمائی اور یہ ان مومنوں میں سے ہیں، جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت اُتاری اور ان کی مدد کے لیے فرشتوں کے لشکروں کو نازل فرمایا۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ غزوۂ حنین میں فرشتوں کا نزول صرف اس لیے ہوا تھا کہ وہ مسلمانوں کے دلوں کو مطمئن کریں۔ ❷ یہی کچھ امام قرطبی نے بھی لکھا ہے۔ ❸

پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے ''الحسنٰی'' کا وعدہ فرمایا جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ہے:

﴿ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ أُولٰٓئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ أَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا ۚ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ ﴾ (الحديد: ١٠)

---

❶ طبقات ابن سعد: ٧/ ٤٠٦۔ خلافة معاوية للعقيلي، ص: ١٤.

❷ تفسير كبير: ٦/ ٢٠.

❸ تفسير قرطبي: ٨/ ٣٧.

Marfat.com

''تم میں سے کوئی بھی ان کے برابر نہیں ہوسکتا جنھوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور (کافروں سے) قتال کیا، ان کا (ان مسلمانوں سے) بہت بڑا درجہ ہے، جنھوں نے بعد میں (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور (کافروں سے) قتال کیا۔ اللہ نے ان سب سے اچھے انجام کا وعدہ فرمایا ہے، اور اللہ تمھارے تمام کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اچھے انجام کا وعدہ فرمایا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے خواہ مقدم ہوں یا مؤخر، اللہ تعالیٰ نے ان سب سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ البتہ ان کے درجات اور مراتب مختلف ہوں گے۔ اس بارہ میں مختلف احادیث بھی ہیں۔

☆ سیّدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میرے صحابہ کو برا نہ کہو، کیونکہ اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی خیرات کردے تو وہ ان کے صدقہ کیے ہوئے ایک کلو یا نصف کلو جو کے برابر نہیں ہوگا۔'' ❶

☆ سیّدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''اس مسلمان کو آگ نہیں جلائے گی، جس نے مجھے دیکھا ہو یا اس کو دیکھا ہو، جس نے مجھے دیکھا ہو۔'' ❷

☆ سیّدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میری اُمت کے بہترین لوگ میرا قرن ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں۔'' ❸

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ صحابیِ رسول بھی تھے اور آپ نے سورۂ الحدید کی آیت کے مطابق غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف میں شرکت بھی فرمائی، مال بھی خرچ کیا اور دشمنوں سے قتال بھی کیا، لہٰذا وہ ﴿ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ﴾ کے مصداق ہوئے۔ ❹

احادیث میں بھی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بہت سے فضائل آئے ہیں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

❶ بخاری، رقم: ٣٦٧٣۔ مسلم، رقم: ٢٥٤١۔ ابو داؤد، رقم: ٤٦٥٨۔ ترمذی: ٣٦٨١۔ مسند احمد: ٣/ ١١.

❷ ترمذی، رقم: ٣٨٥٨.

❸ بخاری، رقم: ٣٦٥٠۔ مسلم، رقم: ٢٥٣٥۔ ابوداؤد، رقم: ٤٦٥٧۔ ترمذی، رقم: ٣٨٥٠٩.

❹ الفتاویٰ: ٤/ ٤٩٥.

Marfat.com

ان کے لیے دُعائی فرمائیں:

((اللهم اجعله هاديًا مهديًا واهد به .))

''اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہادی، مہدی اور ذریعہ ہدایت بنادے۔''

پھر مسلم میں حدیث آتی ہے۔ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میں دروازے کے پیچھے چھپ گیا، لیکن آپ نے مجھے آلیا اور فرمایا: ''جاؤ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر لاؤ۔'' میں گیا اور واپس آ کر عرض کی کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں، یہ سن کر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((الا شبع الله بطنه .)) ..... ''اللہ اس کے پیٹ کو نہ بھرے۔'' ❶

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو بددعا کے معنوں میں ذکر نہیں کیا، بلکہ دُعا کے طور پر ذکر کیا ہے۔ ❷ اسی وجہ سے ابن عساکر نے اس حدیث کو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ایک صحیح حدیث کہا ہے۔ ❸

امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے کہ یہ حدیث سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت میں ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اللّٰهم من لعنته أو سببته ، فما جعل ذالك له زكاة ورحمة .))

''اے اللہ! میں نے جس پر لعنت کی ہے یا اسے کسی لحاظ سے برا بھلا کہا ہے تو میرے یہ الفاظ اس کے لیے پاکیزگی اور رحمت کا سبب بنادے۔'' ❹

پھر آپ کے یہ کلمات سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے کوئی بددعا نہیں ہیں، بلکہ آپ نے عام عربی عادت کے تحت یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ اس طرح کے کئی الفاظ عربی زبان میں استعمال ہوتے ہیں، لیکن ان کا مطلب بددعا نہیں ہوتا۔ ❺

پھر بخاری کی یہ حدیث بھی آپ کے فضائل میں سے ہے، جو سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ

---

❶ مسلم، رقم: ٢٦٠٤.

❷ نووی شرح مسلم: ١٦/ ١٦٥.

❸ تاریخ دمشق: ١٢/ ٢٤.

❹ ملاحظہ ہو: سیر اعلام النبلاء: ١٤/ ١٣٠.

❺ الناهية عن طعن امير المؤمنين معاوية، ص: ٦٩.

Marfat.com

اپنی خالہ اُمّ ہانی بنت ملحان رضی اللہ عنہا سے نقل فرماتے ہیں کہ سیّدہ اُمّ حرام رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز قیلولہ فرما رہے تھے۔ پھر آپ بیدار ہوئے اور تبسم فرمایا۔ میں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے تبسم فرمانے کی کیا وجہ ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت کے کچھ لوگ مجھ پر پیش کیے گئے جو سمندر پر اس طرح سوار تھے، جیسے بادشاہ اپنے تختوں پر براجمان ہوتے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے کردے۔ آپ نے میرے لیے دُعا فرمائی۔ آپ پھر استراحت فرمانے لگے، یعنی پھر سو گئے، آپ پھر دوسری مرتبہ اُٹھے اور فرمایا کہ تم پہلے لشکر میں سے ہو۔ چنانچہ وہ اپنے خاوند سیّدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس لشکر کے ساتھ تھیں جو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں سنہ ۲۷ھ میں قبرص پر حملہ کرنے کے لیے گیا تھا، واپسی پر وہ اپنے گھوڑے سے گر پڑیں اور ان کا وہاں انتقال ہوگیا۔ ❶

بخاری ہی میں ایک اور روایت ہے جو سیّدہ اُمّ حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت کا پہلا لشکر جو بحری جنگ کرے گا اس پر جنت واجب ہوگئی ہے۔ سیّدہ اُمّ حرام رضی اللہ عنہا نے پوچھا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں بھی ان میں سے ہوں گی؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو بھی ان میں سے ہے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری اُمت کا سب سے پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا، اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرمادی ہے۔'' سیّدہ اُمّ حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں ان میں سے ہوں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں۔'' ❷

امام مہلب (جو بخاری کے شارح ہیں، ملاحظہ ہو: سیر اعلام النبلاء: ۱۷/۵۸۹) نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت و فضائل کا ذکر ہے، کیونکہ انھوں نے سب سے پہلے بحری جنگ لڑی۔ ❸

شعر و ادب:

شعر و ادب میں بھی آپ ایک خاص مذاق رکھتے تھے۔ چونکہ آپ کے والدین بھی شاعر تھے،

---

❶ فتح الباری: ٦/ ٢٢.
❷ فتح الباری: ٦/ ١٢٠۔ ٦/ ٢٢.
❸ فتح الباری: ٦/ ١٢٠.

Marfat.com

لہٰذا آپ شیریں الفاظ کے بہت شائق تھے اور عرب کی فصاحت و بلاغت کے بہت گرویدہ تھے۔ آپ اشعار کو تہذیب و اخلاق کا بہترین ذریعہ سمجھتے تھے۔ ❶ چنانچہ ایک روز آپ نے عبدالرحمٰن بن الحکم بن العاص کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

''اے میرے بھتیجے! تو شعر گوئی کا بڑا شوقین ہے، لہٰذا عورتوں کے ساتھ تشبیب سے بچنا، تاکہ شریف عورت کو عار نہ لگے، اور ہجو سے بچنا کہ کسی شریف کی بدنامی نہ ہو اور کوئی کمینہ تیرے پیچھے نہ پڑ جائے۔ اور مدح سے بچنا کیونکہ یہ بے حیائی کی روزی ہے، ہاں اپنی قوم کے مفاخر پر فخر کرنا اور ایسی باتیں کہنا، جس سے تیرا نفس مہذب ہو اور دوسرے بھی ادب پکڑیں۔'' ❷

آپ کی اسی علمی لگن کا نتیجہ تھا کہ آپ نے اپنے عہد خلافت میں ایک مؤرخ عبید بن شریہ سے تاریخ قدیم کی داستانیں، سلاطین عجم کے حالات، زبانوں کی ابتداء اور ان کی نشر و اشاعت کی تاریخ لکھوائی جو کہ تاریخ کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ ❸

رسول اللہ ﷺ کے بال کاٹنے کی فضیلت:

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی کتاب فضائل میں سے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے سرکارِ دو عالم ﷺ کے سر مبارک کے بال مشقص سے (لوہے کا ایک آلہ ہوتا ہے، جس سے سر کے بال کاٹے جاتے تھے، گویا آج کل کی اصطلاح میں اس کو سر کے بال کاٹنے والی مشین کہا جا سکتا ہے۔) بال کاٹے۔ چناں چہ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کے سر مبارک کے بال مشقص سے کاٹے۔ ❹

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ نہایت قریبی تعلق تھا، کیونکہ ایسی خدمت وہی شخص کر سکتا ہے، جس کا کوئی خاص تعلق ہو۔

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے: اس جگہ کا بھی تعین کیا گیا ہے، جہاں بال کاٹے گئے، چنانچہ

---

❶ كتاب العمدة، ص: ١٠.

❷ معاويه، نصولى، ص: ٧١.

❸ الفهرست لابن النديم، ص: ١٣٢.

❹ بخارى: ١/ ٢٣٣ـ مسلم: ١/ ١٠٨ـ مسند احمد: ٤/ ٩٦.

Marfat.com

روایت میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''میں نے مروہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال چھوٹے کیے تھے۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے شاید یہ بال عمرۃ القضاء میں کاٹے تھے۔ یہ بال حجۃ الوداع میں نہیں کاٹے، کیونکہ حجۃ الوداع میں بخاری کی روایت نمبر: ۴۴۱۰ میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ حجۃ الوداع میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق کروایا تھا۔ جب سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرۃ القضاء میں آپ کا قصر کیا تو یہ بھی معلوم ہوا کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عمرۃ القضاء سے قبل دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

ظرافت:

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایک ظریف الطبع انسان تھے۔ ہر وقت خندہ پیشانی سے لوگوں کو ملتے۔ اسی وجہ سے ہر آدمی بغیر کسی خوف و ہراس کے آپ کو ملتا، بلکہ مل کر خوشی محسوس کرتا اور آپ بھی نہایت تپاک کے ساتھ ہر ایک کا خیر مقدم کرتے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ مجھے ایک مکان تعمیر کرنا ہے، جس کے لیے مجھے بارہ ہزار درخت دیے جائیں۔ آپ نے اس سے اس کے مکان کی وسعت پوچھی۔ اس نے کہا کہ دو فرسخ لمبائی اور دو فرسخ چوڑائی۔ آپ نے پوچھا: ''ایسا مکان ہے کہاں؟'' اس نے کہا: ''بصرہ میں۔'' آپ نے ظرافتاً کہا کہ:

((لا تقل داری فی البصرة ولکن قل البصرة فی داری .))

''یہ نہ کہو کہ میرا مکان بصرہ میں ہے، بلکہ یہ کہو کہ بصرہ میرے مکان میں واقع ہے۔'' [1]

ایسے ہی ایک مرتبہ سیّدنا عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہما آپ کے پاس تشریف لائے۔ سیّدنا عقیل رضی اللہ عنہ کی بینائی جاتی رہی تھی۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عقیل رضی اللہ عنہ کو ظرافتاً کہا:

''ہاشمیوں کی بصارتیں کیوں جاتی رہتی ہیں؟''

سیّدنا عقیل رضی اللہ عنہ نے بھی ظرافتاً اسی طرح جواب دیا:

''امویوں کی بصیرتیں کیوں جاتی رہتی ہیں۔'' [2]

---

[1] البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۴۰.

[2] العقد الفرید: ۲/ ۳۱۵.

Marfat.com

جود وسخا:

ان سب خوبیوں کے ساتھ ساتھ آپ نہایت سخی اور صاحب جود وسخا تھے۔ خود لسانِ نبوتؐ نے بھی اس بارے میں فرمایا تھا:

((معاوية احلم أُمّتي واجودها .)) ❶

''معاویہ رضی اللہ عنہ میری اُمت میں سب سے زیادہ حلیم و بردبار اور صاحبِ جود وسخا ہیں۔''

چنانچہ آپ کی فیاضی کا ابر کرم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اکابر قریش اور آل ابی طالب پر برابر برستا رہتا تھا اور سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ، سیّدنا عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما اور سیّدنا عقیل رضی اللہ عنہ وغیرہم اکثر و بیشتر آپ کے پاس جاتے اور کافی بڑی بڑی رقمیں لے کر آتے۔ جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ اسی وجہ سے سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے:

''لوگ آپ کے جود وکرم سے بحرِ بے کراں کی طرح مستفید ہوتے ہیں۔'' ❷

علامہ ذہبی رحمہ اللہ آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''معاویہ رضی اللہ عنہ ایک دانش مند، سخی اور بہادر خلیفہ تھے۔'' ❸

آپ کی اس خوبی کا اعتراف ابن ابی الحدید نے بھی کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے:

((كان معاوية جواداً بالمال والصلات .)) ❹

''معاویہ رضی اللہ عنہ مال اور صلے دینے میں بہت سخی تھے۔''

سادگی:

مخالفین کے پراپیگنڈے کے باعث عموماً آپ کو جاہ پسند خلیفہ سمجھا جاتا ہے، حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ آپ کی طبیعت میں بہت تواضع تھی اور آپ جاہ پسندی، نخوت اور تکبر کو بالکل پسند نہیں فرماتے تھے۔

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کسی مجمع میں تشریف لے گئے۔ آپ کے جانے پر

---

❶ حماة الاسلام: ١/ ١٦٥.
❷ طبری: ٦/ ١٨٨.
❸ دول الاسلام: ١/ ٢٤.
❹ ابن ابی الحدید: ١/ ٢٤.

Marfat.com

لوگ تعظیماً کھڑے ہوگئے۔ آپ نے اس فعل کو خلافِ سنت خیال کرتے ہوئے لوگوں کو سختی سے اس بات سے منع کیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((من احب ان یتمثل له الرجال قیامًا فیلتبوأ مقعده من النار .)) ❶

''جو شخص پسند کرتا ہے کہ لوگ تعظیماً اس کے لیے کھڑے ہوا کریں، وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے۔''

آپ کے لباس کی سادگی کے بارے میں گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ آپ کے لباس کو کئی کئی پیوند لگے ہوتے تھے اور آپ وہی پیوند زدہ لباس پہنے ہوئے دمشق کے بازاروں میں پھرتے رہتے تھے۔ ❷

قیامِ عدل:

قیامِ عدل ایک اسلامی حکومت کا نہایت اہم مقصد ہے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں ہے کہ:

﴿ لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾ (الحدید: ۲۵)

''اور رسول بھیجے ہم نے اپنے نشانیاں دے کر اور اُتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تاکہ لوگ سیدھے رہیں انصاف و عدل پر۔''

اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ رسولوں کی بعثت اور نزول کتاب و میزان صرف اس لیے ہے تاکہ لوگوں میں عدل و انصاف کیا جاسکے۔ گویا عدل و انصاف ایک ایسی چیز ہے، جس سے دنیا کا یہ نظام قائم ہے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں عدل و انصاف کے قیام کا نہایت اہتمام فرمایا۔ دربارِ خلافت میں جانے سے قبل آپ روزانہ مسجد میں تشریف لے جاکر رعایا کی شکایات سننے کے لیے بیٹھتے اور آپ کے پاس کمزور و ناتواں لوگ، عورتیں اور بچے غرضیکہ معاشرہ کے ہر طبقہ کے لوگ آتے اور اپنی اپنی شکایات بیان کرتے۔ آپ اسی وقت ان کی شکایات کے تدارک اور ازالہ کا حکم فرماتے۔ دربارِ خلافت میں تشریف لے جاکر آپ اشرافِ حکومت سے کہتے کہ جو لوگ اپنی بعض

---

❶ البدایه والنهایه: ۸/ ۱۲۶۔ الفتح الربانی: ۲۲/ ۳۵۷۔

❷ البدایه والنهایه: ۸/ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔

Marfat.com

وجوہات کی بنا پر مجھ تک نہیں پہنچ سکتے، ان کی ضروریات اور حاجات مجھ سے بیان کرو۔ ❶

آپ کے طرزِ حکومت پر نظر ڈالنے سے یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ اتنی دور دور کے صوبوں پر اسی قیامِ عدل اور رعایا کی دادرسی کی بدولت ہی کنٹرول کرتے تھے۔ چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جب کرسیٔ عدالت پر بیٹھتے تو کمزور و ناتواں بدو، بچے، بوڑھے، عورتیں اور لاوارث اور بے سہارا لوگ آتے اور کہتے کہ مجھ پر ظلم کیا گیا ہے۔ تو آپ فرماتے کہ اس کی عزت کرو، کوئی کہتا کہ مجھ پر دست درازی کی گئی ہے تو آپ فرماتے کہ اس کی مدد کے لیے آدمی بھیجو، اور اگر کوئی کہتا کہ مجھ پر زیادتی ہوئی ہے تو آپ فرماتے: ''اس کے معاملہ پر غور کرو۔''

جب سردارانِ قبائل اور اشراف کے ساتھ آپ بیٹھتے اور معاملات پیش کیے جاتے تو بس اسی قسم کے جملے فرماتے کہ فلاں کو دے دو، ان سے معاہدہ کرو، انھیں دو اور ان کی ضروریات پوری کرو اور ان کی خدمت کرو وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے کسی نے آپ کا برا نہیں چاہا۔ ❷

آپ کے عدل و انصاف پر علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے یہ ریمارکس دیے ہیں:

((وفضائل معاوية في حسن السيرة والعدل والاحسان كثيرة .)) ❸

''معاویہ رضی اللہ عنہ کے حسن سیرۃ اور عدل و احسان کے بارے میں فضائل بہت زیادہ ہیں۔''

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے عہدِ حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''آپ کے دورِ حکومت میں جہاد کا سلسلہ قائم رہا، اللہ کا کلمہ بلند ہوتا رہا اور مالِ غنیمت سلطنت کے اطراف سے بیت المال میں آتا رہا اور مسلمانوں نے راحت و آرام اور عدل و انصاف سے زندگی بسر کی۔'' والمسلمون في راحة وعدل . ❹

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آپ تالیفِ قلب، عدل و انصاف اور حقوق کی ادائیگی میں خاص احتیاط سے کام لیتے تھے۔ ❺

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی فاتح ایران آپ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

---

❶ مروج الذهب: ٤/ ٤٢٣.

❷ المسعودی، مروّج الذهب: ٢/ ٥١۔ ٥٢.

❸ المنتقى، ذهبی، ص: ٣٨٨.

❹ البدايه والنهايه: ٨/ ١١٩.

❺ منهاج السنّه: ٢/ ٢٨٣.

Marfat.com

((ما رأيت احداً بعد عثمان اقضىٰ بحق من صاحب هذا الباب .))

''میں نے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو حق کا فیصلہ کرنے والا نہ پایا۔'' ❶

مجاہد فرماتے تھے کہ: ''اگر تم معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کو پالیتے تو کہتے کہ مہدی تو یہ ہے۔'' ❷

ابواسحاق السبیعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

''اگر تم معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھتے یا ان کا زمانہ پالیتے تو (عدل وانصاف کی وجہ سے) تم ان کو ''مہدی'' کہتے۔'' ❸

ایک بار امام اعمش رحمہ اللہ کی مجلس میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ہوا تو امام اعمش فرمانے لگے:

''اگر تم سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے کو پالیتے تو تمھیں پتہ چل جاتا۔ لوگوں نے پوچھا کہ ان کے حلم وبردباری کا؟ فرمایا: نہیں، بلکہ ان کے عدل وانصاف کا۔'' ❹

آپ کی اِنھی خوبیوں کے باعث امام اعمش رحمہ اللہ آپ کو ''المصحف'' کے نام سے یاد کرتے تھے۔ اِنھی خوبیوں کی وجہ سے آپ کا دورِ حکومت ہر اعتبار سے ایک کامیاب دور شمار کیا جاتا ہے۔ لوگ خوش حال اور امن وسکون کی زندگی گزارتے تھے۔ آپ نے اپنی رعایا کی بہتری کے بہت سے انتظامات کر رکھے تھے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ آپ نے ہر قبیلہ اور ہر قصبہ میں آدمی مقرر کیے ہوئے تھے جو گشت کر کے یہ معلوم کرتے کہ کوئی بچہ تو پیدا نہیں ہوا؟ یا باہر سے کوئی مہمان آ کر تو نہیں ٹھہرا ہوا؟ اگر کسی بچے کی پیدائش کی اطلاع یا کسی مہمان کی آمد کا علم ہوتا تو اس کا نام لکھ لیتے اور پھر بیت المال سے اس کا وظیفہ جاری کر دیا جاتا۔ ❺ امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ حکم دیا ہوا تھا کہ دمشق کے غنڈوں اور بدمعاشوں کی فہرست بنا کر مجھے بھیجی جائے۔ ❻

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۳۳.

❷ العواصم من القواصم، ص: ۲۰۵.

❸ منہاج السنّہ: ۳/ ۱۸۵.

❹ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۳۳.

❺ العواصم من القواصم، ص: ۲۰۵.

❻ الادب المفرد، ص: ۵۵۲.

Marfat.com

سیّدنا ثابت رحمہ اللہ جو سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے، بیان کرتے ہیں کہ میں روم کی ایک جنگ میں شریک تھا۔ جنگ کے دوران ایک عام سپاہی اپنی سواری سے گر پڑا اور اُٹھ نہ سکا۔ اس نے لوگوں کو مدد کے لیے پکارا۔ سب سے پہلے جو شخص اپنی سواری سے اُتر کر اس کی مدد کو آیا وہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ❶

اتباعِ سنت:

ایک مومن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع زندگی کا ایک بہت بڑا سرمایہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ امتیازی خصوصیت تھی کہ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں سنت طریقہ کی جستجو کر کے اس کو اپنے عمل میں لاتے تھے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھی دین کے ہر معاملہ میں یہی کوشش ہوتی تھی کہ دینی معاملات سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق انجام دیے جائیں۔

دین میں سب سے اہم چیز نماز ہے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوری کوشش ہوتی کہ نماز کو اسی طرح قائم کیا جائے، جس طرح سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم قائم فرماتے تھے۔ چنانچہ سیّدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> ”میں نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمھارے اس امیر (سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) سے زیادہ کسی اور کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشابہ نماز پڑھنے والا نہیں دیکھا۔“ ❷

اس سلسلہ میں یہ روایت بھی آپ کے اتباع سنت کے جذبہ کو اجاگر کرتی ہے، جس کو عبداللہ بن حارث الہاشمی روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے نمازِ عصر پڑھی۔ نماز کے اختتام پر کچھ لوگ کھڑے ہو کر نوافل پڑھنے لگے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کی یہ بات عجیب معلوم ہوئی۔ چنانچہ نماز سے فارغ ہو کر آپ اپنی رہائش گاہ پر تشریف لائے۔ تھوڑی دیر کے بعد سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آپ کے پاس آئے۔ عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ میں بھی سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنی چارپائی پر بٹھالیا۔ پھر ان سے پوچھا کہ نمازِ عصر کے بعد جو لوگ نوافل پڑھ رہے تھے، یہ نماز ہم نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی ادا کرتے

---

❶ مجمع الزوائد: ۹/ ۳۵۷.
❷ مجمع الزوائد: رواه الطبرانی ورجاله الصحیح.

Marfat.com

نہیں دیکھا اور نہ ہی آپ ﷺ نے کبھی اس نماز کا حکم دیا ہے۔ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان کو اس نماز کا جواز فراہم کیا ہے۔

اب سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جستجو اور بڑھی اور انھوں نے مسئلہ کی تحقیق کے لیے سیّدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو بلوا کر دریافت کیا۔ سیّدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے سیّدہ عائشہ صدیقہؓ سے یہ مسئلہ دریافت کرایا۔ انھوں نے فرمایا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہ نمازِ عصر کے بعد میرے گھر میں پڑھی تھی اور میں نے آپ سے اس نماز کے بارے میں پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے یہ دو رکعت ادا کی ہیں، جو نمازِ ظہر کے بعد مجھ سے ضروری کام کی وجہ سے رہ گئی تھیں۔ ❶

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس نماز کے بارے میں یہ جستجو اور تحقیق سنتِ نبویؐ کی اتباع کے لیے تھی تاکہ کہیں مجھ سے رسول اللہ ﷺ کی یہ سنت رہ نہ جائے۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ کتابوں میں مرقوم ہے کہ السائب بن اخت نمر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے مقصورہ میں جمعہ کی نماز سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ادا کی۔ جب امام نے سلام پھیرا تو میں اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر نوافل اور سنن ادا کرنے لگا۔ نماز سے فارغ ہو کر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی رہائش گاہ پر تشریف لے گئے اور ایک آدمی بھیج کر مجھے بلوایا۔ میں جب پہنچا تو آپ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ جیسا تم نے آج کیا ہے، آئندہ ایسا کبھی نہ کرنا۔ پھر فرمایا:

> ”جب تم جمعہ کی نماز ادا کرلو تو پھر اس وقت تک کوئی نماز نہ پڑھو، جب تک یا تو تم کوئی کلام نہ کرلو یا پھر اپنی جگہ سے ہٹ نہ جاؤ، کیونکہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم فرمایا تھا کہ ہم فرض نماز کے بعد والی نماز ملا کر نہ پڑھا کریں، بلکہ درمیان میں یا تو کوئی کلام کرلیں یا وہ جگہ تبدیل کریں۔“ ❷

اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میں اتباعِ سنتؐ کا جذبہ بہت زیادہ تھا۔ آپ اگر کوئی کام خلافِ سنت دیکھتے تو اس پر تنبیہ فرماتے۔

ایک مرتبہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ حج کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ جب آپ حرم میں داخل ہوئے تو آدمی بھیج کر سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بلوایا۔ جب سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما تشریف لائے تو آپ

---

❶ المصنف لابن ابی شیبہ: ۲/ ۳۵۱.

❷ مجمع الزوائد: ۹/ ۳۵۷.

Marfat.com

نے ان سے پوچھا کہ بیت اللہ کے اندر رسول اللہ ﷺ نے کس جگہ نماز ادا فرمائی تھی؟ سیّدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ساریۃ الیسریٰ کے پاس آپ ﷺ کا نماز ادا کرنا بتلایا۔ ❶

یہ بھی آپ کے اتباعِ سنت کی ایک زندہ مثال ہے۔ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حضورؐ کے اس مقام کے بارے میں پوچھنے سے آپ کا مقصد صرف اتباع سنت تھا کہ میں بھی اسی جگہ نماز ادا کروں جہاں حضور ﷺ نے ادا کی تھی۔

کرامات:

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نہایت خدا ترس اور فکرِ آخرت رکھنے والے انسان تھے۔ خشیتِ الٰہی سے ان کی آنکھیں فی الفور آنسوؤں سے بھر جاتیں۔ بعض دفعہ تو زار و قطار روتے۔ آخرت کے مواخذے کی فکر ہر وقت ان کے ذہن پر مستولی رہتی۔ ان کے فکرِ آخرت اور خشیتِ الٰہی کے بے شمار واقعات تاریخ کی کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں، جن میں سے چند ایک گزشتہ صفحات میں ذکر کیے گئے ہیں۔

جب انسان کے ذہن میں آخرت کی فکر پیدا ہو جائے اور دل میں اللہ کا خوف جم جائے تو قرآنِ حکیم کے فرمان کے مطابق اس کے لیے پھر مغفرت الٰہی اور بہت بڑے اجر کا وعدہ ہے۔ ﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ﴾ اب ایسا شخص پھر مستجاب الدعوات بھی ہوتا ہے، کیونکہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے، تو پھر اللہ کی ہر شئے اس کی ہو جاتی ہے

تو ہم گردن از حکم داور پیچ
کہ گردن نہ پیچد زحکم تو پیچ

چنانچہ تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی بڑے مستجاب الدعوات اور صاحبِ کرامات صحابی تھے۔ آپ کی کئی کرامتیں تاریخ کے اورق میں موجود ہیں۔

☆ آپ کے عہدِ خلافت میں ایک مرتبہ بارش نہ ہوئی اور خشکی کی وجہ سے لوگ پریشان ہو گئے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ طلبِ باراں کے لیے ایک مقام ''الدم'' کی طرف نکلے اور حق تعالیٰ شانہ کے حضور بارش کی دُعا کی۔ دُعا ختم نہ ہوئی تھی کہ بارش شروع

---

❶ انساب الاشراف: ٤/ ٦٣.

Marfat.com

ہوگئی اور وادیاں پانی سے بہنے لگیں۔ ❶

☆ اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے، جس میں آپ نے سرکارِ دو عالم ﷺ کے صحابی سیّدنا یزید بن الاسود الجرشی رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے طلب باراں کی دُعا کی۔ طبقات ابن سعد وغیرہ میں ہے کہ جب آپ دُعا مانگ رہے تھے تو مغرب کی طرف سے ڈھال کی شکل کا بادل نمودار ہوا اور ساتھ ہی ہوا چلنے لگی۔ لوگ اپنے گھروں تک نہ پہنچنے پائے تھے کہ بارش شروع ہوگئی۔ ❷

جب ملک کا حاکم نیک، خدا ترس اور لوگوں کے ساتھ نہایت شفقت و مروّت سے پیش آنے والا ہو تو پھر ملک میں ہر طرف فراوانی اور امن و امان کا دور دورہ ہوتا ہے۔ لوگوں میں خدا خوفی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور ہر طرف نیکی جنم لیتی ہے۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں نیکی کے فروغ کے لیے نیک لوگوں کو زمامِ اختیار سونپی ہوئی تھی۔ ملک کے گورنر، فوج کے جرنیل، سرکاری کارکن سب خشیتِ الٰہی کا حامل تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے زمانہ میں آپ کے ہر جرنیل پر نصرتِ خداوندی کی فراوانی تھی۔

سیّدنا عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کا واقعہ گزشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے کہ قیروان کا شہر آباد کرنے کے لیے گھنے جنگل سے ان کی ایک ہی آواز سے تمام موذی جانور اور درندے نکل گئے اور ایک دو روز میں وہ تمام جنگل خالی ہوگیا، جس کو پھر کاٹ کر وہاں ''قیروان'' نامی شہر آباد کیا گیا۔

ایک مرتبہ آپ کے دورِ خلافت میں دمشق میں شدید قحط پڑا۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز استسقاء کے لیے ایک جگہ جمع ہونے کا حکم فرمایا۔ جب سب لوگ جمع ہوگئے تو آپ منبر پر تشریف لائے۔ اتفاقاً اسی مجمع میں یزید بن اسود الجرشی رضی اللہ عنہ نامی ایک بزرگ بھی موجود تھے۔ یہ بزرگ نہایت نیک طینت، نیکی اور تقویٰ میں مشہور اور مستجاب الدعوات مانے جاتے تھے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں جونہی دیکھا تو آگے بلا کر اپنے ساتھ منبر پر بٹھایا اور یوں بارگاہِ الوہیت میں دُعا کی:

> ''اے اللہ! ہم اپنے بہترین اور افضل ترین آدمی کے وسیلے سے آپ سے بارش کی دُعا مانگتے ہیں۔ اے اللہ! ہم آپ سے یزید بن اسودؓ کے وسیلہ سے نزولِ باراں کی دُعا کرتے ہیں۔ ہمیں بارش سے سیراب فرما۔''

---

❶ ابن عساکر: ۲/ ۱۰۵.

❷ طبقات ابن سعد: ۷/ ۱۵۵۔ الاصابه: ۳/ ٦٣٤.

Marfat.com

اس کے بعد آپ نے یزید بن اسود رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ آپ بھی بارگاہِ الٰہی میں نزولِ باراں کی دُعا فرمائیں۔ چنانچہ انھوں نے بھی اپنے ہاتھ دُعا کے لیے اُٹھائے اور لوگوں نے بھی نزولِ بارانِ رحمت کے لیے دُعا کی۔

اسی وقت مغرب کی طرف سے ڈھال کی شکل کا ایک بادل نمودار ہوا۔ ہوا چلنے لگی اور ابھی لوگ دُعا سے فارغ ہو کر گھروں کو پہنچنے نہیں پائے تھے کہ موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ ❶

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابرِ اُمت کی نظر میں

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابرِ اُمت کی نظر میں ایک اہم مقام کے حامل تھے۔ اسی وجہ سے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں ان کے بھائی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی وفات کے بعد شام کا والی مقرر فرمایا تھا اور ہر اہم مواقع پر ان کی تعریف فرمائی۔ ایسے ہی دوسرے صحابہ کرامؓ بھی آپ کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے۔

۱۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے تاثرات:

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی حسنِ سیاست کی گواہی ان الفاظ میں دی۔ آپ نے ایک مرتبہ اہلِ عرب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

((تذکرون کسریٰ وقیصر ودھاء ھما وعندکم معاویة .))

''تم لوگ کسریٰ و قیصر کی سیاست و تدبر کو یاد کرتے ہو، حالانکہ تم میں معاویہؓ موجود ہیں۔'' ❷

۲۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے تاثرات:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا:

''معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت اور امارت سے کراہت مت کرو، کیونکہ یہ امارت اگر ختم ہوگئی

---

❶ طبقات ابن سعد: ۷/ ۱۵۵۔ الاصابه: ۳/ ٦٣٤.

❷ طبری: ۵/ ۳۳۰۔ اسد الغابه: ۳/ ۲۲۳.

Marfat.com

تو تم دیکھو گے کہ تمھارے سروں کو تمھارے مونڈھوں سے حنظل کی طرح کاٹ دیا جائے گا۔'' ❶

۳۔ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے تاثرات:

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا:

((اصاب انه فقيه .)) ❷

''وہ صحیح ہیں، بے شک وہ ایک فقیہ ہیں۔''

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ان کے ملکی نظم ونسق کے بارے میں فرمایا:

((ما رأيت احداً كان اخلق للملك من معاوية .))

''یعنی ملکی نظم ونسق میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ موزوں شخص میں نے نہیں دیکھا۔'' ❸

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر سن کر سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے ماقبل خلفا کی مثل نہ تھے، لیکن ان کے بعد ان کی مثل کوئی نہیں آئے گا۔'' ❹

۴۔ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے تاثرات:

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمرانی اور سیاست کو دیکھ کر فرمایا کرتے تھے:

((ما رأيت احداً بعد رسول الله ﷺ اسود من معاويه .))

''یعنی سرکارِ دو عالم ﷺ کے بعد میں نے کسی کو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر حکمران نہیں دیکھا۔'' ❺

۵۔ سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کے تاثرات:

فاتح فارس سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما، سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے تھے:

---

❶ انساب الاشراف: ٤/ ٤٠۔ البدايه والنهايه: ٦/ ٢٨٨۔ تاريخ الاسلام ذهبى: ١٢/ ٣٢٠.

❷ بخارى: ١/ ٥٣١۔ حماة الاسلام: ١/ ١٦٥.

❸ التاريخ الكبير بخارى: ٤/ ٣٢٧۔ البدايه والنهايه: ٨/ ١٣٥.

❹ انساب الاشراف: ٤/ ٣۔ الامامة والسياسة، ص: ٢١٣.

❺ تاريخ الاسلام ذهبى: ٢/ ٣٢١.

Marfat.com

((ما رأيت بعد عثمان اقضٰى بحق من صاحب هذا الباب .)) ❶

''میں نے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر حق کو پورا کرنے والا اور حق کے ساتھ فیصلہ کرنے والا اور کوئی نہیں دیکھا۔'' ❷

٦۔ سیّدنا عمیر بن سعد رضی اللہ عنہما کے تاثرات:

سیّدنا عمیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں۔ نہایت متقی و پرہیز گار۔ یہ سیّدنا عمرؓ کے عہد خلافت میں حمص کے گورنر تھے۔ بعض وجوہات کی بنا پر سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے انھیں معزول کر کے ان کی جگہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو وہاں کا والی مقرر فرما دیا۔ کچھ لوگوں کے دلوں میں شاید کچھ ملال پیدا ہوا تو سیّدنا عمیر رضی اللہ عنہ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

((لا تذكروا معاويةِ الاَّ بخير ، فانى سمعت رسول الله ﷺ يقول: اللّهم اهده .)) ❸

''یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر خیر و خوبی سے کرو، کیونکہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ؛ اے اللہ! انھیں ہدایت مرحمت فرما۔''

٧۔ سیّدنا قبیصہ بن جابر رضی اللہ عنہ کے تاثرات:

سیّدنا قبیصہ بن جابر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

((ما رأيت رجلًا اثقل حلمًا ، ولا ابطاء جهلًا ولا ابعد اناة منه .)) ❹

''میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ حوصلہ مند، جہالت سے بہت دور، بڑا باوقار اور بردبار اور کوئی نہیں دیکھا۔''

٨۔ سیّدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے تاثرات:

سیّدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ایک نہایت جلیل القدر صحابی رسول تھے۔ یہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارہ اور ان کے تقویٰ اور حسنِ نماز کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

---

❶ البدايه والنهايه: ٨/ ١٣٣.
❷ التاريخ الكبير، بخارى: ٤/ ٣٢٨.
❸ تاريخ الاسلام ذهبى: ٢/ ٣٢١.
❹ البدايه والنهايه: ٨/ ١٣٥۔ تاريخ الاسلام ذهبى: ٢/ ٣٢٣.

Marfat.com

((ما رأيت احداً اشبه صلوٰة برسول الله ﷺ من امامكم هذا يعني معاوية .)) ❶

''یعنی میں نے تمھارے اس امام یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو رسول اللہ ﷺ کے مشابہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔''

۹۔ سیّدنا عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کے تاثرات:

سیّدنا عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ؟ انھوں نے جواب میں فرمایا کہ: ''رسول اللہ ﷺ کی معیت میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناک کی مٹی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے افضل اور بہتر ہے۔'' لیکن ایک روایت میں ہے:

''اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی معیت میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ناک کا غبار سو عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے بہتر اور افضل ہے۔'' ❷

تطہیر الجنان کی روایت میں ہے کہ وہ مٹی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے ہزار مرتبہ بہتر اور افضل ہے، یہ صرف اس لیے ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کا شرفِ صحبت حاصل تھا۔ ان کی آنکھوں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کے چہرۂ اقدس کو دیکھا تھا اور آپ ﷺ کی نگاہ کرم پڑ جانے کا کوئی بدل ہے اور نہ اس کے برابر کوئی چیز۔

یہی سوال جب معافی بن عمران سے پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ تو ایک صحابی کو تابعی کے برابر قرار دیتا ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ تو صحابی، کاتب وحی اور آپ ﷺ کے سسرالی رشتہ دار ہیں۔ اور سن لے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کا ایک دن عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی تمام عمر سے افضل ہے۔ ❸

۱۰۔ ابوتوبہ حلبی رحمہ اللہ کے تاثرات:

یہ مشہور محدث تھے اور محدث ابو داؤد کے اساتذہ میں سے تھے۔ یہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے

---

❶ المنتقى للذهبي، ص: ٣٨٨۔ مجمع الزوائد: ٩/ ٤٣٨۔ منهاج السنّه: ٣/ ٤٨٥.

❶ البدايه والنهايه: ٨/ ١٣٩۔ تطهير الجنان لابن حجر مكي، ص: ١٠.

❷ تاريخ بغداد: ١/ ٢٠٩۔ البدايه والنهايه: ٨/ ١٣٩۔ تطهير الجنان، ص: ١٠.

Marfat.com

بارے میں فرماتے تھے:

((معاویہ بن ابی سفیان ستر اصحاب رسول اللّٰہ ﷺ ، فاذا کشف الرجل الستر اجتری علی ماوراہ .)) ❶

''معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اصحاب رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک پردہ ہیں۔ اگر کوئی شخص پردہ کو کھول دے تو پھر وہ پردے کے پیچھے والی ہر چیز پر جرأت کر سکے گا۔''

یعنی جو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کو مجروح کرے گا، اس سے پھر سیّدنا ابوبکر، عمر، عثمان علی رضی اللہ عنہم وغیرہم میں سے کوئی بھی نہیں بچ سکے گا۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مستشرقین کی نظر میں

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت ایسی ہے کہ جس کی تعریف و تحسین نہ صرف اپنوں نے کی بلکہ دوسرے بھی ان کی تعریف میں رطب اللسان رہے۔ رسول اللہ ﷺ، سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، سیّدنا سعد بن ابی وقاص اور سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور مختلف تابعین کے اقوال آپ کی جلالت قدر اور آپ کے عالی مقام کے بارے میں گزشتہ صفحات میں گزر چکے ہیں۔ اب چند مشہور مستشرقین کی آراء نقل کی جا رہی ہیں، تاکہ آپ کے بارے میں غیر مسلم مستشرقین کی آراء سے بھی قارئین آگاہ ہو سکیں۔

۱۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا:

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نویس آپ کے بارے میں لکھتا ہے:

''آپ ایک پیدائشی حکمران تھے۔ اسی لیے شام انتظامی نقطہ نظر سے تمام اسلامی مملکت میں ایک مثالی صوبہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ آپ شامیوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے۔ آپ نے طاقت سے نہیں بلکہ نرمی، بردباری اور خداداد ذہانت سے فرماں روائی کی۔'' ❷

۲۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام:

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا مقالہ نویس آپ کے بارے میں لکھتا ہے:

---

❶ تاریخ بغداد: ۱/۲۰۸۔ البدایہ والنہایہ: ۸/۱۳۹۔

❷ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا: ۴/۶۰۱۔

Marfat.com

''.....بحیثیت سیکرٹری آپ نے رسول اللہ ﷺ کی بہترین خدمات سرانجام دیں۔ یہیں آپ نے اسلام کی نئی حکومت میں کام کرنا سیکھا۔ فتح شام میں آپ کو بھی یزید (بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما) کے ساتھ بحیثیت نائب سالار بھیجا گیا، جہاں آپ نے اپنی حیرت انگیز سرگرمیوں اور کارکردگیوں کا مظاہرہ کیا اور قیساریہ وغیرہ کی فتح سے اپنے آپ کو ممتاز بنالیا۔'' ❶

''.....لیکن ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کا سیکرٹری اور اُمّ المؤمنین اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کا بھائی ہونا بھی آپ کو شیعہ حضرات کی طعن و تشنیع سے نہ بچاسکا۔ حلم کی جتنی خوبیاں ہیں، وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں موجود تھیں۔ آپ کا حلم ضرب المثل تھا۔ مغرور ترین دشمن کو بھی مسکراہٹ سے غیر مسلح کردیتے تھے۔'' ❷

''.....امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں حلم کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی سیاست، زیرکی، قوت فیصلہ اور فصیح اللسان خطابت وغیرہ کی تمام خوبیاں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ آپ کا شمار اپنے وقت کے پانچ بہترین خطیبوں میں ہوتا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے زبان سے زیادہ کی تلوار کی بہ نسبت زیادہ مطلب برآری کی ہے۔'' ❸

۳۔ کولمبیا انسائیکلو پیڈیا:

''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو دولتِ بنواُمیہ کے بانی ہیں، اسلام کے عظیم ترین مدبروں میں سے تھے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے سیکرٹری (کاتب) تھے۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک نمایاں جرنیل بن گئے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی پالیسی ہمیشہ بردبارانہ رہی اور روشن دماغی سے امور مملکت سرانجام دیتے رہے۔ آپ نے اسلامی مملکت کو پھر نمایاں طور پر یک جہتی بخشی۔'' ❹

۴۔ انسائیکلو پیڈیا آف سوشل سائنسز:

''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک اعلیٰ قسم کے فوجی منتظم تھے۔ آپ کے جرنیلوں نے مملکتِ اسلامیہ

---

❶ جلد:۳، حصہ:۲، صفحہ:۶۱۷۔
❷ جلد:۳، حصہ:۲، صفحہ:۶۱۹۔
❸ ایضاً۔
❹ کولمبیا انسائیکلو پیڈیا، صفحہ:۱۳۱۹۔

Marfat.com

کو وسعت عظمیٰ سے ہم کنار کیا۔ آپ کا شمار عرب کے مشہور چار زیرکوں میں ہوتا ہے۔'' ❶

۵۔ بروکلمن:

''یزید (بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما) اور ان کے بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ نے صدیقی اور فاروقی دور میں اپنے زریں کارناموں کی بدولت ایک امتیازی مقام حاصل کرلیا تھا۔'' ❷

''.....امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسلامی مملکت اور نظامِ حکومت کو ایک بار پھر فاروقی بنیادوں پر استوار کیا، جو خانہ جنگیوں سے درہم برہم ہو چکا تھا۔'' ❸

۶۔ سائیکس:

مشہور مستشرق سائیکس لکھتا ہے:

''.....امیر معاویہ رضی اللہ عنہ قابل ترین اور مضبوط سیاست کے مالک اور عرب سربراہوں میں سے تھے۔ آپ نے ابتدائی مہمات ہی میں امتیاز حاصل کرلیا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو ملکِ شام کا گورنر بنا دیا۔'' ❹

چند صفحات کے بعد مصنف پھر لکھتا ہے:

''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار صفِ اوّل کے اسلامی خلفاء میں ہوتا ہے۔'' ❺

۷۔ نکلسن:

پروفیسر نکلسن جو کہ تاریخ کا ایک بہت بڑا ماہر سمجھا جاتا ہے، آپ کے بارے میں لکھتا ہے:

''.....امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک اعلیٰ درجہ کے سیاست دان اور زمانہ شناس تھے۔ زشلو کی طرح انسانی طبائع شناس تھے، جس کی وجہ سے تمام اعتدال پسند مخالفین کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب و کامران ہو گئے۔'' ❻

۸۔ سر ولیم میور:

سر ولیم میور جس نے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم تک کو اپنی تنقید کا ہدف بنایا ہے، سیّدنا

---

❶ جلد: ۱۱/ ۴۲۶۔
❷ ہسٹری آف دی اسلامک پیپلز، صفحہ: ۶۳۔
❸ ایضاً۔
❹ ہسٹری آف پرشیا، صفحہ: ۵۳۲۔
❺ صفحہ: ۵۴۶۔
❻ لٹریری ہسٹری آف دی عربز، صفحہ: ۱۹۵۔

Marfat.com

معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتا ہے کہ؛

''.....معاویہ رضی اللہ عنہ ایک اعلیٰ درجہ کے سپہ سالار تھے۔ شامی مہم میں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی فوج کے علم بردار تھے۔'' ❶

نیز لکھا ہے کہ؛

''..... یزید رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ سے مل کر صیداء، عرقہ، جبیل اور بیروت فتح کیے۔'' ❷

۹۔ پروفیسر ہٹی:

پروفیسر ہٹی موجود دنیا کا سب سے بڑا مؤرخ تصور کیا جاتا ہے۔ اس کی اسلام دشمنی کو تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے، لیکن ان سب چیزوں کے باوجود سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کمالات وفضائل کا اسے بھی اقرار کرنا پڑا۔ وہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''ہسٹری آف دی عربز'' میں لکھتا ہے کہ؛

''..... معاویہ رضی اللہ عنہ میں سیاسی حس اپنے سے قبل کے تمام خلفاء سے قریباً زیادہ تھی۔ عرب مؤرخین کے نزدیک ان کی سب سے بڑی خوبی ''حلم و بردباری'' تھی، یعنی وہ غیر معمولی قابلیت جس سے کہ طاقت کا استعمال صرف اس وقت کیا جاتا ہے، جب کہ وہ انتہائی ضروری ہوتا ورنہ ہر موقع پر نرمی اور بردباری سے کام لیا جاتا۔ وہ اپنی نرمی اور ملائمت سے دشمن کو غیر مسلح کر دیتے تھے۔ ان کا دیر سے غصہ میں آنا اور اپنے آپ پر مکمل ضبط انھیں ہر موقع پر کامیاب و کامران بنا دیتا تھا۔ چنانچہ وہ خود کہتے ہیں کہ میں اس جگہ اپنی تلوار استعمال نہیں کرتا، جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے اور جہاں میری زبان سے کام بنتا ہے، وہاں میں اپنا کوڑا استعمال نہیں کرتا اور جہاں میرے اور لوگوں کے درمیان ایک بال کے برابر بھی رشتہ قائم ہو، میں اسے نہیں توڑتا، کیونکہ جب وہ اسے کھینچتے ہیں تو میں ڈھیلا کر دیتا ہوں اور جب وہ ڈھیلا کرتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں۔''

یہی مستشرق آگے لکھتا ہے کہ؛

''.....ان سب خوبیوں کے باوجود معاویہ رضی اللہ عنہ کئی مؤرخین کی نگاہ میں پسندیدہ نہیں

---

❶ خلافت، صفحہ:۶۳۔ ❷ صفحہ:۱۳۰۔

Marfat.com

ہیں۔ وہ انھیں اسلام میں پہلا ''ملک'' (بادشاہ) سمجھتے ہیں، حالانکہ عرب مؤرخین کے نزدیک یہ لقب ناپسندیدہ ہے۔ مؤرخین کے خیالات پر ان تنگ نظر لوگوں کا عکس ہے، جو انھیں خلافتِ نبوت کو تبدیل کرنے والا سمجھتے ہیں۔''

''..... اسلامی تاریخ نے جو کہ زیادہ تر عباسی عہد خلافت میں شیعی اثرات کے تحت مرتب کی گئی ہے، ان کے دینی کمالات کو قابلِ اعتراض اور مشکوک بنا دیا ہے۔ ابن عساکر کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک بہترین مسلمان تھے۔ آپ نے اپنے بعد کے آنے والے اُموی خلفاء کے لیے حلم و بردباری، شجاعت و بسالت، دانائی وزیرکی اور تدبر و سیاست کے بہت سے اصول چھوڑے، جن پر کچھ خلفاء نے عمل بھی کیا۔ وہ فرماں رواؤں میں سے بہترین فرماں روا تھے۔'' ❶

یہ تھیں نابغۂ اسلام امیر المؤمنین سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مستشرقین کی آراء جن کو نہایت اختصار سے ہم نے بیان کیا ہے۔

یہ بات اہلِ علم سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مظلوم ترین صحابی ہیں، جن کے بہترین اعمال پر تعصب اور نافہمی کے پردے نہ صرف بیگانوں نے بلکہ اپنوں نے بھی ڈال رکھے ہیں، اور ان کی بے مثال فراست، انتظامی صلاحیت اور ان کے بے نظیر حلم اور بردباری اور فیاضی کو کورچشمی سے یک قلم نظر انداز کر دیا گیا ہے، حالانکہ وہ دنیائے اسلام کے ایک بہترین مدبر اور نہایت اعلیٰ منتظم تھے۔ جیسا کہ ان کی زندگی کے واقعات سے عیاں ہے۔

❀❀❀❀

---

❶ ہسٹری آف دی عربز، صفحہ: ۱۹۷۔۱۹۸۔

Marfat.com

ہماری دیگر کتابیں

سیرت رحمتِ عالم ﷺ	ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری
دروسِ سیرت ﷺ	ڈاکٹر سعید رمضان البوطی
حیاتِ سرورِ کائنات ﷺ	ملا واحدی دھلوی
قرآن ناطق ﷺ	سرجیت سنگھ لامبا
سیرتِ رسول ﷺ قرآن کے آئینے میں	ڈاکٹر عبد الغفور راشد
رسول اکرم ﷺ اور خواتین	ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی
اسوۂ کامل ﷺ	ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر
بلغ العلی بکمالہ (منظوم سیرت النبی ﷺ)	خورشید ناظر
علوم الحدیث	ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر
سائنس قرآن کے حضور میں	طارق اقبال سوہدروی
صحابہ رضی اللہ عنہم کے سوال نبی رحمت ﷺ کے جواب	ڈاکٹر نصیف سلمان
علوم اسلامیہ اور مستشرقین	ڈاکٹر محمد ثناء اللہ ندوی
تذکار آزاد	عبد الرشید عراقی
مولانا امین احسن اصلاحی، حیات وافکار	ڈاکٹر اختر حسین عزمی

پہلی مرتبہ مکمل تخریج کے ساتھ

سیرۃ البخاری

امام المحدثین امام بخاریؒ کی حیات، تصنیفات اور تحقیقات پر مشتمل ایک دائرۃ المعارف

سائز
20x30/8

صفحات
508

مولانا عبد السلام مبارکپوری

تعلیق وتخریج: ڈاکٹر عبد العلیم عبد العظیم بستوی

Marfat.com

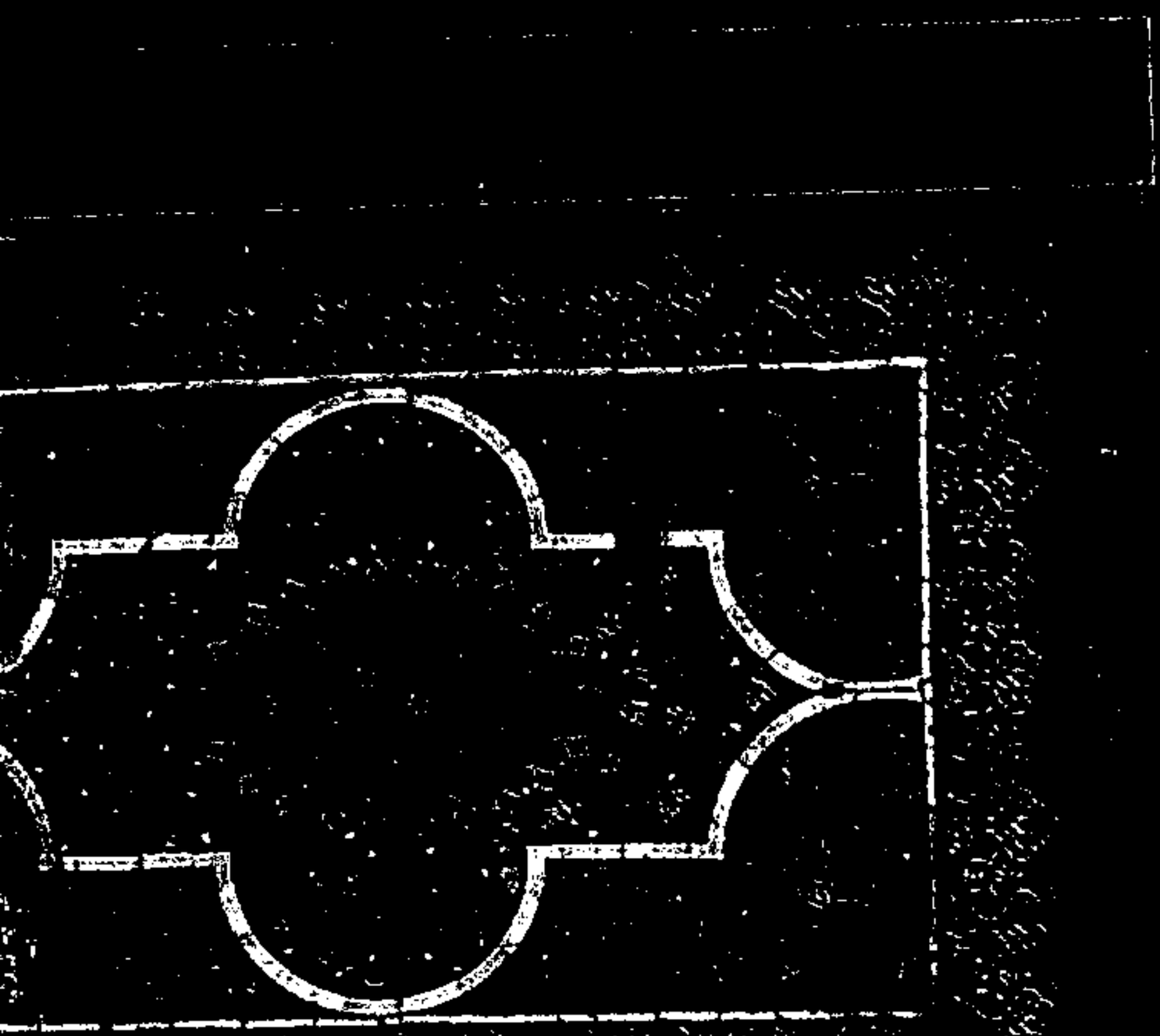

سیرتِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

پروفیسر حافظ انظار احمد

نشریات

Marfat.com